

جمالین

فی شرح

جلالین

جلد اول

لشیخ عبد الرحمن بن ربیع بن عبد الوہاب الدین السیوطی ۵۹۱۴ھ

شرح

حضرت مولانا محمد جمال بک دہلوی

استاذ دارالعلوم دیوبند

www.ahelahq.org

زمزم پبلشرز

جلد دوم از نظر ثانی شد و در سال ۱۴۰۱ هجری قمری

جمالین

فی شرح

جلالین

جلد اول

فایض عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی ۵۹۱۱۴

شاح

حضرت مولانا محمد جمال بلندی شہری

استاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اُردو بازار کراچی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

”جمالین“ فیض ”جلالین“ کے جملہ حقوق اشاعت و طباعت پاکستان میں صرف مولانا محمد رفیق بن عبد المجید مالک زمزم پبلشرز کراچی کو حاصل ہیں لہذا اب پاکستان میں کوئی شخص یا ادارہ اس کی طباعت کا مجاز نہیں بصورت دیگر زمزم پبلشرز کو قانونی چارہ جوئی کا مکمل اختیار ہے۔

از

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

اس کتاب کا کوئی حصہ بھی زمزم پبلشرز کی اجازت کے بغیر کسی بھی ذریعے بشمول فوٹو کاپی برقیاتی یا میکائیکی یا کسی اور ذریعے سے نقل نہیں کیا جاسکتا۔

ملنے کے دیگرتے

✻ مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509

✻ مکتبہ دارالحدی، اردو بازار کراچی۔ فون: 32711814

✻ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

✻ قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی

✻ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور

✻ Madrasah Arabia Islamia

1 Azaad Avenue P.O Box 9786,
Azaadville 1750 South Africa
Tel : 00(27)114132786

✻ Azhar Academy Ltd.

54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone 020-8911-9797

✻ Islamic Book Centre

119-121 Halliwell Road, Bolton BL1 3NE
U K
Tel/Fax 01204-389080

✻ Al Farooq International

68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
Tel 0044-116-2537640

کتاب کا نام ————— جمالین فیض جلالین جلد اول

تاریخ اشاعت ————— فروری ۲۰۱۱ء

باہتمام ————— احباب زمزم پبلشرز

ناشر ————— زمزم پبلشرز کراچی

صفحات ————— ۶۴۸

شاہ زیب سینٹرز و مقدس مسجد، اردو بازار کراچی

فون: 021-32729089

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: www.zamzampublishers.com





الشیخ محمد جمال القاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند (الہند)

MAULANA MOHD. JAMAL QASMI
(PROF.)

DARUL ULOOM DEOBAND
DISTT. SAHARANPUR (U.P) INDIA
PIN 247554 PHONE. 01338-224147
Mob. 9412848280

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جمالین شرح اردو حلالین کے حقوق اشاعت و طباعت باہمی ایک
سابقہ کے تحت پاکستان میں مولانا محمد رفیق بن عبد المجید صاحب
زمزم پبلشر کراچی کو دیدئے گئے ہیں لہذا پاکستان میں کوئی شخص
یا ادارہ جمالین کے کل یا جزئی اشاعت و طباعت کا مجاز نہ ہوگا
ایسورت دیگر ادارہ زمزم کو قانونی چارہ جوئی کا اختیار ہوگا

محمد جمال قاسمی

استاذ دارالعلوم دیوبند

۱۸ دسمبر ۲۰۰۳ء ۱۱/۱۲/۲۵

عرصِ ناشر

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى...

اما بعد! اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو پیدا فرما کر اس کی تمام ضروریات کی کفالت فرمائی اور بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے انسانیت کے نام اپنا پیغام مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعہ بھیجا تا کہ انسان اس کی رہنمائی میں چل کر دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کو حاصل کر سکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ والسلام سے پہلی امتوں سے کتاب ہدایت کی حفاظت نہ ہو سکی جس کے نتیجہ میں وہ نسخہ اصلی سے محروم ہو گئے اور سیدھی راہ بتانے والا ہدایت نامہ جب نہ رہا تو اندھیروں میں بھٹکتے ہی چلے گئے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کی امت کو دی جانے والی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری خود خالق السموات والارض نے اٹھائی اور کھلے عام اعلان کر دیا ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ اس کتاب زندہ کی حفاظت اللہ پاک نے ہر طرح اور ہر طبقہ کے ذریعہ کرائی، قرآن مجید کی جملہ تفاسیر اسی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

زیر نظر ”تفسیر جمالین اردو“ جلالین شریف عربی کی اردو شرح ہے، لیکن تو تفسیر جلالین کی بہت سی شروحات عربی اور اردو میں لکھی گئی ہیں، لیکن ”ہر گلے رارنگ و بوئے دیگر است“ حضرت مولانا محمد جمال سیفی صاحب دامت برکاتہم العالیہ استاذ دارالعلوم دیوبند نے نہایت عمدہ اور آسان سلیس زبان میں ہر ہر مقام پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اللہ پاک امت مسلمہ کی طرف سے حضرت مصنف صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

زمزم پبلشرز نے پوری تفسیر کو نئی آب و تاب کے ساتھ زیور طباعت سے آراستہ کیا جو کہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، زمزم پبلشرز نے اس تفسیر میں مندرجہ ذیل قابل قدر کام کیے:

- 1 ملک کے معروف خطاط ”حافظ عبدالرؤف صاحب“ زید مجدہ سے قرآن کریم کتابت کروایا۔
- 2 پروف ریڈنگ پرزیر کثیر اور محنت شاقہ خرچ کی۔
- 3 عمدہ کاغذ پر ۶ جلدوں میں چھاپا۔
- 4 قرآن کریم کی آیات اور جلالین کی عبارت کو ممتاز کیا تا کہ پڑھنے میں سہولت ہو۔

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۲۲	۳ وحی ملکی.....	۱۵	کلمات بابرکت.....
۲۳	وحی اور ایحاء میں فرق.....	۱۸	کچھ کتاب کے بارے میں.....
۳۴	وحی کے اصطلاحی معنی.....	۱۸	تفسیری کلمات اور ان کے فوائد.....
۳۴	مکی اور مدنی آیات.....	۲۰	آغاز کلام.....
۳۵	مکی مدنی آیتوں کی خصوصیات.....	۲۳	قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ.....
۳۵	مندرجہ ذیل خصوصیات اکثری ہیں مکی نہیں.....	۲۴	وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ كَمَا يَسَّحُ الْمَطْلَب.....
۳۶	قرآن کریم کے متعلق مفید اعداد و شمار.....	۲۶	مقدمہ.....
۳۶	تاریخ نزول قرآن.....	۲۶	وحی کی ضرورت.....
۳۶	سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت.....	۲۸	آخری معیار وحی ہے.....
۳۷	التفسیر لغة واصطلاحاً.....	۲۹	کیا حقیقی بہن سے نکاح کرنا عقل کے عین مطابق ہے؟.....
۳۷	تفسیر و تاویل میں فرق.....	۲۹	عقلی جواب ناممکن.....
۳۸	ترجمة الإمامین الہمامین الجلیلین.....	۲۹	عقل کو وحی الہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار سمجھنے کا.....
۳۸	صاحب جلالین نصف ثانی.....	۲۹	بہیمانہ نتیجہ.....
۳۸	نام و نسب.....	۳۰	مقلیت پسندوں پر کھیساکے مظالم.....
۳۸	سن پیدائش و وفات.....	۳۰	تاریخ حفاظت قرآن.....
۳۹	تحصیل علوم.....	۳۱	حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے عہد میں تاریخ.....
۳۹	آپ کی تصانیف.....	۳۱	حفاظت قرآن.....
۳۹	صاحب جلالین نصف اول.....	۳۱	حفاظت قرآن و عہد عثمانی.....
۳۹	نام و نسب.....	۳۲	ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ.....
۴۰	تحصیل علوم.....	۳۲	وحی کی اقسام.....
۴۰	ایک غلطی کا ازالہ.....	۳۲	۱ وحی قلبی.....
۴۰	درس و تدریس اور افتاء.....	۳۳	۲ کلام باری.....

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۶۱	فائدہ عظیمہ	۴۱	علمی خدمات
۶۴	روحانی امراض	۴۱	وفات
۶۵	مدینہ میں نفاق کی ابتداء	۴۱	تفسیر جلالین
۶۵	اسلام میں نفاق کے اسباب	۴۱	جلالین کے مآخذ
۷۰	منافقوں اور ریاکاروں سے انجیل کا طرز خطاب	۴۲	جلالین کے شروع و حواشی
۷۱	صحابہ معیار حق ہیں	۴۳	ترجمہ خطبہ جلالین نصف اول
۷۲	ذات باری کی طرف تمسخر کا انتساب قدیم صحیفوں میں ..	۴۵	علامہ محلی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کا مختصر تعارف
۷۳	ایک شبہ کا ازالہ	۴۶	علامہ سیوطی رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کے خطبہ کا خلاصہ
۷۸	منافقین کے ایک گروہ کی مثال		
۷۸	منافقین کے دوسرے گروہ کی مثال		
۸۲	قرآن مجید کا مخاطب سارا عالم ہے	۴۶	سورۃ بقرہ
۸۳	قرآن کا اصل پیغام	۴۸	قرآنی سورتوں کا ”سورۃ“ نام رکھنے کی وجہ تسمیہ
۸۴	زمین کی وسعت	۵۱	سورۃ بقرہ کے فضائل
۸۴	ربط آیات	۵۱	زمانہ نزول
۸۹	ربط آیات	۵۲	سورۃ بقرہ کی وجہ تسمیہ
۹۰	ایمان و عمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے	۵۲	حروف مقطعات کی بحث
۹۰	دنوی بچاؤں سے ظاہری مشابہت کی مصلحت	۵۴	پہلی صفت ایمان کی تعریف
۹۱	نام نہاد روشن خیال اور جنت کی نعمتیں		محسوسات اور مشاہدات میں کسی کے قول کی تصدیق کا
۹۲	تمثیل کا مقصد	۵۵	نام ایمان نہیں
۹۵	ربط آیات	۵۶	ایمان اور اسلام میں فرق
۹۵	تخلیق انسان کی سرگزشت کے ادوار	۵۶	اسلام اور ایمان میں فرق صرف ابتداء اور انتباء کا ہے ...
۹۵	عالم برزخ	۶۰	قبول حق کی صلاحیت سے محروم کفر پر مرتے ہیں

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۱۱۳	آدم علیہ السلام کی خطا کی توجیہ	۹۷	عالم برزخ میں مجازات
۱۱۳	اور خداوند نے کہا	۹۷	برزخی زندگی اور خواب میں فرق
۱۱۳	شجر ممنوعہ کیا تھا	۹۷	حالت نوم میں روح کا تعلق جسم سے پوری طرح منقطع نہیں ہوتا
۱۱۴	ایک سوال اور اس کا جواب	۹۷	عالم برزخ میں روح کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا اثر جسم پر بعض اوقات ظاہر ہو جاتا ہے
۱۱۵	بندہ نوازی کا کمال	۹۸	عالم برزخ میں مجازات
۱۱۵	یہ حکم بطور سزا نہیں تھا	۹۸	عالم برزخ میں پوری جزاء یا سزا نہیں ہوگی
۱۱۵	مہبط آدم و حواء علیہ السلام	۹۸	آسمانوں کے سات ہونے پر کلام
۱۱۸	بنی اسرائیل سے خطاب	۱۰۰	ربط آیات
۱۱۹	قرآن کے مخاطبین	۱۰۳	تاریخ آفرینش آدم علیہ السلام اور اس کا منصب
۱۲۰	یہود کی حق فروشی	۱۰۴	خلیفہ
۱۲۱	تعلیم قرآن پر اجرت کا مسئلہ	۱۰۴	بابل میں تخلیق آدم کا ذکر
۱۲۱	ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی پر اجرت لینا جائز نہیں	۱۰۶	فرشتہ اور دیوتا میں فرق
۱۳۰	فرعون موسیٰ کا نام	۱۰۶	اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو اجمالی جواب
۱۳۰	فرعون کا خواب	۱۱۰	ربط آیات
۱۳۱	موسیٰ علیہ السلام اور ان کا نسب	۱۱۰	سجدہ تعظیمی پہلی امتوں میں
۱۳۱	بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات	۱۱۰	توضیح
۱۳۲	معجزہ کی حقیقت	۱۱۱	اہم بات
۱۳۲	وقوع اور امکان میں فرق	۱۱۱	سجدہ تعظیمی کی ممانعت
	موسیٰ علیہ السلام کے ستر ہمراہیوں کے ہلاک ہونے کے بعد زندہ ہونے کا واقعہ	۱۱۲	غذا و خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں
۱۳۵	رویت باری کا مسئلہ	۱۱۲	مسئلہ رغصمت انبیاء
۱۳۹	اسرائیلیوں پر نازل ہونے والا عذاب کیا تھا؟		

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۱۷۱	قرآن کی خرید و فروخت کا مسئلہ	۱۴۵	یہودیوں پر ابدی ذلت کا اور اسرائیل کی موجودہ حکومت سے شبہ اور اس کا جواب
۱۷۱	ہر تحریف و تصحیف موجب لعنت ہے	۱۴۶	بنی اسرائیل پر دائمی ذلت بحیثیت قوم و نسل ہے نہ کہ بحیثیت عقیدہ
۱۷۱	یہود کی غلط فہمی	۱۵۰	رابطہ آیات
۱۷۲	نجات اور عدم نجات کا قانون	۱۵۰	مطلب
۱۷۶	توریت اور والدین کا احترام	۱۵۰	بنی اسرائیل اور یہود میں فرق
۱۷۶	توریت میں ضرورت مند کا ذکر	۱۵۱	یہودی مذہب نسلی مذہب ہے، تبلیغی نہیں؟
۱۷۹	اسرائیلیوں کے لئے جہنم کی وصیت ایک اسرائیلی نبی کی زبانی	۱۵۱	اسرائیل کی قومی حکومت کا خاتمہ
۱۸۰	جنگ بعاث	۱۵۱	بنی اسرائیل کی مختصر تاریخ
۱۸۲	حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام اور ان کا نسب	۱۵۳	مسیحی اور نصرانی میں فرق
۱۸۳	عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں	۱۵۳	ایک شبہ کا جواب
۱۹۲	دعوتِ مہابلہ	۱۵۵	دینی معاملات میں حیلہ کی حقیقت
۱۹۵	شان نزول	۱۵۵	فقہی حیلے
۱۹۶	مذکورہ تینوں سوالوں کے جوابات	۱۵۶	واقعہ مسخ کی تفصیل
۲۰۱	بنی اسرائیل کی شیطان کی پیروی	۱۵۶	ممسوخ قوم کی نسل نہیں چلی
۲۰۲	فن سحر میں یہود کی مہارت	۱۶۰	گائے ذبح کرنے کی مصلحت
۲۰۲	یہود میں سحر و طہر سے پھیلا	۱۶۰	تورات میں ذبح گائے کا حکم
۲۰۲	ہاروت و ماروت کے واقعہ کی تفصیل	۱۶۳	جمہور کا مذہب
۲۰۳	سلیمان علیہ السلام اور بنی اسرائیل	۱۶۵	ذبح بقر کے واقعہ کی قدرے تفصیل
۲۰۵	قرآن کا اعجاز	۱۶۶	گائے ذبح کرانے کی مصلحت
۲۰۶	سحر کی حقیقت	۱۶۷	شان نزول
۲۰۷	نظام تکوینی اور نزول سحر		

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۲۳۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اعلانِ امامت.....	۲۰۸	سحر اور معجزے میں فرق.....
۲۳۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف.....	۲۰۹	معجزہ.....
۲۳۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن ولادت.....	۲۰۹	سحر کی وجہ سے انقلابِ ماہیت ہوتا ہے یا نہیں؟.....
۲۳۸	حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن.....	۲۱۰	کیا سحر کا اثر انبیاء علیہم السلام پر ہو سکتا ہے؟.....
۲۴۱	البیت العتیق.....	۲۱۰	سحر کے احکام.....
۲۴۲	قابل غور بات.....	۲۱۴	شانِ نزول.....
۲۴۲	بعض حق گو محققین کی شہادت.....	۲۱۵	شانِ نزول.....
۲۴۲	پھر وہی آگے لکھتا ہے.....	۲۱۵	احکامِ البیہ کے نسخ کی حقیقت.....
	بأسورتھ اسمتھ اپنے لکچرزان محمد اینڈ محمدان ازم میں		نسخ کی تعریف میں متقدمین اور متاخرین کے درمیان
۲۴۲	لکھتا ہے.....	۲۱۶	فرق.....
	سب نے بڑھ کر قابلِ لحاظ شہادت سرولیم میور کے قلم	۲۱۲	نسخ کے بارے میں جمہور کا مسلک.....
۲۴۲	سے ہے.....	۲۱۹	شانِ نزول.....
۲۴۷	شانِ نزول.....		اللہ کے یہاں قوم و نسل کی قیمت نہیں ایمان اور عمل
۲۴۸	حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت.....	۲۲۰	صالح کی قیمت ہے.....
۲۴۸	حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا تاریخی تعارف.....	۲۲۰	غلط فہمی کا سبب.....
۲۵۱	واقعہ.....	۲۲۱	آج کل پوری دنیا کے مسلمان مصائب کا شکار کیوں؟...
۲۵۵	شانِ نزول.....	۲۲۱	ایک شبہ اور اس کا جواب.....
۲۵۶	امت محمدیہ امت وسط ہے.....	۲۴۶	شانِ نزول.....
۲۵۶	رسول اللہ ﷺ کا تزکیہ.....	۲۴۸	فرقہ امتحازی.....
۲۵۶	واقعہ تحویل قبلہ کی تاریخ و تفصیل.....	۲۴۸	اللہ کے لئے ولد عقلاً و نقلاً ممکن نہیں.....
۲۵۹	وحی خفی ہے ثابت شدہ حکم کا کتاب اللہ سے نسخ.....	۲۴۹	دلیل بطلان.....
۲۶۰	لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا مسئلہ.....	۲۴۶	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش.....

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۲۹۰	نذر لغیر اللہ کا مسئلہ	۲۶۰	مسئلہ استقبال قبلہ
۲۹۰	اضطرار اور مجبوری کے احکام	۲۶۱	قواعد ریاضی کے اعتبار سے سمت قبلہ
۲۹۱	غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ کی تفسیر	۲۶۲	رابط آیات
۲۹۳	شان نزول	۲۶۲	طاقت کا سرچشمہ
۳۰۰	شان نزول	۲۶۲	صبر کے معنی
۳۱۰	روزہ کا جسمانی و روحانی فائدہ	۲۶۹	صبر کے تین شعبے
۳۱۰	مریض کا روزہ	۲۶۹	نماز کی تاثیر یقینی ہے
۳۱۱	مسافر کا روزہ	۲۷۰	شان نزول
۳۱۱	روزہ کی قضاء	۲۷۱	شبہ کا دفع
۳۱۲	فدیہ کی مقدار	۲۷۲	ایک فقہی مسئلہ
۳۱۳	حالت سفر میں روزہ افضل ہے یا افطار	۲۷۳	شان نزول
۳۱۷	۱ پہلا اشکال	۲۷۷	شان نزول
۳۱۷	۲ دوسرا اشکال	۲۷۸	رابط آیات
۳۱۷	۱ پہلے اشکال کا جواب	۲۷۹	رابط آیات
۳۱۷	۲ دوسرے اشکال کا جواب	۲۸۳	شان نزول
۳۱۸	شان نزول	۲۸۴	جاہلانہ تقلید اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں فرق
۳۱۹	شان نزول	۲۸۵	رابط آیات
۳۲۲	شان نزول	۲۸۸	خنزیر کی حرمت
۳۲۲	قمری تاریخوں کا حکم اور اہمیت	۲۸۸	ائمہ کا مسلک
۳۲۵	بدعت کی اصل بنیاد	۲۸۸	لحم خنزیر کی مضرت
۳۲۶	جہاد کا مقصد خون بہانا نہیں	۲۸۹	بائبل میں سور کی حرمت اور نجاست
۳۳۱	مالی ہنگامی ضرورت	۲۸۹	وَمَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۳۶۹	اسلام کی رواداری	۳۳۲	حج کی فرضیت
۳۶۹	المشركات	۳۳۳	احصار اور مجبوری سے کیا مراد ہے
۳۷۰	چند فقہی افادات	۳۳۳	عمرہ کا حکم
۳۷۵	یہود اور بعض دیگر قوموں کا اس معاملہ میں تشدد	۳۳۳	حج تمتع و قرآن کے احکام
۳۷۵	حالت حیض میں توریت کا قانون	۳۳۴	تمتع اور قرآن میں فرق
۳۸۰	خلاصہ کلام	۳۳۹	رَفْت
۳۸۳	شان نزول	۳۳۹	فسوق
۳۸۳	طلاق رجعی دہی تک ہیں	۳۳۹	جدال
۳۸۷	طلاق دینے کے تین طریقے	۳۴۱	عرفات
۳۸۴	شان نزول	۳۴۶	رابط و شان و نزول
۳۸۵	مباحث احکام خلع	۳۴۶	رابط آیات اور شان نزول
۳۸۶	جواز اور کراہت میں منافات نہیں	۳۵۴	شان نزول
۳۸۶	عقلی دلیل	۳۵۴	غزوہ احزاب
۳۸۷	خلع طلاق ہے یا فسخ؟	۳۵۷	مصارف خیر کی حکمت
۳۹۲	رابط آیات	۳۶۰	تطبیق
۳۹۲	شان نزول	۳۶۲	نتیجہ اختلاف
۳۹۸	طلاق قبل الدخول کے احکام	۳۶۳	اشہر حرم میں قتال کا حکم
۳۹۹	سبب نزول	۳۶۵	نئی بوتل میں پرانی شراب
۴۰۰	مقدار متعد مختلف فیہ ہے	۳۶۵	شراب اور جوئے سے معاشرہ کی تباہی
۴۰۱	صلوۃ وسطیٰ کی تفصیل	۳۶۵	اسلام کا حیرت انگیز کارنامہ
۴۰۶	واقعہ کی تفصیل	۳۶۶	سرو لیم میو کی شہادت
	حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ مراجعت کی تفصیل	۳۷۰	شان نزول

فہرست مضامین

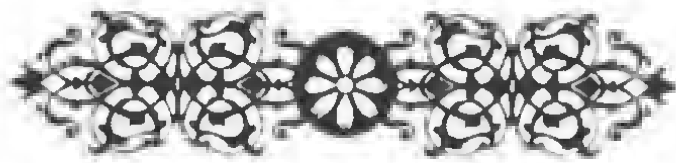
صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۵۵۶	استعارہ تصریحیہ	۵۱۵	سرو لیم میور، مسلمان نہیں انیسویں صدی کے مسیحی تھے ان کے قلم سے ملاحظہ ہو
۵۵۶	استعارہ تمثیلیہ	۵۱۸	دعوت کا ایک اہم اصول
۵۵۷	امر بالمعروف فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟	۵۲۳	استعارہ بالکنایہ
۵۶۲	غزوہٴ احد	۵۲۳	یہودیوں کے ایک اور مکر کا ذکر
۵۶۳	غزوہٴ بدر کا خلاصہ اور اس کی اہمیت	۵۳۱	میثاق کہاں ہوا؟
۵۶۹	سود خوری کے نقصانات	۵۳۲	پہلے میثاق کا ذکر
۵۶۹	انفاق فی سبیل اللہ کے فوائد	۵۳۲	دوسرے میثاق کا ذکر
۵۸۷	شان نزول	۵۳۲	تیسرے عہد کا بیان
۵۹۲	ربط آیات اور شان نزول	۵۳۲	یہ میثاق کس چیز کے بارے میں لیا گیا؟
۵۹۲	واقعہ کی تفصیل	۵۳۳	مرتد کی بھی توبہ قبول ہے
۵۹۷	ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فحش کو مارنا	۵۳۹	مکہ کے بہت سے نام ہیں
۵۹۸	یہود کا طلبِ معجزہٴ قربان	۵۴۰	آیت مذکورہ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا جذبہٴ عمل
۵۹۹	اہل ایمان کی آزمائش		فالتو اور حاجت سے زائد چیز بھی خرچ کرنے میں
۶۰۰	تورات کے حکم کو چھپانے کا واقعہ		ثواب ہے
۶۰۵	شان نزول	۵۵۱	فضائل اور تاریخ تعمیر بیت اللہ
۶۰۵	خَلَقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ سے کیا مراد ہے؟	۵۳۳	بائبل میں وادی بکہ کا ذکر موجود ہے
	سُورَةُ النِّسَاءِ	۵۳۵	حج فرض ہونے کے شرائط
۶۰۸	سورۃ النساء	۵۳۹	حَقُّ نَفَاتِہ کیا ہے؟
۶۱۲	ربط آیت	۵۵۰	فرنگی مصنفین کا اعتراف
۶۱۷	تعداد ازواج		مسلمانوں کی قومی اور اجتماعی فلاح دو چیزوں
	تعداد ازواج اور اسلام سے پہلے اقوام عالم میں اس کا	۵۵۱	پر موقوف ہے
۶۱۸	رواج	۵۵۱	سیاہ چہرے والے اور سفید چہرے والے کون ہوں گے؟

فہرست مضامین

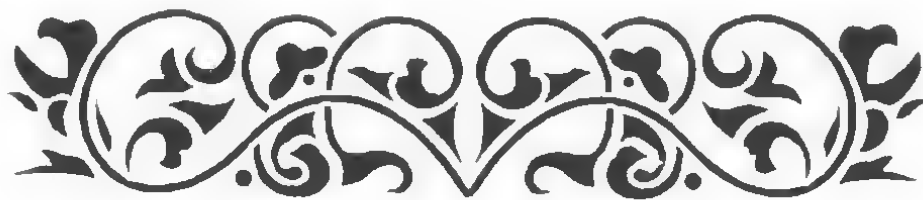
صفحہ نمبر	عناوین	صفحہ نمبر	عناوین
۶۲۹	غیر مضار کی تفسیر.....	۶۱۹	رحمۃ اللعالمین اور تعدد ازواج.....
۶۳۳	چار گواہوں کی حکمت.....	۶۲۰	آپ ﷺ کے متعدد زکاتوں کی کیفیت و حقیقت.....
۶۳۵	غیر فطری طریقہ سے قضاء شہوت کا حکم.....	۶۲۸	حاصل کلام.....
۶۳۶	لفظ یسوءاً اور توبہ کی وضاحت.....	۶۲۹	وصیت کے مسائل.....
۶۴۱	حرمت رضاعت کی مدت.....	۶۲۹	آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا.....

فہرست نقشہ مضامین

۱۲۹.....	محرابین متوسط کا نقشہ.....
۱۳۳.....	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہاجرت کا نقشہ.....
۳۳۰.....	نقشہ مقامات حج.....
۴۷۸.....	نقشہ قبائل عرب.....



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ



کلمات بابرکت

حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العلمین والصَّلوة وَالسَّلَام عَلَى رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اٰجْمَعِیْنَ۔

اما بعد!!

قرآن کریم دنیا کی وہ واحد آسمانی کتاب ہے جو زمانہ نزول سے آج تک اپنی اصلی شکل و صورت میں انسان کے پاس محفوظ ہے اور قرآن کے اعلان و انا لہ لحافظون کے مطابق ان شاء اللہ مستقبل میں بھی ہر طرح کے تغیر و تحریف سے محفوظ رہے گی۔ اس کتاب مبین کے صفحات میں خداوند ذوالجلال نے انسانوں کو خود مخاطب بنایا ہے اور اس نے صاف طور پر بیان کیا ہے کہ زندگی کے سفر میں اس کے اپنے بندوں سے کیا مطالبات ہیں جن کو پورا کر کے انسان آخرت میں فوز و فلاح سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ اس کتاب میں خدا نے انسان کو عربی زبان میں مخاطب کیا ہے اور قرآن ہی میں خدا نے رسول پاک ﷺ کو اس کی شرح و بیان کا ذمہ دار بنایا ہے، ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ

(سورۃ النحل آیت ۴۴)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر یہ قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے ان باتوں کو کھول کر بیان کر دیں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہیں اور وہ بھی اس پر غور و فکر کریں۔

معلوم ہوا کہ قرآن کریم کے مضامین کو کھول کر بیان کر دینا رسول پاک ﷺ کا فرض منصبی ہے اور اہل علم کو بھی اس پر

غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

کِتَابُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبْرَكٌ لِّدَّبَرُوا أَيْتَهُ وَلِيَتَذَكَّرُوا أَلَّا يَكُنَ

(سورۃ ص آیت ۲۹)

ترجمہ: قرآن وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا ہے، برکت والی ہے تاکہ انسان اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور تاکہ اہل عقل انصیحت حاصل کریں۔

چنانچہ اہل بصیرت ارباب علم نے قرآن کریم کی آیات پر غور و تدبر کا حق ادا کیا، الفاظ کی تصحیح و تنجید کے طریقے مدون کئے، معانی کی تنقیح اور مسائل کی تخریج و استنباط کے قواعد و قوانین مقرر کئے، اس سلسلے میں جو باتیں حضور ﷺ سے منقول تھیں ان کی حفاظت کی، پھر عربی زبان کے قواعد اور مسلمات شرعیہ کو رہنما بنا کر الفاظ و معانی کی وہ بیش قیمت خدمات انجام دیں جن کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کے علمی خزانے عاجز ہیں۔

اور اس طرح قرن اول سے آج تک قرآن کریم کی بے شمار مختصر اور مفصل تفاسیر وجود میں آگئیں، انہی معتبر تفاسیر میں تفسیر جلالین ہے جو اوساط علمیہ میں قبول عام کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ ہے کہ عہد تصنیف سے آج تک تسلسل کے ساتھ نصاب تعلیم کا جز ہے۔

اس تفسیر کے دونوں مفسرین علامہ جلال الدین محلی اور علامہ جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ نے نہایت مختصر الفاظ میں دقیق اشارات سے کام لیا ہے، اردو زبان میں ان دقیق اشارات کی شرح کی ضرورت تھی، نہایت مسرت کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم اور باذوق مدرس برادر محترم حضرت مولانا محمد جمال صاحب زید مجدہم نے ادھر توجہ کی اور اب ان کا اشیب قلم اس ضرورت کی تکمیل میں مصروف ہے، موصوف دس سال سے جلالین کا درس دے رہے ہیں، انہوں نے اپنے تدریسی تجربات اور قرآن فہمی کے معتبر ذوق کی مدد سے یہ خدمت اس طرح انجام دی کہ:

(الف) عام طور پر مشکل مفردات کی لغوی اور صرفی تحقیق کا اہتمام کیا، یعنی صیغہ بھی بتایا اور معانی بھی بیان کئے۔

(ب) مشکل جملوں کی ترکیب نحوی پر زور دیا اور اختلاف کے موقع پر رائج صورت کو مقدم کیا۔

(ج) اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ جلالین کے مختصر الفاظ میں جو فوائد ملحوظ ہو سکتے ہیں ان کی طرف پوری

توجہ مبذول کی کہ مفسر کے پیش نظر کہاں لغوی ترجمہ ہے، کہاں ابہام کی وضاحت ہے، کہاں اجمال کی تفصیل ہے، کہاں معنی مرادی کی تعیین ہے، کہاں اختلاف کی طرف اشارہ ہے، کہاں ترکیب نحوی کا بیان ہے، کہاں اختلاف میں ترجیح کی جانب اشارہ ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

موصوف نے جلالین کی ترتیب تصنیف کے مطابق جلد دوم سے اپنی خدمت کا آغاز کیا ہے، دعا ہے کہ پروردگار عالم اپنے فضل و کرم سے ان کی خدمت کو طلبہ اور اہل علم کے درمیان قبول عام کی دولت سے سرفراز فرمائے اور بارگاہ خداوندی میں شرف قبول حاصل کرے، آمین۔

والحمد لله اولاً و آخراً

ریاست علی بجنوری غفرلہ

خادم تدریس دارالعلوم دیوبند

۱۲/ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ

www.ahelahn.org

کچھ کتاب کے بارے میں

تفسیر جلالین جس کے تفسیری کلمات تقریباً قرآنی کلمات کے برابر ہیں، اگر اس تفسیر کو قرآن کا عربی ترجمہ کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو تقریباً دس سال سے جلالین نصف ثانی کا درس احقر سے متعلق ہے، اس دس سالہ تدریسی تجربہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ مفسر جلالین نصف ثانی علامہ محلی اور ان ہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علامہ سیوطی کے مختصر مگر جامع تفسیری الفاظ میں جو فوائد پیش نظر ہیں ان کی تشریح و توضیح ہی جلالین کی اصل روح ہے، جلالین کے سوالات کے پرچوں میں بھی اکثر دیکھا گیا ہے کہ دیگر باتوں کے علاوہ تفسیری کلمات کے فوائد کی وضاحت بھی مطلوب ہوتی ہے، اس کے پیش نظر اساتذہ دارالعلوم دیوبند کا یہ طریقہ رہا ہے کہ تفسیری کلمات کی وضاحت فرماتے ہیں، تفسیری کلمات کے فوائد اگرچہ جلالین کی شروح و حواشی میں جا بجا ضمنی اور منتشر طور پر ملتے ہیں، مگر اس کو عنوان اور موضوع بنا کر جس توجہ کی ضرورت تھی اس کی ضرورت اور اہمیت کے مطابق اس پر توجہ نہیں دی جاسکتی۔

تفسیری کلمات اور ان کے فوائد

شارح کے فرائض میں جہاں متکلم کے کلام کی گہرہ کشائی اور وضاحت ہوتی ہے وہاں مندرجہ ذیل امور بھی توجہ طلب ہوتے ہیں چنانچہ علامہ سیوطی اور علامہ محلی نے ان باتوں کی طرف اکثر اجمال و اشارات سے کام لیا ہے ان ہی اشاروں کی توضیح اور اجمال کی تفصیل جلالین کو درس میں داخل کرنے کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔

شارح کا مقصد کہیں تو معنی لغوی کی وضاحت ہوتی ہے، اور کہیں مقصد تعین معنی ہوتا ہے، اور کہیں متضمن معنی بیان کر کے صلاہ کی تصحیح مقصد ہوتی ہے تو کہیں اضافہ کا مقصد کسی شبہ کا ازالہ اور اعتراض کا دفعیہ ہوتا ہے، اور کہیں بیان مذہب کی طرف اشارہ ہوتا ہے، تو کہیں ترکیب نحوی کا حل، اور کہیں صیغہ کی تعین و تعلیل پیش نظر ہوتی ہے، تو کہیں کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرنا مقصد ہوتا ہے، اور کہیں اختلاف قراءت کو بیان کرنا مد نظر ہوتا ہے، تو کہیں شان نزول کی طرف اشارہ مقصود ہوتا ہے۔

پیش نظر شرح میں کوشش کی گئی ہے کہ مذکورہ امور پیش نظر رہیں تا کہ اب تک کی اردو شروحات میں جو کمی محسوس ہوتی رہی ہے اس کا کسی حد تک تدارک ہو سکے۔

آج ۱۲ ذی الحجہ ۱۴۲۲ھ ہے، ٹھیک آج سے دو سال قبل ۱۲ ذی الحجہ ہی کو جب میں نے جلد چہارم کا مقدمہ لکھا تھا تو وعدہ کیا تھا کہ ان شاء اللہ یہ مقدمہ کچھ جزوی حذف و اضافہ کے ساتھ جلد اول میں شامل کر دیا جائے گا اللہ کے فضل و کرم سے آج وہ دن آگیا کہ جلد اول طباعت کے مراحل طے کر رہی ہے، سورہ کہف سے آخر تک جلالین کی شرح جمالین کا نصف ثانی تین جلدوں

میں مکمل ہو کر آپ حضرات کی نذر ہو چکا ہے، اب نصف اول کی پہلی جلد پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، حسب وعدہ مقدمہ جزوی حذف و اضافہ کے بعد جلد اول میں شامل کیا جا رہا ہے۔

چونکہ جلالین کی تصنیف کا آغاز نصف ثانی سورہ کہف سے ہوا تھا شرح میں اسی ترتیب کو احقر نے بھی ملحوظ رکھا ہے یہ جلد جو آپ کے ہاتھوں میں ہے چوتھی جلد ہے، پانچویں جلد جو کتابت کے مرحلہ میں ہے مراحل طبع سے آراستہ ہو کر انشاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آ جائے گی، پروگرام مسلسل جاری ہے، پوری شرح چھ جلدوں پر مشتمل ہوگی۔ (انشاء اللہ)

چوتھی جلد چونکہ پہلے شائع ہو رہی ہے اس لئے مقدمہ اسی کے ساتھ ملحق کر دیا گیا ہے، انشاء اللہ جب اول جلد شائع ہوگی تو اس وقت اس مقدمہ کو کچھ مزید اضافوں کے ساتھ اول جلد کے شروع میں شامل کر دیا جائے گا، احقر کی کوشش کس حد تک کامیاب ہے یہ فیصلہ تو ناظرین ہی کر سکتے ہیں، آخر میں ناظرین سے درخواست ہے کہ اگر کوئی کمی یا غلطی محسوس فرمائیں تو احقر کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اصلاح کر لی جائے، ممنون ہوں گا، نیز ساتھ ہی یہ بھی گزارش ہے کہ اس ناکارہ کو دعوات صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں اور دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ احقر کی اس حقیر سی کوشش کو ذخیرہ آخرت فرمائے، آمین۔

محمد جمال بلند شہری،

متوطن میرٹھ استاد

دارالعلوم دیوبند ۱۲/۱۲/۱۴۲۲ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

آغاز کلام

ایک کے مافی الضمیر کی تشریح دوسرے کی زبان سے کتنا مشکل کام ہے!! جب انسانی قول کی تشریح میں اتنا اشکال ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام کی تشریح اس کے بندوں کی زبان و قلم سے جتنا مشکل ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے کہ قرآن پاک کی کوئی تفسیر کبھی مکمل نہیں ہو سکتی، کیونکہ شارح کے لئے ضروری ہے کہ وہ ماتن سے زیادہ علم رکھتا ہو، ورنہ کم از کم اس کے برابر تو ہو، اور اس کا تصور بھی کسی بندہ میں قرآن اور صاحب قرآن کی نسبت سے نہیں کیا جاسکتا۔

شارح اور مفسر کا کام یہ ہے کہ ماتن کے اختصار کی تفصیل اور اجمال کی توضیح کرے اور اس کے کلام بے دلیل کو بادل لیل کرے، اس کی بات پر کوئی شبہ یا اعتراض ہو تو اس کو دفع کرے، اس کے لفظوں کی گرہ کھولے، ترکیبوں کی پیچیدگی صاف اور مطلب کی دشواریوں کو حل کرے، اور اگر کہیں تضاد نظر آئے تو اس کو تطبیق دے، اور اس کے ایک قول سے دوسرے قول کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

یہ اور اسی قسم کے اور طریقے ہیں کہ جن سے انسانوں کے کلام کو سمجھتے اور ان کی دشواریوں کو حل کرتے ہیں، لیکن قرآن پاک کی تفسیر میں ان طریقوں کے علاوہ کچھ طریقے اور بھی ہیں، جو قرآن ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

قرآن خدا کا کلام ہے جو ۲۳ برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے عرب کی فصیح و بلیغ زبان میں خدا کے ایک برگزیدہ بندہ پر نازل ہوا، اس میں نظرئیے بھی ہیں اور عملی تعلیمات بھی، اس نے ان نظریوں کو خدا کے بندوں کو سمجھایا، اور ان عملی تعلیمات پر عمل کر کے اپنے آس پاس والوں کو دکھایا اور بتایا اور اس لئے کہ وہ کلام کا پہلا مخاطب تھا، اور اسی کے ذریعہ اس کلام کا مطلب دوسروں کو سمجھانا تھا، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہی اس کلام کے مطالب کو سب سے بہتر سمجھ سکتا تھا، اور اسی لئے وہ اس کلام کا جو مطلب سمجھا اور اپنی تعلیم و عمل سے دوسروں کو سمجھایا وہی اس کا صحیح اور بے خطا مطلب اور مفہوم ہے، اس لئے قرآن کو سمجھنے کے لئے حامل قرآن محمد رسول اللہ ﷺ کی قولی، عملی، تفسیر سے بہتر قرآن کی تفسیر کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا، رسول کی قولی و عملی تفسیر سنت ہے، اور قرآن کتاب اللہ ہے، کتاب و سنت اسلام کے وہ بنیادی پتھر ہیں جن پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے۔

حامل قرآن علیہ السلام کے بعد قرآن کی فہم میں ان سے تربیت اور فیض پائے ہوئے اشخاص کا مرتبہ ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان وحی ترجمان سے ان آیتوں کو سنا، آیتوں کے ماحول کو جانا اور جو اس فضا سے آشنا تھے، اور جو آیتوں کے نزول کے وقت موطن وحی میں جلوہ گر تھے، اس کے بعد تابعین کا گروہ ہے جنہوں نے صحابہ کرام سے اس فیض کو حاصل کیا اور خاص طور

سے قرآن کی تعلیم کو اپنی زندگی کا مقصد ٹھہرایا، دن رات وہ اس کے ایک ایک لفظ کی تحقیق اور اس کی صرفی و نحوی ترکیبوں کا حل اور کلام عرب سے ہر قرآنی محاورہ کی تطبیق کرتے تھے۔

کچھ عرصہ سے بعض عقلیت پسندوں کا میلان ادھر ہے کہ وہ اس طریقہ تفسیر کو روایتی سمجھ کر اس کی تحقیر کریں، حالانکہ دوسری حیثیتوں کو چھوڑ کر اگر صرف زبان کو، ماہر اور واقف کار ہی کی حیثیت سے ان مفسرین بالروایت کو دیکھا جائے تو بھی ان کا مرتبہ ہم اور آپ سے بمراتب اونچا ہوگا، یہ کوئی قدامت پرستی کی بات نہیں بلکہ واقعہ کا حقیقی پہلو ہے۔

قرآن پاک کی تفسیر کا پہلا دور اسی طریقہ سے شروع ہوا، لیکن افسوس کہ غیر ضروری تشریح و توضیح کے لئے مسلمانوں نے ان مضامین میں جو قرآن پاک اور پہلے آسمانی صحیفوں میں اشتراک رکھتے تھے، نو مسلم اہل کتاب کی طرف رجوع کیا اور ان سے سن سن کر اسرائیلی روایات کا بہت بڑا حصہ قرآن پاک کی تفسیروں میں بھر دیا، محدثین نے ان اسرائیلیات سے بے اعتنائی کا ہمیشہ اظہار کیا ہے، اور اسی لئے وہ حصہ ہماری تفسیروں کا نہ صرف یہ کہ مفید نہیں بلکہ بہت حد تک مضر اور قرآن کے صحیح مطلب سمجھنے میں عائق ہے۔

کسی کتاب کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے سب سے اہم چیز اس کتاب کی زبان اور اس زبان کے قواعد کی پیروی ہے یہ کسی طرح درست نہ ہوگا کہ ہم عقلیت کے جوش میں اس کتاب کے کسی فقرہ کی تشریح کے لیے اس زبان کی لغت اور قواعد میں ایسا تصرف کریں، جو ہر حیثیت سے ناجائز ہو، اور ہمارے اس تصرف کا اصل منشا صرف اتنا ہو کہ ہم اپنے استبعاد عقلی کی تسکین کر سکیں، حالانکہ استبعاد عقلی کوئی یکساں چیز نہیں اور نہ وہ خلاف عقل کے معنی میں ہے، استبعادات عقلی کی فہرست ہر زمانہ میں گھٹتی اور بڑھتی رہی ہے، اس لئے قرآن پاک کی تفسیر کا یہ معیار نہیں بنایا جاسکتا، تاہم اس میں شک نہیں کہ ہر زمانہ کا ماحول دوسرے زمانہ سے الگ ہوتا ہے عقلی مسلمات اور زمانہ کے غیر محسوس عقائد ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں، اس لئے ہر کتاب کے مفہوم و معنی کے سمجھنے میں اس زمانہ کے مؤثرات سے قطع نظر کرنا کسی طرح ممکن ہی نہیں، ہر زمانہ کے لوگ اپنے ہی زمانہ کے مؤثرات کے مطابق کسی کلام کو سمجھنا چاہتے ہیں، فانی انسان کے فانی کلام اور جزئی علم رکھنے والوں کے جزئی علم، اگر ایک زمانہ میں صحیح اور دوسرے زمانہ میں غلط ہو جائیں تو ایسا ہونا بہت حد تک قرین قیاس ہے، مگر خدائے پاک کے کلام میں جس کا علم ازل سے ابد تک محیط ہے اس قسم کا تصور بھی ذہن میں نہیں لایا جاسکتا، اس لئے کہ اگر مخلص اہل علم اور نیک نیت علماء اس کلام کی مزید تشریح اپنے زمانہ کے مؤثرات کے مطابق اس طرح کر سکیں کہ وہ متکلم کے اصول متواترہ مخاطب اول ﷺ کی تفہیم اور زبان کے لغت و قواعد کے خلاف نہ ہو تو یہ سعی مشکور ہوگی، الفوز الکبیر، مطبوعہ مکتبہ حجاز دیوبند کے صفحہ ۱۴ پر مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے جس سے مذکورہ نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔

والتفسير بالرأى: هو التفسير بالهوى والتفسير من عند نفسه، بحيث يوجب تغيير المسئلة اجماعية قطعية او تبديلاً في عقيدة السلف المجمع عليها وأما التفسير بالدليل والقرينة فهو تفسير صحيح معتبر في الشرع ومن يطالع كتب التفسير يجدها مشحونة بمثل هذه التفاسير فلا ضير فيها.

اسی بناء پر اس زمانہ سے جب سے مسلمانوں میں عقلیات کا رواج ہوا، اس نظریہ سے بھی قرآن پاک کی تفسیریں لکھی گئیں، معتزلہ میں ابو مسلم اصفہانی کی تفسیر اور قاضی عبد الجبار معتزلی کی تنزیہہ القرآن اور اہل سنت میں ابو منصور ماتریدی کی تاویلات اور امام ابن فورک کی مشکلات القرآن اور امام محمد غزالی کی جواہر القرآن اور سب سے آخر میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر اپنے اپنے زمانہ کے مؤثرات کی بہترین ترجمان ہیں، سرسید احمد خان نے ہندوستان میں اور مفتی محمد عبدہ نے مصر میں ادھر توجہ کی اور قرآن مجید کی آیات کی اپنے زمانہ کے خیالات کے مطابق تفسیر کی کوشش کی، اگر بالفرض سرسید کی نیت خیر بھی ہو، مگر افسوس کہ ان کے حسن نیت کے مطابق انکے علم کا پایہ نہ تھا، اور نہ ان کو عربی زبان کے لغت و ادب پر عبور تھا، اس لئے ان کی غلطیاں ان کی صحت سے زیادہ ہوئیں، اور خصوصاً فطرت اور قوانین فطرت کا جو تخیل ان کے زمانہ میں چھایا ہوا تھا ان کی غلط پیروی نے ان کو جادہ حق سے ہٹا دیا۔

اس کے بعد مصر میں سید رشید رضا اور ہندوستان میں مولانا عبد الحمید فراہی کا دور شروع ہوا، یہ دونوں گو اصول میں مختلف تھے مگر نتیجہ میں بہت حد تک متفق تھے، رشید مرحوم آیات و روایات کی چھان بین کر کے آیات کو روح عصری کے مطابق کرتے تھے، اور فراہی رحمہ اللہ تعالیٰ خود قرآن پاک کے نظم و نسق اور قرآن پاک کی دوسری آیتوں کی تطبیق اور کلام عرب کی تصدیق سے مطالب کو حل کرتے تھے۔

اسی زمانہ میں مصر میں دو اور تفسیروں کی تالیف شروع ہوئی، ایک نئے تعلیم یافتہ فاضل فرید وجدی کے قلم سے، دوسرے ایک ایسے فاضل کے قلم سے جو یورپ کے علوم و فنون اور ترقیات سے پوری طرح واقف اور اپنے گھر کی قدیم دولت سے بھی آشنا تھے یعنی حضرت شیخ طنطاوی رحمہ اللہ تعالیٰ جو ہری جو جامعہ مصریہ اور مدرسہ دارالعلوم میں ایک زمانہ تک علوم و فنون کے مدرس رہ چکے تھے، شیخ طنطاوی جو ہری کی تفسیر کی اصل غایت مسلمانوں کو نئے علوم و فنون کی طرف متوجہ کرانا اور مسلمانوں کو یہ باور کرانا ہے کہ ان کا یہ تنزل اس وقت تک دور نہ ہوگا جب تک وہ جدید سائنس اور دوسرے نئے علوم اور یورپ کے جدید آلات اور علمی و مادی قوتوں سے مسلح نہ ہوں گے۔

سید صاحب کے بعد اسی خیال نے تذکرہ کی صورت اختیار کر لی تھی مگر افسوس کہ جو غلطی سرسید سے ان کے زمانہ میں ہوئی وہی صاحب تذکرہ سے اپنے زمانہ میں ہوئی، مسلمانوں کو یورپ کے علوم و فنون اور مادی قوتوں کی تحصیل کی طرف متوجہ کرنا بالکل صحیح ہے مگر اس کے لئے یہ بالکل ضروری نہیں کہ ہم اپنے چودہ سو برس کے سرمایہ کو نذر آتش یا دریا برد کر دیں اور پہلے کے سارے مفسرین، اہل لغت، اہل قواعد اور اہل علم کو ایک سرے سے جاہل، دشمن اسلام اور احمق کہنا شروع کر دیں ورنہ آئندہ جب زمانہ ورق پائے گا، مؤثرات اور ماحول میں تغیر ہوگا تو ان خوش فہموں کی تفسیریں اور تاویلیں بھی ایسی ہی غلط اور دوراز کار نظر آئیں گی جیسی آج ان کی نظر میں امام ماتریدی اور امام غزالی، اور امام رازی کی تفسیریں معلوم ہوتی ہیں۔

خدا کا کلام بحرنا پیدا کننا رہے بھلا اس کی موجوں کی گنتی کون کر سکتا ہے؟ بس جس کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ اس کی تشریح کرے لیکن جو کچھ اگلوں کو نظر آیا اس کو نادانی اور جہالت نہ کہے اور جو آئندہ نظر آئے گا

اس کا انکار نہ کریں اور صرف اپنی ہی نظر کی وسعت کو جو زمان و مکان کی قیود و حدود میں گھری ہے تحقیق کی انتہا اور صحت کا معیار قرار نہ دے لیں۔

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا اس پر اجماع ہے کہ حدیث قرآن کریم کے بعد دین کا دوسرا اہم ماخذ ہے، لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں جب مسلمانوں پر مغربی اقوام کا سیاسی، نظریاتی تسلط بڑھا تو کم علم مسلمانوں کا ایسا طبقہ وجود میں آیا جو مغربی افکار سے بیحد مرعوب تھا، وہ یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ترقی، تقلید مغرب کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی لیکن اسلام کے بہت سے احکام اس کے راستہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے اس لئے انہوں نے مغربی افکار سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اسلامی احکام میں تحریف کا سلسلہ شروع کیا اس طبقہ کو اہل تجدد کہا جاتا ہے، ہندوستان میں سرسید احمد خاں، مصر میں طہ حسین اور ترکی میں ضیا گوک الپ اس طبقہ کے رہنما ہیں، ان حضرات نے مغربی افکار سے متاثر بلکہ مرعوب ہو کر حجیت حدیث کا انکار کیا اور تفسیر کے متفق علیہ اصولوں کو خیر باد کہہ کر اپنے خیالات کے مطابق تفسیریں بھی کیں۔

قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے جس کے لئے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی زبان پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لئے کافی سمجھ رکھا ہے، چنانچہ جو شخص بھی معمولی عربی پڑھ لیتا ہے یا از خود مطالعہ کر لیتا ہے وہ قرآن کریم میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شد، بدرکھنے والے لوگ نہ صرف من مانے طریقہ پر قرآن کریم کی تفسیر شروع کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف صرف ترجمہ کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ انتہائی خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم و فنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا اور نہ اپنی جان اس کے حوالہ کر سکتا ہے جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل نہ کی ہو اس لئے کہ ڈاکٹر بننے کے لئے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، اسی طرح انجینئرنگ کی کتابوں کے مطالعہ سے انجینئر نہیں بن سکتا، جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لئے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن و حدیث کے معاملہ میں صرف عربی سیکھ لینا کیسے کافی ہو سکتا ہے؟ آخر قرآن و سنت ہی اتنے لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی تشریح و تفسیر کے لئے کسی علم و فن کو حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو؟ اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کرے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ كَاصِحِّ مَطْلَب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے اور جب قرآن کریم آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لئے کسی لمبے چوڑے علم و فن کی ضرورت نہیں، لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک وہ جن میں عام نصیحت کی باتیں اور سبق آموز واقعات اور عبرت و موعظت کے مضامین بیان کئے گئے ہیں، اس قسم کی آیات بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص بھی عربی سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کر دیا ہے، چنانچہ خود اس آیت میں لفظ لِلذِّكْرِ اسی پر دلالت کرتا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیات وہ ہیں جو احکام و قوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیات کا کما حقہ سمجھنا اور ان سے احکام مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک کہ اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی مادری زبان اگرچہ عربی تھی، لیکن وہ آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے، علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے امام ابو عبد الرحمن سلمی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے قرآن کریم کی تعلیم باقاعدہ حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان بن عفان رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور عبد اللہ بن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہ، انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آنحضرت ﷺ سے دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک کہ ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کر لیں، وہ فرماتے ہیں کہ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِيعًا ہم نے قرآن اور علم و عمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔ (اتقان ۱۷۶/۲) چنانچہ مؤطا امام مالک میں روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے صرف سورہ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کئے، اور مسند احمد میں حضرت انس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھ لیتا ہماری نظر میں اس کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا۔ (ایضاً)

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جن کی مادری زبان عربی تھی جو عربی کے شعر و ادب میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے ازبر ہو جاتے تھے، انہیں قرآن کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لئے اتنی طویل مدت کی کیا ضرورت تھی، اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآن کریم اور اس کے علوم سیکھنے کے لئے صرف عربی زبان

کی مہارت کافی نہیں تھی بلکہ اس کے لئے آنحضرت ﷺ کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا، اب ظاہر ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو عربی زبان کی مہارت اور نزول وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود (عالم قرآن) بننے کے لئے باقاعدہ حضور ﷺ سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی، تو نزول قرآن کے سینکڑوں ہزاروں سال بعد عربی کی معمولی شد بد پیدا کر کے یا صرف ترجمہ دیکھ کر مفسر قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم دین کے ساتھ کیسا افسوس ناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکارِ دو عالم ﷺ کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔

مَنْ تَكَلَّمَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَاصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ جو شخص قرآن کے معاملہ میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں وہ کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔
(ابوداؤد، نسائی، از اتقان ۱۷۹/۲)

محمد جمال بلند شہری

متوطن شہر میرٹھ

استاذ دارالعلوم دیوبند ۱۴۲۲/۱۲/۲۲ھ

مُقَدِّمَةُ

وحی کی ضرورت

آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند سورج، آسمان زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے کہ جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصد زندگی سے متعلق ہدایات دی جاسکیں، اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا ہے، بلکہ ان کی رہنمائی کے لئے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، پس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی رسالت ہے، اس سے صاف واضح ہے کہ وحی ایک دینی عقیدہ ہی نہیں ایک عقلی ضرورت بھی ہے، جس کا انکار درحقیقت اللہ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔

ہر مسلمان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ انسان کو اس دنیا میں امتحان و آزمائش کے لئے بھیجا گیا ہے، اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں بالواسطہ یا بلاواسطہ لگا دیا ہے۔

لہذا انسان کے دنیا میں آنے کے بعد دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے جو اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے وقت احکام خداوندی کو مد نظر رکھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو علم کی ضرورت ہے، اس لئے کہ علم کے بغیر کائنات سے صحیح طور پر فائدہ اٹھانا ممکن نہیں، نیز جب تک اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ خدا کی مرضی کیا ہے، اور کن کاموں کو وہ پسند اور کن کو ناپسند کرتا ہے، اس وقت تک اس کے لئے اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعہ اسے مذکورہ چیزوں کا علم ہوتا ہے، ایک انسان کے حواس خمسہ ظاہرہ سے، جو کہ آنکھ، کان، ناک، زبان اور لمس ہیں جو پورے جسم میں قدرت نے ودیعت فرمادیئے ہیں، قوت باصرہ آنکھ میں، قوت سامعہ کان میں، قوت شامہ ناک میں، قوت ذائقہ زبان میں، اور قوت لامسہ پورے جسم میں، یہ قوت پورے جسم کے اعتبار سے ہاتھوں میں اور ہاتھوں میں بھی انگلیوں میں اور انگلیوں میں سے انگشت شہادت میں سب سے زیادہ ہے، دوسری چیز عقل ہے اور تیسری وحی، چنانچہ انسان کو بہت سی چیزوں کا علم حواس

خمسہ ظاہرہ سے حاصل ہوتا ہے اور بہت سی چیزوں کا علم عقل سے حاصل ہوتا ہے اور جو باتیں ان دونوں کے ذریعہ معلوم نہیں ہو سکتیں ان کا علم وحی کے ذریعہ عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان مذکورہ تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے، جس سے آگے وہ کام نہیں دیتا، چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس خمسہ ظاہرہ سے معلوم ہوتی ہیں، ان کا علم محض عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً آپ کے سامنے ایک شخص بیٹھا ہوا ہے، آپ کو اپنی آنکھ کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ انسان ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کا رنگ گورا یا کالا ہے، لیکن اگر یہی باتیں آپ اپنے حواس کو معطل کر کے محض عقل سے معلوم کرنا چاہیں، تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ ہوتا ہے وہ محض حواس ظاہرہ سے معلوم نہیں ہو سکتیں، مثلاً اسی شخص کے بارے میں آپ کو یہ معلوم ہے کہ اس کی کوئی نہ کوئی ماں ضرور ہے، نیز آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کو کسی نے پیدا کیا ہے اگرچہ آپ کے سامنے اس کی ماں موجود نہیں ہے، اور نہ آپ اس کے پیدا کرنے والے کو دیکھ سکتے ہیں، مگر آپ کی عقل یہ بتا رہی ہے کہ یہ شخص خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا، اب اگر آپ اس علم کو اپنی عقل کے بجائے اپنی آنکھ سے یا کان سے یا ناک سے حاصل کرنا چاہیں تو یہ ممکن نہیں ہے۔

غرض یہ کہ جہاں تک حواس خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کر سکتی، اور جہاں حواس خمسہ جواب دیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے، لیکن عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے یہ بھی ایک حد پر جا کر رک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ان کا علم نہ حواس سے حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل سے مثلاً عقل نے یہ تو بتا دیا کہ اسے ضرور کسی نے پیدا کیا ہے، لیکن اس شخص کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس کے ذمہ پیدا کرنے والے کے کیا فرائض ہیں؟ اور اس کا کونسا کام اللہ کو پسند اور کونسا ناپسند ہے؟ یہ سوالات ایسے ہیں کہ ان کا جواب عقل و حواس دونوں مل کر بھی نہیں دے سکتے، ان سوالات کا جواب دینے کے لئے اللہ نے جو ذریعہ متعین کیا ہے اسی کا نام وحی ہے۔ (علوم القرآن)

اس سے واضح ہو گیا کہ وحی انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعہ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق ان سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل و حواس کے ذریعہ حل نہیں ہوتے، حالانکہ ان سوالوں کا جواب حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے، اور مذکورہ تشریح سے یہ بات واضح ہو گئی کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں، بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحی الہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی معتقدات کا علم دینا عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لئے محض عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں، نہ صرف یہ کہ محض حواس ظاہرہ اور عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں، بلکہ یہ دونوں ذریعہ علم بعض اوقات نہ صرف یہ کہ رہنمائی نہیں کرتے بلکہ غلط رہنمائی بھی کرتے ہیں، مثلاً اس شخص کو جس کے جسم میں خلط صفراء غالب ہو گئی ہر چیز پیلی نظر آتی ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہوتا، یا مثلاً احوال کو ایک کے دو

نظر آتے ہیں، اسی طرح بعض اوقات میٹھی چیز کڑوی اور کڑوی میٹھی معلوم ہوتی ہے، اور اگر قوت سامعہ میں خلل واقع ہو جائے تو مختلف قسم کی آوازیں آنے لگتی ہیں حالانکہ خارج میں ان کا وجود نہیں ہوتا۔

عقل اگرچہ معلومات کا اہم ذریعہ ہے مگر یہ کوئی ضروری نہیں کہ عقل ہمیشہ درست نتیجے ہی پر پہنچے، اگر عقل ہمیشہ درست نتیجے پر پہنچا کرتی تو عقلاء کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف نہ ہوتا حالانکہ ایک ہی مسئلہ ایک عاقل اس کو درست کہتا ہے اور دوسرا اس کی ضد کو درست کہتا ہے، اس سے بھی بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ ایک ہی شخص ایک وقت میں ایک بات کو درست کہتا ہے اور دوسرے وقت میں اس کی ضد کو درست کہتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ عقل کوئی آخری معیار نہیں بلکہ عقل کا ایک محدود دائرہ کار ہے۔

آخری معیار وحی ہے

حواس خمسہ ظاہرہ و باطنہ کی پرواز کی ایک حد ہے، ہر ایک کا ایک دائرہ عمل ہے، ان میں سے کوئی بھی اپنی حد سے آگے کام نہیں کر سکتا، مثلاً آنکھ سے دیکھ کر، آپ یہ تو بتا سکتے ہیں کہ دارالعلوم کی مسجد رشید سفید پتھر کی بنی ہوئی نہایت خوبصورت مسجد ہے، اس کے فلک بوس دو منارے ہیں، مگر یہی کام آپ کان سے لینا چاہیں یا آنکھ کے بجائے کان سے آپ مسجد رشید کی خوبصورتی اور رنگ معلوم کرنا چاہیں تو آپ کو مایوسی ہوگی، اسی طرح آپ آنکھ یا کان یا ناک سے یہ معلوم کرنا چاہیں کہ یہ مسجد رشید خود بخود وجود میں آگئی ہے، یا اس کا کوئی بنانے والا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ کان یا آنکھ یا ناک اس کا جواب نہیں دے سکتے، اس لئے کہ یہ بات ان کے دائرہ کار سے باہر کی چیز ہے، یہ کام عقل کا ہے، عقل بتا سکتی ہے، یہ مسجد رشید خود بخود وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کا بنانے والا نہایت ہوشیار اور اپنے فن کا ماہر شخص ہے، اسی طرح عقل کا بھی اپنا ایک دائرہ کار ہے جہاں حواس خمسہ ظاہرہ کی حد ختم ہو جاتی ہے، وہاں سے عقل کی پرواز شروع ہوتی ہے، مگر اس کی پرواز بھی ایک حد پر پہنچ کر رک جاتی ہے، مذکورہ ذرائع معلومات کے علاوہ ایک ذریعہ اور بھی ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے، اس کی ضرورت وہاں پڑتی ہے جہاں عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے، وحی کی اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، اس لئے کہ وحی الہی رہنمائی ہی وہاں کرتی ہے جہاں عقل ہتھیار ڈال دیتی ہے، جو لوگ وحی الہی کو تسلیم نہیں کرتے وہ غلط اور صحیح کا تمام تردد اور مدار عقل ہی پر رکھتے ہیں، حالانکہ نہ تو عقل آخری معیار ہے اور نہ اس کا لگا بندھا کوئی ضابطہ ہے نیز اس کی پرواز بھی محدود ہے، اگر آپ عقل سے اس کے دائرہ کار سے باہر کی بات معلوم کریں گے تو نہ صرف یہ کہ وہ صحیح جواب نہیں دے گی بلکہ وہ خود بھی شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گی، جس طرح کہ اگر کوئی شخص سونا تولنے کے کانٹے سے گیبوں کا بھرا ہوا بورا تولنے لگے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ بورا تولنے کے بجائے وہ کانٹا خود ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جائے گا اور لوگ تولنے والے کو بھی بے وقوف اور احمق بتائیں گے۔

تاریخ انسانی میں عقل نے بے شمار مرتبہ دھوکے کھائے ہیں، اگر عقل کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو انسان کہاں سے کہاں تک پہنچ

جاتا ہے، تاریخ میں آپ کو ہزاروں مثالیں ایسی مل جائیں گی کہ عقل کے نزدیک وہ بالکل درست ہیں، ان میں کوئی قباحت نہیں ہے، بلکہ اگر اس کے خلاف ہوتا تو خلاف عقل ہوتا۔

کیا حقیقی بہن سے نکاح کرنا عقل کے عین مطابق ہے؟

آج سے تقریباً آٹھ سو سال پہلے مسلمانوں میں ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو باطنی فرقہ کے نام سے مشہور تھا، اور اس کو قرامطہ بھی کہتے تھے، اس فرقہ کا ایک مشہور پیشوا گذرا ہے جس کا نام عبید اللہ بن حسن قیروانی ہے، اس نے اپنے پیروکاروں کے نام ایک خط لکھا جس میں اس نے اپنے پیروکاروں کو زندگی گزارنے کے لئے ہدایات دی ہیں، اس میں وہ لکھتا ہے:

”میری سمجھ میں یہ بے عقلی کی بات نہیں آتی کہ لوگوں کے پاس اپنے گھر میں بڑی خوبصورت سلیقہ شعار لڑکی، بہن کی شکل میں موجود ہے، اور بار کے مزاج کو بھی سمجھتی ہے، اس کی نفسیات سے بھی بخوبی واقف ہے لیکن یہ بے عقل انسان اس بہن کا ہاتھ ایک اجنبی شخص کو پکڑا دیتا ہے، جس کے بارے میں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کے ساتھ اس کا نبھاؤ ہو سکے گا یا نہیں؟ وہ مزاج سے واقف ہے یا نہیں؟ اور خود اپنے لئے بعض اوقات ایسی لڑکی لے آتا ہے کہ جو حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور سلیقہ شعاری کے اعتبار سے بھی اور مزاج شناسی کے اعتبار سے بھی اس کے ہم پلہ نہیں ہوتی۔

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ اس بے عقلی کا کیا جواز ہے کہ اپنے گھر کی دولت تو دوسرے کے ہاتھ میں دیدے اور اپنے لئے ایک ایسی چیز لے آئے کہ جو اس کو پوری راحت بھی نہ دے سکے، یہ تو عقل کے بالکل خلاف ہے، لہذا میں اپنے پیروؤں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ اس بے عقلی سے اجتناب کریں اور اپنے گھر کی دولت کو گھر میں ہی رکھیں۔“

(الفرق بین الفرق للبغدادی: ص ۸۱)

عقلی جواب ناممکن

آپ اخلاقی طور پر اس کے نظریہ پر جتنی بھی چاہیں لعنت بھیجیں، لیکن کیا خالص عقل کی بنیاد پر جو وحی الہی کی رہنمائی سے آزاد ہو، جس کو وحی الہی کی روشنی میسر نہ ہو اس کے استدلال کا جواب خالص عقل کی بنیاد پر قیامت تک دیا جاسکتا ہے؟

عقل کو وحی الہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار سمجھنے کا بھیا نک نتیجہ

گیارہویں صدی عیسوی کے کلیسا سے جب وہ دینی امور کا ذمہ دار تھا، ایک بھیا نک غلطی ہوئی کہ اس نے اپنی مقدس کتابوں میں ان تاریخی، جغرافیائی اور طبقاتی نظریات اور مشہورات کو داخل کر دیا جو اس زمانہ کی تحقیقات اور مسلمات سمجھے جاتے تھے، انسانی علم و عقل کی رسائی اس زمانہ میں اسی حد تک ہوئی تھی، لیکن وہ درحقیقت انسانی علوم و عقل کی آخری حد نہ تھی، مگر اس کو آخری

سمجھ لیا گیا تھا، انسانی عقل کا سفر چونکہ بتدریج جاری ہے اس لئے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آنے والا نظریہ گذشتہ نظریہ کی تردید کر دیتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقل کی ہر منزل عارضی ہوتی ہے، اس پر کوئی پائیدار عمارت قائم نہیں کی جاسکتی، ورنہ ریت کی دیوار کی طرح کھسک کر منہدم ہو جائے گی۔

ارباب کلیسا نے غالباً نیک نیتی سے ایسا کیا تھا، ان کا مقصد غالباً یہ تھا کہ اس سے ان آسمانی کتابوں کی عظمت شان اور مقبولیت میں اضافہ ہوگا، لیکن آگے چل کر یہی چیز ان کے لئے وبال جان اور مذہب و عقلیت کے اس نامبارک معرکہ کا سبب بن گئی جس میں مذہب نے شکست فاش کھائی، چونکہ کلیسا نے مذہب میں عقلی علوم کی آمیزش کر لی تھی اس لئے اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ میں اہل مذہب کا ایسا زوال ہوا کہ جس کے بعد اس کا عروج نہ ہوسکا، اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ یورپ لادینی ہو گیا۔

عقلیت پسندوں پر کلیسا کے مظالم

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ یورپ میں عقلیت پسندی کا کوہ آتش فشاں پھٹ چکا تھا، علماء طبعیات اور محققین تقلید کی زنجیریں توڑ چکے تھے، انہوں نے ان بے اصل نظریات کی تردید کی جن کو کلیسا اور اہل مذہب نے اپنی مقدس کتابوں میں داخل کر لیا تھا اور ان پر سخت تنقید کرتے ہوئے ان پر بے سمجھے ایمان لانے سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے مذہبی حلقوں میں قیامت برپا ہو گئی تھی، ارباب کلیسا نے جن کے ہاتھوں میں اس وقت زمام اقتدار تھی ان محققین اور ماہرین طبعیات علماء کی تکفیر کی اور انکو ملاحدہ اور مرتدین کی صفوں میں شامل کر کے دین مسیحی کی حفاظت کے لئے ان کا خون بہانے کی اجازت دیدی، ایمر جنسی اور فوری عدالتیں قائم کی گئیں، ان عدالتوں میں ایک اندازہ کے مطابق تین لاکھ لوگوں کو سزائے موت دی گئی جن میں تیس ہزار افراد کو زندہ جلایا گیا، انہیں زندہ جلائے جانے والوں میں ہیئت اور طبعیات کے مشہور عالم برونو (Brunoe) بھی شامل ہے، جس کا سب سے بڑا جرم کلیسا کے نزدیک یہ تھا کہ وہ اس کرۂ ارض کے علاوہ اور دوسری دنیاؤں اور آبادیوں کا بھی قائل تھا، اسی طرح مشہور ماہر طبعیات و فلکیات گلیلیو (Galilio) کو اس بناء پر موت کی سزا دی گئی کہ وہ آفتاب کے گرد زمین کی گردش کا قائل تھا، موجودہ تمام حقائق کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ عقل انسانی وحی الہی کی روشنی کے بغیر آخری معیار نہیں ہے، جن لوگوں نے عقل کو ہر معاملہ میں آخری معیار سمجھا ہے انہوں نے قدم قدم پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

تاریخ حفاظت قرآن

قرآن کریم چونکہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا اس لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اسے کتابی شکل دیکر محفوظ کر لیا جائے، چنانچہ ابتداء اسلام میں قرآن کی حفاظت کے لئے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، مگر چونکہ محض حفظ کی صورت

میں نسیان کا امکان رہتا ہے اس لئے حفظ کے ساتھ ساتھ کتابت کا بھی اہتمام کیا گیا۔
جمع و ترتیب کا کام بھی آپ ﷺ کی ہدایت اور نگرانی میں ہو رہا تھا، ایسا نہیں تھا کہ صحابہ کرام کیف ما تَشَقَّ جہاں چاہا لکھ دیا، مثلاً جب غیر اولی الضرور کے الفاظ نازل ہوئے تو آپ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ فوراً قلمبند کرنے کا حکم فرمایا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اس کو فلاں آیت کے بعد لکھو، چنانچہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد سلسلہ وحی بند ہوا لیکن اس وقت آپ ﷺ کی موجودگی میں سلسلہ وحی جاری رہنے کی وجہ سے درمیانی اضافوں کی گنجائش تھی اس لئے کتابی شکل میں نہ تھا۔

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں وقد کان القرآن مکتوباً فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن غیر مجموعۃ فی موضع واحد یعنی قرآن آپ ﷺ کے عہد میں مکمل طور پر لکھا جا چکا تھا البتہ یکجا تمام سورتوں کی شیرازہ بندی نہیں تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں تاریخ حفاظت قرآن

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں یمامہ کے مقام پر مدعی نبوت مسیلمۃ الکذاب سے ایک خوں ریز جنگ ہوئی جس میں تقریباً بارہ مسلمان شہید ہوئے ان میں سات سو حفاظ اور قراء بھی شہید ہوئے، حفاظ قرآن کی اس کثیر تعداد کے شہید ہو جانے سے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شدید اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آئندہ جنگوں میں باقی حفاظ بھی شہید ہو جائیں، اور اس دولت سے امت محروم ہو جائے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اس طرف توجہ دلائی، ابتداءً تو ابوبکر صدیق تیار نہ ہوئے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مسلسل اصرار اور خود غور و فکر کرنے کے نتیجہ کی وجہ سے آخر کار حضرت ابوبکر صدیق کو بھی اس مسئلہ میں شرح صدر ہو گیا اور آپ تیار ہو گئے، چنانچہ آپ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بلایا اور فرمایا آپ ایک صالح نوجوان ہیں اور آپ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی یہ خدمت انجام دیتے رہے ہیں نیز ہمیں آپ کے اوپر پورا اعتماد ہے آپ اس کام کو انجام دیں، چنانچہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھنے اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھانے پر مامور ہوئے، غرضیکہ ان حضرات نے یہ کام بحسن و خوبی انجام دیا، اور کتابی شکل میں ایک مکمل نسخہ تیار ہو گیا، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان کی وفات تک رہا، آپ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تاحیات رہا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس رہا، اور اس کی تصدیق شدہ نقلیں ملک کے اطراف و جوانب میں بھیج دی گئیں۔

حفاظت قرآن و عہد عثمانی

جب اسلامی فتوحات کا سلسلہ دراز ہوا اور بکثرت اہل انجم حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے جن کی مادری زبان عربی نہ ہونے کی وجہ سے ان میں عربی حروف کا صحیح تلفظ اور ادائیگی عموماً نہیں پائی جاتی تھی، اس کے علاوہ عرب کے مختلف قبائل میں لب

ولہجہ کا اختلاف بکثرت موجود تھا، ابن قتیبہ ان اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قبیلہ بنی ہذیل (حتیٰ حین) کو عثیٰ عین پڑھتے ہیں، اور بنو اسد تعلمون کسرۃ تا کے ساتھ تعلمون پڑھتے ہیں اور تمیمی ان کے بجائے عن اور سین کی جگہ تا پڑھتے ہیں، چنانچہ سورۃ ناس کی تلاوت اس طرح کرتے ہیں، رب النّات ملک النّات اللّہ النّات چنانچہ عہد عثمانی میں آرمینہ اور آذربائیجان کی فتح کے وقت شام و عراق کی فوجیں ایک جگہ جمع ہوئیں تو ان کی قراءت میں تشویشناک حد تک اختلاف پایا گیا ہر ایک اپنی قراءت کو دوسرے سے اصح قرار دیتا تھا، حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اور اس کی طرف توجہ مبذول فرمانے کے لئے کہا، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کو پسند فرمایا، اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس سے قرآن مجید منگوا کر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن زبیر حضرت سعید بن العاص اور حضرت عبدالرحمن بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس کام پر مقرر فرمایا۔

اس کام کی تکمیل کے بعد مشہور قول کے مطابق اس کے پانچ نسخے لکھے گئے یہ نسخے مکہ، مدینہ، شام، بصرہ اور کوفہ روانہ کئے گئے، ایک نسخہ خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پاس رکھا اس نسخہ کو مصحف امام کہا جاتا ہے، اس طرح نسخوں کی تعداد چھ ہو جاتی ہے، بعض حضرات نے نسخوں کی تعداد آٹھ بتائی ہے، ساتواں بحرین اور آٹھواں یمن روانہ کیا گیا، مذکورہ نسخوں کے علاوہ تمام دیگر نسخے معدوم کر دیئے گئے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

عام طور پر یہ مشہور ہے کہ موجودہ قرآن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع کردہ ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت بجائے خود ایک عظیم خدمت ہے، مگر جمع قرآن کی نہیں تھی بلکہ اس کی نوعیت اور صورت یہ تھی کہ آپ نے لوگوں کو کتابت کی حد تک ایک رسم الخط پر جمع کر دیا تھا اصل جامع اور مرتب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مختلف قراءات کو ایک رسم الخط پر جمع کیا اور اس کے متعدد نسخے مختلف شہروں میں پھیلا دیئے۔ (علوم القرآن، ملخصاً)

وحی کی اقسام

۱ وحی قلبی

اس قسم میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتا ہے، اس قسم میں نہ فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے اور نہ نبی کی قوت سامعہ کا اور نہ دیگر حواس کا، لہذا اس میں کوئی آواز نبی کو نہیں سنائی دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں

جاگزیں ہو جاتی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ بات اللہ کی طرف سے آئی ہے، یہ کیفیت بیداری میں بھی ہو سکتی ہے اور خواب میں بھی، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

۲ کلام باری

اس دوسری قسم میں باری تعالیٰ براہ راست رسول کو اپنی ہمکلامی کا شرف عطا فرماتا ہے اس میں بھی کسی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا مگر اس میں نبی کو آواز سنائی دیتی ہے، یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل مختلف ایک عجیب و غریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے، جس کا ادراک عقل کے ذریعہ ممکن نہیں، جو انبیاء اس کو سنتے ہیں وہی اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو پہچان سکتے ہیں، یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم کا ارشاد ہے

وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا (النساء) اور اللہ نے موسیٰ سے خوب باتیں کیں۔

۳ وحی ملکی

اس تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتے کے ذریعہ نبی تک پہنچا دیتا ہے، بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا، صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، اور بعض مرتبہ کسی انسانی شکل میں سامنے آکر پیغام پہنچا دیتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ فرشتہ نبی کو اپنی اصل صورت میں نظر آجائے مگر ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے، قرآن کریم نے وحی کی انہی تین قسموں کی طرف آیت ذیل میں اشارہ فرمایا ہے مَا كُنَّا لِنُبَشِّرَ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحِيًّا أَوْ مِنْ وَرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِلَاذِنِهِ مَا يَشَاءُ (الشورى) ”کسی بشر کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے (رو برو) بات کرے مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغامبر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہتا ہے وحی نازل کرتا ہے۔“

اس آیت میں وَحِيًّا (دل میں بات ڈالنے) سے پہلی قسم یعنی وحی قلبی مراد ہے، اور پردے کے پیچھے سے مراد دوسری قسم یعنی کلام الہی اور پیغامبر بھیجنے سے مراد تیسری قسم یعنی وحی ملکی ہے۔

وحی اور ایحاء میں فرق

وحی اور ایحاء، لغت میں ان کے معنی ہیں جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا خواہ وہ اشارہ کسی بھی طریقہ سے ہو، چنانچہ اسی معنی میں حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَى إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ظاہر ہے کہ اشارہ کا مقصد مخاطب کے دل میں کسی بات کا ڈالنا ہوتا ہے، اس لئے وحی اور

ایحاء دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا ہے، چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں یہی معنی مراد ہیں۔ مثلاً وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَرْوَاقَ الشَّيَاطِينِ لِيُؤْخِذْنَ إِلَىٰ أُولِيَّائِهِمْ لِيُجَادِلُوهُمْ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ مذكورہ تمام آیات میں ایحاء لغوی معنی میں ہے۔

وحی کے اصطلاحی معنی

وحی کی اصطلاحی تعریف یہ ہے کَلَامُ اللَّهِ الْمُنَزَّلُ عَلَى نَبِيٍّ مِّنْ أَنْبِيَائِهِ، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ وحی اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اس کا استعمال پیغمبر کے سوا کسی اور کیلئے درست نہیں، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں کہ وحی اور ایحاء دونوں الگ الگ لفظ ہیں اور دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے، ایحاء کا مفہوم عام ہے، انبیاء پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اس کے مفہوم میں داخل ہے، لہذا یہ لفظ نبی اور غیر نبی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس کے برخلاف وحی صرف اس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہو یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ایحاء کا استعمال انبیاء اور غیر انبیاء دونوں کے لئے کیا ہے لیکن لفظ وحی سوائے انبیاء کے کسی اور کے لئے استعمال نہیں فرمایا۔ (علوم القرآن)

مکی اور مدنی آیات

آپ نے قرآن کریم کی سورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی سورت کے ساتھ مکی اور کسی کے ساتھ مدنی لکھا ہوتا ہے۔ اکثر مفسرین کی اصطلاح میں مکی آیت کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے بغرض ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے نازل ہوئی، بعض لوگ مکی و مدنی کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ جو مکہ میں نازل ہوئی وہ مکی اور جو مدینہ میں نازل ہوئی وہ مدنی، مگر مفسرین کی اصطلاح کے مطابق یہ مطلب درست نہیں ہے، اس لئے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکیں تھیں اس لئے انہیں مکی کہا جاتا ہے چنانچہ منی و عرفات وغیرہ اور سفر معراج کے دوران نازل ہونے والی آیات ایسی ہی ہیں، حتیٰ کہ سفر ہجرت کے دوران مدینہ پہنچنے سے پہلے راستہ میں جو آیات نازل ہوئیں وہ بھی مکی کہلاتی ہیں، اسی طرح بہت سی وہ آیات جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں، اگرچہ مکہ یا مکہ کے اطراف میں نازل ہوئی ہیں مگر ان کو مدنی ہی کہا جاتا ہے۔

علماء تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کا استقراء کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے بادی النظر میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، اس سلسلہ میں بعض قواعد کلی ہیں اور بعض اکثری، قواعد کلیہ یہ ہیں:

مکی مدنی آیتوں کی خصوصیات

- ① ہر وہ سورت جس میں کَلَّا آیا ہے وہ مکی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ مرتبہ استعمال ہوا ہے اور یہ ساری آیتیں قرآن کریم کے نصف آخر میں ہیں۔
- ② ہر وہ سورت کہ جس میں کوئی سجدہ کی آیت آئی ہے مکی ہے (یہ اصول حنفیہ کے مسلک پر ہے) کیونکہ ان کے نزدیک سورۃ حج میں سجدہ نہیں ہے، شوافع کے نزدیک سورۃ حج میں سجدہ ہے اور وہ مدنی ہے، لہذا وہ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہو گئی۔
- ③ سورۃ بقرہ کے سوا ہر وہ سورت کہ جس میں آدم ﷺ کا واقعہ آیا ہے مکی ہے۔
- ④ ہر وہ سورت کہ جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں مدنی ہے۔
- ⑤ ہر وہ سورت کہ جس میں منافقین کا ذکر ہے مدنی ہے، بعض حضرات نے اس قاعدہ سے سورۃ عنکبوت کو مستثنیٰ کیا ہے۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ سورۃ عنکبوت بحیثیت مجموعی مکی ہے، مگر جن آیات میں منافقین کا ذکر ہے وہ مدنی ہیں۔

مندرجہ ذیل خصوصیات اکثری ہیں کلی نہیں

- ① مکی سورتوں میں عموماً یَا أَيُّهَا النَّاسُ کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے اور مدنی سورتوں میں یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے الفاظ سے۔
- ② مکی آیات عموماً چھوٹی چھوٹی اور مختصر ہیں۔
- ③ مکی آیات زیادہ تر توحید، رسالت، آخرت کے اثبات اور حشر و نشر کی منظر کشی، آنحضرت ﷺ کو صبر و تسلی کی تلقین اور پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، اور ان میں احکام کم بیان ہوئے ہیں بخلاف مدنی سورتوں کے۔
- ④ مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے اور مدنی سورتوں میں اہل کتاب اور منافقین سے۔
- ⑤ مکی سورتوں کا اسلوب زیادہ پر شکوہ ہے۔

قرآن کریم کے متعلق مفید اعداد و شمار

۵۳۲۴۲	زبر	۱۱۴	سورتیں
۳۹۵۸۲	زیر	۵۴۰	رکوعات
۸۸۰۴	پیش	۶۲۱۴	آیات مدنی
۱۷۷۱	مدات	۶۲۲۱	آیات مکی
۱۲۵۲	تشديدات	۶۲۲۵	آیات بصری
۱۵۶۸۴	نقطے	۶۲۲۶	آیات شامی
۳۶۴۲۱۹	حروف	۷۷۴۳۹	کلمات

تاریخ نزول قرآن

قرآن کریم کلام الہی ہے جو کہ ازل ہی سے لوح محفوظ میں موجود ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِی لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ بلکہ یہ قرآن مجید ہے جو لوح محفوظ میں موجود ہے، قرآن مجید کا نزول کو لوح محفوظ سے دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ یہ پورے کا پورا آسمان دنیا کے بیت العزت میں نازل کر دیا گیا تھا، (بیت العزت کو بیت المعمور بھی کہتے ہیں) اور یہ کعبۃ اللہ کے محاذات میں آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے، یہ نزول لیلة القدر میں ہوا تھا، پھر دوسری مرتبہ آنحضرت ﷺ پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسب ضرورت نازل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ ۲۳ سال میں اس کی تکمیل ہوئی، اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآن کریم کا دوسرا درجہ نزول اس وقت شروع ہوا جب کہ آنحضرت ﷺ کی عمر شریف چالیس سال تھی، اس نزول کا آغاز بھی صحیح قول کے مطابق لیلة القدر ہی میں ہوا ہے، لیکن اس رات میں رمضان المبارک کی کوئی تاریخ تھی اس کے بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترہ اور بعض سے انیس اور بعض سے ستائیس شب معلوم ہوتی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں آپ ﷺ پر نازل ہوئیں، وہ سورہٴ علق کی ابتدائی آیتیں تھیں جو غار حراء میں نازل ہوئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پر نزول وحی کی ابتدا تو چھ

خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپ ﷺ کو خلوت میں عبادت کا شوق پیدا ہوا، اور اس دوران آپ ﷺ غار حراء میں کئی کئی راتیں گزارتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز اسی غار میں آپ ﷺ کے پاس اللہ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے پہلی بات یہ کہی اِقْرَأْ یعنی پڑھو، حضور ﷺ نے فرمایا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں، اس کے بعد فرشتے نے آپ ﷺ کو اس زور سے دبایا کہ مشقت کی انتہا ہو گئی، غرضیکہ اسی طرح آپ ﷺ کے ساتھ تین مرتبہ فرشتے نے عمل کیا، تیسری مرتبہ کے بعد سورہ علق کی ابتدائی آیتیں نازل فرمائیں، آپ ﷺ اس واقعہ سے بہت خوف زدہ ہو گئے تھے اور خوف کی وجہ سے آپ ﷺ کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا، جب آپ ﷺ گھر پہنچے تو حضرت خدیجہ سے فرمایا زَمِّلُونِي، زَمِّلُونِي مجھے کبل اڑھاؤ، مجھے کبل اڑھاؤ، آپ ﷺ پر نازل ہونے والی یہ سب سے پہلی آیتیں تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، اس زمانہ کو فترت وحی کا زمانہ کہتے ہیں، تین سال کے بعد پھر وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا آپ ﷺ کو آسمان وزمین کے درمیان نظر آیا اور اس نے سورہ مدثر کی آیات آپ ﷺ کو سنائیں۔

التفسير لغة واصطلاحاً

تفسير لغةً، الكشف والإبانة. تفسير اصطلاحاً، علم يُبحث فيه عن احوال القرآن المجيد من حيث دلالتہ علی مراد اللہ تعالیٰ بحسب طاقة البشرية پہلی قید سے علم قراءات خارج ہو گیا اس لئے کہ علم القراءات میں ضبط الفاظ اور کیفیت اداء سے بحث ہوتی ہے، اور بحسب طاقة البشرية کی قید کا اضافہ اس بات کو بیان کرنے کے لئے ہے کہ متشابہات اور اللہ تعالیٰ کی واقعی اور نفس الامری مراد کے عدم علم سے علم تفسیر میں کوئی خرابی واقع نہیں ہوتی۔

تفسير وتاويل میں فرق

تفسیر کا علم وادراک صرف نقل ہی سے ہو سکتا ہے، جب کہ اسباب نزول، اور تاویل کا علم وادراک قواعد عربیہ سے بھی ہو سکتا ہے، لہذا علم تاویل، ان علوم میں سے ہے جن کا تعلق درایت سے ہے، نیز تاویل چند محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو، احتمال خطا کے ساتھ ترجیح دینا ہے، اور تفسیر حتمی اور قطعی طور پر یہ بیان کرنا ہے کہ اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کی یہی مراد ہے۔ (جمل، ملخص)

موضوع: القرآن من حيث دلالتہ علی مراد اللہ تعالیٰ.

غرض: الإِهْتِدَاءُ بِهَدَايَةِ اللَّهِ تَعَالَى وَالتَّمَسُّكُ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى وَالْوَصُولُ إِلَى السَّعَادَةِ الْآبِدِيَّةِ.

ترجمة الإمامین الہمامین الجلیلین

الشیخ محمد بن احمد جلال الدین المحلی، والشیخ عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین السیوطی رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالٰی.

بلاشبہ ان دونوں حضرات کی ذات گرامی اپنے زمانہ میں یگانہ روزگار تھی، ایسی عبقری شخصیتیں بہت کم پیدا ہوتی ہیں:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
سالہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

یوں تو اس عالم ہست و بود و جہان رنگ و بو میں بے شمار قابل فخر سپوت جنم لیتے ہیں، لیکن ان میں سے چند ہی ایسے ہوتے ہیں کہ جو سینہ گیتی پر نقش دوام چھوڑ کر جاتے ہیں، ان ہی خوش نصیب اور قابل مبارک باد افراد میں سے دونوں صاحب جلالین بھی ہیں۔

اگرچہ ان حضرات کے تذکرہ و تعارف کی چنداں ضرورت نہیں اسلئے کہ عیاں را چہ بیاں، بلکہ یہ تو سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے مگر چونکہ ترجمہ نویسی کا طریقہ اسلاف و اکابر سے چلا آ رہا ہے، اسی کے پیش نظر احقر بھی انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

ابتداء صاحب جلالین نصف ثانی سے کرتا ہوں اس لئے کہ موصوف کو تقدم زمانی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب نصف اول علامہ سیوطی کے استاذ ہونے کا بھی شرف حاصل ہے۔

صاحب جلالین نصف ثانی

نام و نسب

آپ کا نام محمد اور والد محترم کا نام احمد ہے اور جلال الدین لقب ہے، سلسلہ نسب اس طرح ہے محمد بن احمد بن محمد بن ابراہیم بن احمد بن ہاشم بن شہاب بن کمال الانصاری محلی، مصر کے ایک شہر محالۃ الکبریٰ کی طرف منسوب ہیں۔

سن پیدائش و وفات

آپ ماہ شوال ۷۹۱ھ میں مصر کے دار السلطنت قاہرہ میں پیدا ہوئے اور ۸۶۴ھ میں ۱۵/رمضان المبارک بروز شنبہ بوقت صبح رحلت فرمائی، آپ نے ۷۳ سال عمر پائی، باب النصر میں اپنے آباء و اجداد کے قریب مدفون ہوئے۔

تحصیل علوم

قرآن کریم کے حفظ سے فراغت کے بعد آپ نے چند ابتدائی کتابیں مقامی اساتذہ سے پڑھیں اور فقہ علامہ بیجوری، جلال بلقینی، ولی عراقی سے پڑھی، اور نحو شہاب نجیمی اور شمس شطعونی سے اور فرائض و حساب ناصر الدین بن انس مصری حنفی سے اور منطق، جدل، معانی، بیان، عروض، بدر محمود اقصرائی سے اور اصول دین و تفسیر علامہ شمس بساطی وغیرہ سے حاصل کئے، ان حضرات کے علاوہ دیگر اساطین علم کے حلقہ درس میں حاضر ہو کر استفادہ کیا، اولاً آپ نے کپڑے کی تجارت اختیار کی، ایک مدت تک کپڑے کی تجارت کرتے رہے، اس کے بعد ایک شخص کو قائم مقام بنا کر خود درس و تدریس میں مشغول ہو گئے اور ایک خلق کثیر نے آپ سے تحصیل علم کیا، آپ پر عہدہ قضاء بھی پیش کیا گیا مگر آپ نے انکار فرمادیا۔

آپ کی تصانیف

آپ کی متعدد تصانیف ہیں جن میں جمع الجوامع، جلاپین نصف ثانی بڑی اہمیت کی حامل ہیں، آپ نے تفسیر کی ابتداء سورۃ کہف سے فرمائی۔ نصف ثانی مکمل کرنے کے بعد نصف اول سے صرف سورۃ فاتحہ ہی کی تفسیر کر پائے تھے کہ عمر نے وفا نہ کی اور اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ) بقیہ نصف اول کی تکمیل آپ کے شاگرد رشید علامہ سیوطی عبدالرحمن بن ابی بکر نے کی۔

صاحب جلالین نصف اول

نام و نسب

نام عبدالرحمن بن ابی بکر محمد کمال الدین، لقب جلال الدین، کنیت ابو الفضل ہے، پورا نسب اس طرح ہے، عبدالرحمن بن ابی بکر محمد کمال الدین، بن سابق الدین، بن عثمان فخر الدین بن ناظر الدین الاسیوطی، سیوط کی طرف منسوب ہیں، جس کو اسیوط بھی کہتے ہیں، سیوط دریائے نیل کے مغربی جانب ایک شہر ہے، یہی محلہ خضریہ ہے جو سوق خضر کے نام سے مشہور ہے، یکم رجب ۸۴۹ھ بعد مغرب تولد ہوئے، اپنے عہد کے نہایت باکمال ائمہ فن میں سے تھے۔

تحصیل علوم

آپ صغریٰ یعنی پانچ سال سات ماہ کی عمر میں ہی سایہ پدری سے محروم ہو گئے تھے، حسب وصیت والد ماجد، چند بزرگوں کی سرپرستی میں رہے، جن میں شیخ کمال ابن الہمام حنفی بھی تھے، موصوف نے آپ کی طرف پوری توجہ فرمائی، چنانچہ آٹھ سال سے کم عمر میں قرآن کریم کے حفظ سے فراغت حاصل کر لی، اس کے بعد آپ نے منہاج الاصول، الفیہ ابن مالک وغیرہ کتابیں حفظ کیں، شیخ شمس سراجی اور شیخ شمس مرزبانی حنفی سے بہت سی درسی اور غیر درسی کتابیں پڑھیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے اساتذہ علم و فن کے حلقہ درس میں شرکت فرمائی۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ علامہ سیوطی حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد ہیں، مگر یہ تاریخ کی رو سے درست نہیں ہے اس لئے کہ اصحاب تاریخ کی یہ صراحت موجود ہے کہ حافظ ابن حجر کی وفات ۸۵۲ھ میں ہوئی ہے، اور علامہ سیوطی کی پیدائش ۸۴۹ھ میں ہے، اس حساب سے حافظ ابن حجر کی وفات کے وقت علامہ سیوطی کی عمر صرف تین سال ہے، ظاہر ہے کہ اس عمر میں تلمذ کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

درس و تدریس اور افتاء

تحصیل علوم و تکمیل فنون کے بعد ۸۷۰ھ میں افتاء کا کام شروع کیا اور ۸۷۲ھ سے املا میں مشغول ہو گئے، آپ نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھے سات علوم، تفسیر، حدیث، فقہ، نحو، معانی، بیان، بدیع میں تبحر عطا فرمایا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے حج کے موقع پر آب زمزم پیا اور یہ دعا کی کہ فقہ میں شیخ سراج الدین بلقینی کے رتبہ کو اور حدیث میں حافظ ابن حجر کے مرتبہ کو پہنچ جاؤں۔

آپ اپنے زمانہ میں حدیث کے سب سے بڑے عالم تھے، آپ نے خود فرمایا کہ مجھے دوا کھ حدیثیں یاد ہیں، اور اگر مجھے اس سے بھی زیادہ باتیں تو ان کو بھی یاد کرتا، چالیس سال کی عمر میں قضاء و افتاء وغیرہ سے سبکدوش ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی، اور ریاضت و عبادت، رشد و ہدایت میں مشغول ہو گئے، آپ کے زہد و قناعت کا یہ عالم تھا کہ امراء اور اغنیاء آپ کی خدمت میں آتے اور قیمتی قیمتی ہدایا و تحائف پیش کرتے مگر آپ قبول نہ فرماتے، سلطان غوری نے ایک خسی غلام اور ایک ہزار اشرفیاں آپ کی خدمت میں بھیجیں، آپ نے اشرفیاں واپس کر دیں، اور غلام آزاد کر کے آپ ﷺ کے حجرۂ مبارکہ کا خادم بنا دیا۔

آپ صاحب کشف و کرامات بزرگوں میں سے تھے، طبع الارض کی کرامت آپ کی بہت مشہور ہے، بقول آپ کے آپ نے نبی کریم ﷺ کی ستر مرتبہ خواب میں زیارت فرمائی۔

علمی خدمات:

بقول داؤد مالکی آپ کی تصانیف کی تعداد پانصد سے بھی متجاوز ہے، آپ کی تصانیف میں سب سے پہلی تصنیف شرح استعاذہ و بسملة ہے، علوم القرآن پر آپ کی تالیف ”الاتقان فی علوم القرآن“ نہایت اہم اور مشہور کتاب ہے۔

وفات

آپ نے وفات باتھ کے ورم میں مبتلا ہو کر جمعہ کی آخری شب ۱۹ جمادی الاولیٰ ۹۱۱ھ میں پائی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔

تفسیر جلالین

فن تفسیر کی ایک مختصر مگر جامع تفسیر ہے اگر اس کو قرآن پاک کا عربی ترجمہ کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا، قرآنی اور تفسیری الفاظ سورہ مدثر تک تقریباً برابر ہیں اس کے بعد قرآنی کلمات سے تفسیری کلمات زیادہ ہیں، جس کی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ تفسیر جلالین کو بے وضو چھونا جائز ہے، یہ تفسیر چونکہ دو بزرگوں کی ہے اور ان دونوں ہی کا لقب جلال الدین ہے اس لئے اس کتاب کا نام جلالین رکھا گیا، بعض اوقات نصف اول و ثانی کے مفسر کی تعیین میں اشتباہ ہو جاتا ہے، اس کے یاد رکھنے کی آسان شکل یہ ہے کہ سیوطی کے شروع میں سین ہے اور محلی کے شروع میں میم ہے اور سین حروف تہجی کی ترتیب کے اعتبار سے مقدم ہے اور میم مؤخر، لہذا جس کے شروع میں سین ہے اس کا حصہ مقدم ہے اور جس میں میم ہے اس کا مؤخر۔

جلالین کے مآخذ

شیخ موفق الدین احمد بن حسن بن رافع کواشی نے دو تفسیریں لکھی ہیں، ایک کبیر جس کو تبصرہ کہتے ہیں اور دوسری صغیر جس کو تلخیص کہتے ہیں، شیخ جلال الدین محلی کا اعتماد اسی تفسیر صغیر پر ہے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی اسی پر اعتماد کیا ہے، مگر اس کے ساتھ تفسیر وجیز اور تفسیر بیضاوی اور ابن کثیر بھی پیش نظر رہی ہیں۔

جلالین کے شروح و حواشی

۱ جمالین، ملا نور الدین علی بن سلطان محمد البروی المشہور بملا علی قاری المتوفی ۱۰۱۴ھ کا بہت عمدہ حاشیہ ہے۔

۲ قبس النیرین یہ ۹۵۲ھ کی تالیف ہے۔

۳ مجمع البحرین و مطلع البدرین، جلال الدین محمد بن محمد کرخی کی کئی جلدوں میں ہے۔

۴ کمالین شیخ سلام اللہ بن شیخ الاسلام بن عبد الصمد المتوفی ۱۲۲۹ھ کی ہے یہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی کے احفاد میں سے ہیں، ان کے علاوہ اور بھی حواشی و شروح ہیں چونکہ استیعاب مقصد نہیں اس لئے ان ہی چند کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔

محمد جمال بلند شہری متوطن میرٹھ

استاذ دارالعلوم دیوبند

۱۲ رزی الحجہ ۱۴۲۲ھ مطابق

۲۵ فروری ۲۰۰۲ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

الحمد لله حمداً مُوافياً لِنِعَمِهِ مُكافِياً لِمَزِيدِهِ.

وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ وَجَنُودِهِ.

اما بعد! فہذا ما اشتدت الیہ حاجۃ الراغبین فی تَکْمِلَۃ تفسیر القرآن الکریم الذی الفہ الامامُ العلامۃُ المحققُ جلالُ الدین محمد بن احمد المحلی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ وتَتِمِّیْمُ مافاتہ وهو من اول سورۃ البقرۃ الی اخر سورۃ الاسراء بِتِمَمَۃ عَلٰی نَمَطِهِ مِنْ ذِکْرِ مَا یُفہِمُ بہ کلام اللہ تعالیٰ والاعتمادِ عَلٰی ارجح الاقوال واعرابِ ما یحتاج الیہ وتنبیہ علی القراءات المختلفۃ المشہورۃ عَلٰی وجہ لطیفٍ وتعبیر وجیز وترك التطویل بذکر اقوال غیر مرضیۃ واعاریب مَحَلُّهَا کتب العربیۃ واللہ اسأل النفع بہ فی الدنیا واحسن الجزاء علیہ فی العقبی بِمَنِّہ وکرمہ.

ترجمہ خطبہ جلالین نصف اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اس کی (بالفعل) موجود نعمتوں پر اور (آئندہ حاصل ہونے والی) روز افزوں نعمتوں پر، اور درود و سلام ہو ہمارے آقا محمد ﷺ اور آپ کے آل و اصحاب پر اور آپ کے مددگاروں پر۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد پس (غرض) یہ ہے وہ (معہود ذہنی) جس کے بارے میں خواہشمندوں کی حاجت شدید تر ہو گئی، وہ قرآن کریم کی اس تفسیر کی تکمیل کے بارے میں ہے کہ جس کو امام علامہ محقق جلال الدین محمد بن احمد محلی الشافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے تالیف فرمایا، اور خواہشمندوں کی حاجت اس (حصہ) کی تکمیل میں شدید تر ہو گئی جس کو (علامہ محلی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی) پایہ تکمیل کو نہ پہنچا سکے، یعنی سورۃ بقرہ سے سورۃ اسراء کے آخر تک، ایسے تہمتہ کے ذریعہ تکمیل میں جو (علامہ محلی) ہی کے طرز پر ہوا اور وہ (طرز)

اس چیز کا ذکر کرنا ہے جس سے فہم کلام اللہ نصیب ہو، اور قول راجح پر اعتماد کرنا ہے، اور (صرف) معروف و مختلف قراءتوں پر لطیف پیرایہ اور مختصر انداز میں تنبیہ کرنا ہے غیر مقبولہ اقوال کو ذکر نہ کر کے، اور غیر ضروری اعراب کو نظر انداز کر کے تطویل و ترک کرنا ہے، اس لئے کہ اس کے مواقع عربی (مثلاً نحو، معانی وغیرہ) کی کتابیں ہیں، اور میں اس عمل (تکمیل) کے ذریعہ دنیا میں نفع کا طالب اور آخرت میں اس کے احسان و کرم کے طفیل میں بہتر جزاء کا امیدوار ہوں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

سوال: علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے حمد کے بقیہ طریقوں کو چھوڑ کر الحمد لله حمدا الخ سے کیوں حمد فرمائی؟
جواب: وجہ اس کی یہ ہے کہ حمد کے اس فقرہ کو حدیث شریف میں افضل حمد کہا گیا ہے، گویا کہ یہ فقرہ اس حدیث شریف کا اقتباس ہے، الحمد لله حمدا یوافی نعمہ ویکافی مزیدہ۔

سوال: مفسر علام نے حدیث کے الفاظ میں تصرف کیا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔
جواب: یہ حدیث نہیں؛ بلکہ حدیث کا اقتباس ہے، اور اقتباسات میں ضرورت کے پیش نظر تصرف جائز ہے۔ (صاوی)

قولنا: مُوَافِیًا لِنِعْمِہِ اِی مطابِقًا لِنِعْمِہِ یعنی حمد اللہ کی نعمتوں کے مطابق ہو بایں طور کہ موجودہ نعمتوں میں سے کوئی نعمت بلا حمد نہ رہ جائے، اور آئندہ (عطا ہونے والی) نعمتوں کے مساوی و مماثل ہو، مقصد یہ کہ لفظ الحمد لله تمام نعمتوں کے عوض میں ہو جائے، اسی مطابقت اور مماثلت کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے:

عذر تقصیرات ماچندانکہ تقصیرات ما شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو

خلاصہ: خلاصہ یہ کہ حمد ایسی ہو کہ جو موجودہ نعمتوں اور آئندہ حاصل ہونے والی نعمتوں کے لئے کافی ہو۔

تنبیہ: بعض نسخوں میں ”سیدنا“ کا لفظ نہیں ہے، پیش نظر نسخہ میں سیدنا کا لفظ موجود ہے جن نسخوں میں سیدنا کا لفظ ہے اس کے مطابق وآلہ اور اس کے مابعد کا عطف سیدنا پر ہوگا نہ کہ محمد پر، ورنہ تمام معطوفات کا سیدنا ہونا لازم آئے گا، حالانکہ حقیقتاً اور اصالتاً سیدنا آپ ﷺ ہیں نہ کہ دیگر حضرات۔

قولنا: وَجُنُودُہ، جُنُودٌ، جُنْدٌ کی جمع ہے، بمعنی لشکر، جُنْد مددگار کو بھی کہتے ہیں، جُنْد ایسا اسم جنس ہے کہ جس کے واحد اور جمع میں یا، کے ذریعہ فرق کیا جاتا ہے، مثلاً جُنْد لشکر اور جندی ایک لشکری جس طرح یہود اور یہودی ہے، یہود، قوم یہود، یہودی یہود کا ایک فرد۔

بعض نسخوں میں اَمَّا بَعْدُ نہیں ہے، لہذا اس کے قائم مقام ہوگا، اور جن نسخوں میں اَمَّا بَعْدُ ہے جیسا کہ پیش نظر نسخہ میں ہے، اس صورت میں اَمَّا حرف شرط اور فہذا اس کی جزاء، مفسر علام نے ہذا اسم اشارہ قریب کا لا کر اشارہ کر دیا کہ ہذا

کا مشارا الیہ معبود فی الذہن ہے جو کہ نہایت قریب ہے، اور وہ سورۃ بقرہ سے سورۃ اسراء کے آخر تک ہے، مَا اشْتَدَّتْ میں ما سے مراد بھی معبود ذہنی ہے۔

قَوْلًا: راغبین سے محبین اور طالبین مراد ہیں، مطلب یہ کہ طالبین اور خواہشمندوں کی حاجت علامہ محلی کی تفسیر کی تکمیل کی طرف شدید ہوگئی۔

علامہ محلی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا مختصر تعارف

قَوْلًا: جلال الدین الخ جلال الدین آپ کا لقب ہے اور اسم گرامی محمد بن احمد ہے، المحلۃ بفتح اللام، مصر کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے، جس کا پورا نام محلۃ الکبریٰ ہے، اسی شہر کی طرف نسبت کر کے آپ کو محلی کہتے ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ قاہرہ کا ہی دوسرا نام المحلۃ الکبریٰ ہے، ۷۹۰ھ میں آپ پیدا ہوئے، اور ۸۶۳ھ میں آپ نے اس دارِ فانی سے رحلت فرمائی، اس حساب سے آپ ۷۳ سال بقید حیات رہے، آپ کی قبر مبارک مصر میں باب النصر کے سامنے ہے۔

قَوْلًا: وَتَتِمِّمُ تَمِّم پر رفع اور جردونوں درست ہیں، رفع کی صورت میں عطف مَا اشْتَدَّتْ میں ما پر ہوگا، اور جر کی صورت میں تکمیل پر عطف ہوگا، اور فی کے تحت ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا۔

ملحوظہ:- مفسر علام کے قول و تتمیم ما فاتہ المحلی میں تسامح معلوم ہوتا ہے، علامہ سیوطی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ما فاتہ المحلی، کی تکمیل فرمانے والے ہیں، حالانکہ تکمیل ما فات المحلی کی نہیں بلکہ مَا آتَا بہ المحلی کی فرما رہے ہیں، یعنی علامہ محلی نے جو کچھ کیا اس کی تکمیل فرما رہے ہیں نہ کہ جو کچھ نہیں کیا اس کی تکمیل، اس لئے کہ تتمہ، مالہ تتمہ کا جز ہوا کرتا ہے، اور علامہ سیوطی کا تتمہ (یعنی نصف اول) ما فات المحلی کا جز نہیں ہے بلکہ مَا آتَا بہ یعنی نصف ثانی کا جزء ہے۔ (صاوی)

قَوْلًا: بِتَمِّمَ یہ تتمیم کے متعلق ہے اور بَاء بمعنی مع ہے۔

قَوْلًا: عَلٰی نَمَطٍ یہ تتمیم سے حال ہے، یعنی تکمیل اس حالت میں ہو کہ وہ علامہ محلی کے طرز پر ہو۔

قَوْلًا: مِّنْ ذِکْرِ مَا یُفْہَمُ بہ کلام اللہ یہ نمط کا بیان ہے۔

قَوْلًا: وَالاعتماد کا عطف ذِکْرِ مَا یُفْہَمُ پر ہے، مِّنْ کے تحت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور وَاِغْرَابِ مَا یَحْتَاجُ اِلَیْہِ اور تَنْبِیْہِ عَلٰی القراءاتِ المختلفة المشہورۃ کا عطف بھی ذِکْرِ پر ہے، خیال رہے کہ یہاں مشہور سے مراد اصطلاحی معنی نہیں؛ بلکہ لغوی معنی مراد ہیں، اس لئے کہ مصحف میں مکتوب سب کی سب قراءات متواترہ ہیں۔

قَوْلًا: وَتَرْکُ التَّطْوِیلِ بذکر اقوال غیر مرضیۃ اور وَاَعَارِیْبَ کا عطف وجہ لطیف پر ہے، اور یہ عطف تفسیری کے طور پر ہے، اور اس لئے کہ جو بات معطوف علیہ یعنی علی وجہ لطیف، و تعبیر وجیز میں اجمال اور اشارہ کے طور پر کہی

گئی ہے وہی بات معطوف یعنی وترك التطویل الخ میں تفصیل و صراحت سے کہی گئی ہے۔

علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے خطبہ کا خلاصہ

علامہ سیوطی نے اولاً مختصر مگر جامع الفاظ میں خالق کائنات کی حمد فرمائی اس کے بعد سید مخلوقات اور آپ کے آل و اصحاب نیز معاونین کو ہدیہ درود و سلام پیش کیا، اس کے بعد نصف اول کی تفسیر کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس اہم کام کی ذمہ داری قبول کرنے کا سبب شائقین اور طالبین کا مسلسل اور شدید اصرار ہوا اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ نصف ثانی کے نہج پر نصف اول میں بھی ایجاز و اختصار کا لحاظ رکھا گیا ہے، نیز قول رائج اور ضروری اعراب نیز قراءت مختلفہ مشہورہ کی نشاندہی کی گئی ہے اور اقوال نامرضیہ اور اعراب غیر ضروریہ کو ترک کر کے تطویل سے احتراز کیا گیا ہے، آخر میں اس کا رخیہ کے وسیلہ سے دنیا و آخرت میں اپنے لئے خیر طلب کی گئی ہے۔

بَیِّنَات: تفسیر اور اس سے متعلقات کی مکمل معلومات کے لئے مقدمہ کی جانب رجوع فرمائیں، مقدمہ میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

سُورَةُ الْبَقَرَةِ

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ مَائَتَانِ وَسِتُّ أَوْ سَبْعٌ وَثَمَانُونَ آيَةً.

سورہ بقرہ مدنی ہے، ۲۸۶ یا ۲۸۷ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ اَلَمْ يَکْفِ اللّٰهُ اَعْلَمَ بِمُرَادِهِ بِذٰلِكَ ذٰلِكَ اِیْ هٰذَا الْکِتٰبِ الَّذِیْ یُتْرٰوُ مُحَمَّدٌ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا رَیْبَ لَیْسَ شَکٌّ فِیْهِ اَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَجَمَلُهُ النِّفٰی خَبْرٌ مَّبْتَدَاُ ذٰلِكَ وَالْاِشَارَةُ بِهٖ لِلتَّعْظِیْمِ هُدًی خَبْرٌ ثَانِی اِیْ هٰذَا لِلْمُتَّقِیْنَ ۝ الْحَسْبِیْنَ اِلٰی التَّقْوٰی بِاِمْتِثَالِ الْاَوَابِرِ وَاجْتِنَابِ النَّوَاحِی لِاِتِّفَاقِهِمْ بِذٰلِكَ النَّارِ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ یُحْصِدُوْنَ بِالْغَیْبِ بِمَا غَابَ عَنْهُمْ مِنَ الْبَغْثِ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ اِنِیْ یَأْتُوْنَ بِهَا بِحَقْوِقِهَا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ فِی طَاعَةِ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ اِی

الْقُرْآنَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ أَى التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ وَغَيْرُهُمَا وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ يَغْلُمُونَ أُولَئِكَ الْمُوصُوفُونَ بِمَا ذَكَرَ عَلَى هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ الْفَائِزُونَ بِالْجَنَّةِ النَّاجُونَ مِنَ النَّارِ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا كَانُوا جَهْلٍ وَأَبَى لَهُمْ وَنَحْوِهَا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنْذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ لَعَلَّ اللَّهَ يَنْهَاهُمْ ذَلِكَ فَلَا تَطْمَعُ فِي إِيْمَانِهِمْ وَالْإِنْذَارُ إِعْلَامٌ مَعَ تَخْوِيفٍ خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ طَبَعَ عَلَيْهَا وَاسْتَوْتَقَ فَلَا يَدْخُلُهَا خَيْرٌ وَعَلَى سَمْعِهِمْ أَى مُوَاضِعِهِ فَلَا يَنْفَعُونَ بِمَا يَسْمَعُونَ مِنَ الْحَقِّ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ غِطَاءٌ فَلَا يُبْصِرُونَ الْحَقَّ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ قَوِّ دَائِمٌ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے، اَلَمْ اللہ ہی اس سے اپنی مراد کو بہتر جانتا ہے، یہ کتاب ہے جس کو محمد ﷺ پڑھتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ منجانب اللہ ہے اور جملہ (یعنی لَا رَيْبَ فِيهِ) خبر ہے جس کا مبتداء ذَلِكْ ہے اور اسم اشارہ بعید کا استعمال بیان تعظیم کے لئے ہے، هُدًى خبر ثانی ہے اور معنی میں ہادی کے ہے، متقیوں کے لئے رہنما ہے (یعنی) امثال اوامر اور اجتناب نواہی کے ذریعہ تقویٰ کی رغبت رکھنے والے ہیں، (اس امثال واجتناب) ہی کی بدولت نار جہنم سے بچنے کی وجہ سے ان کو متقی کہا گیا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو مغیبات پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی ان چیزوں کی جو ان سے مخفی ہیں مثلاً بعث بعد الموت، جنت اور نار کی تصدیق کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں یعنی اس کے ارکان و شرائط کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو رزق دیا ہے، اس میں سے اللہ کی طاعت میں خرچ کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں، جو اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا، یعنی تورات انجیل وغیرہ، اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں، یعنی اس کا پختہ علم رکھتے ہیں، یہی لوگ جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں، اپنے رب کی جانب سے ہدایت پر ہیں اور یہی ہیں جو پوری طرح کامیاب ہیں، (یعنی) جنت کے (حصول کے) ذریعہ کامیاب اور نار جہنم سے نجات پانے والے ہیں، بلاشبہ وہ لوگ جو منکر ہوئے جیسا کہ ابو جہل اور ابولہب وغیرہ، آپ کا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے، (ءَاَنْذَرْتَهُمْ) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کو الف سے تبدیل کر کے اور دوسرے میں ترک تسہیل کر کے اور مُسْتَهْلَہ اور مُحَقَّقَہ کے درمیان الف داخل کر کے (اور ثانی میں) ترک تسہیل کر کے وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں، اس لئے کہ یہ بات ان کے بارے میں اللہ کے علم میں ہے، لہذا آپ ان کے ایمان کی امید نہ رکھیں اور انذار، خوف کے ساتھ ڈرانے کو کہتے ہیں، اللہ نے ان کے قلوب پر مہر لگا دی ہے اور ان کو سیل (Seel) کر دیا ہے، لہذا اب ان میں خیر داخل نہیں ہو سکتی اور ان کی (قوت) سماعت یعنی کانوں پر (معنوی) مہر لگا دی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ حق بات سن کر مستفید نہیں ہوتے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، جس کی وجہ سے حق بات نہیں دیکھ سکتے اور ان کے لئے قوی اور دائمی عذاب ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قرآنی سورتوں کا ”سورة“ نام رکھنے کی وجہ تسمیہ:

سُورَةُ الْبَقَرَةِ: سورة لغت میں بلندی یا بلند منزل کو کہتے ہیں۔ (لسان، راغب) یعنی ہر سورت بلند مرتبہ ہے، سورت کے ایک معنی فصیل (شہر پناہ) کے بھی ہیں، شہر کے چاروں طرف کی دیوار کو سور المدینہ کہتے ہیں قرآنی سورتوں کو سورت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنے مضامین کو اسی طرح احاطہ کئے رہتی ہے، جس طرح فصیل شہر کا احاطہ کئے رہتی ہے۔

ذَلِك: اسم اشارہ بعید کے لئے ہے، جس کا مشاڑ الیہ محسوسات میں سے ہو، یعنی حواس خمسہ ظاہرہ سے جن کا ادراک کیا جاسکتا ہو، رَيْب شک و شبہ، هُو التردد بین النقیضین لا ترجیح لاحدهما علی الآخر عند الشاک، هُدًی، ہدایت سے ماخوذ ہے بمعنی رہنمائی غیب ہر وہ شی جو انسان کے حواس خمسہ سے غائب ہو، يُقِيمُونَ اقامت سے ماخوذ ہے، جس کے معنی سیدھا کرنے کے ہیں اور نماز کا سیدھا کرنا اس کو آداب و شرائط کی رعایت کرتے ہوئے خشوع خضوع کے ساتھ ادا کرنا ہے، رِزق زندگی گزارنے کا سامان يُنْفِقُونَ یہ انفاق سے ماخوذ ہے، بمعنی خرچ کرنا اخِرَہ مؤخر اور بعد میں آنے والی چیز، یہاں عالم دنیا کے مقابلہ میں عالم آخرت مراد ہے، یُوقِنُونَ، ایقان سے ماخوذ ہے، جمع مذکر غائب، مُفْلِحُونَ، افلاح سے ماخوذ ہے، فلاح پوری کامیابی کو کہتے ہیں، سَوَاءٌ یہ اسم ہے قائم مقام مصدر کے یہی وجہ ہے کہ اس کا تشبیہ اور جمع نہیں آتا کہا جاتا ہے، همسا سواء، هم سَوَاءٌ اور جب اس کا تشبیہ لانا ہوتا ہے، تو کہا جاتا ہے، همسا سَيَان، غَشَاوَةٌ، بروزن فِعَالۃ یہ وزن کسی چیز پر مشتمل ہونے کے معنی کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے: عَصَابۃ اور عِمَامۃ، غَشَوۃ کے نمین پر تینوں حرکت درست ہیں، اس کے معنی سرپوش کے ہیں، یہ مصدر بھی ہے، مگر اس جگہ ڈھانکنے والی چیز مراد ہے۔

قَوْلًا: هذا.

سُؤَال: ذَلِك کی تفسیر ہذا سے کیوں کی؟

جَوَاب: ذَلِك، بمعنی ہذا ہے، اس لئے کہ ذَلِك کا مشار الیہ، اَلْم، یا قرآن کریم ہے اور دونوں ہی نہایت قریب ہیں۔

سُؤَال: تو پھر ذَلِك کے بجائے، ہذا ہی کیوں استعمال نہیں کیا؟

جَوَاب: بیان تعظیم کے لئے اسم اشارہ بعید کا استعمال کیا۔

قَوْلًا: اَلَّذِیْ یَقْرُؤُہ مُحَمَّدٌ ﷺ اس سے دیگر کتب سماویہ سے احترام ہو گیا۔

قَوْلًا: اِنَّہٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰہ کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: (الکتاب) مفرد ہے، اور مفرد میں شک کا کوئی مطلب نہیں ہوتا اس لئے کہ شک اور ظن اور علم کا تعلق

قضیہ سے ہوتا ہے۔

جَوَابُ: الْكِتَابُ مَفْرُودٌ هِيَ بَلْكَ قَضِيَّةٌ هِيَ، اس کی تقدیر عبارت یہ ہے ذَالِكُ الْكِتَابُ اَنْهُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ.

قَوْلُهُ: الصَّائِرِينَ اِلَى التَّقْوَى.

سُؤَالُ: لِلْمُتَّقِينَ، کی تفسیر الصَّائِرِينَ اِلَى التَّقْوَى سے کرنے میں کیا نکتہ ہے؟

جَوَابُ: اس تفسیر سے ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے۔

سُؤَالُ: سوال یہ ہے کہ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ میں تحصیل حاصل ہے، یعنی یہ کتاب متقیوں کو ہدایت دینے والی ہے، متقیوں کو ہدایت دینے سے کیا مراد ہے، جب کہ متقی تو خود ہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے۔

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ متقین سے مراد راغبین اِلَى التَّقْوَى ہے۔

قَوْلُهُ: لَا تَقْنَاهُمْ بِذَلِكَ النَّارُ کے اضافہ کا مقصد متقی کو متقی کہنے کی وجہ کو بیان کرنا ہے متقی کو اس کے اعمال صالحہ کے ذریعہ چونکہ جہنم سے بچایا جائے گا اس لئے اس کو متقی کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: كَابِي جَهْلٍ وَّابِي لَهَبٍ وَغَيْرُهُمَا، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالُ: اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ، اس آیت میں عموم کے ساتھ کہا گیا ہے کہ آپ کا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے ان میں سے کوئی بھی ایمان لانے والا نہیں ہے، حالانکہ ان ہی حضرات میں سے بہت سے افراد مشرف باسلام ہوئے۔

جَوَابُ: مفسر علام نے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا، کی تفسیر کَابِي جَهْلٍ وَّابِي لَهَبٍ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ عموم سے بعض افراد مراد ہیں، جن کا ایمان نہ لانا اللہ کے علم میں متعین تھا جیسا کہ ابو جہل اور ابولہب۔

قَوْلُهُ: نَاَنذَرْتَهُمْ، اس میں پانچ قراءتیں ہیں، دونوں ہمزوں کی تحقیق کی صورت میں دو قراءتیں ہیں، ① دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کر کے، ② ترک ادخال کر کے، دوسرے ہمزہ کی تسہیل کی صورت میں بھی دو قراءتیں ہیں، ③ ادخال الف، ④ ترک ادخال الف اور ⑤ پانچویں قراءت دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر، وادخال الف میں واو بمعنی مع ہے، ای مع ادخال الف. مذکورہ پانچوں قراءتیں صاحب جلالین نے مندرجہ ذیل ترتیب سے بیان کی ہیں: ① تحقیق ہمزتین (یعنی تحقیق محض بلا ادخال) ② ابدال ثانیہ بالالف مع المد ③ تسہیل محض (بلا ادخال الف) ④ تسہیل بلا ادخال ⑤ ادخال مع تحقیق ثانیہ۔

الْم: مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، هَذَا الْم، ذَلِك، اسم اشارہ مبتداء اور محلاً مرفوع الكتاب، ذَلِك مبتداء کی خبر اول، لَا رَيْبَ فِيْهِ، خبر ثانی، تقدیر عبارت یہ ہے کہ لَا رَيْبَ كَائِنٌ فِيْهِ، لَا نَفْيَ جِنْسٍ رَيْبٍ اس کا اسم فیہ، کائن کے متعلق ہو کر جملہ ہو کر ذَلِك کی خبر ثانی، هُدًى لِلْمُتَّقِينَ خبر ثالث۔

قَوْلُهُ: ءَاَنذَرْتَهُمْ، پہلا ہمزہ استنبہامیہ تسویہ کے لئے ہے، ءَاَنذَرْتَهُمْ، بتاویل مصدر ہو کر مبتداء ہے اور سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ

خبر مقدم ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سَوَاءٌ جاری مجرئی مصدر اور ءَاذَنْزُ تَهْتَمُ کا فاعل جملہ ہو کمران کی خبر۔

سُؤَالٌ: انداز اور اخبار بالعذاب میں کیا فرق ہے۔

جَوَابٌ: انداز ایسے وقت میں ڈرانے کو کہتے ہیں کہ امر مخوف منہ سے احتراز ممکن ہو، ورنہ تو اخبار بالعذاب کہیں گے (ای فی وقت یَسَعُ التحرز من الامر المخوف والا فَيُسَمَّى اخبار بالعذاب)۔ (صاوی)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ: یہ اور اس کا مابعد ماقبل کی علت ہے یعنی یہ لوگ ایمان اس لئے نہیں لائیں گے کہ ان کے قلوب پر مہر لگا دی گئی ہے۔

سُؤَالٌ: مہر لگانے سے کیا مراد ہے؟ حالانکہ یہ امر مشاہدہ ہے کہ آج تک کسی بھی کافر کے قلب پر مہر لگی ہوئی نظر نہیں آئی حالانکہ آپریشن کے ذریعہ بہت سے قلوب کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

جَوَابٌ: قلب سے مراد عقل ہے جو کہ ایک لطیفہ ربانیہ ہے، جو کہ قلب صنوبری کے ساتھ قائم ہوتا ہے جیسا کہ عرش کا قیام جوہر کے ساتھ اور حرارت کا قیام نار کے ساتھ ہوتا ہے اس اتصال کی کیفیت خدا کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

قَوْلًا: ای مَوَاضِعُهُ: ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: مضاف کس فائدہ کے لئے محذوف مانا گیا ہے؟

جَوَابٌ: یہ ہے کہ سمع، ایک معنوی شے ہے، اس کی جانب ختم کی نسبت درست نہیں ہے اس لئے مضاف محذوف مان لیا اور بتا دیا کہ سمع سے مراد مواضع السمع ہیں، جن پر مہر لگ سکتی ہے۔

سُؤَالٌ: سمع کو مفرد لانے میں کیا حکمت ہے، جب کہ قلوب اور ابصار کو جمع لایا گیا ہے۔

جَوَابٌ: یا تو اس لئے کہ سمع مصدر ہے اور مصدر کا تشنیع جمع نہیں لایا جاتا، یا اس لئے کہ سموع واحد ہے، و علی سَمْعِهِمْ میں وقف تام ہو گیا، علی ابصار ہم خبر مقدم ہے اور غشاوة مبتداء مؤخر اور جملہ مستأنفہ ہے۔

قَوْلًا: قَوٰی دَائِمٌ: عَظِيْمٌ کی تفسیر قوی دائم سے کرنے کا مقصد اس شبہ کا جواب دینا ہے کہ عظیم اجسام کی صفت واقع ہوتی ہے جیسا کہ: "لَهَا عرش عظیم" اور عذاب از قبیل معنی ہے لہذا عظیم، عذاب کی صفت لانا درست نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ عظیم، قوی دائم کے معنی میں ہے جو کہ معنی کی صفت واقع ہوتا ہے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ.

① وَضِعَ المصدر، هُدًى موضع الوصف المشتق الَّذِي هُوَ هَادٍ، وَذَلِكَ أَوْغَلَ فِي الْمَبَالِغَةِ فِي التَّعْبِيرِ

عَنْ دَيْمُومَتِهِ وَاسْتَمْرَارِهِ، كَزَيْدٍ عَدْلٍ.

۲ فی قوله تعالى: عَلَى هُدًى، استعارة تصريحية تبعية، تشبُّهاً لحال المتقين بحال من اعتلى صهوة جواده، فحذف المشبَّه، واستعيرت كلمة عَلَى الدالة على الاستِعلاء والتفوق عَلَى ما بعدها حقيقة، نحو: زيد على السطح أو حكماً نحو عَلَيْهِ دِينٌ.

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ. (الآية)

فی اسناد الختم الى القلوب استعارة تمثيلية، فقد شَبَّهَتْ قلوب الكفار فی نبذها عن الحق وعدم الاصغاء اليه بحال قلوب خَتَمَ اللَّهُ عَلَيْهَا، وهى قلوب البهائم وهو تشبيه معقول بمحسوس.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

سورة بقرہ کے فضائل:

حدیث شریف میں سورۃ بقرہ کی ایک خاص فضیلت یہ بیان کی گئی ہے کہ یہ سورت جس گھر میں پڑھی جائے اس گھر سے شیطان بھاگ جاتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا فَإِنَّ الْبَيْتَ الَّذِي تُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ لَا يَدْخُلُهُ الشَّيْطَانُ" (مسلم، باب استحباب صلوة النافلة فی بیتہ) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ: لکل شیء ہنّام و سنام القرآن سورة البقرة، ہر چیز کا کوہان ہوتا ہے اور قرآن کا کوہان سورۃ بقرہ ہے، ایک روایت میں ہے کہ قرآنی آیتوں کی سردار آیت الکرسی ہے جو کہ سورۃ بقرہ میں ہے۔

زمانہ نزول:

نزول کے اعتبار سے یہ مدنی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، البتہ اس کی بعض آیتیں حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئیں، جو مضمون کی مناسبت سے اس کے آخر میں شامل کر دی گئیں ہیں، سورتوں کے مکی یا مدنی ہونے کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، مگر رائج اور صحیح قول یہ ہے کہ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی تمام سورتیں مکی ہیں، خواہ وہ مکہ میں نازل ہوئی ہوں یا مکہ سے باہر اور ہجرت کے بعد نازل ہونے والی سورتیں مدنی ہیں، خواہ مکہ ہی میں کیوں نہ نازل ہوئی ہوں، ۸۳ سورتیں مکہ میں نازل ہوئیں اور ۳ سورتیں مدینہ میں یہ کل ۱۱۴ سورتیں ہوئیں۔

ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ سورۃ بقرہ میں ایک ہزار اور ایک ہزار نو ابی اور ایک ہزار اخبار ہیں، اور ۱۵، امثلہ ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سورت کو حاصل کرنے میں آٹھ سال لگائے۔ (روح المعانی)

سورۃ بقرہ کی وجہ تسمیہ:

اس سورۃ کا نام ”بقرہ“ اس لئے ہے کہ اس میں ایک جگہ بقرہ کا ذکر آیا ہے، یہ اسم الکمل باسم الجز کے قبیل سے ہے، قرآن مجید کی ہر سورت میں اس قدر وسیع مضامین بیان ہوئے ہیں کہ ان کے لئے مضمون کے لحاظ سے جامع عنوانات تجویز نہیں کیے جاسکتے، عربی زبان اپنی لغت کے اعتبار سے اگرچہ نہایت مالدار ہے، مشہور ہے کہ اگر تین حرفوں کو جمع کر دیا جائے، تو ضرور کوئی بامعنی لفظ بن جائے گا، اس کے باوجود بہر حال ہے تو انسانی زبان ہی انسان جو زبانیں بھی بولتا ہے، وہ اس قدر تنگ اور محدود ہیں کہ وہ ایسے الفاظ یا فقرے فراہم نہیں کر سکتیں کہ جو ان وسیع مضامین کے لئے جامع عنوان بن سکتے ہوں، اس لئے آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے قرآن کی بیشتر سورتوں کے لئے عنوانات کے بجائے نام تجویز فرمائے ہیں، جو محض علامت کا کام دیتے ہیں، اس سورۃ کو سورۃ بقرہ کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں گائے کے مسئلہ سے بحث کی گئی ہے اور اس کی ماہیت اور خاصیت اور فوائد بیان کئے گئے ہیں، بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ سورت جس میں گائے کا ذکر آیا ہے۔

حروف مقطعات کی بحث:

الـم، ۲۹۰ سورتوں کے شروع میں ۱۴ حروف مقطعات کا استعمال ہوا ہے جو کہ حروف ہجا کے نصف ہیں ان حروف کو مقطعات اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کو الگ الگ پڑھا جاتا ہے، اگرچہ یہ مرکب لکھے ہوئے ہیں۔ بعض سورتوں کے شروع میں صرف ایک حرف ہے جیسے، ق، اس کو احادی کہتے ہیں اور بعض کے شروع میں دو حروف ہیں جیسے: حـم، اس کو ثنائی کہتے ہیں اور بعض کے شروع میں تین حروف ہیں جیسے: الـم، اس کو ثلاثی کہتے ہیں، علیٰ هذا القیاس، رباعی اور خماسی۔ اس سے زیادہ نہیں ہیں، اس لئے کہ کلام عرب میں پانچ حرفی سے زیادہ کوئی کلمہ نہیں ہے، حروف مقطعات کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، ان میں احوط قول یہ ہے کہ حروف مقطعات قرآن میں سرّ من اسرار اللہ، یعنی حروف مقطعات قرآنی رازوں میں سے ایک راز ہیں کما قال الشعبی وسفیان الثوری وجماعة من المحدثین، حروف مقطعات کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے، اور فرمایا لانحسب ان نتکلم فیہا ولكن نؤمن بہا، یعنی ہم یہ پسند نہیں کرتے کہ ان میں بحث و گفتگو کریں اور یہی قول حضرت ابو بکر اور علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے بعض حضرات نے حروف مقطعات کے معانی بیان کرنے کی کوشش کی ہے حضرت ابن عباس اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حروف مقطعات اسم اعظم ہیں، مگر ہم ان حروف سے تالیف کو نہیں جانتے قطرب اور فرّاء وغیرہ نے کہا ہے کہ حروف مقطعات سے حروف ہجا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جن کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قرآن جو اپنا مثل لانے کے لئے تحدی اور چیلنج کر رہا ہے یہ کوئی انوکھے حروف سے مرکب نہیں ہے بلکہ یہ ان ہی حروف و کلمات سے مرکب ہے جن کو تم رات دن بولتے ہو، پھر کیا وجہ ہے کہ تم قرآن کی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت لانے سے بھی عاجز ہو، معلوم ہوا کہ یہ بشری کلام نہیں ہے۔

ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے بھی قرطبی وغیرہ سے نقل کر کے شععی و سفیان ثوری رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالٰی وغیرہ کے قول کو ترجیح دی ہے، جن بعض اکابر سے ان حروف کے معنی منقول ہیں اس سے صرف تمثیل و تنبیہ و تسہیل مقصود ہے، اللہ تعالیٰ کی مراد کی تعیین نہیں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس دور میں قرآن کریم کا نزول ہوا اس دور کے اسالیب بیان میں اس طرح کے حروف مقطعات کا استعمال عام تھا، خطیب اور شعراء اس اسلوب سے کام لیتے تھے، چنانچہ اب بھی کلام جاہلیت کے جو نمونے محفوظ ہیں، ان میں اس کی مثالیں ملتی ہیں، نیز مفرد حروف کا استعمال بھی کلام عرب میں موجود ہے۔

مثال کے طور پر۔

قال شاعر: قُلْتُ لَهَا قَفِي فَقَالَتْ ق، اى وقفت.

اور حدیث شریف میں ہے مَنْ اَعَانَ عَلَى قَتْلِ مُسْلِمٍ بِشَطْرِ كَلِمَةٍ، مثلاً کسی شخص نے کسی کے قتل کے بارے میں اقتل کہنے کے بجائے، اُق کہا یہ بھی قتل پر معاونت ہے اس سے معلوم ہوا کہ حروف مقطعات کوئی پہلی یا چیتان نہیں کہ بولنے والے کے سوا کوئی نہ سمجھتا ہو، بلکہ سامعین بالعموم جانتے تھے کہ ان سے کیا مراد ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کے خلاف نبی ﷺ کے ہم عصر مخالفین میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض کبھی نہیں کیا کہ یہ بے معنی حروف کیسے ہیں، جو تم بعض سورتوں کے شروع میں بولتے ہو اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے بھی کوئی روایت منقول نہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ سے ان کے معانی پوچھے ہوں، اور نہ آپ ﷺ ہی سے ان کی کوئی تفسیر منقول ہے، بعد میں یہ اسلوب عربی زبان میں بھی متروک ہوتا چلا گیا، اس بناء پر مفسرین کے لئے ان کے معنی متعین کرنا مشکل ہو گیا، لیکن یہ بات ظاہر ہے کہ ان حروف کا مفہوم سمجھنے پر قرآن سے ہدایت حاصل کرنے کا انحصار نہیں ہے، لہذا ایک عام ناظر کے لئے یہ قطعاً ضروری نہیں کہ وہ ان کی تحقیق میں سرگرداں ہو۔

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ: یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں، یہ موقع بظاہر اشارہ بعید کا نہیں تھا اس لئے کہ اسی قرآن کی طرف اشارہ مقصود ہے جو لوگوں کے سامنے بلکہ دل میں موجود ہے، مگر بعید کا اشارہ اگر قرآن کی عظمت شان کی طرف اشارہ کرنے کے ساتھ اس کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے، کہ سورہ فاتحہ میں جس صراط مستقیم کی درخواست کی گئی تھی یہ سارا قرآن اس درخواست اور دعاء کا جواب ہے اور صراط مستقیم کی تشریح اور تفصیل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے دعاء سن لی اور تمہاری رہنمائی کے لئے قرآن بھیج دیا جو آفتاب ہدایت ہے، جو شخص ہدایت چاہتا ہے وہ اس کو پڑھے اور سمجھے اور اس کے مقتضی پر عمل کرے۔ (معارف القرآن)

پھر قرآن کے متعلق ارشاد ہے کہ (لا ریب فیہ) اس میں کوئی شک نہیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کی حقانیت میں شک و شبہ کرنیوالے تو ہزاروں لاکھوں موجود ہیں، پھر یہ کہنا کہ یہ قرآن شک و شبہ سے بالاتر ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

پہلا جواب: اس کا سیدھا سادہ ایک جواب تو یہ ہے کہ دلائل و براہین کی روشنی میں عقل سلیم کے لئے اس کے کتاب الہی ہونے میں شک کی گنجائش نہیں اور نہ اس میں کوئی شک کی بات۔

کُجھ سَنَسَلِ جَوَابِ: شک و شبہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ خود کلام میں غلطی ہو، تو وہ کلام محل شک و شبہ ہو جاتا ہے، اور اگر کسی کو کج فہمی یا کم فہمی کی وجہ سے کسی طرح کا شبہ ہو جائے جس کا ذکر خود قرآن کریم میں چند آیتوں کے بعد ”اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ“ میں آ رہا ہے، اس لئے ہزاروں کم فہم یا کج فہموں کے شبہات و اعتراضات کے باوجود یہ بات کہنی صحیح ہے کہ اس کتاب میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ: یہ کتاب پرہیزگاروں کے لئے رہنما ہے، یہاں ہُدًى بمعنی ہادِ ہے، تاکہ مصدر کا حمل ذات پر ہونے کا اعتراض نہ ہو، اور یہ بھی درست ہے کہ هُدًى مصدر کو مصدر ہی کے معنی میں رکھا جائے، اس صورت میں مبالغہ کے طور پر حمل درست ہوگا، اور یہ حمل، زیدٌ عَذْلٌ کے قبیل سے ہوگا مطلب یہ ہوگا کہ یہ کتاب ہے تو سراسر ہدایت و رہنمائی، اور تمام انسانوں بلکہ پوری کائنات کی ہدایت و رہنمائی کے لئے نازل ہوئی ہے لیکن اس چشمہ فیض سے سیراب صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو آب حیات کے متلاشی اور خوف الہی سے سرشار ہوں گے اس چشمہ ہدایت سے فیضیاب ہونے کے لئے جن چھ صفات و شرائط کا پایا جانا ضروری ہے، ان کو ان دو آیتوں میں بیان کیا گیا ہے ان میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی متقی و پرہیزگار ہو، بھلائی اور برائی میں تمیز کرتا ہو، برائی سے بچنا چاہتا ہو، بھلائی کا طالب ہو اور اس پر عمل کرنے کا خواہشمند ہو، رہے وہ لوگ جو دنیا میں جانوروں کی طرح جیتے ہیں جنہیں کبھی یہ فکر لاحق نہ ہوئی کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں، بس جدھر دنیا چل رہی ہو، یا جدھر خواہش نفس دھکیل دے اسی طرف چل پڑتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے قرآن میں کوئی رہنمائی نہیں ہے۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ: قرآن سے مستفید ہونے کی یہ دوسری شرط ہے اس آیت میں متقین کی تین صفات بیان کی گئی ہیں ① ایمان بالغیب ② اقامت صلوٰۃ ③ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

پہلی صفت۔ ایمان اور اس کی تعریف:

ایمان کی تعریف کو قرآن کریم نے يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے صرف دو لفظوں میں پوری طرح بیان کر دیا ہے، اگر ایمان اور غیب کے معنی سمجھ لئے جائیں تو ایمان کی پوری حقیقت اور تعریف سمجھ میں آ جاتی ہے۔

قرآن سے فائدہ اٹھانے کی یہ دوسری شرط ہے، غیب سے مراد وہ حقیقتیں ہیں، جو انسان کے حواس سے پوشیدہ ہوں ان کا ادراک نہ عقل سے ہو سکتا ہو اور نہ حواس خمسہ ظاہرہ سے، مثلاً خدا کی ذات و صفات، ملائکہ، وحی، جنت و دوزخ وغیرہ ان حقیقتوں کو بغیر دیکھے ماننا اور اس اعتماد پر ماننا کہ نبی اس کی خبر دے رہا ہے، ایمان بالغیب ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان غیر محسوس حقیقتوں کو ماننے کے لئے تیار ہو تو صرف وہی قرآن کی رہنمائی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، رہا وہ شخص جو ماننے کے لئے، دیکھنے اور چکھنے اور سونگھنے کی شرط لگائے اور کہے کہ میں کسی ایسی چیز کو نہیں مان سکتا کہ جو عقل یا حواس خمسہ کی ترازو میں تولی نہ جاسکتی ہو، تو وہ اس کتاب سے ہدایت نہیں پاسکتا۔

محسوسات اور مشاہدات میں کسی کے قول کی تصدیق کا نام ایمان نہیں:

عرف میں کسی کی بات کو کسی کے اعتقاد پر یقینی طور پر مان لینے کا نام ایمان ہے اسی لئے محسوسات و مشاہدات میں کسی کے قول کے تصدیق کرنے کو ایمان نہیں کہتے مثلاً کوئی شخص سفید چیز کو سفید اور سیاہ کو سیاہ کہہ رہا ہے، اور دوسرا شخص اس کی تصدیق کر رہا ہے، اس کو تصدیق کرنا تو کہیں گے، ایمان لانا نہیں کہیں گے، اس لئے کہ اس تصدیق میں قائل کے اعتقاد کو کوئی دخل نہیں، بلکہ یہ تصدیق مشاہدہ کی بناء پر ہے اور اصطلاح شرع میں خبر رسول کو بغیر مشاہدہ کے محض رسولوں کے اعتقاد پر یقینی طور پر مان لینے کا نام ایمان ہے، اس تعریف میں ماننے کا نام ایمان بتلایا گیا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ محض جاننے کو ایمان نہیں کہتے، جہاں تک جاننے کا تعلق ہے، وہ تو ابلیس اور بہت سے کفار کو بھی حاصل ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کے صدق کا یقین تھا، مگر اس کو مانا نہیں اس لئے وہ مؤمن نہیں۔

دوسری صفت: وَيُؤْمِنُونَ بِالصَّلَاةِ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ صرف جان کر یا مان کر بیٹھ جانے والے ہوں، وہ قرآن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اقامت صلوٰۃ سے مراد پابندی سے سنت نبوی کے مطابق نماز کا اہتمام کرنا ہے، جس میں نماز کے تمام فرائض، واجبات، مستحبات اور پھر ان پر دوام و التزام یہ سب اقامت کے منہوم میں داخل ہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ اس جگہ نماز سے کوئی خاص نماز مراد نہیں بلکہ فرائض، واجبات اور نفل نمازوں کو یہ لفظ شامل ہے۔

تیسری صفت: وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ: تیسری صفت انفاق فی سبیل اللہ ہے، انفاق کا لفظ عام ہے جو صدقات واجبہ اور نافلہ دونوں کو شامل ہے، اہل ایمان حسب استطاعت دونوں میں کوئی تاہی نہیں کرتے والدین اور اہل و عیال پر صرف کرنا بھی اس میں داخل ہے اور باعث اجر و ثواب ہے۔ قرآن سے فائدہ اٹھانے کی یہ چوتھی شرط ہے کہ آدمی مال کا حریص اور زر پرست نہ ہو اس کے مال میں اللہ اور بندوں کے جو حقوق مقرر کئے جائیں انہیں ادا کرنے کے لئے تیار ہو جن چیزوں پر ایمان لایا ہے ان کی خاطر مالی قربانی دینے میں دریغ نہ کرے، مطلقاً انفاق محمود نہیں، فی طاعة اللہ کہہ کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ: رزق کا لفظ عربی میں بڑے وسیع معنی رکھتا ہے، اس لئے کہ اس کے اندر ہر قسم کی نعمتیں شامل ہیں، خواہ ظاہری ہوں جیسے: مال، اولاد، صحت وغیرہ، یا معنوی و روحانی مثلاً علم و حکمت، فہم و فراست اور عقل سلیم وغیرہ۔

مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ: میں رزق کی نسبت اپنی طرف کر کے بتا دیا کہ جو نعمت بھی انسان کو ملتی ہے وہ سب اللہ ہی کے فیض و عطا کا ثمرہ ہوتی ہے۔

اس مختصر جملہ میں غور کیجئے، تو جہاں یہ لفظ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ایک قوی داعیہ انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے، کہ جو مال ہمارے پاس ہے، سب خدا ہی کا عطا کیا ہوا ہے اور اسی کی امانت ہے، اگر ہم تمام کو بھی اللہ کی راہ میں اس کی رضا کی خاطر خرچ کر دیں تو حق اور بجا ہے نیز خالص نفع کا سودا ہے، وہیں مِمَّا کے لفظ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ

ہمارے عطا کردہ مال کو پورا خرچ کرنا نہیں بلکہ اس کا کچھ حصہ خرچ کرنا ہے۔

سُئِلَ: ایمان بالغیب کو بیان کرنے کے بعد اعمال کو بیان کرتے ہوئے صرف نماز اور انفاق کو بیان فرمایا حالانکہ اعمال کی فہرست طویل ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابُ: بنیادی طور پر اعمال کی دو ہی قسمیں ہیں، بدنی اور مالی دونوں میں سے ایک ایک جواہم ہیں ان کو بیان کر دیا، اس کے علاوہ خود بخود اس میں شامل ہو گئے۔

مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ: مِمَّا، میں مِنْ تَبْعِیْیَہ ہے، نون لوجذف کر کے میم کو ما، موصولہ میں ادغام کر دیا، ما موصولہ، رَزَقْنَاهُمْ، جملہ ہو کر صلہ ہے رَزَقْنَا کا۔ هُمْ مفعول اول اور مفعول ثانی اِیَّاه محذوف ہے: اِیَّی مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ اِیَّاهُ یَنْفِقُوْنَ۔

ایمان اور اسلام میں فرق:

لغت میں ایمان کسی چیز کی دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے اور اسلام اطاعت اور فرمانبرداری کا نام ہے، ایمان کا محل قلب ہے اور اسلام کا تعلق قلب اور اعضاء و جوارح سے ہے، لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محض دل میں تصدیق کر لینا اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار نہ کرے، اسی طرح زبان سے تصدیق کا اقرار اور اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار اس وقت تک معتبر نہیں جب تک کہ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ لغت کے اعتبار سے ایمان اور اسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں اور قرآن و حدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بناء پر ایمان اور اسلام میں فرق کا ذکر بھی ہے مگر شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں۔

اسلام اور ایمان میں فرق صرف ابتداء اور انتہا کا ہے:

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اس مضمون کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ایمان اور اسلام کی مسافت ایک ہے، فرق صرف ابتداء اور انتہا کا ہے یعنی ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر عمل پر پہنچ کر مکمل ہوتا ہے اور اسلام ظاہر عمل سے شروع ہوتا ہے اور قلب پر پہنچ کر مکمل سمجھا جاتا ہے اگر تصدیق قلبی اقرار باللسان تک نہ پہنچے تو وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں، اسی طرح اگر ظاہری اطاعت و اقرار، تصدیق قلبی تک نہ پہنچے تو وہ اسلام معتبر نہیں۔ (معارف)

امام غزالی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور امام سبکی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کی بھی یہی تحقیق ہے اور امام ابن ہمام رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے مسامرہ میں اسی تحقیق پر اہل حق کا اتفاق ذکر کیا ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ (الآیۃ) یہ پانچویں شرط ہے کہ آدمی ان تمام کتابوں کو برحق تسلیم کرے، جو بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے پہلے کے انبیاء پر مختلف زبانوں اور ملکوں میں نازل کیں، اس شرط کی بناء پر قرآنی ہدایت کا

دروازہ ان سب لوگوں پر بند ہے، جو سرے سے اس ضرورت ہی کے قائل نہ ہوں کہ انسان کو خدا کی طرف سے ہدایت ملنی چاہئے، یا اس ضرورت کے تو قائل ہوں مگر اس کے لئے وحی و رسالت کی طرف رجوع کرنا غیر ضروری سمجھتے ہوں، اور خود کچھ نظریات قائم کر کے انہی کو خدائی ہدایت قرار دیں، یا آسمانی کتابوں کے بھی قائل ہوں، مگر صرف اس کتاب پر ایمان لائیں جنہیں ان کے باپ دادا مانتے چلے آئے ہیں، رہیں اسی چشمے سے نکلی ہوئی دوسری ہدایات تو وہ ان کو قبول کرنے سے انکار کر دیں، ایسے سب لوگوں کو الگ کر کے قرآن اپنا چشمہ فیض صرف ان لوگوں کے لئے کھولتا ہے، جو اپنے آپ کو خدائی ہدایات کا محتاج بھی مانتے ہوں اور یہ بھی مانتے ہوں کہ یہ خدائی ہدایت ہر انسان کے پاس الگ الگ نہیں آتی بلکہ انبیاء اور کتب آسمانی کے ذریعہ ہی سے خلق تک پہنچتی ہے، اور پھر وہ کسی نسلی و قومی تعصب میں بھی مبتلا نہ ہوں بلکہ خالص حق کے پرستار ہوں اس لئے حق جہاں اور جس شکل میں بھی آیا ہے اس کے آگے سر جھکا دیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ : آیت کے الفاظ سے یہ مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ تین چیزیں الگ الگ ہیں، ① کلام کا نازل کرنے والا، ② وہ جس پر کلام نازل کیا گیا ہو، یعنی رسول، ③ خود کلام، اس عبارت سے بروز، تمثیل و حلول اور وحدۃ الوجود (اپنے عوامی مفہوم میں) ان مشرکانہ اور نیم مشرکانہ عقائد کی جڑ کاٹ جاتی ہے نہ کلام متمثل ہوا ہے اور نہ رسول (نعوذ باللہ) اللہ کے اوتار یعنی انسانی قالب میں خدا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ عہد رسالت میں مومنین متقین دو طرح کے تھے، ایک وہ جو پہلے مشرک تھے، بعد میں مشرف باسلام ہوئے اور دوسرے وہ کہ جو پہلے اہل کتاب یہودی یا نصرانی تھے، بعد میں مسلمان ہو گئے اس سے پہلے اول طبقہ کا ذکر تھا، اور اس آیت میں دوسرے طبقے کا ذکر ہے اسی لئے اس آیت میں قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ کچھیلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کی بھی تصریح فرمائی گئی کہ یہ حضرات دوہرے ثواب کے مستحق ہیں سابقہ کتابوں پر عمل کرنے کا ثواب اور قرآن پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا ثواب، کچھیلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانا آج بھی ہر مسلمان کے لئے لازم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ آج ان کتابوں پر صرف اجمالی ایمان اس طرح ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں جو کچھ نازل فرمایا تھا، وہ سب حق ہے اور اس زمانہ کے لئے وہی واجب العمل تھا، مگر قرآن نازل ہونے کے بعد چونکہ یہ کچھیلی کتابیں اور شریعتیں سب منسوخ ہو گئیں اب عمل صرف قرآن پر ہوگا۔ (معارف)

ایک اہم نکتہ: آیت کے طرز بیان سے ایک اہم نکتہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ آخری نبی اور آپ کی وحی آخری وحی ہے، اس لئے کہ اگر قرآن کے بعد کوئی اور کتاب یا وحی نازل ہونے والی ہوتی تو جس طرح اس آیت میں کچھیلی کتابوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے اسی طرح آئندہ نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لانے کا بھی ذکر ہوتا مگر ایسا نہیں ہے قرآن نے جہاں آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی کتاب پر ایمان لانے کا ذکر کیا ہے، وہیں سابقہ کتابوں پر بھی ایمان لانے کا ذکر فرمایا ہے، مگر کسی آیت میں اس کا اشارہ تک نہیں کہ آئندہ بھی کوئی وحی آنے والی ہے، جس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ، الْآخِرَةُ یہ الْآخِرَةُ کی تائید ہے اور آخر اول کی نفی ہے اور دار کی صفت ہے جیسا کہ اللہ

کے قول: تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ میں ہے قرآن سے فائدہ اٹھانے کی یہ چھٹی اور آخری شرط ہے آخرہ ایک انقلابی عقیدہ اور ایک جامع لفظ ہے، جس کا اطلاق بہت سے عقائد کے مجموعے پر ہوتا ہے اس میں حسب ذیل عقائد شامل ہیں:

۱ یہ کہ انسان اس دنیا میں غیر ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اپنے تمام اعمال کے لئے خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔

۲ یہ کہ دنیا کا موجودہ نظام ابدی نہیں بلکہ ایک وقت پر جسے صرف خدا ہی جانتا ہے اس کا خاتمہ ہو جائے گا۔

۳ یہ کہ اس عالم کے خاتمے کے بعد خدا ایک دوسرا عالم بنائے گا اور اس میں پوری نوع انسانی کو جو ابتدا، آفرینش سے قیامت تک زمین پر پیدا ہوئی تھی، بیک وقت دوبارہ پیدا کریگا اور سب کو جمع کر کے ان کے اعمال کا حساب لے گا، اور ہر ایک کو اس کے کئے کا پورا بدلہ دے گا۔

۴ یہ کہ خدا کے اس فیصلے کی رو سے جو لوگ نیک قرار پائیں گے وہ کامیاب قرار دیئے جائیں گے اور جنت میں جائیں گے اور جو لوگ بد قرار دیئے جائیں گے وہ دوزخ میں جائیں گے۔

۵ یہ کہ کامیابی اور ناکامی کا اصل معیار موجودہ زندگی کی خوشحالی اور بد حالی نہیں ہے بلکہ درحقیقت کامیاب انسان وہ ہے جو خدا کے آخری فیصلے میں کامیاب ٹھہرے اور ناکام وہ ہے، جو اس فیصلے میں ناکام ٹھہرے۔

عقائد کے اس مجموعے پر جن لوگوں کو یقین نہ ہو وہ قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے کیونکہ ان باتوں کا انکار تو درکنار، اگر کسی کے دل میں ان کی طرف سے شک ہو، تو وہ اس راستہ پر نہیں چل سکتا جو انسانی زندگی کے لئے قرآن نے تجویز کیا ہے۔

ایمان بالآخرت اگرچہ ایمان بالغیب میں داخل ہے، مگر اس کو دوبارہ صراحتاً اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ اجزاء ایمانی میں اس حیثیت سے سب سے زیادہ اہم جزء ہے، کہ مقتضائے ایمان پر عمل کا جذبہ پیدا کرنا اسی کا اثر ہے۔

اور اسلامی عقائد میں وہ انقلابی عقیدہ ہے جس نے دنیا کی کاپیاپٹ دی اور جس نے آسمانی تعلیم پر عمل کرنے والوں کو پہلے اخلاق و اعمال میں اور پھر دنیا کی سیاست میں تمام اقوام عالم کے مقابلہ میں ایک امتیازی مقام عطا فرمایا اور جو عقیدہ تو حید و رسالت کی طرح تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام شرائع میں مشترک اور متحقق چلا آتا ہے۔

وجہ ظاہر ہے کہ جن لوگوں کے پیش نظر صرف دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و عشرت ہے اور دنیا ہی کی تکلیف کو تکلیف سمجھتے ہیں، آخرت کی زندگی اور اعمال کے حساب و کتاب کا کوئی تصور ان کے یہاں نہیں ہے اگر ایسے لوگ جھوٹ اور سچ اور حلال اور حرام کی تفریق کو اپنی عیش و عشرت میں خلل انداز ہوتے دیکھیں تو ان کو جرائم سے باز رکھنے والی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔

حکومت کے تعزیری قوانین قطعاً انسداد جرائم اور اصلاح اخلاق کے لئے کافی نہیں، عادی مجرم تو ان سزاؤں کے عادی ہو ہی جاتے ہیں، کوئی شریف انسان اگر تعزیری سزا کے خوف سے اپنی خواہشات کو ترک کر بھی دے تو اس حد تک کہ اس کو حکومت کی دار و گیر کا خطرہ ہو، خلوتوں اور رازدارانہ طریقوں پر جہاں حکومت اور اس کے قوانین کی رسائی نہیں انہیں کون مجبور کر سکتا ہے کہ: اپنی عیش و عشرت اور خواہش کو چھوڑ کر پابندیوں کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیں؟

ہاں وہ صرف عقیدہ آخرت اور خوف خدا ہی ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کی ظاہری اور باطنی حالت، جلوت و خلوت میں یکساں ہو سکتی ہے وہ یقین رکھتا ہے، کہ مکان کے بند دروازوں اور رات کی تاریکیوں میں بھی کوئی دیکھنے والا مجھے دیکھ رہا ہے اور کوئی لکھنے والا میرے اعمال لکھ رہا ہے۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: یہ ان اہل ایمان کا انجام بیان کیا گیا ہے جو ایمان لانے کے بعد تقویٰ و عمل اور عقیدہ صحیحہ کا اہتمام کرتے ہیں، محض زبان سے اظہار ایمان کو کافی نہیں سمجھتے، کامیابی دار آخرت میں رضائے الہی اور اس کی رحمت و معرفت کا حصول ہے اگر اس کے ساتھ دنیا میں بھی خوشحالی اور کامرانی مل جائے، تو سبحان اللہ ورنہ اصل کامیابی آخرت کی ہی کامیابی ہے۔

فلاح: غربی میں بڑے وسیع معنی میں آتا ہے، دنیا و آخرت کی ساری خوبیوں کو جامع ہے اس لئے مُفْلِحُونَ کا پورا مفہوم کامیاب، بامراد، وغیرہ کسی اردو لفظ سے ادا ہونا دشوار ہے، امام لغت زبیدی کا قول ہے کہ ائمہ لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ کلام عرب میں جامعیت خیر کے لئے فلاح سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں: "لیس فی کلام العرب کلمة اجمع من لفظة الفلاح لخیری الدنیا والآخرة کما قال ائمة اللسان"۔ (تاج)

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: کی ترکیب نے معنی میں حصرو تاکید پیدا کر دی اور ہم ضمیر فصل تاکید و تخصیص نسبت کے لئے ہے۔ (بحر)

اہم نکتہ: مفسر تھانوی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے یہ بات خوب لکھی ہے کہ حصر کا تعلق فلاح کامل سے ہے نہ کہ فلاح مطلق سے اور المفلحون سے مراد الکاملون فی الفلاح ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ بے شک جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں ان کے حق میں یکساں ہے کہ آپ ﷺ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔

نبی ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ سب لوگ مسلمان ہو جائیں اور اسی حساب سے آپ ﷺ کو شش فرماتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان ان کے نصیب میں ہے ہی نہیں، مراد ان سے چند مخصوص لوگ ہیں جن کے دلوں پر مہر لگ چکی تھی (جیسے ابو جہل، ابولہب وغیرہ) ورنہ آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ سے بے شمار لوگ مسلمان ہوئے حتیٰ کہ پورا جزیرۃ العرب اسلام کے سایہ عاطفت میں آ گیا۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ: یہ ان کے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ بیان کی گئی ہے چونکہ کفر و معصیت کے مسلسل ارتکاب کی وجہ سے ان کے دلوں کی قبول حق کی استعداد ختم ہو چکی ہے ان کے کان حق بات سننے کے لئے آمادہ نہیں اور ان کی نگاہیں کائنات میں پھیلی ہوئی رب کی نشانیاں دیکھنے سے محروم ہیں، تو اب وہ ایمان کس طرح لا سکتے ہیں؟ ایمان تو انہیں لوگوں کے حصے میں آتا ہے جو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتے ہیں۔

قبول حق کی صلاحیت سے محروم کفر پر مرتے ہیں:

ایسے لوگ جو قیام دلائل کے باوجود کفر پر اڑ رہے رہتے ہیں، آخر کار علم الہی میں کفر ہی پر مرنے والے ہیں، جو لوگ دلائل حق میں غور نہیں کرتے اور باطل پر جے رہتے ہیں، ان کے قبول حق کی صلاحیت جو ہر انسان میں فطری طور پر ودیعت کی جاتی ہے روز بروز کمزور ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ بالکل مردہ ہو جاتی ہے، آیت میں اشارہ خاص طور پر یہود مدینہ کی جانب ہے گو اس میں دیگر کافر و مشرک بھی داخل ہو سکتے ہیں یہود مدینہ کا کفر جو دیکھنا کی قسم کا تھا، یعنی یہ نبی آخر الزمان کی بابت پیشین گوئیوں اور آپ کی علامات سے بخوبی واقف تھے، اس کے باوجود دانستہ اغماض اور اخفاء کرتے تھے، تاکہ اپنی دینی ریاست اور دینی سیادت میں فرق نہ آئے۔

”وَأَمَّا مَعْنَى الْكُفْرِ فَإِنَّهُ الْجُحُودُ وَذَلِكَ أَنَّ الْأَحْبَارَ مِنْ يَهُودِ الْمَدِينَةِ جَحَدُوا نُبُوَّةَ مُحَمَّدٍ ﷺ وَسَتَرُوا عَنْ النَّاسِ وَكْتَمُوا أَمْرَهُ“۔ (ابن جریر)

عدم قبول کے یقینی ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی دعوت و تبلیغ برابر جاری رہی چاہے اس لئے کہ آپ کو اس کا اجر مسلسل ملتا رہے گا خواہ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں ایسا نہ ہونا چاہئے کہ آپ ﷺ ان کے ایمان سے مایوس ہو کر ان کو دعوت و تبلیغ کا کام چھوڑیں۔

آج معمولی مبلغ بھی اپنی دھن کے پکے ہوتے ہیں، آپ ﷺ تو مبلغ اعظم تھے، دین الہی کی اشاعت کے لئے آپ کی تڑپ کا کیا کہنا! آپ کی خواہش یہی تھی کہ کافر سب کے سب دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں ان بد بختوں کے حق میں آپ کی خواہش کے بار آور نہ ہونے کی صورت میں آپ کے رنج و غم کو کم کرنے کے لئے آپ کو یہاں یہ بات بتلا دی گئی ہے کہ یہ بد بخت اپنی صلاحیت حق شناسی ضائع کر چکے ہیں آپ کچھ بھی کر لیں یہ حق کو قبول کرنے والے نہیں ہیں، لیکن آپ کا اجر تبلیغ بہر حال ثابت ہے:

”فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ۔ فَمَنْ اسْتَجَابَ لَكَ فَلَهُ الْخِزْيَانُ الْكَافِرُ وَمَنْ تَوَلَّى فَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ“۔ (ابن کثیر)

سُئِلَ: جب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ان کا ایمان نہ لانا متعین ہے جس کے مطابق حق تعالیٰ نے: ”لَا يُؤْمِنُونَ“ کہہ کر خبر بھی دیدی، تو یہ لوگ ایمان لا بھی کیسے سکتے ہیں؟ اس لئے کہ علم خداوندی کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

جواب: لَا يُؤْمِنُونَ، ایک خبر ہے جو خیر مطلق اپنے بندے کو دے رہا ہے، ایک اطلاع ہے، جو علیم کل اپنے رسول کو پہنچا رہا ہے، خدا کی مرضی کا اس سے کوئی تعلق نہیں، علم اور مرضی کے درمیان زمین آسمان کا فرق ہے بعض لوگ ان میں فرق و امتیاز نہ

کرنے کی وجہ سے خلجان میں پڑ جاتے ہیں، طبیب حاذق اپنے علم کی روشنی میں مدتوں پہلے خبر دیدیتا ہے کہ فلاں بد پرہیز خود رائے مریض اچھا نہ ہوگا، کیا اس پیش خبری میں اس شفیق طبیب کی خواہش و مرضی کو بھی کچھ دخل ہوتا ہے؟

یہ امر واقعہ ہے کہ خبر واقعہ کے مطابق ہوتی ہے نہ کہ واقعہ خبر کے مطابق دارالعلوم کی مسجد رشید کی خوبصورتی کی خبر اس کے خوبصورت ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ مخبر کی خبر کی وجہ سے مسجد کی خوبصورتی، حضرت تھانوی رَحْمَةُ اللہِ تَعَالٰی نے فرمایا: اس کافر کا ناقابلِ ایمان ہونا اللہ کے اس خبر دینے کی وجہ سے نہیں ہوا، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا یہ خبر دینا اس کافر کے ناقابلِ ایمان ہونے کی وجہ سے واقع ہوا ہے اور ناقابلِ ایمان ہونے کی صفت خود اس کی شرارت و عناد و مخالفت حق کے سبب سے پیدا ہوئی ہے، اللہ نے ہر شخص میں اس کی پیدائش کے وقت قبول حق کی استعداد رکھی ہے، جیسا کہ حدیث ”کل مولود یولد علی الفطرة الخ“ میں فرمایا گیا، مگر یہ شخص خود اپنی ہوائے نفسانی اور قوت ارادی سے غلط کام لے کر حق کی مخالفت کرتا ہے یہاں تک کہ ایک روز قبولیت حق کی صلاحیت فنا ہو جاتی ہے۔ (حذف و اضافہ کے ساتھ تفسیر ماجدی)

فائدہ عظیمہ:

مذکورہ آیات نے تمام اقوام عالم بلکہ نوع انسانی کو ہدایت کے قبول یا انکار کے معیار سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا ایک ہدایت یافتہ جن کو مومنین اور متقین کہا جاتا ہے، دوسرے ہدایت سے انحراف اور انکار کرنے والے جن کو کافر یا منافق کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم کی اس تعلیم سے ایک اصولی مسئلہ بھی نکل آیا کہ اقوام عالم کے حصوں یا گروہوں میں ایسی تقسیم جو اصول پر اثر انداز ہو سکے، وہ صرف اصول اور نظریات ہی کے اعتبار سے ہو سکتی ہے نسب، وطن، زبان، رنگ اور جغرافیائی حالات ایسی چیزیں نہیں کہ جن کے اختلاف سے قوموں کے ٹکڑے کئے جاسکیں واضح فیصلہ ہے: ”خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ“ یعنی اللہ نے تم سب کو پیدا کیا پھر کچھ لوگ تم میں مومن اور کچھ کافر ہو گئے۔

اس بات کی نامقبولیت کسی زیادہ غور و فکر کی محتاج نہیں کہ ایک ماں باپ کی اولاد محض رنگ کے مختلف ہو جانے، یا الگ الگ خطوں میں بس جانے یا مختلف زبانیں بولنے کی وجہ سے الگ قومیں کیسے ہو سکتی ہیں؟ بعض اوقات ایک ہی والدین کی اولاد میں بین تفاوت ہوتا ہے کوئی کالا ہوتا ہے کوئی گورا ہوتا ہے کوئی خوبصورت تو کوئی خوبصورتی سے محروم ہوتا ہے کوئی ذہین ہوتا ہے تو کوئی غبی ہوتا ہے، ان اوصاف کے اختلاف کی وجہ سے کیا وہ آپس میں بھائی نہیں رہتے؟ آج انسانیت کی ہمدردی کے ٹھیکے داروں نے خدا کی مخلوق اور آدم کی اولاد کو مختلف عنوانوں کے تحت مختلف گروہوں اور طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے، جب کہ تقسیم صرف نیکی اور بدی کی بنیاد پر ہونی چاہئے۔

وَنَزَلَ فِي الْمُنَافِقِينَ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ اٰی يَوْمِ الْقِيَمَةِ لَآ اٰخِرُ الْاَيَّامِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ زُوِّیْ فِیْہِ مَغْنٰی مِّنْ وَفِیْ ضَمِیْرِ یَقُولُ لَفْظُہَا یُخَدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاَضْہَارِ خِلَافِ

مَا ابْطَنُوهُ مِنَ الْكُفْرِ لِيَدْفَعُوا عَنْهُمْ اَحْكَامَهُ الدُّنْيَوِيَّةَ وَمَا يُخْذِعُونَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ لَانَ خِدَاعِهِمْ رَاجِعٌ اِلَيْهِمْ
فِيَفْتَحْنَ حُجُوجَ الدُّنْيَا بِاطْلَاعِ اللّٰهِ نَبِيَّهُ عَلَى مَا ابْطَنُوهُ وَيُعَاقِبُونَ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝۹ يَغْلُمُونَ اَنْ
خِدَاعِهِمْ لَانَفْسِهِمْ وَالْمُخَادَعَةُ هُنَا مِنْ وَاَحِدٍ كَعَاقِبَتِ اللَّصِّ وَذَكَرَ اللّٰهُ فِيْهَا تَحْسِيْنَ وَفِي قِرَاءَتِهِ وَمَا
يُخْذِعُونَ فِي قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ شَكٌّ وَنِفَاقٌ فَهُوَ يُمْرِضُ قُلُوْبَهُمْ اِى يُضَعِّفُهَا فَرَادَ هُمُ اللّٰهُ مَرَضًا بِمَا اَنْزَلَهُ مِنْ
الْقُرْآنِ لِكُفْرِهِمْ بِهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۰ مَوْلَاهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۱ بالتشديد اِى نَبِىِّ اللّٰهِ وَبِالتَّخْفِيفِ اِى فِي
قَوْلِهِمْ اٰمَنَّا.

تَرْجُمَہ: (آئندہ آیت) منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر
اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں، یعنی قیامت کے دن پر اس لئے کہ وہ آخر الایام ہے حالانکہ وہ (بالکل ہی) ایمان لانے والے
نہیں ہیں، (ہم، ضمیر جمع لانے میں) مَنْ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے، اور یقول کی ضمیر (واحد لانے میں) مَنْ کے لفظ کی
رعایت کی گئی ہے (بلکہ) وہ اللہ اور ایمان اپنے والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، اپنے اس کفر کے خلاف ظاہر کر کے جس کو
وہ چھپائے ہوئے ہیں تاکہ وہ اپنے اوپر سے کفر کے دنیوی احکام کو دفع کر سکیں، حالانکہ (فی الواقع) وہ دھوکا کسی کو نہیں دے رہے بجز
اپنی ذات کے اس لئے کہ ان کی دھوکہ دہری کا وبال خود ان پر پلٹنے والا ہے، چنانچہ وہ دنیا ہی میں ذلیل ہوں گے اللہ کے اپنے نبی کو
اس (نفاق) پر مطلع کرنے کی وجہ سے جس کو انہوں نے چھپا رکھا ہے اور آخرت میں ان کو سزا دی جائے گی، اور ان کو اس کا احساس بھی
نہیں ہے یعنی اس بات کا علم نہیں رکھتے کہ ان کی دھوکہ بازی (کا ضرر) خود ان کے لئے ہے اور مُخَادَعَةُ (مفاعلة) یہاں جانب
واحد سے ہے، جیسا کہ عاقبت اللص میں اور اللہ کا ذکر تحسین کے لئے ہے اور ایک قراءت میں وَمَا يُخْذِعُونَ ہے اور ان کے
داؤں میں ایک بیماری ہے، جو ان کے دلوں کو مریض یعنی ضعیف کر رہی ہے، سو اللہ نے ان کی بیماری کو بڑھا دیا بسبب اس کے کہ اللہ
نے قرآن نازل کیا اور وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور ان کے جھوٹ کی وجہ سے ان کے لئے دردناک عذاب ہے، (یکذبون) کی
تشدید کے ساتھ یعنی اللہ کے نبی کی تکذیب کرتے ہیں اور (ذال کی) تخفیف کے ساتھ یعنی اپنے قول آمنا میں جھوٹے ہیں۔

تَحْقِيقُ تَرْكِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: وَمِنْ النَّاسِ: من تبعیضہ ہے، النَّاسِ اصل میں اُنَاسٌ تھا، ہمزہ تخفیفاً حذف کر دیا گیا سورہ اسراء میں یہ
اصل استعمال ہوئی ہے: "یَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمْلَمِهِمْ" سیبویہ اور فراء کے نزدیک اناس کا مادہ ہمزہ، نون، سین
ہے اور کسائی کے نزدیک اس کا مادہ نون، واو سین ہے، یہ النَّوَس سے مشتق ہے، اس کے معنی حرکت کرنے کے ہیں،
نَاسٌ یَنُوَسُّ نَوَسًا حرکت کرنا، ابونواس شاعر کو جس کا اصل نام حسن بن ہانی تھا، ابونواس اس لئے کہتے تھے کہ اس کے

(لغات القرآن للدرویش)

بالوں کی دوٹیس ہو اسے حرکت کرتی رہتی تھیں۔

وَإِذْ اسْتِيفِيَهُ يَاعَاطِفُهُ مِنَ النَّاسِ خَبْرَ مُقَدِّمٍ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِمَبْدَأِ مَوْخَرٍ (دوسری ترکیب) مِنَ النَّاسِ، فَرِيقٌ، يَأْنَسُ مَوْصُوفٍ مَحْذُوفٍ كِي صِفَتٍ هِيَ، مَوْصُوفٍ بِاصْفَتٍ مَبْدَأِ، أَوْ مَنْ يَقُولُ الْخَبْرَ جُمْلَةً هُوَ كَخَبْرٍ۔

قَوْلُنَا: وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ: بَاءُ حَرْفِ جَرِّ كَا عَادَهُ أَپِنِ دَعَوَائِ اِيْمَانِ كِي تَاكِيْدَ كِ لِي كِيَا بِي اللّٰهُ تَعَالٰی نِي اِن كِي دَعَوَائِ اِيْمَانِ كُو اِي كِي قَوْل: "وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ" سِي اِبْلَغِ اَوْرَزِيَا دِه مَوْكِد طَرِيقَه سِي رَد فرمایا ہي ہايس طَوْر كِه جُمْلہ اسميہ استعمال فرمایا جو كِه دوام و استمرار پَر دلالت كرتا ہي يعنِي وَہ كِسي زَمَانہ ميں بھي مُتَصِف بِالِاِيْمَانِ نھيں رھي، نِه ماضِي ميں تھي، اَوْر نِه حال ميں اَوْر نِه آئندہ مَوْسِن ہوں گے اَوْر خَبْر پَر حَرْفِ جَر كَا اِضَافَہ تَاكِيْد كِي لِي فرمایا۔

قَوْلُنَا: وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ: وَادِّحَالِيہ ہي مَا، مِثَابَہ بَلِيْس، هُمْ اِس كَا اِسْمُ بِمُؤْمِنِينَ اِس كِي خَبْر بَا زَا دِه تَاكِيْد كِي لِي۔

قَوْلُنَا: اِي يَوْمِ الْقِيَامَةِ: اِس عِبَارَت كِي اِضَافَہ كَا مُقْصِد اِي كِ شَبہ كَا جَوَاب ہي۔

شَبہ: شَبہ يہ ہي كِه آخِر اَيَّامِ پَر اِيْمَان لانا مَوْجِبَاتِ دِيْن ميں سِي نھيں ہي تُو اِس كِي مُنْكَر كُو كَا فَرِكيوں كِيَا جاتا ہي؟
جَوَابُ: يَوْمِ الْآخِرَةِ: سِي مُرَاد يَوْمِ الْقِيَامَةِ ہي، يعنِي حَسَابِ وَكِتَابِ اَوْر جَزَائِ اَعْمَالِ كَا دِن ہي، اَوْر يہ مَوْجِبَاتِ دِيْن ميں سِي ہي۔

قَوْلُنَا: لِأَنَّهُ آخِرُ الْاَيَّامِ: اِس عِبَارَت سِي يَوْمِ الْآخِرِ كِي مَجْہِ تَسْمِيہ كِي طَرَفِ اِشَارَہ كَر دِيَا۔

قَوْلُنَا: يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا: يُخَادِعُونَ: جَمْعُ نَذَرِ غَايِبِ كَا صِيغَہ بَابِ هِيَ (مُغَاوَلَتِ) وَہ بَاہِمِ فَرِيبِ دِيْتِ ہيں، اَلْخُدَاعُ لُغَتِ ميں فِسادِ اَوْر اِخْفَاءِ كُو كِتَبِ ہيں اَوْر مُخْدَعُ، مِيْمِ مِثَالِث كِي سَا تَہ بڑے كَرے ميں چھو لے كَرے يعنِي كُوٹھري كُو كِتَبِ ہيں، جِس ميں مَالِ اَوْر اَسْبَابِ چھپا كَر كھا جاتا ہي۔ (فَتْحِ الْقَدْرِ شُكَا نِي) يُخَادِعُونَ: جُمْلہ اسْتِيفِيہ بھي ہُو سَكْتَا ہي، اِس صَوْرَتِ ميں اِي كِ سَوَالِ مُقَدَّر كَا جَوَاب ہُو گا۔

سُؤَال: يہ ہُو گا كِه بَاطِن كِي خِلَافِ يہ مُنَافِقِيْن اِيْمَانِ كَا اِظْہَارِ كيوں كرتے ہيں؟

جَوَابُ: اللّٰهُ كُو دُھوكَا دِيْنِ كِي لِي، يہ بھي ہُو سَكْتَا ہي كِه: "يُخَادِعُونَ اللَّهَ" يَقُولُ كِي ضَمِيرِ سِي حالِ هُو، اِي مُخَادِعِينَ اللّٰهُ الْخَبْرَ (اَعْرَابِ الْقُرْآنِ) اَوْر يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ سِي بَدَلِ اِلِشْتِمَالِ بھي ہُو سَكْتَا ہي۔

قَوْلُنَا: "مِنَ الْكُفْرِ" يہ مَا أَبْطَنُوا كَا بَيَان ہي۔

قَوْلُنَا: لِيَذْفَعُوا يہ اِظْہَارِ اِيْمَانِ كِي عِلت ہي۔

قَوْلُنَا: أَحْكَامُهُ: اِي أَحْكَامِ الْكُفْرِ، اَوْر أَحْكَامِ كُفْرِ سِي دُنْيَوِي أَحْكَامِ مُرَاد ہيں يعنِي مُنَافِقِيْن بَاطِن كِي خِلَافِ اِيْمَانِ كَا اِظْہَارِ كَر فِت سِي بَچْنِ كِي لِي كرتے ہيں مِثْلًا اِظْہَارِ اِيْمَانِ كِي مَجْہِ سِي قَتْلِ وَقِيْدِ، جِزِيہ وَرِسْوَالِي سِي مُحْفُوظِ رَہْتِ ہيں اَوْر مُرَاعَاَتِ اِسْلَامِي سِي فَائِدَہ اُٹھاتے ہيں۔ (صَاوِي)

قَوْلًا: يَعْلَمُونَ کو یسے عروں: سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ذریعہ علم مشاعرِ خمسہ ہی ہیں خواہ ظاہر ہوں یا باطن۔
قَوْلًا: الْمَخَادَعَةُ هُنَا مِنْ وَاحِدٍ: اس عبارت کے اضافہ کا فائدہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: باب مغانلہ طرفین سے شرکت کا تقاضہ کرتا ہے منافقین کی طرف سے تو مکر و خداع سمجھ میں آتا ہے مگر اللہ کی طرف اس کی نسبت سمجھ میں نہیں آتی اس لئے کہ مکر و فریب خصائلِ رذیلہ میں سے ہے، جن سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔
جواب: باب مغانلہ اگرچہ طرفین کی شرکت کا تقاضہ کرتا ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ایک خاصیت موافقتِ مجرد بھی ہے جیسے: عاقبت اللص. و سافر بمعنى سفر، لهذا خداع بمعنى خدع ہے۔

اعتراض: يُخَادِعُونَ اللَّهَ: وہ اللہ دھوکا دیتے ہیں، کیا اللہ دھوکا کھا سکتا ہے، وہ تو علیم بذات الصدور ہے، اس سے کسی کا کوئی راز مخفی نہیں دھوکا تو وہ کھاتا ہے جو خداع کے خداع اور ماکر کے مکر سے بے خبر ہو۔

جواب: لفظ اللہ، تحسینِ کلام کے لئے ہے، معنی مقصود نہیں، تقدیر عبارت اس طرح ہے: "يُخَادِعُونَ رَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا" یا مقصد تحسین معنوی ہے، اس طور پر کہ یہ استعارہ تمثیلیہ ہے، مشبہ بہ کو مشبہ کے لئے مستعار لیا گیا ہے، یعنی اللہ کے ساتھ منافقین کے معاملہ کو اس شخص کے حال کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو اپنے صاحب کے ساتھ دھوکا دہی کا معاملہ کرتا ہے، یا مجاز عقلی کے طور پر اللہ کی طرف نسبت کر دی گئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول: "فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ" میں اسنادِ مجازی ہے، یا مشابہت کے طور پر خداع کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کر دی گئی ہے جیسے: اللہ تعالیٰ کے قول: "وَجَزَّوْا سَيِّئَةً سَيِّئَةً" میں۔

قَوْلًا: فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ: مرض، طبیعت کے حد اعتدال سے نکل جانے کو کہتے ہیں، جس کی وجہ سے افعال و افکار میں خلل واقع ہو جاتا ہے یہاں مرض سے روحانی مرض مراد ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ جسمانی مرض مراد ہو، جب یہ دونوں امراض اپنی انہما کو پہنچ جاتے ہیں تو روحانی اور جسمانی موت کا باعث ہو جاتے ہیں۔

روحانی امراض:

مثلاً کفر، شرک، شک، نفاق، جہل، بخل، وغیرہ، علامہ سیوطی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اپنے قول شک و نفاق سے، روحانی مرض کی جانب اور يُمَرِّضُ قُلُوبَهُمْ سے جسمانی مرض کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلًا: مُؤَلَّمٌ: لام کے فتح کے ساتھ اس لئے کہ فعیل بمعنی مفعول مستعمل نہیں ہے (ترویح الارواح) عذابِ مؤَلَّم، ایسا شدید عذاب کہ شدت کی وجہ سے خود عذاب بھی اذیت محسوس کرنے لگے یہ بطورِ مبالغہ ہے، اس لئے کہ: أَلِيمٌ، مَعَذَّب کی صفت ہے، نہ کہ عذاب کی بعض حضرات نے مؤَلَّم لام کے کسرہ کے ساتھ بھی کہا ہے، اس صورت میں عذاب کی طرف أَلِيمٌ کی نسبت حقیقی ہوگی۔

اللَّغَةِ وَالْبَلَاغَةِ

الْمَشَاكِلَةُ فِي قَوْلِهِمْ، "يُخَدِّعُونَ اللَّهَ" لِأَنَّ الْمَفَاعَلَةَ تَقْتَضِي الْمَشَارَكَةَ فِي الْمَعْنَى وَقَدْ أَطْلَقَ عَلَيْهِ تَعَالَى مَقَابِلًا لِمَا ذَكَرَهُ مِنْ خِدَاعِ الْمُنَافِقِينَ كَمَقَابِلَةِ الْمَكْرِ بِمَكْرِهِمْ، وَمِنْ امْتِلَافِ هَذَا الْفَنِّ فِي الشَّعْرِ قَوْلُ بَعْضِهِمْ:
 قَالُوا: التَّمَسَّ شَيْئًا نَجِدْكَ طَبْخَةً . قُلْتُ: أَطْبَخُوا لِي جُبَّةً وَقَمِيصًا

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

۱ مذکورہ بالا آیات میں پہلی دو آیتوں میں منافقین کے متعلق فرمایا کہ لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر حالانکہ وہ بالکل ایمان لانے والے نہیں، بلکہ وہ اللہ سے اور مومنین سے فریب کرتے ہیں، واقعہ یہ ہے کہ وہ کسی کے ساتھ فریب نہیں کرتے بجز اپنی ذات کے اور اس کا ان کو احساس بھی نہیں۔

ان آیتوں میں منافقین کے دعوائے ایمان کو فریب محض بلکہ خود فریبی قرار دیا گیا ہے اس لئے کہ اللہ کو کوئی فریب نہیں دے سکتا جو سمجھتا ہے کہ میں اللہ کو فریب دے رہا ہوں، وہ خود اپنی ذات کو فریب دے رہا ہے، البتہ اللہ کے رسول اور مومنین کے ساتھ ان کی چال بازی کو ایک حیثیت سے اللہ کے ساتھ چال بازی فرمایا گیا ہے۔

مدینہ میں نفاق کی ابتداء:

نفاق کی تاریخ اگرچہ بڑی قدیم ہے، مگر اسلام میں نفاق کی ابتداء آپ ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ہوئی مگر شباب ۲ھ میں غزوہ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے بعد آیا۔

اسلام میں نفاق کے اسباب:

آپ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے، تو آپ نے پہلا اور اہم کام یہ انجام دیا کہ مدینہ اور اطراف مدینہ میں رہنے والے یہود اور غیر یہود سے معاہدہ امن فرمایا تاکہ امن اور اطمینان کی فضا میں لوگوں کو اسلام کو سمجھنے کا موقع ملے، جس کے نتیجے میں مدینہ میں مسلمان ایک بڑی طاقت سمجھے جانے لگے، مگر ایک طبقہ کو جس کا سردار عبد اللہ بن ابی ابن سلول تھا، یہ صورت حال ناپسند اور ناگوار تھی، ابھی قوموں اور قبیلوں سے معاہدہ کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ مسلمانوں کے خلاف اندرونی خفیہ سازشوں اور بیرونی کھلی عداوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، مدینہ میں ایک شخص جس کا نام عبد اللہ بن ابی ابن سلول تھا، بہت غفلت مند ہوشیار، چالاک اور تجربہ کار شخص تھا، اس و خزر ج کے تمام قبائل پر اس کا کافی اثر و رسوخ تھا، لوگ اس کی سرداری کو متفقہ طور پر تسلیم کرتے تھے، اس اور خزر ج چند روز قبل ہی جنگ بعاث میں آپس میں صف آرا ہو کر اور اپنے اپنے بہادروں کو قتل کرا کر کمزور ہو چکے تھے، عبد اللہ بن ابی

نے اس حالت سے فائدہ اٹھانے اور دونوں قبیلوں میں اپنی مقبولیت بڑھانے میں کوئی کوتاہی اور غفلت نہیں کی، اہل مدینہ یہ سٹے کر چکے تھے کہ: عبد اللہ بن ابی کو مدینہ کا افسر اعلیٰ اور بادشاہ بنالیں اور ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کر کے اس کا باقاعدہ اعلان کر دیں، عبد اللہ بن ابی کی تاجپوشی کے لئے ایک قیمتی تاج بھی بنوایا گیا تھا، اب صرف اعلان کرنا ہی باقی تھا، اسی دوران مدینہ میں اسلام اور پیغمبر اسلام داخل ہو گئے۔

آپ ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد لوگوں کا رخ آپ ﷺ کی جانب ہو گیا اور آپ مسلم قائد اور رہبر تسلیم کر لئے گئے، جب عبد اللہ نے یہ صورت حال دیکھی اور اپنی تمناؤں کا خون ہوتے اور امیدوں پر پانی پھرتے دیکھا تو اس کے دل میں رقابت کی آگ بھڑکنے لگی، اور بادشاہت اور سرداری خاک میں ملتی نظر آنے لگی، چونکہ عبد اللہ بڑا چالاک اور ہوشیار شخص تھا، آنحضرت ﷺ کو اگرچہ اپنا رقیب اور حریف سمجھتا تھا، لیکن اس دشمنی کے اظہار کو غیر مفید سمجھ کر اپنے دل میں چھپائے رہا، اوس و خزر ج کے وہ لوگ جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے وہ سب عبد اللہ کے زیر اثر تھے، جب مکہ کے مشرکوں کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور ان کے رفقاء مدینہ میں پہنچ کر اطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے ہیں اور مذہب اسلام کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا ہے، تو انہوں نے عبد اللہ بن ابی اور مدینہ کے دیگر مشرکوں سے رابطہ قائم کر کے ساز باز شروع کر دی، غزوہ بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی نے منافقین اور مشرکین مکہ کی دشمنی کی جلتی آگ پر تیل کا کام دیا۔

وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ: یعنی ان کے نفاق کا نقصان کسی اور کا نہیں، خود انہیں کا ہوتا ہے اور ہوگا اور وہ ہے آخرت میں عذاب اور دنیا میں رسوائی اور منافقت کی پردہ دری: ”صِرَارُهَا يَلْحَقُهُمْ وَمَكْرُهَا يَحِيقُ بِهِمْ“ (کشاف) ”يَفْتَضِحُونَ فِي الدُّنْيَا وَيَسْتَوْجِبُونَ الْعِقَابَ فِي الْعُقْبَى“ (معالم، بحوالہ ماجدی)

اس منافقت کا وبال خود ان ہی پر پڑ کر رہے گا: ”لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ وَبَالَ خَدَائِعِهِمْ يَعُودُ عَلَيْهِمْ“ (معالم) يَعْلَمُونَ کے بجائے، يَشْعُرُونَ وارد ہوا ہے، شعور عربی میں علم حسی کو کہتے ہیں اور اسی کو اردو میں احساس کہتے ہیں اور مشاعر، انسان کے آلات حواس کو کہتے ہیں، خواہ ظاہر ہوں یا باطن۔

يَعْلَمُونَ کے بجائے يَشْعُرُونَ لانے میں نکتہ بلاغت یہ ہے کہ منافقوں کو اس مکر و فریب سے جو نقصان پہنچ رہا ہے وہ مادی ہونے کی طرح بالکل صاف اور صریح ہے، لیکن یہ احمق فرط غفلت سے اس کا بھی احساس نہیں رکھتے۔ (کشاف، ماجدی)

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ: مرض روحانی اور جسمانی دونوں ہو سکتے ہیں روحانی امراض مثلاً، کفر، شرک، نفاق، شک و غیرہ، جو انہوں نے خود پیدا کر لئے تھے، ان کے مرض کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ جوں جوں مسلمانوں کو تر قیاں اور کامیابیاں ہوتی جاتی تھیں، ان کے رشک و حسد میں بھی ترقی ہوتی جاتی تھی، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فَرَّادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا، فرمایا:

منافقین کے مرض میں ترقی اور اضافہ کا دوسرا سبب قرآن کا وقفا فوقتاً نزول تھا، حتیٰ کہ ہر ہر آیت کے نزول سے ان کے غیظ و غضب اور نفاق و حسد میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔

كُلَّمَا أَنْزَلَ عَلَى رَسُولِهِ الْوَحْيَ كَفَرُوا بِهِ فَادِّدَا دُؤُا كُفْرًا إِلَى كُفْرِهِمْ. (کشاف)

فَزَادَهُمْ فِي فِئَاءٍ، بہت ہی معنی خیز مفہوم کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے فِئَاءٍ لاکر گویا اس بات کا اعلان ہے کہ آگے جو ان کے مرض میں اضافہ کا ذکر آ رہا ہے، وہ محض ثمرہ اور نتیجہ ہے جو ان ہی کے افعال پر مرتب ہوا ہے حق تعالیٰ کی جانب اس قسم کے افعال کا انتساب صرف مجازی حیثیت رکھتا ہے یعنی یہ بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ افعال بلا سبب خواہ مخواہ پیدا فرمادینے بلکہ اس نے تو وہ حالات اور اسباب پیدا فرمائے، جن سے ان بد نصیبوں نے اپنے مرض کو بڑھانے کا کام لیا، اگر یہ لوگ اپنی عقل و ارادہ کا صحیح استعمال کرتے تو انہیں اسباب و حالات سے ہدایت بھی پاسکتے تھے۔

كَانَ إِسْنَادُ الزِّيَادَةِ إِلَى اللَّهِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ مُسَبَّبٌ مِنْ فِعْلِهِ. (بیضاوی)

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: آیت ۷ میں کافروں کے لئے جس عذاب کی خبر دی جا چکی ہے، اس کی صفت عظیم آئی ہے اور یہاں منافقوں کے لئے جس عذاب کی وعید ہے اس کی صفت الیم ہے اور الیم کے معنی ہیں دردناک، تکلیف دہ گویا کہ تکلیف اور اذیت کا پہلا اس میں زیادہ ہے، اس لئے کہ جو منافق تھے، وہ کافروں سے بھی لیکن کافر کے علاوہ کچھ اور بھی تھے، یعنی خادع و کاذب، تو عذاب عظیم کے مستحق تو وہ اپنے کفر کی بنا پر ہی ہو چکے تھے، منافقت کا یہ عذاب ان پر مستزاد ہے، گویا منافقوں پر دونوں عذابوں کا مجموعہ ہے۔

قَدْ حَصَلَ لِلْمُنَافِقِينَ مَجْمُوعُ الْعَذَابَيْنِ فَصَارَ الْمُنَافِقُونَ أَشَدَّ عَذَابًا مِنْ غَيْرِهِمْ مِنَ الْكُفَّارِ (بحر) بِمَا، میں، با سبب، اور مَا، مصدریہ ہے أَلْبَاءُ لِلْسَّبَبِيَّةِ وَمَا مصدریہ۔ (ابو سعید)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ائْتُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالْأَرْضُ بِالْكَفْرِ وَالْتَّعْوِيقِ عَنِ الْإِيمَانِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ⑪
وَلَيْسَ مَا نَحْنُ عَلَيْهِ بِإِسْنَادٍ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى رَدًّا عَلَيْهِمْ إِلَّا لِلتَّنْبِيهِ إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ⑫
بِذَلِكَ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ ائْتُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوا أَنْتُمْ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ⑬
الْجُهَّالُ أَيْ لَا تَفْعَلْ كَفِعْلِهِمْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى رَدًّا عَلَيْهِمْ إِلَّا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ⑭ ذَلِكَ وَإِذَا قِيلَ
أَضَلُّوا لَقِيُوا حَذْفَ الْخُصْمَةِ لِلْإِسْتِثْنَاءِ ثَبَاتِ الْبَيِّنَاتِ لِقَائِهَا سَاكِنَةً مَعَ الْبَيِّنَاتِ الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا
مِنْهُمْ وَرَجَعُوا إِلَى شَيْطَانِهِمْ رُؤُسًا يَهُيمُ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ فِي الدِّينِ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ⑮ بِهِمْ بِإِظْهَارِ
الْإِيمَانِ أَنَّ اللَّهَ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ يُجَازِيهِمْ بِاسْتَهْزَائِهِمْ وَيَمْدُدُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ تَجَاوِزِيهِ الْحَدَّ بِالْكَثْرِ
يَعْمَهُونَ ⑯ يَتَرَدَّدُونَ تَحِيرًا حَالًا.

تَرْجُمَہ: جب ان سے کہا جاتا ہے کہ: کفر کے ذریعہ اور ایمان میں رکاوٹ ڈال کر زمین میں فساد برپا نہ کرو، تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے ہیں، اور وہ جس طریقہ پر ہیں فساد نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید

کرتے ہوئے فرمایا، خبردار درحقیقت یہی لوگ مفسد ہیں اَلَا تنبیہ کے لئے ہے مگر انہیں اس کا شعور نہیں ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ: لوگوں (یعنی) صحابہ نبی ﷺ کی طرح تم بھی ایمان لے آؤ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم بے وقوفوں (یعنی) جاہلوں کی طرح ایمان لے آئیں؟ یعنی ہم ایسا نہ کریں گے، خبردار حقیقت میں تو یہ خود بے وقوف ہیں، لیکن اس کو وہ سمجھتے نہیں ہیں اور جب یہ اہل ایمان سے ملتے ہیں (اِذَا لَقُوا) اس کی اصل، لَقِیُوا، تھی، ضمہ کو یا پر ثقیل سمجھتے ہوئے حذف کر دیا، پھر یاء، واؤ کے ساتھ التقاء ساکنین کی وجہ سے ساقط ہو گئی، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیاطین سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں دین میں ہم تمہارے ساتھ ہیں اظہار ایمان کر کے، ہم تو صرف ان سے مذاق کرتے ہیں، اللہ ان سے مذاق کر رہا ہے (یعنی) ان کے ساتھ استہزاء کا معاملہ کر رہا ہے اور وہ ان کو ان کی سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے، ان کے حد سے تجاوز کرنے کی بنا پر کفر کی وجہ سے حال یہ ہے کہ وہ حیرانی میں بھٹک رہے ہیں، (يَعْمَهُونَ) کی ضمیر سے حال ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيلٍ وَتَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: بِالْكَفْرِ: بَاء سببیہ ہے، الْكَفْرِ، معطوف علیہ التَّعْوِيقِ، اپنے متعلق عن الایمان سے مل کر معطوف، تَعْوِيقِ، (تفعلیل) روکنا، باز رکھنا، کسی کام میں روڑے اٹکانا، ای تعویق الغیر عن الایمان۔

قَوْلًا: اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ: یہ جملہ حصر مبتداء فی الخبر کے قبیل سے ہے، یعنی ہم اصلاح ہی کرتے ہیں اصلاح کے علاوہ ہمارا دوسرا کوئی کام نہیں ہے منافقین نے اپنے اس قول کو، اِنَّمَا، کلمہ حصر کے ذریعہ اولاً جملہ اسمیہ کے ذریعہ جو کہ مفید دوام واستمرار ہے، مؤکد کیا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا جواب ایسے جملے سے دیا ہے، جو چار تاکیدوں سے مؤکد ہے اور وہ اِنْهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ، ① اَلَا، حرف تنبیہ، ② اِنَّ، ③ ضمیر فصل، ④ تعریف خبر بالالف واللام (ای المفسدون)۔

قَوْلًا: اصْحَابُ النَّبِيِّ، النَّاسُ کی تفسیر اصحاب النبی سے کر کے اشارہ کر دیا کہ: النَّاسُ میں الف لام عہد کا ہے۔

قَوْلًا: لَقُوا مفسر علام نے اس کی پوری تعلیل نہیں فرمائی، پوری تعلیل اس طرح ہے، لَقُوا اصل میں لَقِیُوا تھا، ضمہ یاء پر دشوار سمجھ کر تخفیفاً گرادیا اب یاء اور واؤ میں التقاء ساکنین ہوا، یاء اور واؤ میں سے، یاء ساقط ہو گئی، واؤ کی مناسبت سے قاف کے کسرہ کو ضمہ سے بدل دیا، لَقُوا ہو گیا۔

قَوْلًا: خَلَوْا مِنْهُمْ، مفسر علام نے مِنْهُمْ مقدر مان کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ خَلَوْا، کا متعلق محذوف ہے، اور خَلَوْا، کی تفسیر رَجَعُوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ خَلَوْا، رَجَعُوا کے معنی کو متضمن ہے، تاکہ اس کا صلہ الی لا ناصح ہو جائے، خَلَوْا، اصل میں خَلَوْوا تھا، اول واؤ، لام کلمہ ہے اور ثانی علامت اعراب ہے پہلا واؤ متحرک اس کا ما قبل مفتوح لہذا واؤ الف سے بدل گیا، التقاء ساکنین ہوا، الف اور واؤ ثانیہ میں، الف گر گیا، اور حذف الف کی علامت کے طور پر فتح باقی رہ گیا، خَلَوْا، ہو گیا۔

قَوْلًا: يَغْمَهُونَ مضارع مذکر غائب (ف، س) وہ سرگرداں پھرتے ہیں، وہ متحیر پھرتے ہیں، يَغْمَهُونَ، ياتو يَمْدُهُمْ کی ضمیر ہم یا طُغْيَانُهُمْ کی ضمیر ہم سے حال ہے، اس کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ يَغْمَهُونَ مذکورہ ضمیر کی صفت نہیں ہے، اس لئے کہ ضمیر موصوف واقع نہیں ہوتی۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الطُّغْيَانُ، مصدر طَغَى، طُغْيَانًا، بضم الطاء و كسرهما، و لام طغى قيل ياء وقيل: واو، ومعناها، مجاوزة الحدِّ .
المخالفة بين جملة مستهزؤون و جملة يستهزئى، لأنَّ ههنا اللّٰه تعالى بِهِمْ متجدد وقتاً بعد وقتٍ و حالاً بعد حالٍ بوقعهم فى مناهات الحيرة و الارتباك زيادة فى التنكيل بِهِمْ
المشاكلة..... اللّٰه يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ..... فقد ثَبَتَ أَنَّ الْاِسْتِهْزَاءَ ضرب من اللعب و اللّٰه و هما لا يليقانِ
باللّٰه تعالى وَهُوَ مَنْزَعٌ عَنْهُمَا، ولكنه سُمِّيَ جزاءً الا ستهزاء استهزاءً، فهى مشاكلة لفظية لا اقلّ ولا اكثر.

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِيحٌ

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ: (الآية) فساد کا لفظ اردو کی بہ نسبت عربی زبان میں کہیں زیادہ وسعت رکھتا ہے اور ہر قسم کی برائیوں اور بد عنوانیوں کو حاوی ہے۔

الْفَسَادُ خروج الشئ عَنِ الْعَدَالِ وَيُضَادُّهُ الصَّلَاحُ (راغب)

کفر و معصیت سے زمین میں فساد بد امنی اور بے اطمینانی پھیلتی ہے اور اطاعتِ الہی سے امن و اطمینان اور سکون ملتا ہے، ہر دور کے دین بیزار اور منافقوں کا یہی کردار رہا ہے کہ: پھیلاتے تو ہیں فساد اور دعویٰ کرتے ہیں ترقی اور اصلاح کا، اشاعت تو کرتے ہیں منکرات کی اور اظہار کرتے ہیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا، حدودِ الہی کو پامال کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں دینِ الہی کی پاسبانی کا، گویا کہ شراب کی بوتل پر شربت کا لیبل لگاتے ہیں۔

مدینہ کے منافقوں کا بھی یہی حال تھا، جب کوئی ان سے یہ کہتا کہ اپنے نفاق کے ذریعہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو وہ بڑے زوردار انداز میں کہتے ہیں: "إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ" یعنی فساد سے ہمارا دور کا بھی واسطہ نہیں ہمارا کام تو صرف اصلاح کرنا ہے قرآن ان کے دعوے کی بڑے بلیغ انداز میں بڑی تاکید کے ساتھ تردید کرتے ہوئے کہتا ہے: "أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ" سنو! یہ مفسد ہی ہیں، مگر ان کو اپنے مفسد ہونے کا احساس تک نہیں ہے، ان کی عقلیں اس حد تک مسخ ہو گئی ہیں کہ فساد کو اصلاح سمجھے ہوئے ہیں۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ کچھ چیزیں تو ایسی ہیں کہ جن کو ہر شخص سمجھتا ہے کہ یہ فتنہ و فساد ہیں جیسے قتل، غارتگری، چوری، رہزنی، ظلم و زیادتی، اغواء اور فریب کاری وغیرہ ہر سمجھدار آدمی ان کو شر و فساد سمجھتا ہے اور ہر شریف آدمی ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

اور کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اپنی ظاہری سطح کے اعتبار سے کوئی فتنہ و فساد نہیں ہوتیں مگر ان کی وجہ سے انسان کے اخلاق برباد ہو جاتے ہیں اور انسان کی اخلاقی گراوٹ ہر قسم کے فتنہ و فساد کے دروازے کھول دیتی ہے، ان منافقین کا بھی یہی حال تھا، کہ چوری ڈاکازنی، بدکاری وغیرہ سے بچتے اور ان کو معیوب سمجھتے تھے اسی لئے بڑی تاکید کے ساتھ اپنے مفسد ہونے کا انکار کرتے تھے۔

جب انسان اخلاقی گراوٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور اپنی انسانیت کھو بیٹھتا ہے، تو پھر اس فساد کا علاج نہ حکومت اور محکموں سے ہو سکتا ہے اور نہ قانون سے اس لئے انسانیت کے محسن اعظم نبی کریم ﷺ نے اپنی تمام تر توجہ اس پر مرکوز فرمائی کہ: انسان کو صحیح معنی میں انسان بنادیں، تو پھر عالم کا فساد اور بگاڑ خود بخود ختم ہو جائے گا، نہ حفاظتی عملے کی زیادہ ضرورت رہے گی اور نہ عدالت کے اس پھیلاؤ کی اور جب تک دنیا کے جس حصہ میں آپ کی تعلیمات پر عمل ہوتا رہا، دنیا نے وہ امن سکون دیکھا کہ جس کی نظیر نہ کبھی پہلے دیکھی گئی اور نہ ان تعلیمات کو چھوڑنے کے بعد اس کی توقع۔

نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کی روح اللہ تعالیٰ کا خوف اور روز قیامت کے حساب و کتاب کی فکر ہے، اس کے بغیر نہ کوئی قانون اور نہ کوئی دستور جرائم سے باز رکھتا ہے اور نہ کوئی مدرسہ اور نہ محکمہ، آج کی دنیا میں جن لوگوں کے ہاتھ میں اختیار کی باک ڈور ہے، وہ جرائم کے انسداد کے لئے نئے سے نئے قانون اور انتظام تو سوچتے ہیں، مگر قانون اور انتظام کی روح یعنی خوف خدا سے نہ صرف غفلت برتتے ہیں، بلکہ ان کو فنا کرنے کے اسباب مہیا کرتے ہیں، جس کا لازمی نتیجہ یہی سامنے آتا ہے۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کھلے طور پر علی الاعلان فساد برپا کرنے والے چوروں اور غارتگروں کا علاج یہی ہے، مگر انسانیت فراموشوں بلکہ انسانیت فروشوں کا علاج نہایت مشکل ہے، اس لئے کہ ان کا فساد ہمیشہ برنگ اصلاح ہوتا ہے، یہ لوگ کوئی دل چسپ اور دلفریب اسیم بھی سامنے رکھ لیتے ہیں، اور بعض اغراض فاسدہ کو اصلاح کا رنگ دیکر ”انما نحن مصلحون“ کا نعرہ لگاتے رہتے ہیں، جیسا کہ موجودہ دور میں انسداد دہشت گردی کا خوبصورت، اور دلفریب اور دل نشین نعرہ لگا کر پوری دنیا کو آتشکدہ بنا دیا ہے۔

منافقوں اور ریاکاروں سے انجیل کا طرز خطاب:

تم پر افسوس ہے کہ تم سفیدی پھری قبروں کے مانند ہو، جو اوپر سے تو خوبصورت دکھائی دیتی ہیں، مگر اندر مردوں کی ہڈیاں اور ہر طرح کی نجاست بھری ہے۔ (متی ۲۳: ۲۷) (ماجدی)

جو منافقت برتتا ہے، وہ غضب (خداوندی) دنیا میں لاتا ہے، اس کی دعائیں قبول نہیں ہوتیں اور جو بچے ابھی رحم مادر میں ہیں وہ تک ان پر لعنت کرتے ہیں اور اس کی جگہ جہنم ہے۔ (ایوی مینس فالمود، ص: ۱۰۷، ماجدی)

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قانون شریعت کے علاوہ کسی دین جابلی پر قائم رہنا، اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا

فساد فی الارض کے مترادف ہے امنِ عالم اور نظامِ اقوام جب ہی قائم رہ سکتا ہے جب عملِ قانونِ شریعت پر رہے، اس راہ سے انحراف بلکہ سرِ مو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بد نظمی، ابتری، بے حیائی، قتل و غارتگری، کشت و خون، ظلم و تشدد، خیانت و بد عہدی اور ہر قسم کی طبقاتی کشمکش کو دعوت دینا ہے، چنانچہ دنیا عملاً اس کا بار بار تجربہ کر چکی ہے اور اس وقت بھی کر رہی ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ : جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام پر صدق و اخلاص کے ساتھ ایمان لے آؤ، جیسا کہ اصحابِ رسول ایمان لائے، بعض روایتوں میں، الناس سے مراد عبداللہ بن سلام وغیرہ حق شناس یہود کے نام آئے ہیں۔

جنہوں نے اسلام کی صداقت کو قبول کر لیا تھا، اس کے جواب میں منافقین نے صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو بے وقوف کہا، گویا کہ یہ طرز ہے، اس وقت کے پکے اور سچے مسلمانوں یعنی صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ پر جنہوں نے اللہ کی راہ میں جان و مال کی کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا، منافق اپنے نزدیک ان صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو بے وقوف سمجھتے تھے، ان کی رائے میں یہ سراسر احمقانہ فعل تھا کہ محض حق و راستی کی خاطر تمام ملک سے دشمنی مول لے لی جائے، ان کے خیال میں عقلمندی یہ تھی کہ آدمی حق و باطل کی بحث میں نہ پڑے بلکہ ہر معاملہ میں صرف اپنے مفاد کو دیکھے۔

یہی طریقہ آج تک چلا آ رہا ہے، بزمِ خودِ ترقی پسندوں، روشن خیالوں کے دربار سے آج بھی جمود پسند، رجعت پسند، قدامت پسند، تاریک خیال، بنیاد پرست، دقیانوس اور نہ معلوم کیسے کیسے خطابات سے مخلص اہل ایمان کو نوازا جاتا ہے، کیا ٹھکانا ہے منافقوں کے حق کا؟ پہلے افساد کو اصلاح کہہ رہے تھے، اب حق بالائے حق یہ ہے کہ عقلمندی، دور اندیشی اور حکمت کو بے عقلی اور بے وقوفی ٹھہرا رہے ہیں۔

آلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ (الآیۃ) یہ ان کی عقلمندی کے زعمِ باطل کا جواب ہے، چار تا کیدوں کے ساتھ منافقوں کی سفاہت اور حماقت پر زور دے کر بتایا گیا ہے کہ یہ لوگ اس درجہ بے وقوف ہیں کہ اپنے نفع و نقصان میں بھی تمیز نہیں کرتے۔

صحابہ معیارِ حق ہیں:

آیت نمبر ۱۳ ”آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ“ میں صحیح ایمان کا ایک معیار رکھا گیا ہے یعنی صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جیسا ایمان لاؤ، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کا ایمان ایک معیار ہے صحیح اور غلط ایمان کو پرکھنے کی کسوٹی ہے آج کے منافق یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ نعوذ باللہ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ دولتِ ایمان سے محروم تھے، جیسا کہ اہل تشیع کا یہی خیال ہے اللہ تعالیٰ نے جدید و قدیم منافقوں کی تردید فرمائی..... فرمایا کہ کسی اعلیٰ ترین مقصد کے لئے دنیاوی مفادات کو قربان کر دینا بے وقوفی نہیں، مینِ عقلمندی اور سعادت ہے صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے اس سعادتِ مندی کا ثبوت مبہیا فرمادیا، اس لئے وہ صرف پکے مومن ہی نہیں بلکہ ایمان کے لئے ایک معیار اور کسوٹی ہیں اب ایمان انہی کا معتبر ہوگا، جو صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ ہی کی طرح ایمان

لائیں گے، دوسری آیت میں فرمایا: ”فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا“۔ (البقرہ، ۱۳۷)

وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَٰطِئِثِهِمْ (الآیہ) شیطان کا مادہ، شَٰطِئٌ ہے، معنی ہیں حق اور خیر سے بعید ہونا، شیطان عربی زبان میں بڑا وسیع مفہوم رکھتا ہے ہر سرکش اور بھڑکانے والے کو شیطان کہتے ہیں انسان جنات حتیٰ کہ حیوانات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ گواہی دہنی کے طور پر ابلیس کے ساتھ خاص ہے: ”كُلُّ عَاثٍ مَّتَمَرِدٍ مِّنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ وَالْذَّوَابِ شَيْطَانٌ“۔

(محان)

حدیث شریف میں شیطان اور وسیع مفہوم میں آیا ہے چنانچہ تنہا سفر کرنے والے کو شیطان کہا گیا ہے، یہاں شیطان سے مراد رؤساء، یہود و مشرکین و منافقین ہیں، جنکے ایماء پر وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔

إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ: استہزاء کے معنی تمسخر کرنے، مذاق اڑانے کے ہیں، مطلب یہ کہ عوام منافقین جب تنہائی میں اپنے سرداروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ: ہم دل و جان سے آپ ہی کے ساتھ ہیں باقی مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کے لئے ان کی سی کہہ دیتے ہیں۔

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ: اللہ بھی ان سے مذاق کرتا ہے، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ: وہ جس طرح مسلمانوں کے ساتھ استہزاء اور استخفاف کا معاملہ کرتے ہیں، اللہ بھی ان سے ایسا معاملہ کرتا ہے انہیں ذلت و ادبار میں مبتلا کرتا ہے، اسی کو مشاکلت کے طور پر استہزاء سے تعبیر کر دیا گیا ہے یہ زبان کا ایک اسلوب ہے، حقیقتہً استہزاء نہیں بلکہ ان کے فعل استہزاء کی سزا ہے، جس کو استہزاء سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسے: ”وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا“ (الشوریٰ آیت ۴۰) میں برائی کے بدلہ کو برائی سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ وہ برائی نہیں ہے ایک جائز عمل ہے۔

ذات باری کی طرف تمسخر کا انتساب قدیم صحیفوں میں:

قدیم صحیفوں میں ذات باری کی جانب ہنسی اور تمسخر کا انتساب برابر موجود ہے، تو ایک خداوندان پر ہنسے گا، تو ساری قوموں کو مسخرہ بنادے گا۔ (زبور ۷۹، ۸۰)

میں تمہاری پریشانیوں پر ہنسوں گا، اور جب تم پر دہشت غالب ہوگی، تو ٹھٹھے ماروں گا۔ (امثال، ۱: ۲۶)

وَيَمْدُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ، الْمَدُّ، الزَّيَادَةُ، يونس بن حبیب نے کہا ہے کہ مَدُّ کا استعمال شری میں اور اَمَدُّ کا استعمال خیر میں ہوتا ہے جیسے: ”وَأَمَدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ. وَأَمَدَدْنَاكُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ“ اللہ تعالیٰ کا قول وَيَمْدُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ، خود ”اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ“ کی تفسیر ہے، یعنی ان کی افتاد طبع کے مطابق اللہ ان کو مزید مہلت اور ڈھیل دیتا ہے، تاکہ سرکشی اور طغیان مکمل ہو کر مکمل سزا کے مستحق ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون تکوینی کے مطابق مخلوق کو جو آزادی دی ہے، اس میں وہ خواہ مخواہ دست اندازی نہیں کرتا، سانپ کو

کاٹنے کی، زہر کو بلاک کرنے کی، آگ کو جلانے کی آزادی اور اجازت اسی قانون تکوینی کے مطابق ہے۔

يَعْمَهُونَ، عَمَةٌ، اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ انسان کو راستہ بھائی نہ دے اور وہ اندھوں کے مانند ادھر ادھر ٹوٹتا پھرے،
الْعَمَةُ التَّرَدُّدُ فِي الضَّلَالِ والتَّحِيرُ فِي مَنَازِعَةِ (تاج) الْعَمَى فِي الْعَيْنِ وَالْعَمَةُ فِي الْقَلْبِ. (قرطبی)

ایک شبہ کا ازالہ:

حدیث و فقہ کا یہ مشہور مقولہ کہ ”اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جاسکتا“ اس کا مطلب آیت مذکورہ ”آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ“ کی روشنی میں یہ متعین ہو گیا کہ اہل قبلہ سے مراد صرف وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین میں سے کسی کے منکر نہیں ورنہ منافقین بھی تو مسلمانوں کی طرح اہل قبلہ تھے، مگر ان کا اہل قبلہ ہونا اس بناء پر کافی نہ ہوا کہ ان کا ایمان صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کی طرح تمام ضروریات دین پر نہیں تھا، نیز قادیانی کا اہل قبلہ ہونا اس بناء پر کافی نہ ہوا کہ ان کا ایمان صحابہ کرام رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کی طرح تمام ضروریات دین پر نہیں تھا، حتیٰ کہ بعض ہنود بھی اہل قبلہ ہیں تو کیا یہ سب جماعتیں مسلمین مخلصین میں شامل ہیں؟

(معارف مخلصا و نصرفا)

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالََةَ بِالْهُدَى اسْتَبَدُّوْهَا بِهِ فَمَا رَحِمَتْ تِجَارَتُهُمْ اِی مَارَبَحُوا فِیْهَا بِلْ خَسِرُوا الْمَتَصِیْرُ بِهِ اِلِی
النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِیْنَ^(۱۶) فِیْمَا فَعَلُوا مَثَلَهُمْ صِنْتُهُمْ فِی تِنَاقِهِمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا فِی
ظُلْمَةٍ فَلَمَّا اَضَاءَتْ اَنَارَتْ مَا حَوْلَهُ فَاَنْبَصَرَ اسْتَدْفَا وَاَبَانَ مَا یَخْلُفُهُ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ اَطْفَاهُ وَجُمِعَ الضَّمِیْرُ
مِرَاعَاةً لِّمَعْنٰی الَّذِی وَتَرَکَهُمْ فِی ظُلْمٍ لَا یُبْصِرُوْنَ^(۱۷) مَا حَوْلَهُمْ مَّتَّحِیْرِیْنَ عَنِ الطَّرِیْقِ خَائِفِیْنَ فَكَذٰلِكَ
بِؤْلَاءُ اٰیِنُوْا بِاَظْهَارِ کَلِمَةِ الْاِیْمَانِ فَاِذَا مَاتُوا جَاءَ بِهِمُ الْخَوْفُ وَالْعَذَابُ بِهِمْ صُمُّ عَنْ الْحَقِّ فَلَا یَسْمَعُوْنَهُ
سَمَاعٍ قُبُولُ بَکْمُ خَرَسٌ عَنْ الْخَیْرِ فَلَا یَقُولُوْنَهُ عُمُی عَنْ طَرِیْقِ الْهُدٰی فَلَا یَزُوْنَهُ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ^(۱۸) عَنْ
الضَّلَالَةِ اَوْ مَثَلَهُمْ كَصِیْبِ اِی كَاصْحَابِ مَطَرٍ وَاَصْلُهُ صَنِیْبٌ مِنْ صَابٍ یَصُوبُ اِی یَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ اِی
السَّحَابِ فِیْهِ اِی السَّحَابُ ظُلُمْتُ مَتَكَثِفَةٌ وَرَعْدٌ بِؤِ الْمَلِكِ الْمَوْکَلِ بِهِ وَقِيلَ صَوْتُهُ وَبَرَقَ لَمْعَانِ
سَوَیْطُهُ الَّذِی یَزْجُرُهُ بِهِ یَجْعَلُوْنَ اِی اَصْحَابُ النَّصِیْبِ اَصَابِعُهُمْ اِی اَنَابِلُهَا فِی اِذَا نَهَمُ مِنْ اَجْلِ الصَّوَاعِقِ
شِدَّةُ صَوْتِ الرَّعْدِ لِئَلَّا یَسْمَعُوْنَهَا حَذَرُ خَوْفِ الْمَوْتِ مِنْ سَمَاعِهَا كَذٰلِكَ بِؤْلَاءُ اِذَا نَزَلَ الْقُرْآنُ وَفِیْهِ ذِکْرُ
الْکُفْرِ الْمُشَبَّهِ بِالظُّلُمَاتِ وَالْوَعِيدُ عَلَیْهِ الْمُشَبَّهِ بِالْبَرْقِ یَسْتَدُوْنَ اِذَا نَهَمَ لِئَلَّا یَسْمَعُوْهُ فِیْمِیْلُوْا اِلِی الْاِیْمَانِ
وَتَرَکَ دِیْنَهُمْ وَبُؤْ عِنْدَیْهِمْ مَوْتُ وَاللّٰهُ مُحِیْطٌ بِالْکَافِرِیْنَ^(۱۹) عَلِمَا وَقَدْرَةً فَلَا یَفْثُوْنُوْنَهُ یَکَادُ یَشْرُبُ
الْبَرْقُ یَخْطِفُ اَبْصَارَهُمْ یَاخْذُهَا بِسُرْعَةٍ کَلَمَّا اَضَاءَ لَهُمْ مَشَافِیْهِ اِی فِی صَوْتِهِ وَاِذَا اَظْلَمَ عَلَیْهِمْ قَامُوا وَقَفُوا

تَمَثِّلُ لِاَزْعَاجِ مَا فِی الشَّرَانِ مِنَ الْخُجْجِ قُلُوبَهُمْ وَتَتَصَدِّقُهُمْ بِمَا سَمِعُوا فِیهِ بِمَا يُحِبُّونَ وَوَقُوفُهُمْ عَمَّا يَكْرَهُونَ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ بِسَعْنِ اَسْمَاعِهِمْ وَابْصَارِهِمْ الظَّاهِرَةِ كَمَا ذَهَبَ بِاَلْبَاطِنَةِ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِیْرٌ وَمِنْهُ اَذْهَابُ مَا ذَكَرَ.

تَرْجُمہ: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی اختیار کر لی (یعنی) گمراہی کو ہدایت سے بدل لیا مگر یہ سودا ان کے لئے نفع بخش نہیں ہے، یعنی ان کو اس سودے میں نفع نہیں ہوا بلکہ خسار ہوا ان کے دائمی آگ کی طرف پلٹنے کی وجہ سے اور یہ اپنے طریقہ کار میں ہر گز صحیح طریقہ پر نہیں ہیں اور ان کی کیفیت ان کے نفاق میں اس شخص کی کیفیت جیسی ہے جس نے تاریکی میں آگ جلائی سو جب آگ نے اطراف و جوانب کو روشن کر دیا، تو اس کو بجھائی دینے لگا اور سردی کی تکلیف دور ہو گئی اور خوف کی چیزوں سے مامون ہو گیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا (یعنی) اس کو بجھا دیا اور (ہم) ضمیر کو جمع لانا، الٰہی، کے معنی کی رعایت کے اعتبار سے ہے اور انہیں تاریکیوں میں اس حال میں چھوڑ دیا کہ انہیں اپنے آس پاس کا کچھ نظر نہیں آتا حال یہ کہ وہ راستہ کے بارے میں متحیر ہیں اور خوف زدہ ہیں یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے کہ جو کلمہ ایمان کا اظہار کر کے مامون ہو گئے اور جب مرجائیں گے تو ان پر خوف اور عذاب مسلط ہو جائے گا، یہ سماع حق سے بہرے ہیں، جس کی وجہ سے اسے قبول کرنے کے ارادہ سے نہیں سنتے (کلمہ) خیر کہنے سے گونگے ہیں کہ اس کو زبان سے نہیں نکالتے، راہ ہدایت سے اندھے ہیں کہ اس کو نہیں دیکھتے سو یہ لوگ گمراہی سے باز آنے والے نہیں، یا ان کی مثال ان لوگوں جیسی ہے کہ آسمان (بادل) سے زور کی بارش ہو رہی ہو (صَبَّ) کی اصل صَبَّوْتُ تھی، صَابَ يَصُوبُ سے بمعنی پَئِنُوْلُ، اور اس بادل میں گھٹا ٹوپ اندھیریاں ہوں اور گرج ہو اور وہ فرشتہ ہے جو اس پر مامور ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ اس فرشتے کی آواز ہے اور بجلی اس کے اس کوڑے کی چمک ہے جس سے وہ بادلوں کو ڈانتا ہے، یہ بارش والے (بجلی) کے کڑا کے سن کر موت کے خوف سے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں، یعنی کڑا کے کی آواز کی شدت کی وجہ سے تاکہ اس کو نہ سنیں، یہی کیفیت ان لوگوں کی ہے کہ جب قرآن نازل ہوتا ہے اور اس میں کفر کا ذکر ہے، جو ظلمتوں کے مشابہ ہے اور (کفر) پر وعید ہے جو وعد کے مشابہ ہے اور دلیلیں ہیں جو برق کے مشابہ ہیں، اپنے کانوں کو بند کر لیتے ہیں تاکہ اس کو نہ سنیں، کہیں (ایسا نہ ہو) کہ اپنے دین کو ترک کر کے ایمان کی طرف مائل ہو جائیں اور یہ ان کے نزدیک موت ہے، اللہ تعالیٰ ان منکرین حق کو (اپنے) علم و قدرت کے احاطہ میں لئے ہوئے ہے، سو یہ اس سے بچ کر نہیں جاسکتے، برق کی حالت یہ ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کی بصارت ابھی اچک لے گی جہاں ذرا کچھ روشنی چمکی تو اس کی روشنی میں کچھ چل لیتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو ٹھہر جاتے ہیں یہ اس تحریک کی تمثیل ہے جو قرآنی دلائل کی وجہ سے ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے اور ان کی اس پسندیدہ چیز کی تصدیق کی تمثیل ہے جس کو وہ قرآن میں سنتے ہیں اور اس کی تمثیل ہے، جس کو وہ ناپسند کرتے ہیں اس سے رک جاتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو

ان کے کانوں کو اور ان کی ظاہری بصارت کو بالکلیہ سلب کر لیتا جیسا کہ ان کی باطنی بصیرت سلب کر لی یقیناً اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس پر قدرت رکھتا ہے اور اسی (قدرت) میں مذکورہ سلب کرنا بھی داخل ہے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُنَّ: اِشْتَرَوْا، اِشْتَرَاءٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، انہوں نے خریدا، انہوں نے اختیار کیا، زجاج نے واؤ کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے واو جمع اور واو اصلہ کے درمیان فرق کرنے کے لئے، اور یحییٰ بن یعمر نے واؤ کو کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے التقاء ساکنین کے قاعدہ کے مطابق اور ابو السماک عدوی نے واؤ کو فتح کے ساتھ پڑھا ہے اخف الحركات ہونے کی وجہ سے اور کسائی نے واؤ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

قَوْلُنَّ: اُولَئِكَ الَّذِیْنَ (الآیۃ) اُولَئِكَ، مبتداء، الَّذِیْنَ اسم موصول اِشْتَرَوْا اپنے مفعول الضلالة اور متعلق سے مل کر جملہ ہو کر صلہ موصول صلہ سے مل کر جملہ ہو کر اُولَئِكَ مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلُنَّ: اِسْتَبْدَلُوْهَا بِہ: اس جملہ کے اضافہ کا فائدہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔
سُئِلَ: شَرِی: ثمن کے عوض کسی چیز کے حاصل کرنے کو کہتے ہیں، اس لئے کہ بقاء ثمن پر داخل ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے اِشْتَرِیْتُ الْقَلَمَ بِالْدِرْهَمِ یعنی درہم دے کر قلم خریدا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہدایت دے کر گمراہی لی حالانکہ ہدایت سرے سے ان کے پاس تھی ہی نہیں لہذا ہدایت دے کر ضلالت لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جَوَابُ: شَرَاءٌ سے مراد استبدال ہے جو کہ شراء کے لئے لازم ہے گویا کہ ملزوم بول کر لازم مراد لیا گیا ہے اور استبدال سے مراد اختیار کرنا اور ترجیح دینا، یعنی ہدایت اور ضلالت کے دونوں راستے ان کے سامنے موجود تھے، مگر انہوں نے اپنی مرضی و اختیار سے گمراہی کو اختیار کر لیا۔

قَوْلُنَّ: فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ: فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ: میں ربح کی نسبت تجارت کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ نفع و نقصان اٹھانا صاحب تجارت کی صفت ہے نہ کہ تجارت کی۔

جَوَابُ: یہ اسناد مجاز عقلی کے طور ہے جیسے: "اَنْبَتَ الرَّبِیْعُ الْبَقْلَ" میں ہے یہ اسناد فعل الی ملابس الفاعل کے قبیل سے ہے، عرب کہا کرتے ہیں: "رَبِحَ بَيْعُكَ وَخَسِرْتَ صَفْقَتُكَ"۔

قَوْلُنَّ: لِمَصْرِهْمُ اِلَى النَّارِ: یہ عدم ربح کی علت ہے۔

قَوْلُنَّ: وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ: فِیْمَا فَعَلُوْا یعنی تجارت کا جو طریقہ انہوں نے اختیار کیا اس میں سراسر نقصان و خسران ہی ہے، یعنی نفع اور اصلی سرمایہ دونوں ضائع ہو گئے۔

قَوْلٌ: صَفْتُهُمْ فِی نَفَاقِهِمْ۔ مَثَلُهُمْ كِی تَفْسِیر صَفْتُهُمْ سے كر كے اِشاره كر دیا كه یِہاں مَثَل سے مراد مَثَلِ سائر نہیں ہے بلکہ ان كی كیفیت اور حالت مراد ہے۔

قَوْلٌ: اَوْقَدَ، اِسْتَوْقَدَ كِی تَفْسِیر اَوْقَدَ سے كر كے اِشاره كر دیا كه مزید بمعنی مجرد ہے اِسْتَوْقَدَ میں سِین و تاء طلب كے لئے نہیں ہے۔

قَوْلٌ: اَنَارَتْ، اَضَاءَتْ كِی تَفْسِیر اَنَارَتْ سے كر كے اِشاره كر دیا، كه اَضَاءَتْ فَعْل متعدی ہے، اس كے اندر ضمیر مستتر اس كا فاعل اور مَا حَوْلَهُ جملہ ہو كر مفعول بہ ہے اور مَا، بمعنی مكان ہے، اِی اَضَاءَتْ، مكان الَّذِی مَا حَوْلَهُ۔

قَوْلٌ: صُمٌّ: یہ مبتداء محذوف كی خبر اور جملہ مستانفہ ہے اور بكم خبر ثانی ہے اور عُمَى خبر ثالث ہے، مذكورہ تینوں خبریں اگرچہ لفظوں میں متباين ہیں، مگر معنی اور مدلول میں متحد ہیں اور وہ عدم قبول حق ہے، بمعنی بہرا صُمٌّ۔ اَصْمٌ كی جمع ہے، بُكْمٌ، گونگا، یہ اَبْكُمُ كی جمع ہے عُمَى، اندھا، اعمى كی جمع ہے۔

قَوْلٌ: كَصِيبٍ اِی كا صاحب مطر اس میں حذف مضاف كی طرف اِشاره ہے اور صِيب بمعنی بارش، صِيبٌ اصل میں صَيُوبٌ بروزن فِعْلٌ تھا وَاوْ اور ياء دونوں ایک كلمہ میں جمع ہوئے وَاوْ كویا كر دیا اور ياء كویا میں ادغام كر دیا وَاوْ تردید كے لئے ہے شك كے لئے نہیں ہے یا وَاوْ بمعنی وَاوْ ہے۔

قَوْلٌ: فِیْهِ اِی فِی السَّحَابِ ظاہر نظم سے معلوم ہوتا ہے كه: فِیْهِ كی ضمیر صِيبٌ كی طرف راجع ہے جیسا كه دیگر مفسرین نے صِيبٌ كی طرف ضمیر راجع كی ہے معالم التنزیل میں ہے فِیْهِ اِی فِی الصَّيْبِ اور مفسر علامہ سیوطی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے السَّحَابِ كی طرف راجع كی ہے جو كه السَّماءُ كا مدلول ہے، مگر یہ ظاہر نظم آیت كے خلاف ہے فِیْهِ میں فِی بمعنی مع ہے بعض مفسرین حضرات نے سماء كی طرف فِیْهِ كی ضمیر كو راجع كیا ہے اور سماء سے مراد بادل لیا ہے یہی وجہ ہے كه فِیْهِ كی ضمیر كو مذكر لایا گیا ہے حالانكه سماء كا استعمال مؤنث كے اعتبار سے اكثر ہے۔

قَوْلٌ: اِی اَنَا مِلْهَا: اَصَابِعُ كِی تَفْسِیر اَنَا مل سے كر كے اِشاره كر دیا كه یہ مجاز معنوی كے قبل سے ہے یعنی كل بول كر جز مراد لیا ہے، نكتہ اس میں عدم سماع میں مبالغہ كرنا ہے۔

قَوْلٌ: حَذَرَ الْمَوْتِ: یہ یَجْعَلُونَ كا مفعول لہ ہے۔

قَوْلٌ: وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ: یہ قصہ كے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلٌ: مُحِيطٌ، اصل میں مُحِطٌ تھا وَاوْ متحرك ما قبل حرف صحیح ساكن وَاوْ كا كسر ما قبل كودے كر وَاوْ كویا سے بدل دیا، مُحِيطٌ ہو گیا۔

قَوْلٌ: شَاءَ شَى كِی تَفْسِیر شَاءَ سے كر كے ایک سوال مقدر كا جواب دینا مقصود ہے۔

سُؤال: شَى اس چیز كو كہتے ہیں جو موجود ہو اللہ تعالیٰ بھی مع اپنی ذات و صفات كے موجود ہے، لہذا سوال یہ ہے كه: اللہ اشياء

میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اللہ کا لاشی ہونا لازم آتا ہے، جو ظاہر البطلان ہے اس لئے کہ وہ موجود ہے اور اگر داخل ہے تو پھر کل شیء ہَالِكٌ کی رو سے لازم آتا ہے کہ وہ بھی ہَالِكٌ ہے۔

جواب: شیء سے مراد وہ شیء ہے جو اللہ کی مشیت اور ارادہ کے تحت داخل ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات مشیت کے تحت داخل نہیں ہے اس لئے کہ جو شیء مشیت اور ارادہ کے تحت داخل ہوگی وہ حادث ہوگی اور اللہ تعالیٰ قدیم ہے۔

اللَّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

التشبيه التمثيلي: في قوله تعالى: مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا. (الآية)

حقیقۃ التشبیہ التمثیلی (ای التشبیہ المركب) ان یكون وجه الشبه فيه صورةً منتزعةً من متعدد ای: اَنَّ حال المنافقين في نفاقهم واطهارهم خلاف ما يسترونه من الكفر كحال الذي استوقد ناراً يستضيئ بها ثم انطفأت فلم يعد يبصر شيئاً يقال لتشبيه التمثيلي، التشبيه المركب ايضاً، ومن امثله في الشعر قول بشار:

كَأَنَّ مِثَارَ النَّعْجِ فَوْقَ رُؤُوسِنَا وَأَسْيَافِنَا لَيْلٌ تَهَاوَى كَوَاكِبُهُ

فقد شبّه ثوران النعج المتعقد فوق الرؤوس والسيوف المتلاحمة فيه اثناء الحرب بالليل الاسود البیہم تتهاوی فیہ الکواکب وتتساقط الشهب.

صَيِّبٌ، هو مطر الذي يَصُوبُ، ای ينزل، واصله صَيَّبٌ، اجتمعت الیاء والواو، وسبقت احدهما بالسكون فقلبت الواو یاء وادغمت الیاء فی الیاء.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى (الآية) یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی یعنی بدبختی کی انتہاء ہے کہ انہوں نے ایمان اور ہدایت جیسی بیش بہا دولت دے کر خریدی بھی تو کیسی نا کارہ نکمی اور بے حقیقت شیء یعنی کفر و ضلالت۔ یہاں خریدنے سے مراد ہدایت چھوڑ کر گمراہی کو اختیار کرنا ہے جو سراسر گھائے اور نقصان و خسران کا سودا ہے لیکن یہ نقصان و خسران آخرت کا ہے ضروری نہیں ہے کہ دنیا میں بھی انہیں اس نقصان کا علم ہو جائے، بلکہ دنیا میں تو انہیں اس نقصان سے فوری فائدے حاصل ہوتے تھے، اس پر وہ بڑے خوش تھے، اس کی بنیاد پر خود کو بہت دانا اور ہوشمند اور مسلمانوں کو عقل و فہم سے عاری سمجھتے تھے۔

منافقین کے ایک گروہ کی مثال:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا : عبد اللہ بن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے بیان کے مطابق اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ کی دعوت و تبلیغ کی وجہ سے کفر و ظلمت کی تاریکیاں چھٹنے لگیں اور صحیح کو غلط سے اور راہِ راست کو گمراہی سے بالکل الگ کر دیا گیا، تو دیدہ بینا رکھنے والوں پر ساری حقیقتیں روشن ہو گئیں، مگر منافق نفس پرستی میں اندھے ہو رہے تھے، ان کو اس روشنی میں کچھ نظر نہ آیا، ان ہی میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو مسلمان ہو گئے، لیکن جلدی ہی مرتد و منافق ہو گئے، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اندھیرے میں تھا اس نے آگ جلائی جس سے اس کا ماحول روشن ہو گیا اور مفید و منتر چیزیں اس پر واضح ہو گئیں پھر دفعۃً وہ روشنی بجھ گئی اور وہ حسب سابق تاریکیوں میں گھر گیا، یہی حال ان منافقین کا تھا کہ پہلے وہ شرک کی تاریکیوں میں تھے، جب مسلمان ہوئے تو روشنی میں آ گئے، حلال و حرام، خیر و شر کو پہچان گئے، پھر کفر و نفاق کی طرف پلٹ گئے تو ساری روشنی جاتی رہی۔ (فتح القدیر ملخصاً)

منافقین کے دوسرے گروہ کی مثال:

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ (الآیۃ) یہ منافقین کے دوسرے گروہ کی مثال ہے یہ وہ طبقہ تھا کہ جو یکسر منکر تو نہ تھا بلکہ آج کل کے انتہائی روشن خیالوں کی طرح ریب و تذبذب کا شکار تھا اسلام کی ظاہری قوت و شوکت اور مادی اقتدار و فتح مندی کو دیکھ کر کبھی چند قدم آگے بڑھتا اور جب مسلسل یہ کامیابی نہ پاتا تو پھر پیچھے ہٹ جاتا منافقوں کے اس طبقہ کی حالت اس بارش کی طرح ہے جو تاریکیوں میں برس رہی ہو جس کی گرج چمک سے ان کے دل ڈر جاتے ہوں کہ خوف و دہشت کے مارے اپنی انگلیوں کو اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں، مگر ان کا یہ خوف اور ان کی تدبیر بھی اللہ کی گرفت سے نہیں بچا سکے گی کیونکہ وہ اللہ کے گھیرے سے نہیں نکل سکتے، جب کبھی ان پر حق کی کرنیں پڑتی ہیں، تو حق کی طرف جھک جاتے ہیں لیکن جب اسلام یا مسلمانوں پر کوئی مشکل وقت آتا ہے تو پھر حیران و سرگرداں ہو کر تذبذب اور گولمگو کا شکار ہو جاتے ہیں اور قبول حق سے محروم رہتے ہیں۔ (ابن کثیر مخلصاً)

نکتہ: آیت میں نور کو واحد کے صیغہ کے ساتھ اور ظلمات کو جمع کے صیغہ کے ساتھ لانے میں نکتہ یہ ہے کہ: راہ حق و ہدایت خط مستقیم کی طرح صرف ایک ہی راہ ہے اور گمراہی مختلف اور منحنی خطوط کی طرح بے شمار ہیں، (فَإِنَّ الْحَقَّ وَاحِدٌ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ بخلاف طريق الباطل فانها متعددة منشعبة). (ابن قیم)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ائْتُوا مَنَاسِكَ اَعْبُدُوا وَاجِدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ أَنْشَأَكُمْ وَلَمْ تَكُونُوا شَيْئًا وَ خَلَقَ

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾ بِعِبَادَتِهِ عَذَابُهُ وَلَعَلَّ فِي الْاَصْلِ لِلتَّرْجِي وَفِي كَلَامِهِ تَعَالَى لِلتَّحْقِيقِ
الَّذِي جَعَلَ خَلْقَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا حَالٍ بِسَاطًا يُفْتَرَشُ لَا غَايَةَ لَهَا فِي الصَّلَاحِ أَوِ الْمَيُوتَةِ فَلَا يُمْكِنُ
الاسْتِقْرَارُ عَلَيْهَا وَالسَّمَاءُ بِنَاءٌ سَقْنَا وَانْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَالْخُجَّ بِه مِنْ أَنْوَاعِ الثَّمَرَاتِ رِضًا لَكُمْ تَأْكُلُونَهُ
وَتَعْلَمُونَهُ بِدَوَابِّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا شُرَكَاءَ فِي الْعِبَادَةِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۲﴾ اِنَّهُ الْخَالِقُ وَلَا يَخْلُقُونَ وَلَا
يَكُونُ لَهَا إِلَّا مَنْ يَخْلُقُ وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنْ شَيْءٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَى عَبْدِنَا مُحَمَّدٍ مِنَ الْقُرْآنِ اِنَّهُ بَيْنَ عِنْدِ اللَّهِ
فَأَتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ ۝ اِی الْمُنَزَّلِ وَبَيْنَ الْبَيَانِ اِی بَيِّنَةٍ فِي الْبَلَاغَةِ وَحَسَنِ النِّظْمِ وَالْاِخْبَارِ عَنْ
الْغَيْبِ ، وَالسُّورَةُ قِطْعَةٌ لَهَا أَوَّلٌ وَآخِرٌ وَاقْلَبْهَا ثَلَاثَ آيَاتٍ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ الَّتِي تَعْبُدُونَهَا
مِنْ دُونِ اللَّهِ اِی غَيْرِهِ لِتَعِينَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۳﴾ فِی اَنْ مُحَمَّدًا قَالَهُ مِنْ عِنْدِ نَفْسِهِ فافْعَلُوا ذَلِكَ فَانْكُمْ
عَرَبِيُونَ فَصَحَاءُ بِثَلَاثٍ وَلَمَّا عَجَزُوا عَنْ ذَلِكَ قَالَ تَعَالَى فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا مَا ذُكِرَ لِعِزِّكُمْ وَلَكِنْ تَفْعَلُوا ذَلِكَ
أَبْدًا لِيُظْهِرَ اَعْجَازَهُ اعْتِرَاضٌ فَاتَّقُوا بِاَلْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَأَنَّهُ لَيْسَ مِنْ كَلَامِ الْبَشَرِ النَّارُ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ
الْكُفَّارُ وَالْحِجَارَةُ ۝ كَاضْنَانِهِمْ بِسَبَابِهَا يَعْنِي أَنَّهَا مُفْرَطَةُ الْحَرَارَةِ تُتَّقَدُ بِمَا ذُكِرَ لَا كَنَارِ الدُّنْيَا تُتَّقَدُ بِالْحَطَبِ
وَنَحْوِهِ أُعِدَّتْ بُيُوتٌ لِلْكَافِرِينَ ﴿۱۴﴾ يُعَذِّبُونَ بِهَا جَمَلَةً مُسْتَنْفَذَةً أَوْ حَالًا لَازِمَةً

ترجمہ: اے لوگو (یعنی) اے مکے کے رہنے والو، اپنے اس رب کی بندگی کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو جس نے
تم کو پیدا کیا، حال یہ کہ تم کوئی (قابل ذکر) شئی نہ تھے اور تم سے پہلے کے لوگوں کو پیدا کیا تا کہ تم اس کی عبادت کے ذریعہ اس کے
عذاب سے محفوظ رہو اور لَعَلَّ دراصل ترجی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام میں تحقیق کے لئے ہے، جس نے تمہارے لئے
زمین کو فرش بنایا، (فراشاً) حال ہے (یعنی) ایسا بچھونا جس کو بچھایا جائے، جو نہ نہایت سخت ہے اور نہ نہایت نرم کہ اس پر قرار ہی
ممکن نہ ہو اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا، جس کے ذریعہ تمہاری غذا کے لئے مختلف قسم کے پھل پیدا کئے، جن کو
تم کھاتے ہو اور جن کو تم اپنے جانوروں کو (چارے کے طور پر) کھلاتے ہو سو تم عبادت میں اللہ کا کسی کو ہمسر (یعنی) شریک نہ
ٹھہراؤ حال یہ ہے کہ تم جانتے ہو کہ خالق وہی ہے اور وہ شرکاء تخلیق نہیں کر سکتے اور معبود وہی ہو سکتا ہے جو تخلیق کر سکے، ہم نے
اپنے بندے محمد ﷺ پر جو (قرآن) نازل کیا ہے اگر تم اس کے منجانب اللہ ہونے میں شک میں ہو، تو اس دُنَزَّلَ جیسی ایک
سورت لے آؤ اور من بیان یہ ہے کہ وہ سورت بلاغت میں اور حسن نظم میں اور اخبار بالغیب میں اس جیسی ہو، سورت ایسے حصہ کو
کہتے ہیں کہ جس کی ابتداء اور انتہا ہو، اور اس میں کم از کم تین آیتیں ہوں اور اپنے ان معبودوں کو بھی بلا لوجن کی تم اللہ کو چھوڑ کر
بندگی کرتے ہو تا کہ وہ تمہاری مدد کریں، اگر تم اس بات میں کہ محمد ﷺ نے اس کو اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے سچے ہو لہذا تم بھی یہ
کام کر دکھاؤ اس لئے کہ تم بھی اس کے جیسے فصیح عرب ہو، اور جب وہ اس سے عاجز ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس اگر تم نے

اپنے بجز کی وجہ سے مذکورہ کام نہ کیا اور تم اس کو ہرگز کبھی نہ کر سکو گے اس کے انجاز کے ظاہر ہونے کی وجہ سے (شرط اور جزاء کے درمیان) یہ جملہ معترضہ ہے، لہذا تم اللہ پر ایمان لا کر اور اس بات کی تصدیق کر کے کہ یہ انسانی کلام نہیں ہے، تو اس آگ سے بچو کہ جس کا ایندھن کافر انسان اور پتھر ہوں گے مثلاً پتھر سے بنے ہوئے ان کے بت، یعنی وہ آگ شدید حرارت والی ہوگی، مذکورہ چیزوں سے دھکائی جائے گی، نہ کہ دنیوی آگ کے مانند کہ لکڑی وغیرہ سے دھکائی جاتی ہے (وہ آگ) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے، اس میں ان کو عذاب دیا جائے گا (یہ) جملہ معترضہ ہے یا حال لازمہ ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْمِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ ائِ اَهْلُ مَكَّةَ: یا حرفِ نداء متوسط کے لئے ہے قرآن میں ندا کے لئے صرف یا، کا استعمال ہوا ہے، دوسرے کسی حرفِ ندا کا استعمال نہیں ہوا، ندا خواہ خالق کی جانب سے ہو، یا مخلوق کی جانب سے، ائی، منادی لفظاً بنی برضہ ہے اور محل میں نصب کے ہے، ہا، برائے تنبیہ ہے، النَّاسُ لفظوں کے اعتبار سے ائی، کی صفت یا بدل ہے۔

قَوْلُهُ: ائِ اَهْلُ مَكَّةَ، یہ الناس کی تفسیر ہے۔

سُئِلَ: قَاعِدَہ یہ ہے کہ قرآن میں اہل مکہ کو خطاب یَا أَيُّهَا النَّاسُ سے اور اہل مدینہ کو یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے ہوتا ہے یہ سورت مدنی ہے اور خطاب اہل مدینہ سے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے ہے ایسا کیوں؟

جَوَابُ: یہ قاعدہ اکثری ہے کلی نہیں۔

لفظ اَهْلُ پر رفع اور نصب دونوں جائز ہیں، نصب اس اعتبار سے کہ یہ باعتبار محل کے الناس کی تفسیر ہے اور رفع اس اعتبار سے کہ یہ باعتبار لفظ کے الناس کی تفسیر ہے۔

قَوْلُهُ: وَحَدُّوا اُعْبُدُوا کی تفسیر وَحَدُّوا سے حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی اتباع میں ہے، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ اُعْبُدُوا، قرآن میں جہاں کہیں بھی آیا ہے، اس سے مراد تو حید سر فہرست ہے اس لئے کہ توحید کے بغیر کوئی عبادت مقبول نہیں، اسی طرح الناس کی تفسیر اہل مکہ سے یہ بھی حضرت ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی اتباع میں ہے ورنہ دیگر مفسرین نے الناس کو مطلق رکھا ہے، جس میں مکہ وغیرہ کے سب لوگ شامل ہیں۔

قَوْلُهُ: لَعَلَّ فِي الْاَصْلِ لِلتَّرْجِي: لَعَلَّ

سُئِلَ: لَعَلَّ کا اصل استعمال طمع فی المحبوب کے لئے ہے، عوام اس کو توقع سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ جہل کی متقاضی ہے، حق تعالیٰ کے لئے اس معنی کے لئے استعمال محال ہے۔

جَوَابُ: مفسر علام نے اپنے قول ”وفی کلامہ تعالیٰ للتحقیق“ سے اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی کلام ربانی میں لَعَلَّ کا استعمال تحقیق وقوع کے لئے ہوتا ہے، اس لئے کہ کریم اسی کی توقع دلاتا ہے، جو اسے یقینی طور پر کرنا ہو۔

قَوْلًا: فِرَاشًا، الْأَرْضَ: سے حال ہے، مگر یہ اس صورت میں ہے جب کہ: جَعَلَ، بمعنی خَلَقَ متعدی بیک مفعول ہو، جیسا کہ مفسر علام نے جَعَلَ کی تفسیر خَاق سے کر کے اشارہ کر دیا ہے اور جن حضرات نے جَعَلَ بمعنی صَيَّرَ متعدی بدو مفعول لیا ہے، ان کے نزدیک الْأَرْضَ مفعول اول اور فِرَاشًا، مفعول ثانی ہوگا۔

قَوْلًا: مِنَ السَّمَاءِ السَّمَاءُ سے لغوی معنی مراد ہیں یعنی: فَوْقَ، مَاعِلَاكَ وَأَظْلَكَ فَهُوَ سَمَاءٌ، سَمَاءٌ مونث ہے کبھی مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور بارش بھی چونکہ اوپر سے اترتی ہے، لہذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ: بارش بادلوں سے برتی ہے نہ کہ: آسمان سے، دوسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ سماء سے سحاب مراد ہے۔

قَوْلًا: تَعْلِفُونَ بِهِ دَوَابَّكُمْ: سے اشارہ کر دیا کہ ثمرات سے زمین کی ہر قسم کی پیداوار مراد ہے اور عَلَفَ، جانوروں کے چارے کو کہتے ہیں۔

قَوْلًا: فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا: اس کا تعلق ماقبل میں مذکور اُعْبُدُوا رَبَّكُمْ الَّذِي، سے ہے۔

قَوْلًا: أَنْدَادُ: یہ نِدُّ کی جمع ہے، بمعنی برابر، مقابل، شریک نِدُّ ذات میں شریک اور مثل ہر قسم کے شریک کو کہتے ہیں۔

قَوْلًا: وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ: مبتدا، خبر سے مل کر جملہ ہو کر فَلَا تَجْعَلُوا کی ضمیر سے حال ہے۔

قَوْلًا: أَنَّهُ الْخَالِقُ: معطوف علیہ اور وَلَا يَخْلُقُونَ جملہ ہو کر معطوف جملہ معطوف ہو کر یہ تَعْلَمُونَ، کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلًا: فَافْعَلُوا ذَلِكَ يَهْدِيكُمْ إِلَى صَادِقِينَ کی جزاء ہے۔

قَوْلًا: وَقُودُهَا، وَادُّوْهُمَا کے ساتھ بمعنی مَا تَوْقَدُ بِهِ، یعنی ایندھن اور وادُّوْهُمَا کے ضمہ کے ساتھ مصدر ہے، اس وزن پر آنے والے تمام صیغوں میں یہی دو صورتیں ہیں، مثلاً: وَضُوءٌ، سَحُورٌ، طَهُورٌ، قَاعِدَةٌ یہ ہے کہ فَعُولٌ کے وزن پر آنے والے ہر صیغہ میں اگر فاء کلمہ کے فتح کے ساتھ ہو تو بمعنی آلہ، اور اگر ضمہ کے ساتھ ہو تو مصدر۔ بعض نے کہا ہے ایک دوسرے کی جگہ بھی مستعمل ہیں۔

قَوْلًا: مِنْهَا: یہ أَضْنَامُهُمْ سے حال ہے ای حال کونہما مِنَ الْحِجَارَةِ، مقصد آیت میں مذکور وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کی مطابقت ہے حِجَارَةُ حَجَرٌ کی جمع جیسے: جَمَالَةٌ، جَمَلٌ کی جمع ہے۔

قَوْلًا: أُعِدَّتْ جملہ مستانفہ ہے اور جملہ مستانفہ ہمیشہ کسی سوال مقدر کا جواب ہوا کرتا ہے، یہاں کس سوال کا جواب ہے؟

سُؤَالٌ: يَهْدِيكُمْ إِلَى صَادِقِينَ: لِمَنْ أُعِدَّتْ هَذِهِ النَّارُ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ؟

جَوَابٌ: أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ.

قَوْلًا: أَوْحَالٌ، یعنی ”أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ“ لفظ ”النار“ سے حال ہے، وَقُودُهَا کی ضمیر سے حال واقع ہونا صحیح نہیں

ہے، جس کی دو وجہ ہیں ① اس لئے کہ ہما ضمیر مضاف الیہ ہے، اور مضاف الیہ مقصود نہیں ہوتا، ② اس لئے کہ مضاف جو کہ یہاں وَقُوْذٌ بمعنی حطب عین ہے اور یہ جامد ہے اور اسم جامد عامل نہیں ہوتا۔

قَوْلًا: لَا زِمَّةٌ: اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کو زائل کرنا ہے جو: اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ سے معلوم ہوتا ہے کہ: نارِ جہنم کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے لہذا مسلمانوں کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے خواہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ مومن ہو۔

جَوَابُ: حال لازمہ بمنزلہ صفت ہوتا ہے، ذوالحال کے لئے اور ذوالحال سے جدا نہیں ہوتا جیسا کہ ابوك عطوفؑ میں کہ باپ کی شفقت بیٹے کے لئے لازم ہے، مگر خاص نہیں ہے کہ بیٹے کے علاوہ کسی اور پر باپ کی شفقت ممنوع ہو اسی طرح نارِ جہنم کافروں کے لئے لازم تو ہے مگر خاص نہیں، یعنی اصالۃ و دواماً تو نارِ جہنم کافروں ہی کے لئے تیار کی گئی ہے، لہذا مسلمین کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے خواہ فاسق و فاجر ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ مومن ہو، مگر عارضی طور پر تادیب کے لئے اہل فسق و عصیان بھی اس میں داخل کر دیئے جائیں تو یہ اس کے منافی نہیں (ماجدی ملخصاً) ”و کون الاعداد للکافرین لاینافی دخول غیرہم فیہ علی جہۃ التطفل“۔ (روح)

کِبْرٍ سِتْرٌ جَوَابُ: اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ: میں، کافر سے مراد کافر عام ہو جو اصطلاحی کافر اور لغوی کافر دونوں کو شامل ہو، تو اس صورت میں کوئی اعتراض نہیں، اصطلاحی کافر کا دخول دائمی ہوگا اور لغوی کافر یعنی ناشکرے اور عاصی و نافرمان کا دخول تطہیر کے لئے عارضی ہوگا۔

تَفْسِیْرٌ وَ تَشْرِیْحٌ

قرآن مجید کا مخاطب سارا عالم ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا (الآیۃ) اس آیت میں مخاطب صرف قریش یا اہل مکہ ہی نہیں بلکہ عرب اور عجم سارا عالم ہے اور نہ کوئی مخصوص نسل، گروہ، یا جماعت ہے بخلاف سابقہ آسمانی کتابوں کے کہ ان کے مخاطب خاص قوم، یا خطے یا نسل کے لوگ تھے، عام مفسرین اسی کے قائل ہیں، بعض مفسرین نے مذکورہ آیت کے مخاطب اہل مکہ کو قرار دیا ہے ان ہی حضرات میں علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی بھی ہیں غالباً یہ تخصیص مخاطب اول ہونے کے اعتبار سے ہے۔

پہلے دور کو عوں میں موجودات انسانی کی سہ گانہ تقسیم یعنی مومن، کافر اور منافق عقائد کے اعتبار سے تھی، سورۃ بقرہ کی ابتدائی بیس آیتوں میں ہدایت کے قبول کرنے یا نہ کرنے کے اعتبار سے انسانوں کو تین گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسانوں کی گروہی اور قومی تقسیم رنگ و نسل یا وطن اور زبان کی بنیادوں پر معقول نہیں بلکہ صحیح تقسیم عقیدے کی بنیاد پر ہے کہ اللہ اور اس کی ہدایت کے ماننے والے ایک قوم ہیں اور نہ ماننے والے دوسری، اسی حقیقت کو سورۃ حشر میں ”حزب اللہ“ اور ”حزب الشیطان“ کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔

قرآن کا اصل پیغام:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا (الآية) سے قرآن کے اصل اور بنیادی پیغام کا گویا آغاز ہے۔ عقیدہ توحید جو اسلام کا سب سے پہلا اور بنیادی عقیدہ ہے یہ صرف ایک عقیدہ اور نظریہ ہی نہیں بلکہ انسان کو انسان بنانے کا واحد اور صحیح طریقہ بھی ہے جو انسان کے تمام مشکلات کا حل اور ہر حالت میں اس کی پناہ گاہ ہے اور ہر فکر و غم کا مداوا، اس لئے کہ عقیدہ توحید کا حاصل یہ ہے کہ کائنات کے تمام کون و فساد اور عناصر کے سارے تغیرات ایک ہی ہستی کی مشیت کے تابع اور اسی کی حکمت کے مظاہر ہیں جب یہ عقیدہ قلب و دماغ میں راسخ اور فکر و خیال پر چھا جائے تو ہر شر و فساد کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی اس لئے کہ اس کے سامنے ہمہ وقت یہ مستحضر رہے گا۔

از خدا داں خلاف دشمن و دوست کہ دل ہر دو در تصرف اوست
اس عقیدہ کا مالک پوری دنیا سے بے نیاز ہر خوف و ہراس سے بے خطر زندگی گزارتا ہے کلمہ توحید یعنی: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ محمد رسول اللہ، کا یہی مفہوم ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ توحید کا محض زبانی اقرار کافی نہیں، بلکہ سچے دل سے اس کا یقین اور یقین کے ساتھ استحضار ضروری ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ : تاکہ تم اپنے پروردگار کے عذاب سے بچ جاؤ، لَعَلَّ کا استعمال امید و آرزو اور اظہار وقوع اور شک و تردید کے لئے ہے، مگر قرآن میں جہاں حق تعالیٰ کی طرف سے ادا ہوا ہے وہاں امید و آرزو کے بجائے وقوع و یقین کا مفہوم پیدا ہو گیا ہے اردو میں لَعَلَّ کا ترجمہ ”تاکہ“ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا : اس سے پہلی آیت میں ان انعامات کا ذکر تھا، جو انسانی ذات سے متعلق ہیں اور اس آیت میں ان انعامات کا ذکر ہے جو انسان کے گرد و پیش کی چیزوں سے متعلق ہیں اس طرح انفس اور آفاقی نعمتوں کا احاطہ فرمایا، آفاقی نعمتوں میں اول زمین کا ذکر فرمایا کہ ہم نے زمین کو انسان کے لئے فرش بنایا جو نہ لوہے کی مانند نہایت سخت ہے کہ ہم اسے اپنی ضرورت کے مطابق آسانی سے استعمال نہ کر سکیں اور نہ پانی کی طرح نرم کہ جس پر قرار ہی ممکن نہ ہو، بلکہ سختی اور نرمی کے درمیان ایسا بنایا گیا کہ جو عام انسانی ضروریات زندگی میں کام دے سکے۔

اس آیت میں زمین کو فرش کہا گیا ہے، فرش کے لفظ سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین گول نہ ہو کیونکہ زمین کا یہ عظیم کرہ گول ہونے کے باوجود دیکھنے میں سطح نظر آتا ہے اور قرآن کا عام طرز یہ ہے کہ ہر چیز کی وہ کیفیت بیان کرتا ہے جس کو ہر دیکھنے والا عالم ہو یا جاہل، دیہاتی ہو یا شہری سمجھ سکے۔

زمین کی وسعت:

زمین کی وسعت کا اندازہ آپ مندرجہ ذیل اعداد سے لگا سکتے ہیں، زمین کا قطر استوائی (عمقی) ۷۹۲۲ میل ہے اور قطب قطبی ۷۹۰۰ میل ہے اور زمین کا محیط ۲۴۸۶۰ میل ہے زمین کی سطح ۱۹۷۰۰۰۰۰۰ یعنی تقریباً بیس کروڑ مربع میل ہے۔

(فلکیات جدیدہ)

جس کرہ کی سطح اتنی وسیع ہو وہ گول ہونے کے باوجود مسطح ہی معلوم ہوگا، لہذا اس اعتبار سے زمین کو گول بھی کہا جاسکتا ہے اور مسطح بھی۔

فَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً: مقصود اس حقیقت کی تعلیم ہے کہ زمین و آسمان، کون و مکان، حیوان و انسان سب خدائے واحد کی مخلوق ہیں ان کی تخلیق میں نہ کسی دیوی دیوتا کا دخل ہے اور نہ کسی پیر و پیغمبر کا، جب یہ بات ثابت اور مسلم ہے جس کا خود تم کو بھی اقرار ہے تو پھر تمہاری بندگی اور عبادت اسی کے لئے خاص ہونی چاہئے دوسرا کون اس کا حقدار ہو سکتا ہے؟ کہ تم اس کی بندگی کرو اور دوسروں کو اللہ کا شریک یا مد مقابل ٹھہراؤ۔

خليفة الله في الارض جب کبھی اپنے مقام و مرتبہ کو بھول کر قعر مذلت میں گرا ہے تو پستی کی تمام حدود کو پار کر گیا ہے اس نے اپنا مسجود ملائکہ کو بنایا تو کبھی شمس و قمر کو، کبھی دریاؤں کو تو کبھی ارض و سماء کو، کبھی نباتات کو تو کبھی حیوانات و جمادات کو، کبھی ناگ کو تو کبھی آگ کو غرض کہ نہ ندیوں کو چھوڑا نہ نالوں کو، نہ نجاست کو چھوڑا نہ شرمگاہوں کو، قرآن اسی حماقت اور سخافت پر اسے تنبیہ کر رہا ہے۔

رابط آیات:

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا: (الآية) سابقہ دو آیتوں میں تو حید کا اثبات تھا، ان دو آیتوں میں رسالت محمد ﷺ کا اثبات ہے، قرآن جو ہدایت لے کر آیا ہے اس کے دوستوں ہیں، تو حید اور رسالت، اس آیت میں بڑی قوت اور شدت کے ساتھ پوری دنیا کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ کلام محمد ﷺ پر نازل کردہ خدائی کلام نہیں ہے، تو ایک فرد نہیں پوری جماعت مل کر ایک چھوٹی سی سورت اس کے مثل لے آؤ، یہ چیلنج مکی زندگی میں بھی بارہا کیا جا چکا تھا اور اب مدینہ پہنچ کر بھی اس کا اعادہ کیا جا رہا ہے، یعنی اگر تم اس کو انسانی تصنیف سمجھتے ہو تو تم بھی تو انسان ہو اس جیسی چند آیات ہی پیش کر دو۔

فَاتُوا بِسُورَةٍ مِّمَّنْ مِثْلِهِ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِمَّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ: اس آیت میں ایک بڑا زور دار اور دائمی چیلنج منکرین کو دیا جا رہا ہے اور یہ چیلنج اپنی پوری قوت اور شدت کے ساتھ آج بھی موجود ہے کہ اگر تم میں سے تنہا کسی فرد سے یہ کام نہ ہو سکے تو اپنے حمایتیوں کی مدد سے یہ کام کر دکھاؤ اور اگر تم ایسا نہیں کر سکتے اور یقین ہے کہ ہرگز نہ کر سکو گے تو تمہیں سمجھ لینا چاہئے کہ واقعی یہ انسانی کلام نہیں ہے، قرآن کی صداقت کی یہ واضح دلیل ہے کہ یہ چیلنج يَا أَيُّهَا النَّاسُ

کے عمومی خطاب کے ذریعہ پوری دنیا کو دیا گیا تھا اور آج بھی باقی ہے لیکن منکرین آج تک اس چیلنج کو قبول کرنے سے قاصر رہے ہیں اور قیامت تک قاصر رہیں گے۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ : اللہ اکبر، کس زور کی تحدی (چیلنج) ہے وہ بھی ایک امی کی زبان سے۔ اپنی عقل و حکمت، فصاحت و بلاغت اپنی زبان و ادب اپنے علوم و فنون پر ناز رکھنے والوں کو کیسا کیسا، اس وقت جوش آیا ہوگا اور آج بھی آ رہا ہے مگر مجبوری!۔

لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی۔

آیت میں مذکورہ پتھر سے بقول ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما گندھک کے پتھر مراد ہیں اور بعض مفسرین حضرات کے نزدیک پتھر سے ان کے وہ اصنام مراد ہیں جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے: "إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ"۔

اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جہنم اصالة کافروں اور مشرکوں کے لئے تیار کی گئی ہے گو مسلمین میں سے بعض فساق و فجار بھی عارضی طور پر جہنم میں داخل ہوں گے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ جنت اور دوزخ فی الحال موجود ہیں بہت سی آیات اور روایات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ جمہور امت کا بھی یہی عقیدہ ہے یہ تمثیل نہیں جیسا کہ بعض متجددین اور منکرین باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں بلکہ واقعی اور حقیقی چیزیں ہیں۔

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا صَدَقُوا بِاللَّهِ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الثَّرَوَاتِ وَالنَّوَافِلِ أَنَّ إِيَّاهُمْ جَنَّاتٌ حِذَائِهَا شَجَرٌ وَتَسَاكُنُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا إِي تَحْتَ اشْجَارِهَا وَقُضُورِهَا الْأَنْهَارُ إِي الْمِيَادُ فِيهَا وَالنَّهْرُ: الْمَوْضِعُ الَّذِي يَجْرِي فِيهِ الْمَاءُ لِأَنَّ الْمَاءَ يَنْسَهَرُ إِي يَخْفَرُهُ وَاسْنَادُ الْجَرَى إِلَيْهِ مَجَازٌ كُلَّمَا رَزَقُوا مِنْهَا أُطِعُوا مِنْ تِلْكَ الْجَنَّاتِ مِنْ ثَمَرَةٍ رَزَقَاقًا أَلْوَاهِدَ الَّذِي إِي بِشَلْ مَا رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ إِي قَبْلَهُ فِي الْجَنَّةِ لِتَشَابِهِ ثَمَرَاتِهَا بِثَرِيئَةٍ وَأَنْوَافِهِ جِيءُوا بِالرِّزْقِ مُتَشَابِهًا يَنْسَبُهُ بَعْضُهُ لِبَعْضٍ لَوْ نَا وَيَخْتَلِفُ طَعْمًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مِنَ الْخُورِ وَغَيْرِهَا مَطَهَّرَةٌ بَيْنَ الْخَيْضِ وَكُلِّ قَدَرٍ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ^{۱۵} مَا كَثُرُونَ أَبَدًا لَا يَفْنَوْنَ وَلَا يَخْرُجُونَ وَنَزَلَ رِذَاءُ يُتَوَلَّى النَّبِيُّ لِمَا ضَرَبَ اللَّهُ الْمَثَلُ بِالذُّبَابِ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى وَإِنْ يَنْسَلِبُهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا: وَالْعَنْكَبُوتُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ: مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِذِكْرِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ الْخَبِيسَةِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ يَجْعَلَ مَثَلًا مَنَعُولٌ أَوَّلٌ مَّا نَكَرَهُ مَوْصُوفَةٌ بِمَا بَعْدَهَا مَنَعُولٌ ثَانٍ إِي أَيْ مَثَلٌ كَانَ أَوْ زَائِدَةٌ لِتَاكِيدِ الْخَبْسَةِ، فَمَا بَعْدَهَا الْمَنَعُولُ الثَّانِي بَعُوضَةٌ مُفْرَدُ الْبُعُوضِ وَهُوَ صَغَارُ الْبَقِ فَمَا فَوْقَهَا إِي اكْبَرُ بِنَبْهَا إِي لَا

يَتْرُكُ بَيَانَهُ لِمَا فِيهِ مِنَ الْحُكْمِ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَيْ الْمَثَلُ الْحَقُّ الشَّابِتُ الْوَاقِعُ مُتَوَقِّعُهُ مِنْ تَرْتِيبِهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا تَمَيِّزُ أَيْ بِهَذَا الْمَثَلِ وَمَا اسْتَفْهَمُوا انْكَارُ مُنْتَبِذًا وَذَا بَمَعْنَى الَّذِي بِحَصْلَتِهِ خَبَرُهُ أَيْ فَايْدَةُ فِيهِ قَالَ تَعَالَى فِي جَوَابِهِمْ يُضِلُّ بِهِ أَيْ بِهَذَا الْمَثَلِ كَثِيرًا عَنِ الْحَقِّ لِيُكَفِّرَ بِهِ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لِيَتَّصِدِقَ بِهِ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ۝
 الْخَارِجِينَ عَنِ طَاعَتِهِ الَّذِينَ نَعَتْ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مَا عَاهَدُوا إِلَيْهِمْ فِي الْكِتَابِ مِنَ الْإِيمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ تَوَكِيدُهُ عَلَيْهِمْ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ مِنَ الْإِيمَانِ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالرَّحِمِ وَغَيْرِ ذَلِكَ وَإِنْ بَدَلُ مِنْ ضَمِيرِهِ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ بِالْمَعَاصِي وَالتَّعْوِيقِ عَنِ الْإِيمَانِ أُولَئِكَ الْمَوْصُوفُونَ بِمَا ذُكِرَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ لَمْ يَصِرْ لَهُمْ إِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ.

ترجمہ: اور (اے نبی) خود بخود دیکھتے خبر دیدتے کہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے (یعنی) اللہ کی (توحید) کی تصدیق کی، اور نیک اعمال کئے کہ وہ فرائض اور نوافل ہیں، ان کے لئے درختوں والے اور مخلوں والے باغات ہیں کہ ان باغوں اور مخلوں کے نیچے نہریں جاری ہیں یعنی ان نہروں میں پانی جاری ہے اور نہر وہ جگہ ہے کہ جس میں پانی جاری ہوتا ہے (نہر کو نہر اس لئے کہتے ہیں) کہ پانی اس نہر کو کھود دیتا ہے اور جریاں کی اسناد نہر کی جانب اسناد مجازی ہے جب ان باغوں میں سے کوئی پھل ان کو کھانے کے لئے بطور غذا دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو ایسی جیسا ہے جو ہم کو اس سے پہلے کھانے کے لئے دیا گیا، یعنی جو اس سے پہلے جنت میں دیا گیا (یہ اس وجہ سے ہوگا) کہ جنت کے پھل ہم شکل ہوں گے (اس قول کا) قرینہ واثبات متشابہا ہے اور ملیں گے بھی ان کو ہم شکل پھل، کہ رنگ کے لحاظ سے ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے مگر ذائقہ میں مختلف ہوں گے اور ان کے لئے جنت میں بیویاں ہوں گی یعنی حور و غیرہ، پاک ہوں گی حیض اور ہر گندگی سے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، یعنی دائمی قیام ہوگا نہ اس میں فنا ہوں گے اور نہ (اس سے) نکلیں گے، آیت: ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا“ یہود کے اعتراض ”مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِذِكْرِ هَذِهِ الْأَشْيَاءِ الْخَسِيسَةِ“ یعنی ان حقیر چیزوں کے ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مقصد ہے؟ کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قول: ”وَإِنْ يَسْأَلُكَ الذُّبَابُ شَيْئًا“ میں کبھی کی اور اپنے قول ”كَمَثَلِ الْعَنكَبُوتٍ“ میں مکڑی کی مثال بیان فرمائی، یقیناً اللہ تعالیٰ کسی مثال کے بیان کرنے سے نہیں شرماتا خواہ مچھر کی ہو یا اس سے اعلیٰ کی: (مثلاً) ضَرْبَ“ بمعنی جَعَلَ کا مفعول اول ہے، مَا نَكَرَهُ مَوْصُوفُهُ اپنے مابعد صفت سے مل کر۔ ضَرْبَ کا مفعول ثانی (یعنی) مَثَلًا مَّا، معنی میں ائی مثال کَانَ کے ہے یا ما زائدہ ہے، حقارت کی تاکید کے لئے اور اس کا مابعد مفعول ثانی ہے، بَعُوْضَةً، بعوض کا مفرد ہے (یعنی) چھوٹا مچھر، یعنی اس کے بیان کو ترک نہیں کرتا، اس لئے کہ اس کے بیان کرنے میں حکمتیں ہیں اہل ایمان تو اس مثال کو اپنے رب کی طرف سے صحیح سمجھتے ہیں، (یعنی) بر محل بیان ہوئی ہے اور کفار

کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ کو ایسی (حقیر) مثالوں سے کیا سروکار؟ مَثَلًا تمیز ہے (بہذا مَثَلًا) ای بِهَذَا المَثَل (کے معنی میں ہے) اور مَا استفہام انکاری مبتداء اور ذَا بمعنى الذی اپنے صلہ سے مل کر مبتداء کی خبر، یعنی اس مثال میں کیا فائدہ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان (مقرضین) کے جواب میں فرمایا کہ وہ اس مثال سے بہت سوں کو حق سے ان کے اس مثال کا انکار کرنے کی وجہ سے گمراہ کرتا ہے اور بہت سے مومنین کی ان کے اس مثال کی تصدیق کرنے کی وجہ سے رہنمائی کرتا ہے اور اس سے ان فاسقوں کو بھی گمراہ کرتا ہے جو اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے باوجود توڑ دیتے ہیں، یعنی اس کی اطاعت سے خروج کرنے والوں کو (گمراہ کرتا ہے) یعنی اس عہد کو جس کو اللہ نے ان سے کتابوں میں محمد ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں لیا تھا، (الَّذِينَ فَاسِقِينَ کی صفت ہے اور اللہ نے جس کو جوڑنے کا حکم دیا ہے اس کو توڑتے ہیں اور وہ نبی ﷺ پر ایمان لانا اور صلہ رحمی وغیرہ کرنا ہے اور اَنْ يُوصَلَ، بہ کی ضمیر سے بدل ہے اور معاصی کے ذریعہ اور (لوگوں کو) ایمان سے روکنے کے ذریعہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں حقیقت میں یہی لوگ ہیں جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں نقصان اٹھانے والے ہیں، دائمی عذاب (میں) ان کا ٹھکانہ ہونے کی وجہ سے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا: اس کا عطف، عطف قصہ علی القصہ کے طور پر فان لَمْ تَفْعَلُوا کے مضمون پر ہے۔
قَوْلًا: بَشِّرْ، امر واحد مذکر حاضر بمعنی تو خوش کن خبر سنا، بَشِّرْ، البشارة سے مشتق ہے، بشارت اس پہلی خبر کو کہتے ہیں جو خوش کن ہو، پہلی خوش کن خبر کو بشارت اس لئے کہتے ہیں کہ: اس کا اثر (بشرہ) چہرہ پر ظاہر ہوتا ہے، (البشارة: الخبر الاول السار الذي يظهر به اثر السور في البشارة)۔ (اعراب القرآن)

قَوْلًا: اَخْبِرْ، بَشِّر کی تفسیر اخبِر سے کر کے اشارہ کر دیا کہ بشارت اگرچہ خوشخبری کو کہتے ہیں مگر یہاں یہ مطلق خبر کے معنی میں ہے اور بشارت کی ضد انذار ہے۔

سُؤَالٌ: وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ، الصلحت، ایسا وصف ہے جو کیا نہیں جاسکتا اس لئے کہ وصف از قبیل اعراض ہے اور عرض موجود فی الخارج نہیں ہوتا جب تک کہ کسی جوہر (موصوف) کے ساتھ متصل نہ ہو، لہذا: ”وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ“ کہنا درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: الصلحت، اگرچہ اپنی اصل کے اعتبار سے وصف ہے اس پر اسمیت غالب ہونے کی وجہ سے اسم کے قائم مقام ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلًا: بِأَنَّ، بِأَنَّ، پر باء کو ظاہر کر کے بتا دیا کہ اَنَّ اصل میں بِأَنَّ تھا، یا، کو جواز اُحذف کر دیا گیا اَنَّ مع اپنے مدخول کے بَشِّرْ، کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ (ابو البقاء)

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ وَبَشِّرْكَ عَطْفٌ فَاتَّقُوا، پر ہے مگر اس صورت میں تغایر مخاطبین کا اعتراض ہوگا، صاحب روح المعانی نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ تغایر مخاطبین عطف کے لئے مضر نہیں، جیسا کہ: اللہ تعالیٰ کے قول: ”يُوسُفُ اعْرَضْ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرِي“ یہاں معطوف علیہ اور معطوف کے مخاطب الگ الگ ہیں مگر پھر بھی عطف کیا گیا ہے۔

قَوْلًا: الْكَذِبِينَ: موصول اپنے صلہ سے مل کر بَشِّرْ کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلًا: ”اِنَّ لَّهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي“ مثلاً مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تجری من تحتہا الانہار، جنت کی صفت اول اور کُلَّمَا رُزِقُوا صفت ثانی اور لَّهُمْ فیہا صفت ثالث اور ہم فیہ خِلْدُونَ صفت رابع ہے۔

قَوْلًا: بِهَذَا مَثَلًا تَمِيزُ لفظ تَمِيز کے اضافہ کا مقصد اس طرف اشارہ کرنا ہے کہ مَثَلًا تَمِيز ہے حال نہیں ہے جیسا کہ بعض حضرات نے مَثَلًا کو حال قرار دیا، حالانکہ حال قرار دینا ضعیف ہے، ضعف کی وجہ یہ ہے کہ اسم جامد کے حال واقع ہونے میں اختلاف ہے لہذا مَثَلًا کا حال واقع ہونا مختلف فیہ ہے اور اسم جامد کے تَمِيز واقع ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لہذا مَثَلًا کا تَمِيز قرار دینا راجح ہے۔

قَوْلًا: بِهَذَا مَثَلًا، منسہ غلام نے بِهَذَا مَثَلًا کی تفسیر بهذا المثل سے کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ تَمِيز میں اصل یہ ہے کہ نسبت سے واقع ہو اور هذا مَثَلًا میں نسبت نہیں ہے لہذا مَثَلًا کا تَمِيز واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: هَذَا مَثَلًا، هذا المثل کے معنی میں ہے، جس کے اندر نسبت موجود ہے لہذا مَثَلًا کا تَمِيز واقع ہونا درست ہے۔

قَوْلًا: مَا، استفہام انکار، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا، میں مثال بیان کرنے کی حکمت معلوم کی گئی ہے اور کسی قول و فعل کی حکمت معلوم کرنا مذموم نہیں، حالانکہ یہاں مذموم قرار دیا گیا ہے۔

جَوَاب: یہ استفہام حکمت معلوم کرنے کے لئے نہیں تھا بلکہ انکار اور نفی کے طور پر تھا، اسی وجہ سے اس کی مذمت کی گئی ہے۔

قَوْلًا: مَبْتَدَاءُ اس کا مقصد سیبویہ کے مذہب کو رائج قرار دینا ہے اور وہ یہ ہے کہ مَا، مبتداء ہے اور ذَا، موصول اپنے صلہ سے مل کر مبتداء کی خبر، نہ یہ کہ ذَا، مبتداء مؤخر اور ما، خبر مقدم، وجہ ترجیح یہ ہے کہ سیبویہ کی ترکیب قاعدہ معروفہ کے مطابق ہے اور وہ یہ کہ مبتداء مقدم اور خبر مؤخر ہوا کرتی ہے۔

قَوْلًا: الْخَارِجِينَ عَنْ طَاعَتِهِ: یہ الْفَاسِقِينَ کی تفسیر ہے، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ: یہاں فاسق سے فاسق کامل مراد ہے اور وہ مشرک اور کافر ہے نہ کہ مومن فاسق مطلب یہ کہ یہاں فسق کے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی

اور شرعی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول: "إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ" میں منافق کو فاسق کہا گیا ہے حالانکہ منافق کلیۃً اسلام سے خارج ہوتا ہے۔

قَوْلًا: تو کیدہ عَلَیْہِم: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: "يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ" اس آیت میں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں عہد اور میثاق، اور دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، اس کا ترجمہ ہوگا، وہ اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اس کے عہد کے بعد، اور اس کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

جَوَاب: میثاق: بمعنی تاکید اور پختگی ہے، یعنی وہ اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور یہ معنی درست ہیں۔

قَوْلًا: مِنَ الْإِيمَانِ بِالنَّبِيِّ ﷺ، یہ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ، میں مَا، کا بیان ہے، یعنی وہ لوگ اس کو قطع کرتے ہیں جس کو متصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ایمان بالرسول اور صلہ رحمی ہے۔

قَوْلًا: وَأَنْ يُوَصَّلَ بَدَلٍ مِنْ ضَمِيرِ بِهِ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ: أَنْ يُوَصَّلَ بِهِ کی ضمیر سے بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے نہ کہ مَا، سے بدل ہونے کی وجہ سے منسوب۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

① المجاز المرسل فی قوله تعالى: "تجرى من تحتها الأنهار" والعلاقة المحلية، هذا اذا كان النهر مجرى الماء.

② التشبيه البليغ فی قوله، "هَذَا الَّذِي رَزَقْنَا مِنْ قَبْلُ" سَمَى بَلِيغًا لِأَنَّ اِدَاةَ التَّشْبِيهِ فِيهِ مَحذُوفَةٌ، فَتَسَاوَى طَرَفَا التَّشْبِيهِ فِي الْمَرْتَبَةِ.

③ الاستعارة المكنية: وذلك فی قوله تعالى "يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ" فَقَدْ شَبَّهَ الْعَهْدَ بِالْحَبْلِ الْمَبْرَمِ، ثُمَّ حَذَفَ الْمَشَبَّهَ بِهِ وَرَمَزَ إِلَيْهِ بِشَيْءٍ مِنْ خَصَائِصِهِ أَوْ لَوَازِمِهِ، وَهُوَ النِّقْضُ، لِأَنَّهُ أَحَدُ حَالَتِي الْحَبْلِ وَهُمَا النِّقْضُ وَالْإِبْرَامُ.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

ربط آیات:

سابقہ آیت میں منکرین اور ان کے عذاب کا ذکر تھا، اس آیت میں ماننے والوں کے لئے خوشخبری مذکور ہے جنت اور حوران جنت وغیرہ کی بشارت ہے۔

ایمان و عمل کا چولی دامن کا ساتھ ہے:

یہاں مومنین کی بشارت کے لئے ایمان کے ساتھ عمل صالح کی قید بھی لگائی ہے کہ ایمان بغیر عمل صالح کے انسان کو اس بشارت کا مستحق قرار نہیں دیتا، اگرچہ صرف ایمان بھی جہنم میں خلود و دوام سے بچانے کا سبب ہے اور مومن خواہ کتنا بھی گنہگار ہو کسی نہ کسی وقت جہنم سے نکالا جائے گا، اور داخل جنت کیا جائے گا، مگر عذاب جہنم سے کلیۃً اور ابتداءً نجات کا مستحق بغیر عمل صالح کے نہیں ہوگا۔

قرآن کریم نے ہر جگہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کا تذکرہ فرما کر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے، عمل صالح ایمان کے بغیر ثمر آور نہیں اور ایمان کے بغیر عمل صالح کی عند اللہ کوئی اہمیت نہیں، مگر عمل صالح عند اللہ وہی معتبر ہے جو سنت کی مطابق ہو اور خالص رضائے الہی کی نیت سے کیا جائے، جو عمل خلاف سنت ہو یا نمود و نمائش کے لئے کیا ہو وہ عند اللہ مردود ہے۔

وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا : مشابہت کا مطلب یا تو جنت کے تمام پھلوں کا آپس میں باہم ہمشکل ہونا ہے یا مشابہت سے مراد دنیا کے پھلوں سے مشابہت مراد ہے، مگر یہ مشابہت صرف شکل اور نام کی حد تک ہی ہوگی، ورنہ جنت کے پھلوں کے مزے اور ذائقے سے دنیا کے پھلوں اور میوؤں کی کوئی نسبت ہی نہیں ہے، جنت کی نعمتوں کی بابت حدیث شریف میں ہے: ”مَا لَا عَيْنٌ رَأَتْ وَلَا أُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلْبِ بَشَرٍ“ (صحیح بخاری تفسیر الم سجدۃ) نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے ان کی بابت سنا، اور نہ کسی انسان کے دل میں ان کا خیال گذرا۔

دنیوی پھلوں سے ظاہری مشابہت کی مصلحت:

دنیوی پھلوں سے ظاہری مشابہت صرف اس لئے ہوگی کہ وہ جنتی پھلوں سے نامانوس نہ ہوں اور اجنبیت محسوس نہ کریں البتہ لذت میں وہ ان سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہوں گے، دیکھنے میں مثلاً آم، انار، سیب، سنترے ہی ہوں گے اہل جنت دیکھ کر ہی پہچان لیں گے کہ یہ آم ہے اور یہ انار ہے اور یہ سنترہ ہے، مگر مزے میں دنیا کے پھلوں سے کوئی نسبت نہ ہوگی۔

وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ : ازواج، زوج کی جمع ہے، زوج کے معنی جوڑے کے ہیں اور اس لفظ کا استعمال بیوی اور شوہر دونوں کے لئے ہوتا ہے بیوی شوہر کے لئے اور شوہر بیوی کے لئے زوج ہے۔ بیوی اور شوہر روحانی اخلاقی اور جسمانی ہر قسم کی گندگیوں اور آلائشوں اور آلودگیوں سے صاف ستھرے اور پاکیزہ ہوں گے۔

مُطَهَّرَةٌ مِنَ الْقَذْرِ وَالْأَذَى (ابن جریر عن ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا) قِيلَ مُطَهَّرَةٌ عَنْ مَسَاوِي الْأَخْلَاقِ.

(معالم)

فالمراد طَهَارَةُ أَبْدَانِهِنَّ، وَطَهَارَةُ أَزْوَاجِهِنَّ مِنْ جَمِيعِ الْخِصَالِ الذَّمِيمَةِ (کبیر) إِنَّ التَّطْهِيرَ يُسْتَعْمَلُ

فِی الْاَجْسَامِ وَالْاَخْلَاقِ وَالْاَفْعَالِ (بیضاوی) وَمِنْ كُلِّ اِذًی یَکُوْنُ مِنْ نِسَاءِ الدُّنْیَا فَطَهَّرَ مَعَ ذٰلِکَ بَاطِنُهَا مِنْ الْاَخْلَاقِ السَّیِّئَةِ وَالصِّفَاتِ الْمَذْمُوْمَةِ. (ابن قیم) (تفسیر ماجدی)

نام نہاد روشن خیال اور جنت کی نعمتیں:

بعض روشن خیالوں کو پاکیزہ بیویوں کے نام سے خدا معلوم کیوں اتنی شرم آئی کہ انہوں نے اس معنی ہی سے انکار کر دیا اور اَزْوَاجِ مُطَهَّرَةٍ کی تفسیر عجیب توڑ مروڑ کر کی ہے، گویا کہ بہشت میں رضائے الہی کے مقام میں ہر قسم کی انتہائی لذت، مسرت و راحت کے موقع پر بیویوں اور پھر پاکیزہ بیویوں کا ملنا بڑے ہی شرم و ندامت کی بات ہے، اگر نفس جنت کے وجود ہی سے انکار ہے، تب تو بات ہی اور ہے ایسے مخاطب کے سامنے پہلے جنت کا اثبات کیا جائے گا، لیکن اگر جنت کا اقرار ہے، تو وہاں کی کسی لذت، کسی نعمت، کسی راحت سے انکار کے کوئی معنی نہ نقل کے اعتبار سے صحیح ہیں اور نہ عقل کے اعتبار سے جنت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ وہ مادی اور روحانی ہر قسم کی لذتوں، مسرتوں، راحتوں کا گھر ہے، یا پھر یہ ہے کہ بیوی کے نعمت اور اعلیٰ نعمت ہونے ہی سے انکار ہے، اگر ایسا ہے تو اس عقیدہ کا رشتہ اسلام سے نہیں بلکہ یہ رہبانیت اور مسیحیت سے وابستہ ہے اور مسیحیت اور رہبانیت بھی وہ نہیں جو مسیح علیہ السلام کی لائی ہوئی ہے، بلکہ وہ جو پولوس کی پھیلائی ہوئی ہے، اس قسم کا عقیدہ اور نظریہ پولوسی مسیحیت سے وماغی مرعوبیت کا نتیجہ ہے اور جنت میں عمل زوجیت کا مقصد بقائے نوع یا افزائش نسل نہ ہوگا، بلکہ غذا کی طرح نفس لذت مقصود ہوگی۔

وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ: یہ جنت کی انتہائی عظیم نعمت کا ذکر ہے، خلود کے معنی ہمیشگی اور ایسی حالت میں رہنے کے ہیں کہ جن میں کبھی تغیر اور خرابی پیدا نہ ہو اور جب اس کا ذکر دوزخ و جنت کے سیاق و سباق میں آئے گا تو اس کا مطلب ہوگا کہ اہل جنت ہمیشہ ہمیش جنت میں رہیں گے، اور اہل دوزخ ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ جنت اور جہنم میں جانے کے بعد ایک فرشتہ اعلان کرے گا، اے جہنمیو! اب موت نہیں ہے اور اے جنتیو! اب موت نہیں ہے جو فریق جس حالت میں ہے اسی میں ہمیشہ ہمیش رہے گا۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق، صحیح مسلم کتاب الحنة)

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحِیْی: (الایۃ) ممکن ہے کہ یہ لفظ خود معترضین نے استعمال کیا ہو کہ یہ کیسا محمد ﷺ کا خدا ہے کہ جو ایسی حقیر چیزوں کی مثال پیش کرتے بھی نہیں شرماتا اور قرآن مجید نے مشاکلت کی رعایت سے اس لفظ کو دہرایا ہو۔

یَجُوزُ اَنْ تَقَعَ هَذِهِ الْعِبَارَةُ فِی کَلَامِ الْکُفْرِ فَقَالُوا اَمَّا یَسْتَحِیْی رَبُّ مُحَمَّدٍ ﷺ اِنْ یَضْرِبُ مَثَلًا بِالذَّبَابِ وَالْعَنْکَبُوتِ فَجَاءَتْ عَلٰی سَبِیلِ الْمَقَابِلَةِ وَاَطْبَاقِ الْجَوَابِ عَلٰی السُّوَالِ. (کشاف، ماجدی)

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعتراض کے دفعیہ کے طور پر خدا ہی کا کلام ہو قرآن مجید میں متعدد مقامات پر توضیح مدعا کے لئے بڑی اور عظیم مخلوق کا تذکرہ آیا ہے اور چھوٹی اور حقیر شئی کا بھی، قرآن مجید میں، جہاں ایک طرف ارض و سماء، اور شمس و قمر کا

تذکرہ ہے تو دوسری طرف مٹھی، مچھر اور چیموٹی اور کڑی کا ذکر ہے اس تمثیلی تذکرہ پر بعض کم فہموں نے کہن شروع کر دیا کہ یہ کیسا خدائی کلام ہے؟ دعویٰ تو خدائی کا اور تذکرہ حقیر چیزوں کا حالانکہ، کلام المملوک مملوک الکلام کے قاعدہ سے اس میں حقیر اور ذلیل چیزوں کا تذکرہ ہونا ہی نہیں چاہئے۔

تمثیل کا مقصد:

تمثیل کا مقصد اور غرض و غایت مثل لہ کی وضاحت اور اس کو ذہن نشین کرانا ہوتا ہے لہذا یہ مقصد جس مثال سے پورا ہو سکے اسی کو بہتر کہا جائے گا مثال میں پیش کی جانے والی چیز خواہ کیسی ہی حقیر کیوں نہ ہو، مچھر بظاہر ایک بہت ہی حقیر اور بے وقعت سی مخلوق ہے اب جہاں کسی شئی کی بے وقعتی بیان کرنی ہے وہاں ظاہر ہے کہ مناسب اور موزوں مثال مچھر ہی کی ہوگی، اس پر اعتراض سفاہت و حماقت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟

فَمَا فَوْقَهَا: یعنی مچھر سے بڑھ کر خواہ جسم و جثہ میں یا صغر و حقارت میں (دونوں معنوں کی گنجائش ہے) اللہ کی بیان کردہ مثالوں سے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ اور اہل کفر کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ سب اللہ کے قانون قدرت و مشیت کے تحت ہی ہوتا ہے۔

”فسق“ اطاعت الہی سے خروج کو کہتے ہیں، جس کا ارتکاب عارضی اور وقتی طور پر ایک مومن سے بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس آیت میں فسق سے مراد اطاعت سے کلی خروج ہے یعنی کفر، جیسا کہ آئندہ آیت سے واضح ہے۔

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ: (الآیۃ) مفسرین نے عہد کے مختلف مفہوم بیان کئے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی وہ وصیت جو اس نے اپنے اوامر بجالانے اور نواہی سے باز رکھنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ مخلوق کو کی ہے، دوسرا وہ عہد جو اہل کتاب سے تورات میں لیا گیا کہ نبی آخر الزمان کے آجانے کے بعد تمہارے لئے ان کی تصدیق کرنا اور ان کی نبوت پر ایمان لانا ضروری ہوگا، تیسرے وہ عہد است جو صلب آدم سے نکالنے کے بعد تمام ذریت آدم سے لیا گیا، جس کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے: ”وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ“ نقض عہد کا مطلب عہد کی پرواہ نہ کرنا ہے۔ (ابن کثیر)

بادشاہ اپنے ملازموں اور رعایا کے نام جو فرامین جاری کرتا ہے، اسے عربی کے محاورے میں عہد سے تعبیر کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کی تعمیل رعایا پر واجب ہوتی ہیں یہاں عہد کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، اللہ کے عہد سے مراد اس کا وہ مستقل فرمان ہے، جس کی رو سے تمام نوع انسانی صرف اسی کی بندگی کرنے پر مامور ہے (من بعد میثاقہ) (یعنی مضبوط عہد باندھ لینے کے باوجود) سے اشارہ اس طرف ہے کہ: آدم کی تخلیق کے وقت تمام نوع انسانی سے اس فرمان کی پابندی کا اقرار لے لیا گیا تھا۔

وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ: یعنی جن روابط کے قیام اور استحکام پر انسان کی اجتماع و انفرادی فلاح کا انحصار ہے اور جنہیں درست رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان پر لوگ تیشہ چلاتے ہیں اس مختصر سے جملہ میں اس قدر وسعت ہے کہ انسانی تمدن و اخلاق کی پوری دنیا پر جو دو آدمیوں کے تعلق سے لے کر عالمگیر بین الاقوامی تعلقات تک پھیلی ہوئی ہے صرف یہی ایک جملہ حاوی ہو جاتا

ہے روابط کو کاٹنے سے مراد محض تعلقات انسانی کا انقطاع نہیں ہے بلکہ تعلقات کی صحیح اور جائز صورتوں کے سوا جو صورتیں بھی اختیار کی جائیں گی وہ سب اسی ذیل میں آجائیں گی، کیونکہ ناجائز اور غلط روابط کا انجام وہی ہے جو انقطاع روابط کا ہے یعنی بین الانسانی تعلقات کی خرابی اور نظام اخلاق و تمدن کی بربادی۔

آیت کے وسعتِ مفہوم میں سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد داخل ہیں یعنی وہ تمام فرائض جو ہر انسان پر خالق اور مخلوق دونوں سے متعلق عائد رہتے ہیں۔ (ابن جریر عن ابن عباس)

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ : اس نقصان میں دنیا کا خسارہ اور آخرت کا خسارہ دونوں داخل ہیں، دنیا میں تو اس لئے کہ عدم ایمان سے دلوں سے سکون و اطمینان رخصت ہو جاتا ہے اور آخرت میں اس لئے کہ آخرت میں ہر نعمت سے محروم رہے گا۔ مَغْبُوتُونَ بَذَاهِبِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (ابن عباس)

كَيْفَ تَكْفُرُونَ يَا أَبٰٓءَلِ مَكَّةَ ۖ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَٓآءًا نَّطَفَا فِی الْاَصْلَابِ فَاحْيَاكُمْ فِی الْاَرْحَامِ وَالدُّنْيَا بِنَفْخِ الرُّوْحِ فِیْكُمْ وَالْاَسْتَفْهَامُ لِلتَّعْجُبِ ۚ كُفْرٌ بِہِمَّ مَعَ قِیَامِ الْبُرْہَانِ وَالتَّوْبِیْخِ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ عِنْدَ اَنْتِهَاءِ اَجَالِكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ بِالْبَعْثِ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُونَ ۚ ۲۸ ثُمَّ ذٰٓیْنَ بَعْدَ الْبَعْثِ فِیْجَازِیْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ وَقَالَ تَعَالٰی ذَلِیْلًا عَلٰی الْبَعْثِ لَمَّا اَنْكُرُوْهُ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ اِی الْاَرْضِ وَمَا فِیْہَا جَمِیْعًا لِّتَسْتَفْہِمُوْا ۚ وَتَعْتَبِرُوْا ثُمَّ اسْتَوٰی بَعْدَ خَلْقِ الْاَرْضِ اِی قَصْدًا اِلٰی السَّمَآءِ فَسَوَّیْھُنَّ الضَّمِیْرُ یَرْجِعُ اِلٰی السَّمَآءِ لِاَنْہَا فِی مَعْنٰی الْجَمْعِ الْاِثْلَةُ اِلَیْہِ اِی صَّیْرَہَا کَمَا فِی اٰیَةِ اٰخَرٰی فَتَقْضٰہُنَّ سَبْعَ سَمَوٰتٍ وَہُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۚ ۲۹ مُجْمَلًا وَمُفَصَّلًا اَفَلَا تَعْتَبِرُوْنَ اَنَّ الْقَادِرَ عَلٰی خَلْقِ ذٰلِكَ اِبْتِدَآءٍ وَہُوَ اَعْظَمُ مِنْكُمْ قَادِرٌ عَلٰی اِعَادَتِکُمْ.

ترجمہ: اے مکہ والو! تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیوں اختیار کرتے ہو؟ حالانکہ تم پشتوں میں بے جان نطفے تھے، اس نے ماؤں کے رحموں میں اور دنیا میں تمہارے اندر روح پھونک کر تم کو زندگی بخشی، اور استفہام ان کے کفر پر اظہارِ تعجب کے لئے ہے اور توخیج کے لئے ہے، قیامِ دلیل کے باوجود پھر وہ تم کو موت دے گا، تمہاری مدتِ حیات ختم ہونے کے وقت پھر تم کو وہی مرنے کے بعد دوبارہ زندگی عطا کرے گا، پھر زندہ ہونے کے بعد اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، سو وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا، چنانچہ جب انہوں نے بعثِ بعد الموت کا انکار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس پر دلیل کے طور پر فرمایا، وہی تو ہے، جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا فرمائیں یعنی زمین اور جو کچھ زمین میں ہے تاکہ تم اس سے استفادہ کرو اور عبرت حاصل کرو پھر (یعنی) زمین پیدا کرنے کے بعد وہ آسمان کی جانب متوجہ ہوا اور سات آسمان استوار کئے، ہُنَّ، کی ضمیر السَّمَاء کی طرف راجع ہے اس لئے کہ: السَّمَاءُ مَایُولُ کے اعتبار سے جمع کے معنی میں ہے (سَوَّیْھُنَّ) معنی میں صَّیْرَہَا، کے ہے، جیسا کہ دوسری آیت میں فَقَضٰہُنَّ سَبْعَ سَمَوٰتٍ ہے اور وہ ہر چیز کا اجمالی اور تفصیلی علم رکھنے والا

ہے کیا تم اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے کہ جو ذات ان (مذکورہ) چیزوں کے ابتداء پیدا کرنے پر قادر ہے جو تم سے عظیم تر ہے تمہارے دوبارہ پیدا کرنے پر (بطریق اولیٰ) قادر ہے۔

تحقیق و ترکیب تسبیح تفسیری فوائد

قَوْلٌ: كَيْفَ تَكْفُرُونَ يَا أَهْلَ مَكَّةَ، كَيْفَ، حرف استفہام ہے حالت سے سوال کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر قرآن میں زیادہ تر انکار اور جرأت پر اظہار تعجب کے لئے مستعمل ہے۔

قَوْلٌ: وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا: واو حال ہے اور كنتم امواتا، تكفرون کی ضمیر سے حال ہے مفسر علام نے قَدْ کا اضافہ کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔

سُؤال: ماضی کا بغیر قد کے حال واقع ہونا صحیح نہیں ہے۔

جواب: قد کا لفظوں میں ہونا ضروری نہیں ہے اگر قد مقدر ہو، تب بھی ماضی حال واقع ہو سکتی ہے، یہاں قد مقدر ہے جیسا کہ مفسر علام نے قد مقدر مان کر اشارہ کر دیا ہے۔

سُؤال: بغیر قد کی تقدیر کے بھی حال بننا درست ہے اس لئے کہ حال محض كنتم امواتا ہی نہیں ہے بلکہ مابعد، ترجعون، تک جملہ ہو کر حال ہے، کما جزم صاحب الکشاف، گویا کہ یوں کہا: كَيْفَ تَكْفُرُونَ؟ وقصتكم هذه.

(فتح القدیر)

قَوْلٌ: نُطْفًا فِي الْأَصْلَابِ، ای اصلااب الرجال، نُطْفٌ نُطْفَةٌ، کی جمع ہے صاف پانی، تھوڑا پانی، ٹپکنے والی چیز یہاں مرد کا نطفہ منی مراد ہے۔

قَوْلٌ: فَأَحْيَاكُمْ، یہ محذوف پر مرتب ہے تقدیری عبارت ہے: ”وَكُنْتُمْ عَلَقَةً فَمُضْغَةً فَأَحْيَاكُمْ“ اس تقدیر کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی کہ نطفہ کے فوراً بعد حیات عطا نہیں ہوتی، بلکہ رحم مادر میں ۱۲۰، ایام میں مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد حیات عطا ہوتی ہے۔

قَوْلٌ: فِي الْأَرْحَامِ، وفي الدنيا بنفخ الروح، ظرفیت کا تعلق صرف أرحام سے ہے، بنفخ الروح میں باء سببیہ ہے یعنی اعطاء حیات رحم مادر میں نفخ روح کے سبب سے ہوتی ہے غالباً دنیا کا ذکر حیات رحم اور حیات دنیا میں فرق کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے اس لئے کہ دونوں زندگیوں میں نوعیت کا فرق ہے۔ (ترویج الارواح)

قَوْلٌ: وَالْاِسْتَفْهَامُ لِلتَّعْجِبِ مِنْ كُفْرِهِمْ: یعنی اتنے سارے انعامات کے باوجود کفر و انکار پر جرأت کرنا باعث حیرت و تعجب ہے، یا پھر استفہام توبيخ کے لئے ہے جیسا کہ مفسر رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اشارہ کیا ہے کہ معروف معنی میں تعجب مراد نہیں ہے، اس لئے کہ معروف معنی میں تعجب اسباب کے مخفی ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتا ہے اور یہ معنی خدا تعالیٰ کے لئے متصور نہیں ہیں، اس

لئے کہ باری تعالیٰ سے کسی بھی شئی کے اسباب مخفی نہیں ہیں۔

قَوْلُنَا: لَآئِهَآ فِی مَعْنٰی الْجَمْعِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: ثُمَّ اسْتَوٰی اِلٰی السَّمَآءِ فَسَوَّاهُنَّ، میں هُنَّ کی ضمیر السَّمَآءِ کی طرف راجع ہے اور السَّمَآءِ مفرد ہے اور ضمیر جمع ہے، لہذا مرجع اور ضمیر میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابٌ: السَّمَآءِ مایوئل کے اعتبار سے جمع ہے اس لئے کہ استوٰی کے بعد سات آسمان ہونے والے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دُخُوَارِض کے بعد سات آسمان بنائے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمُوٰتٍ“ یہ جواب بھی دیا جاسکتا ہے کہ السَّمَآءِ میں الف لام جنس کا ہے لہذا جمع پر اطلاق درست ہے۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

رابط آیات:

گذشتہ آیات میں خدا کے وجود، توحید و رسالت کے دلائل واضحہ اور منکرین و مخالفین کے خیالات باطلہ کا رد مذکور تھا، ان دو آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات اور انعامات کا ذکر کر کے اس بات پر اظہار تعجب کیا ہے کہ اتنے احسانات کے ہوتے ہوئے یہ بظاہر کیسے کفر و انکار کی جرأت کرتا ہے؟ نیز اس بات پر بھی تنبیہ ہے کہ اگر دلائل میں غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا تو کم از کم محسن کا احسان ماننا اس کی تعظیم اور اطاعت کرنا تو ہر شریف انسان کا طبعی اور فطری تقاضہ ہے حتیٰ کہ ایک بے عقل جانور بھی اپنے محسن کا، احسان مند اور مشکور ہوتا ہے، مگر یہ انسان عقل و فہم کا مدعی ہونے کے باوجود اپنے محسن حقیقی کی احسان فراموشی کی جرأت کیسے کرتا ہے!

تخلیق انسان کی سرگذشت کے ادوار:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَآتًا (الآیۃ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تخلیق انسان کی سرگذشت بیان فرمائی ہے، اور فرمایا کہ ابتداء میں انسان عدم محض تھا، پھر موجود ہوا پھر معدوم ہوگا، پھر مکرر زندہ ہو کر خدا کے سامنے جوابدہی کرے گا، یہ ہے انسان کی پیدائش کی سرگذشت اور مبداء و منتہی۔

مذکورہ آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا تذکرہ ہے، پہلی موت سے مراد عدم مطلق ہے اور پہلی زندگی بطنِ مادر سے نکلنے کے بعد موت سے ہم کنار ہونے کے وقت تک ہے دنیوی مدت حیات پوری ہونے کے بعد پھر موت آئے گی، اس کے بعد آخرت کی زندگی کا آغاز ہوگا، جس زندگی کا منکرین قیامت انکار کرتے ہیں وہ یہی ہے، شوکانی نے بعض علماء کی رائے ذکر کی ہے

کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی ہی کا حصہ ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ برزخی زندگی حیاتِ آخرت کا مقدمہ اور دنیوی زندگی کا تتمہ ہے، یعنی دونوں زندگیوں کے درمیان ایک واسطہ ہے، گو اس کا تعلق عالمِ آخرت کے مقابلہ میں عالمِ دنیا سے زیادہ ہے۔

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ: یعنی جس ذات نے پہلی مرتبہ تمہارے بے جان ذرات کو حیات بخشی وہ اس عالم میں تمہاری عمر کا وقت پورا ہونے کے بعد تمہاری اس حیاتِ مستعار کو سلب کر لے گا، پھر ایک عرصہ کے بعد قیامت میں اسی طرح تمہارے جسم بے جان اور منتشر ذرات کو جمع کر کے تمہیں زندہ کرے گا اسی طرح ایک مدت یعنی حالتِ عدمِ ابتداء میں تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو حیات بخشی یعنی تم عدم سے وجود میں آئے، دوسری موت دنیوی زندگی پوری ہونے کے بعد تمہارے اوپر طاری ہوتی ہے، اور پھر دوسری زندگی قیامت کے روز عطا ہوگی۔ (معارف ملخصاً)

پہلی موت اور زندگی کے درمیان چونکہ کوئی فاصلہ نہیں تھا، اس لئے اس میں حرفِ فاء استعمال کیا گیا یعنی فَأَحْيَاكُمْ، اور چونکہ دنیا کی موت و حیات کے درمیان اور اسی طرح اس موت اور بروز قیامت زندگی کے درمیان فاصلہ ہے، اس لئے لفظ ثُمَّ اختیار کیا گیا، یعنی ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ، اس لئے کہ لفظ ثُمَّ بعد مدت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

سُئِلَ: اس آیت میں دو موتوں اور دو زندگیوں کا ذکر ہے مگر عالمِ برزخ (عالمِ قبر) کی زندگی کا ذکر نہیں ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟
جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برزخی زندگی نہ تو اس دنیوی زندگی کی طرح مستقل زندگی ہے اور نہ آخرت کی زندگی کے مانند مستقل زندگی ہے، بلکہ مثلِ خواب، موت و حیات کے مانند ایک درمیانی کیفیت ہے، اس کو دنیوی زندگی کا تکرار اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی کہا جاسکتا ہے یہ چونکہ کوئی مستقل زندگی نہیں کہ اس کا مستقل ذکر کیا جائے اسی وجہ سے اس آیت میں برزخی زندگی کا مستقل ذکر نہیں ہے۔

عالمِ برزخ:

لغت میں برزخ کے معنی ہیں دو چیزوں کے درمیان کی حد، روک، سورۃ الرحمن، آیت: ۱۲۰، اور سورۃ الفرقان آیت ۵۲، میں شیریں اور شور دریاؤں کے درمیان کے حجاب کو برزخ کہا گیا ہے اور اصطلاحِ شریعت میں موت سے حشر تک کی مدت کا نام ہے سورۃ المؤمنون آیت ۱۰۰ میں برزخ کا لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

عالمِ برزخ کو عالمِ قبر اور قبر کی زندگی بھی کہتے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں قبر صرف مٹی کے گڑھے کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک عالم ہے، مرنے کے بعد ہر شخص اس عالم میں پہنچ جاتا ہے مرنے کے بعد اس عالم میں پہنچنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے، خواہ مرنے کے بعد قبر میں دفن کیا جائے، یا نہ کیا جائے، اس لئے کہ مگر انسان ختم نہیں ہو جاتا بلکہ وہ انتقالِ مکانی کرتا ہے یعنی اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل ہو جاتا ہے اور یہ انتقالِ مکانی روحانی طور پر ہوتا ہے جسم تو اسی دنیا میں گل سڑ کر ختم ہو جاتا ہے یا جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

عالم برزخ میں مجازات:

عالم برزخ کو اگر تمثیلاً گہری نیند سے تعبیر کر دیا جائے تو نامناسب نہ ہوگا، نیند کو احوال موت کہا جاتا ہے، جس طرح نیند، موت اور زندگی کے درمیان ایک واسطہ ہے، اسی طرح عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان عالم برزخ بھی ایک واسطہ ہے۔ عالم دنیا اور عالم آخرت تو حقیقتہً موجود فی الخارج ہے اور ان کی جزاء و سزا بھی حقیقی اور خارجی ہے، بخلاف عالم برزخ کے کہ وہ مثالی عالم ہے، جو موجود فی الخارج نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی جزاء و سزا بھی موجود فی الخارج نہیں ہوتی، بلکہ تمثیلی ہوتی ہے جیسا کہ سونے والا شخص خواب میں تکلیف دہ اور راحت رساں خیالی واقعات دیکھتا ہے اور ان واقعات سے رنج و راحت محسوس بھی کرتا ہے اور خواب میں پیش آنے والے واقعات کو واقعی اور حقیقی سمجھتا ہے، حالانکہ وہ واقعات نہ حقیقی ہوتے ہیں اور نہ واقعی اور نہ موجود فی الخارج خواب دیکھنے والا جب بیدار ہوتا ہے، تب اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو خواب تھا ورنہ تو وہ ان واقعات کو واقعی سمجھتا ہے۔

برزخی زندگی اور خواب میں فرق:

خواب اور برزخی زندگی میں فرق یہ ہے کہ خوابیدہ شخص جب بیدار ہو جاتا ہے، تو خواب میں پیش آنے والے واقعات سے رنج و راحت کا خیالی تصور جس کو وہ حقیقت اور موجود فی الخارج سمجھے ہوئے تھا، ختم ہو جاتا ہے، مگر عالم برزخ میں جن مثالی اور خیالی تکلیف دہ یا راحت رساں حالات میں مبتلا ہوگا وہ تا قیامت ختم نہ ہوں گے، اس لئے کہ برزخ میں کوئی شخص نفعِ ثانیہ سے پہلے بیدار ہونے والا نہیں ہے، نفعِ ثانیہ کے وقت مجرم: ”مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا“ (سورۃ یسین) (ہم کو ہماری خوابگاہ سے کس نے اٹھایا؟) کہتا ہوا اٹھے گا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عالم برزخ میں برزخیوں کی کیفیت مدت دراز تک (تا قیامت) سونیوالوں کی سی ہوگی، سونیوالے کے خواب میں پیش آنے والے واقعات سے رنج و راحت کا تعلق سونیوالے کی روح سے ہوتا ہے نہ کہ جسدِ خاکی سے، یہی وجہ ہے کہ سونے والے کو خواب میں جو رنج و راحت کے واقعات پیش آتے ہیں ان کا اثر عام طور پر جسم پر ظاہر نہیں ہوتا اور نہ پاس میں موجود لوگوں کو سونے والے کے رنج و راحت کا احساس ہوتا ہے۔

حالت نوم میں روح کا تعلق جسم سے پوری طرح منقطع نہیں ہوتا:

حالت نوم میں روح کا تعلق جسم سے منقطع ہونے کے باوجود کسی نہ کسی درجہ میں باقی رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات خواب میں پیش آنے والے واقعات کا اثر سونے والے کے جسم پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے اگر کوئی شخص خواب میں کسی خوفناک چیز کو دیکھتا ہے تو ڈر کر چیخ مار کر بیدار ہو جاتا ہے اور گھبرایا ہوا ہوتا ہے، اس کے برخلاف اگر کوئی سرور کن واقعہ خواب میں دیکھتا ہے تو اس کے چہرے پر ہنسی اور مسکراہٹ کے آثار نمایاں نظر آتے ہیں، دیکھا گیا ہے کہ چھوٹا بچہ سونے کی حالت میں ہنستا اور کبھی روتا

محسوس ہوتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بچہ ڈرانے یا ہنسانے والے خواب دیکھ رہا ہے۔
 اسی طرح مرنے کے بعد روح حیوانی (نسمہ) کا تدبیری تعلق بدن سے منقطع ہو جاتا ہے، مگر وہی یعنی خیالی تعلق باقی رہتا ہے، جیسے ایک ٹیلیفون کا بے شمار ٹیلیفونوں سے بیک وقت تعلق قائم رہتا ہے، مگر جب کسی نمبر کو ڈائل کرتے ہیں، تو اس نمبر سے حقیقی رابطہ قائم ہو جاتا ہے، اس محسوس مثال سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آگئی کہ اگر جسم و روح کے درمیان حقیقی رابطہ منقطع ہو گیا ہے، تو یہ ضروری نہیں کہ خیالی رابطہ بھی منقطع ہو جائے۔
 (رحمة الله الواسعه ملخصاً)

عالم برزخ میں روح کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا اثر

جسم پر بعض اوقات ظاہر ہو جاتا ہے

اسی طرح عالم برزخ میں جب مردہ کی روح کے ساتھ اچھا یا برا معاملہ ہوتا ہے، تو بعض اوقات ان واقعات کا اثر مردہ کے جسد خاکی پر ظاہر ہو جاتا ہے، بعض روایات سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، ایک روایت میں یہ مضمون وارد ہے کہ آپ ﷺ نے ایک قبر میں مردے کو عذاب ہونے کی اطلاع دی اور آپ نے ہری ٹہنی اس قبر پر گاڑ دی جس سے مردے کے عذاب میں تخفیف ہوگئی، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوتا۔

عالم برزخ میں مجازات:

عالم برزخ میں عذاب و ثواب کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ انسان دنیوی زندگی میں جو اچھے یا برے اعمال کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ان اعمال ہی کو تکلیف دہ یا راحت رساں چیزوں کی مثالی شکل میں متشکل کر دیتا ہے، جیسا کہ اچھے برے اعمال کا اچھی بری شکلوں میں متشکل ہونا روایات سے ثابت ہے چنانچہ ایک درندہ صفت ظالم شخص عالم برزخ میں دیکھتا ہے کہ اسے کوئی درندہ نوچ رہا ہے، اور بخیل آدمی جس نے مالی حقوق واجبہ ادا کرنے میں کوتاہی کی ہوگی تو وہ اپنے مال کو سانپ، بچھو کی شکل میں اپنے اوپر مسلط دیکھتا ہے۔

عالم برزخ میں پوری جزاء یا سزا نہیں ہوگی:

عالم برزخ چونکہ عبوری اور عارضی وقفہ ہے ابھی مقدمہ عدالت خداوندی میں فیصلہ نہیں ہوا، اس کو باقاعدہ مجرم، یا جرم سے بری قرار نہیں دیا گیا اس لئے سزا یا جزاء کا معاملہ ابھی نہیں کیا جاتا دنیاوی قانون کی اصطلاح میں اس کو حوالات کا زمانہ کہا جاتا ہے، مگر ابتدائی انٹرویو سے مقدمہ کا رخ متعین ہو جاتا ہے، یہ انٹرویو (قبر) عالم برزخ میں منکر و نکیر لیتے ہیں جس

میں مختصر طور پر تین سوال ہوتے ہیں، ① مَنْ رَبُّكَ؟ ② مَا دِينُكَ؟ ③ مَنْ هَذَا الرَّجُلُ؟ اگر مردہ ان سوالات کا جواب صحیح صحیح دیدیتا ہے، تو اس سے کہا جاتا ہے: ”نَمَّ كَنُومَةَ الْعُرُوسِ“ تو دلہن کی طرح آرام سے سو جا اور اس کی طرف جنت کے درپچوں میں سے ایک درپچہ کھول دیا جاتا ہے، جس کے ذریعہ جنت کی خوشبوئیں، ٹھنڈی ہوائیں اس تک پہنچتی رہتی ہیں، گویا کہ یہ اشارہ ہوتا ہے اس کی کامیابی کی طرف، اور اگر منکر و نکیر کے سوالوں کا جواب صحیح نہ دے گا بلکہ گھبراہٹ کے عالم میں اس کی زبان سے: ”هَاءَ هَاءَ لَا اَدْرِی“ نکلا تو اس کی طرف جہنم کے درپچوں میں سے ایک درپچہ کھول دیا جاتا ہے، پوری سزا مقدمہ فیصل ہونے کے بعد ہوگی۔

فَائِدَةٌ: عالم برزخ میں منکر و نکیر کے سوالوں اور مردے کے جوابوں اور اس کے نتیجے سے دو باتیں معلوم ہوں گی۔
اَوَّل: یہ کہ برزخی زندگی سونے والے کی حالت کے مانند ہے، اس لئے کہ فرشتے انٹرویو میں کامیاب ہونے والے شخص سے کہیں گے: ”نَمَّ كَنُومَةَ الْعُرُوسِ“ تو دلہن کے مانند سو جا یعنی اب تجھ کو قیامت تک کوئی اٹھانے والا نہیں، اس حدیث میں برزخی زندگی کو نام کی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے اسی کی تائید روز قیامت اٹھائے جانے والے مجرم کے مقولہ: ”مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا“ سے ہوتی ہے۔

ثَانِي: دوسری بات یہ معلوم ہوتی کہ عالم برزخ کا مل مجازات کی جگہ نہیں ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں جنت کی یاد و زخ کی جانب سے درپچہ کھولنے کا ذکر ہے جس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عالم برزخ کا آخرت سے بہت خفیف اور معمولی تعلق ہے، اس لئے کہ عالم برزخ کوئی مستقل عالم نہیں ہے بلکہ دو عالم کے درمیان حد فاصل ہے، جس طرح کہ دھوپ اور چھاؤں دو مستقل چیزیں ہیں اور جہاں دھوپ اور چھاؤں کا التقاء ہوتا ہے، وہ جگہ دونوں کے درمیان حد فاصل ہوتی ہے دونوں کے اثرات وہاں ظاہر ہوتے ہیں، مگر چونکہ عالم برزخ عالم دنیا کا تتمہ اور ضمیمہ ہے، اس لئے یہ عالم، عالم دنیا سے قریب ہوتا ہے اور برزخ میں عالم آخرت کے اثرات بہت خفیف ظاہر ہوتے ہیں، اسی کو حدیث شریف میں کھڑکی کھولنے سے تعبیر کیا گیا ہے، واللہ اعلم بالصواب (رحمۃ اللہ الواسعۃ شرح حجتہ اللہ البالغہ جلد اول از حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)۔

ثَلَاث: بنیادی فکر حجتہ اللہ البالغہ سے ماخوذ ہے، الفاظ اور تعبیر مع اضافہ احقر کی طرف سے ہے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا : سابقہ آیات میں انسان کی ذات سے متعلق انعامات و احسانات ذکر کرنے کے بعد اس آیت میں جو انسان کی بقا اور اس کے آرام و راحت کے لئے ضروری ہے، یعنی تم کو پیدا کیا، جو کہ تمام نعمتوں کی اصل ہے، پھر تمہاری بقاء اور انتفاع کے لئے زمین میں ہر طرح کی چیزیں بکثرت پیدا فرمائیں، اس کے بعد متعدد آسمان بنائے، جن میں تمہارے لئے طرح طرح کے منافع ہیں۔

اس آیت میں زمین کی پیدائش پہلے اور آسمانوں کی پیدائش بعد میں ہونا، ثُمَّ، کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے اور یہی صحیح ہے اور سورۃ النازعات میں جو یہ ارشاد ہیں: ”وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحَاہَا“ یعنی زمین کو آسمان کے پیدا کرنے کے بعد بچھایا،

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کی پیدائش آسمانوں کے بعد ہوئی، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی درستی اور اس سے پیداوار نکالنے کے تفصیلی کام آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوئے اگرچہ اصل زمین کے مادہ کی تخلیق آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔

(بحر محبط)

آسمانوں کے سات ہونے پر کلام:

عام انسانوں کو تو آسمان ایک ہی نظر آتا ہے، قرآن کریم میں سات کا ذکر ہے جیسا کہ مذکورہ آیت میں سبع سموات صراحت کے ساتھ موجود ہے، اور فلاسفہ نو آسمان ثابت کرتے ہیں علماء اسلام کے قدیم فلاسفہ نے آسمانوں کو سات کہا اور باقی وہ عرش و کرسی سے ثابت کئے، سات آسمان بالکل حق ہیں اور طبقہ بطبقہ ہیں قرآن کوئی سائنس یا فلکیات کی کتاب نہیں کہ اس میں خواہ مخواہ سائنس کے جدید یا قدیم نظریات سے مطابقت کی کوشش کی جائے، قرآن کے نزول کا مقصد سائنسی علوم کی تعلیم نہیں بلکہ انسانیت اور خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے طریقوں کی تعلیم دینا ہے، سائنسی نظریات میں قرار نہیں ہے، جو چیز کل تک مسلم اور صد فی صد درست تسلیم کی جاتی تھی، وہ آج صد فی صد غلط اور غیر مسلم مانی جاتی ہے، ہزار ہا سال سے یہی طریقہ رہا ہے، بعد کا نظریہ ہر سابقہ مسلم نظریہ کی تردید کرتا ہے، لہذا اس کی کیا ضمانت ہے کہ موجودہ سائنسی نظریہ کی آئندہ تردید نہیں کی جائے گی، قرون ماضیہ میں جن مذہبی لوگوں نے آسمانی کتابوں کو اس دور کے سائنسی نظریات کو مسلم سمجھ کر ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی غالباً ان کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ اس دور کے سائنسی مسلمات سے آسمانی کتابوں کو ہم آہنگ کرنے سے آسمانی کتابوں کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوگا مگر جب تحقیق جدید نے ان سائنسی نظریات کو غلط ثابت کر دیا جس کی وجہ سے مذہب اور سائنس میں معرکہ برپا ہو گیا، ابتداء میں مذہبی طبقہ غالب رہا جس کے وجہ سے بڑے بڑے سائنس دانوں کو نظر آتش کر دیا گیا، لیکن جب سائنس جدید کو فروغ حاصل ہوا اور ان ہی نظریات کو مسلم سمجھا جانے لگا، تو مذہب کو سائنس جدید کے مقابلہ میں پس پا ہونا پڑا اور اس معرکہ آرائی میں مذہب کو شکست فاش ہوئی جس کی وجہ سے یورپ لا مذہب (دہریہ) ہو گیا۔

علیم وخبیر خالق کائنات کا علم قطعی اور بے ریب ہے اور مخلوق کا علم ظن و تخمین پر مبنی ہے جو ہر زمانہ میں بدلتا رہتا ہے اور آئندہ بھی یہی ہوتا رہے گا، قرآن سائنسی نظریات کے تابع نہیں ہے اگر سائنس کا کوئی نظریہ قرآن کے نظریہ کے مطابق ہو جائے، تو ہو جائے، مطابق کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ اس پر خوش ہونے کی ضرورت ہے۔

(تفسیر الجواہر، طنطاوی، حذف و اضافہ کے ساتھ)

وَ اذْکُرْ یَا مُحَمَّدُ اِذْ قَالَ رَبِّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یَّخْلُقْنِیْ فِی تَنْفِیْذِ احْکَامِیْ فِیْہَا وَ یُوَادُّہُمْ قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْہَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْہَا بِالْمَعَاصِیِ وَ یَسْفِکُ الدِّمَآءَ یُرِیْتُہَا بِالْقَتْلِ کَمَا فَعَلَ بَنُو الْجَانِ وَ کَانُوْا فِیْہَا فَلَمَّا افْسَدُوْا اَرْسَلَ اللّٰہُ اِلَیْہِمُ الْمَلٰئِکَۃَ فَطَرَدُوْہُمْ اِلٰی الْجَزَآئِرِ وَالْجَبَالِ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ مُتَلَبِّسِیْنَ بِحَمْدِکَ اٰی

تَقُولُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ وَنُقَدِّسُ لَكَ نُنَزِّلُكَ عَمَّا لَا يَلِيقُ بِكَ فَالْأَمُّ زَائِدَةٌ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ أَيْ فَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْإِسْتِخْلَافِ قَالَ تَعَالَى إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ بَيْنَ الْمَصْلُوحَةِ فِي اسْتِخْلَافِ آدَمَ وَإِنْ ذَرَيْتَهُ فِيهِمُ الْمُطِيعَ وَالْعَاصِيَ فَيُظْهِرُ الْعَدْلَ بَيْنَهُمْ فَقَالُوا لَنْ يَخْلُقَ رَبُّنَا خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا أَغْلَى لِسَنِّيْقِنَا لَهُ وَرُؤْيَتَنَا مَا لَهُ يَرَهُ فَخَلَقَ تَعَالَى آدَمَ بَيْنَ الْأَرْضِ أَيْ وَجْهِهَا بِأَنْ قَبَضَ بَيْنَهَا قُبْحَةً بَيْنَ جَمِيعِ الرِّوَابِهَا وَغُجْنَتْ بِالْمِيَاهِ الْمُخْتَلِفَةِ وَسَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ الرُّوحَ فَصَارَ حَيَوَانًا حَسَّاسًا بَعْدَ أَنْ كَانَ جَمَادًا وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ أَيْ الْأَسْمَاءَ الْمُسَمَّيَاتِ كُلَّهَا حَتَّى التَّضَعُّعَ وَالتَّضْيِيعَ وَالتَّضَيُّعَ وَالتَّضْيِيعَ وَالتَّضْيِيعَ وَالتَّضْيِيعَ بِأَنْ أَلْقَى فِي قَلْبِهِ عِلْمَهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ أَيْ الْمُسَمَّيَاتِ وَفِيهِ تَغْلِيْبُ الْعُقُلَاءِ عَلَى الْمَلِكَةِ فَقَالَ لَهُمْ تَبَكُّبْنَا أَنْبِؤُنِي أَخْبِرُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ الْمُسَمَّيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۰۲﴾ فَبَيَّ أَنِّي لَا أَخْلُقُ أَغْلَى مِنْكُمْ أَوْ أَنْتُمْ أَحَقُّ بِالْإِخْلَافَةِ وَجَوَابُ الشَّرْطِ دَلَّ عَلَيْهِ مَا قَبْلَهُ قَالُوا سُبْحَانَكَ تَنْزِيْمًا لَكَ عَنِ الْإِغْتِرَاضِ عَلَيْكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّا إِنْكَ أَنْتَ تَاكِدُ لِدَكَافِ الْعِلْمِ الْعَلِيمِ ﴿۱۰۳﴾ الَّذِي لَا يَخْرُجُ شَيْءٌ عَنْ عِلْمِهِ وَحِكْمَتِهِ قَالَ تَعَالَى يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ أَيْ الْمَلِكَةَ بِأَسْمَائِهِمْ أَيْ الْمُسَمَّيَاتِ فَسَمَّى كُلَّ شَيْءٍ بِاسْمِهِ وَذَكَرَ حِكْمَتَهُ الَّتِي خَلَقَ لَهَا فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ تَعَالَى لَهُمْ مُؤَبِّخًا أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مَا غَابَ فِيهِمَا وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ تُظْهِرُونَ بَيْنَ قَوْلِكُمْ أَنْتُمْ جَعَلُ فِيهَا الْخَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۱۰۴﴾ تُبَسِّرُونَ بَيْنَ قَوْلِكُمْ لَنْ يَخْفَى رَبُّنَا خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا أَغْلَى.

ترجمہ: اے محمد ﷺ! اس وقت کو یاد کرو، جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا تھا کہ میں زمین میں ایک نائب بناؤں گا، جو زمین میں میرے احکام نافذ کرنے میں میری نیابت کرے گا اور وہ آدم علیہ السلام ہے، تو فرشتوں نے عرض کیا، کیا آپ زمین میں ایسے شخص کو مقرر فرمائیں گے جو زمین میں معاصی کے ذریعہ خون خرابہ کرے گا؟ یعنی قتل کے ذریعہ خون ریزی کرے گا، جیسا کہ جنات نے کیا اور وہ زمین میں پہلے سے (مقیم) تھے، چنانچہ جب انہوں نے فساد برپا کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف فرشتوں کو بھیجا تو فرشتوں نے ان کو جزیروں اور پہاڑوں کی طرف دھکیل دیا، اور ہم آپ کی حمد و ثنا تو کر رہے ہیں، یعنی سبحان اللہ، الحمد للہ کہہ رہے ہیں اور ان چیزوں سے جو تیری شایان شان نہیں ہیں تیری پاکی بیان کر رہے ہیں (لَکَ) میں لام زائد ہے اور جملہ حال ہے اور خلافت کے ہم زیادہ مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آدم علیہ السلام کے نائب بنانے میں جو مصلحت ہے، میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، (اور وہ یہ) کہ اس کی اولاد میں فرمانبردار بھی ہوں گے اور نافرمان بھی، تو ان میں عدل کا ظہور ہوگا، تو فرشتوں نے عرض کیا ہمارا رب ہرگز کوئی ایسی مخلوق پیدا نہ کرے گا، جو اس کے نزدیک ہم سے افضل ہو اور نہ ایسی کہ جو ہم سے اعلم (زیادہ جاننے والی) ہو، اس وجہ سے کہ ہم کو حق سبقت حاصل ہے اور اس وجہ سے کہ جو ہم نے دیکھا ہے وہ کسی نے نہیں دیکھا، چنانچہ حق تعالیٰ شانہ نے آدم علیہ السلام کو زمین کی مٹی سے پیدا فرمایا، یعنی سطح زمین (کی مٹی)

سے اس طریقہ سے کہ زمین سے ہر رنگ کی ایک مٹھی مٹی لی اور اس کو مختلف پانیوں سے گوندھا اور اس میں روح پھونک دی تو وہ ایک حساس (حیوان) بن گیا، بعد اس کے کہ وہ جماد (بے جان) تھا، اور آدم عَلَيْهِ السَّلَام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، حتیٰ کہ پیالہ، پیالی، اور پاد اور چھسکی اور ڈوئی بایں طور کہ آدم کے قلب پر ان کا علم القا فرمایا، پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے روبرو پیش فرمایا، ہم جمع مذکر کی ضمیر لانے کی وجہ، ذوی العقول کو غلبہ دینا ہے اور فرمایا کہ تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ، اگر تم اس (مشورہ) میں سچے ہو کہ میں تم سے زیادہ جاننے والے کو پیدا نہ کرونگا، یا تم اس دعوے پر حق ہو کہ نیابت کے تم زیادہ حق دار ہو (تو تم مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ) اور جواب شرط پر اس کا ماقبل دلالت کر رہا ہے، فرشتوں نے عرض کیا آپ تو پاک ہیں، (یعنی) آپ تو اعتراض (نقص) سے پاک ہیں ہمیں کچھ علم نہیں، مگر اتنا ہی جتنا آپ نے ہمیں سکھلایا، بے شک آپ ہی (انت ضمیر) کاف خطاب کی تاکید کے لئے ہے، علم و حکمت والے ہیں کہ آپ کے علم و حکمت سے کوئی شیء خارج نہیں، حق تعالیٰ نے فرمایا اے آدم اتو بتادے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام، چنانچہ آدم عَلَيْهِ السَّلَام نے ان کو ہر چیز کا نام بتا دیا اور ان کی حکمت اور خواص بیان کر دیئے، جس کے لئے وہ چیزیں پیدا کی گئی تھیں جب آدم عَلَيْهِ السَّلَام نے ان کو چیزوں کے نام بتا دیئے، تو حق تعالیٰ نے توبیخ فرمایا کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمان اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جو ان میں فرشتوں سے مخفی ہیں اور اس کو بھی جانتا ہوں جو تم اپنے قول اَتَجْعَلُ فِيْهَا مِنْ يُّفْسِدُ الْخَلْقَ سے ظاہر کرتے ہو، اور جو بات تم چھپاتے ہو، یعنی اپنے قول: "لَنْ يَخْلُقَ رَبُّنَا خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا اَعْلَمَ" کو۔

تحقیق و ترکیب تسبیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ، واو، استینافیہ ہے، اِذْ، اذْکُرْ، فعل محذوف کا مفعول بہ ہے، قرآن میں مذکور قصوں کے شروع میں یہی ترکیب اغلب ہے، زنجشوری اور ابن عطیہ کا یہی قول مختار ہے اور ابو حیان نے کہا ہے کہ: اِذْ قَالُوا اَتَجْعَلُ، کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلًا: لِلْمَلٰٓئِكَةِ: یہ مَلٰٓئِكَةُ کی جمع ہے، یہ اصل مَالِكُ بروزن مَفْعَلٌ تھا، ہمزہ کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا، مَلٰٓئِكَةُ یہ الوکۃ سے مشتق ہے، الوکۃ کے معنی ہیں پیغام بری، رسالت، فرشتے بھی خدا کا پیغام مخلوق تک پہنچانے کا کام کرتے ہیں اور خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں اس لئے ان کو ملائکہ کہتے ہیں۔

قَوْلًا: مُتَلَبِّسِيْنَ، اس میں اشارہ ہے کہ: بِحَمْدِكَ، تسبیح کی ضمیر سے حال اور باء، ملا بست کے لئے ہے۔

قَوْلًا: نَقْدِسُ لَكَ، میں لام زائدہ برائے تاکید ہے، اس لئے کہ تقدس متعدی بنفسہ ہے۔

قَوْلًا: وَالْجَمْلَةُ حَالٌ لِّعَنِ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ، اَتَجْعَلُ کی ضمیر سے حال ہے اور تقدس کا عطف نُسَبِّحُ پر ہے معطوف معطوف علیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر، نحن، مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلًا: والجمله حال، کو ایک اعتراض کا جواب بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

سُؤَال: وَنُسَبِّحُ، کا اَتَجَعَلُ پر عطف درست نہیں ہے، اس لئے کہ: اَتَجَعَلُ جملہ انشائیہ ہے اور نُسَبِّحُ جملہ فعلیہ۔

جَوَاب: وَنُسَبِّحُ کا عطف اَتَجَعَلُ پر نہیں ہے، بلکہ واوِ حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ لہذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلًا: نُنَزِّلُكَ عَمَّا لَا يَلِيْقُ بِكَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: نُسَبِّحُ اور نُقَدِّسُ، دونوں ہم معنی ہیں لہذا یہ تکرار بے فائدہ ہے۔

جَوَاب: دونوں کے معنی مختلف ہیں تسبیح کے معنی ہیں زبان سے تسبیح بیان کرنا اور تَقْدِیْس کے معنی ہیں پاکی کا دل سے اعتقاد رکھنا۔

قَوْلًا: وجواب الشرط ذلَّ علیہ ما قبلہ، یعنی اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ کا جواب شرط محذوف ہے اور دال علی الخذف،

ما قبل یعنی اَنْبِؤْنِی ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی، اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ اَنْبِؤْنِی، اور سیبویہ کے نزدیک چونکہ جواب شرط کی تقدیم جائز ہے لہذا جواب شرط محذوف ماننے کی ضرورت نہ ہوگی، بلکہ ما قبل میں مذکور، اَنْبِؤْنِی، ہی جواب شرط ہوگا۔

تَفْسِیْر و تَشْرِیْح

رَبط آیات:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ (الآیة) اِذْ طَرَفَ زَمَانٍ بے کسی گزشتہ واقعہ کی یاد دلانے کے موقع پر استعمال ہوتا ہے جس طرح کہ اِذَا کُنتُمْ واقعہ مستقبل پر دلالت کرنے کے لئے آتا ہے۔ (ابو سعود)

فرشتے اللہ کی نوری مخلوق ہیں جن کا مسکن آسمان ہے جو اوامر الہی کے بجالانے اور اس کی تقدیس و تحمید میں مصروف رہتے ہیں اور اس کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کرتے اپنا وجود خارجی رکھتے ہیں محض صفات الہی یا قوائے طبعی کے مرادف نہیں ہیں عادی انسان کے لئے غیر مرئی رہتے ہیں حسب ضرورت مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں، گزشتہ رکوع میں رب کی بندگی کی دعوت اس بنیاد پر دی گئی تھی کہ وہ تمہارا خالق و پروردگار ہے اسی کے قبضہ قدرت میں تمہاری زندگی اور موت ہے اور جس کائنات میں تم رہتے ہو اس کا مالک اور مدبر بھی وہی ہے، لہذا اس کی بندگی کے سوا تمہارے لئے کوئی دوسرا طریقہ صحیح نہیں ہو سکتا۔

اب اس رکوع میں وہی دعوت اس بنیاد پر دی جا رہی ہے، کہ اس دنیا میں تم کو خدا نے اپنا خلیفہ بنایا ہے خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تمہارا فرض صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ صرف اس کی بندگی کرو، بلکہ یہ بھی ہے کہ اس کی بھیجی ہوئی ہدایت کے مطابق کام کرو، اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اپنے اذلی دشمن کے اشارہ پر چلے تو بدترین بغاوت کے مجرم ہو گے، اور بدترین انجام دیکھو گے۔

تاریخ آفرینش آدم عَلَیْهِ السَّلَام اور اس کا منصب:

اس سلسلے میں انسان کی حقیقت اور کائنات میں اس کی حیثیت ٹھیک ٹھیک بیان کر دی گئی ہے اور نوع انسانی کی تاریخ کا وہ باب پیش کیا گیا ہے، جس کے معلوم ہونے کا دوسرا کوئی ذریعہ انسان کو میسر نہیں ہے اس باب سے ہم کو جو معلومات حاصل ہوتی ہیں، یا جو ہم کو نتائج حاصل ہوتے ہیں، وہ ان نتائج سے بہت زیادہ قیمتی ہیں جو زمین کی تہوں سے متفرق ہڈیاں نکال کر اور انہیں قیاس و تخمین سے ربط دے کر نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حتیٰ کہ نسل انسانی کا جد اعلیٰ بندر کو قرار دے کر انسان کی توہین و تذلیل سے بھی نہیں چوکتے۔

خلیفہ:

خلیفہ کہتے ہیں اس کو جو کسی کی نیابت کرے خواہ اس لئے کہ وہ موجود نہیں یا اس لئے کہ وہ فوت ہو چکا ہے یا اس لئے کہ وہ معذور ہے اور خواہ اس لئے کہ اس سے مختلف کی تعظیم ظاہر ہو۔

”الْخِلَافَةُ، النِّيَابَةُ مِنَ الْغَيْرِ أَمَّا بِلِغِيَّةِ الْمَنْوُوبِ عَنْهُ وَأَمَّا لِعِزِّهِ وَأَمَّا لِتَشْرِيفِ الْمُسْتَخْلَفِ“۔ (راغب، تفسیر ماجدی)

واضح رہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی انسان کو اس بلند مرتبہ یعنی خلافت و نیابت الہی پر نہیں رکھا ہے جاہلی مذاہب کا تو ذکر ہی کیا؟ خود یہودیت اور اس کا مسخ شدہ ضمیمہ مسیحیت بھی اس باب میں اسلام سے کہیں پیچھے ہے، بائبل میں اس موقع پر صرف اس قدر ذکر ہے۔

بائبل میں تخلیق آدم کا ذکر:

”خداوند نے زمین پر پانی برسایا تھا، اور آدم نہ تھا کہ زمین کی کھیتی کرے اور زمین سے بخارا اٹھتا تھا، اور تمام روئے زمین کو سیراب کرتا تھا اور خداوند خدا نے زمین کی خاک سے آدم کو بنایا اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دم پھونکا سو آدم جیتی جان ہوا۔“

(پیدائش، ۲، ۵، ۷، ماجدی)

گویا جس طرح دیگر حیوانات پیدا ہو رہے تھے، ایک جاندار، آدم بھی پیدا ہو گیا، اس کا کام زیادہ سے زیادہ یہ تھا کہ زمین پر کھیتی کرے، کہاں یہ اتنا طویل لیکن بے مغز، انسان کو کاشتکاری تک محدود رکھنے والا بیان اور کہاں قرآن مجید کا باوجود نہایت اختصار کے انسان کے مرتبہ خلافت الہی پر پہنچا دینے والا بلند اور جامع اعلان۔

قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا (الآية) فرشتوں کا یہ قول بطور اعتراض یا گستاخی کے نہ تھا جیسا کہ بعض حضرات کا

خیال ہے، فرشتے تو گستاخی کر ہی نہیں سکتے، باغی فرشتوں کا تخیل تمام تر مسیحی ہے اور غیب نہیں کہ مسیحیوں کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے یہ خیال مسلمان علماء میں داخل ہو گیا ہو، فرشتوں کا یہ قول تمام تر وفور نیاز مندی، اقرار و فاداری اور جوش جاں نثاری کا نتیجہ تھا جیسا کہ بعض محققین نے لکھا ہے۔

”وقول الملائكة هذا ليس على وجه الاعتراض على الله ولا على وجه الحسد لبني آدم كما قد يتوهمه بعض المفسرين“۔ (ابن کثیر)

اس موقع پر بہترین تقریر حضرت تھانوی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی ہے آپ فرماتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ ہم تو سب کے سب آپ کے فرمانبردار ہیں اور ان میں کوئی کوئی مفسد و سفاک بھی ہوگا، سوا اگر یہ کام ہمارے سپرد کیا جائے، تو ہم سب لگ لپٹ کر اس کو انجام دیں گے اور وہ لوگ سب اس کام کے نہ ہوں گے البتہ جو مطیع ہوں گے وہ تو جان و دل سے اس میں لگ جائیں گے، مگر جو مفسد اور ظالم ہوں گے ان سے کیا امید کہ وہ اس کام کو انجام دیں گے، خلاصہ یہ ہے کہ جب کام کرنے والوں کا ایک گروہ موجود ہے، تو ایک نئی مخلوق کو جن میں کوئی کام کا ہوگا کوئی نہ ہوگا، اس خدمت کے لئے تجویز فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ بطور اعتراض کے نہیں کہا نہ اپنا استحقاق جتلا یا بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی حاکم نیا کام تجویز کر کے اس کے لئے ایک مستقل عملہ بڑھانا چاہے اور اپنے قدیم عملے سے اس کا اظہار کرے وہ لوگ اپنی جاں نثاری کی وجہ سے عرض کریں کہ حضور جو لوگ اس کام کے لئے تجویز ہوئے ہیں ہم کو کسی طرح معلوم ہوا ہے کہ بعض بعض تو اس کو بخوبی انجام دیں گے اور بعض بالکل ہی کام بگاڑ دیں گے، جن سے حضور کا مزاج ناخوش ہوگا، آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں، ہر وقت حضور پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں کیسا ہی کام کیوں نہ ہو حضور کے اقبال سے اس کو انجام دے نکلتے ہیں، کبھی کسی خدمت میں ہم غلاموں نے عذر نہیں کیا اور اگر وہ نئی خدمت بھی ہم کو عنایت ہوگی تو ہم کو کوئی عذر و انکار نہ ہوگا، فرشتوں کی عرض معروض بھی اسی طرح نیاز مندی کے واسطے تھی۔ (تفسیر ماحدی ملخصاً)

فرشتوں کی یہ ساری عرض و معروض ان کی کسی غیب دانی کی بنا پر نہیں بلکہ نیابت الہی و خلافت ربانی کا نام سن کر خود ہی انہوں نے اندازہ لگالیا تھا تو انے بشری کی ترکیب کا بھی اور زمینی مخلوق کی ضرورتوں اور طبعی تقاضوں کا بھی، اور اس سے یہ نتیجہ خود بخود ان کے سامنے آ گیا تھا کہ زمین پر فساد بھی ہوگا اور انسانوں میں سے باغی و نافرمان بھی پیدا ہوں گے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسانی آبادی سے قبل روئے زمین پر جنات آباد تھے، ان کی سرشت و فطرت پر قیاس کر کے فرشتے انسانوں کے حق میں بھی یہی سمجھے، مفسر علام سیوطی نے اپنے قول ”یُرِيقُهَا بِالْقَتْلِ كَمَا فَعَلَ بَنُو الْجَان“ سے اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے اور معالم میں ہے: ”كَمَا فَعَلَ بَنُو الْجَان فَقَاسُوا الشَّاهِدَ عَلَى الْغَائِبِ“۔ (معالم)

وَأَنَّهُمْ قَاسُوا هُمْ عَلَى مَنْ سَبَقَ (ابن کثیر) اور ہو سکتا ہے کہ فرشتوں نے روح پھونکے جانے سے پہلے ملکوتی نظر سے آدم کے جسد خاکی کو دیکھا ہو جو عناصر اربعہ متضادہ سے مرکب تھا اور اسی سے اندازہ کر لیا ہو کہ نئی مخلوق بھی زمین میں شر و فساد بر

پا کرے گی، اور اس کو غیب نہیں کہتے یہ ایک شئی کا دوسری شئی پر قیاس اور نتیجہ کا اخذ ہے۔ (روح المعانی، ملخصاً)

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ، دنیا میں دیوتا پرستی کی بیماری فرشتوں ہی کے فرائض کی غلط تشخیص سے پیدا ہوئی ہے، آگ کے فرشتوں کو جاہلی قوموں نے اگنی دیوتا بارش کے فرشتوں کو اندر دیوتا اور رزق رساں فرشتوں کو آن دیوتا علیٰ ہذا القیاس قرار دیدیا، قرآن نے نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ الخ فرشتوں کی زبانی کہلوا کر ان کی عبدیت محض پر انہیں کی زبان سے مہر لگا دی، فرشتے یہاں صاف صاف عرض کر رہے ہیں کہ ہم خدام تو اپنی سرشت کے لحاظ سے بجز حضور والا کی تحمید و تقدیس کے اور کچھ کر ہی نہیں سکتے۔

فرشتہ اور دیوتا میں فرق:

دونوں کے تصور میں بنیادی فرق یہ ہے کہ فرشتہ مکمل مخلوق اور عبد ہوتا ہے اللہ کے حکم سے موجودات کے کسی خاص شعبہ پر مامور ہوتا ہے، اس سے کسی غلط، لغزش یا خیانت کا احتمال نہیں ہوتا، اس کے برعکس دیوتا خود ایک مستقل بالذات و خود مختار وجود ہوتا ہے اور عبد نہیں بلکہ معبود ہوتا ہے۔ (ماجدی، ملخصاً)

قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ: فرشتوں کو جب یہ خلجان ہوا کہ ایسی مخلوق جس میں مفسد اور خون ریز تک ہوں گے، ہم ایسے مطیع اور فرمانبردار کے ہوتے ہوئے ان کو خلیفہ بنانا اس کی وجہ کیا ہوگی، تو بطور استفادہ یہ سوال کیا، اعتراض ہرگز نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کو اجمالی جواب:

فرشتوں کو سر دست بالا جمال یہ جواب دیا گیا کہ ہم خوب جانتے ہیں اس کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں تم کو ابھی تک وہ حکمتیں معلوم نہیں ورنہ اس کی خلافت اور افضلیت پر شبہ نہ کرتے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا، یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت و خاصیت اور نفع و نقصان کے تعلیم فرمایا اور یہ علم بلا واسطہ القاء فرمایا، اس لئے کہ کمال علمی کے بغیر خلافت اور دنیا پر حکومت ممکن نہیں ہے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا، اَسْمَاء سے مراد اشخاص و مسمیات کے نام اور ان کے خواص و فوائد کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ نے القاء و البام کے ذریعہ حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تھا، اسم کے ساتھ اگر مسمی کا علم نہ ہو تو اسم محض ایک آواز رہے گی، ذہن میں اس کا کوئی مفہوم ظاہر نہ ہوگا، علامہ راغب نے اسی مفہوم کو اس طرح بیان فرمایا ہیں: "إِنَّ مَعْرِفَةَ الْأَسْمَاءِ لَا تَحْصِلُ إِلَّا بِمَعْرِفَةِ الْمَسْمُومِ وَ حُصُولِ صَوْرَتِهِ فِي الضَّمِيرِ" کہ اسم کی معرفت بغیر مسمی کی معرفت کے اور ذہن میں اس تصویر کے ہو نہیں سکتی، پھر جب آدم علیہ السلام سے کہا گیا کہ ان کے نام بتاؤ تو انہوں نے فوراً سب کچھ بیان کر دیا، جو فرشتے بیان نہ کر سکے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک تو فرشتوں پر حکمت تخلیق آدم واضح کر دی، دوسرے دنیا کا نظام چلانے کے لئے علم کی اہمیت

وفضیلت بیان فرمادی، جب یہ حکمت اور اہمیت علم فرشتوں پر واضح ہوگئی، تو انہوں نے اپنے قصور علم و فہم کا اعتراف کر لیا۔

وَ اذْکُرْ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سُجُوْدَ تَحِیَّۃٍ بِالْاِنْحِنَاءِ فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِیْسَ ۚ بُوْۤاۤءُ الْجِنِّ کَانَ بَیْنَ الْمَلٰٓئِکَةِ اِلٰی اِنْتَنَحَ بَیْنَ السُّجُوْدِ وَاسْتَکْبَرَتْ تَکْبَرُ عَنْهُ وَقَالَ اَنَا خَیْرٌ مِنْہٗ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ ۝۲۱ یٰۤیٰۤی عَلَیْہِ السَّلَامُ تَعَالٰی وَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّةَ وَکُلَا مِنْہَا اَکْثًا رَّغَدًا وَاسْعَا لَا حَزْرَ فِیْہِ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ بِاِلَّا کُلَّ بِسْمِہَا وَبِی الْجَنَّةِ اَو الْکَرَمِ اَوْ غَیْرِہِمَا فَتَکُوْنَا فَتَحِیْرًا مِنَ الظَّالِمِیْنَ ۝۲۲ الْعٰصِیْنَ فَازْلَہُمَا الشَّیْطٰنُ اِبْلِیْسُ اَذْبَنَہُمَا وَفِی قِرَآءَۃٍ فَازَالِہُمَا نَحَابَہُمَا عَنْہَا اِی الْجَنَّةِ بِاَنْ قَالَ لَہُمَا بَلْ اَدْکُمَا عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَقَاسَمَہُمَا بِاللّٰہِ اِنَّہٗ لَہُمَا لَمِنْ النَّصِیْحِیْنَ فَاَکَلَا مِنْہَا فَاَخْرَجَہُمَا مِمَّا کَانَا فِیْہِ مِنَ النِّعَمِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا اِلَی الْاَرْضِ اِی اَنْتُمَا بِمَا اَشْتَمَلْتُمَا عَلَیْہِ بَیْنَ ذَرِیَّتَکُمَا بَعْضُکُمْ بَعْضَ الذَّرِیَّةِ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۝۲۳ بَیْنَ ظُلْمٍ بَعْضُہُمْ بَعْضًا وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ مَوْضِعٌ قَرَارٍ وَمَتَاعٌ مَّا تَمْتَعُوْنَ بِہٖ مِنْ نِّبَاتِہَا اِلَی حَیْنٍ ۝۲۴ وَقَبْتَ اِنْتِضَاءِ اَحْبَالِکُمْ فَتَلَقٰۤی اٰدَمَ مِنْ رَّبِّہٖ کَلِمَتٍ اَلِہِمَّہٗ اٰیٰتِہَا وَفِی قِرَآءَۃٍ بِنَضْبِ اٰدَمَ وَرَفَعَ کَلِمَاتٍ اِی جَاءَہُ وَبِی رَبِّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الْاٰیۃَ فَدَعَا بِہَا فَتَابَ عَلَیْہِ قَبْلَ تَوْبَتِہٖ اِنَّہٗ هُوَ التَّوَّابُ عَلٰی عِبَادَہِ الرَّحِیْمِ ۝۲۵ بِہِمَّ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْہَا بِیْنَ الْجَنَّةِ جَمِیْعًا کَرَّرَ لِیُعْطَفَ عَلَیْہِ فَاَمَّا فِیہِ اِذْ غَامُ نُونٍ اِنْ الشَّرْطِیَّةِ فِی مَا الْمَزِیْدَۃُ یَاۤتِیْکُمْ مِّنْیْ ہُدٰی کِتَابٌ وَرِسُوْلٌ فَمَنْ تَبِعَ ہُدٰی فَاَمِنَ بِیْ وَعَمِلَ بِطَاعَتِیْ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝۲۶ فِی الْاٰخِرَةِ بِاَنْ یَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا کُتِبْنَا اَوَّلِکَ اصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ ۝۲۷ مَّا کُتُوْنَ اَبَدًا لَا یَفْنُوْنَ وَلَا یَخْرُجُوْنَ۔

تَجَمُّہُ

تَجَمُّہُ: اور یاد کرو، جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے تعظیم کے طور پر جھک جاؤ سب جھک گئے، مگر ابلیس نہ جھکا وہ جنوں کا جدا علی ہے، یعنی سجدہ کرنے سے باز رہا، وہ فرشتوں کے درمیان رہا کرتا تھا، اور سجدہ کرنے سے تکبر کیا اور کہا میں اس سے افضل ہوں اور وہ اللہ کے علم میں منکرین میں سے تھا اور ہم نے کہہ دیا کہ اے آدم تم (انت) ضمیر مستتر کی تاکید کے لئے ہے، تاکہ اس پر عطف کیا جاسکے اور تمہاری بیوی، حواء، مد کے ساتھ اور اس کی تخلیق آدم علیہ السلام کی بانیں پسلی سے تھیں، جنت میں رہو، اور تم دونوں جو چاہو جہاں سے چاہو با فراغت کھاؤ، یہاں کوئی پابندی نہیں، لیکن کھانے کے ارادہ سے تم دونوں اس درخت کے نزدیک (بھی) مت جانا، وہ گندم کا درخت تھا، یا انگورو وغیرہ کا، ورنہ تو نا فرمانوں میں شمار ہو گے، لیکن شیطان ابلیس نے اس درخت کی وجہ سے دونوں کو لغزش دیدی اور ایک قراءت میں فَازَ الْہُمَا ہے یعنی ان دونوں کو جنت سے برطرف کرادیا، اس طریقہ سے کہ ابلیس نے ان دونوں سے کہا کیا میں تم کو (شجرۃ الخلد) یعنی بیشکی کا درخت

بتادوں؟ اور اللہ کی قسم کھا کر ان سے کہا کہ وہ ان دونوں کا خیر خواہ ہے چنانچہ دونوں نے اس درخت سے کچھ کھا لیا، سو نکال دیا دونوں کو اس عیش سے جس میں وہ تھے اور ہم نے ان سے کہہ دیا تم نیچے زمین پر اتر جاؤ یعنی تم دونوں مع اس ذریت کے جو تمہارے اندر موجود ہے، تمہاری ذریت بعض بعض کی دشمن ہوگی، بعض کے بعض پر ظلم کرنے کی وجہ سے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانہ ہے اور اس کی پیداوار سے ایک وقت تک نفع اٹھانا ہے یعنی تمہاری مدت عمر ختم ہونے تک آدم ﷺ نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ لئے، جو اس نے آدم ﷺ کو الہام فرمائے اور ایک قراءت میں اَدَمَ کے نصب اور کلمات کے رفع کے ساتھ ہے یعنی وہ کلمات آدم کو حاصل ہوئے اور وہ کلمات: ”رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا“ (الآیۃ) ہیں چنانچہ حضرت آدم ﷺ نے ان کلمات کے ذریعہ دعاء فرمائی اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی بے شک وہ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول کرنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہے اور ہم نے ان سے کہا تم جنت سے چلے جاؤ، اس جملہ کو مکرر ذکر فرمایا تا کہ اس پر عطف کیا جاسکے، جب بھی تمہارے پاس میری ہدایت کتاب اور رسول پہنچے، اِصْأ، میں ان شرطیہ کے نوں کا، ما زائدہ میں ادغام ہے، تو جس نے میری ہدایت کی تابعداری کی کہ مجھ پر ایمان لایا اور میری طاعت پر عمل کیا، تو ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ آخرت میں رنجیدہ ہوں گے اس لئے کہ وہ جنت میں ہوں گے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں، کتابوں کی تکذیب کی وہ جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے نہ فنا ہوں گے اور نہ (اس سے) نکلیں گے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُنَا: اُذْکَر، مفسر علام نے حسبِ عادت، اُذْکَر، فعل مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ، اِذْ قُلْنَا الْخ، فعل محذوف کا ظرف ہے۔

قَوْلُنَا: بِالْاِنْحِنَاءِ، سجدہ کی تفسیر انحناء سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں سجدہ کے لغوی معنی مراد ہیں، اور وہ جھکنا ہے قال ابو عمرو و سجد اذا طأ طأ راسه، جیسا کہ حضرت یوسف ﷺ کے واقعہ میں سجدہ سے لغوی معنی مراد ہیں، جھک کر تعظیم کرنا ام سابقہ میں جائز تھا اس امت میں جائز نہیں ہے، اور اگر سجدہ کے معنی وضع الجبهة على الارض مراد ہوں تو لا اَدَمَ، میں لام بمعنی الی ہوگا یعنی سجدہ تو اللہ ہی کو مراد ہے، مگر رخ آدم ﷺ کی طرف کر کے جیسا کہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے اللہ کو سجدہ کیا جاتا ہے، مگر یہ قول ضعیف ہے۔

قَوْلُنَا: تَحِيَّةً، یہ حَيَّيْ يَحْيٰ (س) کا مصدر ہے، اس کے معنی ہیں حَيَّاكَ اللہ کہنا، سلام کرنا۔

قَوْلُنَا: اِبْلِيسَ، اس کے مشتق اور غیر مشتق ہونے میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ یہ عجمی لفظ ہے اور عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور اگر ابلیس بمعنی مایوسی سے مشتق ہوتا تو منصرف ہوتا۔

قَوْلُنَا: هُوَ ابُو الْجَنِّ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے، کہ اِلَّا ابلیس مستثنیٰ منقطع ہے یعنی

ابلیس فرشتوں کی جنس سے نہیں تھا، بلکہ صرف ان کے درمیان بود و باش رکھتا تھا، تغلیبا فرشتوں میں شامل کر لیا گیا، مفسر علام نے ”وَكَانَ بَيْنَ الْمَلَائِكَةِ“ سے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلًا: تَكْبَرٌ، استکبر کی تفسیر تَكْبَرٌ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ سین زائدہ مبالغہ کے لئے ہے۔

قَوْلًا: وَاسْتَكْبَرَ كَاعْطَفَ ابْنِي، عطفِ علت علی المعلول کے قبیل سے ہے یعنی استکبر علت ہے اور ابْنِ معلول۔

سُؤَال: علت معلول پر مقدم ہوا کرتی ہے نہ عکس۔

جَوَاب: معلول چونکہ ظاہر اور محسوس ہے اور علت یعنی تکبر، معنوی اور غیر محسوس شئی ہے، اس لئے محسوس کو غیر محسوس پر مقدم کر دیا۔

سُؤَال: كَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ، سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ: ابلیس پہلے ہی کافر تھا، تو پھر وہ جنت میں کس طرح داخل ہوا؟ اس کے دو جواب ہیں۔ اول جواب یہ کہ اس وقت کافر نہیں تھا۔ مگر اللہ کے علم ازلی کے اعتبار سے کافر تھا، دوسرا جواب كَانَ بِمَعْنَى صَارَ ہے، یعنی کافر ہو گیا۔

قَوْلًا: بِالْاَكْلِ، مفسر علام نے اس کلمہ کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ لَا تَقْرَبَا میں قرب مکانی سے نہی مقصود نہیں ہے بلکہ نہ کھانے کی تاکید میں مبالغہ مقصود ہے، جیسے: اللہ تعالیٰ کا قول: ”وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا“ الخ میں۔

قَوْلًا: اَذْهَبَهُمَا وَاَزَالَهُمَا، ان دونوں کلموں کے اضافہ کا مقصد اَزَالَهُمَا کے دو معنی کا بیان ہے، ایک معنی لغزش دینا اور دوسرے معنی نکلوا دینا، برطرف کر دینا۔

قَوْلًا: كَرَّرَهُ لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال کی تمہید، قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا، کو مکرر کر دیا گیا ہے اس تکرار میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اول اِهْبَاطِ اس بات پر دلالت کرنے کیلئے ہے کہ یہ بیہودہ دارِ اِخْن (دنیا) کی طرف ہے، جس میں معیشت کے لئے تگ و دو و کد و کاوش کرنی ہوگی، اور آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے اور یہ بیہودہ ایک محدود وقت تک کے لئے ہوگا اور دوسرے بیہودہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس عارضی قیام کے دوران وہ تکالیف شرعیہ کے بھی مکلف ہوں گے اس سے معلوم ہوا کہ دو مرتبہ بیہودہ کہنے کا مقصد الگ الگ ہے۔

سُؤَال: دونوں مقصدوں کو ایک ہی بیہودہ سے متعلق کیوں نہیں کیا؟

جَوَاب: ایسا کر سکتے تھے، مگر درمیان میں ”فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ“ جملہ معترضہ آ گیا، اس لئے بیہودہ کو مکرر لائے تاکہ ثانی مقصد ثانی کے ساتھ اور اول مقصد اول کے ساتھ متصل ہو جائے، اس مقصد کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مفسر علام نے ”لِيُعْطَفَ عَلَيْهِ“ کا اضافہ فرمایا یہاں عطف سے مراد اصطلاحی عطف نہیں ہے بلکہ اتصال مراد ہے۔

قَوْلًا: فَإِنَّمَا، فَأَمَّا، تَرْتِيبَ مَابَعْدَ عَلٰی مَاقْبَلِ كَ لَئِیْ، فَإِنَّمَا یَأْتِیَنَّكُمْ، إِنَّمَا اَصْلُ مِیْنِ اِنْ مَا تَحَا، اِنْ شَرْطِیْہِ اَوْرِ مَا زَانِدَہِ، فَمَنْ تَبِعَ هُدَاٰی فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ، جملہ شَرْطِیْہِ جَزَائِیْہِ ہو کر اِنْ شَرْطِیْہِ کا جَوَابِ وَاقِعَ ہِے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

رَبطِ آیات:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ، گزشتہ آیات میں علمی حیثیت سے آدم ﷺ کی فضیلت فرشتوں اور جنوں پر ثابت ہو چکی، اب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ عملی طور پر بھی آدم ﷺ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے فرشتوں اور جنوں سے آدم ﷺ کی خاص قسم کی تعظیم کرائی جائے، جس سے یہ ثابت ہو کہ آدم دونوں حیثیت سے کامل و مکمل ہے، اس کے لئے جو عمل تعظیمی تجویز کیا گیا اس کی حکایت کرتے ہوئے فرمایا: "إِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ" یعنی ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم ﷺ کے سامنے سر تسلیم خم کرو، سر تسلیم خم کرنے کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے، سب فرشتوں نے حضرت آدم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، مگر ابلیس نے انکار کر دیا اس کا یہ انکار کسی غلط فہمی یا اشتباہ کی بناء پر نہیں تھا، بلکہ خالص غرور و نخوت اور پندار و تفوق کی بنا پر تھا۔

کیا سجدہ کا حکم جنات کو بھی تھا؟ آیت میں اگرچہ فرشتوں کو حکم کی صراحت ہے مگر آگے استثناء سے معلوم ہوتا ہے کہ حکم جنات کو بھی تھا، فرشتوں کے ذکر پر اس لئے اکتفاء کیا گیا ہے کہ فرشتے سب سے افضل و اشرف تھے، جب افضل کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو مفضول اس میں بطریق اولیٰ شامل ہوں گے۔

سجدہ تعظیمی پہلی امتوں میں:

امام جصاص رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے احکام القرآن میں تحریر فرمایا ہے کہ انبیاء، سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تحیہ کے لئے سجدہ مباح تھا، شریعت محمدیہ ﷺ میں منسوخ ہو گیا اور بڑوں کی تعظیم کے لئے صرف سلام، مصافحہ کی اجازت دی گئی۔

توضیح:

توضیح اس کی یہ ہے کہ اصل کفر و شرک اور غیر اللہ کی عبادت تو اصول ایمان کے خلاف ہے وہ کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں ہو سکتی، لیکن کچھ اعمال و افعال ایسے ہیں جو اپنی ذات میں شرک و کفر نہیں، مگر لوگوں کی جہالت اور غفلت سے وہ افعال ذریعہ کفر و شرک بن سکتے ہیں ایسے افعال کو انبیاء، سابقین کی شریعت میں مطلقاً منع نہیں کیا گیا بلکہ ان کو ذریعہ شرک بنانے سے روکا گیا جیسے:

جانداروں کی تصویر بنانا گواہی ذات میں کفر و شرک نہیں اس لئے گذشتہ شریعتوں میں جائز تھا، حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے: ”يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبَ وَتَمَاثِيلَ، یعنی جنات ان کے لئے بڑی محرابیں اور تصویریں بنایا کرتے تھے، اسی طرح سجدہ تعظیمی گذشتہ شریعتوں میں جائز تھا، لیکن آخر کار لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں کفر و شرک اور بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں۔

اہم بات:

سب سے بڑی اور اہم بات یہ ہے کہ فرشتوں کے آدم کو سجدہ کرنے کا معاملہ عالم ارواح کا ہے نہ کہ عالم ناسوت کا اور تکلیفات شریعت کا تعلق عالم ناسوت سے ہے، عالم ارواح میں امتثال امر ہی عبادت ہے۔

سجدہ تعظیمی کی ممانعت:

شریعت محمدیہ میں سجدہ تعظیمی کی ممانعت احادیث متواترہ سے ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی جائز قرار دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کیا کرے۔

یہ حدیث بیس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی روایت سے ثابت ہے اصول حدیث کی معروف کتاب تدریب الراوی میں ہے کہ جس روایت کے دس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم راوی ہوں تو وہ حدیث متواتر ہو جاتی ہے جو قرآن کی طرح قطعی ہے، یہاں تو یہ حدیث بیس صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے منقول ہے۔ (معارف)

ابلیس کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں، کیونکہ کسی فرض کا عملاً ترک کر دینا اصول شریعت میں فسق و گناہ ہے کفر نہیں ابلیس کے کفر کا اصل سبب حکم ربانی سے معارضہ اور مقابلہ ہے، کہ آپ نے جس کو سجدہ کرنے کا مجھے حکم دیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں اس کو سجدہ کروں یہ معارضہ بلاشبہ کفر ہے۔

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ: اسْتَكْبَرَ، باب استفعال سے ہے جس سے بعض حضرات نے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ ابلیس میں یہ کبر فطری اور خلقی نہیں تھا، بلکہ اس نے خود پیدا کیا، وَكَانَ السَّيْنِ وَالتَّاءِ لِلْإِشْعَارِ بِأَنَّ الْكِبْرَ لَيْسَ مِنْ طَبْعِهِ وَلَكِنَّهُ مُسْتَعْدَلُهُ. (المنار)

كَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ، یعنی اس نافرمانی نے اسے کافروں میں داخل کر دیا، یہ معنی نہیں کہ وہ پہلے سے کافروں میں تھا، کان بمعنی صار بکثرت مستعمل ہے، جیسا کہ صاحب تفسیر مدارک، بیضاوی، معالم، روح المعانی، نے کان بمعنی صار لیا ہے، اور جن حضرات نے كَانَ بمعنی كَانَ ہی لیا ہے، انہوں نے فی علم اللہ، کو محذوف مانا ہے۔

أَسْكَنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ، لفظ انت کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے کہ مخاطب اصلی حضرت آدم علیہ السلام تھے، حضرت حواء کی حیثیت تابع کی تھی، مذکورہ آیت میں حضرت آدم و حواء علیہما السلام دونوں کے لئے جنت کو مسکن بنانے کا ارشاد ہے جس کو مختصر لفظوں

میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے، اُسْکُنَا الْجَنَّةَ، یعنی دونوں جنت میں رہو جیسا کہ: وَكُلَّا، اور لَا تَقْرَبَا، میں دونوں کو ایک صیغہ میں جمع کیا گیا ہے مگر یہاں اس کے خلاف اَنْتَ وَزَوْجُکَ، کے الفاظ اختیار کرنے میں مخاطب صرف حضرت آدم عَلَیْهِ السَّلَام کو قرار دیا ہے اور انہی سے فرمایا کہ تمہاری زوجہ بھی جنت میں رہیں اس میں دو مسئلوں کی طرف اشارہ ہے۔

① اول یہ کہ بیوی کے لئے رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے دوسرے یہ کہ سکونت میں بیوی شوہر کے تابع ہے، جس مکان میں شوہر رہے اسی میں رہنا چاہئے۔

② اُسْکُنْ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت ان دونوں حضرات کے لئے جنت کا قیام محض عارضی تھا بطور ملکیت نہ تھا، کیونکہ اُسْکُنْ کے معنی ہیں اس مکان میں رہا کرو، یہ نہیں فرمایا کہ یہ مکان تمہارا ہے یا تمہیں دیدیا گیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات تھی کہ آئندہ ایسے حالات پیش آنے والے ہیں کہ آدم و حواء عَلَیْہِمَا السَّلَام کو یہ مکان چھوڑنا پڑے گا، اس لئے کہ جنت کا دائمی استحقاق تو قیامت کے بعد ایمان و عمل کے صلہ میں ہوگا۔

غذا و خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں:

وَ كُلًّا مِنْهَا رَغَدًا، یعنی تم دونوں جنت میں بافراغت کھاؤ، اس میں خطاب صرف آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو نہیں ہے بلکہ دونوں کو ایک ہی لفظ میں شریک کر کے تشبیہ کا صیغہ استعمال فرمایا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غذا اور خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں وہ اپنی ضرورت اور خواہش کے مطابق استعمال کر سکتی ہیں۔ (معارف)

مسئلہ عصمت انبیاء:

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ آدم عَلَیْہِ السَّلَام کو ایک خاص قسم کے درخت سے کھانے بلکہ پاس جانے سے بھی منع کر دیا گیا تھا اور ساتھ ہی متنبہ کر دیا گیا تھا کہ شیطان تمہارا دشمن ہے، اس سے ہوشیار رہنا، اس کے باوجود حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام نے اس درخت سے کھالیا، جو بظاہر گناہ ہے حالانکہ انبیاء عَلَیْہِ السَّلَام گناہ سے معصوم ہوتے ہیں، قرآن کریم میں متعدد انبیاء عَلَیْہِ السَّلَام کے متعلق ایسے واقعات مذکور ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب بھی ہوا حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام کا یہ واقعہ بھی اسی میں داخل ہے۔

ایسے واقعات کا حاصل باتفاق امت یہ ہے کہ کسی غلط فہمی یا خطاء و نسیان کی وجہ سے ان کا صدور ہو جاتا ہے کوئی پیغمبر جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف عمل نہیں کرتا خطاء اجتہادی ہوتی ہے، یہ خطاء و نسیان کے سبب قابل معافی ہوتی ہے، جس کو اصطلاح میں گناہ نہیں کہا جاسکتا، اور یہ سہو و نسیان کی غلطی ان سے ایسے کاموں میں نہیں ہو سکتی جن کا تعلق تبلیغ و تعلیم و تشریع سے ہو، بلکہ ذاتی افعال و اعمال میں ایسا سہو و نسیان ہو سکتا ہے۔ (بحر محیط معارف)

آدم علیہ السلام کی خطا کی توجیہ:

اَوَّل: یہ کہ جس وقت آدم علیہ السلام کو منع کیا گیا تھا تو ایک خاص درخت کی طرف اشارہ کر کے منع کیا گیا تھا اور مراد وہی خاص درخت نہیں تھا، بلکہ اس کی جنس کے سارے درخت مراد تھے، ہو سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اسی مخصوص درخت کی ممانعت سمجھی ہو اور شیطان نے بھی اسی خیال کو دوسوسہ کے ذریعہ مستحکم کر دیا ہو، اور قسم کھا کر باور کرایا ہو کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جس وقت شیطان نے اس درخت کے کھانے کے منافع بتلائے ہوں کہ اس درخت کے کھانے سے ہمیشہ ہمیش کے لئے جنت میں رہنے کا اطمینان ہو جائے گا اور اس وقت حضرت آدم کو ممانعت یاد نہ رہی ہو، قرآن مجید کی آیت: ”فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا“ سے اس احتمال کی تائید ہوتی ہے۔

بہر حال اس طرح کے متعدد احتمالات ہو سکتے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ جان بوجھ کر نافرمانی کا صدور نہیں ہوا، مگر آدم علیہ السلام کی شان نبوت اور قرب خداوندی کے مقام کے اعتبار سے یہ لغزش بڑی سمجھی گئی اور قرآن میں اس کو لفظ معصیت سے تعبیر کیا گیا، اور آدم علیہ السلام کی توبہ و استغفار کے بعد معافی کا ذکر فرمایا۔

فَائِدَة: عام طور پر یہ مشہور ہے کہ حضرت حواء کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے ہوئی ہے یہ روایت تورات کی ہے۔

اور خداوند نے کہا:

اچھا نہیں آدم اکیلا رہے، میں اس کے لئے ایک ساتھی اس کے مانند بناؤں گا اور خداوند خدا نے آدم پر بھاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا، اور خداوند خدا نے اس کی پسلی سے جو اس نے آدم سے نکالی تھی، ایک عورت بنا کے آدم کے پاس لایا اور آدم نے کہا اب یہ میری ہڈیوں میں سے ہڈی اور میرے گوشت میں سے گوشت ہے اس وجہ سے وہ ناری کہلائے گی کہ وہ نر سے نکالی گئی۔ (پیدائش، ۲: ۲۴، ماجدی)

حدیث کی بعض روایتیں جو اس مضمون کی مروی ہوئی ہیں ان میں سے کوئی ایسی نہیں کہ جسے قطعی صحت کا درجہ حاصل ہو۔

(ماجدی)

شجر ممنوعہ کیا تھا؟

ظاہر ہے کہ یہ درخت جنت کے درختوں میں سے کوئی معروف و متعین درخت تھا، حضرت آدم بھی اس سے واقف تھے، لہذا اس کی تعین کے درپے ہونے سے کوئی فائدہ نہیں، جس کو اللہ نے مبہم رکھا، اس کو مبہم ہی رکھنا بہتر ہے محقق امام ابن جزری کا

موقف بھی خاموشی اور سکوت کا ہے ہماری بعض تفسیروں میں مادی درختوں میں سے گندم، خرما، کافور، انجیر، حنظل وغیرہ سے لے کر شجرہ محبت اور شجرہ علم وغیرہ معنوی درختوں تک بہت نام شمار کرائے گئے ہیں۔

فَازَلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا، زَلَّتْ لَعْنَتٌ فِي لَعْنَتِهِ، اِذْ لَال، کے معنی ہیں لغزش دینا، مطلب یہ ہوا کہ شیطان نے آدم و حواء علیہما السلام کو لغزش دیدی، قرآن کریم کے یہ الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت آدم و حواء علیہما السلام کی یہ خلاف ورزی اس طرح کی نہ تھی، جو عام گناہ گاروں کی طرف سے ہوا کرتی ہے، بلکہ شیطان کی تلمیس سے کسی دھوکہ فریب میں مبتلا ہو کر ایسے اقدام کی نوبت آگئی کہ جس درخت کو ممنوع قرار دیا تھا اس کا پھل وغیرہ کھا بیٹھے، عَنِهَا میں، عَنِ بمعنی سبب ہے یعنی اس درخت کے سبب اور ذریعہ سے شیطان نے آدم و حواء علیہما السلام کو لغزش میں مبتلا کر دیا۔

ایک سوال اور اس کا جواب:

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب شیطان کو سجدہ سے انکار کے نتیجے میں پہلے ہی مردود کر کے جنت سے نکالا جا چکا تھا، تو پھر یہ آدم و حواء علیہما السلام کو بہکانے کے لئے جنت میں کیسے پہنچا؟

جواب: اگرچہ اس بات کی کوئی صراحت نہیں ہے کہ شیطان نے جنت میں داخل ہو کر رو برو بہکایا، یا وسوسہ اندازی کے ذریعہ، مگر بہکانے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو اور ہو سکتا ہے کہ اپنی قوت جنیہ کے ذریعہ مسمریزم کی صورت میں سے حضرت آدم و حواء علیہما السلام کے ذہن کو متاثر کیا ہو اس لئے کہ جنات کو اس کی قوت اور قدرت حاصل ہے جیسا کہ ایک انسان دوسرے انسان کے ذہن کو قوت خیالیہ کے ذریعہ متاثر کر سکتا ہے جنات کی قوت خیالیہ انسان کے مقابلہ میں قوی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شیطان اپنی شکل و صورت بدل کر جنت میں داخل ہو گیا ہو اور رو برو بہکایا ہو اور حضرت آدم علیہ السلام کا اس طرف ذہن نہ گیا ہو، وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ، سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے صرف وسوسہ سے کام نہیں لیا، بلکہ آدم و حواء علیہما السلام سے زبانی گفتگو کر کے اور قسمیں کھا کر متاثر کیا۔

بَغَضُكُمْ لِبَعْضِ عَدُوٍّ، آپسی دشمنی کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے، کہ شیطان اور بنی آدم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن رہیں گے اور یہ بھی کہ بنی آدم آپس میں عداوت اور دشمنی رکھیں گے۔

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ (الآیۃ) حضرت آدم علیہ السلام جب ندامت و پشیمانی میں ڈوبے ہوئے دنیا میں تشریف لائے، تو توبہ و استغفار میں مصروف ہو گئے، اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی اور وہ کلمات معافی سکھلا دیئے جو سورہ اعراف میں بیان کئے گئے ہیں: ”رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ“۔

قبولیت دعاء کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ جنت میں آباد کرنے کے بجائے دنیا ہی میں رہ کر جنت کے حصول کی تلقین فرمائی اور حضرت آدم علیہ السلام کے واسطے سے تمام بنی آدم کو جنت کے حصول کا یہ راستہ بتلایا جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ میری ہدایت تم تک پہنچے گی جو اس کو قبول کرے گا وہ جنت کا مستحق ہوگا اور بصورت دیگر عذاب الہی کا سزاوار ہوگا۔

بندہ نوازی کا کمال:

فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ، خطا وار کو توبہ واستغفار کے الفاظ اپنی طرف سے تلقین کر دینا یہ خود اپنی جگہ پر انتہا درجہ کی بندہ نوازی ہے اللہ رب العالمین نے حضرت آدم علیہ السلام کو معافی کے کلمات القاء فرمائے کہ اس طرح معافی مانگو میں معاف کر دوں گا اور پھر اس سے بڑھ کر بندہ نوازی کا کمال یہ ہے کہ اس تعلیم و تلقین کی نسبت تک اپنی جانب نہیں فرمائی، بلکہ اسے آدم علیہ السلام کی جانب منسوب کر دیا گیا کہ انہوں نے یہ الفاظ سیکھ لئے، کیا حد ہے شفقت اور بندہ پروری کی!! یہ الفاظ اور کلمات کیا تھے؟ روایتیں مختلف ہیں لیکن خود قرآن مجید میں جو الفاظ حضرت آدم و حواء علیہما السلام کی زبان سے نکلے ہوئے ہیں وہ یہ ہیں: ”رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا الْخ“۔

سُئِلَ: خطا وار تو دو تھے، مگر تلقی کلمات کی نسبت صرف آدم علیہ السلام کی طرف کی گئی ہے۔

جواب: عورت مرد کے تابع ہے اور متبوع کے ذکر میں تابع کا ذکر خود بخود آ جاتا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا، جنت سے نیچے اترنے کا حکم حضرت آدم و حواء علیہما السلام کے ساتھ ساتھ صلب آدم علیہ السلام میں موجود ذریت کو بھی ہے اس لئے اِهْبِطُوا جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

یہ حکم بطور سزا نہیں تھا:

جنت سے نکلنے کا حکم بطور سزا و عتاب نہیں تھا، اس لئے کہ خطا تو معاف ہو چکی ہے، بلکہ یہ محض نتیجہ طبعی کا ظہور ہے، شجرہ ممنوعہ کا پھل کھا لینے سے جو طبعی اثرات مرتب ہو رہے تھے، ان کے لحاظ سے اب جنت میں قیام کی گنجائش نہ تھی، روح کے داغ دھل جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسم و مادہ سے بھی غلط کاری کے نقش مٹ جائیں، اگر کوئی شخص خود کشی کے ارادہ سے زہر کھالے اور معاً اسے اپنے عصیان کا اسی پر تمبہ ہو جائے، اور وہ روئے گڑ گڑائے دل سے توبہ کرے عجب نہیں کہ اس کا گناہ معاف کر دیا جائے، لیکن زہر کے طبعی اثرات جو نظام جسم پر مرتب ہوتے ہیں، وہ تو بہر حال ہو کر رہیں گے۔ (تفسیر ماجدی)

مَهْبُطِ آدَمَ وَ حَوَاءَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ:

حضرت آدم و حواء علیہما السلام از مین کے کس خطہ میں اتارے گئے؟ اس بارے میں روایتیں مختلف ہیں زیادہ تر روایتیں ارض ہند کے بارے میں ہیں ابن ابی حاتم نے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ آدم علیہ السلام کوہ صفا اور حواء کو مروہ پر اتارا گیا، اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور حاکم سے مروی ہے اور اس کو صحیح قرار دیا ہے ابن عباس نے کہا ہے حضرت آدم کا ہبوط اولی ارض ہند میں ہوا۔ (فتح القدیر شوکانی)

اور ایک روایت میں جو کہ ابن ابی حاتم سے منقول ہے کہا گیا ہے کہ مکہ اور طائف کے درمیان آپ کا نزول ہوا اور ابن جریر

رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی اور حاکم رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی کی ایک روایت جس کو انہوں نے صحیح کہا ہے یہ ہے کہ حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ حضرت آدم کا بہو ط ارض ہند میں ہوا۔ (ملخصاً)

اور ابن ابی سعد رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی اور ابن عساکر رَحْمَةُ اللهِ تَعَالٰی نے ابن عباس رَضِيَ اللهُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ آدم عَلَیْہِ السَّلَام ارض ہند میں اور حواء جدہ میں اترے، حضرت آدم حواء کی تلاش میں جدہ آئے اور خازن میں ہے کہ آدم سرزمین ہند سرندیپ میں اور حضرت حواء جدہ میں اترے اور ابلیس بصرہ میں ایلمہ کے مقام پر اتر ا۔ (تفسیر خازن، ص: ۵)

مذکورہ روایات کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، جو آپس میں مختلف ہیں مگر ان میں تطبیق ممکن ہے ظاہر ہے کہ بہو ط حقیقی تو ایک ہی جگہ ہوا ہو مگر انتقال مکانی کو مجازاً بہو ط سے تعبیر کر دیا گیا ہو۔

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآئِيْلُ اَوْلَادَ يَعْقُوْبَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ اِى عَلٰى اَبَائِكُمْ مِّنَ الْاِنْجَاءِ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَفَلَقِ الْبَحْرِ وَتَضْلِيْلِ الْغَمَامِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ بِاَنْ تَشْكُرُوْا بَنَآ بَطَاعَتِيْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْ الَّذِىْ عٰهَدْتُ اِلَيْكُمْ مِّنَ الْاِيْمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِعَهْدِكُمْ الَّذِىْ عٰهَدْتُهُ اِلَيْكُمْ مِّنَ الثَّوَابِ عَلَيْهِ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ وَاَيَّآىَ فَاَرْهَبُوْنَ ۝ خَافُوْنَ فِىْ تَرْكِ الْوَفَآءِ بِهٖ دُوْنَ غَيْرِىْ وَاٰمَنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مِّنَ الْقُرْاٰنِ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنَ التَّوْرَةِ بِمُوَٰفَقَتِهٖ لَهٗ فِى التَّوْحِيْدِ وَالنُّبُوَّةِ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كَافِرِيْهٖۙ مِّنْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ لِاَنَّ خَلْفَكُمْ تَبِعَ لَكُمْ فَاِثْمُهُمْ عَلَيْكُمْ وَاَلَّا تَشْكُرُوْا تَنْشَبِدُوْا بِآيَتِيْ الَّتِىْ فِىْ كِتٰبِكُمْ مِّنْ نِّعَمَتِ مُحَمَّدٍ صَلٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَنًا قَلِيْلًا عِوَضًا يَسِيْرًا مِّنَ الدُّنْيَا اِى لَا تَكْتُمُوْا بِآخِوْفِ فَوَآئِ مَا تَاْخُذُوْنَ مِنْ مِّغْلٰتِكُمْ وَاَيَّآىَ فَاَتَّقُوْنَ ۝ خَافُوْنَ فِىْ ذٰلِكَ دُوْنَ غَيْرِىْ وَلَا تَلْبِسُوْا تَخْلِيْطُوْا الْحَقَّ الَّذِىْ اَنْزَلْتُ عَلَيْكُمْ بِالْبَاطِلِ الَّذِىْ تَفْتَرُوْنَ وَتَكْتُمُوْا الْحَقَّ نِعْمَتُ مُحَمَّدٍ صَلٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّهٗ حَقٌّ.

ترجمہ: اے بنی اسرائیل اولاد یعقوب میری ان نعمتوں کو یاد کرو، جو میں نے تم کو عطا کیں، یعنی تمہارے آباء و اجداد کو مثلاً فرعون سے نجات دینا اور دریا کو پھاڑ دینا اور بادل کو سایہ فگن بنانا، وغیرہ وغیرہ بایں طور کہ میری اطاعت کر کے میری نعمتوں کا شکریہ ادا کرو، اور تم میرے عہد کو پورا کرو، جو میں نے تم سے لیا اور وہ محمد ﷺ پر ایمان لانے کے متعلق ہے میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا، جو میں نے تمہارے ساتھ کیا ہے یعنی ایمان لانے پر جنت میں داخل کر کے ثواب عطا کروں گا، اور مجھ ہی سے ڈرو، یعنی عہد شکنی کرنے میں مجھ سے ڈرو نہ کہ میرے علاوہ کسی اور سے اور اس قرآن پر ایمان لاؤ جو تمہاری کتابوں کی یعنی تورات کی تصدیق کے لئے میں نے نازل کیا ہے، توحید اور نبوت میں اس (قرآن) کے اس (تورات) کے موافق ہونے کی وجہ سے اور تم اہل کتاب میں سے اول منکر نہ بنو، اس لئے کہ تمہارے بعد آنے والے تمہاری اتباع کریں گے تو

ان کا گناہ بھی تمہارے اوپر ہوگا اور میری ان آیتوں کو جو تمہاری کتاب میں ہیں مثلاً محمد ﷺ کی صفات کو حقیر قیمت کے عوض فروخت نہ کرو، یعنی دنیوی معمولی بضاعت سے تبدیلی نہ کرو، یعنی ان صفات کو اس حقیر معاوضہ کے فوت ہونے کے خوف سے مت چھپاؤ، جس کو تم اپنے کمزور طبقوں سے وصول کرتے ہو، اور مجھ ہی سے ڈرو، یعنی اس معاملہ میں مجھ ہی سے ڈرو، نہ کہ میرے علاوہ کسی اور سے اور حق کو جو میں نے تمہاری طرف نازل کیا ہے، باطل کے ساتھ جس کو تم گھڑتے ہو خلط ملط مت کرو، اور نہ حق کو چھپاؤ، یعنی محمد ﷺ کی صفت کو کہ تمہیں تو خود اس کا علم ہے کہ وہ (رسول) برحق ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: یَبْنِیْ اِسْرَآئِیْلَ، یعنی اولاد یعقوب، اسرائیل عربی لفظ ہے یا نجی اس میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ نجی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے، اسرائیل مرکب اضافی ہے، اسرا بمعنی عبد، ایل بمعنی اللہ، یعنی عبد اللہ یا صفوة اللہ (اللہ کا برگزیدہ) اور اسرائیل حضرت یعقوب بن اسحاق علیہ السلام کا لقب ہے۔

قَوْلًا: بِاَنْ تَشْكُرُوْهَا، بطاعتی اس کا تعلق اُذْکُرُوْا سے ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُذْکُرُوْا نعمتی، سے مراد صرف ذکر و شمار ہی نہیں ہے، بلکہ ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرنا ہے ورنہ ذکر و شمار تو ہر شخص کرتا ہے حتیٰ کہ کافر و مشرک بھی کرتا ہے۔

قَوْلًا: عَلٰی اَبَائِکُمْ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سِوَال: اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ، کے مخاطب آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود ہیں اور اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ کی تفسیر میں جن انعامات کو شمار کرایا گیا ہے، ان میں سے ایک بھی آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود یہودیوں پر نہیں ہوا، پھر آپ ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو مخاطب کر کے انعامت علیکم کہنا کیسے درست ہے؟

جَوَابُ: عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے ای انعامت علی اَبَائِکُمْ، لہذا اب کوئی اشکال نہیں رہا۔

قَوْلًا: اَوْفُوا، تم پورا کرو، یہ ایفاء (افعال) سے جمع مذکر امر حاضر ہے۔

قَوْلًا: اَوْفِ، میں پورا کروں گا، ایفاء سے مضارع واحد متکلم ہے۔

قَوْلًا: اَوْفُوا بِعَهْدِیْ اَوْفِ بِعَهْدِکُمْ، تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔

سِوَال: اس آیت میں بنی اسرائیل سے اس عہد کے پورا کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، جو بنی اسرائیل نے نہیں کیا، بلکہ اَوْفُوا بِعَهْدِیْ، سے معلوم ہوتا ہے کہ: عہد اللہ تعالیٰ نے کیا ہے، بنی اسرائیل سے ایفاء عہد کا مطالبہ کرنا، یہ تو غیر فاعل سے ایفاء کا مطالبہ کرنا ہے جو درست نہیں ہے۔

جَوَابُ: جو عہد معاہدہ، (فاعل) کے فعل پر معلق ہو، تو مفعول یعنی (فریق ثانی) کی جانب سے معلق علیہ کو پورا کرنا وفاء عہد

کہلائے گا اور فاعل معابد (اللہ) کا عہد جنت میں داخل کرنا ہے، جو معلق ہے، بنی اسرائیل کے ایمان لانے پر اور بنی اسرائیل کا ایمان معلق علیہ (شرط) ہے لہذا معلق پورا کرنے کے لئے معلق علیہ کے وفاء کا مطالبہ کرنا صحیح ہے: "إِنَّ الْعَهْدَ الْمَمْلُوقَ عَلَى فَعْلِ الْمَعَاهِدِ يَكُونُ الْوَفَاءُ مِنَ الْمَفْعُولِ بِالْإِيتِيَانِ بِالْمَعْلُوقِ عَلَيْهِ وَمِنْ الْفَاعِلِ بِالْإِيتِيَانِ بِالْمَعْلُوقِ فَالْمُرَادُ بِعَهْدِ اللَّهِ إِيَاهُمْ بِالْإِيمَانِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ، فَيَصِحُّ طَلَبُ الْوَفَاءِ مِنْهُمْ بِالْإِيتِيَانِ"۔ (ترویج الارواح)

قَوْلًا: الَّذِي عَهْدْتُهُ إِلَيْكُمْ، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ دونوں جگہ عہد مصدر مضاف الی الفاعل ہے اور ان لوگوں کا رد ہے جو کہتے ہیں اول مضاف الی الفاعل ہے اور ثانی مضاف الی المفعول ہے اور اس رد کی وجہ یہ ہے کہ: اضافت الی الفاعل اکثر واقع ہے اور رائج ہے، لہذا جب تک کوئی صارف موجود نہ ہو، ترک نہیں کیا جائے گا اور یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔

قَوْلًا: دُونَ غَيْرِي، یہ اس حصر کی جانب اشارہ ہے جو إِيَّايَ فَارْهَبُونِ میں تقدیم مفعول سے مستفاد ہے۔

قَوْلًا: مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، اس اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: یہ ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت مکہ میں ہوئی اور سب سے پہلے نبوت کا دعویٰ بھی آپ نے مکہ میں کیا، جس کا کفار مکہ نے انکار کر دیا، تو اس اعتبار سے اول منکرین کفار مکہ ہیں نہ کہ مدینہ کے یہود۔

جَوَابٌ: یہاں اول منکرین سے مراد اہل کتاب ہیں۔

قَوْلًا: تَسْتَبْدِلُوا، تَشْتَرُوا، کی تفسیر، تَسْتَبْدِلُوا سے گزرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ یہاں اشتراء کے حقیقی معنی ممکن نہیں ہیں اس لئے کہ یہ بائٹمن پر داخل ہوئی ہے یہاں آیتانی پر داخل ہے، لہذا آیتانی ٹمن ہوگا اور ٹمننا بیع ہوگی، یعنی آیات دیکر ٹمن مت خریدو، اور یہ حقیقت متعذر رہے لہذا اشتراء سے مجازاً استبدال مراد ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

بنی اسرائیل سے خطاب:

مشہور و نامور پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام عراقی ثم شامی ثم حجازی، ۲۱۶۰ یا ۱۹۸۵ ق م، سے دوسلیں چلیں ایک بی بی ہاجرہ مصری کے بطن کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام سے، یہ نسل بنی اسماعیل کہلائی اور آگے چل کر قریش اسی کی ایک شاخ پیدا ہوئی، ان کا وطن عرب رہا، دوسری نسل بی بی سارہ عراقی کے بطن کے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب عرف اسرائیل سے چلی، یہ نسل بنی اسرائیل کہلائی اس کا وطن ملک شام رہا ایک تیسری بیوی حضرت قطورہ سے چلی، وہ بی بی قطورہ کہلائی، لیکن اسے تاریخ میں اس درجہ کی اہمیت حاصل نہیں۔

بنی اسرائیل کا عروج صدیوں تک رہا مدتوں تک یہی قوم تو حید علیہ السلام رہی غرضیکہ ایک زمانہ تک قوم بنی اسرائیل دینی اور دنیوی اعتبار سے سکھ رائج الوقت رہی ان میں بڑے بڑے صاحب اقتدار بادشاہ ہوئے اور فوجی جرنیل بھی اور اولوالعزم پیغمبر و صلحاء و اولیاء بھی مگر نزول قرآن سے مدتوں پہلے ان کا اقتدار رخصت ہو چکا تھا، ان کا شیرازہ بکھر کر دنیا میں منتشر ہو چکا تھا، ان کے بعض قبیلے حجاز اور اطراف حجاز خصوصاً یثرب (مدینہ) اور حوالی یثرب میں آباد ہو چکے تھے۔

بنی اسرائیل تو ایک نسلی نام ہے مذہبی حیثیت سے یہ لوگ یہود تھے تو ریت محرف، مسخ شدہ بہر حال جیسی بھی تھی، ان کے پاس موجود تھی، دینی سیادت ابھی تک ان کے پاس تھی، دنیوی اعتبار سے مالدار تھے، تجارت کے بڑے ماہر تھے، حجاز کی آبادی میں اس دینی و دنیوی تفوق کی بناء پر ان کو اچھی خاصی اہمیت حاصل تھی، ساتھ ہی ساتھ سفلی عملیات سحر و کہانت میں بڑے ماہر تھے، ملک کی عام آبادی مشرکوں اور بت پرستوں کی تھی، وہ لوگ ایک طرف تو یہود کے علم و فضل کے قائل تھے، اور ان کی دینی واقفیت سے مرعوب تھے اور دوسری طرف اکثر ان کے قرض دار بھی رہا کرتے تھے، اور جیسا کہ عام قاعدہ ہے کہ منظم اور غالب قوموں کے تمدن سے، کمزور اور غیر منظم قومیں مرعوب و متاثر ہو جاتی ہیں، مشرکین عرب بھی اسرائیلی اخلاق، اسرائیلی روایات بلکہ اسرائیلی عقائد سے بہت کچھ متاثر ہو چکے تھے، ان سب چیزوں کے علاوہ یہود کے مذہبی نوشتوں اور اسرائیلیوں کی مقدس زبانی روایتوں میں ایک آنے والے نبی کی بشارت موجود تھی، اور یہ لوگ اس نبی موعود کے منتظر رہتے تھے، ان اسباب کی بناء پر یہ امر بالکل قدرتی تھا کہ قرآن مجید میں مخاطب اس قوم کے ساتھ ہو اور خوب تفصیل سے ہو چنانچہ چودھویں رکوع تک بڑی تفصیل کے ساتھ ان سے خطاب کیا گیا ہے۔

قرآن کے مخاطبین:

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر قرآن مجید کی ترتیب بیان پر کر لی جائے، قرآن مجید کا اصل مخاطب نوع انسانی سے ہے، اسی مناسبت سے اول رکوع میں اس کا بیان ہوا کہ نوع انسانی کی حقیقی دو قسمیں ہیں ایک اچھے یا مومن دوسرے برے یا کافر، مومن یا نیک وہ ہیں جو قرآن مجید کے دستور حیات کو تسلیم کرتے ہیں، کافر یا بدوہ ہیں جو اس سے انکار کرتے ہیں، دوسرے رکوع میں کافروں ہی کی ایک خاص قسم کا بیان ہے، جن کو منافق کہا جاتا ہے، ان کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ: یہ لوگ بھی ایمان اور نجات سے محروم ہی رہیں گے، تیسرے رکوع میں ساری نسل انسانی کو مخاطب کیا گیا ہے اور قرآن مجید کا اصل پیغام یعنی تو حید و رسالت بیان کیا گیا ہے، چوتھا رکوع تاریخ انسانی سے متعلق ہے، اس میں بیان ہوا ہے کہ انسان کی آفرینش سے اصل غرض دنیا میں قانون الہی کی تنفیذ ہے اور حاکمیت الہی کی نیابت ہے ذرا سی غفلت کی وجہ سے نسل انسانی کا دیرینہ دشمن شیطان اس کو پچھاڑ سکتا ہے اور حق سے باطل کی جانب اور نور سے ظلمت کی طرف موڑ سکتا ہے، لیکن اگر انسان ذرا بھی ہمت اور ہوشمندی سے کام لے اور انبیاء کی بتائی ہوئی صراط مستقیم پر قائم رہے، تو وہی غالب و منصور رہے گا، اب پانچویں رکوع سے بڑی تفصیل سے اس کا بیان شروع ہوتا ہے کہ مدت دراز ہوئی ایک بڑے مقبول برگزیدہ بندے کی اولاد میں ایک

خاص نسل کو تو حید کی خاص نعمت سے سرفراز کیا گیا تھا، مگر وہ قوم اس کی نا اہل ثابت ہوئی موقع اسے بار بار دیا گیا، اس کے ساتھ رعایت بار بار کی گئی، لیکن ہر بار اس نے اس نعمت کو اپنے ہاتھوں ضائع کیا، یہاں تک کہ اپنی نسل کے آخری پیغمبر حضرت عیسیٰ کی مخالفت میں تو حد ہی کر دی، طویل اور مسلسل مراعات کے بعد اب حکومت الہیہ کا دستور ایک نیا ضابطہ اختیار کرتا ہے، اس ناشکر گزار، نافرمان، عصیان پیشہ قوم کو اس منصب سیادت سے معزول کیا جاتا ہے، اور یہ نعمت ان سے چھین کر ایک اسماعیلی پیغمبر کے واسطے سے دنیا کی تمام قوموں اور نسلوں کے لئے عام کی جا رہی ہے۔

وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ، بہ کی ضمیر قرآن یا محمد ﷺ کی طرف راجع ہے اور دونوں طرح صحیح ہے اس لئے کہ دونوں لازم و ملزوم ہیں، اس لئے کہ ایک کا کفر دوسرے کے کفر کو مستلزم ہے اول کافر نہ بننے کا مطلب یہ ہے کہ یہود میں تم اول کافر نہ بنو ورنہ تو تمام یہودیوں کے کفر کا وبال تم پر پڑے گا، ہجرت سے پہلے مکہ میں بہت لوگ آپ کی دعوت کا انکار کر چکے تھے، اول منکرین کے مصداق اہل مکہ ہیں۔

وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا، تھوڑی قیمت پر فروخت نہ کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ: اگر زیادہ معاوضہ مل جائے، تو احکام الہی کا سودا کر لو، بلکہ مطلب یہ ہے کہ احکام الہی کے مقابلہ میں دنیاوی مفادات کو اہمیت نہ دو، احکام الہی تو اتنے قیمتی ہیں کہ ساری دنیا کا مال و متاع بھی ان کے مقابلہ میں ہیج اور شمن قلیل ہے، آیت میں اصل مخاطب اگرچہ بنی اسرائیل ہیں لیکن یہ حکم قیامت تک آنے والوں کے لئے عام ہے، جو بھی ابطال حق یا اثبات باطل یا کتمان علم کا ارتکاب اور احقاق حق سے محض طلب دنیا کے لئے گریز کرے گا، وہ اس وعید میں شامل ہوگا۔

یہود کی حق فروشی:

یہود کی حق فروشی کے کاروبار کا ذکر عبد نامہ جدید میں بھی ہے مثلاً یہ لوگ ناجائز نفع کی خاطر ناشائستہ باتیں سکھا کر گھر کے گھرباہ کر دیتے ہیں۔ (طیطس، ۱: ۱۱)

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ: اس آیت کو سمجھنے سے پہلے تمہید کے طور پر یہ بات سمجھ لینی چاہئے، کہ اہل عرب بالعموم ناخواندہ تھے، ان کے مقابلہ میں یہود تعلیم یافتہ تھے، اس وجہ سے عربوں پر یہودیوں کا علمی رعب بہت زیادہ تھا، اس کے علاوہ ان کے علماء اور مشائخ نے اپنے مذہبی درباروں کی ظاہری شان جما کر اور اپنی جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کا کاروبار چلا کر اس رعب کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا تھا، ان حالات میں جب نبی ﷺ نے اپنے آپ کو نبی کی حیثیت سے پیش کیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دینی شروع کی، تو قدرتی بات تھی کہ ان پڑھ عرب اہل کتاب یہودیوں سے جا کر پوچھتے کہ آپ لوگ بھی ایک نبی کے پیرو ہیں اور ایک کتاب کو مانتے ہیں، آپ ہمیں بتائیں کہ یہ صاحب ہمارے اندر نبوت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں ان کے متعلق، ان کی تعلیم کے متعلق آپ حضرات کی کیا رائے ہے، مگر علماء یہود نے کبھی لوگوں کو صحیح بات نہ بتائی

حالانکہ ان کے مذہبی نوشتوں میں ایک نبی آخر الزمان کی آمد کی صراحت کے ساتھ پیشین گوئی موجود تھی اور آنے والے نبی کے اوصاف کا بھی ذکر تھا سیدھی اور صاف بات بتانے کے بجائے، انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر سائل کے دل میں نبی ﷺ کے خلاف، آپ کی جماعت کے خلاف اور آپ کے مشن کے خلاف کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال دیتے تھے، غرض کہ وہ حق کو چھپانے اور اس پر پردہ ڈالنے کی ہر ممکن کوشش کرتے کبھی کوئی ایسا شوشہ چھوڑ دیتے تھے کہ جس سے لوگ شکوک و شبہات میں پڑ جائیں اور کبھی لوگوں کو الجھن میں ڈالنے والے سوالات سکھا دیتے تاکہ لوگ خود ہی تذبذب کا شکار ہو جائیں، یہود کے اسی رویے کی بنا پر فرمایا جا رہا ہے کہ حق پر باطل کا پردہ نہ ڈالو، حق و باطل کو خلط ملط کر کے دنیا کو دھوکا نہ دو۔

فَائِدَہ: بعض مفسرین نے تعلق بالبعید کے طور پر یہاں اجرت علی تعلیم القرآن وغیرہ کی بحث چھیڑی ہے، قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس بحث کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے شائقین رجوع کر سکتے ہیں۔

تعلیم قرآن پر اجرت کا مسئلہ:

اجرت علی تعلیم القرآن کا مسئلہ سلف سے مختلف فیہ رہا ہے، مگر اس آیت سے اس مسئلہ کا کوئی تعلق نہیں ہے، امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی جائز قرار دیتے ہیں، اور امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور بعض دیگر ائمہ منع فرماتے ہیں، لیکن متاخرین حنفیہ نے بھی جب ان حالات کا مشاہدہ کیا کہ قرآن مجید کے معلمین کو اسلامی بیت المال سے گزارہ ملا کرتا تھا، اب ہر جگہ اسلامی نظام میں فتور کے سبب ان معلمین کو عموماً کچھ نہیں ملتا، یہ اگر اپنی معاش کے لئے کسی محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ میں لگ جائیں، تو بچوں کے تعلیم قرآن کا سلسلہ یکسر بند ہو جائے گا، اس لئے تعلیم قرآن پر معاوضہ لینے کو بضرورت جائز قرار دیا، صاحب ہدایہ کے بعد آنے والے دوسرے فقہاء نے بعض ایسے ہی دوسرے وظائف جن پر تعلیم قرآن کی طرح دین کی بقاء موقوف ہے، مثلاً امامت و اذان اور تعلیم حدیث و فقہ وغیرہ کو تعلیم قرآن کے ساتھ ملحق کر کے ان کی اجازت دی ہے۔ (در مختار، شامی)

ایصال ثواب کے لئے قرآن خوانی پر اجرت لینا جائز نہیں:

علامہ شامی نے در مختار کی شرح میں اور اپنے رسالہ شفاء العلیل میں بڑی تفصیل اور قوی دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کی جن متاخرین نے اجازت دی ہے اس کی علت ایک ایسی دینی ضرورت ہے جس میں خلل آنے سے دین کا پورا نظام مختل ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو ایسی ہی ضرورت کے موقع میں محدود رکھنا ضروری ہے، اس لئے مردوں کو ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کرانا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے۔ (معارف)

وَأَقِمْوُا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۲۳﴾ صَلُّوا مَعَ الْمُصَلِّينَ مُحَمَّدٍ وَأَصْحَابِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَزَلَ فِي غُلَمَائِهِمْ وَقَدْ كَانُوا يَقُولُونَ لِأَقْرَبَائِهِمُ الْمُسْلِمِينَ أَتُبْتُوا عَلَى دِينِ مُحَمَّدٍ فَإِنَّهُ حَقٌّ أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ بِالْإِيمَانِ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ تَتْرَكُونَهَا فَلَا تَأْمُرُونَ بِهَا بِهِ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ النُّورَ وَفِيهَا الْوَعِيدُ عَلَى مُخَالَفَةِ الْقَوْلِ الْعَمَلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۲۴﴾ سُوءٌ فِعْلِكُمْ فَتَرْجِعُونَ فَجُمْلَةُ النَّسِيَانِ مَحَلُّ الْإِسْتِفْهَامِ الْإِنْكَارِيَّ وَاسْتَعِينُوا أَطْلُبُوا الْمَعُونَةَ عَلَى أُمُورِكُمْ بِالصَّبْرِ الْحَبِيسِ لِلنَّفْسِ عَلَى مَا تَكْرَهُ وَالصَّلَاةِ أَفَرَدَبًا بِالذِّكْرِ تَعْظِيمًا لِشَانِهَا وَفِي الْحَدِيثِ كَانَ إِذَا حَزَبُهُ أَمَرَ بِأَدَارِ إِلَى الصَّلَاةِ وَقِيلَ الْخَطَابُ لِلْيَهُودِ لَمَّا عَاقَبَهُمْ عَنِ الْإِيمَانِ الشَّرُّ وَحُبِّ الرِّيَاسَةِ فَأَمَرُوا بِالصَّبْرِ وَبِهِ الصُّومُ لِأَنَّهُ يُكْسِرُ الشُّبُهَةَ وَالصَّلَاةَ لِأَنَّهُ تُورِثُ الْخُشُوعَ وَتَنْفِي الْكِبَرِ وَأَنَّهَا أَى الصَّلَاةِ لَكَبِيرَةٌ ثَقِيلَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَشِيعِينَ ﴿۲۵﴾ السَّاكِنِينَ إِلَى الطَّاعَةِ الَّذِينَ يَطُؤُونَ يُوقِنُونَ أَنَّهُمْ مُلْقَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْبَعْثِ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۲۶﴾ فِي الْآخِرَةِ فَيُجَازِيهِمْ .

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو، نماز پڑھنے والوں (یعنی) محمد ﷺ اور ان کے اصحاب کے ساتھ نماز پڑھو، اور (آئندہ) آیت ان علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے رشتہ داروں سے کہا کرتے تھے، کہ دین محمد پر قائم رہو اس لئے کہ وہ حق ہے، کیا تم لوگوں کو نیکی (یعنی) محمد ﷺ پر ایمان کا حکم کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو، کہ خود کو ایمان کا حکم نہیں کرتے باوجودیکہ تم کتابِ تورات پڑھتے ہو اور اس میں قول و فعل کی مخالفت پر وعید ہے، کیا تم اپنی اس غلط روش کو سمجھتے نہیں ہو؟ کہ (اس قول و فعل کے تضاد سے) باز آ جاؤ جملہ نسیان (یعنی تنسون الخ) استفہام انکاری کا محل ہے، اور اپنے معاملات میں صبر و صلوة سے مدد طلب کرو، نفس جس کو ناپسند کرے، اس کے کرنے پر نفس کو مجبور کرنے کو صبر کہتے ہیں، صرف نماز کا ذکر اس کی عظمتِ شان کی وجہ سے ہے۔

اور حدیث شریف میں ہے، کہ جب آپ کو کوئی پریشان کن امر پیش آتا تو نماز کی طرف سبقت فرماتے اور کہا گیا ہے کہ خطاب یہود کو ہے جب ان کو حرص اور حبِ جاہ نے ایمان لانے سے روک دیا تو ان کو صبر کا کہ وہ روزہ ہے حکم دیا گیا کہ وہ شہوت کو توڑ دیتا ہے اور نماز کا، اس لئے کہ نماز خشوع پیدا کرتی ہے اور تکبر کو ختم کرتی ہے اور نماز بلاشبہ گراں ہے، مگر خشوع اختیار کرنے والوں پر (گراں نہیں ہے) یعنی اطاعت کی طرف مائل ہونے والوں پر جو کہ اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ مرنے کے بعد زندہ ہو کر اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور ان کو آخرت میں رب کے پاس جانا ہے، تو وہ ان کو جزا دے گا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: صَلَّوْا مَعَ الْمَصْلُیْنَ ، وَاِرْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِیْنَ ، کی تفسیر صَلَّوْا مَعَ الْمَصْلُیْنَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جزء بول کر کل مراد ہے، اور رکوع کی تخصیص اس لئے کہ امم سابقہ کی نمازوں میں رکوع نہیں تھا، مطلب یہ ہے کہ تم وہ نماز پڑھو جس میں رکوع بھی ہو اور مع الرَّاكِعِیْنَ سے اشارہ کر دیا کہ جماعت سے نماز پڑھو، خطاب چونکہ یہود کو ہے اس لئے ان سے کہا جا رہا ہے، کہ تم ایسی نماز پڑھو، جس میں رکوع بھی ہو اور باجماعت بھی ہو چونکہ یہود کی نماز میں سجدہ تو تھا، مگر رکوع نہیں تھا، اس لئے رکوع والی نماز محمد ﷺ کے ساتھ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ تم محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ اور ان کے جیسی نماز پڑھو۔

قَوْلًا: فَجُمَلَةُ النَّسِیَانِ مَحَلُّ الِاسْتِفْهَامِ الْاِنْكَارِیِّ ، مطلب یہ ہے کہ انکار کا تعلق تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ سے ہے، نہ کہ تَامِرُونَ النَّاسِ سے اس لئے کہ امر بالبر تو امر مندوب و مطلوب ہے۔

قَوْلًا: اَفَرَدَهَا بِالذِّكْرِ ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ صرف نماز ہی کو کیوں ذکر کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اس کی عظمت شان کی وجہ سے اس کو خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

تفسیر و تشریح

صبر اور نماز ہر اللہ والے کے دو بڑے ہتھیار ہیں نماز کے ذریعہ ایک مومن کا رابطہ اور تعلق اللہ سے استوار ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے، صبر کے ذریعہ کردار کی پختگی اور دین میں استقامت حاصل ہوتی ہے حدیث میں آتا ہے: ”اِذَا حَزَبَهُ اَمْرٌ فَرَّغَ اِلَى الصَّلَاةِ“ (احمد، وابوداؤد) یعنی جب بھی آپ ﷺ کو کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ فوراً نماز کا اہتمام فرماتے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں نیکی کے راستے پر چلنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے، تو اس دشواری کا علاج صبر اور نماز ہے ان دو چیزوں سے تمہیں وہ طاقت ملے گی جس سے یہ راہ آسان ہو جائے گی، صبر کے لغوی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اس سے مراد ارادہ کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشات نفس کا وہ انضباط ہے، جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے قلب و ضمیر کے پسند کئے ہوئے راستے پر لگا تار بڑھتا چلا جاتا ہے۔

اور جو شخص خدا کا فرمانبردار نہ ہو اور آخرت کا عقیدہ نہ رکھتا ہو اس کے لئے نماز کی پابندی ایک ایسی مصیبت ہے جسے وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتا مگر جو شخص برضا و رغبت خدا کے آگے سرِ اطاعت خم کر چکا ہو اور جسے یہ خیال ہو کہ کبھی مر کر اپنے خدا کے سامنے جانا ہے، اس کے لئے نماز ادا کرنا گراں نہیں، بلکہ نماز چھوڑنا مشکل ہے۔

يَبْنِي إِسْرَءِيلَ أَذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ بِالشُّكْرِ عَلَيْهَا بِطَاعَتِي وَأَلَّتِي فَضَّلْتُكُمْ أَيُّ آبَاءِكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۵۷﴾
 عَالَمِي زَمَانِهِمْ وَأَتَّقُوا خَافُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي فِيهِ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَلَا يُقْبَلُ بِالتَّائِبِ وَالْيَاءِ
 مِنْهَا شَفَاعَةٌ أَيُّ لَيْسَ لَهَا شَفَاعَةٌ فَتُقْبَلُ فَمَالَنَا مِنْ شَافِعِينَ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ فِدَاءٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۵۸﴾
 يُنصَرُونَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ وَ أَذْكُرُوا إِذْ نَجَّيْنَكُمْ أَيُّ آبَاءِكُمْ وَالْخِطَابُ بِهِ بِمَا بَعْدَهُ الْمُؤْجِدِينَ فِي زَمَنِ
 نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرُوا بِمَا أَنْعَمَ عَلَى آبَائِهِمْ تَذَكُّرًا لِمِهِمْ بِنِعْمَةِ اللَّهِ لِيُؤْمِنُوا
 مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ يُذَيِّتُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ أَشَدَّهُ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ مِنْ ضَمِيرِ نَجَّيْنَكُمْ يُذَيِّتُونَ بَيَانُ لَمَّا
 قَبْلَهُ أَبْنَاءُكُمْ الْمُؤْلُودِينَ وَيَسْتَحْيُونَ يَنْسَبُونَ نِسَاءَكُمْ لِقَوْلِ بَعْضِ الْكَاهِنَةِ لَهُ أَنْ مَوْلُودًا يُوَلَدَ فِي بَنِي
 إِسْرَءِيلَ يَكُونُ سَبَبًا لِلذَّبَابِ مُلْكِكَ وَفِي ذَلِكَ الْعَذَابِ أَوْ الْإِنْجَاءِ بَلَاءٌ ابْتِلَاءٌ وَأَنْعَامٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۵۹﴾
 وَ أَذْكُرُوا إِذْ فَرَقْنَا فَلْتَنَا بِكُمْ بِسَبَبِكُمْ الْبَحْرَ حَتَّى دَخَلْتُمُوهُ بَارِبِينَ مِنْ عَدُوِّكُمْ فَأَنْجَيْنَكُمْ مِنَ الْعَرَقِ
 وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ قَوْمَهُ مَعَهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۶۰﴾ إِلَى انْطِبَاقِ الْبَحْرِ عَلَيْهِمْ وَلِذَوَعْدَانَا بِأَلْبِ زِدُونَهَا
 مُوسَى أَرْبَعِينَ لَيْلَةً نُعْطِيهِ عِنْدَ انْقِضَائِهَا التَّوْرَةَ لِيَتَعَمَّلُوا بِهَا ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ الَّذِي صَاغَهُ لَكُمْ السَّامِرِيُّ
 إِلَٰهًا مِنْ بَعْدِهِ أَنَّى بَعْدَ ذَمِّهِ إِلَٰهِي بِنِعَادِنَا وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۶۱﴾ بِاتِّخَاذِهِ لَوْ ضَعَفَكُمْ الْعِبَادَةُ فِي غَيْرِ مَحَلِّهَا
 ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۶۲﴾ نِعْمَتُنَا عَلَيْكُمْ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ التَّوْرَةَ وَالْفُرْقَانَ عَظُمُ
 تَفْسِيرِ أَيْ الْفَارِقِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَالْخَلَالِ وَالْجَرَامِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۶۳﴾ بِهِ مِنَ الضَّلَالِ وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ
 الَّذِينَ عَبَدُوا الْعِجْلَ يَوْمَئِذٍ أَنْتُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ إِلَٰهًا فَتَوَبُّوا إِلَى بَارِبِكُمْ خَالِقِكُمْ مِنْ
 عِبَادَتِهِ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَيْ لِيَقْتُلَ الْبَرُّ بَيْنَكُمْ الْمُجْرِمَ ذَلِكَ الْقَتْلُ خَيْرٌ لَكُمْ عِنْدَ بَارِبِكُمْ فَوْقَكُمْ
 لِفِعْلِ ذَلِكَ وَأَرْسَلَ عَلَيْكُمْ سَحَابَةً سَوْدَاءَ لَيْلًا يَنْصُرُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَيَرْحَمُهُ حَتَّى قُتِلَ بَيْنَكُمْ نَحْوُ
 سَبْعِينَ أَلْفًا فَتَابَ عَلَيْكُمْ قَبْلَ تَوْبَتِكُمْ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اے اولادِ یعقوب میری اس نعمت کو یاد کرو، جس سے میں نے تم کو نوازا تھا، یعنی ان نعمتوں پر شکر گزاری کے
 ذریعہ اطاعت کر کے اور میں نے تم کو یعنی تمہارے آباء کو عالم والوں پر (یعنی) اس زمانہ کے عالم والوں پر فضیلت عطا کی تھی
 اور اس دن سے ڈرتے رہو، جس دن کوئی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئے گا، اور وہ قیامت کا دن ہے، اور نہ کسی کی طرف سے سفارش
 قبول کی جائے گی، (یُقْبَلُ) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، یعنی اس کے لئے سفارش ہی نہیں ہوگی، کہ قبول کی جائے، جیسا کہ فَمَا
 لَنَا مِنْ شَافِعِينَ سے معلوم ہوتا ہے اور نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی کہ وہ اللہ کے عذاب سے
 بچائے جائیں اور وہ وقت یاد کرو، جب کہ ہم نے تم کو یعنی تمہارے آباء کو اور خطاب اس کے اور مابعد کے ذریعہ ان (یہودیوں)

کو ہے، جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے، ان انعامات کی ان کو خبر دی جا رہی ہے جو ان کے آباء کو عطا کئے گئے تھے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلانے کے لئے تاکہ ایمان لے آئیں۔ آل فرعون کی (غلامی) سے نجات دی، تم کو بدترین عذاب چکھا رہے تھے، یعنی شدید ترین عذاب اور جملہ، نَجِدَنَّكُمْ کی ضمیر سے حال ہے، تمہارے (نو) مولود لڑکوں کو ذبح کر رہے تھے، يُذَبِّحُونَ ماقبل سے بدل ہے، اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ رہے تھے، بعض کاہنوں کے فرعون سے یہ کہنے کی وجہ سے کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا، جو تیری حکومت کے زوال کا سبب بنے گا، اور اس عذاب یا نجات دینے میں تمہارے رب کی جانب سے بڑی آزمائش یا انعام ہے اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تمہارے لئے دریا پھاڑ دیا تھا، یہاں تک کہ تم اپنے دشمن سے بھاگ کر اس میں داخل ہو گئے اور تم کو غرق سے نجات دی اور آل فرعون اور اس کی قوم کو مع فرعون کے ہم نے غرق کر دیا اور تم دریا کا ان پر ملنا دیکھ رہے تھے، اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا (وَاعِدْنَا) میں الف اور بغیر الف دونوں قراءتیں ہیں کہ ہم اس مدت کے پورا ہونے پر تورات عطا کریں گے، تاکہ تم اس پر عمل کرو، پھر تم نے اس پچھڑے کو معبود بنالیا، جس کو تمہارے لئے سامری نے ڈھالا تھا، موسیٰ علیہ السلام کے ہمارے مقام وعد پر جانے کے بعد اور تم اس کے معبود بنانے کی وجہ سے ظالم بن گئے، عبادت کو غیر محل میں رکھنے کی وجہ سے پھر ہم نے تم کو معاف کر دیا، یعنی تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا، پچھڑے کو معبود بنانے کے بعد تاکہ تم اپنے اوپر ہماری نعمتوں کا شکر ادا کرو، اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات اور فرقان عطا کی یہ عطف تفسیری ہے، یعنی حق و باطل اور حلال و حرام کے درمیان فرق کرنے والی تاکہ تم اس کے ذریعہ گمراہی سے ہدایت حاصل کرو، اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے جنہوں نے گائے کی پرستش کی تھی، فرمایا اے میری قوم تم نے پچھڑے کو معبود بنا کر اپنے اوپر ظلم کیا ہے لہذا تم اپنے خالق سے اس کی عبادت سے توبہ کرو، لہذا تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، یعنی تم میں بری، مجرم کو قتل کرے یہ قتل تمہارے لئے بہتر ہے تمہارے پیدا کر نیوالے کے نزدیک تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسکی توفیق دی اور تمہارے اوپر سیابادل بھیج دیا۔ تاکہ تم میں سے بعض بعض کو نہ دیکھ سکے کہ اس پر ترس کھائے۔ یہاں تک کہ تم میں قتل کئے گئے ستر ہزار کے لگ بھگ پس اللہ نے تمہاری توبہ قبول کی بے شک وہ توبہ کو قبول کر نیوالا اور رحم کر نیوالا ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْلِ تَفْسِيْرِي فَوَائِدْ

قَوْلُهُ: عَالَمِي زَمَانِيْہُمْ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: عَالَمٌ مَّاسُوِي اللہ کو کہتے ہیں، بنی اسرائیل کی ماسوی اللہ پر فضیلت سے لازم آتا ہے کہ امت محمدیہ ﷺ پر بھی فضیلت حاصل ہو حالانکہ امت محمدیہ ﷺ تمام امتوں میں افضل ترین امت ہے۔

جَوَابُ: عالم سے اس زمانہ کے موجودین مراد ہیں، نہ کہ مطلق موجودین۔

قَوْلُهُ: عَدْلٌ، بمعنی، عوض، بدلہ، معاوضہ، انصاف، فدیہ، عدل کسرۃ عین کے ساتھ بمعنی مثل، ابو عمر نے کہا ہے کہ فتح اور کسرہ کے ساتھ ہم معنی ہیں۔

قَوْلُهُ: وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: هُمْ ضمیر جمع مذکر کی ہے، نفس کی طرف راجع ہے حالانکہ نفس مفرد ہے۔

جَوَابُ: نفس، نکرہ کے تحت انفی داخل ہونے کی وجہ سے عموم پر دلالت کرتا ہے، جس کی وجہ سے نفس میں جمعیت کے معنی پیدا ہو گئے ہیں۔

سُؤَالٌ: هُمْ، ضمیر مذکر ہے، جب کہ اس کا مرجع نفس مؤنث ہے۔

جَوَابُ: نَفْسٌ، عِبَادٌ، کی تاویل ہے۔

قَوْلُهُ: يَسْؤُمُونَكُمْ، یہ سَوْمٌ (ن) سے مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے، وہ تم کو تکلیف دیتے ہیں، مجبور کرتے ہیں۔

قَوْلُهُ: بَيَانٌ لِّمَا قَبْلَهُ، یعنی يُذَيِّبُونَ، بعض ماقبل یعنی يسومونكم کا بیان ہے، اس لئے کہ متعدد اور مختلف قسم کی تکالیف میں سے یہاں صرف ذبح کا ذکر ہے۔

قَوْلُهُ: يَسْتَحْيُونَ، اسْتَحْيَاءُ (استفعال) سے جمع مذکر غائب مضارع وہ زندہ چھوڑ دیتے ہیں، يَسْتَحْيُونَ اصل میں يَسْتَحْيُونَ دو یاؤں کے ساتھ تھا، پہلی یا عین کلمہ اور دوسری لام کلمہ پہلی یا پر کسرہ دشوار ہونے کی وجہ سے کسرہ حذف ہو گیا، اس کے بعد یا اور حاء کے درمیان التقاء ساکنین ہوا، جس کی وجہ سے یا حذف ہو گئی، اور کہا گیا ہے کہ تخفیفاً ياء ثانیہ کو حذف کر دیا گیا اور پہلی یا کو واؤ کی مناسبت سے ضمہ دیدیا گیا ہے، لڑکیوں کو مایوئل کے اعتبار سے نساء سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: وَفِي ذَلِكُمْ، خبر مقدم ہے، بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ، مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلُهُ: السَّامِرِيُّ، سامری کا اصل نام موسیٰ ہے یہ شخص ولد الزنا تھا، نسلاً اسرائیلی تھا، اس کی والدہ نے شرم اور بدنامی کے خوف سے اس کو ایک پہاڑ کی غار میں جنا تھا اور بدنامی کے خوف سے غار ہی میں چھوڑ دیا تھا، حضرت جبرائیل ؑ نے اس کی پرورش فرمائی تھی۔

فَمُوسَى الَّذِي رَبَّاهُ جَبْرَائِيلُ كَافِرٌ وَمُوسَى الَّذِي رَبَّاهُ فِرْعَوْنُ مُرْسَلٌ۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

عَدْلٌ بفتح العين وهو الفداء لِأَنَّهُ مُعَادِلٌ لِلْمَفْدَى قِيمَةً وَقَدَرًا إِنْ لَمْ يَكُنْ مِنْ جَنْسِهِ، وَبَكْسَرِ الْعَيْنِ هُوَ الْمَسَاوِي فِي الْجَنْسِ وَالْجَرْمِ وَيُقَالُ عَدِلَ وَعَدِيلٌ إِلَى الْجَمْلَةِ 'مَعْطُوفَةُ الَّتِي هِيَ' وَلَا هُمْ

يُنْصَرُونَ“ اسمیۃ مع أَنَّ الجمَل الّتی قبلہا فعلیۃ للمبالغة والدلالة علی الثبات والديمومة، ای اَنَّهُمْ غیرُ منصورین دائماً، ولا عبرة بما یصادفونہ مِن نجاح موقتٍ ”موسى علم اعجمی لا ینصرف هو فی الاصل مرکب، هو فی الاصل موسى بالشین المعجمة، لأنّ الماء بالعبریۃ یقال لہ مُوء والشجر یقال لہ، شاء، فعربت العرب وقالوا: موسى.

تَفْسِیرُ وَتَشْرِیْح

یَبْنِیْ اِسْرَآئِیْلَ، یہاں سے دوبارہ بنی اسرائیل کو وہ انعامات یاد دلائے جارہے ہیں جو ان پر کئے گئے اور ان کو قیامت کے دن سے ڈرایا جا رہا ہے، جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا نہ کسی کی سفارش قبول ہوگی اور نہ معاوضہ دے کر چھٹکارا پا سکے گا۔ دراصل یہ اس دور کی طرف اشارہ ہے جب تمام دنیا کی قوموں میں ایک بنی اسرائیل کی قوم ہی ایسی تھی جس کے پاس اللہ کا دیا ہوا علم حق موجود تھا، اور جس کو اقوام عالم کا امام و رہنما بنا دیا گیا تھا تا کہ وہ بندگی رب کے راستہ پر سب قوموں کو بلائے اور چلائے۔

بنی اسرائیل کے بگاڑ کی ایک بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ آخرت کے متعلق ان کے عقیدے میں خرابی آ گئی تھی، وہ اس قسم کے خیال خام میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم جلیل القدر انبیاء کی اولاد ہیں بڑے بڑے اولیاء صلحاء اور زہاد سے نسبت رکھتے ہیں ہماری بخشش تو ان بزرگوں کے صدقہ میں ہو ہی جائیگی، ان کے دامن سے وابستہ ہونے کے بعد بھلا کوئی سزا کس طرح پاسکتا ہے، اسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات اور احسانات کو شمار کرانے کے معا بعد فرمایا: ”وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ“۔

وَاتَّقُوا یَوْمًا، اس دن سے مراد ظاہر ہے کہ قیامت کا دن ہے، قیامت کی یاد بروقت اور بڑے حکیمانہ انداز سے دلائی گئی ہے حشر و نشر، جزاء و سزا کا عقیدہ جو انسان کے دل میں مسئولیت اور ذمہ داری کی روح ہے اسرائیلیوں کے دلوں ہی سے نہیں، بلکہ ان کی مقدس کتابوں اور دینی نوشتوں تک سے مٹ چکا تھا، آگے جو روز قیامت کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں، ہر ایک میں مقصود کسی نہ کسی اسرائیلی عقیدے ہی کا رد ہے۔

لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ، اس کا مقصد اس اسرائیلی عقیدے کی تردید ہے، جس میں آج تک اسرائیلی قوم مبتلا ہے، یعنی جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی نسل سے ہونے کی وجہ سے بخشش کا زعم باطل جیوش انسینکو پیڈیا، میں لکھا ہے۔ بہت سے لوگ اپنے اسلام کے اور بہت سے لوگ اپنے اسلاف کے اعمال حسنہ کی بنا پر بخش دیئے جائیں گے۔

(جلد، ۶، ص: ۶۱)

یہود کو یہ بھی دھوکا تھا کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں، اس لئے مواخذہ آخرت سے محفوظ رہیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ وہاں اللہ کے نافرمانوں کو کوئی سہارا نہیں دے سکے گا:

”وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ“.

بنی اسرائیل پر ایک انعام یہ بھی ذکر فرمایا گیا کہ ان کو تمام جہانوں پر فضیلت دی گئی یعنی امت محمدیہ سے پہلے افضل العالمین ہونے کی یہ فضیلت بنو اسرائیل کو حاصل تھی، جو انہوں نے معصیت الہی کا ارتکاب کر کے گنوا دی اور ان کی جگہ امت محمدیہ کو خیر امت بنادیا گیا، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انعامات الہی کسی خاص نسل کے ساتھ وابستہ نہیں، بلکہ یہ ایمان اور عمل کی بنیاد پر ملتے ہیں اور ایمان و عمل سے محرومی پر سلب کر لئے جاتے ہیں۔

وَاذْكُرُوا إِذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ، سابقہ آیات میں بنی اسرائیل پر جن انعامات و احسانات کا اجمالاً ذکر تھا، (اب یہاں سے مسلسل کئی رکوعوں تک) ان کی قدرے تفصیل بیان کی جا رہی ہے، اس تاریخی بیان میں دراصل یہ دہانا مقصود ہے کہ ایک طرف یہ احسانات و انعامات ہیں جو خدا نے تم پر کئے اور دوسری طرف تمہارے یہ کرتوت ہیں جو ان احسانات کے جواب میں تم کرتے رہے ہو۔

مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ، ال یہ اہل کا مرادف ہے اور مراد اس سے فرعون کی قبیلہ قوم ہے آل اور اہل میں فرق صرف اس قدر ہے کہ اہل کا استعمال عام ہے اور آل صرف خصوصیت اور اہمیت رکھنے والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

فرعون کسی متعین بادشاہ کا ذاتی نام یا علم نہیں ہے قدیم شاہان مصر کا لقب تھا، جیسا کہ فارس کے بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے بادشاہ کو قیصر اور حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی کہتے تھے، جیسا کہ زمانہ قریب میں روس کے بادشاہ کو زار اور ترکی کے فرمانروا کو سلطان اور والی مصر کو خدیو اور والی حید آباد کو کھن کو نظام کہتے تھے، مؤرخین کا خیال ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ہمعصر کوئی ایک بادشاہ نہیں ہے بلکہ یکے بعد دیگرے دو بادشاہ ہیں۔





جشن کا علاقہ
جہاں بنی اسرائیل مصر میں رہتے تھے

میان خود
مطابق

حجاز

بحر قلزم

﴿ زمزم پبلشرز ﴾

فرعون موسیٰ کا نام:

اہل کتاب کے قول کے مطابق فرعون موسیٰ کا نام قابوس ہے اور وہب نے کہا ہے کہ اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ ”فرعون“ شاہان مصر کا لقب ہے کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں ہے، تین ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہو کر عہد سکندر تک فراعنہ کے اکتیس خاندان مصر پر حکمران رہے ہیں۔

عام مؤرخین عرب اور مفسرین، فرعون موسیٰ کا تعلق خاندان عمالقہ سے قرار دیتے ہیں، کوئی اس کا نام ولید بن مصعب بن ریان بتاتا ہے اور کوئی مصعب بن ریان، مگر ارباب تحقیق کی رائے یہ ہے کہ اس کا نام ریان تھا، ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس کی کنیت ابو مزہ تھی، یہ سب اقوال قدیم مورخین کی تحقیقی روایات پر مبنی تھے، مگر اب جدید مصری اثری تحقیقات اور حجری کتبات کے پیش نظر اس سلسلہ میں دوسری رائے سامنے آتی ہے وہ یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تیسریں ثانی کا بیٹا منفتاح ہے، جس کا دور حکومت ۱۲۹۲ قبل مسیح سے شروع ہو کر ۱۲۵۱ قبل مسیح پر ختم ہوتا ہے۔ (قصص القرآن مولانا حفظ الرحمن ملخصاً)

مصری عجائب خانہ میں یہ نقش آج بھی محفوظ ہے اور قرآن عزیز کے اس کلام بلاغت نظام کی تصدیق کر رہا ہے۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لَتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً، آج کے دن ہم تیرے جسم کو (دریا سے) نجات دیں گے، تاکہ وہ تیرے بعد آنے والوں کے لئے (خدا کا) نشان رہے۔ محمد احمد عدویٰ اپنی کتاب ”دعوة الرسل الى الله“ میں لکھتے ہیں کہ اس نقش کی ناک کے سامنے کا حصہ ندارد ہے اس کی تصدیق اس تصویر کے دیکھنے سے بھی ہوتی ہے جو زمانہ قریب میں سی ڈی میں محفوظ کی گئی ہے۔

فرعون کا خواب:

تورات اور مورخین کا بیان ہے کہ فرعون کو بنی اسرائیل کے ساتھ اس لئے عداوت ہو گئی تھی کہ فرعون نے ایک بھیانک خواب دیکھا تھا وہ یہ کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے، یہاں تک کہ: اس نے مصر پہنچ کر مصر کے تمام گھروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور قبطیوں کو جلا ڈالا اور اسرائیلیوں کو چھوڑ دیا، اس خواب سے فرعون کو بہت تشویش لاحق ہوئی اس کی تعبیر کے لئے کاہنوں، نجومیوں اور قیافوں کو جمع کیا، ان لوگوں نے بتایا کہ تیری حکومت کا زوال ایک اسرائیلی لڑکے ہاتھوں ہوگا، اس واقعہ کے بعد فرعون کو اسرائیلیوں سے عداوت ہو گئی اور نو مولود لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم دیدیا۔ مفسرین نے بھی انہی روایات کو کتب تفسیر میں نقل فرمایا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور ان کا نسب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب چند واسطوں سے یعقوب علیہ السلام تک پہنچتا ہے ان کے والد کا نام عمران اور والدہ کا نام یوکا بد تھا، سلسلہ نسب یہ ہے موسیٰ بن عمران بن قاہث بن لاوی بن یعقوب (علیہ السلام) بن اسحاق بن ابراہیم (علیہ السلام) موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ایسے زمانہ میں ہوئی جب کہ فرعون بنی اسرائیل کے لڑکوں کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا۔

بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات:

وَإِذْ نَجَّيْنَاكَ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ، نَجَّيْنَا، باب تفعیل سے ہے، اس باب کی ایک خاصیت فعل کی تدریج ظاہر کرنا بھی ہے، بعض مورخین کا خیال ہے کہ تمام اسرائیلی مصر سے ایک ساتھ نہیں نکلے تھے، بلکہ بتدریج مختلف جماعتوں کی شکل میں نکلے تھے، اور ان کا سب سے بڑا اور آخری دستہ وہ تھا، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں روانہ ہوا اور راہ بھٹک کر سمندر پار ہوا۔ (تفسیر ماجدی)

فرعون اور مصری سرکار کے مظالم سا لہا سال تک برداشت کرنے کے بعد بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں ساری قوم اسرائیل نے مصر کی سکونت ترک کر کے اپنے آبائی وطن شام و فلسطین کو چلا جانا طے کر لیا، سفر مصری حکومت سے خفیہ طور پر رات کے وقت شروع کیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ راستہ میں روشنی کا انتظام تو دور کی بات ہے، آج کل کی طرح باقاعدہ سڑکیں بھی نہ تھیں، رات کی تاریکی میں اسرائیلی راستہ بھول گئے اور بجائے اس کے کہ شمال کی طرف کچھ آگے بڑھ کر اپنی دائیں طرف مشرق کی جانب مڑتے پہلے ہی ادھر مڑ گئے، ادھر فرعون کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی، فرعون اپنے لشکر کی کمان خود کرتا ہوا تیزی سے تعاقب میں آ پہنچا، اب اسرائیلیوں کے سامنے یعنی مشرق کی جانب بحر قلزم کا شمالی سر تھا اور دائیں بائیں یعنی شمال و جنوب میں پہاڑیاں تھیں، اور پشت یعنی مغرب کی جانب مصری لشکر تھا، قرآن مجید میں اسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنْجَيْنَاكُمْ، بحر سے مراد یہاں دریائے نیل نہیں جیسا کہ بعض ثقافت کو دھوکا ہوا ہے، بلکہ بحر قلزم (بحر احمر) مراد ہے اسرائیلی اپنے کو ہر طرف سے محصور پا کر قدرۃ سخت پریشان ہوئے لیکن رہنمائی اللہ کے ایک پیغمبر کر رہے تھے، آپ نے وحی الہی کے اشارہ پر فرمایا کہ بلا توقف سمندر میں داخل ہو جاؤ، سمندر کا پانی سمٹ کر دونوں طرف پہاڑ جیسی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا، درمیان میں خشک راستہ پیدا ہو گیا اسرائیلیوں کا قافلہ عبور کر گیا، اس دوران فرعون بھی لب ساحل پہنچ گئے، اور یہ منظر دیکھ کر وہ بھی پیدل اور سوار خشک سمندر میں داخل ہو گئے، لیکن ابھی درمیان ہی میں تھے کہ پانی کی وہ کھڑی دیواریں آپس میں مل گئیں، اور سمندر کا پانی حسب سابق رواں ہو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے فرعون مع اپنے لاؤ لشکر کے غرق ہو کر رہ گیا۔

معجزہ کی حقیقت:

انسان کے محدود نقطہ نظر اور ناقص علم کے اعتبار سے جو مستبعد خلاف معمول اور حیرت انگیز واقعہ کسی نبی کی تائید میں ظاہری مادی اسباب سے بے تعلق ظہور میں آئے اسے اصطلاح میں معجزہ کہتے ہیں، ”ایسے کسی واقعہ کو جس کا ثبوت روایت یا روایت یعنی مشاہدہ یا نقل صحیح سے مل جائے“ خلاف عقل کہہ کر اس کے امکان سے انکار کر بیٹھنا یا اس کی تاویل کی کوشش کرنا جیسا کہ سرسید احمد خاں نے کی ہے خود ایک انتہائی نادانی اور بے عقلی ہے، عجائبات سے آخر تاریخ بھری پڑی ہے، اور خوارق، نوادر، اور حوادث عجیبہ سے دنیا کا کونسا گوشہ، زمانہ کا کونسا دور خالی رہا ہے، زیادہ سے زیادہ ایسے واقعات کو خلاف معمول خلاف عادت عامہ کہا جاسکتا ہے اور ان کے روایتی ثبوت کا مطالبہ یقیناً کیا جاسکتا ہے اور راویوں پر جرح بھی خوب کر لینی چاہئے، لیکن اس سے تجاوز کر کے ان کے نفس امکان میں شک کرنا یا انہیں خلاف عقل یا محال قرار دینا اپنی کم عقلی کا اظہار ہے۔

استبعاد جو کچھ بھی ہے وہ تو صرف انسانی معیار سے ہے، انسان کے بہت ہی محدود و مختصر رقبہ علم و تجربہ کے اعتبار سے ہے ورنہ جو قادر مطلق ہے اس کے لئے تو حسب معمول اور خلاف معمول سب ایک ہے۔

وقوع اور امکان میں فرق:

وقوع اور امکان دو بالکل الگ الگ چیزیں ہیں اور ان ہی کے خلط بحث نے معجزہ کے مسئلہ میں اتنی الجھن پیدا کر دی ہے امکان تو ہر چیز کا ہے قادر مطلق کے دائرہ قدرت کے اندر ہر بڑی سے بڑی چیز ہے ناممکن اور محال اس کے لئے کوئی چیز نہیں، لیکن وقوع پر یقین کرنے کے لئے شاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے، یہ تو معجزات پر اصولی گفتگو تھی، باقی یہاں جس فرق بحر کا ذکر ہے تو یہ سمندر کا پھٹ جانا اور درمیان میں خشکی کی راہ بن جانا، کچھ ایسا زیادہ خارق عادت ہے بھی نہیں کہ اس کی نظیر کہیں نہ ملتی ہو، بحری زلزلے کے وقت ایسی صورتیں پیش آتی رہتی ہیں، جنوری، ۱۹۳۴ء، رمضان ۱۳۵۲ھ میں جو عظیم زلزلہ بہار اور اطراف بہار میں آیا اس موقع پر صوبہ بہار کے صدر مقام پٹنہ میں دو پہر ڈھائی بجے کے قریب ایک مجمع کثیر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ گنگا جیسے وسیع و عریض دریا کا پانی چشم زدن میں غائب ہو گیا، اور اتنے چوڑے پاٹ میں بجائے دریا کے دھارے کے خشک زمین نکل آئی اور یہ حیرت انگیز اور دہشت ناک منظر چند سیکنڈ نہیں چار پانچ منٹ تک قائم رہا یہاں تک کہ دریا اسی برق رفتاری کے ساتھ یک بیک زمین سے ابل کر پھر جاری ہو گیا واقعہ کی مفصل روایت ادو قائع نگار کے قلم سے انگریزی روزنامہ ”پانیر“ (لکھنؤ) ۲۰ جنوری ۱۹۳۴ء کی اشاعت میں درج ہے۔

(تفسیر ماجدی)

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، بنی اسرائیل فرعون یوں سے نجات پانے کے بعد دریا عبور کر کے جب جزیرہ نما صحراء سینا میں پہنچ گئے، تو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے چالیس روز کے لئے کوہ طور پر طلب فرمایا، تاکہ وہاں اس قوم کے لئے جو اب آزاد ہو چکی ہے، قوانین شریعت اور عملی زندگی کی ہدایات عطا کی جائیں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بن عمران سلسلہ اسرائیلی

کے سب سے زیادہ مشہور اور جلیل القدر پیغمبر ہیں تو رات میں ہے کہ ان کی عمر ایک سو بیس سال ہوئی۔ (ماجدی)

آپ کا زمانہ مؤرخین اور اثر نمین کے تخمینہ کے مطابق پندرہویں اور سولہویں صدی قبل مسیح کا تھا، سال ولادت غالباً ۵۲۰ قبل مسیح (عَلَيْهِ السَّلَام)، سال وفات غالباً ۴۰۰ قبل مسیح (عَلَيْهِ السَّلَام) ہے۔ (ماجدی)

حضرت موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام حکم خداوندی سے چالیس روز کے لئے نوشتہ شریعت لینے کے لئے کوہ طور پر تشریف لے گئے تھے، موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَام کی غیر موجودگی میں اسرائیلیوں نے سامری اسرائیلی منافق کے پیچھے لگ کر ایک سونے چاندی کے بنے ہوئے پچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔

www.ahelahq.org



حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے نبی ہیں جن کو اللہ نے عالمگیر دعوت پھیلانے کے لئے مقرر کیا تھا، انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستان عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی طرف لوگوں کو دعوت دی پھر اپنے اس مشن کی اشاعت کے لئے مختلف علاقوں میں اپنے نائب مقرر کئے، شرق اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو، شام و فلسطین میں اپنے بیٹے اسحاق علیہ السلام کو، اور اندرون عرب اپنے بڑے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو مامور کیا، بجز اللہ کے حکم سے مکہ میں وہ گھر تعمیر کیا جس کا نام کعبہ ہے، اور اللہ ہی کے حکم سے وہی اس مشن کا مرکز قرار پایا۔



حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہاجرات

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں اُر کے مقام پر پیدا ہوئے، آگ کے الاؤ سے بچ نکلنے کے بعد آپ وطن چھوڑ کر پہلے حران (یا حاران) تشریف لے گئے پھر وہاں سے فلسطین کی طرف منتقل ہوئے اور بیت ایل، حسروہ اور پیر شمع میں اپنی دعوت کے مراکز قائم کئے، پھر بحر لوط کے شرق میں اپنے بقیچے حضرت لوط کو مامور کیا، وہاں سے آپ مصر تشریف لے گئے جو اُس زمانہ میں عراق کے بعد تہذیب و تمدن کا دوسرا عظیم الشان گہوارہ تھا، مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مصر میں بھی آپ کا کوئی تبلیغی مشن قائم ہوا یا نہیں، اس کے بعد آپ نے حجاز کا رخ کیا اور مکہ میں بیت اللہ تعمیر کر کے اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اس کی خدمت سپرد کی، پھر فلسطین میں حسروہ کو اپنا مستقل مرکز بنایا، اور یہیں آپ کا انتقال ہوا، آپ کے بعد آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہ السلام اس مرکز میں آپ کے حاشنین ہوئے، اور اُن سے یہ میراث حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہنچی۔

جب حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام نے شرک پر متنبہ فرمایا، تو پھر انہیں توبہ کا احساس ہوا، توبہ کا طریقہ قتل تجویز ہوا (فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ) آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو، اس کی ایک تفسیر یہ ہے کہ جن لوگوں نے گاوپرستی میں حصہ لیا تھا، وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کریں، دوسری تفسیر یہ ہے کہ شرک کا ارتکاب نہ کرنے والے شرک کے ارتکاب کرنے والوں کو قتل کریں، مقتولین کی تعداد ستر ہزار بیان کی گئی ہے۔ (ابن کثیر)

موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کے ستر ہمراہیوں کے ہلاک ہونے کے بعد زندہ ہونے کا واقعہ:

حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام ستر (۷۰) آدمیوں کو کوہ طور پر تورات لینے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے، جب حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام واپس آنے لگے، تو انہوں نے کہا جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے نہ دیکھ لیں ہم تیری بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، جس پر بطور عتاب بجلی گری اور ہلاک ہو گئے، حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام سخت پریشان ہوئے اور ان کی زندگی کی دعاء کی جس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوبارہ زندہ کر دیا۔

اکثر مفسرین کے نزدیک یہ مصر و شام کے درمیان میدان تیار کا واقعہ ہے، جب انہوں نے بحکم الہی عمالقہ کی بستی میں داخل ہونے سے انکار کر دیا، اور بطور سزا بنو اسرائیل چالیس سال تک تیار کے میدان میں پڑے رہے۔

وَإِذْ أَنْتُمْ وَقَدْ خَرَجْتُمْ مَعَ مُوسَىٰ لِتَعْتَذِرُوا إِلَى اللَّهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعَجَلِ وَسَمِعْتُمْ كَلَامَهُ
يَمُوسَىٰ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً عَيْنًا فَأَخَذَتْكُمُ الصَّعِقَةُ الْحَسِيحَةُ فَمُتُّمْ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ^{۵۵} مَا
حَلَّ بِكُمْ ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ أَخِيْنََاكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ^{۵۶} نَعْمَتْنَا بِذَلِكَ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ
سَرَنَدَكُمْ بِالسَّحَابِ الرَّقِيقِ مِنْ حَرِّ الشَّمْسِ فِي النَّيِّهِ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ فِيهِ الْمَنَّ وَالسَّلَوىٰ بُمَا التَّرْنَجِبِ
وَالطَّيْرِ السُّمَانِ بِتَخْفِيفِ الْمِيمِ وَالْقَصْرِ وَقُلْنَا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَذْخِرُوا فَاكْفَرُوا بِالْغِنَةِ وَ
ادْخَرُوا فُجِعَ مِنْهُمْ وَمَا ظَلَمُونَا بِذَلِكَ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ^{۵۷} لَآ وَبَالَهُ عَلَيْهِمْ وَإِذْ قُلْنَا لَهُمْ بَعْدَ
خُرُوجِهِمْ مِنَ النَّيِّهِ ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ بَيْتَ الْمَقْدِسِ أَوْ أَرِيحَا فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَاسْعَلَا لَا حَجَرَ
فِيهِ وَادْخُلُوا الْبَابَ أَيْ بَابَهَا سُجَّدًا مُنَحْنِينَ وَقُولُوا مَسْأَلَتْنَا حِطَّةً أَيْ أَنْ تَحْطَ عَنْ خَطَايَانَا نَغْفِرَ وَفِي
قِرَاءَةِ الْبَيِّنَاتِ وَالتَّاءِ مَبْنِيًّا لِلْمَفْعُولِ فِيهِمَا لَكُمْ خَطِيئَتُكُمْ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ^{۵۸} بِالطَّاعَةِ ثَوَابًا فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا
مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَقَالُوا حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ وَدَخَلُوا يَزْحَفُونَ عَلَىٰ أَسْتَابِهِمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا
فِيهِ وَضَعُ الطَّائِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ مُبَالِغَةً فِي تَقْبِيحِ شَانِهِمْ رِجْزًا عَذَابًا طَاعُونًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ^{۵۹}
بِسَبَبِ فِسْقِهِمْ أَيْ خُرُوجِهِمْ عَنِ الطَّاعَةِ فَهَلَكَ مِنْهُمْ فِي سَاعَةٍ سَبْعُونَ أَلْفًا أَوْ أَقَلَّ.

ترجمہ: (یاد کرو) جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا، (جب کہ) تم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گاؤ پرستی کی عذرخواہی کے لئے اللہ کی طرف نکلے تھے، اور تم نے اس کا کلام سنا تھا، اے موسیٰ ہم ہرگز آپ کی بات کا یقین نہ کریں گے جب تک کہ ہم اپنی آنکھوں سے علانیہ اللہ کو نہ دیکھ لیں، سو تم کو بجلی کی کڑک نے آلیا، جس کی وجہ سے تم مر گئے اور جو کچھ تم پر گذرا، تم دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے تمہارے مرنے کے بعد تم کو زندہ کر دیا، تاکہ تم اس احسان کی شکرگزاری کرو، اور ہم نے تم پر ابر کا سایہ کیا یعنی مقام تہ میں رقیق (ہلکے) بادل کے ذریعہ سورج کی گرمی سے حفاظت کی اور اس مقام تہ میں من و سلویٰ تمہارے لئے فراہم کیا اور وہ ترنجبین اور بیڑ تھیں میم کی تخفیف اور الف مقصورہ کے ساتھ اور ہم نے تم سے کہا جو پاک چیزیں ہم نے تم کو بخشی ہیں، انہیں کھاؤ اور ذخیرہ نہ کرو، مگر انہوں نے نعمت کی ناشکری کی اور ذخیرہ اندوزی شروع کر دی، جس کی وجہ سے وہ چیزیں موقوف ہو گئیں، اور (تمہارے اسلاف نے) اس ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا، بلکہ خود انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اس لئے کہ اس کا وبال خود ان پر پڑنے والا ہے، اور جب ہم نے ان سے مقام تہ سے نکلنے کے بعد کہا تھا، کہ اس بستی بیت المقدس یا اریحا میں داخل ہو جاؤ، اور اس میں جو چاہو اور جہاں سے چاہو با فراغت کھاؤ، اس میں کوئی پابندی نہیں، مگر اس بستی کے دروازے میں (عاجزی کے ساتھ) جھکے جھکے داخل ہونا، اور کہتے جانا ہماری درخواست معافی ہے، یعنی ہمارے خطاؤں کو معاف کر دے، ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کر دیں گے اور ایک قراءت میں یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور دونوں صیغے مجہول کے ساتھ ہم نیکو کاروں کو مزید نوازیں گے طاعت کے سبب ثواب سے، مگر جو بات ان کو بتائی گئی تھی، ظالموں نے اس کو دوسری بات سے بدل ڈالا اور حَبَّةٌ فِی شَعْرَةٍ کہا، یعنی خوشہ دانہ سمیت اور اپنے سرینوں کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے، آخر کار ہم نے ظلم کرنے والوں پر اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، ان کی تیغ شان میں مبالغہ کرنے کے لئے آسمان سے طاعون کا عذاب نازل کر دیا، ان کے فسق کی وجہ سے یعنی ان کے اطاعت سے انحراف کرنے کی وجہ سے، چنانچہ اسی وقت ان میں سے ۷۰ ہزار یا (کچھ) کم ہلاک ہو گئے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: لَنْ تُؤْمِنَ لَكَ.

سُئِلَ: مَوْسٰی بہ کیا ہے؟

جَوَاب: صاحب کشف نے کہا ہے کہ مومن بہ یہ ہے کہ: اللہ ہی آپ سے ہمکلام ہے اور یہ کہ اللہ ہی نے آپ کو تورات دی

ہے؟ اور مکی السنہ نے کہا ہے کہ مومن بہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہیں؟

سُئِلَ: نُوْمِنٌ، متعدی بنفسہ ہے، لہذا اس کے صلہ میں لام کیسا ہے؟

جَوَابُ: لام معنی اجل ہے: اِنِّی لَا نُؤْمِنُ لِاَجَلِکَ، یعنی محض آپ کے کہنے کی وجہ سے ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ ہم اللہ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔

قَوْلُ: عِدَانَا، جَهْرَةً کی تفسیر عِدَانًا سے کرنے سے ایک سوال مقدر کا جواب مقصود ہے۔
سُؤَال: جَهْرَةً، جَهْرَتُ بالقراءة کا مصدر ہے، جس کا تعلق صوت سے ہے، جَهْرَةً کو رؤیة کے معنی میں استعمال کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابُ: جَهْرٌ، رؤیة کے معنی میں مجاز ہے، مناسبت دونوں میں ظہور تام ہے۔
قَوْلُ: صَاعِقَةً، بجلی کی کڑک، کڑکڑاہٹ۔

قَوْلُ: فَمُتُّمُ، فَمُتُّمُ کے اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ ثُمَّ بَعَثْنٰکُمْ کا عطف مقدر پر ہے لہذا اب یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ بعث تو بعد الموت ہوتا ہے اور اخذ صاعقہ کے لئے موت لازم نہیں ہے، جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ صاعقہ سے ان کی موت واقع ہو گئی۔

قَوْلُ: مَا حَلَّ بِکُمْ، اس اضافے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تَنْظُرُوْنَ کا مفعول محذوف ہے کہ: اَخَذَتْکُمُ الصَّاعِقَةُ۔

قَوْلُ: الْغَمَامِ، السَّحَابُ الرَّقِیْقُ الْاَبِیْضُ۔
قَوْلُ: تِیْہ، شام اور مصر کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، جس کی وسعت نو فرسخ ہے۔

قَوْلُ: مَنْ، ایک قسم کی شبیہ شریں گوند کی شکل کی چیز تھی، جو رات کو پتوں پر جم جاتی تھی، مفسر علام نے اس کو ترنجبین سے تعبیر کیا ہے۔

قَوْلُ: سَلَوٰی، ایک قسم کا پرندہ ہے، جو کبوتر سے چھوٹا اور چڑیا سے بڑا ہوتا ہے، اردو میں اس کو بُیر کہتے ہیں، اس کو لَوٰی اور فارسی میں بودنہ کہتے ہیں، قاموس میں ہے کہ: اس کا واحد سَلَوَاةٌ ہے، انخس سے منقول ہے کہ اس کا واحد نہیں سنا گیا۔

(لغات القرآن)

قَوْلُ: سُمَانِی، سین کے ضمہ اور الف مقصورہ کے ساتھ اس کی جمع سمانات آتی ہے۔ (ترویج الارواح)

قَوْلُ: مَنْحِنِیْنَ، اس میں اشارہ ہے کہ سَجَّدَا حَال ہے ای متواضعین۔
قَوْلُ: مَسَالَتْنَا حِطَّةً، اس میں اشارہ ہے کہ حِطَّةً مبتداء محذوف کی خبر ہے اور حِطَّةً کلمۃ استغفار ہے، اور اس میں حذف کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

سُؤَال: حِطَّةً کو قول کا مقولہ کیوں قرار نہیں دیا، حالانکہ یہی ظاہر ہے۔
جَوَابُ: اس لئے کہ قول کا مقولہ جملہ ہوتا ہے اور حِطَّةً مفرد ہے اسی اعتراض سے بچنے کے لئے مَسَالَتْنَا، مبتداء محذوف کی حِطَّةً کو خبر قرار دیا ہے۔

قَوْلًا: يَرْحَفُونَ عَلَىٰ اسْدَاهُمْ، اى یمشون علی اذبارهم، یعنی سرین کے بل گھسٹتے ہوئے، اَسْدَاهُ، جمع سَدِه، سرین۔

قَوْلًا: بِسَبَبِ فَسْقِهِمْ، اس میں اشارہ ہے کہ: بسما، میں بقاءِ سببیہ اور ما، مصدر یہ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُّؤْمِنَ (الآیة) خطاب اگرچہ آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود یہودیوں کو ہے مگر مراد ان کی قوم کے وہ ستر نمائندے ہیں، جن کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے ہمراہ کوہ طور پر لے گئے تھے: "وَالْقَائِلُونَ هُمُ السَّبْعُونَ الَّذِينَ اخْتَارَهُمُ مُوسَىٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلْمِيقَاتِ." (بیضاوی) لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ اِی لَا جِلْكَ (بیضاوی) یعنی محض آپ کے کہنے سے یقین نہ کریں گے جب تک کہ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں۔ تاریخ بنی اسرائیل کے اہم ترین واقعات دہرائے جارہے ہیں اور اسرائیلیوں پر حجت ان کی قومی تاریخ سے قائم کی جارہی ہے یہ اس وقت کا ذکر ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جزیرہ نما سینا میں ستر بزرگان قوم کو ہمراہ لے کر لشکر گاہ سے کوہ طور پر گئے تھے، دامن کوہ میں انہیں چھوڑ کر خود آگے بڑھ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ سے ہمکاری سے مشرف ہونے کے بعد اس کی اطاعت اور خوشخبری ان بزرگان قوم کو پہنچائی تھی۔

وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ، یعنی صاعقہ گرنے کے بعد ابتدائی حالات کو دیکھ رہے تھے، جس کے بعد موت واقع ہوئی، بعض مفسرین نے: "فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ" سے بے ہوش ہو جانا بھی مراد لیا ہے اور "وَأَخْرَجَ مُوسَىٰ صَعِقًا. فَلَمَّا أَفَاقَ" سے استدلال کیا ہے، اور انتم تنظرون کو اس کا قرینہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ افاقہ غشی سے ہوتا ہے، نہ کہ موت سے امام رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اور ابن جریر رحمہ اللہ تعالیٰ کی بھی یہی رائے ہے۔ (ماجدی)

مفسر علام نے "أَخَذَ صَاعِقَةً" سے موت مراد لی ہے، اور اس کا قرینہ بعد میں آنے والے جملہ "ثُمَّ بَعَثْنَا كُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ" کو قرار دیا ہے، یہی قول رائج ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا كُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ، یعنی پھر ہم نے (موسیٰ علیہ السلام کی دعاء) سے تم کو زندہ کراٹھایا تمہارے مرجانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے۔

فَإِذْكَ: "موت" کے لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ: یہ لوگ بجلی سے مر گئے تھے، اس مرنے کا قصہ اور سبب یہ ہوا کہ: جب موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے تورات لا کر پیش کی اور اللہ تعالیٰ سے شرف ہمکاری کی خوشخبری سنائی تو بعض گستاخ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے، تو بے شک ہم کو یقین آجائے گا، بنی اسرائیل نے اس کام کے لئے ستر آدمی منتخب کر کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ کوہ طور پر روانہ کئے، وہاں پہنچ کر ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا تو اس وقت کہنے لگے: ہمیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ پس پردہ اللہ بول رہا ہے، نہ معلوم کون بول رہا ہوگا، اگر ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو مان لیں گے، چونکہ دنیا میں کوئی شخص اللہ کو دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا، اس لئے اس گستاخی پر ان پر بجلی آن پڑی، اور سب ہلاک ہو گئے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے عرض کیا کہ بنی اسرائیل یوں ہی بدگمان رہتے ہیں اب وہ یہ سمجھیں گے کہ میں نے ان کو لے جا کر کہیں ہلاک کر دیا ہوگا، مجھ کو اس تہمت سے محفوظ رکھئے اس دعاء کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا۔

(معارف ملخصاً)

رویت باری کا مسئلہ:

معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ رویت باری ممکن نہیں ہے، اگر رویت باری ممکن اور جائز ہوتی تو اس سوال پر سرداران بنی اسرائیل کو اتنی سخت سزا نہ ملتی، لیکن اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ رویت باری جنت میں تو مومنین کو ہوگی ہی دنیا میں بھی مخصوص افراد کو بطور فضل خاص ممکن ہے، البتہ ہر جہت جسم اور مادی کم و کیف سے پاک۔

(بیضاوی، قرطبی، بحوالہ ماجدی)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ، (الآیۃ) یہ دونوں قصے وادی تہ میں پیش آئے، وادی تہ کی حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام ہے، یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر آئے تھے، اور یہاں کے باشندے ہو گئے اور ملک شام پر پھر عمالقا نامی ایک قوم کا تسلط ہو گیا، فرعون جب غرق ہو گیا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ عمالقا سے جہاد کرو اور اپنے وطن کو ان سے آزاد کرو بنی اسرائیل اسی ارادہ سے مصر سے روانہ ہوئے، ان کی حدود میں پہنچ کر جب عمالقا کے زور و قوت کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا، فاذهب انت وربك الی الخ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار کی سزا یہ دی کہ چالیس برس تک میدان تہ میں سرگرداں اور پریشان پھرتے رہے یہ جزیرہ نمائے سینا جہاں دھوپ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ نہیں تھی اور نہ وہاں نباتاتی غذا کی کوئی صورت، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے دھوپ سے بچاؤ کا یہ انتظام فرمایا کہ بادل کو ان پر سایہ فگن رہنے کا حکم دیدیا، یہاں یہ بات بھی خیال رکھنے کی ہے کہ یہ اسرائیلیوں کی کوئی معمولی تعداد نہیں تھی، ایک روایت کے مطابق ان کی تعداد چھ لاکھ ستر ہزار تھی، صحراء سینا میں مکانات کا تو ذکر ہی کیا سر چھپانے کے لئے ان کے پاس خیمے تک نہ تھے، اس زمانہ میں اگر خدا آسمان کو ابراؤد نہ رکھتا تو یہ قوم دھوپ سے ہلاک ہو جاتی۔

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے غذا کا یہ انتظام فرمایا کہ ان پر من و سلویٰ نازل فرمادیا، من، شبنمی شریں گوند کی طرح ایک چیز تھی، جو درختوں کے پتوں پر بکثرت جم جاتی جس کو یہ لوگ جمع کر لیتے، دوسری چیز بیڑ تھی، جو کثرت سے آتیں جن کو یہ لوگ پکڑ لیتے اور خوشگوار غذا کے طور پر استعمال کرتے۔

اور جب پانی کی ضرورت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر پر اپنا عصا مارنے کا حکم دیا، اس کے نتیجے میں اس پتھر سے بارہ چشمے رواں ہو گئے، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کی بنیادی ضرورت کا انتظام فرمادیا۔

بنی اسرائیل کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ بقدر ضرورت لے لیا کریں آئندہ کے لئے جمع نہ کریں، مگر یہ لوگ ذخیرہ اندوزی سے باز نہ

آئے، معلوم ہوا کہ ذخیرہ اندوزی بنی اسرائیل کی قدیم عادت ہے آخر اس ذخیرہ اندوزی کی سزا میں گوشت سڑنا شروع ہو گیا۔ (معارف) اسی کے لئے فرمایا گیا ہیں: ”وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ“۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ، یہ بستی کونسی تھی، بعض مفسرین نے بیت المقدس بتایا ہے اور ممکن ہے کہ فلسطین کا مشہور شہر اریحا ہو، جو موجودہ نقشوں میں (Jericho) کے نام سے ملے گا، یہ بحر مردار کے شمال سے پانچ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اسے اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ عليه السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع عليه السلام کے زمانہ میں فتح کیا تھا، اس کے علاوہ بھی متعدد شہروں اور مقامات کے نام لئے گئے ہیں، بعض شہروں کے نام اب بدل گئے ہیں مثلاً ایلہ کہ اب اسے عقبہ کہتے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ مراد شہر سقیم ہو، یہ علاقہ مواب میں واقع ہے، جو بحر مردار کے مشرق میں ہے، اس زمانہ میں یہ شہر بہت شاداب اور آباد تھا، بنی اسرائیل کے اپنے وطن شام سے نکلنے کے بعد شام پر قوم عمالقہ قابض ہو گئی تھی، جب فرعون غرق ہو گیا اور بنی اسرائیل کو سکون اور اطمینان حاصل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم عمالقہ سے جہاد کرو اور اپنا وطن واپس لے لو اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا تھا کہ جابر و ظالم فاتحوں کی طرح اکڑتے ہوئے داخل نہ ہونا، بلکہ خدا ترسوں کی طرح منکسرانہ شان سے داخل ہونا، اس لئے کہ شانِ عبودیت یہی ہے اور مومنین مخلصین کے لئے یہی مناسب اور زیبا ہے، جیسا کہ حضرت محمد صلي الله عليه وسلم فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں نہایت عاجزانہ انداز سے سر جھکائے ہوئے داخل ہوئے تھے۔

وَإِذْ قُلُوا النَّبَا سَجْدًا، ”باب“ سے مراد شہر کا پھاٹک ہے، قدیم زمانہ میں شہر کے چاروں طرف بلند فصیل بنائی جاتی تھی، جو شہر پناہ کے نام سے مشہور ہوتی تھی، شہر میں داخل ہوتے وقت ایسی فصیل کے پھاٹک سے گزرنا ہوتا تھا، سَجْدًا، سجدہ سے مراد مشہور و معروف سجدہ نہیں ہے بلکہ عاجزی اور فروتنی مراد ہے، (راغب، ابن جریر، ابن عباس، ماجدی)

قَوْلًا: حِطَّةٌ، مراد یہ نہیں ہے کہ بعینہ لفظ، حِطَّةٌ کہتے جانا اس لئے کہ یہ تو عربی زبان کا لفظ ہے اور اسرائیلیوں کی زبان عبری یا عبرانی تھی، حِطَّةٌ کے معنی توبہ و استغفار کے ہیں، مطلب یہ تھا، کہ قلبی خشوع خضوع کے ساتھ زبان سے بھی توبہ و استغفار کرتے جانا، اور بعض حضرات نے بعینہ اسی لفظ کے کہنے کا حکم بھی مراد لیا ہے، اگرچہ اس کا بھی احتمال ہے مگر اقرب الی المقصود اول ہے۔ (کبیر، روح)

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا، (الآیہ) یعنی جو الفاظ ان کو تلقین کئے گئے تھے، ان کو چھوڑ کر دوسرے ہزل و تمسخر کے کلمے زبان پر لانے لگے، ہزل و تمسخر کے کلمے کیا تھے؟ اس میں روایات مختلف ہیں مگر ما حاصل سب کا ایک ہی ہے کہ بجائے توبہ و انابت کے تمسخر اور استہزاء کا کلمہ کہہ رہے تھے۔

رَجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ، رجز عام ہے ہر عذاب کے لئے استعمال ہوتا ہے، خواہ وہ کسی صورت میں ہو۔ مِّنَ السَّمَاءِ، کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ عذاب برف یا بارش کی شکل میں آسمان سے نازل ہوا تھا، مطلب یہ ہے کہ وہ عذاب اسباب طبعی سے پیدا نہیں ہوا تھا، بلکہ وہ عذاب آسمانی حاکم کی طرف سے نازل ہوا تھا۔ اِیْ مَقْدَرٌ مِّنَ السَّمَاءِ۔ الَّذِينَ ظَلَمُوا، کی تکرار ظالموں کے ظلم کو نمایاں کرنے کے لئے ہے۔

اسرائیلیوں پر نازل ہونے والا عذاب کیا تھا؟

ہمارے یہاں طاعون کی روایتیں نقل ہوئی ہیں کہا جاتا ہے کہ اس طاعونی عذاب میں ستر ہزار سے زائد اسرائیلی ہلاک ہوئے۔ بَمَا کَانُوا یَفْسُقُونَ، بَاء، سببیہ ہے، ای بسببِ فسقِہم المستمر۔ (ابو سعود)

کانوا کا صیغہ دوام و استمرار پر دلالت کرنے کے لئے ہے، بَمَا کَانُوا یَفْسُقُونَ سے یہ بات صاف ظاہر ہوگئی کہ طاعون کا اصل سبب طبی یا طبعی نہیں تھا، بلکہ روحانی اور اخلاقی بد پرہیزیاں اور نافرمانیاں تھیں۔ (ماجدی ملخصاً)

وَ اذْکُرْ اِذِ اسْتَسْقٰی مُوسٰی اٰی طَلَبِ السَّقٰیٰ لِقَوْمِہٖ وَقَدْ عَطِشُوا فِی الْبَلٰیۃِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ وَہُوَ الَّذِیْ فَرَّ بِشَوْبِہٖ خَفِیْفٌ مُّرْبَعٌ کَرَّاسٌ رَّجُلٌ رُخَامٌ اَوْ کَدَانٌ فَضْرَبَہٗ فَاَنْفَجَرَتْ اِنْشَقَّتْ وَسَالَتْ مِنْہٗ اِثْنَا عَشْرَ عَیْنًاۙ بَعْدَ الْاَسْبَاطِ قَدْ عَلِمَ کُلُّ اَنَاسٍ سَبْطٌ مِنْہُمْ مَّقْشَرًاۙ مَوْضِعَ شُرْبِہِمۡ فَلَا یُشْرِکُہُمْ فِیْہِ غَیْرُہُمْ وَقُلْنَا لَہُمْ کُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللّٰہِ وَلَا تَعْتَوُوا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ۝۱۰۰ حَالٌ مُّوْکَدٌ لِّعَٰیِلَہَا مِنْ عِثِّیْ بَکْسَرِ الْمَثَلَتِۃِ اَفْسَدُوا وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوسٰی لَنْ نَّصِیْرَ عَلٰی طَعَامِ اٰی نَوْعٍ مِنْہٗ وَاَحَدٍ وَہُوَ الْمَنْ وَالسَّلٰوٰی فَاَدْعَ لَنَا رَبَّکَ یُخْرِجْ لَنَا شَیْئًا مِّمَّا تُنْبِئُ الْاَرْضُ مِنْۢ لِّبَیَّانٍ بِقُلُوبِہَا وَقِیَٰتِہَا وَفُؤْمِہَا جِنَطِہَا وَعَدِیْسِہَا وَبَصَلِہَا قَالَ لَہُمْ مُوسٰی اَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی اَخْسِۡ بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ اَشْرَفُ اٰی تَاْخُذُوْنٰہٗ بِذٰلِہٖ وَالْہَمْزَةُ لِلْاِنْکَارِ فَاَبَیۡوَا اَنْ یَّرْجِعُوۡا فَدَعَا اللّٰہُ فَقَالَ تَعَالٰی اِھْبِطُوۡا اِزْلُوۡا مِصْرًاۙ مِنْ الْاَمْصَارِ فَاِنَّ لَکُمْ فِیْہِ مَّآسَا لُتُمْۙ مِنْ النَّبَاتِ وَضُرِبَتْ جُعِلَتْ عَلَیْہِمْ الذِّلَّةُ الذَّلُّ وَالْہَوَانُ وَالْمَسْکِنَةُۙ اٰی اَثَرُ الْفَقْرِ، مِنْ السُّکُوْنِ وَالْخِزٰی فَہِیَ لَا زِمَۃٌ لَّہُمْ وَاِنْ کَانُوۡا اَغْنِیَآءَ لُزُوۡمِ الدِّرْبِہِمِ الْمَضْرُوۡبِ لِیَسْکِنَہٗ وَبَآءُوۡ رَجَعُوۡا بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰہِ ذٰلِکَ اٰی الضَّرْبِ وَالْغَضَبُ بِاَنَّهُمْ اٰی سَبَبِ اَنَّهُمْ کَانُوۡا یُکْفِرُوۡنَ بِاٰیَاتِ اللّٰہِ وَیَقْتُلُوۡنَ النَّبِیْنَ کَزَکَرِیَّا وَیَحِیٰی بِغَیْرِ الْحَقِّۙ اٰی ظُلْمًا ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَکَانُوۡا یَعْتَدُوۡنَ ۝۱۰۱ یَتَجَاوَزُوۡنَ الْحَدَّ فِی الْمَعَاصِیِ وَکَرَّرَہُ لِلتَّاکِیْدِ۔

۷

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو، جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعاء مانگی، دریاں حال کہ وہ مقام تہ میں پیاسے ہوئے، تو ہم نے (موسیٰ علیہ السلام) کو حکم دیا کہ اپنی لاٹھی (فلاں) پتھر پر مارو، اور یہ وہی پتھر تھا کہ جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر فرار ہو گیا تھا، (اور) وہ پتھر ہلکا چوکور آدمی کے سر کے مشابہ سفید رنگ کا نرم تھا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پر لاٹھی ماری تو وہ شق ہو گیا، (اور) قبیلوں کی تعداد کے مطابق اس پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے اور

ان کے ہر قبیلے نے اپنا چشمہ جان لیا، (یعنی) اپنے پانی کی جگہ پہچان لی تاکہ اس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو اور ہم نے ان سے کہہ دیا کہ اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو، اور ملک میں فساد کرتے مت پھرو، (مفسدین) اپنے عامل سے حال موکدہ ہے عَشَى ثَاءً مثلثہ مکسورہ سے ماخوذ ہے بمعنی افسد ہے، اور اس وقت کو یاد کرو، جب تم نے (موسیٰ علیہ السلام سے) کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ایک قسم کے کھانے پر ہرگز اکتفاء نہ کریں گے اور وہ من اور سلویٰ ہے، لہذا آپ اپنے رب سے دعا فرمائیں کہ ہمارے لئے زمین سے اگنے والی چیزوں میں سے کوئی چیز پیدا فرمائے مِمَّا میں مین بیانہ ہے (مثلاً) ساگ، سبزی، اور گلڑی، اور گندم، اور مسور اور پیاز تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کیا تم ادنیٰ درجہ کی چیز کو اعلیٰ درجہ کی چیز کے بجائے لینا چاہتے ہو، یعنی ادنیٰ کو اعلیٰ سے تبدیل کرنا چاہتے ہو، یعنی اعلیٰ کے بدلے میں ادنیٰ لینا چاہتے ہو، اور ہمزہ انکار کے لئے ہے مگر انہوں نے (اپنے مطالبہ سے) باز آنے سے انکار کر دیا، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمادی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اچھا تو) شہروں میں سے کسی شہر میں جا رہو، ساگ وغیرہ جو کچھ تم مانگتے ہو وہاں مل جائے گا، (حتی کہ) ان پر ذلت و خواری اور محتاجی یعنی محتاجی کا (قلبی) اثر فقر اور ذلت مسلط کر دی گئی، جس کی وجہ سے (قلبی) محتاجی ان کا لازمہ بن گئی، اگرچہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ ٹکسائی سکہ کے لئے ٹھپہ لازم ہوتا ہے اور اللہ کا غضب لے کر واپس ہوئے اور ذلت کا مسلط ہونا اور اللہ کا غضب لے کر اوٹنا، یہ اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے، اور نبیوں کو ناحق ظلماً قتل کرتے تھے، جیسا کہ زکریا (علیہ السلام) اور یحییٰ (علیہ السلام) کو، یہ اس لئے ہوا کہ ان لوگوں نے نافرمانی کی اور معاصی میں حد سے تجاوز کرتے تھے۔ (اسم اشارہ) کو تاکید کے لئے مکرر لائے ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اِسْتَسْقَى، طَلَبُ السُّقْيَا، (استفعال) ماضی واحد مذکر غائب، پانی مانگا، پانی کے لئے دعاء کی، اِضْرَبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ، ضَرْبُ کے عام اور معروف معنی مارنے اور ضرب لگانے کے ہیں، ضَرْبَ کے معنی چلنے کے اس وقت آتے ہیں جب اس کا صلہ فی آتا ہے، لہذا جن حضرات نے پہاڑ پر چلے جانے کا ترجمہ کیا ہے (جیسا کہ سرسید احمد خاں نے کیا ہے) یہ ترجمہ جس طرح لغت اور قواعد زبان کے خلاف ہے، اسی طرح تاریخ کے بھی بالکل مخالف ہے۔

قَوْلُهُ: الْحَجَرَ، ہو سکتا ہے کہ: مخصوص پتھر مراد ہو جیسا کہ مفسر علام کی بھی یہی رائے ہے، تو اس صورت میں الف لام عہد کا ہوگا اور یہ بھی احتمال ہے کہ کوئی معین پتھر مراد نہ ہو، اس صورت میں الف لام جنس کا ہوگا، معجزہ کے لئے یہ زیادہ مناسب ہے۔

قَوْلُهُ: فَضْرَبَهُ، اس کے مقدار ماننے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فَاَنْفَجَرَتْ میں فاء فصیحہ ہے اور انفجرت مخدوف پر مرتب ہے، اِنْفَجَرَتْ، انفجار، سے مشتق ہے، اس کے معنی شق ہونے اور بہنے کے ہیں۔

قَوْلُهُ: كُلُّ اُنَاسٍ، کل سے کل افرادی مراد ہے بالنسبة الى الاسباط نہ کہ کل مجموعی۔

قَوْلًا: تَعْتَوَا، یہ عَتَا يَعْتَوَا، (ن) اور عَثَى يَعْثَى، (س) سے نبی جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے، یعنی تم فساد نہ پھیلاؤ۔

قَوْلًا: حَالٌ مُؤَكَّدَةٌ لِعَامِلِهَا۔ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: حَالٌ ذُو الْحَالِ میں معنی زائد پر دلالت کیا کرتا ہے جو یہاں منقود ہیں، اس لئے کہ جو معنی عَثَى کے ہیں وہی معنی مفسدین کے ہیں۔

جَوَابٌ: معنی کی زیادتی حال منتقلہ میں ضروری ہوتی ہے، نہ کہ مؤکدہ میں اور یہ حال مؤکدہ ہے۔

قَوْلًا: مَوْضِعُ شَرْبٍ، مَشْرَبٌ، کی تفسیر مَوْضِعُ شَرْبٍ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ، الْمَشْرَبُ ظَرْفٌ ہے نہ کہ مصدر میسی اس لئے کہ مصدر کی صورت میں معنی صحیح نہیں ہیں، کما لا یخفی۔

قَوْلًا: نَوْعٌ مِنْهُ، اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک اشکال کا جواب ہے۔

اَشْکَالٌ: بنی اسرائیل کے کھانے دو تھے، مَنْ اور سلویٰ تو اللہ تعالیٰ نے "عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ" کیوں فرمایا؟

جَوَابٌ: وحدت سے مراد وحدت نوعی ہے، نہ کہ فردی اور یہ تعدد کے منافی نہیں ہے اس لئے کہ عرف میں بولا جاتا ہے کہ کھانا بڑا لذیذ تھا، اگرچہ مختلف قسم کے کھانے ہوتے ہیں۔

قَوْلًا: شَيْئًا، مقدر ماننے میں اشارہ ہے کہ من تبعیضیہ ہے، نہ کہ بیانیہ اور بعد والا مِنْ بیانیہ ہے شَيْئًا، جو کہ يُخْرِجُ کا مفعول بہ ہے، مقدر مان کر ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔

اَشْکَالٌ: دو حرف جر کا جو کہ ہم معنی ہوں بغیر عطف ایک فعل سے متعلق کرنا درست نہیں ہے جیسا کہ مِمَّا تَنْبِئُ، اور مَنْ بَقْلِهَا، میں دونوں يُخْرِجُ لَنَا سے متعلق ہیں۔

جَوَابٌ: دونوں مِنْ، ایک معنی میں نہیں ہیں، پہلا تبعیضیہ ہے اور دوسرا بیانیہ۔

قَوْلًا: بَقْلِهَا، یہ مَا سے حرف جر کے اعادہ کے ساتھ بدل ہے، بَقْلٌ، اس کی جمع بقول ہے، ہر اس نبات کو کہتے ہیں، جس میں تانہ ہو، قِثَاءٌ، لکڑی واحد قِثَاءَةٌ۔

قَوْلًا: فَوْمٌ، گندم، لہسن، ہر وہ غلہ جس کی روٹی بنائی جاسکے، عدس، مسور، بَصَلٌ، پیاز۔

قَوْلًا: بَاءٌ وَ، بَوءٌ سے ماضی جمع مذکر غائب، وہ لوٹے اور اسی سے ہے، بَاءُ الْمَبَاةِ، اِی رَجَعَ اِلَى الْمَنْزِلِ۔

قَوْلًا: مِنْ الْاَمْصَارِ، اَیْ بَلَدٍ کَانَ مِنَ الشَّامِ، یہاں مصر سے مراد کوئی مخصوص شہر نہیں ہے اور نہ معروف شہر مصر ہے مطلب یہ ہے کہ ملک شام کی کسی بھی بستی میں چلے جاؤ مَصْرًا کی تنوین تنکیر بھی اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

قَوْلًا: جُعِلَتْ، ضُرِبَتْ، کی تفسیر جُعِلَتْ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اس میں استعارۃ تبعیہ بمعنی لزوم ہے اور یہ ان کے ذلیل ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلًا: الْمَسْكَنَةُ، محتاجی۔

قَوْلًا: اِثْرُ الْفَقْرِ، اثر مضاف محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ نفس فقر مراد نہیں ہے، بلکہ لازمہ فقر جو کہ ذلت ہے مراد ہے،

ورنہ تو ان میں بہت سے لوگ غنی بھی تھے، اور آج بھی میں مگر غنا کا تعلق مال و دولت سے نہیں ہے، بلکہ قلب سے ہے اگر غنا قلبی حاصل نہ ہو، تو اس مصرعہ کے مصداق ہوں گے۔

آنا نکہ غنی ترند محتاج ترند

قَوْلًا: ذَلِكْ بِمَا عَصَوْا، ذَلِكْ کا مشاڑ الیہ ضرب ذلت اور غضب ہے، سوال پیدا ہوا ہے کہ مشاڑ الیہ دو ہیں اور اسم اشارہ مفرد ہے۔

جواب: مشاڑ الیہ مذکور کے معنی میں ہے لہذا کوئی اشکال نہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

وَإِذِ اسْتَسْقَى، یہ واقعہ بعض کے نزدیک مقام تہ کا اور بعض کے نزدیک صحراء سیناء کا ہے جب پانی کی طلب ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اپنی لاشی پتھر پر مارو چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر اپنی لاشی ماری، تو اس میں سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، ہر قبیلہ نے اپنے لئے ایک ایک چشمہ متعین کر لیا، یہ بھی ایک معجزہ تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ظاہر فرمایا۔

قاضی بیضاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے خوارق (اور معجزات) کا انکار بہت بڑی غلطی ہے، جب بعض پتھروں (مقناطیس) میں اللہ تعالیٰ نے بعید از قیاس اور خلاف عقل یہ تاثیر رکھی ہے کہ لوہے کو جذب کرتا ہے تو اگر اس پتھر میں ایسی تاثیر پیدا کر دی ہو کہ جو پانی کے اجزاء، کوزمین سے جذب کر لے اور اس سے پانی نکلتے لگے تو کیا محال ہے؟ وہ پتھر (چٹان) جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب عصا کی وجہ سے پانی جاری ہو گیا تھا، وہ اب تک جزیرہ نمائے سیناء میں موجود ہے سیاح جا کر اسے دیکھتے ہیں اور چشموں کے شگاف اس میں اب بھی موجود ہیں۔

مشہور ماہر اثریات (آثار قدیمہ) سرفلنڈرز پٹری (Petire) تیس آدمیوں کے قافلہ کے ساتھ ۵-۱۹۰۴ء سیناء کی تحقیقی مہم پر روانہ ہوئے ان کے مشاہدات کا خلاصہ ایک دوسرے ماہر اثریات سرچارلس مارشٹن کی زبانی سنئے۔

یہ وسیع بیابانی علاقہ سیاہ اور سرخ رنگ کے پہاڑوں سے لبریز ہے جس میں کہیں کہیں سبزہ زار بھی ہیں اور گہری گہری وادیاں بھی اور شگاف، جابجا نخلستان، ایسی وادی میں پینے کے پانی کی فراہمی کی مشکلات جو اسرائیلیوں کو اپنی صحرا نوری کے زمانہ میں پیش آئی تھیں، آج بھی ان کا تجربہ ہو رہا ہے۔ (ماجدی)

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَى، یہ قصہ بھی اسی میدان تہ کا ہے، مصر سے یہاں ملک مصر مراد نہیں، بلکہ کوئی بھی شہر مراد ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو مطلوبہ چیزیں درکار ہیں تو کسی بستی میں چلے جاؤ اور وہاں کھیتی باڑی کرو، اپنی پسند کی سبزیاں دالیں اگاؤ اور کھاؤ، یہ مطالبہ چونکہ کفران نعمت اور استکبار پر مبنی تھا، اس لئے زجر و توبیخ کے انداز میں ان سے کہا گیا کہ تمہاری مطلوبہ چیزیں وہاں ملیں گی

کھیتی باڑی کرو اور کھاؤ، تم کو من و سلوی جیسی عمدہ اور لذیذ بے مشقت حاصل ہونے والی غذا کی قدر نہیں ہے۔
اس زجر و تنبیخ کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ جس بڑے مقصد یعنی اپنے ملک کی آزادی کے لئے یہ صحرا نور دی تم سے کرائی جا رہی ہے، اس کے مقابلہ میں کیا تم کو کام و دہن کی لذت اتنی مرغوب ہے کہ اس مقصد کو چھوڑنے کے لئے تیار ہو، مگر ان چیزوں سے محرومی کچھ مدت کے لئے برداشت نہیں کر سکتے؟

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ استسقاء کی اصل دعاء ہی ہے امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کا ارشاد ہے کہ استسقاء کی اصل پانی کے لئے دعاء کرنا ہے اور یہ دعاء کبھی مخصوص نماز کی صورت میں کی گئی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آپ ﷺ کا نماز استسقاء کے لئے عید گاہ کے میدان میں تشریف لے جانا اور نماز اور خطبہ اور دعاء کرنا منقول ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ بغیر نماز کے صرف دعاء پر اکتفاء فرمایا، جیسا کہ صحیحین میں حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت ہے کہ خطبہ جمعہ ہی میں آپ نے دعاء فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی۔

یہودیوں پر ابدی ذلت کا اور اسرائیل کی موجودہ حکومت سے شبہ اور اس کا جواب:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ، (الایۃ) آیات مذکورہ میں یہودی کی نافرمانیوں کی سزا دنیا میں دائمی ذلت و مسکنت بیان کی گئی ہے، اس دائمی ذلت و مسکنت کا مفہوم جو ائمہ تفسیر اور حجابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ و تابعین رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی سے منقول ہے، اس کا خلاصہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے الفاظ میں یہ ہے۔

”لَا يَزَالُونَ مُسْتَذَلِّينَ مِنْ وَجْهِهِمْ اسْتَذَلُّهُمْ وَضُرِبَ عَلَيْهِمُ الصَّغَارُ“
یعنی وہ کتنے ہی مالدار کیوں نہ ہو جائیں، ہمیشہ تمام اقوام عالم کی نظروں میں ذلیل و حقیر سمجھے جائیں گے جس کے ہاتھ لگیں گے ان کو ذلیل کرے گا اور ان پر غلامی کی علامتیں لگا دے گا۔ (معارف ملخص)

امام تفسیر ضحاک ابن مزاحم نے حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ان کی ذلت و مسکنت کا یہ مفہوم نقل کیا ہے:
”ہم اهل القبالات یعنی الجزية“ مطلب یہ کہ یہودی ہمیشہ دوسروں کی غلامی میں رہیں گے ان کو ٹیکس وغیرہ ادا کرتے رہیں گے، ان کی قوت و اقتدار دوسروں کے بل بوتہ پر ہوگا، اس مضمون کی ایک آیت سورہ آل عمران میں ایک زیادتی کے ساتھ اس طرح آئی ہے۔

”ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا تُقِفُوا اِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللّٰهِ وَحَبْلِ مِنَ النَّاسِ“ مسلط کردی گئی ان پر ذات جہاں کہیں جائیں گے مگر ہاں ایک ایسے ذریعہ سے جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ذریعہ کا مطلب تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے قانون میں امن و یدیا ہو، جیسے نابالغ بچے، عورتیں، یا ایسے عبادت گزار جو مسلمانوں سے لڑتے نہیں پھرتے، وہ محفوظ اور مامون رہیں گے، اور آدمیوں کے ذریعہ

سے مراد معاہدہ صلح ہے، جس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ مسلمانوں سے صلح کا معاہدہ یا جزیہ دے کر ان کے ملک میں رہنے کا معاہدہ ہو جائے، مگر الفاظ قرآنی میں: ”مِنَ النَّاسِ“ فرمایا: ”مِنَ الْمُسْلِمِينَ“ نہیں فرمایا، اس لئے یہ صورت بھی محتمل ہے کہ دوسرے غیر مسلموں سے معاہدہ صلح کر کے ان کی پشت پناہی میں آجائیں، تو مامون رہ سکتے ہیں، آیت کی اس تفسیر سے وہ تمام شبہات دور ہو گئے، جو آج کل فلسطین میں یہودیوں کی حکومت قائم ہونے کی بناء پر بہت سے مسلمانوں کو پیش آتے ہیں، کہ قرآن کے قطعی ارشادات سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہودیوں کی حکومت کبھی قائم نہ ہوگی اور واقعہ یہ ہے کہ فلسطین میں ان کی حکومت قائم ہوگئی، جواب واضح ہے کہ فلسطین میں یہودیوں کی موجودہ حکومت کی حقیقت سے جو باخبر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حکومت دراصل اسرائیلیوں کی نہیں، بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں، یہ اپنی ذاتی طاقت سے ایک مہینہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے، یورپین ممالک نے اسلامی ہلاک کو کمزور کرنے کے لئے ان کے بیچ میں اسرائیل کا نام دے کر ایک چھاؤنی بنائی ہے اور اسرائیل ان کی نظروں میں بھی ان کے فرمانبردار غلام سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا قرآن کریم کے ارشاد: ”بِحَبْلِ مِنَ النَّاسِ“ کے سہارے ان کا اپنا وجود قائم ہے، وہ بھی ذلت کے ساتھ اس لئے موجودہ اسرائیلی حکومت سے قرآن کریم کے کسی ارشاد پر ادنیٰ شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔

بنی اسرائیل پر دائمی ذلت بحیثیت قوم و نسل ہے نہ کہ بحیثیت عقیدہ:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ، ادل اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ یہ ہیں کون لوگ جن پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی گئی ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ضروری ہے کہ ہُمْ، ضمیر کا مرجع متعین کریں، ضمیر کا مرجع الیہود یا الذین ہَادُوا نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہیں، یعنی اس وعید کے مصداق فلاں عقیدہ یا فلاں مسلک والے نہیں، بلکہ اسرائیلی نامی ایک متعین قوم و نسل ہے، سبحان اللہ ایک ذرا سا لفظ جان بلاغت ہے، اس نے اس حقیقت کو بالکل واضح کر دیا کہ ذلت و کبت افلاس و مقہوریت کی حامل ایک مخصوص نسل و قوم ہے، نہ کہ کسی مخصوص مذہب و ملت کے پیرو، خود لفظ Anti-Semitism بتا رہا ہے، کہ یہود سے جو مستقل عداوت نازی جرمنی کو خصوصاً، اور اٹلی ہنگری رومانیہ وغیرہ کو رہ چکی ہے، اس کی بنیاد یا قومی تھی، نہ کہ دینی یا اعتقادی۔ (ماجدی)

مفلسی محتاجی، تنگدستی کے انتساب پر عجب نہیں کہ ناظرین کو حیرت ہو اور سوال دل میں پیدا ہو کہ تم تو یہود کا ضرب المثل ہے پھر اس قوم کو محتاج و تنگدست کیسے قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن یہ محض دھوکا اور مغالطہ ہے، دولت و ثروت جتنی بھی ہے وہ قوم یہود کے صرف اکابر و مشاہیر تک محدود ہے، ورنہ عوام یہود کا شمار دنیا کی مفلس ترین قوموں میں ہوتا ہے، یہ بیان خود محققین یہود کا ہے، جیوش انسائیکلو پیڈیا میں ہے۔

گو یہود کا تمول ضرب المثل کی حد تک شہرت پا چکا ہے، لیکن اہل تحقیق کا اتفاق ہے کہ یہود یورپ کے جس ملک میں بھی آباد ہیں وہاں کی آبادی میں ان ہی کے مفلسوں کا تناسب بڑھا ہوا ہے۔ (ماجدی)

وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ، اور وہ غضب الہی کے مستحق ہو گئے، ای استحقوا غَضَبًا۔ (بحر، کبیر)

نسل اسرائیل پر اس غضب الہی کا ظہور مسلسل انسانوں کے ہاتھوں ہوتا چلا آ رہا ہے زمانہ قدیم میں بخت نصر کے علاوہ زمانہ قریب میں ہٹلر جیسی چنگیزی فرمانروائی، یہود دشمنی اور یہود بیزاری کسی بھی تاریخ سے واقف شخص سے پوشیدہ نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْأَنْبِيَاءِ مِن قَبْلُ وَالَّذِينَ هَادُوا بِمِ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَالصَّبِيَّانَ طَائِفَةٌ مِّنَ الْيَهُودِ أَوْ النَّصَارَى مَنَ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فِي زَمَنٍ نَّبِينَا وَعَمِلَ صَالِحًا بِشَرِيعَتِهِ فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ أَى ثَوَابُ أَعْمَالِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۳﴾ رُوِيَ فِي ضَمِيرِ آمَنَ وَعَمِلَ لَفْظُ مَنَ وَفِيمَا بَعْدَهُ مَعْنَابًا وَ اذْكُرُوا إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ عَهْدَكُمْ بِالْعَمَلِ بِمَا فِي التَّوْرَةِ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ الْجَبَلَ اقْتُلْ عَنَادَ مَنَ أَصْلَبَ عَلَيْكُمْ لَمَّا آتَيْتُمْ قَبُولَهَا وَقُلْنَا خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ بَجِدِّ وَاجْتِهَادٍ وَ اذْكُرُوا مَا فِيهِ بِالْعَمَلِ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۴﴾ النَّارُ أَوْ الْمَعَاصِي تَمَتَّلَيْتُمْ أَعْرَضْتُمْ مَنَ بَعْدَ ذَلِكَ الْمِيثَاقِ عَنِ الطَّاعَةِ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُم بِالتَّوْبَةِ أَوْ تَأْخِيرِ الْعَذَابِ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۱۵﴾ الْهَالِكِينَ وَلَقَدْ لَامُ قَسَمٍ عَلِمْتُمْ عَرَفْتُمْ الَّذِينَ اعْتَدَوْا تَجَاوَزُوا الْحَدَّ مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ بِصَيْدِ السَّمَكِ وَقَدْ نَهَيْنَاكُمْ عَنْهُ وَبِمِ اِبْلِ اِيلَةٍ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿۱۶﴾ مُبْعَدِينَ فَكَانُوا بِأَوَّلِكُوا بَعْدَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَجَعَلْنَاهَا اَى تِلْكَ الْعُقُوبَةُ نَكَالًا عِبْرَةً سَانِعَةً مِّنَ ارْتِكَابِ بِشَلِّ مَا عَمِلُوا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا اَى لِأَسْمِ اَلَّتِي فِي زَمَانِهَا وَبَعْدَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۷﴾ اللَّهُ وَخُشُّوا بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُمِ الْمُنْتَفِعُونَ بِهَا بِخِلَافٍ غَيْرِ بِهٍ.

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو انبیاء سابقین پر ایمان لائے، (یعنی مسلمان) اور یہود اور نصاریٰ اور صابی (اور صابی) یہود و نصاریٰ ہی کا ایک فرقہ ہے، ان میں سے جو بھی اللہ اور روز آخرت پر نبی کے زمانہ میں ایمان لائے گا، اور آپ کی شریعت کے مطابق نیک عمل کرے گا، تو ان کا اجر یعنی ان کے اعمال کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے، اور ان کے لئے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم، آمَنَ اور عَمِلَ کی ضمیر میں مَنَ کے لفظ کی رعایت ہے اور اس کے مابعد میں مَنَ، کے معنی کی رعایت ہے اور وہ وقت یاد کرو، جب ہم نے تم سے تورات کے احکام پر عمل کرنے کا عہد لیا تھا، درانحالیکہ ہم نے تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا (یعنی) اس کو جڑ سے اکھاڑ کر تمہارے اوپر معلق کر دیا، جب تم نے تورات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، اور ہم نے کہا تھا کہ جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے، اس کو مضبوطی سے تھامنا، یعنی کوشش اور محنت سے

اور جو احکام اس میں درج ہیں، ان پر عمل کے ذریعہ ان کو یاد رکھنا تا کہ تم نار (جہنم) یا معاصی سے بچ سکو، (مگر) پھر تم اس (عہد) کے باوجود طاعت سے پھر گئے، پھر بھی اگر تم پر توبہ اور تاخیر عذاب کے ذریعہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو تم زیاں کاروں (یعنی) ہلاک ہونے والوں میں ہو جاتے اور یقیناً تم ان لوگوں کے بارے میں جانتے ہو، جنہوں نے تم میں سے یوم السبت، (ہفتہ) کے بارے میں مچھلی کا شکار کر کے حد سے تجاوز کیا، حالانکہ ہم نے ان کو اس سے منع کیا تھا، اور وہ ایلہ کے باشندے تھے، تو ہم نے ان کے لئے حکم دیدیا کہ ذلیل دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ، چنانچہ وہ بندر بن گئے، اور تین روز بعد ہلاک ہو گئے، تو ہم نے اس سزا کو موجودہ اور آئندہ آنے والوں یعنی ان کے اور ان کے بعد آنے والوں کے لئے (سامان) عبرت یعنی ان کے جیسے عمل کرنے سے روکنے والا بنادیا، اور خوف (خدا) رکھنے والوں کے لئے نصیحت بنادیا اور متقین کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہی لوگ اس سے استفادہ کرتے ہیں، بخلاف ان کے علاوہ کے۔

تحقیق و ترکیب تسمیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: هَادُوا، اى دَخَلُوا فِي الْيَهُودِيَّةِ، هَادُوا، ماضی جمع مذکر غائب معروف، یہودی مذہب اختیار کیا، (ن) هُودًا، توبہ کرنا یہودی ہونا، گو سالہ پرستی سے توبہ کرنے کی وجہ سے یہودی کہلائے، هُودٌ یہودیوں کی جماعت، الیہود اگر عربی ہے، تو هَادٌ، سے ماخوذ ہے، بمعنی تاب، چونکہ ان لوگوں نے قتل نفس کے ذریعہ پچھڑے کی پرستش سے توبہ کی تھی، اسی لئے یہ لوگ یہود کہلائے اور اگر نجی ہے، تو اس صورت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے ”یہودا“ کی جانب نسبت ہوگی تعریب کے وقت ذال کو دال سے بدل دیا جو کہ عربیوں کی عام عادت ہے۔

قَوْلُهُ: النَّصَارَى، یہ نصران، کی جمع ہے، اس میں یا، نسبتی ضرور استعمال ہوتی ہے کہا جاتا ہے روکنے نصرانی، امرأة نصرانیة، نصاری کی وجہ تسمیہ یا تو یہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا: ”نحن انصار الله“ یا نصران نامی یا ناصرہ نامی بستی کی طرف نسبت کر کے نصرانی کہلانے لگے۔ (اعراب القرآن، لغات القرآن)

قَوْلُهُ: الصَّابِئِينَ، یہ صابی کی جمع ہے اور صَبًا فلان، سے ماخوذ ہے جب کہ دین سے خارج ہو جائے، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ صابی ستارہ پرست کو کہتے ہیں، ابواسحاق صابی کا تب شاعر کا تعلق اسی قوم سے تھا، بعض مفسرین کا خیال ہے کہ: ان لوگوں نے ہر دین و عقیدے سے کچھ کچھ لے لیا تھا، اس لئے یہ بین بین ہو گئے، مفسر علام نے طائفة من الیہود والنصارى کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: فِي زَمَنِ نَبِينَا، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اشکال کا جواب ہے۔

الْاِشْكَالُ: اوپر فرمایا: ”اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا“ اور پھر فرمایا: ”اَمِنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ“ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے، تو اس

تخصیص بعد التعمیم کی کیا ضرورت ہے؟

جواب: دونوں کا مصداق الگ الگ ہے: "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا" کا مصداق وہ لوگ ہیں، جو زمانہ فترت (وقفہ) میں ایمان لائے، جیسے کہ ورقہ بن نوفل، بحیرار اہلب، سلمان فارسی وغیرہ، ان میں سے بعض نے آپ ﷺ کا زمانہ بھی پایا، اور بعض آپ کی بعثت سے پہلے انتقال کر گئے، اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے علامہ سیوطی نے "بِالْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلُ" فرمایا، اور "مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ" سے وہ لوگ مراد ہیں، جو آپ کے زمانہ میں آپ ﷺ پر ایمان لائے، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں کے مصداق میں مغایرت ہے لہذا تکرار کا اشکال ختم ہو گیا، اسی مغایرت کے بیان کے لئے دوسری آیت کی تشریح میں "فِي زَمَنِ نَبِينَا" فرمایا۔

سوال: مَنْ آمَنَ اور مَنْ عَمِلَ، میں ضمیر مفرد کا مرجع مَنْ ہے، اور فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ کی ہم ضمیر جمع کا مرجع بھی مَنْ ہے، جو کہ درست نہیں ہے۔

جواب: مفسر علام نے رُوِیَ فِی ضَمِیرِ الْخ کا اضافہ کر کے اسی سوال کا جواب دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اول میں مَنْ کے لفظ کی رعایت ہے اور دوسرے میں مَنْ کے معنی کی رعایت ہے یہ بات یاد رہے کہ مَنْ، لفظ کے اعتبار سے مفرد اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔

قَوْلُهُ: وَقَدْ رَفَعْنَا، قَدْ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ وہ حال ہے نہ کہ عاطفہ اور رَفَعْنَا، قَدْ کی تقدیر کے ساتھ أَخَذْنَاهُمْ، سے حال ہے، نہ کہ معطوف، اس لئے کہ امام شافعی کے نزدیک معطوف علیہ اور معطوف میں ترتیب ضروری ہے حالانکہ رفع طور مقدم ہے اور اخذ میثاق مؤخر۔

قَوْلُهُ: بِالْعَمَلِ، بِالْعَمَلِ، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ ذکر لسانی کافی نہیں بلکہ مقصد عمل ہے مطلب یہ ہے کہ نعمتوں کو شمار کرنا اور گننا مقصد نہیں ہے عمل مقصد ہے۔

قَوْلُهُ: النَّارِ وَالْمَعَاصِي، اس میں اشارہ ہے کہ تَتَّقُونَ کا مفعول النار یا المعاصی محذوف ہے یہ تنزیل المتعدی بمنزلة اللزوم کے قبیل سے نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: نَكَالَ، جمع انکال، بیڑی کو کہتے ہیں، لازم منع کے طور پر عذاب اور مَنَع میں استعمال ہوتا ہے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

وَالصَّبِیْنِ: جمع صابی، من صَبَا فلان إذا خَرَجَ مِنَ الدِّينِ، وَالصَّابِنَةُ قَوْمٌ كَانُوا يَعْبُدُونَ النُّجُومَ وَمِنْهُمْ أَبُو اسْحَقَ الصَّابِي الْكَاتِبُ الشَّاعِرُ الْمَشْهُورُ.

الطور من جبال فلسطين، ويطلق على كل جبل كما في القاموس.

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

رَبط آیات:

ما قبل میں بنی اسرائیل کی شرارتوں اور ان کی ضد و عناد کا ذکر تھا، اس سے ناظرین کو یا خود یہود کو یہ خیال گذر سکتا تھا کہ ان حالات میں اگر عذر معذرت کر کے ایمان لانا بھی چاہیں تو غالباً اللہ کے نزدیک قبول نہ ہو اس خیال کو دفع کرنے کے لئے اس قرینہ میں ایک قانون اور ایک ضابطہ ذکر فرمایا: کہ مسلمان ہوں یا یہودی، نصرانی، یا صابی، خواہ کوئی بھی ہو، اگر وہ خدا کی ذات و صفات پر ایمان رکھتا ہو اور دیگر ضروریات دین پر ایمان رکھتا ہو، نیز قانون شریعت کے مطابق عمل پیرا ہو، تو ایسے لوگوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچ کر نہ مغموم ہوں گے اور نہ ان کو کسی بات کا خوف ہوگا۔

مطلب:

مطلب یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص عتقاد و اعمال میں پوری اطاعت کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو وہ ہمارے یہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے بعد پوری اطاعت دین محمدی میں منحصر ہے، مطلب یہ ہے کہ ان شرارتوں کے بعد بھی اگر مسلمان ہو جائے گا، تو اس کے لئے راہ نجات کھلی ہوئی ہے، ہم ان کی سب شرارتوں کو معاف کر دیں گے۔ (معارف ملخصاً)

وَالَّذِينَ هَادُوا، اب تک بنی اسرائیل کے نام سے ایک خاص نسل اور قوم کا ذکر تھا، اور ان کی تاریخ کے اہم ترین واقعات اور مناظر سامنے لائے جا رہے تھے، اب یہاں اسی قوم کا ذکر بحیثیت مسلک اور عقیدہ کے شروع ہو رہا ہے، یہاں پہلی بار ”الَّذِينَ هَادُوا“ کہہ کر ان کے مذہبی عقیدے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل اور یہود میں فرق:

بنی اسرائیل ایک نسلی اور خاندانی نام ہے جسے اپنی عالی نسب پر فخر تھا، اپنے آباء و اجداد کی مقبولیت پر ناز تھا، تاریخ کو دہرانے کے لئے ضروری تھا کہ ان کا نسلی نام لیا جائے، چنانچہ اب تک ان کا اسی نسلی نام سے ذکر کیا گیا، اب یہاں سے ایک دینی مسلک اعتقادی نظام کا بیان شروع ہو رہا ہے، اس لئے ضروری ہوا کہ اب ایسا نام لیا جائے کہ جو نسبت اور نسل اور خاندان کے بجائے، مسلک و عقیدہ کی طرف رہنمائی کرے: ”وَالَّذِينَ هَادُوا“ اسی ضرورت کے لئے بولا گیا ہے۔

یہودی مذہب نسلی مذہب ہے، تبلیغی نہیں؟

کسی غیر اسرائیلی کو یہودی بنانے کا طریقہ ان کے یہاں نہیں، برناباس حواری غیر اسرائیلی کو یہودی مذہب میں داخل کرنے کے مخالف تھے، اس کے برخلاف پولوس رسول اس کے حامی تھے جو غیر اسرائیلی یہودی مذہب اختیار کرتے تھے، ان کو خارجی کہا جاتا تھا، غیر اسرائیلیوں کے یہودی مذہب اختیار کرنے میں بڑی رکاوٹ ایک یہ تھی کہ وہ یہودی شرعی احکام کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے، خاص طور پر احکام عشر کو اور ان میں بھی ختنہ کو تسلیم نہیں کرتے تھے، پولوس رسول نے ایک کانفرس میں بعض احکام کو منسوخ کر دیا، جن میں ختنہ کا حکم بھی شامل تھا، اس ترمیم کی وجہ سے غیر اسرائیلیوں کا یہودی مذہب میں داخل ہونا آسان ہو گیا اور یہیں سے برناباس حواری کی مخالفت کا آغاز ہوا۔ (بائبل سے قرآن تک ملخصاً)

عرب میں متعدد قبیلے ایسے آباد تھے، جو نہ پیدائشی یہودی تھے، اور نہ نسلًا اسرائیلی، بلکہ عرب یا بنی اسماعیل تھے، لیکن یہودی صحبت سے متاثر و مرعوب ہو کر انہوں نے یہود کے طور طریقہ اور پھر عقیدے اختیار کر لئے اور رفتہ رفتہ ان کا شمار بھی یہودی آبادی میں ہونے لگا۔

اسرائیل کی قومی حکومت کا خاتمہ:

اسرائیل کی قومی حکومت کا خاتمہ تو ظہور اسلام سے مدتوں پہلے مشرک رومیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کی بربادی کے بعد ہی ہو گیا تھا، اور رسول اللہ ﷺ کے معاصرین یہودی حیثیت صرف ایک مذہبی اور دینی فرقے کی رہ گئی تھی، مدینہ اور جوار مدینہ بلکہ یمن میں بھی جو یہود موجود تھے، وہ نسلًا بنی اسرائیل نہ تھے، بنی اسماعیل تھے، لیکن اسرائیلیوں کی صحبت میں رہ کر تمدن معاشرت یہاں تک کہ عقیدے بھی انہیں کے اختیار کر لئے تھے: ”وَالَّذِينَ هَادُوا“ میں کھلا اشارہ اسی حقیقت کی طرف ہے۔

بنی اسرائیل کی مختصر تاریخ:

اسرائیل حضرت یعقوب عليه السلام کا لقب ہے، آپ کے بارہ صاحبزادے تھے، حضرت یعقوب عليه السلام کی اولاد ہی کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے عہد قدیم میں اللہ تعالیٰ نے اسی خانوادے کو منصب نبوت کے لئے منتخب فرمایا تھا اور ان میں بے شمار پیغمبر مبعوث فرمائے، بنی اسرائیل کا اصل وطن فلسطین کے علاقے تھے، لیکن عمالقہ نے اس علاقہ پر غاصبانہ قبضہ کر کے اسرائیلیوں کو فرعون مصر کی غلامی پر مجبور کر دیا تھا، حضرت موسیٰ عليه السلام کے زمانہ میں اس غلامی سے نجات حاصل ہوئی، لیکن اب بھی وہ فلسطین کو دوبارہ حاصل نہ کر سکے تھے، ادھر حضرت موسیٰ عليه السلام وفات پا گئے، آپ کے بعد حضرت

یوشع اور ان کے بعد کالب ۽ ینیمیر ہوئے حضرت یوشع ۽ ینیمیر نے اپنے زمانہ میں عمالقہ سے جہاد کر کے فلسطین کا ایک بڑا علاقہ فتح کر لیا، لیکن ان دونوں حضرات کے بعد بنی اسرائیل کو چاروں طرف سے مختلف یورشوں کا سامنا کرنا پڑا اس زمانہ تک بنی اسرائیل عربوں کی طرح نیم خانہ بدوش تھے، اور ان کی زندگی تمدن سے زیادہ قبائلی انداز کی تھی، تاہم جو شخص ان کے قبائلی قوانین کی بنا پر بین القبائلی جھگڑوں کو خوبصورتی سے رفع کر دیتا تھا، اسے بنی اسرائیل تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے، اور اگر اس میں کچھ عسکری صلاحیتیں بھی پاتے، تو بیرونی حملوں کے مقابلہ کے لئے اسی کو اپنا سپہ سالار بھی بنالیا جاتا، اس قسم کے قائدین کو بنی اسرائیل قاضی کہا کرتے تھے۔

قاضیوں کے زمانہ میں جہاں اسرائیلیوں نے بیرونی حملوں کا کامیاب دفاع کیا، وہاں گیارہویں صدی قبل مسیح میں وہ کنعانیوں کے ہاتھ مغلوب ہو گئے اور فلسطین کے بڑے علاقہ پر کنعانیوں کی حکومت قائم ہو گئی جو حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد تک قائم رہی۔

بالآخر حضرت شموئیل ۽ ینیمیر بنا کر بھیجے گئے، تو بنی اسرائیل نے ان سے درخواست کی کہ اب ہم خانہ بدوشی کی زندگی سے تنگ آ گئے ہیں آپ اللہ سے دعاء فرمائیں کہ وہ ہمارے اوپر ایک بادشاہ مقرر فرمادے، جس کے تابع ہو کر ہم فلسطین پر قابضوں کا مقابلہ کریں، چنانچہ حضرت شموئیل ۽ ینیمیر کی دعاء سے ان ہی میں سے ایک شخص کو جس کا نام قرآن کریم کے بیان کے مطابق طالوت تھا، مقرر کر دیا گیا، اور بائبل کی روایت کے مطابق ساؤل تھا، طالوت نے فلسطینیوں کا مقابلہ کیا، حضرت داؤد ۽ ینیمیر اس وقت نوجوان تھے، اور طالوت کے لشکر میں اتفاقاً شامل ہو گئے تھے، فلسطینیوں کے لشکر سے ایک پہلوان جالوت نے مبارزہ طلب کیا تو حضرت داؤد ۽ ینیمیر اس کے مقابلے کے لئے نکلے اور اسے قتل کر دیا، اس واقعہ نے حضرت داؤد ۽ ینیمیر کو بنی اسرائیل میں اتنی ہر دلعزیزی عطا کر دی کہ ساؤل (طالوت) کے بعد وہ بادشاہ بنے، حضرت داؤد ۽ ینیمیر نے اس کے عہد میں فلسطین پر بنی اسرائیل کا قبضہ تقریباً مکمل ہو گیا، ان کے بعد ۹۷۴ قبل مسیح میں حضرت سلیمان ۽ ینیمیر نے اس سلطنت کو اور مستحکم کر کے اقبال کے بام عروج تک پہنچا دیا، ان کے ہی حکم سے بیت المقدس کی تعمیر ہوئی، سلطنت کا نام اپنے جد امجد کے نام پر یہود رکھا۔ لیکن ۹۳۷ قبل مسیح میں حضرت سلیمان کے بعد ان کا بیٹا رجعم تخت سلطنت پر بیٹھا تو اس نے اپنی نااہلی سے نہ صرف یہ کہ سلطنت کی دینی فضاء کو ختم کر دیا بلکہ اس کے سیاسی استحکام کو بھی سخت نقصان پہنچایا، اسی کے زمانہ میں حضرت سلیمان ۽ ینیمیر کے ایک سابق خادم بریعام نے بغاوت کر کے ایک الگ سلطنت اسرائیل کے نام سے قائم کر لی، اب بنی اسرائیل دو ملکوں میں تقسیم ہو گئے، شمال میں اسرائیلی سلطنت تھی جس کا پایہ تخت سامرہ تھا اور جنوب میں یہودیہ کی سلطنت تھی جس کا مرکز یروشلم تھا ان دونوں ملکوں میں باہم سیاسی اور مذہبی اختلاف کا ایک طویل سلسلہ قائم ہو گیا، جو بخت نصر کے حملے تک جاری رہا، دونوں ملکوں میں آہستہ آہستہ بت پرستی کا رواج بڑھنے لگا، اس کے سدباب کے لئے انبیاء ۽ پیغمبر مبعوث ہوتے رہے، جب بنی اسرائیل کی بد اعمالیاں حد سے زیادہ بڑھ گئیں، تو اللہ نے ان پر شاہ بابل کو مسلط کر دیا، اس نے ۵۸۶ قبل مسیح میں یروشلم پر

زبردست حملے کئے اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کر ڈالا، اور اس کے بادشاہ صدقیہ کو قید کر کے لے گیا اور بقیہ السیف یہودی گرفتار ہو کر بابل چلے گئے، عرصہ دراز تک غلامی کی زندگی گزارتے رہے۔

بالآخر جب ۵۳۶ قبل مسیح میں ایران کے بادشاہ خسر د نے بابل فتح کیا، تو اس نے یہودیوں کو دوبارہ یروشلم پہنچ کر اپنا بیت المقدس تعمیر کرنے کی اجازت دیدی چنانچہ ۵۱۵ قبل مسیح میں بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کیا گیا اور یہودی ایک بار پھر یروشلم میں آباد ہو گئے، اسرائیلی سلطنت یہودا سے پہلے ہی اسوریوں کے ہاتھوں تباہ ہو چکی تھی، اب اگرچہ دونوں فرقوں کے مذہبی اختلافات کافی حد تک کم ہو چکے تھے، لیکن انہیں کوئی سلطنت نصیب نہ ہو سکی، ۴۰۰ ق م، میں ان پر سکندر اعظم کا تسلط ہو گیا اور اسی زمانہ میں انہوں نے تورات کا ترجمہ کیا، ۱۶۵ ق م، میں سوریہ کے بادشاہ انتیوکس نے ان کا بری طرح قتل عام کیا اور تورات کے تمام نسخہ جلا دیئے، اسی دوران یہود امکا بی نے جو بنی اسرائیل کا ایک صاحب ہمت شخص تھا، ایک جماعت بنائی، اور اس کے ذریعہ فلسطین کے ایک بڑے علاقہ پر قبضہ کر کے اسوری حکمرانوں کو مار بھگایا، مکابیوں کی یہ سلطنت ۷۰ ق م تک قائم رہی۔

(بائبل سے قرآن تک)

وَالنَّصْرَى، نصاریٰ نصرانی کے جمع ہے، ملک شام (موجودہ فلسطین) میں ایک قصبہ ہے، ناصره (Nazareth) علاقہ گلیلی میں بیت المقدس سے ستر میل دور شمال میں اور بحیرہ روم سے مشرق میں بیس میل کے فاصلہ پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آبائی وطن یہی قصبہ ہے اور آپ یسوع ناصری اسی مناسبت سے کہلاتے ہیں، ناصره ہی کو عربی تلفظ میں نَصْرَان بھی کہتے ہیں، یہی قول قتادہ، ابن جریج تابعین کا ہے۔

وہو قول ابن عباس وقتادة (ابن جریج) (کبیر) قیل سموا بذلك قرية تسمى ناصره. (فرطی)

مسیحی اور نصرانی میں فرق:

مسیحی اناجیل اربعہ پر ایمان رکھتے ہیں، مسیح علیہ السلام کو خدا کا نبی نہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں، یا یہ مانتے ہیں کہ خدا ان کے قالب میں حلول کر آیا تھا، آخرت میں نجات دہندہ خدا کو نہیں مسیح (ابن اللہ) کو مانتے ہیں اور خدائی کو تین اقنوم میں تقسیم کر کے ایک ناقابل فہم فلسفہ بیان کرتے ہیں، ان کے نزدیک ہر اقنوم بجائے خود ایک مستقل خدا ہے اور تینوں اقنوم بھی مل کر ایک مستقل خدا ہے اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

تثلیث کے قائل نے خالق کو کہا ایک تھی سوئی تین پر حیرت سے بجا ایک

یہاں مقصود بیان نصاریٰ کا ہے، نہ کہ مشرک مسیحیوں کا، نصرانی حضرت مسیح کے سچے پیر اور آپ کو نبی مانتے تھے، نہ خدا نہ اس کا بیٹا، تو حید کے قائل تھے، اناجیل اربعہ کے بجائے، انجیل متی کو مانتے تھے، موجودہ مسیحیت سر تا پا پولوسیت ہے اور تمام تر پولوس

طرسوی کی تعلیمات پر مبنی ہے یہ فرقہ حضرت مسیح علیہ السلام کے کچھ مدت بعد وجود میں آگیا تھا، نصرانی اس کے بالکل منکر تھے۔

(ماجدی)

وَالصَّابِئِينَ، صابی ہر اس شخص کو کہا جاتا ہے، جو اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرے دین میں شامل ہو جائے، خود رسول اللہ ﷺ کو شروع میں صابی اس لئے کہا گیا کہ آپ نے دین قریش کو چھوڑ کر دین اسلام اختیار فرمایا، و كانت العرب تسمى بالنبي ﷺ الصابی لانه خرج من دين قريش الى دين الاسلام. (نہایہ، تاج)

اصطلاح میں صابیوں کے نام کا ایک مذہبی فرقہ جو عرب کے شمال مشرق میں شام و عراق کی سرحد پر آباد تھا، یہ لوگ دین تو حید اور عقیدہ رسالت کے قائل تھے، اصلاً اہل کتاب تھے، ان ہی کو نصاریٰ یحییٰ بھی کہا جاتا تھا، یہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی طرف نسبت رکھتے تھے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مبصر دور بین اور دور رس خلیفہ راشد اور حضرت عبداللہ بن عباس جیسے محقق صحابی نے صابیوں کا شمار اہل کتاب میں کیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا ذبیحہ بھی حلال قرار دیا ہے۔

قال عمر بن الخطاب وابن عباس رضي الله تعالى عنهما هم قوم من اهل الكتاب وقال عمر تحل ذبائحهم مثل ذبائح اهل الكتاب. (معالم، ماجدی)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ، (الآية) جب موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر تورات عطا ہوئی اور آپ نے واپس تشریف لا کر قوم کو تورات دکھائی اور سنائی تو چونکہ تورات میں احکام کچھ سخت تھے، مگر ان لوگوں کی حالت ایسے ہی احکام کے مطابق تھی، اول تو انہوں نے یہ کہا کہ جب ہم سے اللہ خود کہہ دیں گے کہ یہ میری کتاب ہے، تب مانیں گے (تفصیل اوپر گزر چکی ہے) غرض جو ستر آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے واپس آ کر انہوں نے گواہی دی مگر اس شہادت میں (اپنی طرف سے) اتنی آمیزش بھی کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ فرمایا تھا، کہ تم سے جس قدر عمل ہو سکے کرنا جو نہ ہو سکے معاف ہے، اس آمیزش سے ان کو حیلہ بہانہ مل گیا، غرض صاف کہہ دیا کہ ہم سے اس تورات پر عمل نہیں ہو سکتا، تو حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ کوہ طور کا ایک حصہ اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دو کہ یا تو قبول کرو ورنہ پہاڑ کا یہ ٹکڑا ابھی گر دیا جائے گا، مجبوراً بنی اسرائیل نے قبول کر لیا۔

ایک شبہ کا جواب:

یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ دین میں تو اکراہ نہیں ہے، یہاں کیوں اکراہ کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اکراہ ایمان لانے پر نہیں، بلکہ اول اپنی خوشی سے ایمان اور اسلام قبول کر لینے اور اس کے بعد اس کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے یہ سزا دی گئی جبکہ باغیوں کی سزا تمام حکومتوں میں بھی عام مخالف اور دشمن قوموں سے الگ ہوتی ہے ان کے لئے ہر حکومت میں دو ہی راستے ہوتے ہیں، یا اطاعت قبول کریں یا قتل کئے جائیں، اسی وجہ سے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے اور کفر کی سزا قتل نہیں۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ، آیت کے اس آخری جز کے مخاطب آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے یہود معلوم ہوتے ہیں، اس لئے کہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لانا بھی عہد شکنی میں داخل ہے، اس لئے ان کو بھی عہد شکنوں میں شامل کر کے بطور امتنان فرمایا کہ اس پر بھی ہم نے تم پر دنیا میں کوئی عذاب ایسا نازل نہیں کیا جیسا کہ پہلے عہد شکنوں پر ہوتا رہا، یہ محض خدا کی رحمت ہے۔

اور اب چونکہ از روئے احادیث ایسے عذابوں کا نہ آنا حضور ﷺ کی برکت ہے، اس لئے بعض مفسرین نے فضل و رحمت کی تفسیر بعثت محمد یہ سے کی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ، (الآیۃ) اور تم ان لوگوں کا حال تو اچھی طرح جانتے ہی ہو جنہوں نے روز شنبہ کے بارے میں حد شرع سے تجاوز کیا تھا۔

فَائِيكُمُ: مچھلی پکڑنے کا واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں پیش آیا تھا، ہفتہ (شنبه) کا دن بنی اسرائیل کے لئے عبادت کے واسطے مقرر تھا، اس روز مچھلی کا شکار ممنوع تھا، یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے، مچھلی کے شوقین تھے، ان لوگوں نے حکم کو نہ مانا اور شکار کیا اس پر اللہ نے ان پر مسخ صورت کا عذاب نازل فرمایا، یہ مسخ شدہ لوگ تین دن میں مر گئے۔

دینی معاملات میں حیلے کی حقیقت:

اس آیت میں یہودیوں کے جس اعتداء کا ذکر ہے جس کی وجہ سے ان پر مسخ صورت کا عذاب نازل ہوا تھا، روایات سے ثابت ہے کہ وہ صاف طور پر حکم شرعی کی خلاف ورزی نہ تھی، بلکہ ایسے حیلے تھے، جن سے حکم شرعی کا ابطال لازم آتا تھا، مثلاً ہفتہ کے دن مچھلی کی دم میں ڈور باندھ کر سمندر میں چھوڑ دینا اور ڈور کو کنارہ پر باندھ دینا اور دوسرے روز شکار کر لینا کنارہ پر گرڑھا کھود دینا تاکہ ممنوعہ دن میں اس میں مچھلیاں داخل ہو جائیں اور دوسرے روز اس کا شکار کر لیا جائے، یہ اس قسم کے حیلے ہیں کہ جس میں حکم شرعی کے ابطال بلکہ ایک قسم کا استہزاء ہے، اس لئے ایسے حیلے کرنے والوں کو بڑا سرکش نافرمان قرار دے کر ان پر عذاب نازل فرمایا۔

فقہی حیلے:

مگر اس سے فقہی حیلوں کی حرمت ثابت نہیں ہوتی جن میں سے بعض خود رسول اللہ ﷺ نے بتلائے ہیں مثلاً ایک سیر عمدہ کھجور کے بدلے دو سیر ردی کھجور خریدنا سود میں داخل ہے، مگر اس سے بچنے کے لئے ایک حیلہ خود رسول اللہ ﷺ نے بتلایا کہ جنس کا تبادلہ جنس سے نہ کرو، قیمت کے ذریعہ خرید و فروخت کرو مثلاً دو سیر ردی کھجوریں دو درہم میں فروخت کر دیں پھر ان دو درہموں سے ایک سیر عمدہ کھجور خرید لیں تو یہ جائز ہے، اس لئے کہ یہاں حکم شرعی کی تعمیل مقصود ہے، ابطال حکم مقصود نہیں ہے۔

واقعہ مسخ کی تفصیل:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ، علم کا لفظ خود تحقیق کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، پھر اس پر لام اور قد کے اضافہ سے اس کے معنی میں مزید شدت اور تاکید پیدا ہو گئی گویا قرآن بنی اسرائیل کو ان کی تاریخ کا کوئی واقعہ ان کے لئے خوب اچھی طرح جانا بوجھا ہوا یاد دلارہا ہے اور ان سے کہہ رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل! جس واقعہ کا ذکر آگے آ رہا ہے، وہ تمہاری تاریخ کا ایک مسلم اور متعارف واقعہ ہے، جس سے تم بلاشبہ بخوبی واقفیت رکھتے ہو۔

فِی السَّبْتِ، احکام سبت کے بارے میں، سبت، ہفتہ (سنیچر) کے دن کو کہتے ہیں یہود کی شریعت میں یہ ایک مقدس دن تھا، جس طرح مسیحیوں کے نزدیک اتوار کا دن مقدس ہے، یہ دن یاد خدا کے لئے مخصوص تھا، اس روز تجارت زراعت وغیرہ ہر قسم کے دنیاوی کام ممنوع تھے، اور ممانعت بھی بڑی شدت کے ساتھ تھی، کہ جو اس حکم کی خلاف ورزی کرے، اسے قتل کر دیا جائے، توریت کے الفاظ یہ ہیں۔

پس سبت کو مانو اس لئے کہ وہ تمہارے لئے مقدس ہے جو کوئی اس کو پاک نہ جانے، وہ ضرور مار ڈالا جائے۔

(خروج، ۳۱: ۱۴، ۱۵ و (ماجدی)

روایات میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں یہود کی ایک بڑی آبادی مقام ایلمہ میں رہتی تھی، مچھلی کا مذکورہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کے یہود کا ہے، حضرت داؤد کا زمانہ ۱۰۱۳ ق م تا ۹۷۳ ق م کا ہے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہود نے اول اول تو اس طرح کے حیلے کر کے مچھلیاں پکڑیں پھر ہوتے ہوتے عام طور پر شکار کھیلنے لگے، تو ان میں دو جماعتیں ہو گئیں، ایک جماعت ان دینداروں کی تھی جنہوں نے ایسا کرنے سے روکا مگر وہ باز نہ آئے، تو ان سے تعلقات منقطع کر کے الگ ہو گئے، اور بستی کے دو حصے کر لئے ایک میں یہ نافرمان لوگ رہ گئے، اور دوسرے میں دیندار اور صالح لوگ، ایک روز دینداروں کو یہ محسوس ہوا کہ جس حصہ میں نافرمان رہ رہے ہیں ادھر بالکل سناٹا ہے، تو وہاں جا کر دیکھا، تو سب کے سب بندروں کی صورت میں مسخ ہو گئے ہیں اور حضرت قتادہ نے فرمایا کہ ان کے جوانوں کو بندر اور بوڑھوں کو خنزیر کی صورت میں مسخ کر دیا گیا یہ مسخ شدہ لوگ اپنے رشتہ داروں اور شناساں لوگوں کو پہچانتے تھے اور ان کے قریب جا کر روتے تھے۔

ممسوخ قوم کی نسل نہیں چلی:

اس بارے میں صحیح بات وہ ہے جو خود رسول اللہ ﷺ سے بروایت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ صحیح مسلم میں منقول ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے زمانہ کے بندروں اور خنزیروں کے بارے میں آپ سے دریافت کیا کہ کیا یہ وہی مسخ شدہ یہودی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم میں مسخ صورت کا عذاب نازل کرتے ہیں، تو ان کی نسل نہیں چلتی اور پھر فرمایا کہ

بندر اور خنزیر دنیا میں پہلے سے بھی موجود تھے اور آج بھی ہیں مگر مسخ شدہ بندروں اور خنزیروں سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔

وَ اذْکُرْ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهٖ وَقَدْ قُتِلَ لَهُمْ قَتِیْلٌ لَا یُدْرِی قَاتِلُهٗ وَ سَاَلُوْهُ اَنْ یَّدْعُوَ اللّٰهَ اَنْ یُبَیِّنَ لَهُمْ فِدْعَاہٗ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً قَالُوْا اَتَتَّخِذُنَا هٰزِوًاۙ مِّنْہِزُوًاۙ بِنَا حِیْثُ تُجِیْبُنَا بِمِثْلِ ذٰلِکَ قَالَ اَعُوْذُ اَمِّنَہٗ بِاللّٰهِ بِنَ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْجٰہِلِیْنَ^(۱۷) الْمُسْتَهْزِیْنَ فَلَمَّا عَلِمُوْا اَنَّهُ عَزَمَ قَالُوْا دَعْ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَنَا مَا هِیَ اِی مَاسِئَہَا قَالَ مُوسٰی اِنَّہٗ اِی اللّٰهَ یَقُوْلُ اِنَّہَا بَقَرَةٌ لَا فَاْرِضٌ مُّسِنَّۃٌ وَلَا یَکْرَ صَغِیْرَةٌ عَوَآءٌ نِّصْفَ بَیْنِ ذٰلِکَ الْمَذْکُوْرِ بَیْنِ السِّیْنِیْنَ فَاَفْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ^(۱۸) بِہٖ مِنْ ذَبْحِہَا قَالُوْا دَعْ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَنَا مَا لَوْنُہَاۙ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّہَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءٌ فَاقِیْعٌ لَّوْنُہَا شَدِیْدُ الصَّفْرِیۃِ تَسْرُ النَّظِیْرِیْنَ^(۱۹) اِلَیْہَا بِحُسْنِہَا اِی تُعْجِبُہُمْ قَالُوْا دَعْ لَنَا رَبَّکَ یُبَیِّنْ لَنَا مَا هِیَ اَسَآئِمُہٗ اَمْ غَایِلُہٗ اِنَّ الْبَقَرَ اِی جِنْسُہٗ الْمَنْعُوْتِ بِمَا ذُکِرَ تَشَبَہَ عَلَیْنَاۙ بِکَثْرِتِہٖ فَلَمَّ نَهَبَتْ اِلَی الْمَتَّصُوْدَةِ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ^(۲۰) اِلَیْہَا فِی الْحَدِیْثِ لَوْ لَمْ یَسْتَشْنُوْا لَمَا بَیَّنْتَ لَہُمْ اٰخِرَ الْاَبَدِ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ اِنَّہَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُوْلٌ غَیْرِ مُذَلَّلَةٍ بِالْعَمَلِ تُثْرِی الْاَرْضَ تُقَلِّبُہَا لِلزَّرَاعَةِ وَالْجُمْلَةُ صَفۃٌ ذَلُوْلٍ دَاخِلۃٌ فِی النَّشِی وَلَا تَسْقِی الْحَرَّ الْاَرْضُ الْمُہَبَّتۃُ لِلزَّرَعِ مُسَلَّمَةٌ بِنَ السُّیُوْبِ وَاثَارِ الْعَمَلِ لَا شِیۃٌ لَّوْنٌ فِیْہَاۙ غَیْرِ لَوْنِہَا قَالُوْا اَلَنْ جِئْتَ بِالْحَقِّ نَطَقْتَ بِالْبَیَانِ التَّامِ فَطَلَبُوْہَا فَوَجَدُوْہَا عِنْدَ الْغَتِی الْبَارِ بِاَبِہٖ فَاَشْتَرُوْہَا بِمَآلٍ مِّنْکِمَا ذَبَہَا فَذَبَحُوْہَا وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ^(۲۱) لِغَلَاۤءِ ثَمِیْنِہَا وَفِی الْحَدِیْثِ لَوْ ذَبَحُوْا اِیۡ بَقَرَةً کَانَتْ لَا جَزَآئُہُمْ وَلٰکِنْ شَدُّوْا عَلٰی اَنْفُسِہِمۡ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَیْہِمۡ

۸

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو، جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اور ان کا کوئی شخص مقتول ہو گیا تھا اور

اس کے قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا، اور ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ اللہ سے دعاء فرمائیں کہ

وہ قاتل کو ظاہر کر دے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعاء فرمائی (اور کہا) کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم

دیتا ہے تو وہ کہنے لگے کیا آپ ہم سے مذاق کرتے ہو، یعنی ہمارا مذاق بناتے ہو، جو اس قسم کا جواب دیتے ہو؟ (حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے) کہا کہ میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ جاہلوں کی سی باتیں کروں (یعنی) استہزاء کرنے والوں میں شمار ہوں، چنانچہ

جب وہ سمجھ گئے، کہ آپ حقیقت کہہ رہے ہیں، (مذاق نہیں کر رہے) تو کہنے لگے آپ ہمارے لئے اپنے پروردگار سے دعاء

فرمائیں کہ وہ ہمیں اس (گائے) کے بارے میں کچھ (تفصیل) بتائے کہ اس کی کیا عمر ہو؟ (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا اللہ

فرماتا ہے، وہ ایسی گائے ہو کہ جو نہ بوڑھی ہو اور نہ بچھیا (بلکہ) اوسط عمر کی ہو لہذا (ذبح کا) جو حکم تم کو دیا جا رہا ہے وہ کرو، پھر کہنے

لگے اپنے رب سے یہ اور پوچھ لو کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا وہ فرماتا ہے کہ وہ نہایت شوخ رنگ کی زرد

گائے ہو، دیکھنے والوں کو اس کی خوبی کی وجہ سے یعنی (ناظرین) کو تعجب میں ڈال دے، وہ پھر بولے کہ اپنے رب سے صاف

صاف پوچھ کر بتاؤ کہ کیسی (گائے) مطلوب ہے؟ جنگل میں چرنے والی ہو یا پالتو (گھریلو) بلاشبہ مذکورہ صفات کی گائے کی تعین میں ہمیں اشتباہ ہو گیا ہے اس صفت (جنس) کی گائے بکثرت ہونے کی وجہ سے جس کی وجہ سے مقصد تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی، اللہ نے چاہا تو ہم اس کا پتہ پالیں گے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی ان کو اس کا پتہ نہ لگ پاتا، (موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا وہ کہتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جس سے خدمت نہ لی گئی ہو، کام میں استعمال نہ کی گئی ہو نہ زمین جو تنے میں استعمال ہوئی ہو کہ زمین کو زراعت کے لئے الٹ پلٹ کرتی ہو (جوتی ہو) اور جملہ (تثیر الارض، ذلول) کی صفت ہے جو نفی کے تحت داخل ہے، اور نہ کھیتی کو پہنچتی ہو، یعنی اس زمین کو جس کو کھیتی کے لئے تیار کیا ہو، عیوب اور کام کے نشانات سے صحیح سالم ہو اور اس میں اس کے (اصلی) رنگ کے علاوہ کوئی داغ نہ ہو، تو کہنے لگے اب آپ نے ٹھیک پتہ بتا دیا یعنی پوری وضاحت کر دی، چنانچہ انہوں نے اس کی تلاش کی تو اس کو ایک نوجوان کے پاس پایا جو کہ اپنی والدہ کا فرمانبردار تھا، تو ان لوگوں نے اس گائے کو اس کا چمڑا بھر سونے کے عوض خرید لیا پھر انہوں نے اسے ذبح کیا ورنہ وہ اس کے بیش قیمت ہونے کی وجہ سے ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے، حدیث شریف میں ہے اگر وہ کسی بھی گائے کو ذبح کر دیتے تو ان کے لئے کافی ہو جاتی لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: بَقْرَةٌ، بَقْرَةٌ، کا اطلاق اگرچہ نرمادہ دونوں پر ہوتا ہے، مگر یہاں مادہ مراد ہے، بَقْرَةٌ، بَقْرٌ، سے مشتق ہے جس کے معنی پھاڑنے کے ہیں چونکہ یہ زمین کو جوتی ہے، اسی لئے اس کو بقرہ کہا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ: مَهْزُوءًا، هُزُوءًا، کی تفسیر مَهْزُوءًا، سے کر کے اشارہ کر دیا کہ: هُزُوءًا، مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔
قَوْلُهُ: مَاسِنُهَا، مَا هِيَ کی تفسیر مَاسِنُهَا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مَا، اگرچہ ماہیت سے سوال کرنے کے لئے آتا ہے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اکثر یہ ہے۔

قَوْلُهُ: فَارِضٌ، بوڑھی۔

سُؤَالٌ: فَارِضٌ، بقرہ کی صفت ہے، لہذا فَارِضَةٌ، ہونی چاہئے۔
جَوَابٌ: مفسر علام نے فَارِضٌ کی تفسیر مسنۃ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ مسنۃ کا نام ہے نہ کہ بقرہ کی صفت فَارِضٌ، فَارِضٌ، سے اسم فاعل ہے، اس کے معنی چیرنے پھاڑنے اور وسیع کرنے کے ہیں، یہاں فَارِضٌ سے وہ گائے یا بیل مراد ہے کہ جو اپنی جوانی کاٹ کر بڑھاپے کو پہنچ گیا ہو یا جس کے سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے دانت اکھڑ گئے ہوں۔

قَوْلُهُ: عَوَانٌ، متوسط، درمیانی عمر کا، جمع عَوْنٌ، تخفیفًا وَاوْ کے ضمہ کو حذف کر دیا گیا ہے۔
قَوْلُهُ: فَاقِعٌ، تیز زرد تا کید کے طور پر تیز زرد کے لئے لایا جاتا ہے اَصْفَرُ فَاقِعٌ اور تیز سیاہ کے لئے بولا جاتا ہے اَسْوَدُ

کنندہ نے اس کو قتل کر دیا تھا، قاتل لاپتہ تھا، اس کا کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا، ایک دوسرے پر الزام تراشی ہو رہی تھی، قوم کے کچھ سمجھدار لوگوں نے کہا اس میں لڑنے جھگڑنے کی کوئی بات نہیں ہے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود ہیں ان سے معلوم کر لیا جائے، چنانچہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قتل کا پورا واقعہ بیان کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم الہی ایک گائے ذبح کرنے اور اس کا ایک حصہ مردے سے لگانے کے لئے فرمایا، بہت امین میخ اور آنا کافی کرنے کے بعد گائے ذبح کر دی اور اس کا ایک ٹکڑا مردے سے لگا دیا وہ مردہ باذن الہی کچھ دیر کے لئے زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے قاتل کا نام جو کہ خود اس کا بھتیجا تھا، بتا دیا اور پھر فوراً ہی اس کا انتقال ہو گیا، ادھر اس قاتل کو جس نے مال کی حرص میں اپنے چچا کو قتل کر دیا تھا، وراثت سے محروم کر دیا گیا۔

گائے ذبح کرنے کی مصلحت:

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے بحکم خداوندی گائے ذبح کرنے کے لئے فرمایا تو ان لوگوں کو اس کا یقین نہیں آیا، اول تو اس وجہ سے کہ قاتل کا پتہ لگانے اور گائے ذبح کرنے میں بظاہر کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ گائے مائتا ان کی دیوی تھی، جس کے ذبح کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اسی لئے ان لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا شاید آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں۔

گائے ذبح کرانے میں مصلحت یہ تھی کہ بنی اسرائیل کو صدیوں تک مصر میں گائے پرستوں کے درمیان رہنے کی وجہ سے گائے کی عظمت اور تقدیس کے مرض کی چھوت لگ گئی تھی، اس لئے ان کو حکم دیا گیا کہ گائے ذبح کریں، ان کے ایمان کا امتحان اسی طرح ہو سکتا تھا، کہ اگر وہ واقعی رب خدا کے سوا کوئی معبود نہیں سمجھتے تو جس بت کو اب تک پوجتے رہے ہیں، اسے اپنے ہاتھوں سے ذبح کریں، چونکہ دلوں میں پوری طرح ایمان اتر ا ہوا نہیں تھا، اس لئے انہوں نے ٹالنے کی کوشش کی اور گائے کی تفصیلات معلوم کرنے لگے، اور جس قدر تفصیلات معلوم کرتے گئے، اسی قدر گھرتے چلے گئے، یہاں تک کہ آخر کار اسی خاص قسم کی سنہری گائے پر جسے اس زمانہ میں پرستش کے لئے مختص کیا جاتا تھا، گویا انگلی رکھ کر بتا دیا گیا کہ اسے ذبح کرو، بائبل میں بھی اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

تورات میں ذبح گائے کا حکم:

بنی اسرائیل سے کہو کہ ایک لال گائے جو بے داغ اور بے عیب ہو اور جس پر کبھی جوانہ رکھا گیا ہو، تجھ پاس لائیں، تم اسے الیعر کا ہن کو دو کہ وہ اسے خیمے سے باہر لے جائے، اور وہ اس کے حضور ذبح کی جائے۔ (کنتی، ۱۹: ۲، ماجدی)

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّرَأْتُمْ إِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الدَّالِ أَيْ تَخَاصُمْتُمْ وَتَدَافَعْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ مُخْرِجُ مُظْهِرٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ^(۷۶) مِّنْ أَمْرٍ بَّاءٌ وَبِذَا إغْتِرَاضٌ وَبُؤْ أَوَّلُ الْقِصَّةِ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ أَيْ الْقَتِيلَ بِبَعْضِهَا فَضَرَبَ بِلِسَانِهَا أَوْ عَجَبَ ذَنْبِهَا فَحَى وَقَالَ قَتَلَنِي فَلَانٌ وَفُلَانٌ لِابْنِ عِمِّهِ وَمَاتَ فَحَرِمًا الْمِيرَاثَ وَقِتْلًا قَالَ تَعَالَى كَذَلِكَ الْإِحْيَاءُ يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ دَلَائِلَ قُدْرَتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ^(۷۷) تَتَدَبَّرُونَ فَتَعْلَمُونَ أَنَّ الْقَادِرَ عَلَى إِحْيَاءِ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ قَادِرٌ عَلَى إِحْيَاءِ نَفُوسٍ كَثِيرَةٍ فَتُؤْمِنُونَ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ أَيْهَا الْيَهُودُ صَلَبَتْ عَنْ قَبُولِ الْحَقِّ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ الْمَذْكُورِ بَيْنَ إِحْيَاءِ الْقَتِيلِ وَمَا قَبْلَهُ مِنَ الْآيَاتِ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ فِي الْقَسْوَةِ أَوَّشَدُ قَسْوَةً بِسَبَابِهَا وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَّا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَّا يَنْشَقُّ فِيهِ إِدْغَامُ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الشَّيْنِ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَّا يَهِيْطُ يَنْزِلُ مِنْ عَلْوٍ إِلَى سِفْلٍ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَقُلُوبُكُمْ لَا تَتَأَثَّرُ وَلَا تَلِينُ وَلَا تَخْشَعُ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ^(۷۸) وَإِنَّمَا يُؤَخِّرُكُمْ لِيُوقِتْكُمْ وَفِي قِرَاءَةِ بَالْتَحْتَانِيَّةٍ وَفِيهِ الْيَفَاتُ عَنِ الْخِطَابِ أَفْتَطْمَعُونَ أَيْهَا الْمُؤْمِنُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا أَيْ الْيَهُودُ لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَحْبَابُ رَبِّهِمْ لَيَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ فِي التَّوْرَةِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ يُعَيِّرُونَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ فَهُمْ يَعْلَمُونَ^(۷۹) أَنَّهُمْ مُفْتَرُونَ وَالْهَمْزَةُ لِلْإِنْكَارِ أَيْ لَا تَطْمَعُوا فَلَهُمْ سَابِقَةٌ فِي الْكُفْرِ وَإِذَا لَقُوا أَيْ مُنَافِقُوا الْيَهُودَ الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا بِأَنَّ مُحَمَّدًا نَبِيُّ وَبُؤِ الْمُبَشِّرِ فِي كِتَابِنَا وَإِذَا خَلَا رَجَعَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا أَيْ رُؤُسَاؤُهُمُ الَّذِينَ لَهُمْ يُنَافِقُوا لِمَنْ نَافَقَ اتَّحَدُّوهُمْ أَيْ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ أَيْ عَرَّفَكُمْ فِي التَّوْرَةِ مِنْ نِعَمِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُحَاجُّوكُمْ لِيُخَاصِمُوكُمْ وَاللَّامُ لِلصَّيْرُورَةِ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ فِي الْآخِرَةِ وَيُقِيمُوا عَلَيْكُمْ الْحُجَّةَ فِي تَرْكِ اتِّبَاعِهِ مَعَ عِلْمِكُمْ بِعِدْقِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ^(۸۰) أَنَّهُمْ يُحَاجُّونَكُمْ إِذَا حَدَّثْتُمُوهُمْ فَتَنَّتْهُمَا قَالَ تَعَالَى أَوَلَا يَعْلَمُونَ الْإِسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ وَالْوَاوُ الدَّاخِلَةُ عَلَيْهَا لِلْعَطْفِ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ^(۸۱) مَا يُخْفُونَ وَمَا يُظْهِرُونَ مِنْ ذَلِكَ وَغَيْرِهِ فِيرَعَوْا عَنْ ذَلِكَ.

ترجمہ: اور اس واقعہ کو یاد کرو، جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، پھر تم اس (معاملہ) میں لڑنے جھگڑنے لگے تھے، (اِذَا رَأَيْتُمْ) اصل (یعنی تَدَارَئْتُمْ) میں تاء، کا دال میں ادغام ہے، یعنی جھگڑ رہے تھے، اور ایک دوسرے پر الزام ڈال رہے تھے، اور جس بات کو تم چھپانا چاہتے تھے، اللہ اس کو ظاہر کرنے والا تھا، یہ جملہ معترضہ ہے، یہ قصہ کا ابتدائی حصہ ہے۔ (اگرچہ تلاوت میں مؤخر ہے) تو ہم نے حکم دیا کہ اس مقتول سے (مذبحہ) گائے کا کوئی حصہ لگاؤ، چنانچہ گائے کی زبان، یاد م کی جڑ مقتول سے لگائی گئی تو وہ (مقتول) زندہ ہوا اٹھا اور بتا دیا کہ میرے چچا زاد بھائیوں میں سے فلاں اور فلاں نے قتل کیا ہے اور (اتنا بتا کر فوراً) مر گیا، چنانچہ دونوں میراث سے محروم کر دیئے گئے اور قتل کر دیئے گئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس

(کو زندہ کرنے) کے مانند اللہ تعالیٰ مرووں کو زندہ کرے گا اور تم کو اپنی قدرت کے نمونے دکھائے گا تاکہ تم سمجھو غور و فکر کرو، اور اس بات کو سمجھ لو کہ جو ذات ایک شخص کے زندہ کرنے پر قادر ہے وہ بہت سے اشخاص کے زندہ کرنے پر بھی قادر ہے، سو تم ایمان لے آؤ، پھر اس مذکور یعنی مقتول کے زندہ کرنے اور اس سے پہلے مذکور معجزے دیکھنے کے بعد اے یہودیو! حق قبول کرنے سے تمہارے دل سخت ہو گئے، تو وہ سنگ دلی میں پتھر کے مانند ہیں، یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں اور بلاشبہ پتھروں میں تو بعض ایسے بھی ہیں کہ جن سے چشمے بھی نکلتے ہیں اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں، (یَشَقُّ) میں دراصل تاء کا ادغام ہے، شین میں کہ ان سے پانی نکلنے لگتا ہے اور بعض ان میں ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک جاتے ہیں (مگر) تمہارے دل نہ تو متاثر ہوتے ہیں اور نہ نرم پڑتے ہیں اور نہ خوف کھاتے ہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے اور بلاشبہ وہ تم کو ایک وقت تک کے لئے ہمت دیتا ہے اور ایک قراءت میں (یَعْمَلُونَ) یا تختانیہ کے ساتھ ہے اور اس میں حاضر سے (غائب کی جانب) التفات ہے، اے مسلمانو! کیا اب بھی تم توقع رکھتے ہو، کہ یہود تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں ایک فریق کہ وہ ان کے علماء کا ہے، تو رات میں اللہ کے کلام کو سنتا ہے اور سمجھنے کے بعد اس کو بدل دیتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ افتراء کر رہے ہیں، (أَفَتَطْمَعُونَ) میں ہمزہ انکار کا ہے یعنی تم توقع مت رکھو، اس لئے کہ کفر ان کی خصلت سابقہ ہے اور منافق یہودی جب مسلمانوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ: ہم اس بات پر کہ محمد ﷺ (اللہ کے) نبی ہیں، ایمان لا چکے ہیں اور ہماری کتاب میں ان کی بشارت دی گئی ہے اور جب آپس میں تنہائی میں ملتے ہیں، تو ان کے سردار جو منافق نہیں ہیں منافقوں سے کہتے ہیں کیا تم ان (مسلمانوں) کو وہ باتیں بتا دیتے ہو، جو اللہ نے تمہارے اوپر منکشف فرمائی ہیں، یعنی محمد ﷺ کی وہ صفات جو تم کو تو رات میں بتائی گئی ہیں تاکہ تم پر اس کے ذریعہ آخرت میں تمہارے رب کے روبرو حجت قائم کریں یعنی تمہارے ساتھ مخالفت کریں اور لام صبر و رت کے لئے ہے اور اس (محمد) کی ترک اتباع پر اس کو سچا (نبی) جاننے کے باوجود حجت قائم کریں کیا یہ لوگ نہیں جانتے، استفہام تقریر کے لئے اور اس پر جو اذواخل ہے وہ عطف کے لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات کو جانتا ہے، جس کو یہ چھپاتے ہیں، اور ظاہر کرتے ہیں، ان باتوں میں سے اور ان کے علاوہ سے اس لئے اس اخفاء سے باز آ جائیں۔

تَحْقِيقُ تَرْكِبِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: إِذَا رَأَيْتُمْ، بَرُوزَ إِفَاعِلْتُمْ، مادہ، دَرَّءُ ہے بمعنی جھگڑنا اور رفع کرنا، إِذَا رَأَيْتُمْ، تَدَارَءْتُمْ، (تفاعل) سے ماضی جمع مذکر حاضر تم نے ایک دوسرے پر الزام ڈالا، إِذَا رَأَيْتُمْ، اصل میں تَدَارَءْتُمْ، بَرُوزَ تَفَاعِلْتُمْ تھا، تاء اور دال کے قریب المخرج ہونے کی وجہ سے تاء کو دال سے بدل دیا پھر وال کو دال میں اوغام کر دیا جس کی وجہ سے ابتداء بالسکون لازم آ گیا اس دشواری کو دور کرنے کے لئے ہمزہ وصل شروع میں لے آئے، إِذَا رَأَيْتُمْ، ہو گیا۔

قَوْلًا: فِيهَا، اِی فِی وَاقِعَةٍ قَتَلَ النَّفْسَ.

قَوْلًا: هَذَا، اِعْتِرَاضٌ، یعنی: وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ، معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلًا: مِنْ اَمْرِهَا، اس میں اشارہ ہے کہ: تَكْتُمُونَ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلًا: مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ، میں مَا، موصولہ ہے اور تَكْتُمُونَ جملہ ہو کر صلہ ہے عائد محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَلَّذِی تَكْتُمُوْنَہُ مِنْ اَمْرِ الْقَتْلِ.

قَوْلًا: هُوَ اَوَّلُ الْقِصَّةِ، یعنی اِذَا رَأَيْتُمْ، سے اول قصہ کا بیان ہے، اور سابق رکوع میں جو بیان ہوا وہ اس کے بعد کا حصہ ہے گو تلاوت میں مقدم ہے اس تقدیم و تاخیر کا مقصد یہود کی قبائح کو یکجا بیان کرنا ہے۔

قَوْلًا: كَذَلِكَ يُخَيِّلُ اللّٰهُ الْمَوْتِی، یہ جملہ بھی کلام مسلسل کے درمیان معترضہ ہے اور اس کے مخاطب غیر یہود ہیں اس لئے کہ یہ یہود منکرینِ بعث نہیں تھے۔

قَوْلًا: ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ.

سُؤَال: ثُمَّ تَرَخِی زَمَانَ پر دلالت کرتا ہے اور یہاں تراخی فی الزمان نہیں ہے اس لئے کہ یہود کی شقاوت قلبی اسی وقت موجود تھی، نہ یہ کہ بعد میں پیدا ہوئی، لہذا ثُمَّ کا استعمال بر محل معلوم نہیں ہوتا۔

جَوَاب: یہاں ثُمَّ کا استعمال مجازاً استبعاد کے معنی میں ہے یعنی اتنے سارے دلائل دیکھنے، سننے کے بعد ایک عاقل بالغ سے شقاوت قلبی بعید ہے۔

قَوْلًا: مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ، یہ استبعاد کی مزید تاکید ہے یعنی جو مفہوم ثُمَّ کا ہے وہی مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ کا ہے۔

قَوْلًا: اَوْ اَشَدُّ فُسُوْقًا، اَوْ، بمعنی بَلْ ہے، مگر ابو حیان نے اَوْ، کو توزیع کے لئے لیا ہے، یعنی قلوب کی اقسام کو بیان کرنے کے لئے۔

قَوْلًا: اَفْتَطَمَعُونَ، یہ طَمَعٌ، سے مضارع جمع مذکر حاضر ہے، ہمزہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مانیں گے؟ یعنی تم کو تو توقع نہیں رکھنی چاہئے، اَفْتَطَمَعُونَ، اصل میں فَاتَطَمَعُونَ، فاء کی تقدیم کے ساتھ تھا، ہمزہ استفہام چونکہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لئے ہمزہ کو فاء پر مقدم کر دیا، اَفْتَطَمَعُونَ ہو گیا، یہ جمہور کا مذہب ہے، زخشری نے کہا ہے کہ ہمزہ محذوف پر داخل ہے اور فاء عاطفہ ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے: اَتَسْمَعُونَ کَلَامَهُمْ وَتَعْرِفُونَ اَحْوَالَهُمْ فَتَطَمَعُونَ اَنْ یُّؤْمِنُوا لَكُمْ.

فَائِلًا: ہمزہ استفہام، حرف عطف میں سے صرف تین پر داخل ہوتا ہے، واو، فاء، ثمر.

قَوْلًا: اَنْ یُّؤْمِنُوا لَكُمْ.

سُؤَال: یؤمنوا، کا صلہ لام نہیں آتا بلکہ باء آتا ہے اور یہاں لام استعمال ہوا ہے۔

جَوَاب: یؤمنوا، یَنْقَادُوا کے معنی کو مشتمل ہے لہذا لام صلہ لانا درست ہے، یعنی کیا تم کو تو توقع ہے کہ یہ تمہاری بات مان لیں گے۔

قَوْلًا: فَلَيْتُمْ سَابِقَةَ بِالْكَفْرِ، یعنی ان کو کفر و انکار کی پرانی عادت ہے، اس لئے کہ یہود تورات میں تحریف کا ارتکاب کر کے محمد ﷺ کا انکار کرنے سے پہلے ہی کفر کر چکے ہیں گویا کہ کفر و انکار ان کی عادت قدیمہ ہے لہذا ان کا ایمان لانا مستبعد ہے۔

قَوْلًا: إِذَا خَلَا رَجَعَ، خَلَا، کی تفسیر رَجَعَ، سے کر کے اس اعتراض کا جواب دیدیا کہ: خَلَا، کا صلہ الی نہیں آتا حالانکہ إِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ میں خَلَا کا صلہ الی استعمال ہوا ہے۔

جَوَابًا: خَلَا، رَجَعَ، کے معنی کو متضمن ہے، اس کی وجہ سے اس کا صلہ الی لانا درست ہے۔

قَوْلًا: وَاللَّامُ لِلصِّيْرَةِ، لِيُحَاجُّوْكُمْ، میں لام تعلیل کا نہیں ہے بلکہ صیروت یا عاقبت کا ہے، اس لئے کہ احتجاج ان کی غرض اور مقصد نہیں ہے، يُحَاجُّوْكُمْ، مضارع جمع مذکر غائب ہے، یعنی انجام کار وہ تمہارے ساتھ حجت بازی کریں، لِيُحَاجُّوْكُمْ، اُن مقدروہ کی وجہ سے منصوب ہے، اس لئے کہ لام صیروت کے بعد اُن جواز اُمقدر ہوتا ہے لِيُحَاجُّوْكُمْ، تَحَدِّثُوْهُمْ، سے متعلق ہے، نہ کہ فتح اللہ سے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

سُئِلَ: مَا قَبْلُ فِي رُؤْسِ، يَهُودَ كَلَامُ، جو کہ معطوف علیہ ہے اور اَوَّلًا يَعْلَمُوْنَ معطوف ہے لیکن معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان کوئی معنوی ربط نہیں ہے۔

جَوَابًا: مفسر علام نے قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی کا اضافہ کر کے اسی اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے مطلب یہ کہ یہ یہود کے کلام کا تتمہ نہیں ہے کہ اس میں جوڑ اور ربط تلاش کرنے کی ضرورت ہو یہ کلام متنافست ہے اور باری تعالیٰ کا کلام ہے۔

قَوْلًا: الْوَاوُ الدَّاخِلَةُ لِلْعُطْفِ، الدَّاخِلَةُ، الواو کی صفت ہے اور الدَّاخِلَةُ کا فاعل محذوف ہے اور وہ حمزہ استفہام ہے، یعنی وہ واو کہ جس پر حمزہ استفہام داخل ہے، اگر مفسر علام الدَّاخِلَةُ کے فاعل کو ظاہر کر دیتے تو بات زیادہ واضح ہو جاتی، تقدیر عبارت یہ ہے ”الْوَاوُ الدَّاخِلُ عَلَيْهَا اسْتِفْهَامٌ لِلْعُطْفِ“ یعنی وہ واو کہ جس پر حمزہ استفہام داخل ہے، عطف کے لئے ہے اور معطوف علیہ محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے، ”أَيَلُومُوْنَهُمْ عَلَى التَّحْدِثِ مَخَافَةَ الْحَاجَةِ وَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ“ یہ مذہب زنجیری کا ہے۔

جمہور کا مذہب:

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ: واو، حمزہ استفہام پر داخل ہے اور تقدیر عبارت ”وَأَيَعْلَمُونَ“ ہے، مگر چونکہ حمزہ صدارت

کلام کو چاہتا ہے، اس لئے حمزہ کو واو پر مقدم کر دیا، ”أَوْ لَا يَعْلَمُونَ“ ہو گیا۔

قَوْلًا: مِنْ ذَلِكَ وَغَيْرِهِ، سے اشارہ اخفاء اور تحریف وغیرہ کی طرف ہے۔

قَوْلًا: فَبَرَّعُوا عَنْ ذَلِكَ، یہ اِرْعَوْا سے ماخوذ ہے، اس کے معنی باز رہنے اور رجوع کرنے کے ہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً فِي الْآيَةِ الْمَذْكُورَةِ، التَّشْبِيهِ الْمُرْسَل، فَقَدْ شَبَّهَ قُلُوبَهُمْ فِي نَبَوِّهَا عَنِ الْحَقِّ، وَتَجَا فِيهَا مَعَ أَحْكَامِهِ بِالْحِجَارَةِ الْقَاسِيَةِ، ثُمَّ تَرَفَّى التَّشْبِيهِ، فَجَعَلَ الْحِجَارَةَ أَكْثَرَ لِيُنَا مِنْ قُلُوبِهِمْ.

المجاز العقلي في اسناد الخشية الى الحجارة وهو كثير في ألسنة العرب.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

ذبح بقر کے واقعہ کی قدرے تفصیل:

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُوهَا، یہ قتل کا وہی واقعہ ہے جس کی بنا پر بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جس کی قدرے تفصیل سابق میں گذر چکی ہے، إِذْ قَتَلْتُمُوهَا، میں خطاب اگرچہ آپ ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کو ہے، مگر مراد ان کے آباء واجداد ہیں موجودہ بنی اسرائیل کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ تمہارے اگلے بزرگوں نے ایک شخص کو جس کا نام عامیل تھا اور نہایت مالدار ہونے کے ساتھ لا ولد بھی تھا، قتل کر دیا تھا، اور اس کے قاتل خود اس کے بھتیجے ہی تھے، بھتیجوں نے جب دیکھا کہ یہ بڑھا تو مرنے کا نام ہی نہیں لیتا اور وہ کافی عمر دراز ہو گیا تھا، مگر بظاہر اس کے مرنے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تھے، بھتیجوں نے میراث کی لالچ میں اندھیری رات میں قتل کر کے کسی دوسرے شخص کے دروازے پر ڈال دیا اور خود ہی خون کے دعویدار بن گئے اور قتل کا الزام ایک دوسرے پر ڈالنے لگے قریب تھا کہ خانہ جنگی شروع ہو جائے، جب اختلاف شدید ہو گیا تو معاملہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوچ کر کہ اگر قاتل کا پتہ نہ چلا، تو قوم میں اختلاف شدید رونما ہو جائے گا، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا، فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک حصہ مقتول کے جسم سے لگائیں وہ بحکم خداوندی زندہ ہو کر اپنے قاتل کو بتا دے گا، مگر بنی اسرائیل نے اپنی پرانی جبلت کی وجہ سے کٹھ جتنی شروع کر دی اور گائے ذبح کرنے کو ٹالنے کی کوشش کرتے ہوئے گائے کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنی شروع کر دیں اور جس قدر سوالات کرتے گئے، اسی قدر اور زیادہ گھرتے چلے گئے، آخر کار ایک خاص قسم کی سنہری گائے پر جسے اس زمانہ میں پرستش کے لئے مخصوص کیا جاتا تھا، بات ٹھہر گئی، آخر کار ان صفات کی حامل گائے ایک شخص کے پاس مل گئی جو اپنی والدہ کا بڑا فرمانبردار تھا، اور اس گائے کے چمڑے بھر سونے کے عوض اس کو خرید اور ذبح کر کے اس کا ایک حصہ جس کے بارے میں روایات مختلف ہیں، ایک روایت میں ہے کہ گائے کی زبان لگائی اور دوسری روایت میں ہے کہ دم کی جڑ لگائی، بہر حال وہ مقتول زندہ ہو گیا اور اس نے اپنے

قاتلوں کے نام بتائے اور ان دونوں قاتلوں کو میراث سے محروم کرنے کے علاوہ قصاصاً قتل بھی کر دیا گیا۔

گائے ذبح کرانے کی مصلحت:

اس موقع پر یہ سوال ذہن میں آ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ براہِ راست مردہ کو زندہ کر سکتا ہے، ذبح بقر کو وسیلہ اور ذریعہ بنانے میں کیا مصلحت اور حکمت ہے؟ تو حقیقت یہ ہے کہ خدا کی حکمتوں اور مصلحتوں تک پہنچنا انسانی مقدرت سے باہر ہے، تاہم عقل و شعور کی جو روشنی اس نے انسان کو بخشی ہے، وہ اس طرف رہنمائی کرتی ہے کہ بنی اسرائیل کی صد ہا سال تک مصریوں کی غلامی اور ان کے ساتھ بود و باش نیز مصریوں کے ساتھ اختلاط اور میل جول نے ان کے اندر بت پرستی کے جراثیم پیدا کر دیئے تھے اور گائے کی عظمت اور تقدیس کا جذبہ بہت زیادہ نمایاں کر دیا تھا، پس خدا کی مصلحت نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کی اس گمراہی کو کسی ایسے عملی طریقہ سے دور کرے کہ جس کا مشاہدہ خود ان کی آنکھیں کر رہی ہوں، چنانچہ عملی طور پر گائے ذبح کرانے کو یہ مشاہدہ کرایا گیا کہ جس گائے کی تقدیس تمہارے دلوں میں پیوست ہو گئی ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ تم نے خود اس کو اپنے ہاتھوں سے ذبح کر کے فنا کے گھاٹ اتار دیا، وہ تمہارا بال بیکا بھی نہ کر سکی۔

حقیقت حال یہ ہے کہ موت و حیات کا معاملہ صرف خدا کے ہاتھ میں ہے اور جس گویا سالہ کی محبت تمہارے دلوں میں رچ گئی ہے وہ تم سے بھی ادنیٰ ایک حیوان ہے جو صرف تمہاری خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے نہ کہ تمہارا دیوتا اور دیوی ہے۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ، (الآیۃ) یعنی گزشتہ معجزات اور یہ تازہ واقعہ کہ مقتول دوبارہ زندہ ہو گیا دیکھ کر بھی تمہارے دل متاثر نہیں ہوتے کہ انابت الی اللہ کا داعیہ اور توبہ و استغفار کا جذبہ پیدا ہو بلکہ اس کے برعکس تمہارے قلوب پتھر کی طرح سخت بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے، اس لئے کہ بعض پتھر اپنی سنگینی کے باوجود ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ خوفِ خدا سے لرز کر گر بھی پڑتے ہیں، مگر تمہارے قلوب ان مذکورہ قسم کے پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کہ ایسے عجیب و غریب معجزات اور حیرت زدہ واقعات دیکھ کر بھی اثر پذیر نہیں ہوتے، بلکہ اس کے برعکس تمہارے سرکشی پر کمر بستہ ہو جاتے ہیں یاد رکھو! وہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔

أَفَتَطْمَعُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا، (الآیۃ) مومنین کو خطاب کر کے بنی اسرائیل کی بابت کہا جا رہا ہے کہ کیا تمہیں ان کے ایمان لانے کی امید ہے؟ حالانکہ ان کے پچھلے بزرگوں میں ایک فریق ایسا بھی تھا کہ جو کلامِ الہی (تورات) میں دیدہ و دانستہ تحریف کرتا تھا، یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسے لوگوں کے ایمان لانے کی قطعاً امید نہیں، فریق سے مراد وہ ستر اکابر بنی اسرائیل بھی ہو سکتے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر کلامِ الہی سننے کے لئے گئے تھے اور واپس آ کر شہادت دیتے وقت یہ بھی اضافہ کر کے کہہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ جتنا ہو سکے عمل کرنا اور نہ ہو سکے تو معاف ہے۔ (فوائد عثمانی ملخصاً)

اور بعض مفسرین حضرات نے تحریف سے مراد یہ لیا ہے کہ توریت کی آیات میں تحریف لفظی اور معنوی کرتے تھے، مثلاً

تورات میں جو آپ ﷺ کی ظاہری اور معنوی نشانیاں مذکور تھیں مثلاً یہ کہ آپ کا حلیہ مذکور تھا، اسی طرح آیت رجم کو بدل ڈالا غرضیکہ وہ کلام الہی میں ہر قسم کی تحریف کرتے تھے، اب آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ ایسے لوگ جو دنیوی حقیر اور قلیل مفادات کی خاطر کلام الہی میں تحریف کرنے سے بھی نہ چوکتے ہوں ان سے اور ان کی ذریت سے ایمان کی توقع رکھنا سادہ لوحی ہی ہو سکتی ہے، ورنہ جب پتھر داؤں سے تمہاری دعوت حق ٹکرا کر واپس آئے گی تو تم دل شکستہ ہو جاؤ گے یہ لوگ آج کے نہیں صدیوں کے بگڑے ہوئے پاپی ہیں، ان سے توقع رکھنا فضول ہے کہ حق کی آواز بلند ہوتے ہی یہ ہر طرف سے دوڑے چلے آئیں گے۔

شان نزول:

”وَإِذَا خَلَا بِعُصْبِهِمْ إِلَى بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ“ (الآیہ)

یہود میں سے جو لوگ منافق تھے، وہ بطور خوش آمد اپنی کتاب تورات کی کچھ باتیں مسلمانوں سے بیان کر دیتے تھے، مطلب یہ کہ وہ آپس میں کہتے تھے کہ: تورات اور دیگر آسمانی کتابوں میں جو پیش گوئیاں اس نبی سے متعلق موجود ہیں، یا جو آیات اور تعلیمات ہماری مقدس کتابوں میں ایسی ملتی ہیں جن سے ہماری موجودہ روش پر گرفت ہو سکتی ہے، انہیں مسلمانوں کے سامنے بیان نہ کرو ورنہ یہ تمہارے رب کے سامنے ان کو تمہارے خلاف حجت کے طور پر پیش کریں گے گویا وہ اپنے دل میں یہ سمجھتے تھے کہ اگر دنیا میں وہ اپنی تحریفات اور حق پوشی کو چھپالے گئے تو آخرت میں ان پر مقدمہ نہ چل سکے گا، اس لئے بعد میں جملہ معترضہ میں ان پر تنبیہ کی گئی ہے کہ تم اللہ کو بے خبر سمجھتے ہو؟

أَخْرَجَ ابْنُ اسْحَقَ وَابْنُ جَرِيرٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي قَوْلِهِ (وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَكِنْهُ الْيَكْمُ خَاصَّةً، (وَإِذَا خَلَا بِعُصْبِهِمْ إِلَى بَعْضٍ) قَالُوا لَا تُحَدِّثُوا الْعَرَبَ بِهَذَا فَقَدْ كُنْتُمْ تَسْتَفْتِحُونَ بِهِ عَلَيْهِمْ، وَكَانَ مِنْهُمْ لِيُحَاجُّوكم بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ“ (فتح القدیر شوکانی)

وَرَوَى ابْنُ أَبِي حَاتِمٍ عَنْ عِكْرَمَةَ أَنَّ السَّبَبَ فِي نَزُولِ الْآيَةِ: أَنَّ امْرَأَةً مِنَ الْيَهُودِ أَصَابَتْ الْفَاحِشَةَ فَجَاؤَا إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَبْتَغُونَ مِنْهُ الْحُكْمَ رَجَاءَ الرِّخْصَةِ، فَدَعَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَالِمَهُمْ وَهُوَ ابْنُ صَوْرِيَا فَقَالَ لَهُ: احْكَمْ، فَقَالَ فَحُبُّوهُ، وَالتَّحْبِيَةُ: يَحْمِلُونَهُ عَلَى حِمَارٍ وَيَجْعَلُونَ وَجْهَهُ إِلَى ذَنْبِ الْحِمَارِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَبِحُكْمِ اللَّهِ حَكَمْتُ؟ قَالَ: لَا وَلَكِنَّا نِسَاءُ نَا كُنَّ حَسَانًا فَاسْرِعْ فِيهِنَّ رَجَالَنَا فَغَيَّرْنَا الْحُكْمَ. (فتح القدیر شوکانی)

ابن ابی حاتم نے عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آیت کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ ایک یہود زنا کی مرتکب ہوئی، تو کچھ یہودی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رخصت کی امید پر آپ ﷺ سے فیصلہ طلب کیا آپ ﷺ نے ان کے ایک عالم کو بلایا، جس کا نام ابن صوریاتھا، اور اس سے فرمایا تم فیصلہ کرو، تو اس نے فیصلہ کیا کہ اس کو گدھے پر الٹا بٹھاؤ (یعنی

الٹا بٹھا کر گھماؤ) آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے یہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے تو اس نے کہا نہیں، مگر بات یہ ہے کہ ہماری عورتیں زیادہ حسین ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ہمارے مردان کی طرف سبقت کرتے ہیں اسی وجہ سے ہم نے حکم بدل دیا ہے۔

وَمِنْهُمْ اِی الْیَهُودَ اُمِّیُّونَ عَوَامٌ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ التَّوْرَةَ اِلَّا لَکِنْ اَمَانِیْ اَکٰذِیْبٍ تَلَقُّوْنَ بِاَسْنِ
رُؤْسَائِهِمْ فَاعْتَمَدُوْا وَاِنْ مَا هُمْ فِیْ جَحَدٍ نُّبُوَّةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَغَیْرَہِ مِمَّا یَخْتَلِقُوْنَ
اِلَّا یُظُنُّوْنَ^(۷۸) ضُنًّا وَلَا عِلْمَ لَہُمْ فَوَیْلٌ شَدِیْدُ عَذَابٍ لِّلَّذِیْنَ یَکْتُبُوْنَ الْکِتٰبَ بِاَیْدِیْہِمَّۃً اِی مُخْتَلَقًا مِّنْ عِنْدِہِمْ
ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ لَیَشْتَرُوْا بِہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا مِّنَ الدُّنْیَا وَبِہِ الْیَهُودُ وَغَیْرُوْا صِفَّةَ النَّبِیِّ صَلَّی
اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ فِی التَّوْرَةِ وَاِیَّةَ الرَّجْمِ وَغَیْرَہَا وَکَتَبُوْا عَلٰی خِلَافِ مَا اُنْزِلَ فَوَیْلٌ لَّہُمْ مِّمَّا کَتَبَتْ بَیْنَ
الْمُخْتَلَقِ اَیْدِیْہِمْ وَوَیْلٌ لَّہُمْ مِّمَّا یَکْسِبُوْنَ^(۷۹) مِّنَ الرُّشٰی وَقَالُوْا لَمَّا وَعَدْنٰہُمُ النَّبِیُّ النَّارَ لَنْ تَمَسَّنَا
تُحْسِبُنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً قَلِیْلَةً اَرْبَعِیْنَ یَوْمًا مُّدَّةَ عِبَادَةِ اَبَائِہِمْ الْعِجْلَ ثُمَّ تَزُوْلُ قُلْ لَہُمْ یَا مُحَمَّدُ
اَتَّخَذْتُمْ حُذُفَ مِنْہُ بِمِزَّةِ الْوَحْلِ اسْتِغْنَاءً بِہِمَزَةٍ اِلِسْتِغْنَاءُ عِنْدَ اللّٰہِ عَہْدًا بَیْنَنَا وَبَیْنَہُمْ بِذٰلِكَ
فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰہُ عَہْدَہُ بِہِ لَا اَمْرَ بَلْ تَقُوْلُوْنَ عَلٰی اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ^(۸۰) بَلٰی تَمْسُکُہُمْ وَتَخْلُدُوْنَ فِیْہَا
مَنْ کَسَبَ سَیِّئَةً شِرْکًا وَّ اَحَاطَتْ بِہِ خَطِیئَتُہُ بِالْاِفْرَادِ وَالْجَمْعِ اِی اسْتَوْلَتْ عَلَیْہِ وَاَحْدَقَتْ بِہِ مِّنْ کُلِّ
جَانِبٍ بَانَ مَاتَ مُشْرِکًا فَاُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ^(۸۱) رَوَعٰی فِیْہِ مَعْنٰی مِّنْ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصَّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ ہُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ^(۸۲)

ترجمہ: اور ان یہود میں بعض ناخواندہ بھی ہیں جو کتاب یعنی تورات کا علم نہیں رکھتے، مگر دل خوش کن باتوں کا
جوانہوں نے اپنے سرداروں سے سنی ہیں، ان ہی پر اعتماد کر لیا اور وہ آپ کی نبوت سے انکار کے بارے میں جن کو وہ گھر
لیتے ہیں، محض وہم و گمان پر قائم ہیں اور ان کے پاس (اس کی) کوئی سند نہیں، لہذا ان کے لئے ہلاکت، شدید عذاب
ہے، (اس لئے) کہ وہ اپنی طرف سے تصنیف کرتے ہیں (یعنی) از خود ایجاد کر لیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ (نوشتہ)
اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے، تاکہ اس کے معاوضہ میں (دنیا کا) قلیل فائدہ حاصل کریں اور یہ یہود ہیں جنہوں نے آپ
ﷺ کی تورات میں مذکور صفات کو بدل ڈالا اور آیتِ رجم وغیرہ کو (بھی) اور نازل کردہ کے برعکس لکھ دیا تو ایسے لوگوں
کے لئے بربادی ہے خود نوشتہ کی وجہ سے جوانہوں نے گھر لیا ہے اور ان کی رشوت کی یہ کمائی بھی موجب ہلاکت ہو گئی اور وہ
جب ان کو نبی ﷺ جہنم کی آگ سے ڈراتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم کو آگ ہرگز نہ چھوئے گی مگر گنتی کے چند دن یعنی
چالیس دن جو ان کے آباء (واجداد) کے پچھڑے کو پوجنے کی مدت ہے، پھر ختم ہو جائے گی، اے محمد (ﷺ) آپ

(ﷺ) ان سے پوچھو، کیا تم نے اللہ سے اس کا کوئی عہد لے لیا ہے؟ (اَتَّخَذْتُمْ) ہمزہ استفہام کی وجہ سے ہمزہ وصل سے مستغنی ہو گیا، جس کی وجہ سے ہمزہ وصل کو حذف کر دیا گیا، جس کی وہ خلاف ورزی نہیں کر سکتا، (ایسا ہرگز نہیں)، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ پر ایسی بات کا بہتان لگاتے ہو جس کے متعلق خود تم کو علم نہیں ہے، آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھوئے گی؟ (ضرور) چھوئے گی اور اس میں ہمیشہ رہو گے، جو بھی بدی شرک کمائے گا اور اس کو اس کی خطا کاری گھیرے ہو (خطیئۃ) افراد اور جمع کے ساتھ ہے یعنی (بدی) اس پر غالب آگئی اور اس کو ہر جانب سے گھیر لیا بایں طور کہ وہ حالت شرک میں مر گیا، تو وہ دوزخی ہے اور دوزخ ہی میں ہمیشہ رہے گا (اولئک اور ہم اور خلدون وغیرہ میں) مَنْ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک اعمال کریں وہی جنتی ہیں اور وہ (جنت) میں ہمیشہ رہیں گے۔

تَحْقِیْقُ شُرْکِیِّ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: عَوَام، اُمِّیُّون، کی تفسیر عوام سے کر کے ایک سوال مقدر کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا۔

سُؤَال: عرب میں اُمِّیُّون بولا جاتا ہے، تو قوم عرب کی طرف ذہن سبقت کرتا ہے، نیز اُمَّةُ الْاُمِیَّة، عرب ہی کے بارے میں بولا جاتا ہے۔

جَوَاب: جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ یہاں اُمِّیُّون سے عوام یہود مراد ہیں جو احبار یہود کے بالمقابل ہیں جن کو عوام کہا جاتا ہے نیز اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا کہ منہم سے مراد یہود ہیں اور اُمِّیُّون سے معلوم ہوتا ہے کہ: عرب ہیں جب اُمِّیُّون کی تفسیر عوام سے کر دی تو یہ تضاد بھی ختم ہو گیا۔

قَوْلًا: اَلْاَمَانِی، اَمَانِی، اُمْنِیَّة، کی جمع ہے، بمعنی آرزو، بے اصل خیالات، یہ منیٰ یمنی، منیّا، بمعنی مقدر کرنا سے ماخوذ ہے۔

قَوْلًا: بِاَیْدِیْہِم، یہ یکتبون کی تاکید ہے، اس لئے کہ کتابت ہاتھ ہی سے ہوتی ہے جیسا ”وَلَا طَائِرٌ یَطِیْرُ بِجَنَاحِیْہِ“ میں یطیرُ بِجَنَاحِیْہِ طائر، کی تاکید ہے۔

قَوْلًا: فَوَیْلٌ لَّہُمْ، ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: وَیْلٌ مبتداء اور لَہُمْ اس کی خبر ہے حالانکہ وَیْلٌ نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: وَیْلٌ، دراصل کلمہ بددعاء ہے، یہ اصل میں هَلَكْتُ وَیْلًا تھا، جیسا کہ سَلَمْتُ سَلَامًا فَعَلَ کو حذف کر کے نصب سے رفع کی جانب عدول کیا تا کہ دوام وثبات پر دلالت کرے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

اس سے پہلی آیت میں رؤسائے یہود کی جانب سے اس بات پر ملامت کا ذکر تھا کہ وہ مسلمانوں کو وہ باتیں بتا دیتے ہیں کہ جو کل بروز قیامت خدا کے روبرو خود اپنے ہی خلاف ہتھیار اور حجت کا کام دیں گی مثلاً آپ ﷺ کی صفات اور علامات اور آپ کا حلیہ مبارک وغیرہ جو تو رات وغیرہ میں مذکور تھا۔

أَوْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ، (الآیۃ) اس آیت میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ بے مغز یہود اتنا بھی نہیں جانتے کہ جن باتوں کو مسلمانوں سے چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کی خبر وہ وحی کے ذریعہ مسلمانوں کو دے سکتا ہے، مثلاً آیت رجم کو انہوں نے چھپایا مگر اللہ نے اس کو ظاہر کر کے ان کو رسوا کر دیا، یہ تو ان کے علماء کا حال ہوا کہ جو عقلمندی اور کتاب دانی کے مدعی تھے، اب اگلی آیت میں جاہل اور ناخواندہ لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ اس بات سے قطعاً بے خبر اور غافل ہیں کہ تورات میں کیا لکھا ہے؟ سوائے چند آرزوں اور خوش کن باتوں کے جو انہوں نے اپنے عالموں سے سن رکھی ہیں، مثلاً جنت میں یہودیوں کے علاوہ کوئی نہیں جائے گا اور یہ کہ ہمارے آباء و اجداد ہم کو ضرور بخشوا لیں گے اور اگر بالفرض دوزخ میں جانا بھی ہوا تو وہ مدت چند (چالیس) دنوں سے زائد نہ ہوگی، ان کے یہ خیالات محض بے اصل اور بے بنیاد ہیں اس کی کوئی دلیل نہ ان کے پاس ہے اور نہ ان سے پہلوں کے پاس تھی۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ، (الآیۃ) اس آیت میں یہود کے علماء اور احبار اور اکابر کا ذکر ہے یہود کے علماء اور احبار نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ کلام الہی کے معانی کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلا ہو، بلکہ یہ بھی کیا کہ بائبل میں اپنی تفسیروں کو اپنی قومی تاریخ کو، اپنے اوہام اور قیاسات کو اور اپنے خیالی فلسفوں کو کلام الہی کے ساتھ خلط ملط کر دیا اور یہ ساری چیزیں لوگوں کے سامنے اس حیثیت سے پیش کیں کہ گویا یہ سب چیزیں اللہ ہی کی طرف سے آئی ہوئی ہیں۔

توریت کی تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں ہے دوست و دشمن سب کو ہی تسلیم ہے کہ موجودہ توریت کلام الہی نہیں دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا رسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے، کسی کٹر سے کٹر اور جامد سے جامد یہودی میں بھی اب یہ ہمت نہیں کہ توریت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے سکے، کاش سید احمد خاں آج زندہ ہوتے اور اپنی آنکھوں سے دیکھتے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے جس الزام کی صفائی خواہ مخواہ انہوں نے اپنے سر لے رکھی تھی اس جرم کا اقرار و اقبال اب کھلے لفظوں میں خود وہی لوگ کس کثرت سے کر رہے ہیں۔

عرب کے امی محمد ﷺ کے لائے ہوئے کلام کا اعجاز ہے کہ اس نے چودہ صدی پہلے ہی اہل کتاب کی کتاب (بائبل) کو تمام تر محرف اور ناقابل اعتماد ہونا قرار دیا تھا، یورپ کی تحقیق تو اب ایک صدی سے سامنے آئی ہے۔ (تفسیر ماحدی ملخصاً)

ثُمَّ نَأْتِيكَ بِمَنْ يَخْتَارُ لَكَ ثَمَنًا، ثَمَنٌ مِنْ شَيْءٍ يَخْتَارُ لَكَ ثَمَنًا، (راغب) کلام ربانی کی تحریف جیسے شدید و عظیم جرم سے جو بھی مادی نفع حاصل ہوگا خواہ کتنا بھی کثیر و عظیم کیوں نہ ہو حقیر اور قلیل ہی ہوگا۔

قرآن کی خرید و فروخت کا مسئلہ:

بعض اہل ظاہر نے آیت کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر یہ فتویٰ دیا ہے کہ قرآن مجید کی خرید و فروخت اور اس کی کتابت و طباعت پر اجرت لینا جائز نہیں ہے، لیکن مذہب صحیح کی رو سے مذکورہ چیزیں بالکل جائز اور درست ہیں، اس لئے کہ یہاں جو بیع و شرا ہوتی ہے وہ کاغذ و کتابت وغیرہ کی ہوتی ہے نہ کہ آیات اللہ کی، اگر آیت سے کوئی وعید لازم آتی ہے تو وہ جھوٹے اور غلط مسئلے بتا کر اور موضوع حدیثیں بیان کر کے دنیوی فائدہ حاصل کرنے والوں کے حق میں ہے۔

ہر تحریف و تصحیف موجب لعنت ہے:

قرآنی اور اسلامی معیار صداقت و دیانت کے اعتبار سے ہر تحریف اور تصحیف موجب لعنت اور حد سے بڑھی ہوئی جسارت ہے لیکن دوسری قومیں اس معیار ہی سے نا آشنا ہیں بلکہ بعض اہل کتاب کے یہاں تو بھلائی کے لئے ہر برائی درست اور جائز ہے اور خدا کی سچائی اور خداوند کے جلال کے اظہار کے لئے ہر جھوٹ روا ہے جس طرح آج دہشت گردی کے خاتمہ کے نام پر پوری دنیا میں جو ٹانڈ و کانچ ناچا جا رہا ہے، اس کی نظیر دنیا میں نہیں ملتی، جس میں انسانی اور اخلاقی تمام قدروں کو نہ صرف یہ کہ بالائے طاق رکھ دیا گیا ہے بلکہ پیروں تلے بری طرح رونداجا رہا ہے اور یہ برائیاں سچائی کے نام پر ہو رہی ہیں۔

مذہب تثلیث کے بانی پولس (Paulas) اسرائیلی کا مقولہ آج تک انجیل میں لکھا ہوا ہے، اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی اس کے جلال کے واسطے زیادہ ظاہر ہوئی تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم دیا جاتا ہے؟ اور ہم کیوں نہ برائی کریں تاکہ بھلائی پیدا ہو۔ (رومیون، ۷: ۳، ما جدی ملخصاً)

مِمَّا يَكْسِبُونَ، مِمَّا يَكْسِبُونَ سے مراد وہ دنیاوی مالی اور جاہی منافع ہیں جو وہ اپنی غرض مندانہ تحریف اور (بقول خود) دروغ مصلحت آمیز سے حاصل کرتے ہیں۔

یہود کی غلط فہمی:

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً، یہ یہود کی غلط فہمی کا بیان ہے، جس میں ان کے عامی اور عالم سب مبتلا تھے، وہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کچھ بھی کریں بہر حال چونکہ ہم یہود ہیں لہذا جہنم کی آگ ہم پر حرام ہے اور بالفرض اگر عذاب کو سزا دی بھی گئی تو بس چند روز جہنم میں بھیجے جائیں گے اور بعد ازاں سیدھے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے، جیسا کہ پادری راڈول نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے حاشیے میں اکابر یہود کے حوالہ سے لکھا ہے، کہ جہنم میں داخلے کی مدت چالیس روز ہوگی جن میں بنی اسرائیل گوسالہ پرستی میں مبتلا رہے تھے اور بعض دیگر مفسرین یہود نے یہ مدت گیارہ مہینے اور کسی نے

سات دن بیان کی ہے، بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ یہودی خود کو آتش دوزخ سے بالکل آزاد سمجھتے تھے، چنانچہ (جیوش انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ)۔

آتش دوزخ گنہگار ان قوم یہود کو چھوئے گی بھی نہیں اس لئے کہ وہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے اور خدا کے پاس واپس آ جائیں گے۔ (جلد، ۵، ص: ۵۸۳، ماجدی)

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا، (الآیۃ) یہود سے بطور حجت الزامی سوال ہو رہا ہے کہ یہ جو تم اپنی قوم کی محبوبیت اور نار جہنم سے محفوظیت اور عدم مسئولیت کا عقیدہ اپنے دلوں میں جمائے بیٹھے ہو، آخر اس کی تمہارے پاس کیا سند اور کیا دلیل ہے؟ کیا تم اس کی سند اپنے مقدس نوشتوں میں دکھا سکتے ہو؟ جب تمہارے پاس اس عقیدے کی کوئی سند اور دلیل نہیں ہے تو پھر اللہ پر بہتان اور افتراء پردازی کے سوا اور کیا ہے؟

اَمْ تَقُولُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ، قَالَ كَا صِلَہ جب علی آتا ہے، تو افتراء پردازی اور بہتان تراشی کے معنی ہوتے ہیں، قَالَ عَلَیْہِ، اِفْتَرٰی عَلَیْہِ (ناج)

نجات اور عدم نجات کا قانون:

”بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِہِ“ (الآیۃ)

نجات یا عدم نجات کا نسل و قوم سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ اس کا مدار ایمان اور عدم ایمان پر ہے، اَحَاطَتْ بِہِ خَطِیئَتُہُ، تمام اکابر اہل سنت کے نزدیک یہاں کفر ہی مراد ہے، گناہ کے احاطہ کرنے کا مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غالب کر لے کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غالب نہ ہو حتیٰ کہ دل میں ایمان و تصدیق بھی باقی نہ رہے، اس لئے کہ اگر دل میں ایمان و تصدیق باقی ہوگی تو بھی احاطہ مذکورہ محقق نہ ہوگا لہذا کافر پر ہی یہ صورت صادق آتی ہے، مومن کتنا ہی بد عمل ہو بہر حال اس آیت کا مصداق نہ ہوگا۔

بعض اہل باطل نے اس آیت سے جو مومن عاصی کی عدم مغفرت پر استدلال کرنا چاہا ہے وہ صریحاً باطل ہے اول تو خود سَیِّئۃ، کے معنی ہی شرک کے ہیں، السَّیِّئۃ الشُّرُک، (قرطبی) مومن اس آیت کا مصداق اس لئے نہیں ہو سکتا کہ کم از کم زبان سے اقرار اور تصدیق قلبی کا درجہ اسے بہر حال حاصل ہوتا ہے۔

هُمْ فِیْہَا خٰلِدُوْنَ، خلود اگرچہ مدت طویل کے معنی میں بھی مستعمل ہے، لیکن اہل دوزخ اور اہل جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں بھی اس لفظ کا استعمال قرآن میں ہوا ہے، اہل سنت کا اجماع ہے کہ اس سے مراد دوام ہی ہے اور اس کی تائید و تاکید کے لئے قرآن مجید میں خالدین کے ساتھ جا بجا ابداً بھی آیا ہے، وَالْمَرَادُ بِالْخُلُودِ الدَّوَامُ (روح) وَمَنْ النَّاسُ مَنْ

حَمَلَ الْخُلُودَ عَلَى اَصْلِ الْوَضْعِ وَهُوَ اللَّبْثُ الطَّوِيلُ لَيْسَ بِشَيْءٍ لَّا فِيهِ تَهْوِينٌ الْخَطْبُ فِي مَقَامِ التَّهْوِيلِ مَعَ عَدَمِ مِلَانِمَتِهِ حَمَلَ الْخُلُودَ فِي الْجَنَّةِ عَلَى الدَّوَامِ. (روح)

وَ اذْكُرْ اِذَا اخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي اِسْرَآئِيْلَ فِي التَّوْرَةِ قُلْنَا لَا تَعْبُدُونَ اِلَّا اِلٰهًا فَقَدْ خَبَرَ بِمَعْنَى النَّهْيِ وَقُرِئَ لَا تَعْبُدُوا وَ اَحْسِنُوا بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا بَرًّا وَ ذِي الْقُرْبَى الْقَرَابَةِ عَطَفَ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِيْنِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ قَوْلًا حَسَنًا مِنْ اَمْرِ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيِ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالصِّدْقِ فِي شَأْنِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْبِرَقِ بِهِمْ وَفِي قِرَاءَةِ بَعْضِ الْحَاءِ وَشُكُونِ السِّينِ مَحْذَرٌ وَصِفٌ بِهِ مِبَالِغَةٌ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ فَكَبَلْتُمْ ذَلِكَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اَعْرَضْتُمْ عَنِ الْوَفَاءِ بِهِ فِيهِ التَّفَاتُ عَنِ الْغَيْبَةِ وَالْمُرَادُ اَبَاؤُهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ۸۳ عَنْهُ كَابَائِكُمْ وَاِذَا اخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَقُلْنَا لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ تُرِيْقُوْنَهَا بِقَتْلِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ لَا يُخْرِجُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا مِنْ دَارِهِ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ قَبْلْتُمْ ذَلِكَ الْمِيثَاقَ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۸۴ عَلَى اَنْفُسِكُمْ.

ترجمہ: اور یاد کرو (اس وقت کو) جب ہم نے تواریات میں بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا، اور کہا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرنا (تعبدون) میں یاء اور تاء دونوں ہیں اور (لا تعبدون) خبر بمعنی نہیں ہے، اور لا تعبدوا، بھی پڑھا گیا ہے اور والدین کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ القربیٰ بمعنی قرابت ہے اور ذی القربیٰ کا عطف والدین، پر ہے اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کرنا) اور محمد ﷺ کی شان میں (بیان صفات کے بارے میں) سچ بولنا اور لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا اور ایک قراءت میں (حُسْنًا) حاء کے ضمہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہے جو کہ مصدر ہے بطور مبالغہ و صفت لایا گیا ہے، اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا تم نے یہ بات قبول کر لی تھی، مگر پھر بھی تم وفاء عہد سے پھر گئے، اس میں غیبت سے (خطاب) کی طرف التفات ہے اور مراد ان کے آباء (واجداد) ہیں، مگر تم میں سے بہت تھوڑے (عہد پر قائم رہے) اور تم اس عہد سے اپنے آباء کے مانند پھرے ہوئے ہو اور (پھر ذرا یاد کرو) کہ جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا اور ہم نے کہا تھا کہ آپس میں قتل کر کے خون خرابہ نہ کرنا اور نہ ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا یعنی کوئی کسی کو اس کے گھر سے نہ نکالے اور تم نے اس عہد کا اقرار کیا تھا اور تم خود اپنے اوپر گواہ ہو۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُنَا: ميثاق، عہد و پیمان، (جمع) مَوَاقِيقُ وَمَوَاقِيقُ، وَمِثَاقٌ، بعض مفسرین نے اخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ، کے معنی اَمَرْنَا بِذَلِكَ، (یعنی حکم دینے کے) لئے ہیں، (ابن قتیبہ) یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا، مِيثَاقٌ، اخَذْنَا، کا مفعول یہ ہے۔

قَوْلًا: بَنِي إِسْرَآئِيلَ، بَنِي دِرَاصِلِ بَنِينَ، تھا، یہ ملحق مجمع مذکر سالم ہے، مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے حالت جری میں یا، نون کے ساتھ ہے نون اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا اسرائیل عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اس کا فتح نیابت عن الکسرہ ہے۔

سُؤَال: مفسر علام کا لفظ ”قُلْنَا“ اضافہ کرنے سے کیا مقصد ہے؟

جَوَاب: کلام، کو ماقبل یعنی، وَإِذَا أَخَذْنَا، سے مربوط کرنا ہے بایں طور کہ دونوں جگہ جمع متکلم کے صیغہ ہو جائیں ورنہ تو کلام واحد میں مخاطب واحد کے لئے غائب اور حاضر کے صیغہ کا استعمال لازم آئے گا، اس لئے کہ بنی اسرائیل اسم ظاہر ہے اور اسم ظاہر غائب کے حکم میں ہوتا ہے، اس کے بعد لَا تَعْبُدُونْ، ہے، اس کے مخاطب بھی بنی اسرائیل ہیں اور یہ حاضر کا صیغہ ہے، اس طرح کلام واحد میں شئی واحد کے لئے خطاب بالغائب اور خطاب بالحاضر لازم آتا ہے، اس سے بچنے کے لئے مفسر علام نے ”قُلْنَا“ کا اضافہ کیا تاکہ أَخَذْنَا، اور قُلْنَا، میں مطابقت ہو جائے۔

فَائِدَة: یہ التفات من الغيبة الى الخطاب، قلنا محذوف نہ ماننے کی صورت میں لازم آئے گا اور اگر قلنا محذوف مان لیا جائے، جیسا کہ مفسر علام نے مانا ہے، تو اس صورت میں التفات من الغيبة الى الخطاب نہ ہوگا، اس لئے کہ قُلْنَا سے جملہ مستانفہ ہو جائے گا۔

قَوْلًا: خَبْرٌ بِمَعْنَى النِّهْيِ، یعنی، لَا تَعْبُدُونْ، مضارع منفی جمع مذکر حاضر ہونے کی وجہ سے جملہ خبریہ ہے، یہی وجہ ہے کہ: اس کا نون اعرابی ساقط نہیں ہوا، مگر معنی کے اعتبار سے جملہ انشائیہ ہے اور معنی میں لَا تَعْبُدُوا کے ہے۔

سُؤَال: نہی کو مضارع منفی کی صورت میں ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: صراحتہ نہی سے کنایہ نہی اولیٰ ہے، اس لئے کہ نہی بصورت مضارع منفی سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ گویا حکم کی تعمیل ہو چکی ہے اس کی خبر دی جا رہی ہے۔

وَهُوَ أَبْلَغُ مِنْ صَرِيحِ الْأَمْرِ وَالنِّهْيِ كَأَنَّهُ سُورِعَ إِلَى الْأَمْتِثَالِ، (کشاف) حضرت اُبی اور عبد اللہ بن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کی قراءت، لَا تَعْبُدُوا، بھی اس پر دلالت کرتی ہے کہ: مضارع منفی بمعنی نہی ہے، نيز وَقُولُوا، وَأَقِيمُوا، وَآتُوا، كَا، لَا تَعْبُدُونْ، پر عطف بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ: لَا تَعْبُدُونْ، لَا تَعْبُدُوا، کے معنی میں ہے۔

قَوْلًا: وَأَحْسِنُوا.

سُؤَال: احسنوا مقدر ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اس تقدیر کا مقصد اس اعتراض کا جواب دینا ہے کہ بالوالدین جو کہ جار مجرور ہے، کا عطف، لَا تَعْبُدُونْ، پر ہے جو کہ جار مجرور کا غیر جار مجرور پر عطف ہے، جو کورست نہیں ہے، جب أَحْسِنُوا، محذوف مان لیا تو یہ اعتراض ختم ہو گیا، مفسر علام نے أَحْسِنُوا، امر کا صیغہ مقدر مان کر اس بات کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ عطف، لَا تَعْبُدُونْ، کے معنی پر ہے، نہ کہ لفظ پر۔

قَوْلًا: فَقَبِلْتُمْ، قَبِلْتُمْ، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ، تَوَلَّيْتُمْ، کا عطف، مقدر پر ہے نہ کہ اَقِیْمُوا پر جیسا کہ متبادر ہے، لہذا عطف الخبر علی الانشاء کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قَوْلًا: بِرًّا، اِحْسَانًا، کی تفسیر برًّا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ احسان سے مطلق حسن سلوک مراد ہے خواہ قولاً ہو یا فعلاً یا عملاً، نہ کہ صرف مالی جیسا کہ احسان سے معلوم ہوتا ہے۔

قَوْلًا: ذی القربی، قربی، کی تفسیر القرابة سے کر کے اشارہ کر دیا کہ قربی رُجعی، کے مانند مصدر ہے نہ کہ جمع۔
قَوْلًا: الیتامی، یہ الیتیم، کی جمع معرف باللام ہے انسانوں میں باپ کے مرنے سے اور حیوانوں میں ماں کے مرنے سے بچہ یتیم کہلاتا ہے۔ (صاوی)

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

❶ لَا تَعْبُدُونَ، جملة خبرية معناه النهی، وهو ابلغ من التصريح.

❷ فی قوله تعالى "لا تعبدون" التفات من الغيبة الى الخطاب.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآئِيلَ، یہ آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود یہودیوں کے اسلاف کی بدعنوانیوں کا سلسلہ وار ذکر ہے یہود کے اسلاف کی بدعنوانیوں کو بیان کرنے اور شمار کرنے کا منشا یہ ہے کہ موجودہ یہود کج فطرت اس لئے ہیں کہ یہ تخم بد کے شجر خبیث کے برگ و بار ہیں ان سے خیر کی توقع رکھنا شیطان سے خیر کی توقع رکھنا ہے اس لئے کہ سانپ سے سانپ ہی پیدا ہوتا ہے، لَا تَلِدُ الْحَيَّةُ إِلَّا الْحَيَّةَ، آپ ان کے اسلاف کے کرتوتوں کو ذرا یاد کریں کہ جب ہم نے ان سے پختہ عہد لیا تھا یعنی ان کو احکام شرع پر عمل کرنے کا حکم دیا تھا، مگر انہوں نے تمام احکام کو پس پشت ڈال دیا، جس کے نتیجے میں ہم نے ان کے اوپر طور کو معلق کر دیا جب پہاڑ کو نیچے آتا دیکھتے تو احکام کو قبول کر لیتے اور جب واپس جاتا دیکھتے تو پھر منکر ہو جاتے، چند لوگ مثلاً عبد اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب توریت کے پابند رہے اور توریت کے منسوخ ہونے کے بعد شریعت محمدیہ کے متبع رہے۔

توحید کا اقرار، والدین اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کی خدمت اور تمام انسانوں کے ساتھ نرم نوازی اور خوش خلقی سے پیش آنا اور نماز و زکوٰۃ کی پابندی کرنا سابقہ امتوں میں بھی لازمی اور ضروری تھی۔

توریت اثبات توحید اور ممانعت شرک سے بھری پڑی ہے نمونہ کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

❶ میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہونے، تو اپنے لئے تراشی ہوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا نیچے زمین

پر یا پانی پر زمین کے نیچے ہے، مت بنا تو ان کے آگے اپنے تئیں مت جھکا اور نہ ان کی عبادت کر۔ (خروج، ۲۰: ۲۰) (ماجدی)

۲ سن لے اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔ (استثناء، ۴:۶)

توریت اور والدین کا احترام:

تو اپنے ماں باپ کو عزت دے (خروج، ۱۲:۲۰) اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے جیسا خداوند تیرے خدا نے فرمایا۔

(استثناء ۵:۱۶)

توریت میں ضرورت مند کا ذکر:

اور اپنے مفلس بھائی کی طرف سے اپنے ہاتھ مت بند کرو، بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو، اور کسی کام میں جو وہ چاہے، بقدر اس کی احتیاج کے ضرور اس کو قرض دیجیو۔ (استثناء ۱۴:۲۹)

مسکین زمین پر سے کبھی ختم نہ ہوں گے اس لئے یہ کہہ کے میں تجھے حکم کرتا ہوں کہ تو اپنے بھائی کے واسطے اور اپنے مسکین کے لئے اور اپنے محتاج کے واسطے جو تیری زمین پر ہے اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔ (استثناء، ۱۵:۱۱)

وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا، مالی تعاون چونکہ تمام انسانوں کے ساتھ ممکن نہیں ہے، اس لئے عوام الناس کے ساتھ خوش گفتاری، نرم خوئی، خندہ پیشانی اور شیریں کلامی کا حکم دیا جا رہا ہے اور یہ کام نہایت آسان اور سہل ترین ہے، اس میں نہ کچھ خرچ ہوتا ہے اور نہ کوئی زحمت ہوتی ہے یہ ادنیٰ ترین فریضہ انسانیت ہے اس لئے یہ حکم عام ہے، عزیز واقارب یا کسی مخصوص طبقہ کے ساتھ خاص نہیں ہے خوش خلقی سے سب کے ساتھ پیش آتے رہنا خواہ وہ نیک ہو یا بد، فاسق ہو یا صالح، ہاں البتہ احتیاط اتنی ضرور رہے کہ اس خوش خلقی و خندہ روئی سے کہیں مخاطب کی بدعت یا بے دینی کی تائید نہ پیدا ہو جائے۔

حق تعالیٰ شانہ نے جب موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو یہ ہدایت دی تھی، ”فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا“ ظاہر ہے کہ آج کلام کرنے والا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہیں اور مخاطب خواہ کتنا ہی برا ہو مگر فرعون سے زیادہ برا نہیں۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمُ، (الایۃ) یہ قرآن کے معاصرین یہود کو خطاب ہے کہ تم تمام قول و قرار سے پھر گئے اور تم میں سے صرف چند (عبداللہ بن سلام وغیرہ) دین حق پر قائم رہے۔ (قرطبی)

وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ، یہ بھی قرآن کے معاصرین یہود کو خطاب ہے اور مراد تمام موجودہ اور گزشتہ بنی اسرائیل ہیں خود اس مضمون کی شہادتیں مروجہ تورات میں موجود ہیں، ملاحظہ ہوں۔

اور وہ اس راہ سے جو میں نے انہیں فرمائی جلد پھر گئے۔ (خروج ۸:۳۲)

میں اس قوم کو دیکھتا ہوں کہ ایک گردن کش قوم ہے۔ (خروج ۹:۲۲)

بنی اسرائیل کو کہہ دو کہ تم گردن کش لوگ ہو۔ (خروج ۵:۳۳)

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ، (الآیۃ) یعنی کنایہ نہیں بلکہ صراحتہ تم سے یہ عہد لیا گیا کہ نہ اپنی قوم کو قتل کرو گے اور نہ اس کو جلا وطن کرو گے۔

ثُمَّ أَفْرَرْتُمْ، یعنی ان احکام کی اطاعت کا اقرار تم نے صاف صاف کیا جو آج تک تمہارے نوشتوں میں لکھا ہوا ہے اور تمہیں اس سے مجال انکار نہیں، تو ریت میں ہے ”وہ بولے کہ سب کچھ جو خداوند نے فرمایا ہے ہم کریں گے۔“

(خروج، ۲۴: ۷)

ثُمَّ أَنْتُمْ يَا هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ يَقْتُلُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ فِيهِ ادْغَامُ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الظَّاءِ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّخْفِيفِ عَلَى حَذْفِهَا تَتَعَاوَنُونَ عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ الْمَغْصِيَةِ وَالْعُدْوَانِ الظُّلْمِ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسْرَى وَفِي قِرَاءَةِ أُسْرَى تُفْدُوهُمْ وَفِي قِرَاءَةِ تُفْدُوهُمْ تَنْقِذُوبُهُمْ مِنَ الْأَسْرِ بِالسَّمَالِ أَوْ غَيْرِهِ وَبُؤْسًا عَهْدِ الْيَهُودِ وَهُوَ أَيْ الشَّانُ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ مَتَّحِلٌ بِقَوْلِهِ وَتُخْرِجُونَ وَالْجُمْلَةُ بَيْنَهُمَا اِغْتِرَاضُ أَيْ كَمَا حُرِّمَ تَرْكُ الْفِدَاءِ وَكَانَتْ قَرِيبَةً خَالَفُوا الْأَوْسَ وَالنَّضِيرَ الْخَزْرَجَ فَكَانَ كُلُّ فَرِيقٍ يُقَاتِلُ مَعَ حُلَفَائِهِ وَيُخَرِّبُ دِيَارَهُمْ وَيُخْرِجُهُمْ فَإِذَا اسْرَوْا فَدَوْبِهِمْ وَكَانُوا إِذَا سُبِلُوا لَمْ تُقَاتِلُونَهُمْ وَتَفْدَوْبِهِمْ قَالُوا أَمَرْنَا بِالْفِدَاءِ فَيُقَالُ فَلِمَ تُقَاتِلُونَهُمْ فَيَقُولُونَ حَيَاءٌ أَنْ يَسْتَنْدِلَ حُلَفَاؤُنَا قَالَ تَعَالَى أَفْتَوْمُنُونِ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَبُؤْسَ الْفِدَاءِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ وَبُؤْسَ تَرْكِ الْقَتْلِ وَالْإِخْرَاجِ وَالْمُظَاهَرَةِ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ (الْإِخْرَاجُ) بَيَانٌ وَذَلِكَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَقَدْ خُذُوا بِقِتْلِ قَرِيبَةٍ وَنَفْيِ النَّضِيرِ إِلَى الشَّامِ وَضَرْبِ الْجَزْيَةِ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ^(۸۵) بِالْيَأِ وَالْتَّاءِ أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ بَيَانٌ أَثَرُوبًا عَلَيْهَا فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ^(۸۶) يَمْنَعُونَ مِنْهُ.

تَرْجُمَہ: پھر جیسے تم ہو، سامنے ہو، کہ اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرتے ہو یعنی آپس ہی میں خون خرابہ کرتے ہو اور اپنے ہی میں سے ایک فریق کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو اور ان کے خلاف (غیروں) کی ظلم و زیادتی کے ساتھ مدد کرتے ہو (تَظَاهَرُونَ) میں تاء کا ظاء میں اصل میں ادغام ہے اور ایک قراءت میں تخفیف کے ساتھ ہے تاء کو حذف کر کے (تَظَاهَرُونَ) معنی میں تَتَعَاوَنُونَ کے ہے اور اگر وہ گرفتار ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں اور ایک قراءت میں اسریٰ ہے تو تم ان کو فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو اور ایک قراءت میں، تُفْدُوهُمْ ہے یعنی تم ان کو قید سے مال وغیرہ دے کر رہائی دلاتے ہو، (یعنی قیدی کا قیدی سے تبادلہ کر کے) یہ بھی ان احکام میں سے ہے، جن کا ان سے عہد لیا گیا، حالانکہ بات یہ ہے کہ ان کا اخراج ہی سرے سے تمہارے اوپر حرام ہے (هُوَ مُحَرَّمٌ) کا تعلق تَخْرِجُونَ سے ہے اور (وَإِنْ يَأْتُوكُمْ الْخ) متعلق اور متعلق کے

درمیان جملہ معترضہ ہے، یعنی جس طرح ترک فدیہ حرام ہے، (اسی طرح قتل و اخراج بھی حرام ہے) اور (بنو) قریظہ اؤس کے حلیف تھے، اور (بنو) نضیر خزر ج کے اور ہر فریق اپنے حلیف کے ساتھ مل کر قتال کرتا تھا اور (فریق مخالف کے) گھروں کو ویران کرتا تھا، اور ان کو ان کے گھروں سے نکالتا تھا اور جب وہ قیدی ہو جاتے تھے، تو فدیہ دے کر ان کو چھڑا لیتے تھے، اور جب ان سے سوال کیا جاتا تھا، کہ تم ان سے قتال کیوں کرتے ہو، اور پھر ان کو فدیہ دے کر رہائی دلاتے ہو، تو وہ جواب دیتے تھے، کہ اس بات سے شرم محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے حلیف ذلیل سمجھے جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور وہ فدیہ کا حکم ہے اور دوسرے حصہ کا انکار کرتے ہو اور وہ قتل و اخراج اور (غیروں کے) تعاون کو ترک کرنا ہے، تو تم میں سے جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں؟ چنانچہ (بنو) قریظہ قتل سے اور (بنو) نضیر جلا وطنی سے اور جزیہ عائد کرنے سے ذلیل ہوئے اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے، اللہ ان کی حرکتوں سے بے خبر نہیں ہے، (تعملون) یا، اور تاء کے ساتھ ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت بچ کر دنیا خرید لی بایں طور کہ دنیا کو آخرت پر ترجیح دی، لہذا ان کی سزا میں کوئی تخفیف نہ ہوگی اور نہ ان کی مدد کی جائے گی یعنی وہ عذاب سے نہ بچائے جائیں گے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: ثُمَّ أَنْتُمْ، یا هَؤُلَاءِ، ثُمَّ، حرف عطف تراخی کے لئے ہے، أَنْتُمْ مبتداء تَقْتُلُونَ الخ جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہے هَؤُلَاءِ، اسم اشارہ منادی محل منصوب، یا، حرف نداء محذوف کما ذهب إليه المفسر، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: هَؤُلَاءِ، محلاً منصوب علی الذم یعنی فعل محذوف ام کی وجہ سے۔

قَوْلًا: تَطْهَرُونَ، فعل مضارع جمع مذکر حاضر، جملہ ہو کر محلاً حال ہونے کی وجہ سے منصوب بمعنی متعاونین عَلَيْهِمْ۔ قَوْلًا: فِي الْاَصْلِ، ای بعد قَلْبِهَا، ظَاء، تاء ثانیہ کو حذف کر کے۔

قَوْلًا: مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اخْرَاجُهُمْ، مُحَرَّمٌ، اپنے متعلق علیکم سے مل کر خبر مقدم، اخْرَاجُهُمْ، ترکیب اضافی مبتداء مؤخر، مبتداء با خبر جملہ ہو کر خبر ہوئی هُوَ مبتداء کی هُوَ کا ماقبل میں چونکہ مرجع مذکور نہیں ہے، اس لئے اس کو ضمیر شان قرار دیا ہے۔

قَوْلًا: متصل بقوله: وَتُخْرِجُونَ، اس اتصال سے مراد تعلق الحال مع ذوالحال ہے، اور حال و ذوالحال کے درمیان وَاِنْ یا تو کم اسری تفادو ہم، جملہ معترضہ ہے اور ایک قراءت میں اسری ہے جو کہ اَسِيرٌ کی جمع ہے جیسا کہ: جَرَحِي، جَرِيح کی جمع ہے اور اُساری، اسری کی جمع ہے جیسا کہ سُكَّارِي جمع سُكَّرِي، اس اعتبار سے اُساری جمع الجمع ہے، نہ کہ اَسِير مفرد کی جمع، لہذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ فَعِيلٌ کی جمع فُعَالِي کے وزن پر نہیں آتی۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الإستعارة المكنية: فی قوله تعالى: اُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ استعارة مكنية تبعية
فی شراء الحيوة الدنيا.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

ثُمَّ أَنْتُمْ هَٰؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ، نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں مشرکین کے دو مشہور قبیلے مدینہ میں آباد تھے، اوس اور خزرج یہی بعد میں انصار کہلائے ان کی آئے دن آپس میں لڑائی رہتی تھی، اسی طرح یہود کے تین قبیلے اطراف مدینہ میں آباد تھے، قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ، یہ بھی آپس میں لڑتے رہتے تھے، بنو قریظہ اوس کے حلیف تھے، اور بنو قینقاع اور بنو نضیر خزرج کے حلیف تھے، جنگ میں یہ قبیلے اپنے اپنے حلیفوں کی مدد کرتے اور اپنے ہی ہم مذہب یہودیوں کو قتل کرتے اور ان کے گھروں کو لوٹتے اور انہیں جلا وطن کر دیتے، حالانکہ تورات میں ایسا کرنے سے منع کیا گیا تھا، لیکن پھر ان یہودیوں کو جب وہ مغلوب ہونے کی وجہ سے قیدی ہو جاتے تو فدیہ دے کر چھڑاتے اور کہتے کہ ہمیں تورات میں یہی حکم دیا گیا ہے ان آیات میں یہودیوں کے اسی کردار کو بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے شریعت کو موم کی ناک سمجھ رکھا ہے کہ جدھر چاہا موڑ دیا چنانچہ یہ یہود بعض چیزوں پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کو ترک کر دیتے ہیں قتل، اخراج اور ایک دوسرے کے خلاف مدد کرنا ان کی شریعت میں بھی حرام ہے، مگر ان باتوں کا تو انہوں نے ذرہ برابر لحاظ نہ کیا، اور فدیہ دے کر چھڑا لینے کا جو حکم تھا اس پر عمل کر لیا اس طرز عمل سے صاف ظاہر تھا کہ وہ بعض احکام پر ایمان رکھتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پر ایمان لانا تو درکنار، تم تو تورات کے بھی تمام احکام کے پابند نہیں ہو تمہارے اسلاف کے طرز عمل سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ تورات کو بھی واجب العمل نہیں سمجھتے اس کے بعض احکام پر عمل کرتے ہو اور بعض کو پس پشت ڈال دیتے ہو:

”فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا“.

ذلت و رسوائی کی پیش گوئی چند ہی روز بعد حرف بحرف پوری ہوئی حجاز میں یہودیوں کے تین قبیلے رہتے تھے، بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو قینقاع جو ہنر و دولت مندی میں معروف و مشہور تھے، تینوں قبیلے چند سال کی مدت میں رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک ہی میں ذلت و رسوائی کے ساتھ یا تو قتل کر دیئے گئے یا پھر ارض حجاز سے جلا وطن کر دیئے گئے۔

اسرائیلیوں کے لئے جہنم کی وصیت ایک اسرائیلی نبی کی زبانی:

اسرائیلی سلسلے کے ایک آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اسرائیلیوں کے لئے جہنم کی وعید منقول ہے ”تم اپنی نسبت گواہی دیتے ہو کہ ہم نبیوں کے قاتلوں کے فرزند ہیں غرض اپنے باپ دادا کا پیانا نہ بھردو اے سانپو، اے افعیٰ کے

بِهَ أَنْفُسَهُمْ اِی حَظَّهَا بِنِ الثَّوَابِ وَمَا نِكِرَةً بِمَعْنَى شَيْئًا تَمِيزُ لِفَاعِلِ بِنَسْ وَالْمَخْصُوصُ بِالذَّمِّ
 اَنْ يَكْفُرُوا اِی كُفْرِهِمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِنِ الْقُرْآنِ بَغْيًا مَفْعُولٌ لَّهٗ لِيَكْفُرُوا اِی حَسَدًا عَلٰی اَنْ يُنْزَلَ اللّٰهُ
 بِالْتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ مِنْ فَضْلِهِ الْوَحٰی عَلٰی مَنْ يَّشَاءُ لِلرِّسَالَةِ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءُوْا رَجَعُوا بِغَضَبِ بِنِ اللّٰهِ
 بِكُفْرِهِمْ بِمَا اَنْزَلَ وَالتَّنْكِیْرُ لِلتَّعْظِيْمِ عَلٰی غَضَبٍ اسْتَحَقُّوْهُ مِنْ قَبْلِ بَتَضْيِيعِ التَّوْرَةِ وَالْكَفْرِ بِعِیْسٰی
 وَلِلْكَافِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ۙ ۙ ذُو اِبَانَةٍ.

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کو کتابِ تورات عطا کی اور ان کے بعد پے درپے یکے بعد دیگرے رسول بھیجے
 اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو واضح معجزات عطا کئے مثلاً مردوں کو زندہ کرنا اور مادرِ زاد اندھوں کو بینا کرنا اور مبروص
 (کوڑھی) کو اچھا کرنا اور پاکیزہ روح (یعنی جبرائیل علیہ السلام) کے ذریعہ ہم نے ان کی تائید کی (روح القدس) میں
 اضافتِ موصوف الی الصفت ہے، اِی الروح المقدسة (قدس کہا) ان کے (نافرمانی سے) پاک ہونے کی وجہ سے
 (ان کی تائید بایں طور کی) کہ جہاں وہ جاتے تو حضرت جبرائیل بھی ساتھ رہتے، پھر بھی یہ لوگ راہِ راست پر نہیں آئے،
 (لیکن) کیا یہ بات نہیں کہ جب بھی تمہارے پاس کوئی رسول وہ چیز (یعنی حق) لے کر آیا جو تم کو ناپسند ہوتی تو تم نے اس
 کی اتباع سے تکبر کیا (اِسْتَكْبَرْتُمْ) کَلَمًا کا جواب ہے اور یہی محلِ استفہام ہے اور (استفہام) کا مقصد تو یہ ہے تو
 ان میں سے بعض کی تم نے تکذیب کی جیسا کہ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام اور بعض کو قتل کر ڈالا، جیسا کہ (حضرت)
 زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام اور (ماضی کے بجائے) مضارع حکایت حال ماضیہ کے لئے ہے یعنی تم نے قتل کر دیا
 اور نبی سے تمسخر کیا کہا کہ ہمارے قلوب پر پردے ہیں غُلْفٌ، اَغْلَفٌ کی جمع ہے، یعنی پردوں میں مستور ہیں لہذا جو آپ
 کہتے ہیں اس کو محفوظ نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں نہیں بات ایسی نہیں بلکہ (در اصل بات یہ ہے) کہ ان کے کفر کی
 وجہ سے انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور قبولِ حق سے محروم کر دیا ہے، بَلْ، اضطراب کے لئے ہے اور
 ان کا (حق) کو قبول نہ کرنا کسی قلبی (دماغی) خلل کی وجہ سے نہیں تھا، سو وہ بہت کم باتوں پر یقین رکھتے ہیں، مَّا، تاکید
 قلت کے لئے زائدہ ہے یعنی ان کا ایمان بہت ہی کم باتوں پر ہے اور اب جب کہ ان کے پاس اللہ کی کتاب (قرآن)
 جو اس کتاب کی جو ان کے پاس موجود ہے (یعنی) تورات کی تصدیق کرتی ہے، آئی حالانکہ اس کے آنے سے پہلے (اس
 کے ذریعہ) کافروں پر فتح و نصرت کی دعاء کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے، کہ اے اللہ! تو ہم کو کافروں پر نبی آخر الزمان
 کے طفیل میں غلبہ عطا فرما، چنانچہ جب جب اس حق کا جس کو وہ پہچانتے تھے، اور وہ نبی ﷺ کی بعثت ہے ان کے پاس
 آیا تو حسد اور زوالِ ریاست کے خوف سے انکار کر بیٹھے اور پہلے لَمَّا، کے جواب پر دوسرے لَمَّا کا جواب دلالت کر رہا
 ہے، اللہ کی پھٹکار ہو کافروں پر نہایت بری ہے وہ شی جس کے عوض انہوں نے اپنے آپ کو یعنی اپنے حصہ کے اجر

(و ثواب) کو بیچ ڈالا، اور مّا، نکرہ بمعنی شینا بئس کے فاعل سے تمیز ہے اور مخصوص بالذم، اَنْ يَكْفُرُوا، ہے یعنی سرکشی کی وجہ سے اس قرآن کا انکار ہے، جس کو اللہ نے نازل فرمایا، بَغِيًّا، لِيَكْفُرُوا، کا مفعول لہ ہے یعنی محض اس حسد کی وجہ سے کہ اللہ نے اپنا فضل (یعنی) وحی اپنے بندوں میں سے اس پر جس کو رسالت کے لئے پسند فرمایا نازل فرمایا (يُنَزِّل) میں (زاء) کی تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں، تو وہ نازل کردہ کے انکار کی وجہ سے اللہ کا غضب بالائے غضب لے کر لوٹے، (بغضب) کی تنکیر شدت کو بیان کرنے کے لئے ہے، (یعنی) غضب کے تو وہ تورات کو ضائع کرنے اور عیسیٰ ﷺ کا انکار کرنے کی وجہ سے پہلے ہی مستحق ہو چکے تھے، اور کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہے، یعنی رسوا کن عذاب۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْهِيلٍ وَ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلُنَا: قَفَيْنَا، ماضی جمع متکلم (تفعیل) تَقْفِيَةً، پیچھے بھیجنا، قَفَى، دو مفعول چاہتا ہے، عام طور پر اس کے مفعولوں پر حرف جرد داخل نہیں ہوتا، جیسے: ”قَفَيْنْتُ زَيْدًا عَمْرًا“ میں نے زید کو عمر کے پیچھے بھیجا اور کبھی دوسرے مفعول پر، ب، داخل ہوتی ہے، قرآن مجید میں اس کا استعمال ہے، جیسا کہ اسی آیت میں ہے ”وَقَفَيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ“ ہم نے ان کے بعد پیہم رسول بھیجے۔

قَوْلُنَا: مَرِيْمَ، یہ سریانی لفظ ہے اس کے معنی ہیں خادمہ، انگریزی میں اس کا تلفظ میری (Mery)۔

حضرت مریم اور ان کا نسب:

حضرت مریم کی والدہ کا نام حَنَّة اور والد کا نام عمران تھا، نسب اس طرح ہے مریم بنت عمران بن ماتان۔ حضرت مریم کا نبی ہونا مختلف فیہ ہے اہل سنت کا عقیدہ ہے، کہ کوئی عورت نبی نہیں ہوئی، لیکن بچپن ہی سے آپ کے صاحب کرامت ولیہ ہونے میں شبہ نہیں، بچپن میں ہی اللہ کی طرف سے بے موسم پھل آپ کو بھیجے جاتے تھے، (لغات القرآن) سال وفات مسیحی روایتوں کے مطابق ۴۸ ق م ہے۔

تاریخی اختلاف کے باوجود صحیح فیصلہ یہ ہے کہ: آپ نے کبھی نکاح نہیں کیا اسی لئے آپ کو مریم عذراء کہا جاتا ہے (دوشیزہ) آپ کے بطن سے حضرت عیسیٰ ﷺ بغیر باپ کے پیدا ہوئے کہا جاتا ہے کہ یوسف نجار سے آپ کی نسبت ہو گئی تھی نکاح اور رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ (لغات القرآن)

عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں:

عیسیٰ (علیہ السلام) عجمی لفظ ہے سریانی میں یسوع کہتے ہیں جس کے معنی مبارک کے ہیں عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں، سنہ عیسوی آپ ہی کے نام سے جاری ہے، آپ کے بعد صرف نبوت محمدی ہوئی ہے، ملک شام کے علاقہ ارض گلیل میں ایک قصبہ ناصرہ نامی ہے آپ کا وہی مادری وطن ہے ولادت بیت المقدس کے ایک گوشہ میں ہوئی ۳۳ سال کی عمر میں آپ جمہور امت کے عقیدہ کے مطابق اور مسیحی عقیدہ کے مطابق تین دن کے لئے وفات پا کر آسمان پر اٹھائے گئے، آپ کے رفع آسمانی سے انکار صرف بعض جدید فرقوں نے کیا ہے۔ (ماجدی، ملخصاً)

قَوْلًا: رُوحُ الْقُدُسِ، یہ حضرت جبریل علیہ السلام کا مشہور لقب ہے۔ مسیحی اصطلاح میں اقا نیم ثلثہ میں سے اقنوم ثالث ہے۔

قَوْلًا: وَلَقَدْ آتَيْنَا، واؤ حرف عطف ہے، لام قسم محذوف کے جواب پر داخل ہے، قد حرف تحقیق ہے۔

قَوْلًا: بَطْهَارَتِهِ، یہ القدس (طاہر) ہونے کی علت ہے۔

قَوْلًا: يَسِيرُ مَعَهُ، حيث سار، آیدناہ کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا: فَلَمْ تَسْتَقِيمُوا، یہ جملہ ہی مقصود کلام ہے، یعنی مذکورہ سب کچھ ہونے کے بعد بھی وہ راہِ راست پر نہیں آئے، نیز اس میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ، اَفْكَلَّمَا، کا مقدر پر عطف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، فَلَمْ تَسْتَقِيمُوا فَاسْتَكْبَرْتُمْ اَفْكَلَّمَا جاء کمر رسول الخ، معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان، ہمزہ استفہام توئیخ کے لئے ہے۔

قَوْلًا: تَهْوَى، مضارع واحد مؤنث غائب وہ خواہش کرتی ہے، (س) ہوئی خواہش کی طرف نفس کا مائل ہونا۔

(لغات القرآن)

قَوْلًا: مِنَ الْحَقِّ، یہ ما کا بیان ہے۔

قَوْلًا: تَكْبَرْتُمْ، اِسْتَكْبَرْتُمْ، کی تفسیر تکبرتُمْ، سے کر کے اشارہ کر دیا کہ (سین، تاء) زائدہ ہیں، نہ کہ طلب کے لئے۔

قَوْلًا: جَوَابِ كَلَّمَا، کَلَّمَا متضمن بمعنی شرط ہے اور اِسْتَكْبَرْتُمْ، اس کا جواب ہے اور کل استفہام یہی جواب ہے اور یہ استفہام توئیخ ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے استفہام برائے سوال ممکن نہیں ہے، یعنی جب جب بھی تمہارے پاس رسول آئے تب تب تم نے تکبر کیا۔

قَوْلًا: فَفَرِيقًا، كَذَبْتُمْ فَرِيقًا كَذَبْتُمْ کا مفعول مقدم ہے، اور كَذَبْتُمْ کا عطف اِسْتَكْبَرْتُمْ پر ہے اسی طرح فَرِيقًا تَقْتُلُونَ ہے۔

قَوْلًا: المضارع لحکایۃ الحال الماضیۃ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔
سُؤَال: فَرِیقًا تَقْتُلُوْنَ، میں مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو زمانہ حال پر دلالت کرتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود اس آیت کے نزول کے وقت بھی انبیاء کو قتل کر رہے تھے، حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے۔

جَوَاب: گذشتہ واقعہ کی منظر کشی کے طور پر مضارع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے گویا کہ قتل انبیاء کا واقعہ فی الحال نظروں کے سامنے ہو رہا ہے، اسی کو حکایت حال ماضیہ کہتے ہیں۔

قَوْلًا: غُلْفٌ، یہ اَغْلَف کی جمع ہے، غیر مختون کو کہتے ہیں، ای لا یَغِیْی وَلَا یَفْهَمُ، مفسرِ غلام نے بھی معنی مرادی لئے ہیں، بعض حضرات نے کہا ہے کہ غُلْفٌ غِلَاف کی جمع ہے، معنی یہ ہوں گے کہ ہمارے قلوب گنجینہ علوم ہیں، معارف موسوی سے لبریز ہیں ہمیں کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ **ہی جمع غِلَافِ ای ہِیَ اَوْ عِیۃُ العلم.** (راغب)

قَوْلًا: فَقَلِیْلًا، یہ اِیْمَانًا موصوف محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔
قَوْلًا: قَبْلَ مَجِیْدِهِ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قَبْلُ مضاف الیہ محذوف منوی ہونے کی وجہ سے مبنی بر ضم ہے۔

قَوْلًا: بَاعُوا، اِشْتَرُوا کی تفسیر باعوا ہے کر کے اشارہ کر دیا کہ اِشْتَرٰی اضداد میں سے ہے اس کے معنی بیع اور شری دونوں آتے ہیں۔

قَوْلًا: مِنَ الْحَقِّ، مَا، کا بیان ہے، مِنَ الْحَقِّ سے، مَا کی تفسیر کر کے ایک اعتراض کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا۔
اعتراض: جس کو یہود نبی آخر الزمان کے طور پر پہچانتے تھے، وہ آپ ﷺ کی ذات مبارک تھی، جیسا کہ ارشاد باری ہے: "يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ" پھر یہاں آپ ﷺ کو لفظ، مَا، سے کیوں تعبیر کیا؟

جَوَاب: مراد اس سے حق ہے، نہ کہ آپ ﷺ کی مخصوص ذات اور آپ کا رسول برحق ہونا معجزات اور تورات میں مذکور علامات سے ظاہر تھا۔

قَوْلًا: حَسَدًا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کفر جہل کی وجہ سے ہوا کرتا ہے جب وہ آپ کو اور آپ کی نبوت کو بخوبی جانتے تھے، تو پھر کفر کیونکر ہوا۔

جَوَاب: یہ کفر و انکار جہل اور عدم معرفت کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ حسد اور قومی تعصب کی وجہ سے ہوا۔

قَوْلًا: دَلَّ عَلَيْهِ جَوَابُ الثَّانِيَةِ، وَهُوَ قَوْلُهُ كَفَرُوا بِهِ، مطلب یہ ہے کہ: كَفَرُوا بِهِ، لَمَّا ثَانِيَةِ کا جواب ہے اور اسی کی دلالت کی وجہ سے لَمَّا، اولیٰ کا جواب محذوف ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ كَفَرُوا بِهِ، اس سے مبرد کار بھی مقصود ہے مبرد کا کہنا ہے کہ: كَفَرُوا بِهِ، لَمَّا، اولیٰ کا جواب ہے اور ثانی لَمَّا طول کلام کی وجہ سے تکرار کے طور پر لایا گیا ہے لہذا اس کو جواب کی ضرورت نہیں ہے، وجہ رد یہ ہے کہ اگر لَمَّا، کو مکرر مانا جائے تو وہ محض تاکید کے لئے ہوگا اور تاکید سے تائیس اولیٰ ہے، اور و کانوا مِنْ قَبْلُ الخ تقدیر قَدْ، کے ساتھ جملہ حالیہ ہے۔

قَوْلًا: بِنَسَمًا، میں مَآ، بنس کے اندر ضمیر مستتر ہو، سے تمیز ہے تقدیر عبارت یہ ہے: بنس الشئ شیئاً اور اشتروا، مَآ، کی صفت ہے اور اَنْ یَکْفُرُوا مخصوص بالذم ہے۔

قَوْلًا: ذُوْاْ اِهْسَانَةٍ، اس میں اشارہ ہے کہ اہانت کی اسناد عذاب کی جانب مجازاً ہے، اس لئے کہ عذاب ذلیل نہیں ہوا کرتا بلکہ صاحب عذاب (مُعَذِّب) ذلیل ہوا کرتا ہے لہذا عذاب، مہین نہ ہوگا بلکہ صاحب عذاب (مُعَذِّب) مہین ہوگا۔

قَوْلًا: مُهِنٌ، مُهِنٌ، اصل میں مُهَوِّنٌ، واو کا کسرہ نقل کر کے ہاء، کو دیدیا واو ساکن ماقبل مکسور ”یاء“ سے بدل گیا، مُهِنٌ، ہو گیا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوسٰی الْكِتٰبَ، ان آیات کی ضروری تفسیر، تحقیق و ترکیب کے زیر عنوان گذر چکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے، باقی یہاں تحریر کی جاتی ہے، یہ بنی اسرائیل کی بعض جنایات کا بیان ہے کلام کو جملہ قسمیہ سے شروع کرنے میں کمال توجہ کی طرف اشارہ ہے۔

الْكِتٰبَ، سے مراد تورات ہے، بنی اسرائیل کو ایک مستقل دستور شریعت انعام خصوصی کے طور پر عطا ہوا تھا، بنو اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی انبیاء کا متواتر اور مسلسل آتے رہنا تاریخ کا ایک مسلم و مشہور واقعہ ہے، یہاں تک کہ اسی سلسلہ کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوئے گویا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سلسلہ انبیاء بنی اسرائیل کے خاتم ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ توریت ایک ہی مرتبہ میں یکمشت نازل کی گئی تھی، جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اس کے اٹھانے کا حکم دیا تو آپ نہ اٹھا سکے، تو اللہ نے تورات کے جملہ حروف کی تعداد کے برابر فرشتے نازل فرمائے پھر بھی نہ اٹھا سکے، تو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے موسیٰ علیہ السلام پر تخفیف فرما کر سہولت فرمائی جس کی وجہ سے آپ اٹھا سکے۔ (روح المعانی)

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، (الآیۃ) آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل یہود بڑی بے چینی اور شدت سے اس نبی آخر الزمان کے منتظر تھے، جس کی بعثت کی پیش گوئیاں ان کے انبیاء نے کی تھیں اور ان کے واسطے دعائیں مانگا کرتے تھے، کہ جلدی سے وہ آئے تو کفار کا غلبہ ختم ہو اور ہمارے عروج کا دور شروع ہو، خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثت محمدی ﷺ سے پہلے بھی ان کے ہمسایہ یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ تم جتنا چاہو ہم کو ستا لو غم قریب ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے ہم اس کے ساتھ ہو کر ظالموں سے سب حساب چکالیں گے، مدینہ کے مشرک یہ باتیں سن چکے تھے، اسی لئے جب نبی ﷺ کے حالات معلوم ہوئے تو انہوں نے آپس میں کہا، دیکھنا کہیں یہ یہودی ہم سے بازی نہ لے جائیں، چلو پہلے ہم ہی اس نبی پر ایمان لے آئیں، مگر یہ عجیب بات تھی کہ یہودی جس

نبی کی آمد کی امید پر جی رہے تھے اور انتظار کی گھڑیاں گن رہے تھے، اس کے آنے کے بعد سب سے بڑھ کر اس کے مخالف اور دشمن ہو گئے حالانکہ وہ اسے بخوبی پہچان بھی گئے تھے۔

پہچان جانے کے متعدد ثبوت اسی زمانہ میں مل گئے تھے، سب سے زیادہ معتبر اور اہم شہادت ام المومنین حضرت صفیہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی ہے جو خود ایک بڑے یہودی عالم کی بیٹی اور دوسرے یہودی عالم کی بھتیجی تھیں، وہ فرماتی ہیں کہ جب نبی ﷺ تشریف لائے، میرے والد اور چچا آپ سے ملنے گئے بڑی دیر تک آپ سے گفتگو رہی پھر جب گھر واپس آئے تو میں نے اپنے کانوں سے ان دونوں کی گفتگو سنی۔

چچا:..... کیا واقعی یہ وہی نبی ہے، جس کی خبریں ہمیں کتابوں میں دی گئیں ہیں؟

والد:..... خدا کی قسم ہاں۔

چچا:..... کیا تم کو اس کا یقین ہے۔

والد:..... ہاں۔

چچا:..... جب تک جان میں جان ہے اس کی مخالفت کروں گا اور اس کی بات چلنے نہ دوں گا۔

يَسْتَفْهِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا، الَّذِينَ كَفَرُوا، سے یہاں مشرکین عرب مراد ہیں، ایک نو مسلم انصاری صحابی سے روایت ہے کہ جب ہم قبل الاسلام یہود کو شکست دیتے تھے، تو وہ کہا کرتے تھے کہ ذرا ٹھہر جاؤ عنقریب ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے، ہم اس کے ساتھ مل کر تمہیں قتل کر کے رکھ دیں گے (سیرت ابن ہشام)

یہود نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو تو مسیح ماننے سے انکار کر دیا تھا لیکن اس کے بعد سے برابر ایک مسیح (نجات دہندہ) کے ظہور کے منتظر رہا کرتے تھے، اور اس کا ذکر اکثر مشرکین مکہ سے کیا کرتے تھے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ الْقُرْآنَ وَغَيْرِهِ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا آيَ التَّوْرَةِ قَالَ تَعَالَى وَيَكْفُرُونَ الْوَاقِلِينَ بِمَا وَرَاءَهُ سِوَاهُ وَبَعْدَهُ مِنَ الْقُرْآنِ وَهُوَ الْحَقُّ حَالٌ مُصَدِّقًا حَالٌ ثَانِيَةٌ نُوْكِدَةُ لِمَا مَعَهُمْ قُلْ لَهُمْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ آيَ قَتَلْتُمْ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۙ بِالتَّوْرَةِ وَقَدْ نَهَيْتُمْ فِيهَا عَنْ قَتْلِهِمْ وَالْخِطَابُ لِلْمَوْجُودِينَ فِي زَمَنِ نَبِيِّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا فَعَلَ آبَاؤُهُمْ لِرِضَائِهِمْ بِهِ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ آيَ الْمُعْجَزَاتِ كَالْعَصَا وَالْيَدِ وَفَلَقِ الْبَحْرِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ إِلَهًا مِنْ بَعْدِهِ آيَ بَعْدَ ذِئْبِهِ إِلَى الْمَيْمَنَاتِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۙ بِاتِّخَاذِهِ وَإِذَا اخَذْنَا مِنْكُمْ الْعَمَلِ بِمَا فِي التَّوْرَةِ وَ قَدْ رَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ الْجَبَلَ حِينَ امْتَنَعْتُمْ مِنْ قَبُولِهَا لِيَسْقُطَ عَلَيْكُمْ وَقُلْنَا خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ بَعْدَ وَاجْتِهَادٍ وَأَسْمَعُوا نَا تُؤْمَرُونَ بِهِ سَمَاعَ قَبُولِ قَالُوا سَمِعْنَا قَوْلَكَ وَعَصَيْنَا أَمَرَكَ وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ آيَ خَالَطَ حُبَّهُ قُلُوبَهُمْ كَمَا يُخَالِطُ الشَّرَابُ

بِكُفْرِهِمْ قُلْ لَهُمْ بِسْمَا شَيْئًا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ بِالتَّوْرَةِ عِبَادَةُ الْعَجَلِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ بِهَا كَمَا زَعَمْتُمْ الْمَعْنَى لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِينَ لِأَنَّ الْإِيمَانَ لَا يَأْمُرُ بِعِبَادَةِ الْعَجَلِ وَالْمُرَادُ أَبَاؤُهُمْ أَيْ فَكَذَلِكَ أَنْتُمْ لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِينَ بِالتَّوْرَةِ وَقَدْ كَذَبْتُمْ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْإِيمَانُ بِهَا لَا يَأْمُرُ بِتَكْذِيبِهِ قُلْ لَهُمْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ أَيْ الْجَنَّةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً خَاصَّةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ كَمَا زَعَمْتُمْ فَتَمَتُّوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۴﴾ تَعْلُقُ بِتَمَنِّيهِ الشَّرْطَانَ عَلَى أَنَّ الْأَوَّلَ قَيْدٌ فِي الثَّانِي أَيْ إِنْ صَدَقْتُمْ فِي زَعْمِكُمْ وَمَنْ كَانَتْ لَهُ يُؤَثِّرُ بِنَا وَالْمُوصِلُ إِلَيْهَا الْمَوْتُ فَتَمَنُّوهُ وَلَنْ يَتَمَنَّهُ أَبَدًا إِمَّا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ بَيْنَ كُفْرِهِمْ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُسْتَلْزِمِ لِكُذْبِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۱۵﴾ الْكَافِرِينَ فَيُجَازِيهِمْ وَلَتَجِدَنَّهُمْ لَمْ قَسِمَ أَحْرَصَ النَّاسُ عَلَى حَيَوةٍ وَآخِرَصَ مِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا الْمُنْكَرِينَ لِيَلْبَغِثَ عَلَيْهِمْ لَعْنَهُمْ بِأَنَّ مَجِيرَبُهُمْ إِلَى النَّارِ دُونَ الْمَشْرِكِينَ لَا نَكَارَ بِهِمْ لَهُ يَوَدُّ يَتَمَنَّى أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرَ أَلْفَ سَنَةٍ لَوْ تَصَدَّرِيَّةً بِمَعْنَى أَنْ وَبَيَّ بِصِلَتِهَا فِي تَاوِيلٍ مَّحْذَرٍ مَّفْعُولُ يَوَدُّ وَمَا هُوَ أَيْ أَحَدُهُمْ بِمُزْخَرَجِهِ مُبْعَدُهُ مِنَ الْعَذَابِ النَّارِ أَنْ يُعَمَّرَ فَاعِلٌ مُزْخَرَجُهُ أَيْ تَعْمِيرُهُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ بِالْيَأِ وَالْتَأِ فَيُجَازِيهِمْ

معانقہ عند التاخرین

=

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو قرآن وغیرہ (انجیل) اللہ نے نازل کیا ہے، اس پر ایمان لاؤ تو کہہ دیتے ہیں کہ جو ہم پر نازل کیا گیا ہے، یعنی تورات پر ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور واؤ حالیہ ہے جتنی اس کے علاوہ ہے اس کے بعد ہے (اور وہ) قرآن ہے ان کا انکار کرتے ہیں حالانکہ وہ حق بھی ہے، (جملہ) حالیہ ہے، اور اس (تورات) کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے، (مصدقاً) حال ثانی ہے تاکید کے لئے آپ ان سے دریافت کیجئے کہ اگر تمہارا تورات پر ایمان ہے تو انبیاء سابقین کو تم نے کیوں قتل کیا؟ حالانکہ تم کو تورات میں ان کے قتل سے منع کیا گیا ہے، خطاب ان (یہود) کو ہے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے، اس وجہ سے کہ ان کے آباء (واجداد) نے جو کچھ کیا یہ اس سے راضی ہیں، موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس کھلے معجزات لائے جیسا کہ عصا، ید بیضاء اور دریا کا دولخت ہو جانا، پھر بھی تم نے اس کے موسیٰ علیہ السلام کے میقات (طور) پر چلے جانے کے بعد پچھڑے کو معبود بنالیا، اور تم پچھڑے کو (معبود) بنانے کی وجہ سے ظالم ہوئے اور جب ہم نے تم سے تورات کے احکام پر عمل کرنے کا وعدہ لیا اور ہم نے تم پر جبل طور کو مسلط کیا، تاکہ تم پر گرا دیں، جب تم تورات کو قبول کرنے سے باز رہے، اور ہم نے کہا، ہماری دی ہوئی چیز (تورات) کو مضبوطی اور کوشش سے تھامو اور جس بات کا تم کو حکم دیا جا رہا ہے اسے قبولیت کی نیت سے سنو، تو انہوں نے کہا ہم نے آپ کی بات سنی اور ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے اور ان کے دلوں میں ان کے کفر کی وجہ سے پچھڑا

بسا دیا گیا تھا، یعنی پچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں ایسی سرایت کر گئی تھی جیسا کہ شراب (جسم میں) سرایت کر جاتی ہے، آپ ان سے کہیں تمہارا توریت پر ایمان جس گاؤ پرستی کا تم کو حکم دیتا ہے، وہ نہایت بری چیز ہے اگر تم تورات پر ایمان رکھتے ہو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے مطلب یہ کہ تمہارا توریت پر بھی ایمان نہیں ہے اس لئے کہ تورات پر ایمان گاؤ پرستی کا حکم نہیں دیتا، اور (گنہگار) کے مخاطب ان کے آباء (واجداد) ہیں یعنی اسی طرح تمہارا بھی تورات پر ایمان نہیں ہے اور تم محمد ﷺ کی تکذیب کر چکے ہو، اور تورات پر ایمان آپ ﷺ کی تکذیب کی اجازت نہیں دیتا آپ ﷺ ان سے کہیں اگر دارِ آخرت یعنی جنت عند اللہ صرف تمہارے لئے ہے خاص طور پر اور لوگوں کے علاوہ جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے تو (ذرا) موت کی تمنا کرو، اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو، تمنائے موت کے ساتھ دو شرطیں متعلق ہیں، اس طریقہ پر کہ اول دوسری کے لئے قید ہے، یعنی اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ دارِ آخرت (جنت) صرف تمہارے لئے ہے اور جس کے لئے دارِ آخرت ہو تو وہ اس کو ترجیح دیتا ہے اور اس تک رسائی کا ذریعہ موت ہے، لہذا تم اس کی تمنا کرو، مگر وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے کہ وہ آپ ﷺ کا انکار ہے اور موت کی تمنا نہ کرنا ان کی تکذیب کو مستلزم ہے، ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں کافروں کو خوب جانتا ہے لہذا ان کو سزا دے گا بلکہ سب سے زیادہ دنیا کی زندگی کا حریص آپ ان کو پائیں گے کہ (یہ لوگ زندگی کی حرص میں) مشرکوں منکرینِ بعثت سے بھی زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، (لَتَجِدَنَّهُمْ) میں لام قسمیہ ہے، اس لئے کہ انہیں (یہود کو) یہ بات معلوم ہے کہ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، بخلاف مشرکوں کے کہ وہ بعثت بعد الموت کے قائل ہی نہیں ہیں ان میں کا ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی عمر ہزار سال ہو، لیکن، مصدر یہ ہے، اَنّ، کے معنی میں ہے اور لَو، اپنے صلہ کے ساتھ مصدر کی تاویل میں ہو کر یَوَدُّ کا مفعول ہے، یہ درازی عمر بھی ان کو عذاب سے نہیں بچا سکتی، اَنّ یُعَمَّرَ، مُزَخَرَجِہ، کا فاعل ہے (یعنی اَنّ یُعَمَّرَ) تعمیر کے معنی میں ہے، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو بخوبی دیکھتا ہے، یعملون، یاء اور تاء کے ساتھ ہے، یعنی ان کو جزاء دے گا۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: وَرَاءَ، یہ ظرف مکان ہے، یہ خلف کے معنی میں زیادہ اور امام کے معنی میں کم استعمال ہوتا ہے یہ اضداد میں سے ہے اور سیوی، اور بَعْدُ، کے معنی میں بھی مستعمل ہے، مفسر علام نے بعد کے معنی مراد لئے ہیں۔

قَوْلًا: وَهُوَ الْحَقُّ، یہ مَا سے حال ہے۔

قَوْلًا: مُصَدِّقًا حَالًا ثَانِیَةً مُؤَكِّدَةً، یہ ماقبل کے مضمونِ جملہ کی تاکید کے لئے ہے اس لئے کہ حق صادق ہی ہوتا ہے جیسا کہ زیدُ ابوک، عَطُوفًا، میں عَطُوفًا، ماقبل کی تاکید کے لئے ہے حالِ ثانیہ کا مطلب یہ ہے کہ تاکید کے اعتبار سے حالِ ثانی ہے ورنہ تو یہ حالِ ثالث ہے اس لئے کہ اول، ویکفرون، ہے۔

قَوْلًا: قَتَلْتُمْ، مضارع کی تفسیر ماضی سے کرنے میں اشارہ ہے کہ انبیاء کا قتل نزولِ آیت کے زمانہ کے اعتبار سے زمانہ ماضی میں واقع ہوا ہے اور قرینہ اس پر (مِنْ قَبْل) ہے۔

قَوْلًا: بِمَا فَعَلَ آبَاءُ هُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ: تَقْتُلُون، میں اسناد مجازی ہے، اس لئے کہ انبیاء کے قاتل ان کے آباء واجداد تھے نہ کہ وہ۔

قَوْلًا: رَضَاهُمْ یہ مجاز کے علاقہ کا بیان ہے اور وہ ملا بہت ہے، چونکہ موجودہ یہودی اپنے آباء کے قتل سے راضی تھے اسی لئے قتل کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی ہے۔

قَوْلًا: بِالْمَعْجَزَات، بَيِّنَات کی تفسیر معجزات سے کر کے ان لوگوں پر رد مقصود ہے، جو بینات سے تورات مراد لیتے ہیں، اس لئے کہ تورات واحد ہے اور بینات جمع ہے۔

قَوْلًا: إِلَهًا، اس تقدیر میں اشارہ ہے کہ اِتَّخَذَ، کا مفعول ثانی محذوف ہے اور یہ اِتَّخَذْتُ سَيْفًا ای صنعته سے ماخوذ نہیں ہے جو ایک مفعول کو چاہتا ہے اس لئے کہ اِتَّخَذَ عَجَل، سامری سے صادر ہوا تھا نہ کہ بنی اسرائیل سے اسی مضمون کو سوال و جواب کی صورت میں بھی بیان کر سکتے ہیں۔

سُؤَال: إِلَهًا، محذوف ماننے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جَوَاب: اِتَّخَذَ، ابتداء صنعت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے: اِتَّخَذْتُ سَيْفًا، ای صَنَعْتُهُ، مفعول ثانی ذکر نہ کرنے سے اس معنی کی طرف ذہن منتقل ہو سکتا تھا، اس صورت میں مطلب ہوتا، صَنَعْتُمْ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ عَجَلًا، حالانکہ عجل سازی کا عمل سامری سے صادر ہوا تھا، نہ کہ بنی اسرائیل سے۔

قَوْلًا: بَعْدَ ذَهَابِهِ، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اس صورت میں مِنْ بَعْدِهِ کا تعلق مضاف محذوف سے ہوگا، نہ کہ اِتَّخَذَ سے یہ ان حضرات پر رد بھی ہے جن حضرات نے بعد ذہابہ کے بجائے مجیدہ محذوف مانا ہے، ورنہ تو لازم آئے گا کہ موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں عجل سازی ہوئی جو کہ غلط ہے۔

قَوْلًا: عَلَى الْعَمَلِ بِمَا فِي التَّوْرَةِ، اس میں اشارہ ہے کہ: اخذ میثاق سے وہ عمومی میثاق مراد نہیں ہے جو ازل میں تمام اولادِ آدم سے الست بر بکم کی صورت میں لیا گیا تھا۔

قَوْلًا: وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ، قد، مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ ماضی کا حال بننا صحیح ہے اگر قد مقدر مان لیا جائے، ماضی کے حال بننے کے لئے قد کا ہونا ضروری ہے، خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً۔

قَوْلًا: حُبُّهُ قُلُوبَهُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ العجل سے پہلے حب مضاف محذوف ہے اس لئے کہ بچھڑا دل میں نہیں سما سکتا، مضاف کو حذف کر کے مبالغہ مضاف الیہ کو اس کے قائم کر دیا گیا ہے۔

قَوْلًا: عِبَادَةُ الْعَجَل، یہ مخصوص بالذم مقدر ہے۔

قَوْلًا: كَذَلِكَ انْتُم لَسْتُمْ بِمُؤْمِنِينَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُئِلَ: آباء کی جنایت کی وجہ سے اپنا، سے مواخذہ نہیں کیا جاسکتا، لہذا آپ ﷺ کے زمانہ میں موجودین کو ان کے آباء کے فعل پر مذمت کس وجہ سے ہے؟

جواب: ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کے زمانہ کے یہود اپنے اسلاف کے فعل پر راضی اور اس سے متفق تھے، نہ کہ نادم و شرمندہ اس لئے کہ برائی پر راضی اور اس سے متفق ہونا بھی برائی ہے۔

قَوْلُهُ: اِی الْجَنَّةِ، دارِ آخرت کی تفسیر جنت سے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دارِ آخرت عام ہے، جس میں دوزخ اور جنت شامل ہے اور یہ لوگ صرف خود کو جنت کا مستحق سمجھتے تھے۔

قَوْلُهُ: کَمَا زَعَمْتُمْ، اِی بقولکم، ”لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوَ ذَا“۔

قَوْلُهُ: تَعَلَّقَ بِتَمَنِّيهِ الشَّرْطَانِ الْخ، اظہر یہ ہے کہ تعلق تمنیہ بالشرطین کہا جائے، اس میں قلب ہے، یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ جزاء واحد کا تعلق دو شرطوں سے عطف کے بغیر جائز نہیں ہے اور یہاں یہی لازم آرہا ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ جزاء واحد کا تعلق دو شرطوں سے نہیں ہے بلکہ ایک ہی شرط سے ہے اس لئے کہ اول شرط، ثانی کے لئے قید ہے مستقل شرط نہیں ہے۔

قاعدہ: قاعدہ یہ ہے کہ جب دو شرطیں جمع ہو جائیں اور ان کا جواب درمیان میں ہو تو اول شرط ثانی کے لئے قید ہوگی، بایں طور کہ اول ثانی کے معنی کے لئے متمم ہوگی اور جواب ثانی کا ہوگا تقدیر آیت یہ ہوگی: ”اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ فِی زَعْمِكُمْ اَنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَكُمْ خَاصَّةً فَتَمَنُّوا الْمَوْتَ“ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ: فَتَمَنُّوا الْمَوْتَ، ثانی کا جواب ہے اور اول کا جواب محذوف ہے جس پر اول کا جواب دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلُهُ: الْمُسْتَلْزَم لِكُذْبِهِمْ، یہ شکل اول کا نتیجہ ہے، اِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ، مقدم ہے فَتَمَنُّوا الْمَوْتَ، تالی ہے اور لَنْ يَتَمَنَّوْهُ اَبَدًا نفیض تالی ہے، نفیض تالی کا عدم مقدم کے عدم کو مستلزم ہوتا ہے اور مقدم دارِ آخرت کو اپنے لئے خاص کرنا ہے، لہذا دارِ آخرت کی تخصیص کا دعویٰ معدوم ہو گیا اور یہ نفیض تالی کے عدم کی وجہ سے لازم آیا الْمُسْتَلْزَم لِكُذْبِهِمْ، کا یہی مطلب ہے، یعنی یہود کا موت کی تمنا نہ کرنا، اپنے لئے دارِ آخرت کی تخصیص کے دعوے کے کذب کو مستلزم ہے۔

قَوْلُهُ: لَا مُقَسِّمٍ، اس میں اشارہ ہے کہ: وَلَتَجِدْنَهُمْ، کا عطف لَنْ يَتَمَنَّوْهُ، پر ہے اور یہ عدم تمنائے موت کی تاکید ہے نہ کہ جملہ معترضہ جیسا کہ کہا گیا ہے اس لئے کہ اس صورت میں لام تاکید کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

قَوْلُهُ: يَتَمَنَّى، يَوَدُّ، کی تفسیر یتمنی، سے کر کے اس سوال کا جواب دینا مقصد ہے کہ: وَدَاد، موجود اشیاء میں ہوا کرتا ہے نہ کہ معدوم میں، اور درازی عمر کی تمنا معدومات میں سے ہے۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ وَدَاد تمنائے معنی میں ہے اور تمنا معدوم اور موجود دونوں کی کی جاسکتی ہے۔

قَوْلُهُ: مُزَحْزِحَهُ، اسم فاعل واحد مذکر، دور کرنے والا، مصدر زَحْزَحَهُ، بروزن فَعْلَلَهُ، دور کرنا ثلاثی مجرد زَحَّ، زَحَّاء، (ن) دور کرنا۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

۱ وَرَاءَ، وَهُوَ مِنْ ظُرُوفٍ مَكَانٍ، وَالْمَشْهُورُ أَنَّهُ بِمَعْنَى خَلْفٍ وَقَدْ تَكُونُ بِمَعْنَى أَمَامٍ فَهُوَ مِنَ الْإِضْدَادِ.

۲ إِذَا سَبَقَ مَا الْإِسْتِفْهَامِيَّةُ حَرْفُ جَرٍ حَذَفَتْ الْفَهَاءُ، وَنَزَلَتِ الْكَلِمَتَانِ مَنْزِلَةَ الْكَلِمَةِ الْوَاحِدَةِ، فَتَقُولُ: الْإِمَّ، حَتَامَ، لِمَ، بِمَ، عَمَّ.

۳ زُحْرَحَ، يَسْتَعْمَلُ مُتَعَدِّيًا وَلَا زَمًا، وَتَكَرَّرَ الْحُرُوفُ بِمِثَابَةِ تَكَرَّرِ الْعَمَلِ.

۴ الْكُنَايَةُ الْفِ سَنَةِ وَهِيَ كُنَايَةُ عَنِ الْكَثْرَةِ فَلَيْسَ الْمُرَادُ خُصُوصُ الْفِ.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا، (الآية) یہ بنی اسرائیل کا ذکر چل رہا ہے اور یہ بات ان ہی سے کہی جا رہی ہے کہ: آخری کتاب الہی، قرآن پر ایمان لاؤ، یہود چونکہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل کردہ کتاب انجیل پر بھی ایمان نہیں رکھتے تھے، اس لئے اس دعوت ایمان میں انجیل اور قرآن دونوں شامل ہیں: ”بِسْمِ اللَّهِ“ کے عموم سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے، اس کے جواب میں بنی اسرائیل کہا کرتے تھے، کہ ہماری قوم کے لئے جو کتاب نازل کی گئی ہے، وہ ہمارے لئے کافی ہے کسی دوسری کتاب ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔

وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَ هُ، یہود کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ یہ لوگ اپنے اسرائیلی سلسلہ سے باہر کسی اور نبی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، ایک عرصہ تک الطاف الہی اور انعامات خداوندی کے مورد خاص بنے رہے اور اسی نسل کے اندر مسلسل انبیاء کے مبعوث ہونے کی وجہ سے ان کے دل میں یہ بات جم گئی ہے کہ: نبوت خاندان اسرائیل سے باہر نہیں جاسکتی۔

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، یہ یہود کے اس دعوے کی تردید ہے کہ ہم تورات پر ایمان رکھتے ہیں ہمیں کسی اور کتاب پر ایمان لانے کی ضرورت نہیں ہے، یعنی آپ ان سے کہئے کہ: تمہارا تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی صحیح نہیں ہے، اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہوتا تو تم انبیاء سابقین کو قتل نہ کرتے، اس لئے کہ تورات میں انبیاء کے قتل سے تم کو صراحتہً منع کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی تمہارا انکار محض حسد اور عناد پر مبنی ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ، (الآية) یہ ان کے انکار و عناد کی دلیل کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام واضح معجزات اور دلائل قاطعہ اس بات پر لے کر آئے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اور یہ کہ معبود صرف اللہ ہی ہے، لیکن اس کے باوجود تم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی تنگ کیا اور الہ واحد کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنا لیا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ، (الآية) یہ یہود کے کفر و انکار کی انتہاء کا بیان ہے چونکہ پہاڑ سروں پر معلق تھا جان کے خوف

سے زبان سے تو اقرار کر لیا کہ سن لیا یعنی اطاعت کریں گے اور دل میں یہ نیت تھی کہ ہم کو عمل کرنا نہیں ہے یا بعد میں کہہ دیا نہ مانیں گے۔

وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ یہاں سے ان کے کفر و انکار کی وجہ بیان کی جا رہی ہے، وجہ اس کی یہ تھی کہ مدتوں مصر میں غلامانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے صورت پرستی ان کے دلوں میں بھی راسخ ہو گئی تھی، جس کی وجہ سے ان کے قلوب زنگ آلود ہو کر قبولیت حق کی صلاحیت کھو چکے تھے، اس لئے کہ اول تو محبت خود ایسی چیز ہوتی ہے کہ انسان کو اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے، دوسرے پچھڑے کی محبت کو اُشْرِبُوا سے تعبیر کیا گیا کیونکہ پانی انسان کے رگ و ریشہ میں خوب سرایت کرتا ہے بہ نسبت کھانے کے، اس عصیان اور گناہ پرستی کی وجہ ان کا وہ کفر تھا جو ان کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔

دعوتِ مباہلہ :

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً، (الآیۃ) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کی تفسیر دعوتِ مباہلہ سے کی ہے یعنی یہودیوں سے کہا گیا کہ اگر تم نبوت محمدیہ کے انکار اور اللہ سے دعوائے محبت میں سچے ہو تو مباہلہ کر لو، یعنی اللہ کی بارگاہ میں مسلمان اور یہودی دونوں مل کر یہ عرض کریں کہ: یا اللہ دونوں میں سے جو جھوٹا ہے اسے موت سے ہمکنار کر دے یہی دعوت انہیں سورہ جمعہ میں بھی دی گئی ہے، نجران کے عیسائیوں کو بھی دعوتِ مباہلہ دی گئی تھی، جیسا کہ آل عمران میں ہے، لیکن چونکہ یہودی بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے تھے، اس لئے عیسائیوں کی طرح یہودیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ ہرگز موت کی آرزو نہ کریں گے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی تفسیر کو راجح قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَخْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَوةٍ، اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ موت کی تمنا تو کجا؟ یہ دنیوی زندگی کے تمام لوگوں سے حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ حریص ہیں لیکن عمر کی یہ درازی ان کو عذابِ الہی سے نہیں بچا سکے گی۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود اپنے وعوؤں میں یکسر جھوٹے تھے، کہ وہ اللہ کے محبوب ہیں یا جنت کے مستحق صرف وہی ہیں اور دوسرے سب جہنمی ہیں کیونکہ اگر فی الواقع ایسا ہوتا تو یقیناً وہ موت کی تمنا کرنے پر آمادہ ہو جاتے، تاکہ ان کی سچائی واضح اور مسلمانوں کی غلطی آشکارا ہو جاتی موت کی تمنا سے اعراض اور گریز۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ وہ زبان سے اپنے بارے میں خوش کن باتیں کر لیتے ہیں، لیکن وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ: اللہ کی بارگاہ میں جانے کے بعد ان کا حشر وہی ہوگا، جو اللہ نے اپنے نافرمانوں کے لئے طے رکھا ہے۔

وَسَأَلَ ابْنُ صُورِيَّا النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَأْتِي بِالْوَحْيِ مِنَ الْمَلَكَةِ فَقَالَ جِبْرِئِيلُ فَقَالَ بُوْعِدُونَا يَأْتِي بِالْعَذَابِ وَلَوْ كَانَ مِكَائِيلَ لَأَمَنَّا لِأَنَّهُ يَأْتِي بِالْخُسْبِ وَالسَّلَامِ فَنَزَلَ قُلْ لَهُمْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجِبْرِيلِ فَلَيُمَتُّ غَيْظًا فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ أَيْ الْقُرْآنَ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ بَاسِرِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

قَبْلَهُ بِسَنَ الْكُتُبِ وَهَدَىٰ بَنَ الضَّلَالَةِ وَبُشِّرَىٰ بِالْجَنَّةِ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ بِكْسِرِ الْجَبِیْهِ وَفَتَحَهَا بِلا بِمِزَّةٍ وَبِیَاءٍ وَذُونَهَا وَمِیْكَلَ عَطَفَ عَلَى الْمَلَائِكَةِ مِنْ غَطَفَ الْخَاصِ عَلَى الْعَامِ وَفِي قِرَاءَةِ مِیْكَائِيلَ بِهَمْزٍ وَیَاءٍ وَفِي أُخْرَى بِلا یَاءٍ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۹۸﴾ أَوْقَعَهُ مَوْقِعَ لَهُمْ بَيَانًا لِحَالِهِمْ وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ آيَةً بَيِّنَةً وَأَضْحَاتِ حَالُ رَدِّ لِقَوْلِ ابْنِ صُورِيَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا جِئْنَا بِشَيْءٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۹۹﴾ كَفَرُوا بِهَا أَوْ كَلَّمَاعَهُدُوا اللَّهَ عَهْدًا عَلَى الْإِيمَانِ بِالنَّبِيِّ إِنْ خَرَجَ أَوِ النَّبِيُّ أَنْ لَا يُعَاوَنُوا عَلَيْهِ الْمُشْرِكِينَ نَبَذَهُ طَرَحَهُ فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِتَقْضِيهِ جَوَابِ كُلِّمَا وَهُوَ مُحَلُّ الِاسْتِفْهَامِ الْإِنْكَارِي بَلْ إِبْلَانِ تَقَالِ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ إِلَى الثُّورَةِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ أَيْ لَمْ يَعْمَلُوا بِمَا فِيهَا مِنْ الْإِيمَانِ بِالرُّسُولِ وَغَيْرِهِ كَانَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ مَا فِيهَا مِنْ أَنَّهُ نَبِيُّ حَقٍّ أَوْ أَنَّهَا كِتَابُ اللَّهِ.

ترجمہ: ابن صوریانے نبی ﷺ سے یہاں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ جواب دیا جبرائیل علیہ السلام، تو اس نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے، اس لئے کہ وہ عذاب لے کر آتا ہے اگر (وحی لانے والا) فرشتہ میکائیل ہوتا تو ہم ایمان لے آتے، اس لئے کہ وہ خوشحالی اور سلامتی لے کر آتا ہے، تو یہ آیت نازل ہوئی، آپ ان سے کہہ دیجئے، جو جبرئیل کا دشمن ہو، تو اس کو چاہئے کہ غصہ میں مرجائے، بے شک اس (جبرئیل) نے ہی تو قرآن اللہ کے حکم سے آپ کے قلب پر اتارا ہے جو (قرآن) سابقہ کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور مومنوں کو راہ ہدایت دکھانے والا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہے اور جو بھی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور جبرئیل کا، جبرئیل، جیم کے کسرہ اور اس کے فتح کے ساتھ ہے، بغیر ہمزہ کے اور یاء کے اور بغیر، یاء کے ہے اور میکائیل کا دشمن ہو اس کا غطف ملائکہ پر عطف خاص علی العام کے طور پر ہے اور ایک قراءت میں میکائیل ہمزہ اور یاء کے ساتھ ہے اور دوسری میں بغیر یاء کے پس ایسے کافروں کا دشمن خود اللہ ہے، (لفظ کافرین) کو، لہٰذا ضمیر کی جگہ ان کی (حالت کفر) کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے اور اے محمد ﷺ! یقیناً ہم نے آپ پر روشن دلیلیں نازل کی ہیں، (بَیِّنَات) آیت، سے حال ہے یہ ابن صوریانے اس بات کا جواب ہے کہ آپ ہمارے پاس کوئی شئی لے کر نہیں آئے، جن کا انکار فاسقوں کے سوا کوئی نہیں کرتا، (صرف) فاسق ہی اس کا انکار کرتے ہیں ان لوگوں نے نبی پر ایمان لانے کے بارے میں اگر وہ ظاہر ہو جب بھی اللہ سے کوئی عہد کیا یا نبی سے عہد کہ اس کے خلاف مشرکوں کی مدد نہ کریں گے تو ان میں سے ایک فریق نے اس عہد کو توڑ کر پس پشت ڈال دیا (نَبَذَهُ) کَلَّمَا کا جواب ہے اور یہی استفہام انکاری کا محل

ہے، بلکہ بَلْ اِنْتَقَالَ (اضراب) کے لئے ہے۔ ان میں سے اکثر ایمان ہی نہیں رکھتے، اور جب ان کے پاس ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول (محمد ﷺ) اللہ کی طرف سے آیا، تو ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے اللہ کی کتاب تورات کو پس پشت ڈال دیا، یعنی اس میں رسول پر ایمان لانے وغیرہ کے جو احکام تھے، ان پر عمل نہ کیا، گویا کہ وہ یہ بات کہ یہ نبی برحق ہے یا یہ کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جانتے ہی نہیں۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْہِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: ابنِ صُورِیَا، عبد اللہ بن صُورِیَا، فدک کے باشندہ ایک یہودی عالم کا نام ہے۔ (روح البیان، جمل)
قَوْلٌ: جِبْرِئِلُ، جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اللہ کے ایک مقرب فرشتے کا نام ہے، جِبْرِیْلُ کے تلفظ میں تیرہ لغات ہیں مگر ان میں بیشتر شاذ ہیں:

- | | |
|------------------------------------|-------------------------------------|
| ۱۔ جِبْرِیْلُ، جیم کے زیر کے ساتھ، | ۲۔ جِبْرِیْلُ، جیم کے زیر کے ساتھ، |
| ۳۔ جِبْرِیْلُ، بروزن خندِیں، | ۴۔ جِبْرِیْلُ، ہمزہ کے بعد یا نہیں، |
| ۵۔ جِبْرِیْلُ لام مشدّد، | ۶۔ جِبْرِیْلُ، |
| ۷۔ جِبْرِیْلُ، | ۸۔ جِبْرِیْلُ، |
| ۹۔ جِبْرِیْلُ، دو یا پہلی مفتوح، | ۱۰۔ جِبْرِیْنُ، |
| ۱۱۔ جِبْرِیْلُ، | ۱۲۔ جِبْرِیْنِ. |

(لغات القرآن)

جِبْرِیْلُ، بمعنی عبد اللہ، بندہ خدا، جبر، بندہ، ایل، اللہ، یہ عجمی لفظ ہے، عجم اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اور میکائیل بمعنی عبید اللہ ہے۔

قَوْلٌ: فَلَیْمُتْ غِیْظًا، اس جملہ کو محذوف ماننے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مَنْ کَانَ میں، مَنْ شرطیہ ہے، فَلَیْمُتْ، اس کی جزاء محذوف ہے۔

قَوْلٌ: فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ، یہ علتِ جزاء ہے نہ کہ جزاء اس لئے کہ جزاء جب جملہ ہو، تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہے جو موجود نہیں ہے۔

قَوْلٌ: اِی الْقُرْآنَ، نَزَّلَهُ کی ضمیر کے بارے میں چونکہ احتمال تھا کہ جِبْرِیْلُ کی طرف راجع ہو، مگر یہ معنی کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے، اس لئے الْقُرْآنَ کہہ کر مرجع متعین کر دیا اگرچہ ماقبل میں قرآن مذکور نہیں ہے، مگر المشہور کا لفظ مذکور کے قاعدہ سے اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا۔

قَوْلِهِ: اَوْقَعَهُ مَوْقِعَ لَهْمٍ، بَيَانًا لِحَالِهِمْ، يَعْنِي عَدُوًّا لِلْكَافِرِينَ، كَقَوْلِهِمْ كَهْنًا كَانِي تَهَا، اس لئے کہ ان کا ذکر سابق میں گزر چکا ہے، مگر چونکہ ان کی عادت شنیعہ اور خصلت قبیحہ کو بیان کرنا مقصود تھا کہ عداوت ملائکہ کی وجہ سے یہ کافر ہو گئے، اس لئے ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لائے۔

قَوْلِهِ: رَدُّ لِقَوْلِ ابْنِ صَوْرِيَا الْخ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد معطوف علیہ جو کہ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ ہے اور معطوف جو کہ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ، ہے کے درمیان جملہ معترضہ کو لانے کے نکتے کو بیان کرنا ہے۔

قَوْلِهِ: اَوِ النَّبِيِّ، اس کا عطف، اللہ پر ہے اور اس کا مقصد دوسری تفسیر کی طرف اشارہ کرنا ہے، یعنی یہود نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ جب نبی آخر الزمان کا ظہور ہوگا تو ہم اس پر ایمان لائیں گے یا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے عہد کیا تھا کہ آپ کے خلاف مشرکین کا تعاون نہ کریں گے۔

قَوْلِهِ: اَوْ كَلَّمَا، ہمزہ استفہام انکاری ہے واو عاطفہ ہے، معطوف علیہ محذوف ہے، اس کی تقدیر یہ ہے، اَكْفَرُوا بَايَاتِ اللّٰهِ الْبَيِّنَاتِ، كَلَّمَا، ظرف زمان متضمن بمعنی شرط۔

قَوْلِهِ: نَبَذَ فَرِيقٌ، جملہ ہو کر جواب شرط، كَتَابَ اللّٰهُ، نَبَذَ، کا مفعول اول اور وِرَاءَ ظَهْرِهِمْ، مفعول ثانی ہے اس لئے کہ نَبَذَ، جَعَلَ کے معنی کو متضمن ہے، اور استفہام انکاری کا محل بھی یہی ہے، یعنی ان کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو پس پشت ڈالنا نہیں چاہئے تھا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ، (الآیة) اس بات پر اتفاق ہے کہ: یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے: "قال ابن جریر الطبری اجمع اهل التاویل جميعاً ان هذه الآیة، نزلت جواباً علی اليهود اذا زعموا ان جبریل عدو لهم وان میکال ولی لهم".

سبب نزول کے واقعہ کے بارے میں روایات مختلف ہیں بعض حضرات نے کہا ہے کہ: اس آیت کے نزول کا سبب وہ گفتگو ہوئی جو نبی کریم ﷺ اور یہود کے درمیان ہوئی۔ احمد اور عبد بن حمید وغیرہما نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہود کی ایک جماعت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے ابوالقاسم ہمارے چند سوالوں کا جواب دیجئے، جن کا جواب سوائے نبی کے کوئی نہیں دے سکتا، آپ ﷺ نے فرمایا آپ کو جو مرضی ہو سوال کرو، چنانچہ جو چاہا سوال کیا اور آپ ﷺ نے جواب دیا پھر آخر میں ان لوگوں نے کہا: "مَنْ وَلِيَّكَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ" آپ ﷺ

نے جواب دیا: وَلَیَّ جِبْرِیْلُ میرے دوست جبرئیل ہیں، اور جبرئیل ہر نبی کے دوست رہے ہیں۔
تو یہود کی جماعت نے کہا ہم آپ کی بات نہیں مانتے اگر جبریل کے علاوہ اور کوئی فرشتہ آپ کا ولی ہوتا تو ہم آپ پر ایمان لاتے، آپ ﷺ نے فرمایا اس کی کیا وجہ ہے؟ جماعت نے جواب دیا جبرائیل تو دشمن ہے، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

(فتح القدیر شوکانی)

اسی قسم کی ایک روایت ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں عمر بن الخطاب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کی ہے، ابن ابی شیبہ اور احمد وغیرہ نے حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ عبد اللہ بن سلام نے جب آپ ﷺ کی تشریف آوری کی خبر سنی حال یہ کہ وہ ایک باغ میں تھے، تو آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا میں آپ سے تین سوال کرنا چاہتا ہوں جن کا جواب نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا، ① قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ ② اور جنتیوں کو سب سے پہلے کیا کھانا ملے گا؟ ③ اور بچہ اپنے والد یا اپنی والدہ کے کس وجہ سے مشابہ ہوتا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا، جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام ابھی ابھی تشریف لائے تھے، تو انہوں نے مجھے بتایا، عبد اللہ بن سلام نے کہا، جبرئیل نے! آپ ﷺ نے فرمایا ہاں عبد اللہ بن سلام نے کہا وہ تو یہود کا دشمن ہے، تو آپ ﷺ نے یہ آیت: ”مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِیْلَ فَإِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلْبِکَ“ تلاوت فرمائی۔

مذکورہ تینوں سوالوں کے جوابات:

① قیامت کی شرط (نشانی) آگ کا مشرق کی جانب سے نکلنا ہے جو لوگوں کو مغرب کی جانب جمع کر دے گی۔ ② جنتیوں کا پہلا کھانا مچھلی کے جگر کے کباب ہوں۔ ③ مرد اور عورت میں سے جس کا مادہ سبقت کر جاتا ہے بچہ اسی کے مشابہ ہوتا ہے، تو عبد اللہ بن سلام نے کہا: ”أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ“۔

فَائِدَة: جبرئیل اسلامی اصطلاح میں ایک عظیم و باوقار فرشتے کا نام ہے انبیاء عَلَیْہِ السَّلَام تک وحی پہنچانے کی خدمت ان ہی کے سپرد ہے انسان خواہ کتنا ہی مقبول و برگزیدہ ہو بشر ہی ہوتا ہے جسم خاکی رکھتا ہے، اس کے محدود اور کثیف خاکی قوی علی العموم اتنا تحمل نہیں رکھتے کہ براہ راست تجلیات لاہوتی کی شعاعوں کو قبول کر سکیں، اس غرض کے لئے عموماً لطیف الجسم نور سے بنے ہوئے فرشتوں سے سفارت و توسط کا کام لیا جاتا ہے، یہود بھی وجود ملائکہ کے قائل تھے، حضرت جبرئیل کے متعلق ان کا خیال خام یہ تھا کہ وہ فرشتہ عذاب ہے ان کا کام وحی نہیں بلکہ عذاب لانا ہے وحی لانا حضرت میکائیل کا کام ہے اپنے ان ہی مفروضہ مقدمات کی وجہ سے آپ ﷺ پر معترض تھے کہ یہ نئے نبی اپنی نبوت کے سلسلہ میں حضرت جبرئیل کا نام کیوں لیتے ہیں؟ یہاں ان کی اسی غلط اندیشی سے تعرض کیا جا رہا ہے، آج بھی یہود جبرئیل کو میکائیل کا ہمسر نہیں مانتے۔ (ماجدی ملخص)

”مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ“ (الایۃ) اللہ تعالیٰ یہود کے جواب میں فرماتے ہیں، یہ سب میرے مقبول بندے

ہیں، جو ان کا یا ان میں سے کسی ایک کا دشمن ہے، وہ اللہ کا بھی دشمن ہے، حدیث شریف میں ہے: ”مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنَنِي بِالْحَرْبِ“۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق)

اَوْ كَلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ، یعنی ان کی پرانی عادت ہے کہ: جب اللہ یا رسول یا کسی شخص سے کوئی عہد معاہدہ یا قول و قرار کرتے ہیں، تو ان میں کی ایک جماعت اس عہد کو پس پشت ڈال دیتی ہے، بلکہ بہت سے یہودی ایسے بھی ہیں جو تورات پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔

وَاتَّبَعُوا عِطْفَ عَلَى نَبَذَ مَا تَتْلُوا اِی قَلْبِ الشَّيْطَانِ عَلَى عَهْدِ مُلْكِ سُلَيْمَانَ بْنِ السِّحْرِ وَكَانَتْ دَفْنَتْهُ تَحْتَ كُرْسِيِّهِ لَمَّا نَزَعَ مَلِكُهُ اَوْ كَانَتْ تَسْتَرْقُ السَّمْعَ وَتَضُمُّ اِلَيْهِ اَكَاذِیْبَ وَتُلْقِيهِ اِلَى الْكَهْنَةِ فَيُدْوِنُوْنَهُ وَفَشَا ذَلِكَ وَشَاعَ اَنْ الْجِنَّ تَعْلَمُ الْغَيْبَ فَجَمَعَ سُلَيْمَانُ الْكُتُبَ وَدَفَنَهَا فَلَمَّا مَاتَ دَلَّتِ الشَّيَاطِينُ عَلَيْهَا النَّاسَ فَاسْتَخَرُوا جُوبًا فَوَجَدُوا فِيهَا السِّحْرَ فَقَالُوا اِنَّمَا مَلَكَكُمْ بِهَذَا فَتَعْلَمُوْهُ وَرَفَضُوا كُتُبَ اَنْبِيَائِهِمْ قَالَ تَعَالَى ثَبْرَةٌ لِّسُلَيْمَانَ وَرَدًّا عَلَى الْيَهُودِ فِي قَوْلِهِمْ اَنْظُرُوا اِلَى مُحَمَّدٍ يَذْكُرُ سُلَيْمَانَ فِي الْاَنْبِيَاءِ وَمَا كَانَ اِلَّا سَاحِرًا وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ اِی لَمْ يَعْملِ السِّحْرَ لِاَنَّهُ كَفَرَ وَلَكِنْ بِالْتَّشْدِيدِ وَالتَّخْفِيفِ الشَّيْطَانِ كَفَرُوا وَيَعْلَمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ الْجَمْلَةُ حَالٌ بَيْنَ ضَمِيرٍ كَفَرُوا وَيَعْلَمُونَهُمْ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ اِی اَلْهَمَاءُ بَيْنَ السِّحْرِ وَقُرِئَ بِكَمِيسِ الْاَلَامِ الْكَاثِنَيْنِ بِبَابِلَ بِلَدٍ فِي سَوَادِ الْعِرَاقِ هَارُوتَ وَمَارُوتَ بَدَلٌ اَوْ عِطْفُ بَيَانٍ لِّلْمَلَكَيْنِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّمَا سَاحِرَانِ كَانَا يُعْلَمَانِ السِّحْرَ وَقِيلَ مَلَكَانِ اُنْزِلَا لِتَعْلِيْمِهِ اِبْتِلَاءٌ بَيْنَ اللّٰهِ لِلنَّاسِ وَمَا يَعْلَمُونَ مِنْ زَائِدَةٍ اَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا لَهُ نَضْحَا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ بَلِيَّةٌ بَيْنَ اللّٰهِ لِلنَّاسِ لِيَمْتَحِنَهُمْ بِتَعْلِيْمِهِ فَمَنْ تَعْلَمَهُ كَفَرَ وَمَنْ تَرَكَهُ فَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا تَكْفُرْ بِتَعْلِيْمِهِ فَاِنْ اَبَى اِلَّا التَّعْلَمَ عُلَمَاءُ فَيَتَعْلَمُونَ مِنْهُمَا مَا يَفِرَّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ بَانَ يُبْغِضُ كُلًّا اِلَى الْاٰخِرِ وَمَا هُمُ اِی السَّحَرَةُ بِضَارَيْنِ بِهِ بِالسِّحْرِ مِنْ زَائِدَةٍ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بِاِرَادَتِهِ وَيَتَعْلَمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَهُوَ السِّحْرُ وَلَقَدْ لَامَ قَسَمٍ عَلِمُوا اِی الْيَهُودَ لَمَنْ لَامَ اِبْتِدَاءٌ مُّعَلِّقَةٌ لِّمَا قَبْلَهَا بَيْنَ الْعَمَلِ وَمَنْ مَوْصُولَةٌ اِسْتِثْنَاءٌ اِخْتَارَهُ اَوْ اِسْتَبْدَلَهُ بِكِتَابِ اللّٰهِ مَالَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلْقٍ نَّضِيبٌ فِي الْجَنَّةِ وَلِبَاسٌ مَا شِئْنَا شَرَوْا بَاغُوا بِهِ اَنْفُسَهُمْ اِی الشَّارِبِينَ اِی حَظَّهَا بَيْنَ الْاٰخِرَةِ اَنْ تَعْلَمُوْهُ حَيْثُ اَوْجَبَ لَهُمُ النَّارُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾ حَقِيقَةً مَا يَصِيرُونَ اِلَيْهِ بَيْنَ الْعَذَابِ مَا تَعْلَمُوْهُ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِی الْيَهُودَ اٰمَنُوا بِالنَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ وَاتَّقَوْا عِقَابَ اللّٰهِ بِتَرْكِ مَعَاصِيهِ كَالسِّحْرِ وَجَوَابٌ لِّوَسْخُوفٍ اِی لَا يُثَبِّتُوا دَلَّ عَلَيْهِ لَمَثُوبَةٌ ثَوَابٌ وَبِوَسْبَدَا وَاللَّامُ فِيهِ لِلتَّنْمِ

مَنْ عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ خَبْرُهُ بِمَا شَرُّوْا بِهِ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۳﴾ اِنَّهٗ خَيْرٌ لِّمَا اَثَرُوْهُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اور پیچھے لگ گئے (یہود) (اَتَّبِعُوْا) کا عطف نَبَذَ، پر ہے اس (سحر) کے کہ جس کو شیاطین سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کے عہد سلطنت میں پڑھا کرتے تھے، جب سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی حکومت ختم ہو گئی تو سحر (کی کتابوں) کو شیاطین نے سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی کرسی کے نیچے دفن کر دیا تھا، یا اس کے پیچھے پڑ گئے جس کو شیاطین چوری سے سن لیا کرتے تھے اور اس میں (اپنی طرف سے) جھوٹ ملا کر کانہوں کو بتا دیا کرتے تھے اور وہ اس کو مُدَوَّن کر لیا کرتے تھے، اور اس بات کی شہرت ہو گئی، نیز مشہور ہو گیا کہ جنات غیب جانتے ہیں تو سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے (جادو کی) کتابوں کو جمع کر کے دفن کر دیا، چنانچہ جب سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کا انتقال ہو گیا تو شیاطین نے لوگوں کو اس کی نشاندہی کر دی، چنانچہ لوگوں نے اس کو نکال لیا، تو اس میں جادو پایا، تو کہنے لگے (سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام) نے تمہارے اوپر اسی (جادو) کے بدولت حکمرانی کی، تو ان لوگوں نے اس جادو کو سیکھا اور اپنے انبیاء کی کتابوں کو بالائے طاق رکھ دیا، اللہ تعالیٰ نے سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی براءت کرتے ہوئے اور یہود کی اس بات کو رد کرتے ہوئے: کہ محمد کو دیکھو سلیمان کو نبیوں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ وہ محض جادوگر تھے فرمایا اور سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام نے کفر نہیں کیا، یعنی عمل سحر نہیں کیا اس لئے کہ (عمل سحر) کفر ہے، لٰكِنَّ تَشْدِيْدًا وَرَخْفِيْفًا کے ساتھ لیکن شیاطین نے کفر کیا، کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، جملہ (يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السَّحْرَ) کفر و، کی ضمیر سے حال ہے اور (شیاطین) ان کو وہ علم سحر بھی سکھاتے تھے، اور جو ان دو فرشتوں پر نازل کیا گیا جو (شہر) بابل میں رہتے تھے، اور مَلٰٓئِكِيْنَ کو لام کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، بابل وسط عراق میں ایک شہر ہے (ان فرشتوں کا نام) ہاروت اور ماروت تھا، یہ مَلٰٓئِكِيْنَ، سے بدل یا عطف بیان ہے، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا وہ دونوں جادوگر تھے، خود جادو سکھایا کرتے تھے، اور کہا گیا ہے کہ دو فرشتے تھے، جو جادو کی تعلیم کے لئے اللہ کی جانب سے لوگوں کی آزمائش کے طور پر اتارے گئے تھے اور وہ دونوں (جادو) کسی کو نہیں سکھاتے تھے، مِّنْ زَانِدٍ ہے، مگر نصیحت یہ کہہ دیتے تھے، کہ: ہم اللہ کی جانب سے (لوگوں کی) آزمائش ہیں، تاکہ جادو سکھا کر اس کی آزمائش کریں لہذا جس نے جادو سیکھا اس نے کفر کیا اور جو سیکھنے سے باز رہا وہ مومن ہے، لہذا اس کو سیکھ کر کفر نہ کرو، پھر بھی اگر وہ سیکھنے پر مصر رہتا تو اسے سکھا دیتے، پھر لوگ ان سے وہ علم سیکھتے جس کے ذریعہ بیوی اور اس کے شوہر کے درمیان جدائی کر ادیں بایں طور کہ آپس میں بغض رکھنے لگیں اور یہ جادو کرنے والے اس (جادو) کے ذریعہ کسی کو اللہ کے حکم (اور) ارادہ کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے اور یہ لوگ وہ چیز سیکھتے ہیں، جو ان کو آخرت میں نقصان پہنچائے، نفع نہ پہنچائے، اور وہ جادو ہے اور یقیناً یہ یہود لَقَدْ میں لام قسمیہ ہے، بخوبی جانتے ہیں کہ جس نے اس (جادو) کو اختیار کیا یا کتاب اللہ سے بدلا، اس کا آخرت میں جنت سے کچھ حصہ نہیں ہے، لَمَنْ، میں لام ابتدائیہ ہے جو اپنے ماقبل کو عمل سے مانع ہے اور مَن موصولہ ہے، اور یقیناً جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو فروخت کیا وہ چیز نہایت بری ہے، یعنی بیچنے والے ہیں اپنے (نفسوں) یعنی اس کے آخرت کے حصہ کو (برا ہے) اس کا

سیکھنا، اس لئے کہ اس سیکھنے نے ان کے لئے جہنم کو واجب کر دیا اگر یہ لوگ اس عذاب کی حقیقت کو جان لیتے، جس کی طرف یہ جارہے ہیں تو اس کو نہ سیکھتے، اور اگر یہ یہود نبی اور قرآن پر ایمان لے آتے اور ترک معصیت کر کے اللہ سے ڈرتے مثلاً (ترک) جادو کر کے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بہترین ثواب ملتا، لَوْ، کا جواب محذوف ہے اور وہ لَا تُذِيبُوا ہے جس پر لَمْ تُؤَبِّدْ (بمعنی ثواب) دلالت کر رہا ہے اور وہ مبتداء ہے اور اس میں لام قسمیہ ہے، اس سے جو انہوں نے اپنے لئے خریدا اگر وہ اس بات کو جان لیتے کہ یہ بہتر ہے، تو جادو کو اجر و ثواب پر ترجیح نہ دیتے۔

تحقیق و ترکیب تہلیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَاتَّبِعُوا، وَادْعُوا، (اتَّبِعُوا) (افعال) سے ماضی جمع مذکر غائب ہے انہوں نے اتباع کی وہ پیچھے پڑ گئے، اس کا عطف نَبَذَ، پر ہے، اتَّبِعُوا، کے اندر ضمیر جو فریق کی طرف راجع ہے وہ اس کا فاعل ہے، مَا مَوْصُولُهُ اتَّبِعُوا کا مفعول ہے، تَتْلُوا الشَّيْطَانِ فَعْلُ فاعِل سے مل کر جملہ ہو کر صلہ۔

سُؤَال: تَتْلُوا، مضارع کا صیغہ ہے جو کہ حال پر دلالت کرتا ہے حالانکہ نزول آیت کے وقت شیاطین تلاوت نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد شیاطین کے آسمانوں پر جانے پر پابندی لگ گئی تھی۔

جَوَاب: مضارع کا صیغہ حکایت حال ماضیہ کے طور پر استعمال ہوا ہے گویا وہ معاملہ اس وقت نظروں کے سامنے ہو رہا ہے، اسی جواب کی طرف علامہ سیوطی نے تَتْلُوا، کی تفسیر تَلَّتْ سے کر کے اشارہ کیا ہے۔

قَوْلًا: اَوْ كَانَتْ تَسْتَفِيقُ السَّمْعِ الْخ، اَوْ تنويع کے لئے ہے، اس کا عطف معنوی طور پر مِنْ السَّحَرِ پر ہے، اور تَتْلُوا کے تحت ہے اور یہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے یعنی شیاطین لوگوں کو سحر پڑھ کر سنایا کرتے تھے، یا جن باتوں کو شیاطین آسمان پر جا کر چوری سے سن آیا کرتے تھے، ان کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔

قَوْلًا: عَلَى عَهْدِ سُلَيْمَانَ، اِی فِی عَهْدِ سُلَيْمَانَ، عَلٰی بِمَعْنٰی فِی اور یہ بھی احتمال ہے کہ تَتْلُوا، بمعنی تَتَقَوَّلُ (افتراء کرنا) ہو تو پھر عَلٰی اپنے حال پر رہے گا اس لئے کہ تَقَوَّلَ کا صلہ عَلٰی آتا ہے اس صورت میں متعلق محذوف ہوگا، اس کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی ”وَ اتَّبِعُوا مَا تَقَوَّلُ الشَّيْطَانُ عَلَى اللَّهِ زَمَنَ مَلِكِ سُلَيْمَانَ“ اور مِنْ السَّحَرِ، مَا کا بیان ہے عائد محذوف ہوگا تقدیر یہ ہوگی تَتْلُوهُ۔

قَوْلًا: لَمْ يَعْمَلِ السَّحَرَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ محض تعلیم سحر کفر نہیں ہے بلکہ عمل بالسحر، کفر ہے۔

قَوْلًا: وَيُعَلِّمُونَهُمْ مَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ، يُعَلِّمُونَ، محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ مَا مَوْصُولُهُ ہے اس کا عطف السَّحَرِ، پر ہے اور یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، لہذا عطف الشیء علی نفسہ کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

قَوْلًا: اِی اُلْهِمَاهُ، یہ اُنْزِل کی تفسیر ہے، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُنْزِل سے وحی کے انزال کا طریقہ مراد نہیں ہے،

جس سے عظمت معلوم ہو بلکہ مطلقاً سکھانا مراد ہے۔

قَوْلًا: بِبَابِلَ، بَاءٌ مَعْنَى فِی، بَابِلَ، ایک عظیم الشان شہر کا نام ہے جو قدیم زمانہ میں دریائے فرات کی دونوں جانب واقع تھا فرات اس کے درمیان سے گذرتا تھا، آج بھی اس کے کھنڈرات موجود ہیں اس کا عرض البلد شمالی ۲۳ درجہ ۳۰ دقیقہ ۴۱ ثانیہ اور طول البلد شرقی ۴۴ درجہ ۲۳ دقیقہ ۴۰ ثانیہ ہے یہ طویل مدت تک سلطنت عراق کا پایہ تخت رہا ہے اور بخت نصر کے زمانہ تک بڑی شان و شوکت کا شہر تھا، ۵۳۸ قبل مسیح کے بعد سے اس پر ایسی تباہی آئی کہ: ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس کا خاتمہ ہو گیا بابل سحر و ساحری میں بہت مشہور ہے یہ عجم اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہے اخفش نے کہا ہے کہ تانیث اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: هَارُوتَ وَمَارُوتَ، یہ دو فرشتوں کے نام ہیں علمیت اور عجم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔ بعض مفسرین نے دوسری قراءت کی بنا پر ان کو انسان کہا ہے مگر رائج اول ہے۔

قَوْلًا: لَامُ ابْتِدَاءٍ مُّعَلَّقَةٌ لِّمَا قَبْلُهَا مِنَ الْعَمَلِ، لَمَنْ، میں لام ابتداء ہے، یہ مبتداء پر داخل ہوتا ہے یا مضارع پر داخل ہوتا ہے لیکن جب ماضی پر داخل ہوتا ہے تو، قدم لفظیاً معنایاً ضروری ہوتا ہے، البتہ جو لام ابتداء کو لام قسم قرار دیتے ہیں ان کے یہاں لام ابتداء کا تصور نہیں ہے۔ (روح المعانی) لَمَنْ، میں لام ابتداء نے اپنے ماقبل عَلِمُوا، کو عمل سے روک دیا ہے، اس لئے کہ عمل کی صورت میں لام ابتداء کی صدارت باطل ہو جائے گی۔

قَوْلًا: حَظَّهَا، اس میں حذف، مضاف کی طرف اشارہ ہے حَظَّهْمُ اِی حَظَّ اَنْفُسِهِمْ۔

قَوْلًا: اَنْ تَعْلَمُوْهُ، مفسر علام نے یہ جملہ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مخصوص بالذم بتاویل مصدر ہو کر محذوف ہے لہذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ، مَا مَعْنَى شَيْئًا ہونے کی وجہ سے نکرہ ہے، جس کی وجہ سے مخصوص بالذم واقع نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ مخصوص کا معرفہ ہونا ضروری ہوتا ہے، اس کا جواب دیدیا، کہ، مَا، شَيْئًا کے معنی میں ہو کر بنس کے اندر مستتر، هُوَ، ضمیر فاعل کی تمیز ہے اور مخصوص بالذم، اَنْ تَعْلَمُوْا، محذوف ہے۔

قَوْلًا: حَقِيقَةً مَا يَصِيرُوْنَ اِلَيْهِ الْخ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: سابق میں، وَلَقَدْ عَلِمُوا، سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علم ہے اور لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو علم نہیں ہے، دونوں میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔

جَوَاب: یعنی اللہ کے عذاب کو جانتے ہیں، مگر حقیقت عذاب اور اس کی شدت کو نہیں جانتے، لہذا اب کوئی تلافی نہیں ہے اسی سوال کے جواب کے لئے مفسر علام نے حقیقۃ ما یصیرون کا اضافہ فرمایا۔

قَوْلًا: مَا تَعْلَمُوْهُ، یہ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلًا: جَوَابُ لَوْ محذوف، یہ بھی ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔

سِوَالٌ: لَوْ کے جواب کا فعل ماضی ہونا ضروری ہے اور یہاں لَمْثُوبَةٌ جملہ اسمیہ جواب واقع ہو رہا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: لَوْ، کا جواب لَمْثُوبَةٌ نہیں ہے بلکہ جواب محذوف ہے اور وہ لَا تُثْبِتُوا ہے اور اس حذف پر لَمْثُوبَةٌ دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلًا: لَمَّا آثَرُوهُ، یہ لو کانوا يَعْلَمُونَ کا جواب محذوف ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

هَرُوتٌ وَمِرُوتٌ ”علمان اعجمیان بدلیل منع الصرف، ولو كانا من الهرت والميرت ای الکسر، كما زعم بعضهم لا نصرفا، وقد نسجت حولها اساطير طريفة يرجع اليها في المطولات.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

بنی اسرائیل کی شیطان کی پیروی:

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ، ذکر چل رہا ہے بنی اسرائیل کی قباحتوں کا، یہ بھی ان کے فرد جرم کی فہرست میں ایک اور فرد جرم کا اضافہ ہے یعنی یہود نے اللہ کی کتاب اور اس کے عہد کی تو کوئی پرواہ نہیں کی البتہ شیطانی علم کے پیچھے لگ گئے، نہ صرف یہ کہ خود جادو ٹونے میں لگ گئے، بلکہ یہ دعویٰ بھی کرنے لگے کہ سلیمان (نعوذ باللہ) اللہ کے پیغمبر نہیں تھے بلکہ ایک جادوگر تھے اور جادو کے زور سے حکومت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی براءت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ سلیمان علیہ السلام عمل سحر نہیں کرتے تھے، اس لئے کہ عمل سحر کفر ہے، کہا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جادوگری کا سلسلہ بہت عام تھا، چاروں طرف اسی کا چرچا تھا، کہ بنی اسرائیل بھی اللہ کی کتاب تورات کو پس پشت ڈال کر جادو ٹونے اور تعویذ گنڈوں میں لگ گئے تھے، جس کی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جادو کی کتابیں جمع کر کے اپنے تخت کے نیچے دفن کر دیں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد ان شیاطین اور جادوگروں نے ان کتابوں کو نکال کر نہ صرف لوگوں کو دکھایا بلکہ لوگوں کو یہ باور کرایا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قوت اور اقتدار کا راز ہی عمل سحر تھا اور اسی وجہ سے ان ظالموں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سلسلہ انبیاء سے نکال کر جادوگر اور کافر قرار دیا اس آیت میں اللہ نے اسی کی تردید فرمائی ہے۔

(ابن کثیر)

فن سحر میں یہودی مہارت:

فن سحر و کہانت میں یہودی مہارت ایک تاریخی حقیقت ہے ان کے اکابر اور مشاہیر اس کا فخر کے ساتھ برابر ذکر کرتے آئے ہیں، یہود کو ساحری کا شوق ان کی قدیم تاریخ سے قطع نظر کرتے ہوئے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی نہ صرف یہ کہ باقی تھا بلکہ معمول پہ بھی تھا، چنانچہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے مشرکوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور ساحر لبید بن عاصم یہودی سے ملا اور کہا کہ ہم نے محمد ﷺ پر جادو کرنے کی بہت کوشش کر لی مگر ہمیں کامیابی نصیب نہیں ہوئی، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ جادو میں مہارت تامہ رکھتے ہیں لہذا آپ ہمارا یہ کام کر دیں اور جو چاہیں اجرت لیں چنانچہ لبید بن عاصم یا اس کی لڑکیوں نے آپ ﷺ پر جادو کر دیا، جس کی تفصیل حدیث اور تفسیر کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کا یہودی النسل پروفیسر مارگولیس جس کی اسلام دشمنی ضرب المثل کی حد تک پہنچی ہوئی تھی، اپنی انگریزی کی کتاب سیرت رسول میں معاصر یہود عرب کے سلسلہ میں لکھتا ہے۔ یہ لوگ فن سحر کے ماہر تھے اور بجائے میدان جنگ میں آنے کے سفلی عملیات کو ترجیح دیتے تھے۔

(ص: ۱۸۹، تفسیر ماجدی)

یہود میں سحر دو طرف سے پھیلا:

خلاصہ یہ ہے کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر سیکھنے کے پیچھے پڑ گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا، ایک تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں چونکہ جنات اور انسان ملے جلے رہتے تھے، تو انسانوں نے جنات سے علم سیکھا اور نسبت حضرت سلیمان کی طرف کر دی کہ ہم کو سحر ان ہی سے پہنچا ہے اور سلیمان علیہ السلام کی حکومت اسی سحر کی بدولت تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ”مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ“ یہ کام کفر ہے اور سلیمان علیہ السلام نے کفر نہیں کیا۔

دوسرے ہاروت و ماروت کی طرف سے پھیلا، یہ دونوں فرشتے تھے جو شہر بابل میں بصورت انسان رہتے تھے، وہ علم سحر سے واقف تھے، جو کوئی سحر سیکھنے کا طالب ان کے پاس جاتا اول تو وہ اس کو منع کرتے کہ اس میں ایمان جانے کا خطرہ ہے اس پر بھی اگر وہ باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے اللہ تعالیٰ کو ان کے ذریعہ بندوں کی آزمائش منظور تھی جیسا کہ خوبصورت انسانی شکل میں فرشتوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قوم اوط کو آزمایا تھا۔

ہاروت و ماروت کے واقعہ کی تفصیل:

احمد بن حنبل اور محمد بن حمید نے اپنی اپنی مسانید میں ذکر کیا ہے، کہ جب حق سبحانہ و تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو خلیفہ مقرر فرمایا، تو فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم تیری تقدیس کرتے ہیں، اور آدم خاک کی سے سوائے فساد اور خونریزی کے کچھ نہ ہوگا بارگاہ الہی

سے حکم ہوا کہ دو فرشتے زمین پر جا کر بنی آدم کے اعمال کی نگرانی کریں۔

اور یہی نے بیان کیا ہے کہ جب ملائکہ نے دیکھا کہ آدمی گناہ کرتے ہیں تو تعجب سے کہا کہ کیسے جاہل اور نا فہم ہیں؟ پروردگار نے جواب دیا، اگر تم ان کی جگہ ہوتے اور ان کے جیسی خواہشیں تم میں ہوتیں، تو تم کو معلوم ہو جاتا، فرشتوں نے عرض کیا اے پروردگار بندہ کس طرح اپنے پروردگار کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ اور ہم تو تیری تقدیس و تحمید کرتے ہیں ارشاد ہوا، اس کا امتحان ہونا چاہئے بحکم خداوندی تین فرشتے جو کہ عابد و زاہد اور نہایت متقی و پرہیزگار سمجھے جاتے تھے، منتخب کئے گئے، ان میں ایک کا نام ہاروت اور دوسرے کا نام ماروت تیسرے کا نام عزرائیل تھا، ان تینوں کو انسان جیسی خواہشیں اور ضرورتیں عطا کی گئیں، عزرائیل یہ صورت حال دیکھ کر پروردگار کے حضور میں عرض کرنے لگے کہ مجھے آپ آسمان پر بلا لیں میں اس امتحان کے لائق نہیں ہوں اور چالیس برس سجدہ میں پڑے رہے اور مارے حیا و شرم کے پھر کبھی سر نہ اٹھایا، مگر ہاروت و ماروت دونوں زمین پر آ کر رہے، ان کو شرک و قتل اور شراب نوشی سے ممانعت کر دی گئی، یہ دونوں فرشتے مقدموں کا تصفیہ کیا کرتے تھے، اور رات کو اسم اعظم پڑھ کر آسمان پر چلے جایا کرتے تھے، ایک روز ایک نہایت ہی حسین و جمیل نوجوان دوشیزہ نے جس کا نام زہرہ تھا اور بعض کہتے ہیں کہ فارس کی شہزادی تھی ان کے پاس آ کر اپنے شوہر کا جھگڑا پیش کیا، ان مذکورہ دونوں فرشتوں کے دل میں خواہش بھڑک اٹھی جس کی وجہ سے دامن تقویٰ و پرہیزگاری ہاتھ سے جاتا رہا، ایک نے دوسرے سے پوچھا کیا تیرے دل کا بھی وہی حال ہے جو میرے دل کا ہے، اس نے کہا ہاں میرا بھی یہی حال ہے، ایک نے کہا کیا ہم فیصلہ اس کے شوہر کے خلاف کر دیں تاکہ زہرہ راضی ہو جائے؟ تو دوسرے نے جواب دیا اللہ کا عذاب شدید ہے اس نے کہا وہ غفور و رحیم بھی تو ہے، چنانچہ انہوں نے زہرہ سے تعلقات استوار کرنے شروع کر دیئے، زہرہ نے کہا یہ جب ممکن ہے جب تم میرے شوہر کو قتل کر دو، تو ایک نے کہا اللہ کا عذاب سخت ہے دوسرے نے کہا اس کی رحمت بڑی وسیع ہے، غرضیکہ ان دونوں نے اس کے شوہر کو قتل کر دیا تاکہ اپنے جذبات کو تسکین دیں زہرہ نے کہا میرا ایک بت ہے تم اس کو سجدہ کرو تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہو۔

دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ زہرہ نے کہا تم مجھے وہ دعاء (اسم اعظم) سکھا دو جسے پڑھ کر تم آسمان پر جاتے ہو زہرہ وہ دعاء سیکھ کر آسمان پر چلی گئی اور مسخ ہو گئی کہ یہ زہرہ وہی ہے جسے زہرہ ستارہ کہتے ہیں، مگر یہ قول ضعیف ہے ایک روایت میں یہ ہے کہ ہاروت اور ماروت نے پہلے شراب پی اور زہرہ سے ہم صحبت ہوئے، ایک شخص نے ان کی اس حرکت کو دیکھ لیا، انہیں غیرت آئی، اس بیچارہ کو قتل کر ڈالا جب ہوش آیا اور اپنی خطا پر شرمندگی و ندامت ہوئی تو حضرت ادریس علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائیں، حضرت ادریس علیہ السلام کی دعاء اور سفارش سے یہ حکم ہوا کہ سزا تو ضرور ملے گی مگر اس بات میں اختیار ہے کہ سزا دنیا کی قبول کریں یا آخرت کی، عذاب دنیا کو فانی اور کمتر سمجھ کر سر جھکا دیا اور عرض کیا جو حکم ہو حاضر ہیں، مگر خاتمہ بالآخر ہو، ان کے عذاب میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ ان کے بالوں سے لٹکا دیئے گئے، اور بعض کہتے ہیں کہ لٹکے لٹکا دیئے گئے اور لوہے کے گرزوں سے مارے جاتے ہیں۔

سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ اور بنی اسرائیل:

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ كَفَرُوا، سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ کا زمانہ ۹۹۰ ق م تا ۹۳۰ ق م ہے، سلیمان بن داؤد عَلَیْہِ السَّلَامُ اسرائیلی سلسلہ کے ایک نامور پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ نامور حداد بھی ہوئے ہیں، شام اور فلسطین کے علاوہ آپ کی حدود حکومت جانب مشرق میں عراق میں دریائے فرات کے ساحل تک اور مغرب میں مصر تک وسیع تھیں، حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ کی سلطنت کی عظمت و شوکت کے دوست و دشمن سب ہی معترف ہیں۔

بنی اسرائیل نے نہ صرف یہ کہ سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ کی رداء عصمت کو تارتار اور دامن بے داغ کو کفر و شرک کی گندگی سے داغدار کیا، بلکہ سلسلہ نبوت سے خارج کر کے ان کو ساحر و کاہن قرار دیا اور محمد ﷺ کی تصدیق کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا: دیکھو تو سہی یہ تو سلیمان کو سلسلہ نبوت میں شمار کرتے ہیں۔

اسلام نے اس کے برخلاف نہ صرف یہ کہ حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَامُ کو معصوم اور پاکیزہ کردار قرار دیا؛ بلکہ ان کی طرف سے صفائی پیش کر کے ان کے دامن پر بنی اسرائیل کے لگائے ہوئے داغ دھبوں کو دھو کر ان کی پاکیزہ سیرت اور بے داغ کردار کی شہادت بھی دی۔

یہودی نقص و حکایات اور مسیحی آثار و روایات کو چھوڑیے خاص بابل یعنی عبدعیتق کے صحائف جن پر یہود و نصاریٰ کا ایمان ہے، اس مجموعہ میں آج تک صراحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے:

جب سلیمان بوڑھا ہوا تو اس کی بیویوں نے اس کے دل کو غیر معبود کی طرف مائل کیا اور اس کا دل اپنے خدا کی طرف کامل نہ تھا۔

(سلاطین ۱۱: ۴، ۶، ۱۰)

یعنی محض غفلت یا بے توجہی کی بنا پر عمل کوتاہی یا عصیان کے مرتکب نہیں ہوئے؛ بلکہ صریح بدعتیہ کی اور توحید کی طرف سے بے یقینی تھی، اور آگے ملاحظہ ہو:

سواز بس کہ ان کا دل خداوند اسرائیل کے خدا سے برگشتہ ہوا اس لئے خداوند آسمان پر غضبناک ہوا کہ اس نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ان اجنبی معبودوں کی پیروی نہ کرے، مگر اس نے خداوند کے حکم کو یاد نہ رکھا۔

(سلاطین ۱۱: ۹، ۱۰)

(معاذ اللہ) دیکھا آپ نے! خدا کا پیغمبر اور بقول بنی اسرائیل شرک و کفر میں مبتلا!!!

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

دنیا ہزاروں سالوں تک ان ہی یہودیانہ تحریفات اور افتراءات کا شکار ہو کر اس موحد اعظم کو کافر و مشرک سمجھتی رہی، جب قرآن جو ہر زمانہ کے سچے پیغمبروں کی عزت و ناموس کا محافظ ہے، آیا اور آ کر بباغ دہل اعلان کیا کہ: سلیمان

عَلَيْهِ السَّلَام کو (معاذ اللہ) کافر کہتے ہو، وہ تو کفر کے قریب بھی نہیں تھے، اس وقت قرآن کی صدائے حق صدائے صحراء ہو کر رہ گئی، جن کے کان تھے، انہوں نے گوشِ ہوش سے سنا اور باقی دنیا خواب غفلت میں پڑی رہی، اسی طرح صدیاں گزر گئیں۔

قرآن کا اعجاز:

جب تیرہ ساڑھے تیرہ صدیاں گزر گئیں، تو قدرت حق کا کرشمہ اور قرآن کا اعجاز دیکھئے کہ بائبل کے پرستاروں کے قلم سے محققانہ اور فاضلانہ کتابیں اور مضامین شائع ہوتے ہیں وہ بائبل کے الزاموں کی تائید و تصدیق نہیں کرتیں بلکہ قرآن کے جواب صفائی کی تصدیق و تائید کر رہی ہیں انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جو برطانوی کاوش و تحقیق کا لب لباب ہوتا ہے اسکے سب سے آخری ایڈیشن میں مقالہ زیر عنوان، سلیمان، نکال کر دیکھئے، آپ کو صاف لکھا ہوا ملے گا۔

سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام خدائے واحد کے مخلص پرستار تھے۔ (جلد دوم، ص ۹۵۲، طبع چہارم) (ماجدی) انسائیکلو پیڈیا بلیکا، جو خاص مسیحی فضلاء کی تحقیق و تدقیق کا ثمرہ ہے، میں لکھا ہے: بائبل کی وہ آیتیں جن میں سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی طرف کفر و شرک کی نسبت کی گئی ہے، وہ الحاقی ہیں۔ (بعد میں اضافہ شدہ ہیں)۔

مفسر ابن جریر طبری نے آج سے تقریباً ایک ہزار سال پہلے اپنی تفسیر میں ابن اسحاق کے حوالہ سے یہ روایت درج کی ہے کہ آیت بِالَا وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ يَهُودَ کے گندے عقائد اور افتراء کے رد میں نازل ہوئی ہے، جو آپس میں کہتے تھے۔
قال بعض اہبار اليهود الا تعجبون من محمد ﷺ يزعم ابن داود كان نبياً واللہ ما كان إلا ساحراً فأنزل اللہ ذلك من قولهم وما كَفَرَ سليمان الخ۔ (تفسیر ماجدی ملخصاً)

اس نئے مدعی نبوت کی نادانی تو دیکھو کہ ابن داؤد کو نبی اللہ کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔

امام بھصاص رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے مذکورہ حوالہ کے علاوہ ابن عباس اور سعید بن جبیر اور قتادہ تابعی کا بھی حوالہ دیا ہے۔

یاد رہے کہ بنی اسرائیل کی فردِ جرم کے بیان کرنے کا سلسلہ مسلسل چل رہا ہے، خود کفر کرنا اور نسبت حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام کی جانب کرنا یہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

مذکورہ آیات میں بنی اسرائیل (یہود) کی مذمت بیان کی ہے، اور حضرت سلیمان عَلَیْہِ السَّلَام پر الزام کی صفائی پیش کی گئی ہے، قرآن کریم نے کس کس طرح دوسری امتوں کے انبیاء کی طرف سے صفائی پیش کی ہے، انہیں کے امتیوں کے لگائے ہوئے داغ دھبے ان کی پاک سیرتوں سے دور کئے ہیں، یہی ناشکر گزار اور احسان فراموش قومیں قرآن اور صاحب قرآن کی دشمنی پر تلی ہوئی ہیں۔

سحر کی حقیقت:

سحر کی حقیقت و ماہیت اور اقسام پر بعض قدیم مفسرین نے بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے، خصوصاً ابوبکر جصاص رازی، اور امام فخر الدین اور ابن کثیر نے، اور زمانہ قریب کے مفسرین میں سے طنطاوی نے، یہاں مختصراً اتنا جان لینا کافی ہے کہ سحر نام ہے اسباب خفیہ کا مثلاً تاثیر کو اکب، استعانت شیاطین الجن وغیرہ سے کام لے کر تصرفات عجیبہ کرنے کا، خاص خاص مشقوں اور ریاضتوں سے یہ فن حاصل ہو جاتا ہے، مشرک اور جاہل قوموں میں اس کا رواج پہلے ہی سے بہت تھا۔ سحر و کہانت تاریخ بنی اسرائیل کی ایک مسلم اور ناقابل انکار چیز ہے، خود عہد عتیق کے صحیفوں میں اس کی شہادت موجود ہے۔

انھوں نے اپنے بیٹے بیٹی کو آگ کے درمیان گذارا اور فال گری اور جادو گری کی،
 اِن باعثوں سے خداوند بنی اسرائیل سے غصہ ہوا اور اپنی نظر سے انھیں گرا کر دور کر دیا۔“

(۲/ سلاطین ۱۷: ۱۷، ۲۱)

تاریخ قدیم کے جاننے والوں پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ عہد رسالت اور طلوع اسلام سے صدیوں قبل قوم بنی اسرائیل دو مستقل حصوں میں بٹ چکی تھی، ایک حصہ وہ تھا جس نے بخت نصر کے ہاتھوں جلا وطنی یا جبری ہجرت کے بعد کلدانیہ یا بابل (موجودہ عراق) میں بود و باش اختیار کر لی تھی، دوسرا حصہ وہ جو ایک مدت دراز کے بعد بابل سے واپس آ کر فلسطین میں مقیم ہو گیا تھا، آیت اس بات کی طرف واضح اشارہ کر رہی ہے کہ عہد رسالت کے معاصر، یہود عرب فلسطین اور بابلی دونوں قسموں کے رذائل و خباثت کے جامع ہیں، تاریخ قدیم کے یہ وہ نازک اور دقیق حقائق ہیں، جو عام طور سے اچھے اچھے اہل علم کے علم میں بھی نہیں، یہ دقیق حقائق تاریخ کے کسی مؤرخ اعظم کی زبان سے نہیں بلکہ (فداہ الی وائی) عرب کے ایک امی کی زبان سے ادا کرائے جا رہے ہیں۔

وَمَا أُنزِلَ یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ انزال و تنزیل کا اطلاق صرف احکام تشریعی ہی کے بارے میں نہیں ہوتا، امور تکوینی میں بھی ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ تکوینات کے سلسلہ میں جتنے بھی کام ہوتے ہیں خواہ اچھے ہوں یا برے، ان کے لئے واسطہ اور ذریعہ فرشتے ہی ہوتے ہیں اور یہ بات ان کی معصومیت کے ذرا بھی منافی نہیں۔

مَا أُنزِلَ میں ماموصولہ الذی کے معنی میں ہے، بعض مفسرین نے ما کو نافیہ قرار دیکر مَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ پر عطف کیا ہے، لیکن محققین نے اس کو قبول نہیں کیا ہے، اللہ کی طرف سے صرف کتاب حکمت، وحی و الہام ہی نازل نہیں ہوتے، قحط، بیماری، یا موت کا نزول بحیثیت مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، قرآنی محاورہ میں انزال کا لفظ رزق، پانی، لباس، لوہا، انعام کے سلسلہ میں صراحت کے ساتھ آیا ہے حتیٰ کہ رجز (عذاب) کے لئے بھی یہی لفظ صراحۃً مستعمل ہے، اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰی اٰهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ۔ (عنکبوت)

لہذا انزالِ سحر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا اس کی قدوسیت کے منافی نہیں ہے، جن لوگوں نے ایسا سمجھا ہے وہ ایک بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہوئے ہیں، ایک سحر ہی پر کیا موقوف ہے کائنات میں جو کچھ بھی اچھا برا، طاعت و معصیت وجود پذیر ہوتا ہے، سب کا وجود تکوینی حیثیت سے مسبب الاسباب ہی کے نازل کرنے سے ہوتا ہے، اُنْزِلَ عَلٰی الْمَلَائِكَةِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ سے یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونی چاہئے کہ ہاروت و ماروت کی جانب نزول کی نسبت کرنے سے ان کا اکرام یا تعظیم مقصود ہے، اس لئے کہ اس انزال و نزول سے انبیاء و رسل والا نزول و انزال مراد نہیں ہے، جس میں عظمت و اکرام مقصود ہوتا ہے، اسی شبہ کو دور کرنے کے لئے مفسر علام نے وَالْهَمَاهُ کے لفظ کا اضافہ فرمایا ہے، ایک دوسری قراءت میں مَلٰئِكِیْنِ لام کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ قراءت بھی صحابہ و تابعین ہی کے زمانہ سے چلی آرہی ہے، ابن عباس، ضحاک، حسن بصری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی روایت ہے۔

چنانچہ اسی دوسری قراءت کی بناء پر بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ہاروت و ماروت اصلاً فرشتے نہ تھے، بشر تھے، مراد بادشاہ یا شہزادے، ان ہی کو دوسری روایتوں میں مجازاً ملک (فرشتہ) کہا گیا ہے، اس لئے کہ وہ صفات ملکوتی کے حامل تھے (قیل رَجُلَانِ سُمِّیَا مَلٰئِكِیْنِ بِاعْتِبَارِ صَلَاحِهِمَا) (بیضاوی) لیکن جمہور کا قول فرشتہ ہونے ہی کا ہے۔

نظام تکوینی اور نزولِ سحر:

نظام تکوینی میں فرشتوں کے اوپر حقیقت سحر کا نزول ان کی نزاہت اور معصومیت کے منافی نہیں ہے، خصوصاً جبکہ نزول کا مقصد اصلاح خلق ہو یعنی لوگوں کو سحر و کہانت سے بچانا اور ان کی حقیقت سے واقف کرانا نہ کہ اس پر آمادہ کرنا۔ مجرموں کو پکڑنے یا جرائم کے طریقوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے دیکھا گیا ہے کہ انسپکٹر اور خفیہ پولیس کے افراد جرائم کی عملی واقفیت حاصل کرنے کے لئے وہ سب طریقے استعمال کرتے ہیں جو ایک مجرم اختیار کر سکتا ہے، مثلاً رشوت خور افسر کو پکڑنے کے لئے نشان زدہ سکے یا نوٹ رشوت میں افسر کو دیتے ہیں تاکہ رشوت خور کو رنگے ہاتھوں پکڑا جائے، چور کو پکڑنے کے لئے چوروں کے گروہ میں شامل ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان کا مقصد خود جرم کرنا نہیں ہوتا، بلکہ اپنی مکمل واقفیت سے مجرموں کو جرم سے باز رکھنا ہوتا ہے، نہ کہ رشوت لینے کے راستے اور طریقے بتانا۔

هَارُوتَ وَمَارُوتَ : یہ بابل میں مقیم دو فرشتوں کے نام ہیں، جو اپنی اصلیت کے اعتبار سے فرشتے ہی تھے، لیکن جب ایک خاص مقصد اور غرض کے لئے انسانوں کے درمیان رہنے بسنے کے لئے بھیجے گئے، تو ظاہر ہے کہ ان کی شکل و شبہت رنگ و روپ، جسم و قالب انسانوں کا سا ہوگا، اور ان کی عادتیں اور جذبات بھی بالکل انسانوں ہی جیسے ہوں گے، بعض اہل تفسیر نے یہاں ایک اسرائیلی قصہ عراق کی مشہور رقاصہ زہرہ کا بیان کیا، جس کی تفصیل گزر چکی ہے، اول تو آیت کی تفسیر اس قصہ پر موقوف نہیں، دوسرے خود محدثین و محققین مفسرین نے اس کی صحت سے بالکل انکار کیا ہے، اور صاف لکھ

دیا ہے کہ یہ قصہ گھڑا ہوا، لغو اور مردود ہے، اس گروہ میں قاضی عیاض مالکی، امام رازی، شہاب الدین عراقی، وغیرہ شامل ہیں، اور ابن کثیر نے تو بڑی لمبی بحث کے بعد یہ کہہ دیا ہے کہ اگرچہ یہ قصہ بڑے بڑے تابعین نے نقل کیا ہے لیکن اس کی سند حدیث صحیح سے ذرا بھی نہیں ملتی، بلکہ اسرائیلیات پر ہی ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر بالفرض صحیح ہو بھی تو جب کسی خاص حکمت و مصلحت سے کسی فرشتے کو پیکر انسانی اور جذبات بشری دیئے گئے ہوں تو اگر کسی وقت وہ ملکوتی الاصل بشری جذبات سے مغلوب بھی ہو جائے تو اس میں نہ تو شرعی استحالہ ہے اور نہ عقلی۔

یُعَلِّمَانِ تعلیم کے متعارف مفہوم کی بناء پر اس لفظ سے یہ شبہ نہ ہو کہ ملائکہ سحر کا درس دیا کرتے تھے، اس لئے کہ تعلیم کے معنی سکھانے اور درس دینے کے علاوہ اعلام یعنی جتلانے اور بتلانے، آگاہ کرنے کے بھی آتے ہیں۔

وَالْتَعْلِيمُ رُبَّمَا يُسْتَعْمَلُ فِي مَعْنَى الْإِعْلَامِ. (راغب)

چنانچہ ماہرین قرآن کی ایک جماعت نے یہی معنی مراد لئے ہیں۔ (والتعلیم بمعنی اعلام) (معالم) وقالت طائفة هو معنا بمعنی يُعَلِّمَانِ بالتخفيف فهو من باب الإِعلام (بحر) اور ایک قراءت بھی مصدر اعلام کے ساتھ منقول ہے (وَقَرَأَ طَلْحَةُ بْنُ مَسْرُوفٍ يُعَلِّمَانِ بِالتَّخْفِيفِ مِنَ الْإِعْلَامِ. (روح)

سحر اور معجزے میں فرق:

جس طرح انبیاء علیہم السلام کے معجزات یا اولیاء اللہ کی کرامات سے ایسے واقعات مشاہدے میں آتے ہیں جو عادی نہیں ہو سکتے، اسی لئے ان کو خرق عادت کہا جاتا ہے، بظاہر سحر اور جادو سے بھی ایسے ہی آثار مشاہدے میں آتے ہیں، اس لئے بعض ناواقف کاروں کو ان دونوں میں التباس بھی ہو جاتا ہے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں جبلاء معجزہ اور جادو میں فرق نہیں کر پاتے تھے اور دونوں کو ایک سمجھنے کی وجہ سے ساحروں اور جادوگروں کی بھی ویسی عزت و توقیر کرتے تھے جیسی کہ انبیاء علیہم السلام کی، معجزے اور جادو کے فرق کو ہی واضح کرنے کے لئے ہاروت و ماروت کو بابل میں بھیجا گیا تھا۔

یہ فرق ایک تو حقیقت کے اعتبار سے ہے اور ایک ظاہری آثار کے اعتبار سے، حقیقت کا فرق تو یہ ہے کہ جادو سے جو چیزیں مشاہدے میں آتی ہیں وہ دائرۂ اسباب سے خارج نہیں ہوتیں، فرق صرف اسباب کے ظہور و خفا کا ہے، جہاں اسباب ظاہر ہوتے ہیں وہ آثار ان اسباب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں اور کوئی تعجب کی چیز نہیں سمجھی جاتی لیکن جہاں اسباب مخفی ہوں تو وہ تعجب خیز چیز ہوتی ہے اور عوام اسباب کو نہ جاننے کی وجہ سے اس کو خرق عادت سمجھنے لگتے ہیں، حالانکہ وہ درحقیقت دیگر تمام عادی امور کی طرح کسی جن یا شیطان یا کسی مخفی سبب کے اثر سے ہوتے ہیں، اگر ایک خط مشرق بعید سے آج ہی کا لکھا ہوا اچانک سامنے آگرے تو دیکھنے والے اس کو خرق عادت کہیں گے، حالانکہ جنات و شیطین کو ایسے اعمال و افعال کی قوت دی گئی ہے، اگر ان کا ذریعہ معلوم ہو تو پھر خرق عادت نہیں رہے گا، ریڈیو، ٹیلی ویژن، فیکس کے اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو یہ خرق عادت ہوں گے، اور

جب ان کے اسباب کا پتہ چل گیا تو اب کوئی حیرت و تعجب کی بات معلوم نہیں ہوتی، دواؤں کی حیرت انگیز تاثیر، عمل تنویم، مقناطیسی کشش، مسمریزم، تاثیر کو اکب اگر ان کے اسباب معلوم نہ ہوں تو یہی چیزیں خرقِ عادت معلوم ہوں گی، اور جب ان کے اسباب معلوم ہو جائیں تو یہ چیزیں خرقِ عادت نہ رہیں گی۔

معجزہ:

بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اس میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے آتش نمرود کو حق تعالیٰ نے حکم دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی ہو جا، مگر ٹھنڈی اتنی کہ ٹھنڈک سے تکلیف نہ ہو۔

آج بھی بعض لوگ بدن پر دوائیں استعمال کر کے آگ پر چل کر کرشمہ دکھاتے ہیں وہ معجزہ نہیں بلکہ دواؤں کا اثر ہوتا ہے، اور دواؤں کے مخفی ہونے کی وجہ سے لوگوں کو خرقِ عادت کا دھوکہ ہوتا ہے، یہ بات کہ معجزہ کا براہِ راست اللہ تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے خود قرآن عزیز کی صراحت سے ثابت ہے، ارشاد فرمایا: وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی (کنکریوں کی مٹھی جو آپ نے پھینکی درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی) معجزہ اور سحر کی حقیقت کا مذکورہ فرق کہ معجزہ بلا واسطہ اسباب طبعیہ براہِ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اور جادو اسباب طبعیہ خفیہ کا اثر ہوتا ہے، حقیقت سمجھنے کے لئے تو کافی ہے مگر عوام الناس کی نظر میں نتیجہ اور انجام کے اعتبار سے دونوں یکساں ہیں، اس کا جواب یہ ہے کہ عوام کی شناخت کے لئے بھی حق تعالیٰ نے کئی فرق ظاہر فرمائے ہیں۔

سحر کی وجہ سے انقلاب ماہیت ہوتا ہے یا نہیں؟

امام راغب، ابو بکر بھصاص انکار کرتے ہیں، معتزلہ کا بھی یہی خیال ہے مگر جمہور علماء کی تحقیق یہ ہے کہ انقلابِ اعیان میں نہ عقلی امتناع ہے اور نہ شرعی مثلاً جسم حیوانی پتھر بن جائے، یا ایک نوع سے دوسری نوع تبدیل ہو جائے، قرآن میں فرعونی ساحروں کے سحر کو جو تخیل قرار دیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سحر تخیل ہے اور بعض حضرات نے سحر کے ذریعہ انقلابِ حقیقت کے جواز پر حضرت کعب احبار کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، جو مؤطا امام مالک میں بروایت قعقہ منقول ہے، لو لا کلمات، اقولھن لجعلنی الیھود حماراً (اگر یہ چند کلمات نہ ہوتے جن کو میں پابندی سے پڑھتا ہوں تو یہودی مجھے گدھا بنادیتے) گدھا بے وقوف کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے مگر بلا ضرورت حقیقت کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا صحیح نہیں ہے، وہ کلمات یہ ہیں: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِیْمِ الَّذِیْ لَیْسَ شَیْءٌ اَعْظَمُ مِنْہُ وَبِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِیْ لَا یَجَاوِزُھُنَّ بُرٌّ وَلَا فَاَجِرٌ وَّ بِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰی کُلِّھَا مَا عَلِمْتُ مِنْہَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَبِرَّاءٍ وَذَرَّءٍ. اخرجہ فی الموطا

باب التَّعْوِذِ عِنْدَ النَّوْمِ اول یہ کہ معجزہ یا کرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتی ہے جن کا تقویٰ، طہارت، پاکیزگی اخلاق و اعمال کا سبب مشاہدہ کرتے ہیں، اس کے برعکس جادو کا اثر صرف ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو گندے ناپاک اور اللہ اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں، یہ چیزیں ہر انسان آنکھوں سے دیکھ کر معجزہ اور سحر میں فرق کو پہچان سکتا ہے۔

کیا سحر کا اثر انبیاء علیہم السلام پر ہو سکتا ہے؟

سحر کا اثر انبیاء پر بھی ہو سکتا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ سحر دراصل اسباب طبعیہ ہی کا اثر ہوتا ہے، انبیاء علیہم السلام اسباب طبعیہ کے اثر سے متاثر ہوتے ہیں، یہ تاثر شانِ نبوت کے خلاف نہیں، جیسے ان کا بھوک پیاس سے متاثر ہونا، بیماری میں مبتلا ہونا اور شفا پانا ظاہری اسباب سے سبب جانتے ہیں، اسی طرح جادو کے باطنی اسباب سے بھی انبیاء علیہم السلام متاثر ہو سکتے ہیں اور متاثر ہونا نبوت کے منافی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ پر یہودی لبید بن عاصم یا اس کی لڑکیوں کا سحر کرنا اور آپ ﷺ کا اس سے متاثر ہونا اور بذریعہ وحی اس جادو کا پتہ لگنا اور ازالہ کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سحر سے متاثر ہونا خود قرآن میں مذکور ہے، آیات يُخَيِّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ اور فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہونا اسی جادو ہی کا اثر تھا۔ (معارف القرآن ملخصاً)

سحر کے احکام:

قرآن و سنت میں جس سحر کو کفر کہا گیا ہے وہ کفر اعتقادی یا کم از کم کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا، اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لئے کچھ اقوال یا اعمال کفر و شرک کے اختیار کئے تو کفر حقیقی اعتقادی ہوگا اور اگر کفر و شرک کے اقوال و افعال سے بچ بھی گیا مگر دوسرے گناہوں کا ارتکاب 'تو کفر عملی سے خالی نہ رہا، قرآن عزیز کی آیات مذکورہ میں جو سحر کو کفر کہا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے کہ یہ سحر حقیقی اعتقادی یا کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سحر کفر اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں ہوتا تو اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہوا، اس پر عمل کرنا بھی حرام ہوا، البتہ مسلمانوں سے دفع ضرر کے لئے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔

(شامی، عالمگیری)

تعویذ گندے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات و شیاطین سے استمداد ہو تو حرام ہے، اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

اگر محض مباح اور جائز امور سے کام لیا جائے تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

اگر قرآن وحدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لئے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں، مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے، اگرچہ وظیفہ اسماء الہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو حرام ہے۔ (معارف)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا لِلنَّبِيِّ آمَرٌ مِنَ الْمُرَاعَاةِ وَكَانُوا يَقُولُونَ لَهُ ذَلِكَ وَبِهِ بِلُغَةِ الْيَهُودِ سَبُّ مِنَ الرَّعُونَةِ فَسَرُّوا بِذَلِكَ وَخَاطَبُوا بِهَا النَّبِيَّ فَنَهَى الْمُؤْمِنُونَ عَنْهَا وَقُولُوا بِدَلِّهَا أَنْظَرْنَا أَيْ أَنْظَرْنَا إِيْنَا وَاسْمَعُوا مَا تُؤْمَرُونَ بِهِ بِسَمَاعٍ قَبُولٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ⑤ مُؤَلِّمَهُ بُسُو النَّارِ مَا يُؤَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ مِنَ الْعَرَبِ عَطْفٌ عَلَى أَهْلِ الْكِتَابِ وَبَيْنَ الْبَيَانِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ زَائِدَةٍ خَيْرٍ وَخَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ حَسَدًا لَكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ نُبُوتَهُ مَنْ يَشَاءُ ⑥ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ⑦ وَلَمَّا طَغَى الْكُفَّارُ فِي النَّسْخِ وَقَالُوا إِنَّ مُحَمَّدًا يَأْمُرُ أَصْحَابَهُ الْيَوْمَ بِأَمْرٍ وَيَنْهَى عَنْهُ غَدًا نَزَلَ مَا شَرْطِيَّةٌ نَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ أَيْ نُزِلَ حُكْمُهَا إِمَامًا مَعَ لَفْظِهَا أَوَّلًا وَفِي قِرَاءَةِ بَعْضِ النُّونِ مِنْ أَنْسَخَ أَيْ نَامُرُكَ أَوْ جَبْرَيْلَ بِنَسْخِهَا أَوْ نَنْسَخُهَا نُوْخِرُهَا فَلَا نُزِلَ حُكْمُهَا وَنَرَفَعَ تِلَاوَتَهَا أَوْ نُوْخِرُهَا فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَفِي قِرَاءَةِ بِلَا بِهَمْزٍ مِنَ النَّسِيَانِ أَيْ نُنْسِكُهَا وَنَمْحُهَا مِنْ قَلْبِكَ وَجَوَابُ الشَّرْطِ نَأْتِي بِخَيْرٍ مِنْهَا أَنْفَعُ لِلْعِبَادِ فِي السُّهُولَةِ أَوْ كَثَرَةُ الْإِجْرِ أَوْ مِثْلُهَا فِي التَّكْلِيفِ وَالثَّوَابِ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ⑧ وَبِئْسَ النَّسْخُ وَالتَّبْدِيلُ وَالِاسْتِفْهَامُ لِلتَّقْرِيرِ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُفَعِّلُ فِيهِمَا مَا يَشَاءُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَيْ غَيْرِهِ مِنْ زَائِدَةٍ وَلِيَّ يَحْفَظُكُمْ وَلَا نَصِيرٌ ⑨ يَمْنَعُ عَذَابَهُ عَنْكُمْ إِنْ أَتَيْتُمْ وَلَمَّا سَأَلَهُ أَبُلُ تَكَّةَ إِنْ يُوسِعُهَا وَيَجْعَلُ الْحَسَنَ ذَبَابًا أَمْ بَلْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَى أَيْ سَأَلَهُ قَوْمُهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ قَوْلِهِمْ أَرْنَا اللَّهَ جَهْرَةً وَغَيْرِ ذَلِكَ وَمَنْ يَتَّبِدِلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ أَيْ يَأْخُذُهُ بَدَلُهُ بِتَرْكِ النَّظَرِ فِي الْآيَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَاقْتِرَاحِ غَيْرِهَا فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ⑩ أَخْطَأَ طَرِيقَ الْحَقِّ وَالسَّوَاءِ فِي الْأَضْلِ الْوَسْطِ.

تَرْجُمَہ: اے ایمان والو! تم نبی کو راعنا نہ کہا کرو (راعنا) مُرَاعَاةً سے امر کا صیغہ ہے (صحابہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ) آپ ﷺ سے یہ لفظ کہا کرتے تھے، اور یہ (لفظ) یہودی زبان میں گالی ہے، رَعُونَةُ سے مشتق ہے، یہود اس سے خوش ہوتے تھے، اور خود بھی اس کلمے سے (آپ ﷺ کو) خطاب کرتے تھے، مومنوں کو اس (کلمے کے کہنے) سے منع کر دیا گیا، اور اس کے بجائے انظرنا کہا کرو، یعنی ہمارا خیال رکھے، اور توجہ سے سنا کرو جس بات کا حکم دیا جائے عمل کی نیت سے اور کافروں

کے لئے دردناک عذاب ہے، تکلیف دہ اور وہ آگ ہے، یہ لوگ جنہوں نے حسد کی وجہ سے (دعوت حق قبول کرنے سے) انکار کر دیا، اہل کتاب ہوں یا مشرکین عرب اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے کوئی خیر (مثلاً) وحی نازل ہو، (ولا المشرکین کا عطف) اہل الکتاب پر ہے، اور من بیان یہ ہے۔ (من خیر) میں من زائد ہے، اور اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت (یعنی) نبوت کے لئے خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے، اور جب کفار نے نسخ میں طعن کیا اور کہا کہ محمد اپنے اصحاب کو آج ایک بات کا حکم دیتے ہیں تو دوسرے دن اس سے منع کر دیتے ہیں، تو یہ آیت نازل ہوئی، ہم جس آیت کو منسوخ کر دیں یعنی اس کے حکم کو زائل کر دیں مگر شرط یہ ہے، یا تو مع لفظ کے (یعنی تلاوت اور حکم دونوں کو) یا بغیر لفظ کے (صرف حکم کو) اور ایک قراءت میں نُنسخ، اُنسخ سے نون کے ضمہ کے ساتھ ہے، یعنی تم کو یا جبریل کو اس نسخ کا حکم دیتے ہیں، یا اس کو مؤخر کر دیں تو ہم اس کے حکم کو زائل (منسوخ) نہیں کرتے، اور اس کی تلاوت اٹھالیتے ہیں یا اس کو لوح محفوظ میں مؤخر (موقوف) کر دیتے ہیں، اور ایک قراءت میں بغیر ہمزہ کے ہے (نُنسخہا) نسیان سے مشتق ہے، اور اس کو ہم آپ کے قلب سے مٹا دیتے ہیں، اور جواب شرط، نَسَاتِ بِخَيْرٍ مِنْهَا ہے تو ہم اُس سے بہتر لاتے ہیں، (یعنی) جو بندوں کے لئے (عملاً) سہولت کے اعتبار سے یا کثرتِ اجر کے اعتبار سے زیادہ نافع ہو یا تکلیف و اجر میں اسی کے برابر ہو، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اسی میں سے نسخ و تبدیل بھی ہے، اور استفہام تقریر کے لئے ہے کیا تم نہیں جانتے کہ زمین و آسمان کی فرمانروائی اللہ ہی کے لئے ہے ان میں جو (تصرف) چاہتا کرتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی مولا ہے جو تمہاری حفاظت کرے اور نہ مددگار، جو تم سے عذاب کو روک سکے اگر تمہارے اوپر آئے (من غیبرہ) میں من زائد ہے، اور جب اہل مکہ نے آپ ﷺ سے یہ سوال کیا کہ (پہاڑوں کو ہٹا کر) مکہ میں وسعت کر دو، اور (کوہ) صفا کو سونے کا بنادو، تو یہ آیت نازل ہوئی تو کیا تم اپنے رسول سے ایسے ہی سوال کرنا چاہتے ہو جیسے ماسبق میں موسیٰ علیہ السلام سے کئے جا چکے ہیں یعنی اُن کی قوم نے ان سے سوال کئے، مثلاً ان کا یہ سوال کہ ہم کو اللہ کا پچشم سردیدار کرادو وغیرہ (سنو) سو جس نے ایمان کو کفر سے بدلا یعنی ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کیا، واضح آیتوں میں غور و فکر کو ترک کر کے، اور ان آیات کے علاوہ کی جستجو میں لگا، تو وہ راہِ راست سے بھٹک گیا، یعنی راہِ حق سے خطا کر گیا، اور سَوَاء دراصل وسطیٰ کو کہتے ہیں۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيكِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُمْ: لَا تَقُولُوا رَاعِنَا، رَاعٍ، مُرَاعَاةٌ (مفاعلة) سے امر واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے، نا ضمیر مفعول ہے، ہمارا خیال رکھئے، ہماری رعایت کیجئے، عبرانی زبان میں راعن بے وقوف کو کہتے ہیں، یہ رعونت سے مشتق ہے جس کے معنی جمع کے ہیں، الف ندا کا ہے، اے بے وقوف، راعی چرواہے کو بھی کہتے ہیں، یہود تحقیر و استہزاء کے طور پر زبان دبا کر جب رَاعِنَا

بولتے تھے تو رَاعَيْنَا ہو جاتا تھا، جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا۔
قَوْلٌ: أُنْظُرِ إِلَيْنَا مفسر علام نے اُنْظُرْنَا کی تفسیر اُنْظُرِ إِلَيْنَا سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ کلام حذف کے ساتھ ہے اس سے اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ اُنْظُرْ لازم ہے اور یہاں متعدی استعمال ہوا ہے، اس لئے کہ نا اس کا مفعول ذکر کیا گیا ہے، اور ان لوگوں پر بھی رد ہو گیا جو اُنْظُرْنَا کو انتظرنا کے معنی میں لیتے ہیں۔ (ترویج الادواح)
قَوْلٌ: مَا تُؤْمَرُونَ بِهِ یہ حذف مفعول کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلٌ: مَا يَوْذُ، مَا نَافِيَهُ ہے، يَوْذُ، مَوَدَّةٌ سے جمع مذکر غائب مجزوم، آرزو کریں گے، خواہش کریں گے۔
قَوْلٌ: مِنَ الْعَرَبِ مِنَ الْعَرَبِ کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو رفع کرنا ہے۔
 اعتراض: اہل الکتاب بھی مشرک تھے اس پر وَلَا الْمُشْرِكِينَ کا عطف کیا، یہ عطف اشئ علی نفسہ ہے۔
 جواب: مشرکین سے غیر اہل کتاب مشرکین مرا ہیں جو کہ عرب ہیں۔

قَوْلٌ: أَنْ يُنْزَلَ یہ يَوْذُ کا مفعول ہے۔
قَوْلٌ: مَا شَرْطِيهِ مَا نَنْسَخُ کا مفعول مقدم ہے اور شرطیہ ہے نہ کہ موصولہ کہ اس کے صلہ میں ضمیر کی ضرورت ہو۔
قَوْلٌ: نُزْلَ حُكْمِهَا یہ مِنْ آيَةٍ کی صفت ہے۔
قَوْلٌ: إِمَامًا مَعَ لَفْظِهَا أَوْ لَا یعنی کبھی صرف حکم منسوخ ہوتا ہے مگر تلاوت باقی رہتی ہے اور کبھی حکم اور تلاوت دونوں منسوخ کر دی جاتی ہیں۔

قَوْلٌ: أَوْ جِبْرِئِلَ جبریل کا عطف نَامُرُكَ کے کاف پر ہے، یعنی ہم نسخ کا حکم آپ ﷺ کو یا جبریل علیہ السلام کو کرتے ہیں۔ (ترویج الادواح)

قَوْلٌ: نَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ، نَنْسَخُ جمع متکلم مضارع مجزوم (ف) نَسَخًا مٹانا، زائل کرنا۔
قَوْلٌ: وَفِي قِرَاءَةٍ، نُنْسخُ باب (افعال) سے مضارع جمع متکلم، اس صورت میں نُنْسخُ متعدی ہوگا یعنی ہم مٹانے کا یا زائل کرنے کا حکم کرتے ہیں، مفسر علام نے نَامُرُكَ اور جِبْرِئِلَ مقدر مان کر، اسی قراءت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلٌ: نُنْسخُهَا یہ اِنْسَاءُ (افعال) سے جمع متکلم مضارع ہا مفعول بہ، اصل میں نُنْسخُهَا ہم اس کو فراموش کر دیتے ہیں۔
قَوْلٌ: وَفِي قِرَاءَةٍ بِلَا هَمْزٍ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفسر علام کے سامنے قرآن کریم کا جو نسخہ ہے وہ نُنْسخُهَا، مع الهمزة والا ہے، اسی وجہ سے فرمایا بلا ہمز، ہمارے سامنے جو نسخہ ہے اور یہاں ہمارے اطراف میں یہی نسخہ رائج ہے، وہ بلا ہمز والا ہی ہے، نُنْسخُهَا یہ اِنْسَاءُ سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں مؤخر کرنا، بولا جاتا ہے نَسَاءُ اللّٰهُ فِيْ اَجَلٍ اللّٰهُ نے اس کی عمر مؤخر کر دی، یعنی عمر بڑھا دی، یہ ہمزہ والی قراءت کی تفسیر ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلٌ: أَوْ نُنْسخُهَا اگر نُنْسخُهَا نسیان سے ہو تو متعدی بیک مفعول ہوگا، یعنی ہم اس کو بھول جاتے ہیں اور اگر اِنْسَاءُ سے ماخوذ ہو تو متعدی بدو مفعول ہوگا، اس لئے کہ اِنْسَاءُ متعدی بدو مفعول ہے، ایک مفعول، نُنْسخُهَا میں ضمیر خطاب کاف ہے،

اور دوسرا مفعول ہاضمیر ہے جو آیت کی طرف راجع ہے، ہم تم کو وہ آیت بھلا دیتے ہیں، مفسر علام نے وَمَنْحُهَا مِنْ قَلْبِكَ کا اضافہ کر کے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

فَائِدَة: اگر مفسر علام فی قراءۃ بلاہمز کے بجائے وفی قراءۃ بِضَمِّ النون والسین کہتے تو مراد زیادہ واضح ہوتی، اس لئے کہ مفسر علام کی عبارت میں ایک دوسری قراءت کا بھی احتمال ہے جو فاسد ہے، اور وہ نَنْسَهَا بفتح النون والسین ہے، یہ صورت لفظاً اور معنی دونوں طرح فاسد ہے، لفظاً تو اس لئے کہ یہ قراءت منقول نہیں، معناً اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے صدور نسیان کا مقتضی ہے۔

قَوْلُهُ: مِنَ النَّسْيَانِ بہتر ہوتا کہ من الانساء کہتے، اس لئے کہ رباعی کا مصدر جو کہ زیر بحث ہے انساء ہے نہ کہ نسیان۔ (جمل)

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

شان نزول:

لَا تَقُولُوا رَاعِنَا اے ایمان والو! تم رَاعِنَا نہ کہا کرو بلکہ اُنظُرْنَا کہا کرو، رَاعِنَا کے معنی ہیں ہمارا خیال رکھئے، جب متکلم کی کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو سامع اس لفظ کے ذریعہ متکلم کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، لیکن یہودی اپنے بغض و عناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر بولتے جس کی وجہ سے اس کے معنی تبدیل ہو جاتے تھے، اس سے وہ اپنے جذبہ عناد کی تسکین کرتے، مثلاً رَاعِنَا کو ذرا کھینچ کر بولتے تو رَاعِنَا ہو جاتا، جس کے معنی ہیں ہمارا چرواہا، یا رَاعِنُ حماقت اور بے وقوفی کو بھی کہتے ہیں، یہ رَعُونَۃ سے مشتق ہے اور الف اس میں اشباع کا ہے، اس کے علاوہ یہودی زبان میں رَاعِنَا گالی کا کلمہ بھی تھا، جیسا کہ یہود السلام علیکم کی بجائے السام علیکم (تم پر موت ہو) کہتے تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے مسلمانو! تم یہ کلمہ نہ کہا کرو، بلکہ ابتداء ہی سے بغور سنتے رہا کرو تا کہ اس کلمہ کے کہنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔

مذکورہ واقعہ بعض روایتوں میں کچھ تھوڑی تبدیلی کے ساتھ منقول ہوا ہے، وَأَخْرَجَ أَبُو نُعَيْمٍ فِي الدَّلَائِلِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا قَالَ: أَبُو نُعَيْمٍ نے ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا سے روایت کرتے ہوئے فرمایا کہ رَاعِنَا یہودی زبان میں قبیح قسم کی گالی تھی، اور یہود اس لفظ کا استعمال آپ ﷺ کی شان میں کیا کرتے تھے، جب صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ نے یہ لفظ سنا تو وہ بھی کلمہ تعظیم سمجھ کر آپ ﷺ کی شان میں اس کلمہ کا استعمال کرنے لگے، اب تک تو یہود اس کلمہ کا استعمال خفیہ طور پر کرتے تھے مگر جب یہود نے دیکھا کہ مسلمان بھی اس کلمہ کو استعمال کرتے ہیں تو یہود نے اس کا استعمال آپ ﷺ کی شان میں اعلانیہ کرنا شروع کر دیا، اور اس کلمہ کو استعمال کر کے آپس میں خوب ہنستے، سعد بن معاذ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ چونکہ یہودی کی

زبان سمجھتے تھے جب سعد بن معاذ رَفِیَ اللہ تَعَالٰی نے یہ کلمہ یہودیوں سے آپ ﷺ کی شان میں سنا تو کہا اگر آئندہ میں نے کسی سے یہ کلمہ سن لیا تو اس کی گردن مار دوں گا۔ (مظہری وفتح القدیر شوکانی) تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا (الآية) ما شرطیہ جازمہ ہے ”نسخ“ لغت میں زائل کرنے اور نقل کرنے کو کہتے ہیں، بولا جاتا ہے نَسَخَتِ الشَّمْسُ الظِّلَّ سورج نے سایہ زائل کر دیا، وَنَسَخْتُ الْكِتَابَ میں نے کتاب نقل کر لی، اور اصطلاح میں انتہاء حکم کو بیان کرنے کو کہتے ہیں، نسخ کی تین صورتیں ہیں: ① تلاوت اور حکم دونوں منسوخ ہوں، مثلاً عَشَرَ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يَحْرُمْنَ ② تلاوت منسوخ، حکم باقی، مثلاً الشَّيْخُ وَالشَّيْخَةُ إِذَا زَنِيَا فَارْجُمُوهُمَا البتة ③ حکم منسوخ، تلاوت باقی، جیسا کہ کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةَ لِلْوَالِدَيْنِ يِ آیت، آیت موارِث (یو صیکم اللہ فی اولادکم، سورہ نساء) اور آپ ﷺ کے قول لَا وَصِيَّةَ لِرِوَارِثٍ سے منسوخ ہے۔

قَوْلِهِمْ: نَامُرُكَ أَوْ جَبْرَيْلَ دونوں میں تلازم ہے، جبرئیل کو نسخ حکم دینا آپ ﷺ کو حکم دینا ہے، اور آپ ﷺ کو حکم دینا جبرئیل کو حکم دینا ہے۔ (صاوی)

شان نزول:

یہودی تورات کو ناقابل تنسیخ سمجھتے تھے، اور قرآن پر بھی انھوں نے بعض احکام کے منسوخ ہونے پر اعتراض کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی، اور فرمایا: زمین و آسمان کی بادشاہی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ جو مناسب سمجھتا ہے کرتا ہے، جس وقت جو حکم اس کی مصلحت و حکمت کے مطابق ہوتا ہے اسے نافذ کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے منسوخ کرتا ہے، یہ اس کی قدرت ہی کا ایک مظاہرہ ہے، بعض قدیم گمراہوں (مثلاً ابومسلم اصفہانی معتزلی) اور آج کے بھی بعض متجددین نے یہودی کی طرح قرآن میں نسخ ماننے سے انکار کیا ہے، مذکورہ آیت میں اسی نظریہ کی تردید کی گئی ہے۔

احکام الہیہ کے نسخ کی حقیقت:

دنیا کی حکومتوں میں کسی حکم کو منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دینا مشہور و معروف ہے، لیکن انسانوں کے احکام میں کبھی نسخ اس لئے ہوتا ہے کہ مثلاً پہلے کسی غلط فہمی کی وجہ سے ایک حکم جاری کر دیا گیا بعد میں حقیقت معلوم ہوئی اور وہ حکم مناسب حال نہ رہا تو اس حکم کو بدل دیا، اور کبھی اس وجہ سے ہوتا ہے کہ جس وقت یہ حکم جاری کیا گیا تھا اس وقت کے حالات کے مناسب تھا اور آئندہ آنے والے حالات کا اندازہ نہیں تھا، جب حالات بدلے تو حکم بھی بدلنا پڑا، یہ دونوں صورتیں احکام خداوندی میں نہیں ہو سکتیں۔

ایک تیسری صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ حکم دینے والے کو اول ہی سے یہ معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے، اور اس وقت یہ حکم مناسب نہ ہوگا دوسرا حکم دینا ہوگا، یہ جانتے ہوئے بھی آج ایک حکم دیدیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی قرار دادِ سابق کے مطابق حکم بھی بدل دیا اس کی مثال ایسی ہے کہ مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر طبیب دوا تجویز کرتا ہے اور جانتا ہے کہ دو روز اس دوا کے استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدلے گا، اس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنی ہوگی۔

ماہر طبیب یہ بھی کر سکتا ہے کہ پہلے ہی دن پورے علاج کا نظام لکھ کر دیدے اور ہدایت کر دے کہ دو روز تک یہ دوا استعمال کرنا اور پھر تین روز تک فلاں دوا استعمال کرنا اور پھر ایک ہفتہ بعد فلاں دوا، لیکن یہ مریض کی طبیعت پر بلاوجہ ایک بار ڈالنا ہے، اس میں غلط فہمی کی وجہ سے خلل کا بھی اندیشہ ہے اس لئے طبیب پہلے ہی سے پوری تفصیل نہیں بتاتا۔

اللہ تعالیٰ شانہ کے احکام میں اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں میں صرف یہی آخری صورت نسخ کی ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے، بعد میں نازل ہونے والی ہر کتاب نے سابقہ نبوت و شریعت کے بہت سے احکام کو منسوخ کر کے نئے احکام جاری کئے اور اسی طرح ایک ہی نبوت اور شریعت میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے، کہ کچھ عرصہ تک ایک حکم جاری رہا پھر بتقاضائے حکمت خداوندی اس کو بدل کر دوسرا حکم نافذ کر دیا گیا، صحیح مسلم کی حدیث میں ہے: لَمْ تَكُنْ نُبُوَّةُ قَطُّ إِلَّا تَنَاسُخَتْ (مسلم) یعنی کوئی نبوت نہیں آئی جس نے احکام میں نسخ اور رد و بدل نہ کیا ہو۔ (قرطبی، معارف)

نسخ کی تعریف میں متقدمین اور متاخرین کے درمیان فرق:

چونکہ نسخ کے اصطلاحی معنی تبدیلی حکم کے ہیں اور یہ تبدیلی جس طرح ایک حکم کو بالکل منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم لانے میں ہے جیسے بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کو قبلہ بنا دینا، اسی طرح کسی مطلق یا عام حکم میں کسی قید و شرط کو بڑھا دینا بھی ایک قسم کی تبدیلی ہے، متقدمین نے نسخ کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے، جس میں کسی حکم کی پوری تبدیلی بھی داخل ہے اور جزوی تبدیلی بھی مثلاً قید و شرط یا استثناء وغیرہ اس میں شامل ہے، اسی لئے متقدمین کے نزدیک قرآن میں آیات منسوخہ کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی۔

حضرات متاخرین نے صرف اس تبدیلی کو نسخ کہا جس کی پہلے حکم کے ساتھ کسی طرح تطبیق نہ ہو سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علامہ سیوطی نے صرف بیس آیتوں کو منسوخ قرار دیا اور ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی تطبیق کی صورت پیدا کر کے صرف پانچ آیتوں کو منسوخ قرار دیا، جن میں کوئی تطبیق تاویل بعید کے بغیر نہیں ہو سکتی تھی۔

نسخ کے بارے میں جمہور کا مسلک:

جمہور کا مذہب وقوع نسخ کا ہے، گو ایک طبقہ عدم نسخ کا بھی قائل رہا ہے (ویسروی عن بعض المسلمین انکار النسخ واحتج الجمہور من المسلمین علی جواز النسخ ووقوعہ (کبیر) والمسلمون کلہم متفقون علی جواز

النسخ فی احکام اللہ تعالیٰ لما له فی ذلك من الحکمة البالغة و کلهم قالوا بوقوعه. (ابن کثیر)

اَمْ تُرِيدُوْنَ اَنْ تَسْئَلُوْا (الآیة) اس آیت میں مسلمانوں (صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ) کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم یہود کے مانند اپنے پیغمبر سے ازراہ سرکشی غیر ضروری سوالات مت کیا کرو اس میں اندیشہ کفر ہے، صورت یہ تھی کہ یہودی موشگافیاں کر کر کے طرح طرح کے سوالات مسلمانوں کے سامنے پیش کیا کرتے تھے، اور انھیں اکسایا کرتے تھے کہ اپنے نبی سے یہ سوال کرو یہ پوچھو یہ معلوم کرو اس پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو متنبہ فرما رہا ہے کہ اس معاملہ میں یہودیوں کی روش اختیار کرنے سے بچو۔

بعض مفسرین نے مذکورہ آیت کا مخاطب یہود کو قرار دیا ہے نَزَلَتْ فِی الْیَہُودِ. (معالم)

اس آیت کے بارے میں تین قول نقل ہوئے ہیں: ① مخاطب مسلمان ہیں ② مخاطب اہل مکہ ہیں ③ مخاطب یہود ہیں، اِخْتَلَفُوا فِی الْمَخَاطَبِ بِہِ عَلٰی وَجُوْہِ اَحَدِہَا اَنْہُمْ الْمُسْلِمُوْنَ وَالْقَوْلُ الثَّانِیْ اَنْہِ خُطَابُ لَہْلِ مَکَہِ وَالْقَوْلُ الثَّالِثُ الْمُرَادُ الْیَہُودُ وَہَذَا الْقَوْلُ اَصَحُّ (کبیر) وَرَجَحَ اَنْہُمْ الْیَہُودَ. (بحر)

وَدَّ کَثِیْرٌ مِّنْ اَہْلِ الْکِتَابِ لَوْ نَحْدِثُہٗ بِرِدُّوْنِکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِکُمْ کَفَّارًاۙ حَسَدًاۙ مَّفْعُوْلٌ لَّہٗ کَاِیْنًاۙ مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِہِمۡۙ اِیۡ حَمَلَتْہُمْ عَلَیْہِ اَنْفُسُہِمُ الْخَبِیْثَۃُۙ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَہُمۡ فِی التَّوْرَةِ الْحَقُّۚ فِی شَاۡنِ النَّبِیِّ فَاَعْفُوْا عَنْہُمْ اِیۡ اُتْرُکُوْہِمۡ وَاَصْفَحُوْاۙ اَعْرَضُوْاۤ اَقْلًاۙ تُجَاۡزُوْہِمۡ حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ فِیْہِمۡ مِّنَ الْقِتَالِ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌۙ ۱۹۰ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَآتُوا الزَّکٰوۃَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِکُمْ مِّنْ خَیْرٍ طَاعَۃً کَصَلٰوۃٍ وَصَدَقَۃً تَجِدُوْہُ اِیۡ ثَوَابَہٗ عِنْدَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌۙ ۱۹۱ وَقَالُوا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ کَانَ ہُوْدًاۙ جَمْعُ بَآئِدٍ اَوْ نَصْرٰیۙ قَالَ ذٰلَکَ یَہُودُ الْمَدِیْنَةِ وَنَحْنُ نَرٰی نَجْرَانَ لَمَّا تَنَاطَرُوْا بَیْنَ یَدَیِ النَّبِیِّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِیۡ قَالَ الْیَہُودُ لَنْ یَّدْخُلَہَا اِلَّا الْیَہُودُ وَقَالَ النَّحْرٰی لَنْ یَّدْخُلَہَا اِلَّا النَّحْرٰی تِلْکَ السَّقُوْلَةُ اَمَانِیُّہُمْۙ شَہَوَاتُہُمُ الْبَاطِلَةُۙ قُلْ لَہُمْ هَاتُوْا بُرْہَانَکُمْۙ حُجَّتْکُمْ عَلٰی ذٰلَکَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَۙ ۱۹۲ فِیْہِ بَلٰیۙ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ غَیْرُہِمۡۙ مِّنْ اَسْلَمَ وَجْہَہٗ لِلّٰہِ اِیۡ اِنْتَبَآۤ لَا مَرَدَ وَخُشَّ الْوَجْہُ لِاَنَّهُۥ اَشْرَفُ الْاَعْضَاءِ فغَیْرُہٗ اَوَّلٰی وَہُوَ مُحْسِنٌۙ مُّوَجَّدٌۙ فَلَہٗ اَجْرُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖۙ اِیۡ ثَوَابُ عَمَلِہِ الْجَنَّةُۙ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَۙ ۱۹۳ فِی الْاٰخِرَۃِ.

تَرْجُمہ: اور اہل کتاب میں سے اکثر یہ چاہتے ہیں کہ کسی طرح تمہیں ایمان سے کفر کی طرف پھیر دیں، اس حسد کی وجہ سے جو خود ان کی طرف سے ہے، حَسَدًا مَفْعُوْلٌ لَّہٗ ہے (یعنی بلا وجہ) حسد پر ان کو ان کے خبیث نفس نے آمادہ کیا ہے، اس کے باوجود کہ تورات میں نبی کی بابت ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے (اس کے باوجود) تم

عفو و درگزر سے کام لو، اور نظر انداز کرو اور ان سے بدلہ نہ لو، تا آن کہ ان سے قتال کے بارے میں خود اللہ کا حکم آجائے، بلاشبہ وہ ہر شئی پر قادر ہے، نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ ادا کرو اور اپنے لئے جو بھلائی مثلاً نماز، صدقہ، تم آگے بھیجو گے تو تم اس کو یعنی اس کے اجر کو اللہ کے پاس پاؤ گے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ اللہ کی نظر میں ہے وہ اس کا تم کو اجر دے گا، ان کا کہنا ہے کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ کوئی نہ جائے گا، ہُود، ہائد کی جمع ہے، یہ بات مدینہ کے یہودیوں اور نجران کے نصاریٰ نے اس وقت کہی جب ان دونوں فریقوں نے آپ ﷺ کے سامنے مناظرہ کیا، یہود نے کہا: یہود کے سوا جنت میں کوئی نہ جائے گا، اور نصاریٰ نے کہا: نصاریٰ کے علاوہ کوئی جنت میں نہ جائے گا، یہ باتیں ان کی تمنائیں ہیں (یعنی باطل خواہشیں ہیں) آپ ان سے کہئے کہ اس بات پر اپنی دلیل پیش کرو، اگر تم اس دعوے میں سچے ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَدَّ ماضی واحد مذکر غائب (س) مصدر وَدَّ، مَوَدَّةٌ چاہنا، آرزو کرنا۔

قَوْلًا: لَوْ مَصْدَرِيَّةٌ لَوْ حرف مصدری ہے جب فعل کے بعد واقع ہوتا ہے تو تمنی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے وَدَّ کثیر رَدَّ کم الخ رَدَّ چونکہ صیغہ کے معنی میں ہے، دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے، مفعول اول کُم ہے، اور ثانی کُفَّارًا ہے۔

قَوْلًا: كَانُوا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مفسر غلام نے کائناتاً مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ کائناتاً محذوف کے متعلق ہو کر حَسَدًا کی صفت ہے۔

قَوْلًا: مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ، مِنْ بَعْدِ، وَدَّ کے متعلق ہے، اور مَا مصدریہ ہے اِی بَعْدَ تَبَيَّنَ الْحَقِّ لَهُمْ۔

قَوْلًا: هُودٌ جمع هَائِدٍ، هَائِدٌ بمعنی تائب ابتداءً اس شخص کو ہائد کہتے تھے جس نے گوسالہ پرستی سے توبہ کر لی تھی، بعد میں پوری قوم کے لئے علم کے طور پر استعمال ہونے لگا، اس میں ایک اعتراض کے جواب کی طرف بھی اشارہ ہے۔

اعتراض: مَنْ كَانَ هُودًا. كَانَ کے اندر ضمیر مفرد کان کا اسم اور هُودًا کان کی خبر ہے، جو کہ جمع ہے حالانکہ اسم و خبر میں مطابقت ضروری ہے۔

جواب: کان کے اسم کے مفرد لانے میں لفظ مَنْ کی رعایت کی گئی ہے، اور هُودًا کے جمع لانے میں مَنْ کے معنی کی رعایت کی گئی ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

عمار بن یاسر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ اور حذیفہ بن الیمان رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ غزوہٴ احد سے جب لوٹ رہے تھے تو یہودی کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی، یہود نے کہا: کیا ہم نے تم سے نہیں کہا تھا کہ یہودی مذہب حق ہے؟ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ سب باطل ہے اگر محمد کا دین حق ہوتا تو ان کے اصحاب قتل نہ کئے جاتے، حالانکہ محمد ﷺ کا دعویٰ ہے کہ جب وہ قتال کرتے ہیں تو اللہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، تو عمار بن یاسر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے جواب دیا کہ عہد شکنی کا تمہارے یہاں کیا حکم ہے، یہود نے جواب دیا: نہایت بری ہے، تو حضرت عمار رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے فرمایا کہ میں محمد ﷺ سے ان کی اتباع پر تا موت عہد کر چکا ہوں، یہود نے کہا: عمار بے دین ہو گیا، اور حضرت حذیفہ نے جواب دیا: رَضِيتُ بِاللَّهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَالْكَعْبَةِ قِبْلَةً، وَالْقُرْآنَ أَمَامًا، وَالْمُؤْمِنِينَ إِخْوَانًا چنانچہ یہ حضرات واپس پہنچے اور اس واقعہ کی خبر آنحضرت ﷺ کو دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: أَصَبْتُمَا الْخَيْرَ وَأَفْلَحْتُمَا (تم خیر کو پہنچے اور کامیاب ہوئے) اس کے بعد وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ نَازِلَ هُوَی۔ (صاوی)

اے مسلمانو! تم کو واپس کفر کی طرف لیجانے کی یہودی خواہش اور تمنا کسی خیر خواہی اور ہمدردی کے جذبہ کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ مسلمانوں سے عناد اور حسد کی وجہ سے ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان پر اسلام کا حق ہونا اور محمد ﷺ کا نبی برحق ہونا واضح ہو گیا ہے، اس کے باوجود ایمان نہیں لائے لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ صبر اور عفو و درگزر سے کام لیتے رہیں، ان کے حسد و عناد کو دیکھ کر مشتعل نہ ہوں، ان سے بحث و مباحثہ کرنے میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں، اور صبر کے ساتھ دیکھتے رہیں کہ اللہ ان کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

عموماً مفسرین نے شان نزول کے مخصوص واقعہ کی وجہ سے یہاں اہل کتاب سے یہود یا احبار یہود مراد لئے ہیں، لیکن وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ کے قرآنی الفاظ عام ہیں، اس عموم میں یہود و نصاریٰ دونوں داخل ہیں، مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا زبردست اور منظم اور علماء یہود کی طرف سے نسبتہ ہلکا اور مخفی پروپیگنڈہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف، سیاسی، معاشرتی، تاریخی غرضیکہ ہر قسم کا جاری رہتا ہے، وہ سب اسی حقیقت کے مظاہر ہیں، ان تمام سرگرمیوں اور کوششوں کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ مسلمان اگر مسیحیت اور یہودیت کو قبول نہ بھی کریں تو کم از کم اپنے دین کی طرف سے ضرور برگشتہ اور بدگمان ہو جائیں۔

تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ (الآیہ) یعنی دراصل ان کی یہ باتیں ہیں تو محض ان کے دلوں کی خواہشیں اور آرزوئیں مگر وہ انہیں بیان اس طرح کر رہے ہیں کہ گویا فی الواقع اسی طرح ہونے والا ہے۔

اللہ کے یہاں قوم و نسل کی قیمت نہیں ایمان اور عمل صالح کی قیمت ہے:

کوئی بھی شخص محض قومیت کے زعم میں خود کو جنت کا ٹھیکیدار سمجھ لے تو یہ صرف اس کی خود فریبی ہے، جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی بھی قوم، نسل یا علاقہ اور وطن کی بنیاد پر مقبول و مقرب نہیں بن سکتی جب تک اس میں ایمان و عمل صالح کی روح موجود نہ ہو۔

پھر اصول ایمان تو ہر رسول کے زمانہ میں مشترک اور یکساں رہے ہیں، البتہ عمل صالح کی شکلیں اُلتی بدلتی رہتی ہیں، تورات کے زمانہ میں عمل صالح وہ سمجھا گیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی تعلیم کے مطابق تھا، انجیل کے دور میں یقیناً عمل صالح وہی عمل تھا جو حضرت عیسیٰ اور انجیل کی تعلیم سے مطابقت رکھتا تھا، اور قرآن کے زمانہ میں وہی عمل صالح کہے جانے کا مستحق ہے جو نبی آخر الزمان محمد ﷺ کے فرمان اور اللہ کی کتاب قرآن کی ہدایت کے مطابق ہوگا۔

مطلب یہ کہ یہود و نصاریٰ کے اس اختلاف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں قومیں جہالت کی باتیں کر رہی ہیں، دونوں میں سے کوئی بھی جنت کا ٹھیکیدار نہیں اور نہ ہی دونوں کے مذہب بے بنیاد اور بے اصل ہیں، بلکہ دونوں مذہبوں کی صحیح بنیاد موجود ہے۔

غلط فہمی کا سبب:

غلط فہمی کا اصلی سبب یہ ہے کہ انھوں نے مذہب و ملت کی اصل روح یعنی عقائد و اعمال و نظریات کو چھوڑ کر نسلی یا وطنی بنیاد پر کسی قوم کو یہود ٹھہرایا اور کسی کو نصرانی سمجھا، جو یہود کی نسل سے تعلق رکھتا ہو یا یہود کے شہر میں بستا ہو یا مردم شماری میں خود کو یہود شمار کراتا ہو اس کو یہود سمجھ لیا گیا، اسی طرح نصرانیوں کی تشخیص و تعیین کی گئی، حالانکہ اصول ایمان کو توڑ کر اور اعمال صالحہ سے منہ موڑ کر نہ کوئی یہودی، یہودی رہتا ہے اور نہ نصرانی، نصرانی۔

قرآن کریم میں اس اختلاف اور اس فیصلہ کا ذکر مسلمانوں کو سنانے اور متنبہ کرنے کے لئے ہے کہ کہیں وہ بھی اس قسم کی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ ہم تو پشتی مسلمان ہیں ہر دفتر اور رجسٹر میں ہمارا نام مسلمان کے خانہ میں درج ہے اور زبان سے بھی خود کو مسلمان کہتے ہیں، اس لئے جنت کے نیزان تمام انعامی وعدوں کے وہی مستحق ہیں جو نبی کریم ﷺ کے ذریعہ مسلمانوں سے کئے گئے۔

اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ کوئی شخص نہ محض دعوے سے حقیقی مسلمان بنتا ہے نہ مسلمان نام درج کرانے سے یا مسلمان کی صلب یا ان کے کسی شہر میں پیدا ہونے سے بلکہ مسلمان ہونے کے لئے اول اسلام ضروری ہے، اور اسلام کے معنی ہیں اپنے آپ کو سپرد کر دینا دوسرے احسان، یعنی عمل سنت کے مطابق کرنا۔

لیکن قرآن کی اس تنبیہ کے باوجود بہت سے مسلمان اسی یہودی اور نصرانی غلطی کا شکار ہو گئے کہ خدا اور رسول اور آخرت و قیامت سے بالکل غافل رہ کر اپنا نسلی مسلمان ہونا مسلمان ہونے کے لئے کافی سمجھنے لگے اور قرآن و حدیث میں فلاح دین و آخرت کے جو وعدے مسلمانوں سے کئے گئے ہیں خود کو ان کا مستحق سمجھ کر ان کے پورے ہونے کا انتظار کرنے لگے، اور جب وہ پورے ہوتے نظر نہیں آتے تو قرآن و حدیث کے وعدوں میں شک کرنے لگے، اس کو نہیں دیکھتے کہ قرآن نے محض نسلی مسلمانوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا، جب تک وہ اپنے تمام ارادوں کو اللہ اور اس کے رسول کے تابع نہ کر دیں، یہی خلاصہ ہے آیت مذکورہ بلی من اسلم وجهہ للہ وهو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا هم یحزنون کا۔

آج کل پوری دنیا کے مسلمان مصائب کا شکار کیوں؟

آج کل پوری دنیا کے مسلمان طرح طرح کے مصائب و مشکلات کا شکار ہیں، اس کو دیکھ کر بہت سے ناواقف لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید ان آفات و مصائب کا سبب اسلام ہے، لیکن مذکورہ تحریر سے واضح ہو گیا کہ ان کا اصل سبب ہمارا اسلام نہیں بلکہ ترک اسلام ہے کہ ہم نے اسلام کا صرف نام باقی رکھا ہے، نہ اسلام کے عقائد ہمارے اندر نہ اخلاق نہ اعمال، پھر ہمیں کیا حق ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے وعدوں اور انجاموں کا ہم انتظار کریں۔

ایک شبہ اور اس کا جواب:

یہاں ایک (شبہ) سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کچھ بھی سہی کم از کم نام تو اسلام کا لیتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے نام لیا تو ہیں اور جو کفار کھلے طور پر اللہ و رسول کی مخالفت کرتے ہیں، اسلام کا نام لینا بھی پسند نہیں کرتے وہ تو آج دنیا میں ہر طرح کی ترقی کر رہے ہیں، بڑی بڑی حکومتوں کے مالک ہیں، دنیا کی صنعتوں اور تجارتوں کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں؛ لیکن اگر ذرا غور سے کام لیا جائے، تو یہ شبہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔

اول تو اس لئے کہ دوست اور دشمن کے ساتھ معاملہ یکساں نہیں ہوا کرتا، دوست کو قدم قدم پر اور بات بات پر ٹوکا جاتا ہے، اور اولاد اور شاگرد کو ذرا سی بات پر تنبیہ کی جاتی ہے؛ لیکن دشمن کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوتا، اس کو ڈھیل دی جاتی ہے اور وقت آنے پر دفعۃً پکڑ لیا جاتا ہے۔

مسلمان جب تک ایمان و اسلام کا نام لیتا ہے اور اللہ کی عظمت و محبت کا دم بھرتا ہے وہ دوستوں کی فہرست میں داخل ہے، اس کے برے اعمال کی سزا عموماً دنیا ہی میں دیدی جاتی ہے تاکہ آخرت کا بار ہلکا ہو جائے، بخلاف کافر کے کہ اس پر باغیوں کا قانون جاری ہے، دنیا کی ہلکی ہلکی سزاؤں سے اس کا بار عذاب ہلکا نہیں کیا جاتا، ان کو یک لخت عذاب میں پکڑا جائے گا، رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے ”کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے“۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ مُّعْتَدٍ بِهِ وَكَفَرَتْ بِعِيسَى وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ مُّعْتَدٍ بِهِ وَكَفَرَتْ بِمُوسَى وَهُمْ اِى الْفَرِيقَانِ يَتْلُونَ الْكِتَابَ الْمُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ وَفِي كِتَابِ الْيَهُودِ تَضَدِّقُ عِيسَى وَفِي كِتَابِ النَّصَارَى تَضَدِّقُ مُوسَى وَالْجُمْلَةُ حَالٌ كَذَلِكَ كَمَا قَالَ بَنُو لَآءٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ اِى الْمُبَشِّرُ كُونَ بَيْنَ الْعَرَبِ وَغَيْرِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ بَيَانٌ لِّمَعْنَى ذَلِكَ اِى قَالُوا لِكُلِّ ذِي دِينٍ لَيْسُوا عَلَى شَيْءٍ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۳﴾ بَيْنَ اَمْرِ الدِّينِ فَيَدْخُلُ الْمُحِقُّ الْجَنَّةَ وَالْمُبْطِلُ النَّارَ وَمَنْ اَظْلَمُ اِى لَا اَحَدًا اَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسِيحَ الدِّينِ اَنْ يُذَكِّرَ فِيهَا اسْمَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالتَّسْبِيحِ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا بِالْمُهْدَمِ اَوْ التَّعْطِيلِ نَزَلَتْ اِخْبَارًا عَنِ الرُّومِ الَّذِينَ خَرَبُوا بَيْتَ الْمَقْدِسِ اَوْ فِي الْمَشْرِكِينَ لَمَّا صَدَّوْا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ الْحُدَيْبِيَّةِ عَنِ الْبَيْتِ اُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَدْخُلُوْهَا اِلَّا خَافِيْنَ خَبَرٌ بِمَعْنَى الْاَمْرِ اِى اَخِيفُوْهُمْ بِالْجِهَادِ فَلَا يَدْخُلُهَا اَحَدٌ اِيْنَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خَرْبٌ بِهَوَانٍ بِالْقَتْلِ وَالشَّيْءِ وَالْجَزِيَةِ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ بُو النَّارِ وَنَزَلَ لِمَا طَعَنَ الْيَهُودُ فِي نَسْخِ الْقِبْلَةِ اَوْ فِي الصَّلٰوةِ النَّافِلَةِ عَلَى الرَّاحِلَةِ فِي سَفَرٍ حَيْثُمَا تَوَجَّهَتْ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اِى الْاَرْضُ كُلُّهَا لَانَّهُمَا نَاجِيَتَابَا فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا وَجُوبَكُمْ فِي الصَّلٰوةِ بِاَمْرِهٖ فَتَمَّ بُنَاكَ وَجْهَ اللّٰهِ قِبَلَتُهُ الَّتِي رَضِيَهَا اِنَّ اللّٰهَ وَّاسِعٌ يَسَعُ فَضْلُهُ كُلَّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۵﴾ بِتَدْبِيرِ خَلْقِهِ وَقَالُوا بِوَاوٍ وَدُونِهَا اِى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَمَنْ زَعَمَ اَنْ الْمَلَكَةَ بَنَاتُ اللّٰهِ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا قَالَ تَعَالٰى سُبْحٰنَهُ تَنْزِيْهًا لِّهٖ عَنْهُ بَلْ لَّهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِلَا وَخَلْقًا وَعَبِيْدًا وَالْمَلٰكِيَّةُ تُنَافِى الْوَلَادَةَ وَعَبَّرَ بِمَا تَغْلِيْبًا لِّمَا لَا يَعْقِلُ كُلُّ لَّهٗ قَنِتُوْنَ ﴿۱۶﴾ مُطِيعُونَ كُلُّ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ وَفِيْهِ تَغْلِيْبُ الْعَاقِلِ.

ترجمہ: یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کے پاس کچھ نہیں یعنی کوئی معتد بہ چیز نہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام کی (نبوت) کے منکر ہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کے پاس کچھ نہیں یعنی کوئی معتد بہ چیز نہیں، اور موسیٰ علیہ السلام کی (نبوت) کے منکر ہیں، حالانکہ یہ دونوں فریق کتاب پڑھتے ہیں، اور یہود کی کتاب (تورات) میں عیسیٰ علیہ السلام کی (نبوت کی) تصدیق موجود ہے، اور نصاریٰ کی کتاب (انجیل) میں موسیٰ علیہ السلام کی (نبوت کی) تصدیق موجود ہے، اور جملہ (وہم یتلّون الکتاب) حال ہے، اور جیسی بات یہ (دونوں فریق) کرتے ہیں، اسی طرح کی بات بے علم لوگ بھی کرتے ہیں، یعنی مشرکین عرب وغیرہ (مِثْلَ قَوْلِهِمْ) ذلک کے معنی کا بیان ہے، یعنی ان (مشرکوں) نے (آسمانی) دین والوں میں سے ہر ایک کے بارے میں کہا کہ ان کے پاس کچھ نہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ دین کے معاملہ میں ان کے اختلاف کا فیصلہ کر دے گا، بایں طور کہ اہل حق کو

جنت میں اور اہل باطل کو دوزخ میں داخل کرے گا، اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا؟ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ کی مسجدوں (معبدوں) میں اللہ کے نام کی نماز و تسبیح پر ہنسنے سے روکے، اور ہدم و تعطیل کے ذریعہ ان کی ویرانی کے درپے ہو، (یہ آیت) ان رومیوں کی خبر دینے کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے بیت المقدس ویران کیا، یا مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی جب آپ ﷺ کو (صلح) حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روکا، ان کو تو چاہئے کہ اس میں قدم بھی نہ رکھیں، مگر ڈرتے ہوئے، خبر بمعنی امر ہے یعنی ان کو جہاد کے ذریعہ (ایسا) خوف زدہ کر دو کہ کوئی اس میں بے خوف داخل نہ ہو، ان لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، قتل و قید اور جزیہ کے ذریعہ اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے، (اور) وہ آگ ہے، اور (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے تحویل قبلہ کے بارے میں، یا سفر میں سواری پر جدھر سواری کا رخ ہو نفل نماز پر ہنسنے کے بارے میں طعن کیا، مشرق و مغرب سب اللہ ہی کے ہیں، یعنی پوری زمین، اس لئے کہ دونوں (مشرق و مغرب) زمین ہی کے دو کنارے ہیں، تم اس کے حکم سے نماز میں جدھر بھی رخ کرو اسی طرف اللہ کا رخ ہے یعنی اس کا قبلہ ہے جو اس کا پسندیدہ ہے، بلاشبہ اللہ بڑی وسعت والا ہے، کہ اس کا فضل ہر شئی کو حاوی ہے، اور اپنی مخلوق کی تدبیر سے واقف ہے (وقالوا میں) واؤ اور بغیر واؤ دونوں صورتیں ہیں، اور یہود و نصاریٰ اور ان لوگوں کا جو اللہ کے لئے بیٹیاں ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں کہنا ہے کہ اللہ کی اولاد ہے، اللہ تعالیٰ نے اولاد سے اپنی پاکی بیان کرتے ہوئے فرمایا، وہ پاک ہے (اولاد سے) بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے یعنی اسی کی ملک ہے اور اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی مملوک ہے، اور ولادت ملکیت کے منافی ہے، اور غیر ذوی العقول کو غلبہ دیتے ہوئے ماسے تعبیر فرمایا، سب کے سب اس کے فرمانبردار ہیں یعنی ہر شئی اس مقصد کے لئے اس کے تابع فرمان ہے، جو اس سے مطلوب ہے اور اس میں ذوی العقول کو غلبہ ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْحٍ وَ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ، كَذَلِكَ اِیْ مِثْلَ ذَلِكَ الَّذِي سَمِعْتَ بِهِ كَافٍ مَحَلِّ مِثْلِ نَصْبِ كَيْفِ، يَآتُوْا اس لئے کہ مصدر محذوف کی صفت ہے جس کو افادۂ حصر کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے، اِیْ قَوْلًا مِثْلَ ذَلِكَ الْقَوْلِ بِعَيْنِهِ لَا قَوْلًا مُّغَايِرًا لَهُ۔

قَوْلُهُ: وَغَيْرُهُمْ، غَيْرُهُمْ رَفْعِ کے ساتھ اس کا عطف مشرکون پر ہے نہ کہ عرب پر یعنی مشرکین کے علاوہ دیگر کفار کا بھی یہی کہنا تھا۔

قَوْلُهُ: بَيَانٌ لِّمَعْنَى ذَلِكَ یعنی مِثْلَ قَوْلِهِمْ، كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کا بدل ہے۔

قَوْلُهُ: لَيَسُوْا، لَيَسُوْا کی جمع کی ضمیر کل کی طرف باعتبار معنی کے راجع ہے۔

قَوْلًا: وَمَنْ أَظْلَمُ. مَنْ مبتداً مجزاً مرفوع ہے، أَظْلَمُ اسم تفضیل اس کی خبر ہے، استفہام انکاری ہے، ای لا احدٌ اظلم منه.

سُئِلَ: یہاں قدرتی طور پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ فَمَنْ أَظْلَمُ کلمہ قرآن کے اندر بار بار آیا ہے، مثلاً وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى، وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ، فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ، وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ ان میں سے ہر ایک کا تقاضا حصر کا ہے کہ اس میں مذکور سے بڑا ظالم کوئی نہیں، تو پھر دوسرا فریق اس سے بڑا ظالم کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی اظلمیت کے ساتھ جب ایک فریق کو متصف کر دیا تو اب دوسرے فریق کو اظلمیت کی صفت کے ساتھ متصف کرنا کیسے درست ہے؟

جواب: ہر ایک اپنے صلہ کے معنی کے اعتبار سے خاص ہے، مثلاً كَانَهُ قَالَ لَا أَحَدٌ مِنَ الْمَانِعِينَ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ، وَلَا أَحَدٌ مِنَ الْمَفْسِدِينَ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ، وَلَا أَحَدٌ مِنَ الْكَذَّابِينَ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ عَلَى هَذَا الْقِيَاسِ. (حمل)

قَوْلًا: مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ، مَسَاجِدَ، مَنَعَ کا مفعول اول ہے اور اَنْ يَذْكُرَ بتاویل مصدر ہو کر مفعول ثانی ہے، مَسَاجِدَ مسجد کی جمع ہے، سجدہ کرنے کی جگہ، قاعدہ کے مطابق، مَفْعَلُ کے وزن پر مَسَجَدُ ہونا چاہئے، اس لئے کہ جس کا مضارع مرفوع العین ہوتا ہے اس کا ظرف مکان مَفْعَلُ کے وزن پر آتا ہے یہاں خلاف قیاس جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

سُئِلَ: مَسَاجِدَ کو جمع کیوں لایا گیا ہے؟ جبکہ مراد بیت المقدس ہے، اس لئے کہ بیت المقدس کو رومی بادشاہ بخت نصر مجوسی نے منہدم کر دیا تھا، یا مراد مسجد حرام ہے جبکہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو حج کے سبب سال عمرہ کرنے سے روک دیا تھا۔

جواب: مذکورہ دونوں مسجدیں چونکہ سب سے زیادہ اہم اور بابرکت ہیں ان سے روکنا یا ان کو ویران کرنا گویا کہ تمام مساجد کو ویران کرنا ہے۔

سُئِلَ: مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ میں مَنَعَ کی نسبت مساجد کی طرف کی گئی ہے حالانکہ حقیقت میں ممنوع اوگ ہیں۔

جواب: مانعین کا فعل چونکہ مسجد سے متعلق تھا مثلاً مساجد میں گندگی وغیرہ ڈالنا یا ان کو منہدم کرنا اس لئے منع کی نسبت مساجد کی طرف کی گئی ہے۔

قَوْلًا: اَنْ يَذْكُرَ فِيهَا اسْمُهُ اس میں اعراب کے اعتبار سے چار صورتیں ممکن ہیں، ① مَنَعَ کا مفعول ثانی ہے کما تقول مَنَعْتُهُ كَذَا ② مَنَعَ کا مفعول لا ہے، ای مَنَعَ كَرَاهَةً اَنْ يَذْكُرَ يَمْنَعُ دُخُولَ مَسَاجِدِ اللَّهِ ③ مَسَاجِدَ اللَّهِ سے بدل الاشتمال ہے، ای مَنَعَ ذِكْرَ اسْمِهِ فِيهَا ④ حذف حرف جر کی وجہ سے منصوب ہے، ای مَنَعَ مَسَاجِدَ مِنْ اَنْ يَذْكُرَ.

قَوْلًا: بِالْهَدْمِ أَوْ التَّعْطِيلِ، ہدم سے بیت المقدس کی طرف اشارہ ہے، اس لئے اس کو بخت نصر مجوسی نے منہدم کر دیا تھا، اور تعطیل سے مسجد حرام کی طرف اشارہ ہے، اس لئے کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو روک کر گویا کہ مسجد حرام کو معطل اور ویران

کر دیا تھا، اَوْ تَوَلَّی کے لئے ہے نہ کہ تردید کے لئے۔

قَوْلًا: فِی خَرَابِہَا اَبَوَالْبَقَاءِ نے کہا ہے کہ خَرَاب اسم مصدر بمعنی تخریب ہے، اپنے مفعول کی جانب مضاف ہے، جیسا کہ سَلَام بمعنی تسلیم، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ خَرَب کا مصدر ہے، جو خَرَب بِالْمَكَان سے مشتق ہے، یعنی اس کو بغیر نگہداشت کے چھوڑ دیا تا کہ وہ خود بخود ویران اور برباد ہو جائے۔

قَوْلًا: خبر بمعنی الامر یعنی یہ جملہ لفظاً خبریہ اور معنی انشائیہ ہے، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔
سُؤَال: لَا يَدْخُلُوهَا اِلَّا خَائِفِينَ میں خبر دی گئی ہے، کہ تخریب کا ربیت المقدس میں ڈرتے ہوئے داخل ہوئے، حالانکہ وہ تو نہایت بے خوف ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے، ایک سال سے بھی زیادہ قابض رہے، ہاں البتہ مسلمان بیت المقدس میں اللہ سے ڈرتے ہوئے سلطان صلاح الدین کے زمانہ میں داخل ہوئے۔

جَوَاب: جواب یہ ہے کہ خبر بمعنی امر ہے، معنی ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ بیت المقدس میں خوف خدا کے ساتھ داخل ہوں۔ (جمل) مگر یہ جواب پسندیدہ نہیں ہے اس لئے کہ اس میں تعبیر کَانَ کے ساتھ ہے، بیضاوی نے کہا ہے کہ اس آیت کا مقصد مسجد میں داخل ہونے کی اجازت دینے سے منع کرنا ہے۔ (معناه النهی عن تمكينهم من الدخول في المسجد). (جمل)

قَوْلًا: اخيفوهم بالجهاد یعنی ہم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ مسجد حرام اور بیت المقدس میں داخل ہونے کو بذریعہ جہاد روکیں۔ (صاوی) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظاً اور معنی جملہ خبریہ ہو اور مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں پیش آنے والے حالات کی خبر دی ہو۔ (هو لقرب) (صاوی)

قَوْلًا: مُطِيعُونَ كُلِّ بِمَا يُرَادُ مِنْهُ یعنی مخلوق کا ہر فرد اس مقصود کے تابع ہے جو اس سے مطلوب ہے، بِمَا میں بَاء بمعنی لام ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَنَسْبُ النِّصَارَى عَلَى شَيْءٍ يَهُودِ تَوْرَاتٍ پڑھتے ہیں جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق موجود ہے؛ لیکن اس کے باوجود یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکفیر کرتے ہیں، عیسائیوں کے پاس انجیل موجود ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کے من عند اللہ ہونے کی تصدیق ہے اس کے باوجود یہ یہودیوں کی تکفیر کرتے ہیں، ان کا یہ طریقہ اہل کتاب کے دونوں فریقوں کے کفر و عناد اور اپنے اپنے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہونے کو ظاہر کر رہا ہے۔

اہل کتاب کے مقابلہ میں عرب کے مشرکین اُن پڑھ (اُمی) تھے اس لئے انھیں بے علم کہا گیا ہے؛ لیکن وہ بھی اُمی ہونے کے باوجود یہود و نصاریٰ کی طرح اس زعم باطل میں مبتلا تھے، کہ وہی حق پر ہیں، اسی لئے وہ محمد ﷺ کو صابی یعنی

بے دین کہا کرتے تھے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ (الآیۃ) جن لوگوں نے مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکا یہ کون ہیں؟ ان کے بارے میں مفسرین کی رائے مختلف ہے، ایک رائے یہ ہے کہ ان سے مراد عیسائی ہیں، جنہوں نے بادشاہ روم کے ساتھ مل کر بیت المقدس میں یہودیوں کو نماز پڑھنے سے روکا، اس کی تخریب میں حصہ لیا، ابن جریر نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے، لیکن حافظ ابن کثیر نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے اس کا مصداق مشرکین مکہ کو قرار دیا ہے، جنہوں نے ایک تو نبی ﷺ اور آپ کے صحابہ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا اس طرح مسلمانوں کو خانہ کعبہ میں عبادت کرنے سے روکا، پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی یہی کردار ادا کیا، حالانکہ خانہ کعبہ میں عبادت سے کسی کو روکنے کی اجازت نہیں تھی۔

تخریب اور بربادی صرف یہی نہیں ہے کہ اسے ڈھا دیا جائے اور عمارت کو نقصان پہنچایا جائے بلکہ ان میں اللہ کی عبادت اور ذکر سے روکنا یہی تخریب ہے۔

مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ یہ الفاظ خبر کے ہیں یعنی لفظوں کے اعتبار سے جملہ خبریہ ہے، لیکن مراد اس سے یہ خواہش ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تمہیں تمکین و غلبہ عطا کرے تو ان مشرکوں کو اس میں صلح اور جزیہ کے بغیر رہنے کی اجازت نہ دینا، چنانچہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا، تو نبی ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ آئندہ سال کسی مشرک کو کعبۃ اللہ کا حج کرنے اور ننگا طواف کرنے کی اجازت نہیں ہوگی، آیت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ بجائے اس کے کہ عبادت گاہیں اس قسم کے ظالموں کے ہاتھوں میں ہوں اور یہ ان کے متولی اور پاسبان ہوں، خدا پرست اور خدا ترس لوگوں کے ہاتھوں میں اقتدار ہونا چاہئے، تاکہ یہ شریر لوگ اگر وہاں جائیں بھی تو انہیں خوف ہو کہ اگر شرارت کریں گے تو سزا پائیں گے۔

شان نزول:

مذکورہ دو آیتوں میں دو اہم مسئلوں کا بیان ہے پہلی آیت ایک واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے جب یہودیوں نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تو روم کے نصاریٰ نے ان سے انتقام لینے کی خاطر عراق کے ایک مجوسی بادشاہ طیطوس کے ساتھ مل کر شام کے بنی اسرائیل پر حملہ کر کے ان کو قتل کر ڈالا، تورات کے نسخے جلا دیئے، بیت المقدس میں نجاست اور خنزیر ڈال دیئے، اس کی عمارت کو منہدم کر دیا، آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک تک بیت المقدس اسی طرح ویران و منہدم پڑا تھا۔

یہودی: بعض حضرات مفسرین نے اس مجوسی بادشاہ کا نام بخت نصر بتلایا ہے، اس سے معروف بخت نصر مراد نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے ہے، یہ ممکن ہے کہ بعد میں کسی بادشاہ کو بخت نصر ثانی کہنے لگے ہوں۔

(معارف)

فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے عہد خلافت میں جب عراق و شام فتح ہوئے تو آپ کے حکم سے بیت المقدس کی دوبارہ تعمیر

کرائی گئی مدت دراز تک پورا ملک شام اور بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ میں رہا، پھر ایک عرصہ کے بعد بیت المقدس مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا اور تقریباً سو سال یورپ کے عیسائیوں کا اس پر قبضہ رہا یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے پھر اس کو فتح کیا۔

رومی نصاریٰ کی اس گستاخانہ حرکت پر کہ تورات کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب و برباد کر کے اس کی بے حرمتی کی تو یہ آیت نازل ہوئی، یہ قول حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔

اور حضرت ابن زید وغیرہ دوسرے مفسرین نے آیت کا شان نزول یہ بتلایا ہے کہ جب مشرکین مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واقعہ حدیبیہ کے موقع پر مسجد حرام میں داخل ہونے اور طواف کرنے سے روک دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں مثلاً ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی کو مسجد میں جانے اور وہاں تلاوت و ذکر سے روکا جائے، یا مسجد میں شور و شغب کر کے یا قرب و جوار میں باجے وغیرہ بجا کر ذکر و نماز میں خلل ڈالے یہ بھی اللہ کے ذکر سے روکنے میں داخل ہے، اسی طرح جبکہ لوگ نماز و تسبیحات میں مشغول ہوں، کوئی شخص بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجبر کرنے لگے یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ذکر اللہ سے روکنے کے مترادف ہے۔ (معارف ملخصاً)

دوسری آیت وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ (الآیۃ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کرنے اور بیت اللہ کو چھوڑنے پر مجبور کر دیا لیکن اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں ہے نہ آپ کے غمگین ہونے کی کوئی وجہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کسی خاص سمت میں محدود نہیں وہ ہر جگہ ہے اس کے لئے مشرق و مغرب یکساں ہیں کعبۃ اللہ کو قبلہ بنائیں یا بیت المقدس کو دونوں میں کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ امر الہی کی تعمیل ہی دونوں جگہ سب فضیلت ہے اسی لئے جب کعبۃ اللہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا اس میں فضیلت تھی اور جب سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم ہو گیا تو اب اس میں فضیلت ہے لہذا آپ دل گیر نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی توجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے۔

الغرض آیت مذکورہ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ نے استقبال قبلہ کی پوری حقیقت واضح کر دی کہ اس کا منشا بیت المقدس یا بیت اللہ کی معاذ اللہ پرستش نہیں اور نہ ان دونوں مکانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مخصوص ہے بلکہ اس کی ذات سارے عالم پر محیط ہے اور ہر سمت میں اس کی توجہ یکساں ہے۔

آیت مذکورہ کے اس مضمون کو واضح کرنے ہی کے لئے غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہجرت کے اوائل میں سولہ سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنے کا حکم دے کر عملی طور پر یہ بتلادیا گیا کہ ہماری توجہ ہر طرف ہے، اور نوافل میں اس حکم کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھا کہ سفر میں کوئی شخص سواری مثلاً اونٹ گھوڑے وغیرہ پر سوار ہو تو اس کو اجازت ہے کہ سواری پر بیٹھے ہوئے اشارہ سے نفلی نماز پڑھ لے اس کے لئے قبلہ کی طرف رخ کرنا

بھی ضروری نہیں جس طرف اس کی سواری چل رہی ہو اسی طرف رخ کر لینا کافی ہے۔

مذکورہ حکم ان سواریوں کا ہے جن پر سوار ہو کر چلتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا دشوار ہو اور جن سواریوں پر سوار ہو کر قبلہ کی طرف رخ کرنا دشوار نہیں ہے، جیسے ریل، ہوائی جہاز، بحری جہاز، ان کا وہی حکم ہے جو حالت حضر کا ہے، اگر ان میں نفل نماز بھی پڑھنی ہو تو قبلہ رخ ہو کر پڑھی جائے، البتہ نماز کی حالت میں ریل کا یا جہاز کا رخ مڑ جائے اور نمازی کے لئے گنجائش نہ ہو کہ وہ بھی قبلہ رخ پھر جائے تو اسی حالت میں نماز پوری کر لے۔

اسی طرح جہاں نمازی کو سمت قبلہ معلوم نہ ہو یا رات کی تاریکی میں اندازہ نہ ہو سکے اور نہ کوئی بتلانے والا ہو اور نہ کوئی ایسی علامت ہو کہ جس سے سمت قبلہ کا تعین ہو سکے تو اندازہ اور تخمینہ سے سمت قبلہ متعین کر کے نماز ادا کر لے، اگر بعد میں یہ معلوم ہو کہ نماز غلط رخ پر پڑھی گئی تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں وہی نماز کافی ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ، اتَّخَذَ وَلَدًا کا ترجمہ ہے، لے رکھا ہے ایک بیٹا، بنا رکھا ہے ایک بیٹا، یہاں مسیحیوں کا یہ قول نہیں نقل کیا جا رہا ہے کہ خدا کے ایک بیٹا ہے بلکہ کہا جا رہا ہے خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے، مطلب یہ کہ خدا نے کسی کو متبنی بنا رکھا ہے۔

فرقہ اتخازی:

ایک فرقہ اتخازیوں (ADOPTIONISTS) کے نام سے گذرا ہے ان کے مرکزی عقیدہ کے لئے اصطلاحی لفظ تنبیت یا اتخازیت (ADOPTIONISM) ہے، اس عقیدہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام خلیفہ خدا نہیں، وہ خدا پیدا نہیں ہوئے، وہ شروع سے خود بخود بنے بنائے خدا نہیں ہیں؛ بلکہ اصلاً و خلقاً وہ انسان ہی تھے، البتہ اقنوم ثالث یعنی روح القدس کا فیضان ان پر شروع ہی سے ہونے لگا تھا، اس لئے وہ قدوسیت کے ایسے اوج کمال پر پہنچ گئے کہ روح الہی ان کے اندر ایسی حلول کر گئی کہ اقنوم اول یعنی خدائے برتر و اعظم نے انہیں اپنا بیٹا قرار دے کر اپنا متبنی بنا کر شریک الوہیت کر لیا، اور اب وہ ربوبیت، مالکیت وغیرہ جملہ صفات الہی میں شریک و سہم ہے، اس عقیدہ کا وجود ۱۸۵ء میں ملتا ہے آٹھویں صدی عیسوی میں پاپائے روم نے اس عقیدہ کو الحاد اور زندقہ قرار دیا، بارہویں صدی میں اس عقیدہ نے پھر زور پکڑا، پھر یہ لوگ زندیق قرار پائے۔

(تفسیر ماجدی ملخصاً)

اللہ کے لئے ولد عقلاً و نقلاً ممکن نہیں:

کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے، سبحان اللہ! (کیا مہمل بات ہے) بعض یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو، اور مشرکین عرب ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں حق تعالیٰ اس قول کی قباحت اور بطلان کو بیان فرما رہے ہیں۔

دلیل بطلان:

اگر اللہ کی اولاد مانی جائے تو دو حال سے خالی نہیں، یا تو اولاد غیر جنس ہوگی اور یا بجنس ہوگی، اگر غیر جنس ہو تو اولاد کا نا جنس ہونا عیب ہے، اور حق تعالیٰ عیب سے پاک ہے، اور اگر ہم جنس ہو تو اس لئے باطل ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں کیونکہ جو صفات کمال لوازم ذات واجبہ سے ہیں وہ اللہ کے ساتھ مخصوص اور غیر اللہ میں معدوم ہیں اور لازم کی نفی ملزوم کی نفی کو مستلزم ہے، لہذا ہم جنس ہونا بھی باطل ہوا۔

بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مخلوق کا رشتہ اپنے خالق کے ساتھ صرف ملکیت اور مملوکیت مطلقہ کا ہے نہ کہ فرزند کی اور دل بندی کا، مطلب یہ کہ کائنات کی ہر شئی اللہ کی مملوک ہے کوئی ہستی اس سے خارج نہیں اور مملوکیت و ابنیت میں تضاد و تنافی ہے جو مملوک ہے وہ ابن نہیں اور جو ابن ہے وہ مملوک نہیں ہو سکتا، غرضیکہ وہ بشریت کی ہر قسم کی رشتہ داریوں سے پاک و منزہ ہے۔

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مُوجِدُهُمَا لَا عَلَى بِنْتَالٍ شَبَقٍ وَلَا ذَا قَضَىٰ أَرَادَ أَمْرًا أَيْ إِنْجَادَهُ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ^(۷)
 ای فہو یكون وفي قراءۃ بالنصب جواباً لِلْأَمْرِ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ای کفار مَنگۃ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم لَوْلَا بَلَاءٌ يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَنَّكَ رَسُولُهُ أَوْ تَاتِينَا آيَةً بِمَا اقْتَرَحْنَاهُ عَلَىٰ صِدْقِكَ كَذَلِكَ كَمَا قَالَ بَنُو لَآءٍ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ كُفَّارِ الْأَنَامِ الْمَاضِيَةِ لِأَنْبِيَائِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ^(۸) مِنَ التَّعْنُتِ وَطَلَبِ الْآيَاتِ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ فِي الْكُفْرِ وَالْعِنَادِ، فِيهِ تَسْلِيَةٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ^(۹) يَعْلَمُونَ أَنَّهَا آيَاتٌ فَيُؤْمِنُونَ بِهَا فَاقْتِرَاحُ آيَةٍ مَعَهَا تَعْنُتٌ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ يَا مُحَمَّدُ بِالْحَقِّ بِالْهُدَىٰ بَشِيرًا مَنْ أَجَابَ إِلَيْهِ بِالْجَنَّةِ وَنَذِيرًا مَنْ لَمْ يُجِبْ إِلَيْهِ بِالنَّارِ وَلَا تَسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ^(۱۰) النَّارِ أَيْ الْكُفَّارِ مَا لَهُمْ لَمْ يُؤْمِنُوا إِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَفِي قِراءَةِ بِجَزْمٍ تَسْأَلُ نَهْيًا وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ دِينَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ الْإِسْلَامَ هُوَ الْهُدَىٰ وَتَاَعْدَاهُ ضَلَالٌ وَلَئِنْ لَمْ قَسَمَ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمُ التَّيَّ يَدْعُونَكَ إِلَيْهَا فَرْضًا بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ الْوَحْيِ مِنَ اللَّهِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ يَحْفَظُكَ وَلَا نَصِيرٌ^(۱۱) يَمْنَعُكَ مِنْهُ الَّذِينَ اتَّبَعَهُمُ الْكُتُبُ مُبْتَدَأٌ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَةٍ أَيْ يَقْرَأُ وَنَهْ كَمَا أُنْزِلَ وَالْجُمْلَةُ حَالٌ وَحَقُّ نَصَبٍ عَلَى الْمَصْدَرِ، وَالْخَبَرِ أُولَئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ نَزَلَتْ فِي جَمَاعَةٍ قَدِمُوا مِنَ الْحَبَشَةِ وَأَسْلَمُوا وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ أَيْ بِالْكِتَابِ الْمُؤْتَىٰ بَأَن يُخْرِفَهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ^(۱۲) لَمْ حَسِرْ بِمِ الْإِلَى النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَيْهِمْ.

تَرْجُمہ: وہ آسمانوں اور زمین کا بغیر سابقہ نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے، اور جب کسی شے کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو بس اس کے لئے یہ حکم دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے اور ایک قراءت میں (يَكُونُ) جواب امر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، نادان (أَنْ پڑھ) یعنی کفار مکہ نبی ﷺ سے کہتے ہیں کہ اللہ خود ہم سے کیوں نہیں کہتا کہ آپ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، یا آپ (ﷺ) کی صداقت پر جو نشانی ہم تجویز کریں ہمارے پاس کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح یعنی جیسا کہ یہ کہتے ہیں ان سے پہلے ام سابقہ کے کافروں نے بھی اپنے نبیوں سے ان کے جیسی بات کہی یعنی سرکشی اور طلب معجزات کی، کفر و عناد میں ان کے قلوب یکساں ہیں، اس میں نبی ﷺ کو تسلی ہے، یقین لانے والوں کے لئے تو ہم صاف صاف نشانیاں ظاہر کر چکے ہیں، جو جانتے ہیں، کہ یہ معجزات ہیں تو ان پر ایمان لے آتے ہیں، پھر ان نشانیوں کے ساتھ مزید معجزے کا مطالبہ کرنا سرکشی ہے، بلاشبہ اے محمد (ﷺ) ہم نے آپ کو ہدایت کے ساتھ جنت کی خوش خبری سنانے والا بنا کر بھیجا، اس کو جس نے آپ کی دعوت قبول کی، اور اس شخص کو دوزخ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا جس نے آپ کی دعوت قبول نہ کی، جہنمیوں یعنی کفار کے بارے میں آپ سے پرش نہیں ہوگی کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے؟ آپ کی ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے اور ایک قراءت میں تُسَلِّلُ جزم کے ساتھ ہے نہی ہونے کی وجہ سے، اور یہود و نصاریٰ ہرگز آپ سے راضی نہ ہوں گے، جب تک آپ ان کے دین کی پیروی نہ کرنے لگیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی ہدایت یعنی اسلام ہی (صحیح) راستہ ہے اور اس کے علاوہ سب گمراہی ہیں، اور قسم ہے لام قسمیہ ہے، آپ کے پاس وحی کا علم آ جانے کے بعد اگر بالفرض آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی جس کی طرف وہ آپ کو دعوت دیتے ہیں، تو اللہ کے پاس آپ کا نہ کوئی ولی ہوگا جو آپ کی حفاظت کر سکے اور نہ کوئی مددگار ہوگا جو آپ کو اس سے بچا سکے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی (الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ) مبتداء ہے، (اور) وہ اس کو اس کے تلاوت کے حق کے ساتھ یعنی جس طرح نازل کی گئی ہے اسی طرح پڑھتے ہیں یہ جملہ حال ہے اور حق مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور خبر (أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ) یہی ہیں وہ لوگ جو اس پر ایمان رکھتے ہیں (یہ آیت) اس جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جو حبشہ سے آئی تھی اور اسلام قبول کیا، اور جو اس عطا کردہ کتاب کا منکر ہے بایں طور کہ اس میں تحریف کرتا ہے تو یہی زیاں کار ہیں، ان کے دائمی آگ کی طرف لوٹنے کی وجہ سے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِبِ تَسْبِيلٍ وَ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ، بَدِيعٌ بَرُوزُنْ فَعِيلٌ بِمَعْنَى مُبْدِعٌ بِغَيْرِ كَسْرِ سَابِقِ نَمُونَةٍ أَوْ مَادَةٍ كَمَا يُقَالُ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَيْ هُوَ بَدِيعُ السَّمَوَاتِ "بَدِيعٌ" اسما حسنی میں سے ہے۔
قَوْلًا: وَإِذَا قَضَىٰ، أَرَادَ مُفَسِّرُ نَامٍ نَ قَضَىٰ كِ تَفْسِيرِ أَرَادَ سَ كَرِ كِ اِ يَكْ سَوَالِ كَا جَوَابِ دِ يَا بَ۔

سُئِلَ: قَضَىٰ کے معنی اتمامِ شے کے ہیں خواہ قولاً ہو، جیسے وَقَضَىٰ رَبُّكَ یَا فَعْلًا جیسے فَقَضَيْنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ اور اتمامِ شے کے بعد اس کے لئے کن کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی، بلکہ درست بھی نہیں ہے اس لئے کہ اس سے تحصیل حاصل لازم آتا ہے، جو کہ ممنوع ہے اور مکُون واحد کے لئے دو کون یا کہے کہ موجود واحد کے لئے دو وجودوں کا ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ مخاطب بننے کے لئے موجود ہونا ضروری ہے ورنہ تو معدوم کو خطاب لازم آئے گا جو جائز نہیں ہے اور دوسرا کن کہنے کے بعد موجود ہوگا ورنہ تو امر بے کار ہوگا۔

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ قَضَىٰ بمعنی اَرَادَ ہے مجازاً۔

سُئِلَ: فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی معدوم کو وجود میں لانے کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس سے کن کہہ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ معدوم موجود ہو جاتا ہے، اس سے معدوم کو مخاطب کرنا لازم آتا ہے۔

جَوَابُ: اللہ تعالیٰ کے ارادہ ہی سے وہ معدوم موجود کے حکم میں ہو جاتا ہے، لہذا خطاب کرنا درست ہے، نیز كُنْ فَيَكُونُ سے مقصد سرعت ہے نہ کہ ایجاد۔

قَوْلُهُ: فَهُوَ يَكُونُ اس جملہ کے اضافہ کا فائدہ ایک سوال کا جواب دینا ہے۔

سُئِلَ: مضارع جب فاء کے بعد واقع ہو اور اس کے ناقبل امر یا نہی ہو تو اس پر نصب واجب ہے حالانکہ یہاں فیکون پر رفع ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابُ: حذف مبتداء کی وجہ سے یہ جملہ اسمیہ ہے تقدیر عبارت فَهُوَ يَكُونُ ہے، جملہ اسمیہ ہو کر جواب امر ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے، اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ فیکون جملہ مستأنفہ ہے اور ہو مبتداء محذوف کی خبر ہے، اور ایک قراءت میں فیکون نصب کے ساتھ بھی ہے اس صورت میں فاء سببیہ کے بعد ان مقدر ماننا ہوگا۔

قَوْلُهُ: أَىٰ كَفَارِ مَكَّةَ۔

سُئِلَ: الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ کی تفسیر کفار مکہ سے درست نہیں ہے، اس لئے کہ یہ سورت مدنی ہے۔

جَوَابُ: بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ پوری سورت مدنی ہے مگر یہ آیت مکی ہے، مگر یہ جواب بعید ہے۔

سُئِلَ: جَوَابُ: یہ ہو سکتا ہے کہ مذکورہ سوال کفار مکہ نے یہود مدینہ کی معرفت آپ ﷺ سے کیا ہو۔

قَوْلُهُ: فِي قِرَاءَةِ بَجَزْمٍ تَسْنَلُ نَهْيًا یعنی ایک قراءت میں لَا تُسْنَلُ کے بجائے لَا تَسْنَلُ ہے یعنی آپ جہنمیوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھئے ان کا بہت بُرا حال ہوگا۔

قَوْلُهُ: وَحَقُّ نُسْبٍ عَلَى الْمَصْدَرِيَةِ حَقٌّ، تِلَاوَتُهُ مَصْدَرٌ مَحْذُوفٌ کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت اس طرح ہے يَتْلُوْنَهُ تِلَاوَةً حَقًّا صِفَتٌ كُومَقْدَمٌ كَرَكِ مَوْصُوفٌ كِی طَرَفٌ اِضَافَةٌ كَرَدِی كُئِی ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیح

بَدِيعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ اللہ وہی ذات ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چیز کی مالک ہے، ہر چیز اس کی فرمانبردار ہے، بلکہ آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی مادہ اور نمونے کے بنانے والا بھی وہی ہے، علاوہ ازیں اس کو جو کام کرنا ہوتا ہے اس کے لئے کُنْ کہہ دیتا ہے وہ چیز فوراً موجود ہو جاتی ہے، ایسی ذات کو بھلا اولاد کی کیا ضرورت؟

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ (الآیۃ) الذین لا یعلمون سے مراد مشرکین عرب ہیں جنہوں نے یہودیوں کی طرح مطالبہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہم سے براہِ راست گفتگو کیوں نہیں کرتا؟ ان کا مطلب یہ تھا کہ خدا یا تو خود ہمارے سامنے آکر کہے کہ یہ میری کتاب ہے تم لوگ اس کی پیروی کرو یا پھر ہمیں کوئی ایسی نشانی دکھائی جائے جس سے ہمیں یقین آجائے کہ محمد ﷺ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہے۔

كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ یعنی آج کے گمراہوں نے کوئی اعتراض اور کوئی مطالبہ ایسا پیش نہیں کیا جو ان سے پہلے گمراہ پیش نہ کر چکے ہوں، قدیم زمانہ سے آج تک گمراہی کا ایک ہی مزاج رہا ہے اور وہ بار بار ایک ہی قسم کے شبہات اور اعتراض اور سوالات دہرائی رہتی ہے یعنی مشرکین عرب کے دل کفر و عناد اور انکار و سرکشی میں اپنے ماقبل کے لوگوں کے دلوں کے مشابہ ہیں۔

وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَ هُمْ (الآیۃ) یہ اس بات پر وعید ہے کہ علم آجانے کے بعد بھی اگر محض ان بر خود غلط لوگوں کو خوش کرنے کے لئے ان کی پیروی کی تو تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا، یہ دراصل امت محمدیہ کو تعلیم دی جا رہی ہے کہ اہل بدعت اور گمراہوں کی خوشنودی کے لئے وہ بھی ایسا کام نہ کریں نہ دین میں مداخلت اور نہ بے جاتاویل کا ارتکاب کریں۔

وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى: الخ مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ ان کی خواہ کتنی بھی رعایت کریں مگر یہ آپ ﷺ سے راضی ہونے والے نہیں ہیں اس لئے کہ ان کی ناراضگی کی وجہ عناد اور حسد ہے جس کا کوئی علاج نہیں، آپ ﷺ نے ان کی رعایت بیت المقدس کی طرف نماز میں رخ کرنے میں موافقت کر کے دیکھ لی آخر حسد و عناد میں اضافہ کے سوا کیا نتیجہ نکلا؟ ان لوگوں کی ناراضگی کا سبب یہ تو ہے نہیں کہ وہ سچے طالب حق ہیں اور آپ ﷺ نے ان کے سامنے حق کو واضح کرنے میں کچھ کمی کی ہے، بلکہ ان کی خواہش اور تمنا تو یہ ہے کہ آپ بھی ان کی طرح گندم نمائی اور جو فروشی کیوں نہیں کرتے؟ جو خود ان کا شیوہ ہے یہ لوگ تو صرف ایک ہی صورت سے راضی ہو سکتے ہیں کہ آپ ان ہی کے رنگ میں رنگ جائیں اور خدا پرستی کے پردے میں نفس پرستی اختیار کر لیں، اور اگر خدا نخواستہ ان کو راضی کرنے کے لئے آپ نے خلافِ شرع کوئی بھی قدم اٹھایا تو پھر نہ آپ کا کوئی حامی ہوگا اور نہ مددگار۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ (الآیۃ) اہل کتاب کے ناخلف لوگوں کی ضروری تفصیل کے بعد اس آیت میں اہل کتاب کے ان صالح عنصر کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ دیانت اور راستی کے ساتھ خدا کی کتاب پڑھتے ہیں، جیسے عبد اللہ بن سلام، اس لئے

جو حق ہوتا ہے اسے تسلیم کر لیتے ہیں۔

يٰۤاِبْنِ اِسْرٰٓءِیْل اذْكُرْ اَنْعَمْتَ اِلَیَّ النَّیِّ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ تَقَدَّمْ مِثْلُهُ وَانْقَرُوا خَافُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ تُغْنِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ فِیْهِ شَیْءٌ وَلَا یَقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ فِیْءٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ ﴿۱۲۴﴾ یَمْنَعُونَ بِنِ عَذَابِ اللّٰهِ وَ اِذْ كُرِ اِذْ اَبْتَلٰی اِخْتَبَرَ اِبْرٰهَمَ وَفِی قِرَآءَةِ اِبْرٰهَمَ رَبُّهُ یَكْلِمْ بِاَوَابِرَ وَنَوَاحِیْ كَلَفَهُ بِهَا قِیْلَ بِیْ مَنَاسِكَ الْحَجِّ وَقِیْلَ الْمَحْمُضَةُ وَالْاَسْتِنْشَاقُ وَالسَّوَاكُ وَقَشُّ الشَّارِبِ وَفَرَقُ الرَّأْسِ وَقَلَمُ الْاُظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبْطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَالْجَتَانِ وَالْاَسْتِنْجَاءُ فَاتَمَّهُنَّ اِذَا بَنَیْ تَامَتِ قَالَ تَعَالٰی لَهٗ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قُدُوْةٌ فِی الدِّیْنِ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ اَوْ لَا دِیْ اَجْعَلْ اَیْمَةً قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِیْ بِالْاَیْمَةِ الظَّالِمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾ الْكٰفِرِیْنَ مِنْهُمْ دَلَّ عَلٰی اَنَّهُ یَنَالُهُ غَیْرُ الظَّالِمِ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ الْكَعْبَةَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ مَرْجِعًا یُّثْبِتُوْنَ اِلَیْهِ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ وَاَمَّا مَا مَنَّا لَهُمْ مِنْ الظُّلُمِ وَالْاَغَارَاتِ الْوَاقِعَةِ فِیْ غَیْرِهِ كَانَ الرَّجُلُ یَلْقٰی قَاتِلَ اَبِیْهِ فِیْهِ فَلَا یُهِنُّهُ وَاَتَّخِذُوا اٰیٰتِهَا النَّاسُ مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهَمَ بِوِ الْحَجْرِ الَّذِیْ قَامَ عَلَیْهِ عِنْدَ بِنَاۤءِ الْبَیْتِ مُصَلًّیْ مَكَانَ صَلَوةٍ بِاَنَّ تَصَلُّوْا رَكَعَتِی الطَّوَافِ وَفِی قِرَآءَةِ بَفَتْحِ الْخَاءِ خَبِرٌ وَعَهْدُنَا اِلٰی اِبْرٰهَمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْزَلْنَاهُمَا اَنْ اِیْ بِاَنَّ طَهَّرَ اَبْنِیَّیْ بِسِ الْاَوْثَانِ لِلطَّٰیِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ الْمُتَمِیْمِیْنَ فِیْهِ وَالزَّكَّی السُّجُوْدِ ﴿۱۲۶﴾ جَمْعُ رَاكِعٍ وَسَاجِدٍ الْمُصَلِّیْنَ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهَمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْمَكَانَ بَلَدًا اٰمِنًا ذَا اٰمِنٍ وَقَدْ اٰجَابَ اللّٰهُ دُعَآءَ ذُوْ جَعَلَهُ حَرَمًا لَا یُسْكَتُ فِیْهِ دَمُ اِنْسَانٍ وَلَا یُظْلَمُ فِیْهِ اَحَدٌ وَلَا یُصَادُ صَیْدُهُ وَلَا یُخْتَلٰی خِلَافُهُ وَاَرْزُقْ اَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرٰتِ وَقَدْ فَعَلَ بِثَقْلِ الطَّائِفِ مِنَ الشَّامِ وَكَانَ اقْتَرَلَ زَرْعُ بِهِ وَلَا مَاءٌ مِّنْ اَمْنٍ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ بَدَلٌ بِسِ اِبْلَهُ وَخَصَّصَهُمُ بِالْاُغْیَآءِ لَهُمْ مُوَافَقَةً لِّقَوْلِهِ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِیْنَ قَالَ تَعَالٰی وَ اَرْزُقْ مَنْ كَفَرَ فَاَمْتَعَهُ بِالتَّشْدِیْدِ وَالتَّخْفِیْفِ فِی الدُّنْیَا بِالرِّزْقِ قَلِیْلًا مُّدَّةَ حَیَاتِهِ ثُمَّ اَضْطَرُّهُ اِلَیْ عَذَابِ النَّارِ فَلَا یَجِدُ عَنْهَا مَخْرَجًا وَبَشِّرِ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۷﴾ الْمَرْجِعُ بِیْ.

تَرْجُمہ: اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جس سے میں نے تم کو نوازا تھا اور میں نے تم کو اقوامِ عالم پر فضیلت عطا کی تھی، اس جیسی آیت سابق میں گزر چکی ہے اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، اور نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائیگا، اور نہ کوئی سفارش ہی کسی کو فائدہ دے گی اور نہ (مجرموں) کو کہیں سے مدد ہی پہنچ سکے گی، کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچاسکیں اور یاد کرو جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں سے آزمایا اور ایک قراءت میں ابراہام ہے (اور وہ باتیں) جن کا اس کو مکلف بنایا اور وہ ابی تھیں، کہا گیا ہے کہ وہ مناسک حج تھے، اور کہا گیا ہے کہ وہ کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، اور مسواک کرنا اور مونچھوں کو کاٹنا اور سر کے بالوں میں مانگ نکالنا، اور ناخن تراشنا، اور بغل کے بال اکھاڑنا، اور

زیر ناف کے بال لینا، اور ختنہ کرانا، اور پانی سے استنجاء کرنا تھیں، چنانچہ (ابراہیم علیہ السلام نے) ان باتوں کو مکمل طور پر ادا کیا (تو) اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو دین میں لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا: میری اولاد میں سے بھی پیشوا بنائیے، اللہ نے جواب دیا: پیشوائی کا میرا وعدہ ان میں سے ظالموں کا فروں سے نہیں ہے اس سے معلوم ہوا جو ظالم نہیں ہیں ان سے وعدہ ہے اور یہ کہ ہم نے اس گھر کو کعبہ کو لوگوں کے لئے مرجع (مرکز) بنایا، ہر جانب سے لوگ اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، اور ظلم سے اور دوسری جگہ ہونے والی غارت گری سے امن کی جگہ بنائی آدمی بیت اللہ میں اپنے باپ کے قاتل سے ملتا تھا مگر (باپ کا قتل) اس کو (قاتل کے قتل پر) برا بیگنہ نہیں کرتا تھا، اور اے لوگو! تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بنا لو اور وہ وہی پتھر ہے جس پر تعمیر بیت اللہ کے وقت (ابراہیم علیہ السلام) کھڑے ہوتے تھے، مصلیٰ بمعنی جائے نماز، بایں طور کہ اس کے پیچھے طواف کی دو رکعت نماز پڑھو، اور ایک قراءت میں اِتَّخِذُوا خَاءَ کے فتح کے ساتھ ہے اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اور اسماعیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے بتوں سے پاک رکھو، یعنی اس میں قیام کرنے والوں کے لئے، اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے (یعنی) نماز پڑھنے والوں کے لئے، رُكْعَ رَاكِعِ کی اور السجود ساجد کی جمع ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار تو اس جگہ کو امن والی بنا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاء قبول فرمائی چنانچہ اس کو محترم بنا دیا کہ نہ اس میں انسان کا خون بہایا جاتا ہے اور نہ اس میں کسی پر ظلم کیا جاتا ہے اور نہ اس میں شکار کیا جاتا ہے اور نہ اس کا کاٹنا کھاڑا جاتا ہے اور اس کے باشندوں کو پھلوں کی روزی عطا کر چنانچہ طائف کے خطہ کو ملک شام سے منتقل کر کے ایسا ہی کر دیا حالانکہ وہ بنجر بے آب و گیاہ زمین تھی ان کے لئے جو ان میں سے اللہ پر ایمان لائے اور یوم آخرت پر مَنَ آمَنَ، اہلہ سے بدل ہے اور ان کو دعاء کے لئے خاص کرنا اس وجہ سے ہے کہ یہ لاینال عہدی الظلمین کے موافق ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو لوگ کفر کریں گے ان کو بھی قدرے یعنی ان کی حیات کی مقدار نفع پہنچاؤں گا، پھر آخرت میں ان کو جبراً دوزخ کی طرف لیجاؤں گا کہ وہ اس سے رہائی نہ پاسکیں گے اور وہ (دوزخ) بدترین ٹھکانہ ہے۔

تَحْقِيقُ شُرْكِیِّ تَسْبِیْلِ وَ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ، فِیْهِ، لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ جملہ ہو کر یَوْمًا کی صفت ہے، اور صفت جب جملہ ہو تو عائد ضروری ہوتا ہے فِیْهِ کا اضافہ عائد کے محذوف ہونے کی طرف اشارہ ہے وَاذْکُرْ اِذْ ابْتَلٰی اِبْرٰهٖمَ مِیْلَیْکَ قِرَآءَتِ اِبْرٰهٖمَ بھی ہے، ابراہیم سریانی زبان میں اَبُّ رَحِیْمٌ کو کہتے ہیں، یعنی مشفق و مہربان باپ، یہاں اُذْکُرْ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اِذْ، اذْکُرْ فعل محذوف کا معمول ہے نہ کہ ابتلی کا، یہ ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ اِذْ، اِبْتَلٰی کا معمول ہے، اس لئے کہ اس میں معمول کا عامل پر مقدم ہونا لازم آتا ہے۔

قَوْلًا: قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا یہ جملہ مستانفہ ہے، اور ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے تمام اوامر و نواہی کو حسن و خوبی انجام دیا تو کیا ہوا؟

جَوَاب: میں فرمایا میں تجھ کو لوگوں کا دینی پیشوا بناؤں گا۔

قَوْلًا: قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي کا عطف بتاویل بعض جاعِلُک کے کاف پر ہے، جیسا کہ مِنْ تَبْعِيْضِیۃ دلالت کر رہا ہے۔

سُؤَال: ضمیر متصل پر بغیر اعادۂ ضمیر یا فصل کے عطف صحیح نہیں ہے، لہذا مِنْ ذُرِّيَّتِي کا عطف کاف ضمیر پر کیسے درست ہے؟

جَوَاب: جَاعِلُک میں جاعِل کی کاف کی طرف اضافت لفظیہ ہے اور انفصال کے درجہ میں ہے، لہذا عطف درست ہو گیا۔

سُؤَال: اس عطف میں ایک کے مقولہ کا دوسرے کے مقولہ پر عطف لازم آرہا ہے، اس لئے کہ اِنْسِی جَاعِلُک اللہ تعالیٰ کا مقولہ ہے، اور وَمِنْ ذُرِّيَّتِي حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مقولہ ہے۔

جَوَاب: ایک کے مقولہ کا دوسرے کے مقولہ پر عطف جائز ہے جیسا کہ تیرا وَزَيْدًا اس کے جواب میں کہنا جو تجھ سے کہے سَاکِرْمُک تو کہے وَزَيْدًا یعنی زید کا بھی اکرام کر، اس کو عطف تلقین کہتے ہیں، جیسا کہ سلام کے جواب میں وعلیکم السلام کہنا، یہ بھی ایک کے مقولہ کا دوسرے کے مقولہ پر عطف کے قبیل سے ہے، جس میں کوئی قباحہ نہیں ہے، حاصل یہ کہ خبر بمعنی طلب ہے۔ (ترویج الارواح)

قَوْلًا: الْكَعْبَةِ، الْبَيْت کی تفسیر الکعبۃ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ البیت میں الف لام عہد کا ہے، اور یہ اسماء مغالبہ میں سے جیسے الثریا مطلق ستارہ کو کہتے ہیں، اب ایک مخصوص ستارہ کا نام ہو گیا ہے، اسی طرح البیت جب مطلق بولا جاتا ہے تو بیت اللہ ہی مراد ہوتا ہے۔

قَوْلًا: مَثَابَةً، ثَابِثُوب سے ظرف مکان ہے، اوٹنے کی جگہ، مرجع، مرکز، ثوب کا کے معنی ہیں، اصلی حالت کی طرف لوٹنا، ہاء اس میں مبالغہ کے لئے ہے جیسا کہ علامۃ و نَسَابۃ میں ہے۔

قَوْلًا: مَامَنَا لَہُمْ یہ مصدر میسی بمعنی ظرف مکان ہے، موضع امن، اَمْنَا کو مَامَنَا کے معنی میں لینے کی وجہ سے اَمْنَا کا الْبَيْت پر حمل بھی درست ہو گیا ورنہ مصدر کا حمل ذات پر لازم آرہا تھا۔

قَوْلًا: وَكَانَ الرَّجُلُ یَلْقٰی الْخ یہ اغارات وغیرہ سے امن کے معنی کا بیان ہے۔

قَوْلًا: وَاتَّخِذُوا اس کا عطف جَعَلْنَا پر ہے، اور یہ قول محذوف کا مقولہ ہے اِی قُلْنَا لَہُمْ اتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰہِیْمَ مَصْلٰی۔

قَوْلًا: بِفَتْحِ الْخَاءِ خبر اس کا عطف بھی جَعَلْنَا پر ہے، یہ بیان حال کے لئے ہے، یعنی لوگوں نے اس کو اپنا مصلیٰ بنا لیا۔

قَوْلًا: اَمَرْنَاہُمَا، عَہْدَنَا کی تفسیر اَمَرْنَا سے کر کے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سُؤَال: عَہْد کا صلہ جب الی آتا ہے تو اس کے معنی تو وصیۃ کے ہوتے ہیں جو ذات باری کے مناسب نہیں ہیں۔

جَوَاب: عَہْدَنَا بمعنی اَمَرْنَا ہے، لہذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلًا: بَآئِ اس میں اشارہ ہے کہ اُن مصدر یہ ہے نہ کہ تفسیر یہ، فعل امر پر بیان مامور بہ کے لئے داخل ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

یَبْنِیْ اِسْرَآئِیْلَ سابق میں یہ بات گزر چکی ہے کہ بنی اسرائیل اولادِ یعقوب کو کہا جاتا ہے، ماقبل میں بنی اسرائیل کی ایک طویل فردِ جرم شمار کرانے اور ان کی موجودہ حالت جو نزولِ قرآن کے وقت تھی بے کم و کاست بیان کرنے کے بعد ان کو بتایا جا رہا ہے کہ تم ہماری ان نعمتوں کی انتہائی ناقدری کر چکے ہو جو ہم نے تم کو عطا کی تھیں، تم نے صرف یہی نہیں کیا کہ منصبِ امامت کا حق ادا نہیں کیا بلکہ خود بھی حق و راستی سے پھر گئے، اور اب ایک نہایت قلیل غنصر صالح کے سوا تمہاری پوری امت میں کوئی صلاحیت باقی نہیں رہی۔

اور اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ امامت اور پیشوائی کسی نسل یا قوم کی میراث نہیں ہے بلکہ یہ اس سچی اطاعت و فرماں برداری کا پھل ہے جس میں ہمارے اس بندے (ابراہیم) نے اپنی ہستی کو گم کر دیا تھا، اور اس کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں جو ابراہیم کے طریقہ پر خود چلیں اور دنیا کو اس پر چلانے کی خدمت انجام دیں، چونکہ اے بنی اسرائیل! تم اس طریقہ سے ہٹ گئے ہو اور اس خدمت کی اہلیت پوری طرح کھو چکے ہو، لہذا تمہیں امامت کے منصب سے معزول کیا جاتا ہے۔ اسی کے بعد یہ بات ارشاد فرمائی کہ اب ہم نے نسلِ ابراہیم کی دوسری شاخ بنی اسماعیل میں وہ رسول پیدا کیا کہ جس کے لئے ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام نے دعا کی تھی، لہذا اب امامت کے مستحق صرف وہ لوگ ہیں، جو اس رسول کی پیروی کریں گے۔

تبدیلیِ امامت کا اعلان ہونے کے ساتھ ہی قدرتی طور پر تحویلِ قبلہ کا اعلان بھی ضروری تھا، جب تک بنی اسرائیل کی امامت کا دور تھا، بیت المقدس مرکزِ دعوت رہا اور وہی قبلہ اہل حق بھی رہا، مگر جب بنی اسرائیل اس منصب سے باضابطہ معزول کر دیئے گئے تو بیت المقدس کی مرکزیت خود بخود ختم ہو گئی، لہذا اعلان کیا گیا کہ اب وہ مقام دین الہی کا مرکز ہے جہاں سے اس رسول کی دعوت کا ظہور ہوا ہے اور چونکہ ابتداء میں ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا مرکز بھی یہی مقام تھا، اس لئے اہل کتاب اور مشرکین کسی کے لئے بھی یہ تسلیم کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ قبلہ ہونے کا زیادہ حق کعبے ہی کو پہنچتا ہے، ہٹ دھرمی کی بات دوسری ہے کہ وہ حق کو حق جانتے ہوئے بھی اعراض کئے چلے جا رہے ہیں۔

امت محمد ﷺ کی امامت اور کعبے کی مرکزیت کا اعلان کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے انیسویں رکوع سے آخر سورت تک مسلسل اس امت کو ہدایات دی ہیں جن پر انہیں عمل پیرا ہونا چاہئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش:

وَإِذْ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ (الآیة) قرآن میں مختلف مقامات پر ان تمام آزمائشوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے، جن سے گذر کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کیا تھا کہ انہیں بنی نوع انسان کا امام بنا دیا

جائے، جس وقت سے حق ان پر منکشف ہوا اس وقت سے لے کر دم واپس تک ان کی پوری زندگی سراسر قربانی ہی قربانی تھی، دنیا میں جتنی چیزیں ایسی ہیں جن سے انسان محبت کرتا ہے ان میں سے کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حق کی خاطر قربان نہ کیا ہو اور دنیا میں جتنے خطرات ایسے ہیں جن سے آدمی ڈرتا ہے ان میں سے کوئی خطرہ ایسا نہ تھا جسے انہوں نے حق کی راہ میں نہ جھیلا ہو۔

حسن نے کہا: حضرت ابراہیم کو سات چیزوں کے ذریعہ آزمایا گیا ① کواکب ② قمر ③ شمس ④ بھرت ⑤ ذبح ولد ⑥ ختنہ ⑦ نمرود کی آگ، اور بعض حضرات نے تیس کی تعداد شمار کرائی ہے۔ (مظہری) یہ وہ تمام آزمائشیں ہیں جن سے حضرت ابراہیم گزارے گئے اور آپ ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے، جس کے صلہ میں امام الناس کے منصب پر فائز کئے گئے، چنانچہ مسلمان ہی نہیں یہودی اور عیسائی حتیٰ کہ مشرکین عرب سب ہی میں انکی شخصیت محترم اور پیشوا مانی جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے اعلانِ امامت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام جن آزمائشوں سے گزارے گئے اور آپ ہر آزمائش میں کامیاب و کامران رہے جس کے صلہ میں امام الناس کے منصب پر فائز کیے گئے، ارشاد ہوا اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواہش ظاہر کرتے ہوئے فرمایا: وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ یعنی میری ذریت میں بھی یہ منصب عطا ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اس خواہش کو قبول فرمایا، جس کا ذکر سورہ عنکبوت آیت ۲۷، میں اس طرح فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النَّبُوَّةَ وَالْکِتَابَ ہم نے نبوت اور کتاب ان کی اولاد میں رکھ دی، اس کے ساتھ ہی خبردار کر دیا کہ میرا یہ وعدہ ظالموں سے نہیں ہے، اس سے اس امر کی وضاحت ہو گئی کہ ابراہیم علیہ السلام کی اتنی اونچی شان اور عند اللہ اتنی قدر و منزلت کے باوجود، اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے جو ناخلف اور ظالم و مشرک ہوں گے ان سے میرا کوئی وعدہ نہیں ہے، اور یہ بتا دیا کہ اگر ایمان اور عمل صالح نہیں ہے تو پیغمبر زادگی اور پیر زادگی اور صاحبزادگی کی بارگاہِ الہی میں کوئی حیثیت نہیں، نبی ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ بَطَأَ عَمَلُہٗ لَمْ یَسْرَعْ بِہٖ نَسَبُہٗ (صحیح مسلم) جس کو اس کے عمل نے پیچھے چھوڑ دیا اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ صرف مسلمانوں کے نزدیک بزرگ اور قابلِ صدا احترام ہیں بلکہ یہود اور نصاریٰ حتیٰ کہ مشرکین عرب کے نزدیک بھی جلیل القدر ہیں، تورات میں آپ کا نام ابراہام اور ابراہیم آیا ہے، سریانی زبان میں ابراہیم کے معنی مہربان باپ کے ہیں جسے عربی میں ابّ رحیم کہا جاتا ہے، تورات کی روایت کے مطابق آپ اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس پشتوں کا فاصلہ ہے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کی گیارہویں پشت میں تھے، لیکن خود تورات کے

شراحین کا خیال بعض قوی قرائن کی بناء پر یہ ہے کہ تورات میں نسب نامہ کی کچھ پشتیں چھوٹ گئی ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن ولادت:

آپ کا سن ولادت سرچارلس مارٹن محقق اثریات کی جدید تحقیق کے مطابق ۲۱۶۰ ق م ہے، اور عمر شریف تورات کے بیان کے مطابق ۷۵ سال ہے اس حساب سے آپ کا سال وفات ۱۹۸۵ ق م ٹھہرتا ہے، والد کا نام تارخ تھا، عربی زبان میں اس کا تلفظ آزر ہے، قرآن میں بھی آزر استعمال ہوا ہے، قدیم زبانوں میں نام کا تلفظ چونکہ مختلف طریقہ سے ہوتا تھا اس لئے نام میں اختلاف ہے، مسلمانوں کے لئے قرآنی نام آزر کافی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن:

آپ کا آبائی وطن بابل یا کلدانیہ ہے (انگریزی تلفظ کالڈیا ہے) جدید جغرافیہ میں اسی کو عراق کہتے ہیں، جس شہر میں آپ کی ولادت ہوئی اس کا نام تورات میں اُر (UR) آیا ہے، مدتوں سے یہ شہر نقشہ سے غائب تھا اب کھدائی کے بعد از سر نو نمودار ہوا ہے، کھدائی کے کام کی داغ بیل ۱۸۹۳ء ہی میں پڑ گئی تھی ۱۹۹۲ء میں برطانیہ اور امریکہ کے ماہرین اثریات کی ایک مشترکہ تحقیق مہم برٹش میوزیم اور پینسلوینیا یونیورسٹی کے زیر اہتمام عراق روانہ ہوئی اور کھدائی کا کام پورے سات سال جاری رہا، رفتہ رفتہ پورا شہر نمودار ہو گیا اور عراق سرکار کے محکمہ آثار قدیمہ نے عجائب خانہ کے حکم میں شامل کر کے ان کھنڈرات کو محفوظ کر دیا ہے، یہ شہر خلیج فارس کے دہانہ فرات اور عراق کے پایہ تخت بغداد کے تقریباً درمیانی مسافت پر ہے۔ (تفسیر ماجدی ملخصاً)

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے جو بیت اللہ کے بانی اول ہیں، بیت اللہ کی دو خصوصیتیں اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمائی ہیں، ایک مَثَابَةً لِّلنَّاسِ لوگوں کے لئے ثواب کی جگہ اور دوسرے معنی ہیں بار بار لوٹ کر آنے کی جگہ (یعنی) مرکز، دوسری خصوصیت امن کی جگہ یعنی یہاں کسی دشمن کا خوف نہیں رہتا، چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی حدود حرم میں کسی دشمن جان سے بھی انتقام نہیں لیتے تھے، اسلام نے ان کے اس احترام کو نہ صرف یہ کہ باقی رکھا بلکہ اس کی مزید تاکید اور توسیع کر دی حتیٰ کہ حرم میں خود رکھاس وغیرہ بھی اکھاڑنا ممنوع قرار دیدیا۔

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ کرتے تھے، اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشانات ہیں، اب اس پتھر کو شیشے میں محفوظ کر دیا گیا ہے، اس مقام پر طواف مکمل کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ہے۔

حفیہ اور مالکیہ کے یہاں یہ نماز واجب ہے اور شافعیہ کہ یہاں سنت۔

أَنَّ طَهَرَ أَبْنَتِي حضرت ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام کو اپنے گھر کو پاک رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے، اس

پاکی سے کیا مراد ہے؟ ابن جریر کہتے ہیں (ہو تطہیرہ من الاضنام وعبادة الاوثان فيه ومن الشرك بالله) یعنی تطہیر سے مراد بتوں اور بت پرستی سے پاک کرنا ہے، حقیقت میں تو معنوی اعتقادی نجاست سے پاکی کا حکم ہے، ضمناً ظاہری طہارت کا حکم بھی اس میں داخل ہے، طہراً بیتی میں بیت سے اگرچہ بیت اللہ (کعبہ) مراوے مگر اس سے ہر مسجد کو پاک و صاف رکھنے کا حکم مفہوم ہوتا ہے۔

دَخَلَ فِيهِ بِالْمَعْنَى جَمِيعَ بَيْتِهِ تَعَالَى (قرطبی) اَنَّ طَهْرًا مِثْلَ اَنَّ تَفْسِيرِهِ هِيَ بِمَعْنَى اَنَّ

وَ اذْكَرْ لَذِيْرَفْعُ اِبْرَاهِمَ الْقَوَاعِدَ الْاُسُسِ اَوِ الْجُدَرَ مِنَ الْبَيْتِ يَنْبِيْهِ مُتَعَلِّقٌ بِرَفْعٍ وَاسْمَاعِيْلُ عَطِفٌ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ يَقُوْلَانِ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا بِنَاءَنَا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيعُ لِلْقَوْلِ الْعَلِيْمُ^(۱۲۷) بِالْفِعْلِ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ مِّنْ قَدَّادِيْنَ لَّكَ وَاجْعَلْ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا اَوْلَادِنَا اُمَّةً جَمَاعَةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَبِئْسَ لِلتَّبَعِيْضِ وَاَتَى بِهِ لَتَقَدَّمَ قَوْلُهُ لَا يَنَالُ عَهْدِيْ الظَّالِمِيْنَ وَاَرِنَا عَلِمْنَا مَنَاسِكَنَا شَرَائِعَ عِبَادَتِنَا اَوْ حَجَّنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ^(۱۲۸) سَأَلَاهُ التَّوْبَةَ مَعَ عِصْمَتِهِمَا تَوَاضَعَا وَتَعَلَّمَا لَذُرِّيَّتِهِمَا رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمَا اٰي اٰهْلِ الْبَيْتِ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ بَيْنَ اَنْفُسِهِمْ وَقَدْ اٰجَابَ اللّٰهُ دُعَاةَ بِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِكَ الْقُرْآنَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ الْقُرْآنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ وَيُزَكِّيْهِمْ يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الشَّرِكِ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْغَالِبُ الْحَكِيْمُ^(۱۲۹) فِيْ صُنْعِهِ.

ترجمہ: اور یاد کرو جب ابراہیم (علیہ السلام) اور اسماعیل (علیہ السلام) اس گھر کی بنیادیں یا دیواریں اٹھا رہے تھے یعنی اس کی تعمیر کر رہے تھے مِنَ الْبَيْتِ، يَرْفَعُ کے متعلق ہے، اور اِسْمَاعِيْلُ کا عطف اِبْرَاهِيْمُ پر ہے، دونوں دعاء کرتے جاتے تھے، اے ہمارے پروردگار! تو ہماری طرف سے اس تعمیر کو قبول فرما تو باتوں کا سننے والا اور کاموں کا جاننے والا ہے، اے ہمارے پروردگار! تو ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی امت اٹھا کہ جو تیری فرمانبردار ہو، اور مِنْ تَبْعِيْضِ ہے، اور سابق میں لَا يَنَالُ عَهْدِيْ الظَّالِمِيْنَ آجانے کی وجہ سے مِنْ تَبْعِيْضِ لائے ہیں، اور تو ہم کو ہماری عبادت کے طریقے سکھا، یعنی ہماری عبادت کے احکام، یا ہمیں ہمارے حج کا طریقہ سکھا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، بے شک تو بڑا معاف کرنے والا ہے، دونوں کے معصوم ہونے کے باوجود توبہ کا سوال کرنا تواضعاً اور اپنی ذریت کی تعلیم کے لئے تھا، اے ہمارے پروردگار! ان میں یعنی اہل بیت میں ایک ایسا رسول مبعوث فرما، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کی شکل میں ان کی دعا قبول فرمائی، جو انہیں تیری آیات قرآنی سکھائے اور انہیں کتاب قرآن و حکمت جس میں احکام ہوں سکھائے اور انہیں شرک سے پاک کرے یقیناً تو غلبہ والا حکمت والا ہے، اپنی صنعت میں۔

تحقیق و ترکیب تسمیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: عطف علی ابراہیم یہ عبارت اس شبہ کا دفعیہ ہے کہ واسمعیل جملہ مستانفہ ہے، اس لئے کہ اگر اسمعیل کا ابراہیم پر عطف ہوتا تو اسمعیل کو الْقَوَاعِدُ مفعول سے مقدم کرتے۔

جَوَابُ: اسمعیل کو اس لئے مؤخر کیا ہے کہ حضرت اسماعیل عَلَيْهِ السَّلَامُ حقیقت میں بانی نہیں ہیں بلکہ معاون ہیں، بانی تو حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ ہیں، لیکن چونکہ تعمیر اور بناء میں حضرت اسماعیل عَلَيْهِ السَّلَامُ کا بھی حصہ تھا اس لئے اصل بانی پر معاون کا عطف کر دیا۔

قَوْلُهُ: يَقُولَانِ، یقولان کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالُ: رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا، اِبْرَاهِيمَ وَاسْمَاعِيلَ سے حال واقع ہے، حالانکہ حال واقع ہونا درست نہیں ہے، اس لئے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا دعا ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے، اور جملہ انشائیہ حال واقع نہیں ہو سکتا۔

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس سے پہلے یقولان محذوف ہے جس کی وجہ سے یہ جملہ خبریہ ہو گیا، لہذا حال واقع ہونا صحیح ہو گیا، یقولان مقدر ماننے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یقولان مقدر نہ مانیں تو خطاب واحد میں شئی واحد کا بغیر عطف کے غائب و متکلم ہونا لازم آتا ہے، اس لئے کہ يَرْفَعُ اِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ الْخِ غائب ہے، اور رَبَّنَا تَقَبَّلْ الْخِ متکلم ہے، اور جب یقولان مقدر مان لیا تو دونوں جملے غائب ہو گئے۔

قَوْلُهُ: وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا مِنْ كُتُبِ غَيْضٍ، وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا میں سے کہ اوپر اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا لَا يَنْتَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ اس کا مطلب یہ ہے کہ وعدہ امامت پوری ذریت سے نہیں بلکہ صرف ان سے ہے جو مومن اور صالح ہوں گے، اگر مِنْ كُتُبِ غَيْضٍ نہ مانا جائے تو لَا يَنْتَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ اور وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا میں تعارض ہوگا، اس لئے کہ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا کا مطلب ہے بغیر استثناء پوری ذریت کے لئے امامت کی دعاء فرمائی۔

سُؤَالُ: مِنْ ذُرِّيَّتِنَا میں مِنْ كُتُبِ غَيْضٍ لینے کی صورت میں دعاء میں بخل لازم آتا ہے، یعنی سب کے لئے دعا نہیں کی بلکہ بعض کے لئے دعا کی۔

جَوَابُ: مِنْ كُتُبِ غَيْضٍ لینا چونکہ ماقبل میں مذکور لَا يَنْتَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ کے معارض و منافی ہے، اس لئے مِنْ كُتُبِ غَيْضٍ لینا ہے۔

سُؤَالُ: اَرِنَا یہ رَأَى سے ماخوذ ہے، جو متعدی بد و مفعول ہے اور جب باب افعال سے لایا گیا تو متعدی بسہ مفعول ہو گیا حالانکہ یہاں صرف دو مفعول ہی مذکور ہیں، ایک نا اور دوسرا مَنَّا سِكَ۔

جَوَابُ: اَرَى بمعنی عَلِمَ وَابْصَرَ ہے، جو متعدی بیک مفعول ہے، باب افعال میں آنے کی وجہ سے متعدی بد و مفعول ہو گیا۔

قَوْلُهُ: سَأَلَاهُ التَّوْبَةَ الْخِ یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا توبہ قبول کرنے کی درخواست کرنا یہ ان کی معصومیت کے خلاف ہے، حالانکہ نبی معصوم ہوتا ہے۔

جَوَاب: تواضعاً اور تعلیماً لِلْأُمَّةِ توبہ کی درخواست کی۔

قَوْلُنَا: اهل البيت اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ وَاَبْعَثْ فِيهِمْ مِنْهُمْ ذُرِّيَّةً بِكى طَرَفٍ رَاجِعٍ ہے، حالانکہ ذُرِّيَّةٌ مَوْثُوتٌ ہے، لہذا فِيْهَا ہونا چاہئے۔

جَوَاب: ذُرِّيَّةٌ سے مراد اهل البيت ہیں جو کہ ذُرِّيَّةٌ سے منہوم ہیں، لہذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ یعنی ابراہیم علیہ السلام جب بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے، اے ہمارے پروردگار! تو ہماری یہ تعمیری خدمت قبول فرما، تو سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے، اور اے ہمارے پروردگار! تو ہم دونوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم (جماعت) اٹھا جو تیری فرمانبردار ہو، اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے سکھا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما، تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے، اور خود اسی قوم میں سے ایسا رسول اٹھائیو جو انہیں تیری آیات سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوار دے تو بڑا قادر و حکمت والا ہے۔

حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی یہ آخری دعا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی، اور حضرت اسماعیل کی اولاد میں سے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا، اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا میں اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں۔ (فتح الربانی)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سے مراد یہ قول ہے مُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ اور والدہ کے خواب سے وہ خواب مراد ہے جو آپ کی والدہ ماجدہ نے حالت حمل میں دیکھا تھا کہ میرے بطن سے ایک نور نکلا جس نے ملک شام کے محلات کو جگمگادیا۔

البیت العتیق:

عبادت خانوں میں قدیم ترین بلکہ سب سے قدیم کعبۃ اللہ ہے، اس کا دوسرا نام البیت العتیق بھی ہے، جب الْبَيْتُ مطلق بولا جاتا ہے تو خانہ کعبہ ہی مراد ہوتا ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، جس طرح الکتاب سے قرآن اور النبی سے محمد ﷺ مراد ہوتے ہیں۔

قابل غور بات:

یہاں یَرْفَعُ کا لفظ استعمال کیا گیا یُؤَسِّسُ کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا، اس کا مطلب ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی بنیاد نہیں رکھی بلکہ سابقہ رکھی ہوئی بنیاد کو اٹھایا، بنیاد تو غالباً حضرت آدم علیہ السلام ہی نے اپنے زمانہ میں رکھی تھی، مسیحیوں کو قدامت کعبہ سے جو ضد اور کد ہے وہ ظاہر ہے، خانہ کعبہ کی قدامت کے خلاف زبان و قلم سے ہر امکانی کوشش کر چکے ہیں، لیکن اس کے باوجود حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہے۔

بعض حق گو محققین کی شہادت:

ضد اور تعصب کی تاریکیوں میں بعض اوقات راست گوئی اور حق پسندی کی روشنی نمودار ہو کر ضد و تعصب کی ظلمت کے دامن کو تار تار کر کے مینارہ نور کھڑا کر دیتی ہے، مخالفوں اور دشمنوں کی شہادت زیادہ وزنی ہوا کرتی ہے، سنئے! جارج سیل (SALE) مترجم قرآن اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں لکھتا ہے:

”مکہ جسے مکہ بھی کہا جاتا ہے اور یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں اور ان کے معنی مقام اجتماع عظیم کے ہیں، یقیناً دنیا کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے، اور بعض کی رائے میں تو ریت کے (شہر) میسا سے یہی مراد ہے“

پھر وہی آگے لکھتا ہے:

”مکہ کا معبد اہل عرب کے درمیان مقدس اور ایک عبادت گاہ کی حیثیت سے بہت ہی قدیم زمانہ سے اور محمد ﷺ سے بہت سی صدیوں قبل سے چلا آتا ہے“

باسورتھ اسمتھ اپنے لکچرزان محمد اینڈ محمد ن ازم میں لکھتا ہے:

”بناء کعبہ کا سلسلہ حسب روایات اسماعیل اور ابراہیم تک پہنچتا ہے بلکہ شیث و آدم علیہما السلام تک، اور اس کا نام بیت ایل خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسے ابتدائی شکل میں کسی ایسے ہی بزرگ نے تعمیر کیا ہے۔ (ماجدی)

سب سے بڑھ کر قابل لحاظ شہادت سرولیم میور کے قلم سے ہے:

”مکہ کے مذہب کی تاریخ بہت ہی قدیم ماننی پڑتی ہے، روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ ایک نامعلوم زمانہ سے عرب کا مرکز چلا آتا ہے، جس مقام کا تقدس اتنے وسیع رقبہ میں مسلم ہو اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کی بنیاد قدیم ترین زمانہ سے چلی آتی ہے۔ (ماجدی)

وَالْحِكْمَةُ پھر رسول کا منصب صرف تعلیم کتاب ہی نہیں ہے بلکہ حکمت اور دانائی کی تلقین بھی منصب رسالت کے فرائض میں داخل ہے، احکام و مسائل دین کے قواعد اور آداب عوام و خواص سب کو سکھانا، یہی رسول کی ذمہ داری ہے، اور خواص کی رہنمائی اسرار و رموز میں بھی کریں گے، گویا رسول کی تیسری حیثیت مرشد اعظم کی ہے۔

يُزَكِّيهِمْ تزکیہ سے مراد دلوں کی صفائی ہے، رسول کا کام محض الفاظ اور احکام ظاہری کی تشریح تک محدود نہیں ہے بلکہ اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کے فرائض انجام دینا بھی ہے، گویا رسول کی یہ چوتھی حیثیت مصلح اعظم کی ہے۔

وَمَنْ اِی لَا یَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرٰهٖمَ فِیْتَرُكُهَا الْاٰمَنُ سَفِهَ نَفْسَهُ جہل انہا مَخْلُوْقَةٌ لِلّٰہِ یَجِبُ عَلَیْہَا عِبَادَتُہٗ اَوِ اسْتَخَفَتْ بِہَا وَاَنْتَمَہُنَّہَا وَلَقَدْ اَصْطَفٰیْنٰہُ اَخْتَرْنَاہُ فِی الدُّنْیَا بِالرِّسَالَةِ وَالْخَلَّةِ وَاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۳﴾ الَّذِیْنَ لَہُمْ الدَّرَجَاتُ الْعُلٰی وَاذْکُرْ اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗ اَسْلِمْ اَنْقِذْ لَہٗ دِیْنَکَ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۴﴾ وَوَصّٰی فِی قِرَاۃِ اَوْصٰی بِہَا بِالْمِلَّةِ اِبْرٰہٖمَ بَنِیْہٖ وَیَعْقُوْبُ بَنِیْہٖ قَالَ یٰبَنٰی اِنَّ اللّٰہَ اَصْطَفٰی لَکُمُ الدِّیْنَ دِیْنَ الْاِسْلَامِ فَلَا تَمُوْنَنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۵﴾ نَهٰی عَنْ تَرْکِ الْاِسْلَامِ وَاَمَرَ بِالشَّبَابِ عَلَیْہِ اِلٰی مُضَادَّةِ الْمَوْتِ وَلَمَّا قَالَ الْیَہُوْدُ لِلنَّبِیِّ اَلَسْتَ تَعْلَمُ اَنْ یَعْقُوْبَ یَوْمَ مَاتَ اَوْصٰی بَنِیْہٖ بِالْیَہُوْدِیَّةِ نَزَلَ اَمْرُکُمْ شَہْدَآءُ حُضُوْرًا اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ بَدَّلَ بَیْنَ اِذْ قَبْلَہٗ قَالَ لِبَنِیْہٖ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْۤی بَعْدَ مَوْتِیْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰہَکَ وَاِلٰہَ اٰبَاۡیَکَ اِبْرٰہٖمَ وَاسْمٰعِیْلَ وَاسْحٰقَ عَدُوْا اِسْمٰعِیْلَ مِنَ الْاَبَآءِ تَغْلِبْ وَلَا اِنَّ الْعَمَّ بِمَنْزِلَةِ الْاَبِ اِلٰہًا وَاَحَدًاۙ بَدَّلَ بَیْنَ اِلٰہَکَ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَاَمَ بِمَعْنٰی بِمَزَّةِ الْاِنْکَارِ اِی لَمْ تَخْضَرُوْہُ وَفَتَ مَوْتِہٖ فَکَیْفَ تُنْسِبُوْنَ اِلَیْہِ مَا لَا یَلِیْقُ بِہٖ تِلْکَ مَبْتَدَاً وَاِلِیْ اِشَارَۃٍ اِلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَبَنِیْہَا وَاَنْتَ لِتَانِیْثِ خَبِرَہٗ اُمَّہٗ قَدْ خَلَتْ سَلَفَتْ لَہَا مَا کَسَبَتْ مِنَ الْعَمَلِ اِی جَزَاؤُہٗ اِسْتِیْنَاثٌ وَلَکُمُ الْخِطَابُ لِلْیَہُوْدِ مَا کَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۷﴾ کَمَا لَا یُسْأَلُوْنَ عَنْ عَمَلِکُمْ وَالْجُمْلَةُ تَاکِیْدٌ لِّمَا قَبْلَہَا وَقَالُوْا کُنُوْا یَہُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَہْتَدُوْا اَوَّلُ التَّفْصِیْلِ وَقَائِلُ الْاَوَّلِ یَہُوْدُ الْمَدِیْنَةِ وَالثَّانِی نَصٰرٰی نَجْرَانَ قُلْ لَہُمْ بَلْ نَتَّبِعُ مِلَّةَ اِبْرٰہٖمَ حَنِیْفًاۙ حَالٌ مِنْ اِبْرٰہِیْمَ مَائِلًا عَنِ الْاَذِیَّانِ کُلِّیْہَا اِلٰی الدِّیْنِ الْقَیِّمِ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۸﴾ قُولُوْا خِطَابٌ لِلْمُؤْمِنِیْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا مِنَ الْقُرْاٰنِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْ اِبْرٰہٖمَ مِنَ الصُّخْفِ الْعَشْرِ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اَوْلَادِہٖ وَمَا اُوْتِیَ مُوْسٰی مِنَ التَّوْرَةِ وَعِیْسٰی مِنَ الْاِنْجِیْلِ وَمَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّہُمْ مِنَ الْکُتُبِ وَالْاٰیَاتِ لَا یَفْرِقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِنْہُمْ فَنُوْمِنْ بِبَعْضٍ وَنُکْفِرُ بِبَعْضٍ کَالْیَہُوْدِ وَالنَّصٰرٰی وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۹﴾

تَرْجُمہ: اور کون ہے؟ یعنی کوئی نہیں جو بے رغبتی کرے ملت ابراہیمی سے کہ اس کو ترک کر دے مگر وہی جس

نے اپنے آپ کو بے وقوف بنالیا (یعنی بیوقوف محض ہو) (اور) اس بات سے ناواقف ہو کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے، اور یہ کہ اس پر اللہ کی عبادت واجب ہے، یا یہ معنی ہیں کہ اس نے اپنے نفس کی تحقیر کی ہے، اور اس کو ذلیل کر رکھا ہے، ہم نے تو اسے دنیا میں بھی رسالت اور دوستی کے لئے منتخب کر لیا ہے، اور بلاشبہ وہ آخرت میں بھی ان صالحین میں ہوگا جن کے لئے مراتب عالیہ ہیں اور اس وقت کو یاد کرو کہ جب اس سے اس کے رب نے کہا سر تسلیم خم کر دے یعنی اللہ کا فرمانبردار ہو جا اور اپنے دین کو اس کے لئے خالص کر، تو اس نے فوراً ہی کہا میں نے رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا، اور اسی طریقے پر چلنے کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو ہدایت کی اور ایک قراءت میں اَوْصٰی ہے، اور یعقوب نے (بھی) اپنے بیٹوں کو اسی کی وصیت کی، کہا: اے میرے بچو! اللہ نے تمہاری لئے یہی دین اسلام پسند کیا ہے، لہذا مرتے دم تک مسلم ہی رہنا ترک اسلام سے منع فرمایا اور مرتے دم تک اس پر ثابت قدم رہنے کا حکم فرمایا، اور جب یہود نے نبی ﷺ سے کہا: کیا آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے انتقال کے روز اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت کی تھی (تو یہ آیت) نازل ہوئی، کیا تم اس وقت موجود تھے کہ جب یعقوب علیہ السلام (اس دنیا سے) رخصت ہو رہے تھے، یہ اِذْ، سابقہ اِذْ سے بدل ہے، اس (یعقوب) نے (انتقال کے وقت) اپنے بچوں سے پوچھا تم میرے بعد یعنی میرے انتقال کے بعد کس کی بندگی کرو گے؟ جواب دیا: ہم اسی ایک خدا کی بندگی کریں گے، جو آپ کے آباء ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کا معبود ہے، اور اسماعیل علیہ السلام کو آباء میں شمار کرنا تغلیبا ہے، اور اس لئے بھی کہ چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے، اِلٰہًا وَاٰحِدًا، اِلٰہِکَ سے بدل ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں، اور اُمّ بمعنی ہمزہ انکاری ہے، یعنی تم (یعقوب) کی موت کے وقت حاضر نہیں تھے، تو تم اس کی طرف ایسی بات کی نسبت کیوں کرتے ہو جو اس کی شایانِ شان نہیں ہے؟ وہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی تِلْکَ مَبْتَدَا، اور اشارہ ابراہیم اور یعقوب اور ان کے بیٹوں کی طرف ہے، اور (تِلْکَ) کو خبر کے مؤنث ہونے کی وجہ سے مؤنث لائے ہیں، جو اعمال انہوں نے کئے ان کے لئے ہیں، یعنی اس کی جزاء ان کے لئے ہے یہ (جملہ) مستانفہ ہے اور جو تم کرو گے اس کی جزا تم کو ملے گی، خطاب یہودیوں کو ہے ان کے اعمال کے بارے میں تم سے سوال نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ ان سے تمہارے اعمال کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا، جملہ ماقبل کی تاکید ہے، یہود کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ، ہدایت پا جاؤ گے اور نصاریٰ کہتے ہیں نصرانی ہو جاؤ ہدایت پاؤ گے، اَوْ تَفْصِیل کے لئے ہے، اول (قول) کے قائل مدینہ کے یہود ہیں اور ثانی (قول) کے قائل نجران کے نصاریٰ ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے ہم تو ملت ابراہیم کی اتباع کریں گے، جس میں لُجی کا نام نہیں (حنیفا) ابراہیم سے حال ہے، حال یہ کہ وہ تمام ادیان (باطلہ) سے دین مستقیم کی جانب مائل ہونے والے ہیں، اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے، کہو! یہ مومنین کو خطاب ہے

ہم تو اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے، قرآن (اس پر ایمان لائے) اور ان دس صحیفوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ابراہیم علیہ السلام پر نازل ہوئے اور اسماعیل علیہ السلام پر اور اسحق پر اور یعقوب علیہ السلام پر اور اس کی اولاد پر نازل ہوئے اور جو عطا کیا گیا موسیٰ علیہ السلام کو یعنی تورات اور عیسیٰ علیہ السلام کو یعنی انجیل اور جو کتابیں اور آیتیں ان کو عطا کی گئیں ان کے رب کی جانب سے (ایمان رکھتے ہیں) بایں طور کہ ہم ان میں سے کسی میں بھی تفریق نہیں کرتے یہود و نصاریٰ کے مانند کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں، ہم تو اللہ تعالیٰ کے مطیع ہیں۔

تَحْقِیْقِ تَرْكِیْهِ تَسْهِيْلٍ وَ تَفْسِيْرِيْ فَوَائِدِ

قَوْلُنَا: وَمَنْ اِی لَا یَرْغَبُ. مَنْ استفہام انکاری مبتداء ہے، یَرْغَبُ خبر، اس کے اندر ضمیر ہے جو مَنْ کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُنَا: دِیْنِ الْاِسْلَامِ اس میں اشارہ ہے کہ الدِّیْنِ میں الف لام عہد کا ہے اور دلیل فَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ہے۔

قَوْلُنَا: نَهٰی عَنْ تَرْكِ الْاِسْلَامِ اس سے ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سُئِلَ: فَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ میں بظاہر موت سے نہی معلوم ہوتی ہے جو کہ بندہ کے اختیار میں نہیں۔

جَوَابُ: موت سے نہی نہیں ہے بلکہ ترکِ اسلام سے نہی ہے اس لئے کہ جب مقید پر نفی داخل ہوتی ہے تو قید کی نفی ہوتی ہے، اس لئے اگرچہ موت پر داخل ہے اور مدخول نہی ہی مقصود عن النہی ہوتا ہے مگر چونکہ مدخول نہی اختیاری نہیں ہے اس لئے قید کی نہی مراد ہے۔

قَوْلُنَا: اَمَرَ بِالْثَبَاتِ عَلَیْهِ اس عبارت سے یہ فائدہ ہے کہ نفس ایمان تو ان کو حاصل تھا، لہذا اس کے حاصل کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے، بلکہ اسلام پر دوام مراد ہے۔

قَوْلُنَا: بِمَنْزِلَةِ الْاَبِ، اَلْعَمُّ صَنُوْا اَبِیْہِ. (الحديث)

قَوْلُنَا: وَالْجُمْلَةُ تَاكِيْدٌ لِّمَا قَبْلَہِ یہ تکرار کے فائدہ کا بیان ہے۔

قَوْلُنَا: كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰی، اَوْ تَوَلَّیْ مَقَالَ کے لئے ہے نہ کہ تخییر کے لئے، اس لئے کہ ہر فریق ایک دوسرے کی تکفیر کرتا ہے۔

قَوْلُنَا: قَائِلِ الْاَوَّلِ الْیَهُودِ اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

اعتراض: كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰی میں تناقض ہے، اللہ تعالیٰ کے قول لیست الیہود علی شی الخ سے۔

جَوَابُ: کا حاصل یہ ہے کہ دونوں کے قائل مختلف ہیں لہذا کوئی تناقض نہیں ہے۔

قَوْلًا: حال من ابراهیم یعنی حنیفاً ابراہیم سے حال ہے، حالانکہ مضاف الیہ سے حال واقع ہونا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اصل مضاف کی جگہ رکھنا درست ہو تو مضاف الیہ سے بھی حال واقع ہونا درست ہوتا ہے، یہاں ایسا ہی ہے اس لئے کہ ابراہیم کو ملہ کی جگہ رکھنے کے بعد بھی مطلب صحیح رہتا ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

شان نزول:

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ (س) رَغْبًا تَوْقِعُ كَرْنًا، صلہ جب عَنْ ہو تو اعراض و بے رخی کرنا جیسا کہ یہاں مستعمل ہے، اور اگر صلہ الیٰ یافى ہو تو مائل ہونا، رغبت کرنا۔

روایت کیا گیا ہے کہ عبد اللہ بن سلام نے اپنے بھتیجیوں سلمہ اور مہاجر کو اسلام کی دعوت دی اور کہا کہ تم بخوبی جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے کہ میں اولادِ اسماعیل میں ایک نبی مبعوث کرنے والا ہوں جس کا نام احمد ہوگا، جو اس پر ایمان لائے گا وہ ہدایت یافتہ ہوگا اور جو ایمان نہ لائے گا وہ ملعون ہوگا، چنانچہ سلمہ ایمان لے آئے مگر مہاجر نے انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (روح البیان)

یہاں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ عظمت و فضیلت بیان فرما رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائی ہے، اور یہ بھی وضاحت فرمادی کہ ملت ابراہیم سے اعراض و بے رخی بے وقوفوں ہی کا کام ہے، کسی عقلمند سے اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

وَوَصَّىٰ بِهَا اِبْرَاهِيْمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو اس دین کی وصیت فرمائی جو یہودیت نہیں اسلام ہے، جیسا کہ یہاں بھی اس کی صراحت موجود ہے، اور دیگر مقامات پر بھی اس کی تفصیل آئی ہے، مثلاً اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (آل عمران) اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ یہود کو زبردستی کی جارہی ہے کہ تم جو یہ دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم و یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی، تو کیا تم وصیت کے وقت موجود تھے؟ اگر وہ یہ کہیں کہ ہم موجود تھے تو کذب و زور ہے، اور اگر یہ کہیں کہ حاضر نہیں تھے تو ان کا مذکورہ دعویٰ غلط ہوا، اس لئے کہ ان حضرات نے جو وصیت فرمائی وہ تو اسلام کی تھی نہ کہ یہودیت یا عیسائیت یا وثنیت کی، تمام انبیاء علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا، اگرچہ شریعت اور طریقہ کار میں کچھ اختلاف تھا، اسی کو نبی ﷺ نے اس طرح بیان فرمایا: اَلْاَنْبِیَآءُ اَوْلَادُ عَلَاتٍ اُمَّهَاتُهُمْ شَتٰی وَدِیْنُهُمْ وَاحِدٌ (صحیح بخاری کتاب الانبیاء) انبیاء کی جماعت اولادِ علات ہیں، ان کی مائیں مختلف (اور باپ ایک) ہے اور دین ایک ہے۔

حضرت یعقوب عَلَیْهِ السَّلَام کی وصیت:

تلمود میں حضرت یعقوب عَلَیْهِ السَّلَام کی جو وصیت درج ہے وہ قرآن کے بیان سے مشابہ ہے، حضرت یعقوب عَلَیْهِ السَّلَام کی وصیت کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

خداوند! اپنے خدا کی بندگی کرتے رہنا، وہ تمہیں اسی طرح تمام آفات سے بچائے گا، جس طرح تمہارے آباء واجداد کو بچاتا رہا ہے، اپنے بچوں کو خدا سے محبت کرنے اور اس کے احکام بجالانے کی تعلیم دینا تاکہ ان کی مہلت زندگی دراز ہو، کیونکہ خدا ان لوگوں کی حفاظت کرتا ہے جو حق کے ساتھ کام کرتے ہیں، اور اس کی راہوں پر ٹھیک ٹھیک چلتے ہیں، جواب میں ان کے لڑکوں نے کہا: جو کچھ آپ نے ہدایت فرمائی ہم اس کے مطابق عمل کریں گے، خدا ہمارے ساتھ ہو، تب یعقوب نے کہا: اگر تم خدا کی سیدھی راہ سے دائیں یا بائیں نہ مڑو گے تو خدا ضرور تمہارے ساتھ رہے گا۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ یعنی تم اگرچہ ان کی اولاد سہی مگر حقیقت میں تمہیں ان سے کوئی واسطہ نہیں، ان کا نام لینے کا تمہیں کیا حق ہے جب تم ان کے راستہ سے پھر گئے؟ اللہ کے یہاں تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ دادا کیا کرتے تھے؟ بلکہ یہ پوچھا جائے گا کہ تم خود کیا کرتے تھے، تمہیں اپنے انبیاء صالحین کی طرف نسبت کرنے سے کوئی فائدہ نہیں، انہوں نے جو کچھ کیا اس کا صلہ ان ہی کو ملے گا تمہیں نہیں، تمہیں تو وہی ملے گا جو کچھ تم کماؤ گے، اس سے معلوم ہوا کہ اسلاف کی نیکیوں پر اعتماد اور سہارا غلط ہے، اصل چیز ایمان اور عمل صالح ہے۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ یہود مسلمانوں کو یہودیت کی اور عیسائی عیسائیت کی دعوت دیتے اور کہتے کہ ہدایت اسی میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان سے کہو ہدایت ملت ابراہیمی کی پیروی میں ہے، جو خلیف تھا یعنی اللہ تعالیٰ کا پرستار اور سب سے کٹ کر اس کی عبادت کرنے والا، اور وہ مشرک نہیں تھا جب کہ یہودیت اور عیسائیت میں شرک کی آمیزش موجود ہے۔

قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ (الآیۃ) یہ عام مسلمانوں کو خطاب ہے یعنی کہ ہمیں تو نسلی یا قومی تعصب کسی سے بھی نہیں ہے، ہمارا رشتہ اسماعیلی، اسرائیلی، ہر شریعت الہی سے بس اعتقادی و انقیادی ہے یعنی ایمان تو یہ ہے کہ تمام انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کو اللہ کی طرف سے جو کچھ ملایا نازل ہوا سب پر ایمان لایا جائے کسی بھی کتاب یا رسول کا انکار نہ کیا جائے، بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا یہ انبیاء کے درمیان تفریق ہے جس کو اسلام جائز نہیں رکھتا، البتہ عمل اب صرف قرآن پر ہوگا۔

حضرت عیسیٰ ابن مریم عَلَیْہِ السَّلَام کا تاریخی تعارف:

سابق میں مذکور انبیاء عَلَیْہِمُ السَّلَام کے ساتھ حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا اسم گرامی بھی چونکہ آیا ہے لہذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کچھ تاریخی تعارف بھی ہو جائے، عیسیٰ ابن مریم بجائے والد کے والدہ کی طرف منسوب ہیں، بنی اسرائیل کے آخری اور مشہور نبی ہوئے ہیں آپ پر اسرائیلی رسالت و نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

ولادت شام کے صوبہ (یہودیہ) کے قصبہ بیت اللحم یا بیت المقدس میں شام کے حاکم ہیرود کے زمانہ میں ہوئی شام اس وقت روم کی شہنشاہی کا ایک نیم آزاد علاقہ تھا، سال ولادت غالباً ۴ ق م ہے، یہ بات سننے میں بظاہر بڑی عجیب معلوم ہوگی لیکن اس پر حیرت نہ کیجئے اس لئے کہ سن عیسوی جو اس وقت رائج ہے خود اسی تقویم کے قائم کرنے میں شروع ہی سے غلطی رہ گئی ہے اور اس کا پتہ بعد میں چلا چنانچہ سن عیسوی کا پہلا سال آپ کی ولادت کا سال نہیں بلکہ آپ کی ولادت کے چوتھے سال سے یہ سن شروع ہوا، آپ کی عمر جب غالباً تینتیس (۳۳) سال تھی تو سن عیسوی ۳۰ء تھا، کہ اسرائیلیوں نے آپ کی تعلیم و تبلیغ سے نہایت آزرہ ہو کر آپ پر مقدمہ پہلے تو اپنی آزاد اور خود مختار مذہبی عدالت میں چلایا اور سرکاری قانون کا بھی مجرم بنا کر رومیوں کی ملکی عدالت میں پیش کیا وہاں سے سزائے موت کا (بذریعہ صلیب) حکم صادر ہوا۔ (تفسیر ماحدی)

فَإِنْ آمَنُوا أَيْ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى بِمِثْلِ مِثْلِ زَائِدَةٍ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْإِيمَانِ بِهِ فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ خِلَافٍ مَعَكُمْ فَسَيَكْفِيكُمْ اللَّهُ يَا مُحَمَّدُ شِقَاقَهُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ لِقَوْلِهِمُ الْعَلِيمُ^(١٢٧) بِأَحْوَالِهِمْ وَقَدْ كَفَاكَ اللَّهُ أَيُّهَا بَنِي بَقْتُلِ قَرِيفَةً وَتَفِي النَّخِيرِ وَضَرْبِ الْجَزْيَةِ عَلَيْهِمْ صِبْغَةَ اللَّهِ مُضَدُّ مُؤَكِّدٌ لِأَمْنِهَا وَنَضْبُهُ بِفَعْلِ مُقَدَّرٍ أَيْ صَبَغْنَا اللَّهُ وَالْمُرَادُ بِهَا دِينُهُ الَّذِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهِ لِيُظْهِرَ آثَرَهُ عَلَى صَاحِبِهِ كَالصَّبْغِ فِي الثَّوْبِ وَمَنْ أَيْ لَا أَحَدٌ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً تَمِيزُ وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ^(١٢٨) قَالَ الْيَهُودُ لِلْمُسْلِمِينَ نَحْنُ أَهْلُ الْكِتَابِ الْأَوَّلِ وَقَبْلُنَا أَقْدَامٌ وَلَمْ يَكُنِ الْأَنْبِيَاءُ مِنَ الْعَرَبِ وَلَوْ كَانَ مُحَمَّدٌ نَبِيًّا لَكَانَ بِنَا فَنَزَلَ قُلْ لَهُمْ أَتَحَاجُّونَنَا تُخَاصِمُونَنَا فِي اللَّهِ إِنْ اضْطَفَى نَبِيًّا مِنَ الْعَرَبِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ فَلَهُ إِنْ يَضْطَفَى مِنْ عِبَادِهِ مَنْ يَشَاءُ وَلَنَا أَعْمَالُنَا نَجَازِي وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ تُجَازُونَ بِهَا فَلَا يَبْعُدُ أَنْ يَكُونَ فِي أَعْمَالِنَا مَا نَسْتَحِقُّ بِهِ الْإِكْرَامَ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ^(١٢٩) الدِّينَ وَالْعَمَلَ دُونَكُمْ فَنَحْنُ أَوْلَى بِالِاضْطِفَاءِ وَالْهَمْزَةُ لِلْإِنْكَارِ وَالْجَمْلُ الثَّلَاثُ أَحْوَالٌ أَمْ بَلْ تَقُولُونَ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى قُلْ لَهُمْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ أَيْ اللَّهُ أَعْلَمُ وَقَدْ بَرَأَ بَيْنَهُمَا إِبْرَاهِيمَ بِقَوْلِهِ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَالْمَذْكُورُونَ مَعَهُ تَبَعَ لَهُمْ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ أَخْفَى مِنَ النَّاسِ شَهَادَةً عِنْدَهُ كَانَتْ مِنَ اللَّهِ أَيْ لَا أَحَدٌ أَظْلَمُ مِنْهُ وَبِهِمُ الْيَهُودُ كَتَمُوا شَهَادَةَ اللَّهِ فِي التَّوْرَةِ لِإِبْرَاهِيمَ بِالْحَنِيفِيَّةِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ^(١٣٠) تَهْدِيدٌ لَهُمْ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ^(١٣١) تَقَدَّمَ بِمِثْلِهِ.

ترجمہ: سو اگر وہ یعنی یہود و نصاریٰ اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو ہدایت یافتہ ہوں گے

(لفظ) مثل زائدہ ہے اور اگر وہ اس پر ایمان لانے سے روگردانی کریں تو وہ صریح اختلاف میں ہیں یعنی تمہاری مخالفت میں، لہذا اطمینان رکھو، اے محمد ﷺ! ان کی دشمنی میں اللہ عنقریب آپ کی کفایت کرے گا، وہ ان کی باتوں کو خوب سننے والا اور ان کے حالات کو جاننے والا ہے، اور اللہ ان کے لئے کافی ہو گیا، بنی قریظہ کو قتل کر کے اور بنی نضیر کو جلاوطن کر کے اور ان پر جزیہ عائد کر کے اللہ کا رنگ اختیار کرو (صِبْغَةَ اللَّهِ) مصدر ہے آمَنَّا کی تاکید کے لئے اور اس کا نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے، اِی صَبَغْنَا اللَّهُ صِبْغَةً اور مراد اس سے اللہ کا وہ دین ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا فرمایا، دین کے اثر کے دیندار پر ظاہر ہونے کی وجہ سے جیسا کہ رنگ (کا اثر) کپڑے پر ظاہر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے رنگ سے کس کا رنگ زیادہ اچھا ہوگا؟ صِبْغَةُ تَمِيز ہے، ہم تو اس کی بندگی کرنے والے ہیں (جب) یہود نے مسلمانوں سے کہا کہ ہم اول اہل کتاب ہیں اور ہمارا قبلہ سب سے اول قبلہ ہے اور عرب میں انبیاء نہیں ہوئے، اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو ہم میں سے ہوتے، تو آئندہ آیت نازل ہوئی، آپ ان سے کہئے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو، اس وجہ سے کہ اس نے عرب میں سے نبی منتخب کر لیا، حالانکہ وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، لہذا اس کو اختیار ہے کہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے منتخب کرے ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں جن کی ہمیں جزا دی جائے گی اور تمہارے لئے تمہارے اعمال ہیں جن کی جزا تم کو دی جائے گی، لہذا یہ بعید نہیں کہ ہمارے اعمال میں ایسی چیز ہو جس کی وجہ سے ہم اکرام کے مستحق ہوں، ہم تو اسی کے لئے دین و عمل کو خالص کر چکے ہیں، نہ کہ تم، لہذا انتخاب کے لئے ہم زیادہ اولیٰ ہیں، اور (اتَّحَاجُونَنَا) میں ہمزہ استفہام انکاری ہے، اور تینوں جملے حال ہیں کیا تم کہتے ہو (یَقُولُونَ) یا، اور تاء کے ساتھ ہے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد یہود و نصاریٰ تھے، ان سے کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ یعنی اللہ زیادہ جاننے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کی یہودیت اور نصرانیت دونوں سے براءت ظاہر فرمادی، اپنے قول مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا سے اور ان کے ساتھ جو حضرات مذکور ہیں وہ تو (ابراہیم) کے تابع ہیں، اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ جس نے اللہ کے نزدیک ثابت شدہ شہادت کو لوگوں سے چھپایا یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں، اور وہ یہود ہیں کہ انہوں نے تورات میں ابراہیم کے حنفی ہونے کی شہادت کو چھپایا، اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے، یہ ایک جماعت تھی جو گنہگار تھی، جو انہوں نے کیا ان کے لئے ہے اور جو تم نے کیا تمہارے لئے ہے، تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہ ہوگا، ایسی ہی آیت اوپر گزر چکی ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْحِ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلًا: مثل زائدہ اس اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے، اعتراض یہ ہے کہ مسلمان اللہ پر ایمان لائے، اب یہود و نصاریٰ سے کہا جا رہا ہے ”اگر وہ اس کے مثل پر ایمان لائیں جس پر مسلمان ایمان لائے ہیں“ تو اس سے تو اللہ کا مثل ہونا لازم آتا ہے، حالانکہ اللہ کا کوئی مثل نہیں ہے۔

جَوَابُ: لفظ مثل زائد ہے، اس جواب کی شہادت وہ قراءت بھی دے رہی ہے جس میں بمثل مَا آمَنْتُمْ کے بجائے بِمَا آمَنْتُمْ بہ ہے۔ (ترویج)

قَوْلُ: مُؤَكِّدٌ لِأَمْنًا، صِبْغَةً فعل مقدر کا مصدر ہے اور آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ الْخ کے مضمون کی تاکید کے لئے ہے، اس لئے کہ مذکورہ جملہ میں دوسرے مضمون کا احتمال ہی نہیں ہے اسی وجہ سے اس کے عامل کو حذف کر دیا گیا ہے، صِبْغَةُ اللّٰہ اصل میں صَبَغْنَا اللّٰہ صِبْغَةً، تھَا صِبْغَةُ اللّٰہ میں حرف عطف کو ترک کر کے اشارہ کر دیا کہ صَبَغْنَا اللّٰہ اور آمَنَّا کا مدلول ایک ہی ہے جس سے تاکید کا مفہوم ظاہر ہے۔

قَوْلُ: دُونُكُمْ میں اشارہ ہے کہ نحن لَهُ مُخْلِصُونَ میں مسند الیہ کی تقدیم حصر کے لئے ہے۔
قَوْلُ: وَالْهَمْزَةُ لِلانْكَارِ یعنی اَنْتَ حَاجُّوْنَ، میں ہمزہ انکار کے لئے ہے، اس سے اس کا جواب ہو گیا کہ استفہام اللہ کی شان کے مناسب نہیں ہے۔

قَوْلُ: وَالْجُمْلَةُ الثَّلَاثُ احوال اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔
اعتراض: واو میں اصل عطف ہے لہذا مذکورہ تینوں جملوں میں واو عاطفہ ہوگا، اور معطوف علیہ اَنْتَ حَاجُّوْنَ ہے جو کہ جملہ انشائیہ ہے اور یہ تینوں جملے خبریہ ہیں، لہذا جملہ خبریہ کا عطف انشائیہ پر لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے۔
جَوَابُ: واو عطف کے لئے وہاں اصل ہوتا ہے جہاں عطف سے کوئی مانع نہ ہو اور یہاں مانع موجود ہے اور وہ جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ پر عطف کا لازم آنا ہے، لہذا یہاں واو عاطفہ نہیں بلکہ حالیہ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِكُمْ آپ ﷺ کو اور صحابہ کرام رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اگر یہ یہود و نصاریٰ تمہاری طرح ایمان لے آئیں تو یقیناً وہ بھی ہدایت یافتہ ہو جائیں گے، اور اگر وہ ضد اور عناد میں منہ موڑ لیں گے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، ان کی سازشیں آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی کفایت و حمایت کرنے والا ہے، چنانچہ چند ہی سالوں میں یہ وعدہ پورا ہوا اور بنو قریظہ قتل کر دیئے گئے۔

واقعہ:

تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت عثمان رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ کی شہادت کے وقت جو مصحف ان کی گود میں تھا جس کی وہ تلاوت فرما رہے تھے آپ کے خونِ ناحق کے دھبے جس آیت پر گرے وہ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰہ ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ مصحف آج تک ترکی میں محفوظ ہے۔

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰہ میں آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ اپنے مخالفوں کی زیادہ فکر نہ کریں، ہم خود ان سے

نمٹ لیں گے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمادیا، کہ آپ مخالفین کی پرواہ نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی حفاظت کرے گا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ اس سے پہلی آیت میں دین اسلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کر کے کہا گیا تھا مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا اس جگہ دین کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے بتلادیا کہ دین درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہے، کسی پیغمبر کی طرف اس کی نسبت مجازاً کر دی جاتی ہے اور اس جگہ ملت کو صِبْغَةَ کے لفظ سے تعبیر کر کے دو باتوں کی طرف اشارہ کر دیا اول تو نصاریٰ کی تردید ہو گئی نصاریٰ کے یہاں ایک ضروری رسم یہ تھی کہ بچہ کو پیدائش کے ساتویں روز ایک زرد رنگ کے پانی میں نہلاتے تھے اور ختنہ کے بجائے اسی نہلانے کو بچہ کی طہارت اور دین نصرانیت کا پختہ رنگ سمجھتے تھے، نصرا نیوں کی اصطلاح میں اس رسم کو ’بتسمہ‘ کہتے ہیں، اس آیت نے بتلادیا کہ یہ پانی کا رنگ دھل کر ختم ہو جاتا ہے اس کا بعد میں کوئی اثر نہیں رہتا، اصل رنگ تو دین اور ایمان کا ہے جو ظاہری اور باطنی پاکیزگی کی ضمانت ہے، اور پاندار بھی، دوسرے دین کو رنگ فرما کر اس کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جس طرح رنگ آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے مومن کے ایمان کی علامت اس کے چہرہ بشرہ اور تمام حرکات و سکنات و معاملات سے ظاہر ہونی چاہئے۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں اول یہ کہ ہم نے اللہ کا رنگ اختیار کر لیا، دوسرا یہ کہ اللہ کا رنگ اختیار کرو۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةَ الْخ یہ خطاب دراصل ان علماء یہود کو ہے جو خود بھی اس حقیقت سے ناواقف نہیں تھے کہ یہودیت اور عیسائیت اپنی موجودہ خصوصیات کے ساتھ بہت بعد میں پیدا ہوئی مگر اس کے باوجود وہ حق کو اپنے ہی فرقوں میں محدود سمجھتے تھے، نزول قرآن کے وقت یہود میں بڑے بڑے عالم فاضل موجود تھے ان سب کو چیلنج دیکر ایک امی کی زبان سے کہلایا جا رہا ہے کہ تم واقعات کو توڑ مروڑ کر صد اقتوں کا گلا گھونٹ کر کچھ بھی کہے جاؤ، واقعہ اور حقیقت اثریات جو کچھ ان حضرات کے دین کی بابت کہہ رہے ہیں جس کی تفصیل گزر چکی ہے وہ اسی قرآنی متن کی شرح اور اسی امی کے لائے ہوئے کلام کے اجمال کی تفصیل ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ الْخ یہ آیت ابھی گزر چکی ہے اس کو مکرر لانے کی وجہ یہود کے ایک زعم باطل کی نفی کرنی ہے کہ ہمارے اعمال و عقائد خواہ کتنے ہی برے ہوں مگر ہماری پیغمبر زادگی اور ان سے ربط و تعلق کی وجہ سے ہمارے آباء و اجداد ہم کو ضرور بخشوا لیں گے، اسی بیہودہ خیال کی تردید کے لئے اس آیت کو دوبارہ لایا گیا ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ الْجُهَالُ مِنَ النَّاسِ اى اليہود والمشرکین مَا وَلَّهُمْ اى شىء صَرَفَ النَّبِیِّ وَالْمُؤْمِنِينَ
عَنْ قِبَلَتِهِمُ الَّتِی کَانُوا عَلَیْهَا عَلَى اسْتِقْبَالِهَا فِی السَّلَوةِ وَبِیْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ وَالْاِثْنَانِ بِالسِّینِ الذَّالِیَّةِ
عَلَى الْاِسْتِقْبَالِ بَيْنَ الْاِخْبَارِ بِالْغَيْبِ قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اى الْجِهَاتُ كُلُّهَا فَيَأْمُرُ بِالتَّوَجُّهِ اِلَى اِیْ جِهَةٍ
شَاءَ لَا اِغْتِرَاضَ عَلَیْهِ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ بِدَایَتِهِ اِلَى صِرَاطٍ طَرِیقٍ مُسْتَقِیْمٍ ۝ دِیْنِ الْاِسْلَامِ اِیْ وَبِیْنَهُمْ اَنْتُمْ دَلَّ
عَلَى بَذَا وَكَذَلِکَ کَمَا بَدَّیْنَا کُمْ اِلَیْهِ جَعَلْنَاکُمْ یَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ اُمَّةً وَسَطًا خِیَارًا عَدُوْلًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَی النَّاسِ
یَوْمَ الْقِیْمَةِ اَنْ رُّسُلَهُمْ بَلَّغْتُمْہُمْ وَیَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَهِیْدًا اَنَّهُ بَلَّغَکُمْہُمْ وَمَا جَعَلْنَا صِیْرَنَا الْقِبْلَةَ لَکَ الْاَنَ الْجِهَةَ
الَّتِی کُنْتَ عَلَیْهَا اَوَّلًا وَبِیْ الْکَعْبَةِ وَكَانَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُحَلِّی اِلَیْهَا قَلَمًا بِحَاجَرٍ اُمَیْرَ بِاسْتِقْبَالِ بَیْتِ
الْمَقْدِسِ ثَلَاثًا لِلِیَہُودِ فَحَلَّی اِلَیْہِ سِتَّةَ اَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ حَوَّلَ اِلَّا لِنَعْلَمَ عِلْمَ ظُہُوْرٍ مِّنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ
فِیْ حُدُوْدِہٖ مِمَّنْ یَنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْہِ اِیْ یَرْجِعُ اِلَى الْکَثْرِ شُكَا فِی الدِّیْنِ وَظَنَّا اَنَّ النَّبِیَّ فِی حِیْرَةٍ بَيْنَ اَمْرِہٖ وَقَدَارَتِہٖ
لِذَلِکَ جَمَاعَةٌ وَاِنْ مِّنْ خَفِیْفَةٍ بَيْنَ الثَّقِیْلِ وَاسْمُہَا مَحْذُوْثٌ اِیْ وَاِنَّہَا کَانَتْ اِیْ التَّوْلِیَّةُ اِلَیْہَا لَکَبِیْرَةٌ شَاقَّةٌ
عَلَى النَّاسِ اِلَّا عَلٰی الَّذِیْنَ هَدٰی اللّٰهُ مِنْہُمْ وَمَا کَانَ اِبْلَہُ لَیْضِیْعَ اِیْمَانِکُمْ اِیْ صَلَاتِکُمْ اِلَى بَیْتِ الْمَقْدِسِ بَلْ
یُثِیْبُکُمْ عَلَیْہِ لِاَنْ سَبَبَ نَزُوْلِہَا السُّوَالُ عَمَّنْ مَاتَ قَبْلَ الشَّخْوَنِیْلِ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ الْمُؤْمِنِیْنَ لَرَّءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝
فِی عَدَمِ اِضَاعَةِ اَعْمَالِهِمْ وَالرَّافَةِ شِدَّةَ الرَّحْمَةِ وَقَدَّمَ الْاِبْلَغَ لِلْمُتَاصِلَةِ۔

ترجمہ: نادان جاہل لوگ یعنی یہود و مشرکین عنقریب کہیں گے کہ کس چیز نے پھیر دیا ان کو؟ یعنی نبی اور
مؤمنین کو اس قبلہ سے جس پر وہ تھے یعنی نماز میں اب تک جس قبلہ کی طرف رخ کرتے تھے اور وہ بیت المقدس ہے اور سین
استقبالیہ کو لانا اخبار بالغیب کے قبیل سے ہے، اور کہہ دیجئے کہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے، یعنی تمام جہات اسی کی
ملک ہیں، لہذا اس کو حق ہے کہ جس جہت کی جانب چاہے رخ کرنے کا حکم دے، اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں، وہ جس کو
ہدایت دینا چاہتا ہے اس کو سیدھی (یعنی) دین اسلام کی راہ دکھا دیتا ہے اور ان میں (اے مومنو!) تم بھی ہو جن کو راہ مستقیم
دکھائی، اور ہم نے اسی طرح جس طرح تم کو راہ مستقیم دکھائی، اے امت محمد ﷺ! تم کو خیر امت یعنی معتدل امت
(بھی) بنایا تاکہ تم لوگوں کے لئے قیامت کے دن گواہ ہو، اس بات پر کہ ان کے رسولوں نے ان کو پیغام پہنچا دیا اور
رسول تمہارے لئے گواہ ہوں کہ اس نے تم کو پیغام پہنچا دیا، جس سمت قبلہ پر تم پہلے تھے اور آپ ﷺ کعبہ کی طرف رخ
کر کے نماز پڑھا کرتے تھے، مگر جب آپ نے ہجرت فرمائی تو یہود کی دل جوئی کے لئے بیت المقدس کی جانب رخ
کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ نے اس کی طرف رخ کر کے سولہ یا سترہ مہینہ نماز پڑھی پھر (یہ حکم) تبدیل کر دیا گیا، اس کو ہم

نے صرف اس لئے مقرر کیا تھا تا کہ ہم علم ظہور کے طور پر ظاہر کر دیں کہ رسول کی کون اتباع کرتا ہے؟ (یعنی) اس کی تصدیق کرتا ہے، اور کون ہے، جو الٹا پھر جاتا ہے؟ یعنی دین میں شک کرتے ہوئے، اور یہ گمان کرتے ہوئے کہ نبی قبلہ کے معاملہ میں مذہب ہے، اور اسی وجہ سے ایک جماعت مرتد ہو گئی، گو تبدیل قبلہ کا یہ کام مشکل ہے یعنی لوگوں پر شاق ہے إِنْ مَخْفَفَةٌ عَنِ الْمَثْقَلَةِ ہے، اور اس کا اسم محذوف ہے، (در اصل) وَأَنَّهَا تَهَا، مگر ان میں سے جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے (ان کیلئے کوئی مشکل نہیں ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہ کرے گا یعنی بیت المقدس کی جانب پڑھی ہوئی نماز کو (ضائع نہ کرے گا) بلکہ اس پر تم کو اجر دے گا، اس لئے کہ اس کا سبب نزول، ان لوگوں کے بارے میں سوال تھا جو تحویل قبلہ سے پہلے مر گئے، اللہ لوگوں مومنوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے، ان کے اعمال کو ضائع نہ کرے گا، اور رافۃ شدتِ رحمت کو کہتے ہیں ابلغ (یعنی رؤف) کو فاصلہ کی رعایت کی وجہ سے مقدم کیا ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْلٍ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: سُفْهَاءُ (واحد) سَفِيْهُ بوقوف، نادان، احمق، جاہل، (س)۔

قَوْلُهُ: مَا وَلَهُمْ، مَا استفہامیہ مبتداء، وَلَهُمْ خبر، وَلِي تَوَلَّيَّةٌ (تفعیل) پیٹھ پھیرنا، منہ موڑنا۔

قَوْلُهُ: مِنَ النَّاسِ، سُفْهَاءُ سے حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے عامل سيقول ہے، یہ حال مبینہ ہے، یعنی دوسروں سے ممتاز اور جدا کرنے کے لئے اس لئے کہ سفاہت کے ساتھ جس طرح انسان متصف ہوتا ہے، غیر انسان بھی متصف ہوتا ہے حتیٰ کہ غیر حیوان بھی متصف ہوتا ہے، گدھے کی بے وقوفی تو زبان زد عام و خاص ہے جماد کی جانب بھی سفہ کی نسبت کی جاتی ہے، بَقْلَةُ الْحَمَقَاءِ بے وقوف دانہ، خرفہ کو کہتے ہیں، خرفہ ایک دانہ ہے دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، اس کو بے وقوف کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ پانی پر بہتے ہوئے بھی اُگ آتا ہے جب کہ سیلاب میں بہنے کے وقت بے اطمینانی کی کیفیت ہوتی ہے، ایسی حالت میں اس کا برگ و بار نکالنا بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی مسافر حالت سفر میں اپنا مکان بنانا شروع کر دے، اور خرف (س، ک) خرفاً بڑھاپے کی وجہ سے عقل کا فاسد ہو جانا۔

قَوْلُهُ: قِبْلَةً بروزنِ جلسۃ بیانِ حالت کے لئے ہے، جیسے جَلَسْتُ جِلْسَةَ الْقَارِي، میں قاری کی طرح بیٹھا قِبْلَةً استقبال کی حالت کو کہتے ہیں عرفِ شرع میں نماز میں قبلہ کی جانب رخ کو کہتے ہیں، قِبْلَةً، جعلنا کا مفعول اول ہے اور التی کنت عَلَیْهَا تقدیر موصوف کے ساتھ مفعول ثانی ہے، تقدیر یہ ہے الْجِهَةُ الَّتِي كُنْتُ عَلَیْهَا۔

قَوْلُهُ: عَلَى عَقْبِهِ اس کا واحد عقب ایڑھی کو کہتے ہیں، مراد انقلاب علی عقبیہ سے حق سے باطل کی طرف پلٹ جانا، مرتد ہو جانا۔

قَوْلُهُ: لِأَنَّ سَبَبَ نُزُولِهَا السَّوَالُ الخ اس عبارت کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: ایمان کی تفسیر صلوٰۃ سے کیوں کی؟

جَوَاب: یہود کی جانب سے چونکہ سوال نماز ہی کے بارے میں تھا اس لئے ایمان کی تفسیر صلوٰۃ سے کی ہے۔

قَوْلًا: وَقَدْ اَبْلَغَ لِلْفَاصلَةِ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: عام طور پر ترقی من الادنی الی الاعلیٰ ہوتی ہے نہ کہ بالعکس، جیسے کہتے ہیں عالم تحریر، تحریر عالم نہیں کہتے، اسی قاعدے کے مطابق یہاں رحیم رؤف کہنا چاہئے تھا۔

جَوَاب: فواصل کی رعایت کے لئے پورے قرآن میں ایسا کیا گیا ہے، اگرچہ رحیم کے مقابلہ میں رؤف میں شدت رحمت ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

شانِ نزول:

جب آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں تھے تو یہ ممکن تھا کہ بیک وقت کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کی جانب رخ ہو جائے اس لئے کہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس مکہ سے ٹھیک جانب شمال میں واقع ہیں، مگر جب آپ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہ صورت ممکن نہ رہی اس لئے کہ بیت المقدس مدینہ سے ٹھیک جانب شمال میں واقع ہے، اور بیت اللہ جانب جنوب میں بدرجہ مجبوری یہود کی دلجوئی کے لئے بحکم خداوندی آپ ﷺ نے بیت المقدس کو قبلہ بنالیا جو یہود کا بھی قبلہ تھا، سولہ یا سترہ مہینہ آپ ﷺ نے بیت المقدس کی جانب رخ کر کے نماز پڑھی مگر آپ کی دلی خواہش اور تمنا تھی کہ قبلہ بیت اللہ ہی ہو جائے اس لئے کہ دعوت اسماعیلی کا وہی مرکز تھا اور آپ ﷺ جی کے انتظار میں بار بار نظر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تھے، آخر کار آپ ﷺ کی خواہش کے مطابق تحویل قبلہ کا حکم فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الخ کے ذریعہ نازل ہو گیا۔

جب تحویل قبلہ ہوا تو یہود اور مشرکین نے اعتراض کرنا شروع کر دیا کہ مسلمانوں کے قبلہ کا بھی کوئی ٹھکانہ نہیں، کبھی بیت المقدس ہوتا ہے تو کبھی بیت اللہ، تو اس کے جواب میں مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ دراصل یہ نادانوں کے اعتراض کا پہلا جواب ہے، یہ لوگ سمت و مقام کے پرستار بندے بنے ہوئے تھے، ان کا خیال تھا کہ خدا کسی خاص سمت میں مقید ہے اس لئے ان کے جاہلانہ اعتراض کے جواب میں فرمایا گیا، مشرق و مغرب اللہ کے ہیں، کسی سمت کو قبلہ بنانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ اسی طرف ہے، لہذا یہ کوئی نہ بحث کی بات ہے اور نہ جھگڑنے کی کہ پہلے تم اس طرف عبادت کرتے تھے اب اس طرف کیوں کرنے لگے؟

امت محمدیہ امت وسط ہے:

وسط سین کے فتح کے ساتھ ہے اور معتدل کے معنی میں ہے اور افضل اشیاء کو وسط کہا جاتا ہے، ابو سعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت میں وسط کی تفسیر عدل مروی ہے جو بہترین کے معنی میں ہے جس کے نتیجے میں امت محمدیہ کو میدانِ حشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ تمام انبیاء کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کی امتیں جب اپنے انبیاء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کی ہدایت و تبلیغ سے انکار کر دیں گی اس وقت امت محمدیہ انبیاء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کی جانب سے گواہی میں پیش ہوگی، اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے ہر زمانہ میں اللہ کا پیغام اپنی اپنی امتوں کو پہنچا دیا، مدعی علیہم امتیں امت محمدیہ پر یہ جرح کریں گی کہ امت محمدیہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کا تو ہمارے زمانہ میں وجود ہی نہیں تھا لہذا یہ ہمارے معاملہ میں گواہی کس طرح دے سکتی ہیں؟

امت محمدیہ اس جرح کا جواب دے گی کہ بے شک ہم اس وقت موجود نہیں تھے مگر ان کے واقعات و حالات کی خبریں ہمیں صادق المصدق محمد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جو ہمارے نزدیک ہمارے عینی مشاہدہ سے بھی زیادہ وقیع اور قابل اعتماد ہیں، دی تھیں۔

رسول اللہ ﷺ کا تزکیہ:

اس وقت رسول اللہ ﷺ پیش ہوں گے اور امت محمدیہ کا تزکیہ و توثیق کریں گے، بیشک انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ صحیح ہے۔

واقعہ تحویل قبلہ کی تاریخ و تفصیل:

تحویل قبلہ کا یہ حکم رجب یا شعبان ۲ھ میں نازل ہوا، ابن سعد کی روایت ہے کہ نبی ﷺ بشر بن براء بن معرور کے یہاں دعوت پر گئے ہوئے تھے، وہاں ظہر کی نماز کا وقت آگیا آپ ﷺ لوگوں کو نماز پڑھانے کھڑے ہوئے دو رکعتیں پڑھا چکے تھے، تیسری رکعت میں یکا یک وحی کے ذریعہ مذکورہ آیت نازل ہوئی اور اسی وقت آپ ﷺ کی اقتداء میں تمام لوگ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف پھر گئے، اس کے بعد مدینہ اور اطراف مدینہ میں عام منادی کرا دی گئی، براء بن عازب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ ایک جگہ منادی کی آواز اس حالت میں پہنچی کہ لوگ رکوع کی حالت میں تھے، حکم سنتے ہی سب کے سب اسی حالت میں کعبہ کی طرف پھر گئے، انس بن مالک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کہتے ہیں کہ بنی سلمہ میں یہ اطلاع دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت پہنچی، لوگ ایک رکعت پڑھ چکے تھے کہ ان کے کانوں میں آواز آئی، خبردار رہو! قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف کر دیا گیا ہے، سنتے ہی پوری جماعت نے اپنا رخ بدل دیا۔

اس بات کا خیال رہے کہ بیت المقدس مدینہ منورہ سے عین شمال میں ہے اور کعبہ بالکل جنوب میں، نماز باجماعت پڑھتے

ہوئے قبلہ تبدیل کرنے میں لامحالہ امام کو چل کر مقتدیوں کے پیچھے آنا پڑا ہوگا بلکہ مقتدیوں کو بھی کچھ نہ کچھ چل کر صفیں وغیرہ درست کرنی پڑی ہوں گی، تفصیل روایات میں موجود ہے۔

قَدْ لِلتَّحْقِيقِ نَرَى تَقَلُّبَ تَعَصُّفِ وَجْهِكَ فِي جِهَةِ السَّمَاءِ نَسْطَلِدُ إِلَى الْوَحْيِ وَنُتَشَوِّقُ لِلْأَنْزِلِ بِاسْتِقْبَالِ الْكَعْبَةِ وَكَانَ يُوَدُّ ذَلِكَ لِأَنَّهَا قِبْلَةُ إِبْرَاهِيمَ وَلِأَنَّهُ أَذْعَى إِلَى إِسْلَامِ الْعَرَبِ فَلَنُؤَلِّينَاكَ نُحُولَكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا تَجِبُهَا قَوْلَ وَجْهِكَ اسْتَقْبِلْ فِي الصَّلَاةِ شَطْرَ نَحْرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَيْ الْكَعْبَةِ وَحَيْثُ مَآكُنُكُمْ خِطَابَ الْإِلَاحَةِ قُولُوا وَجْهُكُمْ فِي الصَّلَاةِ شَطْرَهُ وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ أَيْ التَّوَلَّى إِلَى الْكَعْبَةِ الْحَقُّ الثَّابِتُ مِنْ رَبِّهِمْ إِمَّا فِي كُتُبِهِمْ مِنْ نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَنَّهُ يَتَحَوَّلُ إِلَيْهَا وَمَا لِلَّهِ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ^(۱۴) بِالتَّاءِ أَيْهَا الْمُؤْمِنُونَ مِنْ امْتِثَالِ أَمْرِهِ وَبِالْيَاءِ أَيْ الْيَهُودُ مِنْ انْكَارِ أَمْرِ الْقِبْلَةِ وَلَكِنْ لَا مَقَسَمَ آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ عَلَى صِدْقِكَ فِي أَمْرِ الْقِبْلَةِ مَا تَبِعُوا أَيْ لَا يَتَّبِعُونَ قِبْلَتَكَ عِنَادًا وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ قَطْعَ لُطْمَعِهِ فِي إِسْلَامِهِمْ وَطَمَعِهِمْ فِي عَوْدِهِ إِلَيْهَا وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ أَيْ الْيَهُودُ قِبْلَةَ النَّصَارَى وَبِالْعَكْسِ وَلَكِنْ اتَّبَعَتْ أَهْوَاءَهُمُ الَّتِي يَدْعُونَكَ إِلَيْهَا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ الْوَحْيِ إِنَّكَ إِذَا أَنْتَبَعْتَهُمْ فَضَلَّ لَمَنِ الظُّلُمِينَ^(۱۵) الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ أَيْ مُحَمَّدًا كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ بِنَعْيِهِ فِي كِتَابِهِمْ قَالَ ابْنُ سَلَامٍ لَقَدْ عَرَفْتُهُ حِينَ رَأَيْتُهُ كَمَا عَرَفْتُ ابْنِي وَمَعْرِفَتِي لِمُحَمَّدٍ أَشَدُّ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ نَعْتُهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ^(۱۶) بِذَا الَّذِي أَنْتَ عَلَيْهِ الْحَقُّ كَائِنًا مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ^(۱۷) الشَّاكِينَ فِيهِ أَيْ مِنْ بَذَا النُّوعِ فَهُوَ أَبْلَغُ مِنْ لَا تَمْتَرُ.

ترجمہ: قَدْ تَحْقِيقِ کے لئے ہے، ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی طرف وحی کی طلب اور استقبال کعبہ کے شوق میں بار بار اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، اور آپ (کعبہ) کو اس لئے پسند فرماتے تھے کہ (کعبہ) ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا، اور اس لئے بھی کہ کعبہ کو قبلہ قرار دینا عربوں کو اسلام کی طرف بلانے میں زیادہ مؤثر (اپیل کرنے والا) تھا، سو ہم آپ کو اسی قبلہ کی جانب پھیر دیتے ہیں جس کو آپ پسند کرتے ہیں آپ اپنا رخ نماز میں مسجد حرام یعنی کعبہ کی جانب پھیر لیں اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو یہ امت کو خطاب ہے، اپنے چہرے کا (رخ) نماز میں اسی طرف کیا کریں اہل کتاب کو قطعی علم ہے کہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ان کے رب کی جانب سے قطعی حق ہے اس لئے کہ ان کی کتابوں میں محمد ﷺ کی صفات کے بارے میں یہ موجود ہے کہ وہ (نماز میں) رخ کعبہ کی طرف کریں گے، اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں یاء اور تاء کے ساتھ، اے مومنو! امتثال امر وغیرہ جو تم کرتے ہو اور یہود قبلہ کے

حکم کا جواز کار کرتے ہیں (اللہ اس سے غافل نہیں ہے) اور اگرچہ آپ ﷺ میں لام قسمیہ ہے، قبلہ کے معاملہ میں اپنی صداقت پر تمام دلیلیں پیش کر دیں تب بھی وہ دشمنی کی وجہ سے آپ کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں اور نہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں، یہ ان کے اسلام کے بارے میں آپ ﷺ کی امید کو منقطع کرنا ہے اور آپ ﷺ کے بارے میں ان کے قبلہ کی طرف لوٹنے کی امید کو منقطع کرنا ہے، اور نہ یہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کی اتباع کرنے والے ہیں، یعنی نہ یہود و نصاریٰ کے قبلہ کی اور برعکس اور اگر آپ ﷺ، آپ کے پاس علم آ جانے کے باوجود ان کی ان خواہشوں کے پیچھے لگ جائیں جن کی طرف وہ دعوت دے رہے ہیں (یعنی) بالفرض اگر آپ ان کی اتباع کریں تب تو آپ یقیناً ظالموں میں سے ہوں گے، جنہیں ہم نے کتاب دی ہے، وہ تو محمد ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کوئی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے ان کی کتابوں میں آپ کی صفات کے موجود ہونے کی وجہ سے، عبد اللہ بن سلام نے کہا: جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو میں آپ کو اس طرح پہچان گیا، جیسے اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں، بلکہ محمد ﷺ کی شناخت اس سے بھی زیادہ ہے۔ (رواہ البخاری) بلاشبہ ان میں ایک جماعت آپ کی صفات کو چھپاتی ہے باوجودیکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ (طریقہ) جس پر آپ ﷺ ہیں حق ہے جو آپ کے رب کی جانب سے ہے، سنو! آپ شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا یعنی شک کرنے والوں کی قسم سے نہ ہو جانا، فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (طرز خطاب) میں لَا تَمْتَرُ سے زیادہ بلند ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْهِيلٍ وَتَفْسِيرِي فَوَائِدٍ

قَوْلُهُ: قَدْ تَحْقِيقُ كَلِمَةٍ: کما صرح المفسر العلام، اور بعض کے نزدیک تکثیر کے لئے ہے اور یہ کثرت آپ ﷺ کی نسبت سے ہے، یعنی ہم آپ کی نظر کو بکثرت آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھتے ہیں، یہاں قَدْ تَقْلِيلٌ کا اس لئے نہیں ہو سکتا کہ تقلب اس کی نفی کرتا ہے اس لئے کہ تقلب کثرت کا تقاضہ کرتا ہے۔

قَوْلُهُ: نُؤَلِّيكَ مضارع جمع متکلم بانون تاکید ثقیلہ، مصدر تَوَلَّيْتُهٖ کاف ضمیر مفعول ہے ہم آپ کو ضرور پھیر دیں گے، مراد اس سے تحویل قبلہ ہے جو غزوہ بدر سے دو ماہ قبل ماور جب میں بروایت براء بن عازب رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ زوال آفتاب کے بعد عصر کی نماز میں ہوئی، مجاہد کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت آپ ﷺ صحابہ کو بنی سلمہ کی مسجد میں ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔

قَوْلُهُ: اَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ الخ یہ تعلمون کی صورت میں ہے۔

قَوْلُهُ: قَطَعَ لَطْمِعِهِ فِي اِسْلَامِهِمْ وَطَمَعِهِمْ فِي عَوْدِهَا اِلَيْهَا ان میں لف و نشر مرتب ہے۔

قَوْلُهُ: الْيَهُودُ قِبْلَةَ النَّصَارَى وَبِالْعَكْسِ یہود کا قبلہ صحراۃ البیت المقدس تھا اور نصاریٰ کا صحرا کی مشرق کی جانب۔

قَوْلُهُ: فَرَضًا فَرَضًا کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

متعدد صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ کی روایت سے منقول ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے عصر کی نماز جانب بیت اللہ پڑھی اور بعض روایات میں اس جگہ عصر کے بجائے ظہر کی نماز مذکور ہے (ابن کثیر) بعض صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ آپ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ کر باہر گئے اور دیکھا کہ قبیلہ بنی سلمہ کے لوگ اپنی مسجد میں حسب سابق بیت المقدس کی جانب نماز پڑھ رہے ہیں تو انہوں نے آواز دے کر کہا کہ اب قبلہ بیت اللہ کی طرف ہو گیا ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھ کر آئے ہیں ان لوگوں نے درمیان نماز ہی میں اپنا رخ بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا، نویلہ بنت مسلم کی روایت میں ہے کہ جو عورتیں پچھلی صفوں میں تھیں وہ اگلی صفوں میں اور مرد جو اگلی صفوں میں تھے وہ پچھلی صفوں میں ہو گئے اس کے بعد صفوں کی ترتیب درست ہوئی۔

بنو سلمہ کے لوگوں نے تحویل قبلہ پر عصر ہی کی نماز میں عمل کیا، مگر قباء میں یہ خیراگلے روز صبح کی نماز میں پہنچی جیسا کہ بخاری و مسلم میں بروایت ابن عمر رَضِیَ اللہُ عَنْہُمْ مذکور ہے، اہل قباء نے بھی اپنا رخ نماز ہی میں بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف پھیر لیا۔ (ابن کثیر، وجصاص)

لاؤڈ اسپیکر پر نماز کا مسئلہ:

مانک (لاؤڈ اسپیکر) پر نماز جائز ہے یہ بات ظاہر ہے کہ اتباع لائوڈ اسپیکر کا نہیں ہوتا، بلکہ اتباع تو رسول اللہ ﷺ کے اس حکم کا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب امام رکوع کرے رکوع کرو اور جب سجدہ کرے سجدہ کرو، لائوڈ اسپیکر تو محض امام کی آواز کو بلند کرنے کا واسطہ ہے نہ کہ مقتدی، اس لئے کہ مانک کی آواز بعینہ امام کی آواز ہوتی ہے نہ کہ حکایت و نقل لہذا مانک پر نماز کے جواز میں کوئی اشکال نہیں۔ (معارف ملخصاً)

قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ اس آیت سے متعلق ضروری مضمون سابق تشریح کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

مسئلہ استقبال قبلہ:

اگرچہ تمام جہتیں اللہ ہی کی ہیں وہ کسی خاص جہت میں محدود نہیں ہے، لیکن مصالح امت کے لئے بتقاضائے حکمت کسی ایک جہت کا تمام دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے لئے قبلہ بنا کر سب میں ایک دینی وحدت کا عملی مظاہرہ مقصود تھا، وہ جہت بیت المقدس بھی ہو سکتی تھی، مگر رسول اللہ ﷺ کی تمنا و خواہش کے مطابق بیت اللہ کو قبلہ بنا دیا گیا، اسی کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے قرآن مجید میں جہت قبلہ کے لئے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ یہ ہیں: فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اللہ تعالیٰ نے فَوَلِّ وَجْهَكَ اِلَى الْكُعْبَةِ کی مختصر تعبیر کو چھوڑ کر شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی طویل تعبیر اختیار فرمائی، اس تعبیر سے استقبال قبلہ کے کئی مسائل واضح ہو گئے۔

① اول یہ کہ اگرچہ اصل قبلہ بیت اللہ ہے جس کو کعبۃ اللہ کہا جاتا ہے جو کہ ایک چھوٹی سی مربع عمارت ہے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ عین بیت اللہ کا استقبال اس جگہ تک تو ممکن ہے جہاں تک بیت اللہ نظر آتا ہے، لیکن وہ لوگ جو بیت اللہ سے دور ہیں جن کو بیت اللہ نظر نہیں آتا ان پر یہ پابندی عائد کرنا کہ عین بیت اللہ کی طرف رخ ضروری ہے تو اس میں بہت دشواری ہوگی، خاص آلات اور حساب کے بغیر یہ ممکن نہیں ہے جو نہ ہر شخص کو دستیاب اور نہ ان کے استعمال پر قادر شریعت محمدیہ ﷺ کا مدار چونکہ سہولت پر ہے اس لئے بجائے بیت اللہ یا کعبہ کے مسجد حرام کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ بیت اللہ کے مقابلہ میں کافی وسیع ہے اس کی طرف رخ کرنا دور دراز کے لوگوں کے لئے آسان ہے۔

② دوسری سہولت لفظ شطر اختیار کر کے دیدی گئی ورنہ اس سے مختصر لفظ الی المسجد الحرام تھا، شطر کے دو معنی ہیں ایک نصف اور دوسرے سمت باتفاق مفسرین یہاں سمت کے معنی مراد ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ بلادِ بعیدہ میں یہ ضروری نہیں کہ خاص مسجد حرام ہی کی طرف ہر ایک کا رخ ضروری ہے بلکہ سمت مسجد حرام کافی ہے۔ (بحر محیط، معارف)

مثلاً مشرقی ممالک ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش وغیرہ کے لئے جانب مغرب مسجد حرام کی سمت ہے اور چونکہ موسم سرما و گرما میں سمت مغرب میں اختلاف ہوتا رہتا ہے اس لئے فقہاء رحمہم اللہ نے اس سمت کو سمت مغرب و قبلہ قرار دیا ہے جو دونوں موسموں کے درمیان ہے۔

قواعد ریاضی کے اعتبار سے سمت قبلہ:

قواعد ریاضی کے حساب سے صورت مسئلہ یہ ہوگی کہ مغرب صیف اور مغرب شتا کے درمیان ۲۸ ڈگری تک سمت قبلہ قرار دی جائے گی، یعنی ۲۴ ڈگری تک بھی اگر انحراف ہو جائے تب بھی سمت قبلہ فوت نہیں ہوگی۔ (شرح جہنمی، معارف)

رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ قِبْلَةٌ (ترمذی) آپ کا یہ ارشاد مدینہ طیبہ والوں کے لئے تھا اس لئے کہ ان کا قبلہ مشرق و مغرب کے درمیان جانب جنوب واقع تھا، اس حدیث سے گویا کہ لفظ شطر کی تشریح ہو گئی۔

وَلِكُلِّ بَيْنِ الْأَنَامِ وَجْهَةٌ قِبْلَةٌ هُوَ مَوْلَاهَا وَجْهَهُ فِي صَلَاتِهِ وَفِي قِرَاءَةِ مُؤَلَّابَا فَاسْتَبَقُوا الْخَيْرَاتِ بِادِرْزَا أَلِي الطَّاعَاتِ وَقَبُولِهَا أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَا أَيُّهَا اللَّهُ جَمِيعًا يَجْمَعُكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيُجَازِيَكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ① وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ لَسْفَرٍ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ②

بِالنَّاءِ وَالْيَاءِ تَقْدَمُ بِثَلَاثَةِ وَكُرَّرَهُ لِبَيَانِ تَسَاوِي حُكْمِ السَّفَرِ وَغَيْرِهِ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

لِلْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ كَرَّرَهُ لِمَّا كِيدَ لِيَلَا يَكُونَ لِلنَّاسِ الْيَهُودِ اَوْ الْمُسْرِكِينَ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۚ اِی مُجَادَلَةٌ فِی التَّوَلَّی اِلٰی غَیْرِهَا اِی لِيَتَنَفَّی مُجَادَلَتُهُمْ لَكُمْ مِنْ قَوْلِ الْيَهُودِ يَجْعَلُ دِينَنَا وَيَتَّبِعْ قِبَلَتَنَا وَقَوْلِ الْمُسْرِكِينَ يَدَّعِی بِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ وَيُخَالِفْ قِبَلَتَهُ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۚ بِالْعِنَادِ فَاِنَّهُمْ يَقُولُوْنَ مَا تَحَوَّلَ اِلَيْهَا اِلَّا مَنِيْلًا اِلٰی دِيْنِ اٰبَائِهِ وَالْاِسْتِثْنَاءُ مُتَّصِلٌ وَالْمَعْنٰی لَا يَكُوْنُ لِاَحَدٍ عَلَيْكُمْ كَلَامٌ اِلَّا كَلَامٌ بِؤْلًا ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ ۚ تَخَافُوا جِدَالَهُمْ فِی التَّوَلَّی اِلَيْهَا وَاحْشَوْنِيْ ۚ بِاِسْتِثْنَالِ اَسْرِی ۚ وَلَا اِثْمَ عَطَفَ عَلٰی لِيْلًا يَكُوْنُ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ بِالْهِدَايَةِ اِلٰی مَعَالِمِ دِيْنِكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝۵۱ اِلٰی الْحَقِّ كَمَا اَرْسَلْنَا مُتَعَلِّقٌ بِاَيْتِهِ اِی اِثْمًا مَا كَانَتْ مَابِهَا بِاَرْسَالِنَا فَيَكُمُ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ۚ حَمْدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيَاتِنَا الْقُرْآنَ وَيُزَكِّيْكُمْ يُطَهِّرُكُمْ مِنَ الشِّرْكِ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ الْقُرْآنَ وَالْحِكْمَةَ مَا فِيْهِ مِنَ الْاَحْكَامِ وَيُعَلِّمُكُمْ مَا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۝۵۲ فَادْكُرُوْنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالتَّسْبِيْحِ وَنَحْوِ اَذْكُرْكُمْ قِيلَ مَغْنَاهُ اُجَازِيْكُمْ وَفِي الْحَدِيْثِ عَنْ اللّٰهِ مَنْ ذَكَرَنِيْ فِی نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِی نَفْسِيْ وَمَنْ ذَكَرَنِيْ فِی مَالٍ ذَكَرْتُهُ فِی مَالٍ خَيْرٌ مِنْ بَلِيَّةٍ وَاشْكُرُوْا لِيْ نِعْمَتِيْ بِالطَّاعَةِ وَلَا تَكْفُرُوْنَ ۝۵۳ بِالْمَعْصِيَةِ ۝۵۴

ترجمہ: ہر امت کا ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ اپنی عبادت میں رخ کرتی ہے اور ایک قراءت میں مَوَلَّاهَا ہے (جس کی طرف پھیرا گیا ہے) نیکیوں کی طرف سبقت کرو یعنی طاعتوں اور اس کے قبول کی جانب جلدی کرو، تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم کو جمع کر لائے گا (یعنی) روزِ قیامت تم کو جمع کرے گا، اور تمہارے اعمال کی جزا دے گا، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے (اے محمد ﷺ!) آپ جہاں سے بھی سفر شروع کریں (نماز میں) رخ مسجد حرام کی جانب کریں، یہی آپ کے رب کا فیصلہ ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے تاء اور یاء کے ساتھ، اسی جیسی آیت گذر چکی ہے، سفر و حضر میں حکم کی یکسانیت کو بیان کرنے کے لئے (آیت) مکرر ذکر کی ہے، اور (اے مسلمانو!) تم بھی) جس جگہ سے سفر شروع کرو اپنا رخ مسجد حرام کی جانب کرو تاکید کے لئے مکرر ذکر کیا ہے، تاکہ لوگوں (یعنی) یہود یا مشرکین کو، تمہارے ساتھ کوئی نزاع نہ رہے (ان کے) قبلہ کی مخالف جانب رخ کرنے کی وجہ سے، یعنی تاکہ تمہارے ساتھ ان کی حجت بازی ختم ہو جائے، اس بات میں کہ یہود کہتے ہیں کہ (محمد) ہمارے دین کا (تو) انکار کرتے ہیں مگر ہمارے قبلہ (بیت المقدس) کی اتباع کرتے ہیں، اور مشرکوں کا کہنا یہ ہے، کہ محمد ملتِ ابراہیمی کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کے قبلہ کی مخالفت کرتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے کہ جنہوں نے ان میں سے بوجہ عناد کے ظلم کیا، ان کا کہنا ہے کہ کعبہ کی جانب رخ محض اپنے آباء کے دین کی طرف میلان کی وجہ سے کیا ہے اور (لنَّاسِ) استثناء متصل ہے، اور معنی یہ ہیں کہ تم پر کسی کا کوئی اعتراض نہ رہے گا، مگر (ظالم) لوگوں کا لہذا تم کعبہ کی جانب رخ کرنے میں ان کے

جھگڑنے سے نہ ڈرو، میرا حکم بجالا کر مجھ سے ڈرتے رہو اور تاکہ میں تم کو تمہارے دین کے احکام کی طرف رہنمائی کر کے تمہارے اوپر اپنی نعمت کی تکمیل کر دوں، اور اس لئے تاکہ تم حق کی طرف ہدایت پاؤ جس طرح ہم نے تمہارے لئے تم ہی میں سے ایک رسول (محمد ﷺ) بھیجا (کَمَا اَرْسَلْنَا اٰیْمًا سے متعلق ہے، یعنی اس طرح نعمت کی تکمیل کر کے جس طرح ہم نے تم ہی میں سے رسول بھیج کر نعمت کی تکمیل کی، جو تم کو ہماری قرآنی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تم کو شرک سے پاک کرتا ہے، اور تم کو کتاب یعنی قرآن اور حکمت سکھاتا ہے جس کے اندر احکام ہیں اور تمہیں وہ چیزیں سکھاتا ہے، جس سے تم ناواقف تھے، لہذا تم نماز و تسبیح کے ذریعہ میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد کروں گا، کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں میں تم کو جزاء دوں گا، اور حدیث قدسی میں ہے کہ جو شخص مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اس کو اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے جمع میں یاد کرتا ہے تو میں اس کے جمع سے بہتر جمع میں اس کو یاد کرتا ہوں اور میری نعمتوں کا طاعت کے ذریعہ شکر ادا کرو اور معصیۃ کے ذریعہ ناشکری نہ کرو۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ لِتَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: وَلِكُلِّ وَجْهَةٌ مفسر علام نے مِنَ الْأُمَمِ محذوف مان کر حذف مضاف الیہ کی طرف اشارہ کیا ہے حذف مضاف کی طرح حذف مضاف الیہ کی مثالیں بھی عام ہے، لِكُلِّ اِی لِكُلِّ اُمَّةٍ یعنی ہر دین و دھرم والوں کے لئے خواہ دین حق ہو یا باطل ایک مرکزی رخ ہوتا ہے جس کو ان کا قبلہ کہا جاسکتا ہے۔

قَوْلُهُ: هُوَ مُوَلِّیْهَا، ہو سے فراق مراد ہے، جو اُمَمٌ سے مفہوم ہے، کُلُّ کی مناسبت سے ہو لایا گئے ہے، اگر مفسر علام امم کے بجائے فراق سے تعبیر کرتے تو زیادہ واضح ہوتا۔ (صادی)

قَوْلُهُ: مُوَلِّیْهَا. مُوَلِّی اسم فاعل ہے، ہا مفعول اول ہے وَجْهَةٌ مفعول ثانی ہے، جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے، وفی قراءۃٍ مُوَلِّیْهَا بصیغہ اسم مفعول اس کا نائب فاعل مفعول اول ہے۔

قَوْلُهُ: قِبْلَةٌ مفسر علام نے وَجْهَةٌ کی تفسیر قِبْلَةٌ سے کر کے دو اعتراضوں کا جواب دیا ہے:

① وَجْهَةٌ مصدر ہے بمعنی توجہ، اس صورت میں معنی درست نہیں ہیں اس لئے کہ مقصود یہ نہیں ہے کہ ہر امت کے لئے توجہ ہے بلکہ مراد متوجہ الیہ ہے، یعنی جس کی جانب توجہ کی جائے، قِبْلَةٌ کا اضافہ کر کے جواب دیدیا، کہ معنی مصدری مراد نہیں ہیں، مراد ظرف مکان ہے جس کو قبلہ کہا جاتا ہے۔

② قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جِہۃٌ ہو اس لئے کہ تاء واو کے عوض میں ہے جیسا کہ عِدَّةٌ میں کہ اصل وَاوٌ تھا، واو حذف کر کر کے آخر میں تاء کا اضافہ کر دیا جِہۃٌ ہو گیا، وَجْهَةٌ میں عوض اور معوض دونوں کا جمع ہونا لازم آتا ہے۔

جَوَابُ: وَجْهَةٌ اگرچہ اصل میں مصدر ہے لیکن متوجہ الیہ کا نام ہو گیا ہے اور وہ قبلہ ہے اس میں واؤ کو باقی رکھنا شاذ نہیں ہے۔
(ترویج الادواح)

قَوْلُ: الْيَهُودِ او المشرکین اس میں اشارہ ہے کہ للناس میں لام عہد کا ہے۔
قَوْلُ: اِی مُجَادَلَةٌ، حُجَّةٌ کی تفسیر مجادلۃ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں حجۃ سے دلیل و برہان مراد نہیں ہے اس لئے کہ ان کے پاس کوئی حجۃ و برہان نہیں تھی بلکہ منازعت اور مجادلۃ بالباطل مراد ہے۔
قَوْلُ: مَنْ قَوْلِ الْيَهُودِ الخ یہ مجادلۃ کا بیان ہے یعنی یہود یہ کہہ کر مجادلہ کرتے ہیں اور مشرکین یہ کہہ کر مجادلہ کرتے ہیں۔
قَوْلُ: اِلٰی غَیْرِہ، غَیْرِہ کی ضمیر تَوَلٰی کی طرف راجع ہے، مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! ہم نے تم کو سمت کعبہ کی طرف رخ کرنے کا اس لئے حکم دیا ہے کہ رخ کرنے میں نزاع ہی ختم ہو جائے۔
قَوْلُ: اِلٰسْتِثْنَاءٌ متصل اس لئے ہے کہ مستثنیٰ منہ بھی ظالمین ہی ہے۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

وَلِكُلِّ وَجْهَةٌ ہر قوم راست راہ دینے و قبلہ گا ہے۔
یعنی ہر قوم، ہر امت اپنی نماز و عبادت حتیٰ کہ پوجا پاٹ کے لئے بھی کوئی نہ کوئی مرکزی رخ رکھتی ہے۔
سوامت اسلامیہ کے لئے بھی ایک متعین قبلہ ناگزیر ہے، مطلب یہ ہے کہ ہر قوم و امت کے لئے مختلف قبلہ ہوتے چلے آئے ہیں خواہ مخواہ اللہ ہو یا خود ساختہ، بہر حال یہ امر واقعہ ہے کہ ہر قوم و ملت کا کوئی نہ کوئی قبلہ ہوتا ہے کوئی کسی کے قبلہ کو قبلہ تسلیم نہیں کرتا، اس لئے اپنے قبلہ کے حق ہونے پر ان لوگوں سے بحث و مباحثہ فضول ہے، لہذا اس فضول بحث کو چھوڑ کر اپنے اصل کام میں لگ جانا چاہئے، اور وہ اصل کام ہے نیک کاموں میں دوڑ دھوپ مسابقت میں لگ جانا، فضول بحثوں میں الجھنے سے وقت ضائع ہوتا ہے اور مسابقت الی الخیرات میں سستی اور آخرت سے غفلت ہوتی ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ الخ قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تین مرتبہ دہرایا گیا ہے، یا تو اس کی تاکید اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے، یا چونکہ یہ نسخ حکم کا پہلا تجربہ تھا اس لئے ذہنی خلجان دور کرنے کے لئے ضروری تھا کہ اسے بار بار دہرا کر دلوں میں راسخ کر دیا جائے، یا تعدد علت کی وجہ سے ایسا کیا گیا، ایک علت نبی ﷺ کی مرضی اور خواہش تھی ایک جگہ اسے بیان کیا گیا، دوسری علت براہل ملت اور صاحب دعوت کے لئے ایک مستقل مرکز کا وجود درکار ہے، تیسری علت مخالفین کے اعتراضات کا ازالہ ہے لہذا تیسری مرتبہ دہرایا گیا۔
(فتح القدیر شوکانی)

لَسَلَّا يَكُونُ لِنَّاسٍ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ یعنی اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہماری کتابوں میں تو ان کا قبلہ ”خانہ کعبہ“ لکھا ہوا

ہے اور بیت المقدس کی جانب نماز پڑھتے ہیں۔

إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا یہاں ظلموا سے معاذین مراد ہیں یعنی اہل کتاب میں سے جو معاذین ہیں وہ یہ جاننے کے باوجود کہ پیغمبر آخر الزمان ﷺ کا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہوگا، وہ بطور حسد و عناد کہیں گے کہ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کو اپنا قبلہ بنا کر یہ پیغمبر بالآخر اپنے آبائی دین ہی کی طرف مائل ہو گیا، اور بعض کے نزدیک اس سے مشرکین مراد ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا عَلَى الْآخِرَةِ بِالصَّبْرِ عَلَيْهِ الطَّائِفَةُ وَالْبَلَاءُ وَالصَّلَاةُ خَصَّهَا بِالذِّكْرِ لِتَكْرُرَ بِهَا وَعَظَمَهَا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ^{۵۴} بِالْعَوْنِ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِمِ امُوتٌ بَلْ بِهِمْ أَحْيَاءٌ أروا خُصْمَهُمْ فِي حَوَاصِلِ طُيُورٍ خُضِرَ تَسْرُخُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ لِحَدِيثٍ بِذَلِكَ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ^{۵۵} تَعْلَمُونَ مَا بِهِمْ فِيهِ وَلَنْبَلُوكُمُ بَشْيٌ مِّنَ الْخَوْفِ الْعَدُوِّ وَالْجُوعِ الْقَحْطِ وَنَقْصِ مِّنَ الْأَمْوَالِ بِالْهَلَاكِ وَالْأَنْفُسِ بِالْقَتْلِ وَالْأَمْرَاضِ وَالْمَوْتِ وَالشَّمَرَاتِ بِالْجَوَائِحِ أَيْ لِنَخْتَبِرَنَّكُمْ فَنَنْظُرُ أَتَصْبِرُونَ أَمْ لَا وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ^{۵۶} عَلَى الْبَلَاءِ بِالْجَنَّةِ بِهِمُ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ^{۵۷} بَلَاءٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ مِلْكًا وَعَبِيدٌ أَيْ فَعَلْ بِنَا مَا يَشَاءُ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ^{۵۸} فِي الْآخِرَةِ فَيُجَازِينَا فِي الْحَدِيثِ مَنْ اسْتَرْجَعَ عِنْدَ الْمُحْسِنَةِ أَجْرَهُ اللَّهُ فِيهَا وَأَخْلَفَ عَلَيْهِ خَيْرًا وَفِيهِ أَنْ يَصْبِيحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طِفْئًا فَاسْتَرْجَعَ فَقَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا إِنَّمَا بَدَأَ بِصَبَاحٍ فَقَالَ كُلُّ مَا سَاءَ الْمُؤْمِنُ فَهُوَ مُصِيبَةٌ رَوَاهُ ابوداؤد فِي مَرَاثِيلِهِ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ^{۵۹} نِعْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ^{۶۰} إِلَى الثَّوَابِ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ جَبَلَانِ بِمَكَّةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ^{۶۱} أَعْلَامُ دِينِهِ جَمْعُ شَعِيرَةٍ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ أَيْ تَلَبَّسَ بِالْحَجِّ أَوْ الْعُمْرَةِ وَأَصْلُهُمَا الْقَصْدُ وَالزِّيَارَةُ فَلَا جُنَاحَ^{۶۲} إِيَّاهُ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ فِيهِ إِذْ غَامُ النَّاءِ فِي الْأَضَلِّ فِي الطَّاءِ بِهِمَا^{۶۳} بَأَنْ يَسْعَى بَيْنَهُمَا سَبْعًا نَزَلَتْ لَمَّا كَرِهَ الْمُسْلِمُونَ ذَلِكَ لِأَنَّ أَبَلَ الْجَابِلِيَّةِ كَانُوا يَطُوفُونَ بِهِمَا وَعَلَيْهِمَا صَنَمَانِ يَمْسَحُونَهُمَا وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا أَنَّ السَّعْيَ غَيْرُ فَرَضٍ لِمَا أَفَادَهُ رَفْعُ الْإِثْمِ مِنَ التَّخْيِيرِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ وَغَيْرُهُ رُكْنٌ وَبَيَّنَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجُوبَهُ بِقَوْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ عَلَيْكُمْ السَّعْيَ رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهُ وَقَالَ ابْنُ دُرَيْمٍ وَابْنُ دُرَيْمٍ اللَّهُ بِهِ يَعْنِي الْحَنَفَا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَمَنْ تَطَوَّعَ^{۶۴} وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّحْتَانِيَّةِ وَتَشْدِيدِ الطَّاءِ مَجْزُومًا وَفِيهِ إِذْ غَامُ النَّاءِ فِيهَا خَيْرًا^{۶۵} أَيْ بِخَيْرٍ أَيْ فَعَلَ مَا لَمْ يَجِبْ عَلَيْهِ مِنْ طَوَائِفِ وَغَيْرِهِ فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ لِعَمَلِهِ بِالْإِثَابَةِ عَلَيْهِ عَلَيْهِ^{۶۶} بِهِ.

تَرْجِمہ: اے ایمان والو! طاعت اور مصیبت پر صبر اور نماز سے آخرت کے لئے مدد چاہو نماز کو اس کے بار بار آنے اور اس کی عظمت شان کی وجہ سے خاص طور پر مکرر ذکر کیا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کا مدد کے ذریعہ ساتھ دیتا ہے

اور راہِ خدا کے شہیدوں کو مردہ مت کہو، وہ زندہ ہیں ان کی رو حیں سبز پرندوں کے پوٹوں میں جنت میں جہاں چاہیں گھومتی ہیں، اس مضمون کی حدیث کی وجہ سے، لیکن جس کیفیت میں وہ ہیں تم نہیں سمجھ سکتے اور ہم تم کو دشمن کے خوف اور قحط کی فاقہ کشی اور مال کے ضیاع کے ذریعہ نقصان نیز جانوں میں قتل اور امراض اور موت کے ذریعہ ضرور آزمائیں گے، اور بچاؤں میں روگ سے نقصان کے ذریعہ تمہاری ضرور آزمائش کریں گے، تاکہ ہم دیکھ لیں آیا تم صبر کرتے ہو یا نہیں اور مصیبت پر صبر کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری دیدیو یہ وہ لوگ ہیں کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ملکیت اور عبدیت کے اعتبار سے اللہ کے ہیں اس کو اختیار ہے وہ ہمارے ساتھ جو چاہے کرے اور ہم آخرت میں اسی کی طرف چلنے والے ہیں تو وہ ہم کو جزاء دے گا، حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کا چراغ گل ہو گیا تو آپ ﷺ نے اِنَّا لِلّٰہ پڑھی، حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا (یا رسول اللہ) یہ چراغ ہی تو ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ہر وہ چیز جو مومن کو تکلیف پہنچائے وہ مصیبت ہے، اس کو ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں ذکر کیا ہے۔

یہی ہیں وہ لوگ جن پر ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور نوازشیں ہوں گی اور ایسے ہی لوگ راستی کی طرف ہدایت یافتہ ہیں، یقیناً صفا اور مروہ مکہ کے دو پہاڑ اللہ کی نشانیاں ہیں یعنی اس کے دین کی نشانیاں ہیں، شَعَائِرُ، شَعِیْرَةُ کی جمع ہے، سو جس نے بیت اللہ کا حج کیا یا عمرہ کیا یعنی حج و عمرہ کا احرام باندھا، اور حج کے اصلی معنی قصد زیارت کے ہیں، تو اس کے لئے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے، یَطْوُفُ میں اصل میں تاء کا طاء میں ادغام ہے، اس طریقہ پر کہ صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرے، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں نے (سعی بیان الصفا والمروة) ناپسند سمجھا، اس لئے کہ اہل جاہلیت ان کا طواف کیا کرتے تھے اور ان پر دوت تھے، اور ان کو مس کرتے تھے، اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ سعی فرض نہیں ہے، اس لئے کہ رفع اثم سے تخییر مستفاد ہوتی ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی وغیرہ نے فرمایا کہ (سعی) رکن ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول اِنَّ اللہَ کَتَبَ عَلَیْکُمُ السَّعٰی سے اس کا وجوب بیان فرمایا، (رواہ بیہقی وغیرہ) اور فرمایا جس سے اللہ نے ابتداء فرمائی تم بھی اسی سے ابتداء کرو، یعنی صفا سے (رواہ مسلم) اور جو شخص اختیاری طور پر (کوئی) کارِ خیر کرے، یعنی طواف وغیرہ یعنی کوئی ایسا کارِ خیر کرے جو اس پر واجب نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا اجر عطا فرما کر اس کے عمل کا قدر دان ہے، اس سے باخبر ہے، تَطَوُّعٌ میں ایک قراءت یا تہنائیہ کے اور طاء کی تشدید کے ساتھ مجزوم ہے، اور اس میں تاء کا طاء میں ادغام ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: بِالْعَوْنِ، بِالْعَوْنِ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ عَوْن سے نصرتِ خاصہ مراد ہے، اس لئے کہ عمومی معیت تو اللہ تعالیٰ کی برہنہ کے ساتھ ہے، لہذا اس میں صابریں کے لئے کوئی فضیلت نہیں ہے، مفسرِ علام نے بِالْعَوْنِ کہہ کر اسی شبہ کو دفع کیا

ہے، اس دفع کا حاصل یہ ہے کہ معیت دو قسم کی ہوتی ہے اور ان میں سے یہ معیت متقین و محسنین و صابرین کے ساتھ خاص ہے، اس میں صبر و صلوة کے ذریعہ امر بالا ستعانت کی علت بھی ہے، صلوة صبر سے اولیٰ ہے، لہذا مصلین کے ساتھ معیت خاصہ بطریق اولیٰ ہوگی۔

قَوْلُنَا: فِی الْحَوَاصِلِ، حَوَاصِلُ، حَوِصْلَةٌ کی جمع ہے، فارسی میں سنگدان مرغ کو کہتے ہیں، اور اردو میں اس کا ترجمہ ہے پوٹا۔

قَوْلُنَا: لِحَدِیْثِ بِذَلِكَ. (المسلم والمنکوة)

قَوْلُنَا: بِالْجَوَانِحِ یہ جائحہ کی جمع ہے، پھلوں کے روگ کو کہتے ہیں۔

قَوْلُنَا: هُمْ اَمْوَاتٌ، هُمْ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اَمْوَاتٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے، اس لئے کہ اَمْوَاتٌ مقولہ ہے اور مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے۔

قَوْلُنَا: بَلْ هُمْ اَحْيَاءُ مفسر علام نے هُمْ کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا ہے کہ اَحْيَاءُ کا عطف اَمْوَاتِ پر عطف مفرد علی المفسر نہیں ہے کہ لَا تَقُولُوا کے تحت میں ہو، اور معنی ہوں بل قولوا اَحْيَاءُ اور نہ ہمارا موت پر عطف ہے کہ عطف جملہ علی الجملہ ہو اس لئے کہ یہ قول کے تحت نہیں ہے بلکہ یہ جملہ تقولوا پر معطوف ہے، اس جملہ کے ذریعہ نہیں سے اخبار کی جانب اضطراب ہے، اس لئے کہ مقصد، ان کے لئے اثبات حیات ہے نہ یہ کہ ان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم ان کی شان میں اَنْتُمْ اَحْيَاءُ کہو۔

قَوْلُنَا: مَا هُمْ فِيهِ، تَشْعُرُونَ بمعنی تعلمون کا مفعول بہ ہے۔

قَوْلُنَا: مُصِيبَةٌ یہ اِصَابَةٌ (افعال) سے اسم فاعل مؤنث ہے، تکلیف پہنچانے والی، مُصِيبَةٌ دراصل صفت کا صیغہ ہے اور کثرت استعمال کی وجہ سے اس کا موصوف محذوف ہے، مثلاً رَمِيَتْ مُصِيبَةٌ نشانہ پر لگنے والی تیر اندازی، جیسا کہ کثرت استعمال کی وجہ سے مویز منقہ نچ نکالا ہوا مویز۔ منقہ کے معنی ہیں، نچ صاف کیا ہوا، مویز دواؤں میں چونکہ نچ نکال کر ہی استعمال ہوتا ہے گویا کہ نچ نکالنا لازم ہے، لہذا موصوف کو حذف کر کے صفت کو اس کے قائم مقام کر دیا، اور صرف منقہ کہا جانے لگا۔

قَوْلُنَا: نِعْمَةٌ، رَحْمَةٌ کی تفسیر، نعمة سے کر کے اشارہ کر دیا کہ رَحْمَةٌ کے لازم معنی مراد ہیں اور وہ ہیں نعمت، اس لئے کہ رَحْمَةٌ کے اصلی معنی رقت قلبی کے ہیں جو ذاتِ باری تعالیٰ کے لئے متصور نہیں ہیں۔

قَوْلُنَا: مَجْزُومًا یعنی یاء کی صورت میں يَطْوَعُ جزم عین کے ساتھ ہوگا، مَجْزُومًا کے اضافہ کا مقصد ایک وہم کو دور کرنا ہے، وہم یہ ہے کہ جس طرح تَطْوَعُ کی صورت میں عین کے فتح کے ساتھ ہے لہذا یاء کی صورت میں بھی عین کے فتح کے ساتھ ہوگا، حالانکہ یاء کی صورت میں مضارع ہوگا، اور مضارع بغیر ناصب کے منصوب نہیں ہو سکتا، بخلاف تاء کی صورت کے کہ ماضی کا صیغہ ہے، اور مجزوم ہونے کی وجہ جزاء ہونا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

رابط آیات:

امت کو منصب امامت پر فائز کرنے کے بعد، اب کچھ ضروری ہدایات دی جا رہی ہیں، سب سے پہلے جس بات پر متنبہ کیا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ منصب امامت کوئی پھولوں کی بیج نہیں ہے جس پر آپ حضرات اٹائے جا رہے ہیں، یہ تو ایک عظیم الشان اور پرخطر خدمت ہے جس کی ذمہ داری اٹھانے کے ساتھ تم پر ہر قسم کے مصائب کی بارش ہوگی، سخت آزمائشوں میں ڈالے جاؤ گے، طرح طرح کے نقصانات اٹھانے پڑیں گے اور جب صبر و ثبات اور عزم و استقلال کے ساتھ ان تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے راہِ خدا میں بڑھتے چلے جاؤ گے تب تم پر عنایات کی بارشیں ہوں گی۔

طاقت کا سرچشمہ:

اس بھاری خدمت کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے تو انائی کہاں سے حاصل ہوگی؟ اس کا سرچشمہ کہاں ہے؟ اسی قوت کی نشان دہی اور اسی سوال کا جواب يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ سے دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ تو انائی تم کو دو چیزوں سے حاصل ہوگی، ایک صبر اور دوسرے نماز، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں کلیدِ کامیابی ہیں، جس کے بغیر کوئی شخص کسی مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا، صبر ایک سلبی کیفیت کا نام ہے اور صلوٰۃ ایک ایجابی عمل ہے، ان دونوں کلیدی لفظوں سے اس طرف اشارہ ہو گیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے ایک معاصی سے حفظ و اجتناب اور دوسرے اوامر کا امتثال و اتباع۔

صبر کے معنی:

صبر کے لفظی معنی ہیں تنگی اور ناخوشگوار کی حالت میں اپنے آپ پر قابو رکھنا الصَّبْرُ الْاِمْسَاكُ فِي ضَيْقٍ (راغب) اصطلاح شرع میں اس کے معنی ہیں نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے اور قدم دائرہ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے، الصَّبْرُ حَبْسُ النَّفْسِ عَلَى مَا يَقْتَضِيهِ الْعَقْلُ وَالشَّرْعُ (راغب) صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں، ان کے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے، بھوک کے وقت مضحمل اور نڈھال ہونا، درد کی تکلیف سے کراہنا، اور رنج کے وقت آدہ سرد بھرنا، عزیز و قریب کی موت پر دل گیر اور رنجیدہ ہونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں، قرآنی فرمان کا مطلب صرف اتنا ہے کہ بجوم مشکلات کے وقت گھبرانہ جاؤ، ثابت قدم رہو، دل کو بس میں رکھو، خود دل کے بس میں نہ آ جاؤ۔

صبر کے تین شعبے:

صبر کے معنی تو نفس کو قابو میں رکھنے کے ہیں، مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں صبر کے تین شعبے ہیں، ① اول اپنے نفس کو حرام اور ناجائز چیزوں سے روکنا ② دوسرے طاعات اور عبادات کی پابندی پر نفس کو مجبور کرنا ③ تیسرے مصائب و آفات پر صبر کرنا، اس کے باوجود اگر تکلیف و پریشانی کے وقت کوئی کلمہ اظہار پریشانی کا منہ سے نکل جائے تو یہ صبر کے منافی نہیں۔ (ابن کثیر عن سعید بن جبیر)

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں صابرین انہیں لوگوں کا لقب ہے جو تینوں طرح کے صبر میں ثابت قدم ہوں بعض روایات حدیث میں ہے کہ محشر میں ندا کی جائے گی کہ صابرین کہاں ہیں؟ تو وہ لوگ جو تینوں طرح کے صبر پر قائم رہ کر زندگی سے گزرے ہیں وہ کھڑے ہو جائیں گے، اور ان کو بلا حساب جنت میں داخلہ کی اجازت دیدی جائے گی۔ اس نسخہ کامیابی کا دوسرا جز نماز ہے، اگرچہ صبر کی تفسیر سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ نماز اور دیگر عبادات صبر ہی کی جزئیات ہیں، مگر نماز کو جداگانہ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تمام عبادات میں نماز ایک ایسی عبادت ہے کہ جو صبر کا مکمل نمونہ ہے، کیونکہ نماز کی حالت میں نفس کو عبادت و طاعت پر مجبور کیا جاتا ہے اور تمام معاصی و مکروہات سے بلکہ تمام مباحات سے بھی نفس کو بحالت نماز روکا جاتا ہے، اس لئے نماز صبر کی ایک مکمل تمثیل ہے۔

نماز کی تاثیر یقینی ہے:

اس کے علاوہ نماز کو انسان کی تمام حاجات کے پورا کرنے میں ایک خاص تاثیر بھی ہے گو اس کی وجہ اور سبب معلوم نہ ہو، جیسے دواؤں میں بہت سی ادویہ مؤثر بالخاصہ ہوتی ہیں مگر اس کی وجہ معلوم نہیں ہوتی، جیسے درد گردہ کے لئے فرنگی دانہ ہاتھ یا منہ میں رکھنا بالخاصہ مفید ہے مگر اس کی وجہ کسی کو معلوم نہیں، یا مثلاً مرگی کے لئے عود صلیب گلے میں ڈالنا مفید ہے مگر سبب معلوم نہیں ہے مقناطیس اوہے کو اپنی طرف کھینچنے میں مؤثر بالخاصہ ہے مگر آج تک اس کی وجہ معلوم نہیں ہو سکی اور جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ صرف تخمین و ظن ہے، اسی طرح نماز تمام انسانی ضروریات کی کفالت اور تمام مصائب سے نجات دلانے میں مؤثر بالخاصہ ہے بشرطیکہ نماز کو نماز کی طرح آداب و خشوع کے ساتھ پڑھا جائے، ہماری نمازیں جو غیر مؤثر نظر آتی ہیں اس کا سبب ہمارا قصور ہے نہ کہ نماز کا، کہ نماز کے آداب اور خضوع میں کوتاہی ہوتی ہے ورنہ آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی مہم پیش آتی تو نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے، اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مہم کو پورا فرمادیتے تھے۔ (معارف)

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ، بِالْعَوْنِ معیت کی مختلف قسمیں ہیں عامہ، خاصہ، زمانی، مکانی، معنوی، یہاں معیت سے معیت بالنصرۃ مراد ہے، قَالُوا الْمَعِيَّةُ هُنَا مَعِيَّةُ الْمَعُونَةِ. (الناس)

اللہ تعالیٰ کی معیت عامہ تو کافر، مومن، فاسق، صالح، اپنے ہر بندے کے ساتھ ہے، وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ

شبہ کا دفع:

اور اگر کسی شخص نے کسی شہید کی لاش کو خاک خوردہ پایا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ ممکن ہے کہ اس کی نیت خالص نہ ہو جس پر شہادت کا مدار ہے، اور بالفرض اگر ایسا شہید خاک خوردہ پایا جائے جس کا قتل فی سبیل اللہ اور اس کا جامع شرائط شہادت ہونا دلیل تواثر وغیرہ سے ثابت ہو تو اس کی وجہ میں یہ کہا جائے گا کہ حدیث میں جو تصریح ہے وہ زمین کے اجسام شہداء کو خراب نہ کرنے کی ہے، مگر زمین میں اجزاء ارضیہ کے علاوہ دیگر عناصر بھی موجود ہیں، مثلاً پارہ، گندھک، تیزاب، ان کے علاوہ دیگر کالہ اجزاء موجود ہیں، ممکن ہے ان اجزاء نے جسم کو خراب کر دیا ہو، یہ صورت حدیث کے منافی نہیں ہے، یا زمانہ دراز تک صحیح و سالم محفوظ رہنا مراد ہے، یہ بھی عام جسموں کے اعتبار سے فضیلت اور کرامت کی بات ہے، لہذا یہ بات واضح ہو گئی کہ اجزاء ارضیہ کے علاوہ اگر دیگر اجزاء سے اجسام شہداء متاثر ہو جائیں تو ان سے ان احادیث پر اشکال نہیں ہوتا جس میں حرمت اجساد علی الارض وارد ہے۔ (معارف ملخصاً)

إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، حج کا ایک رکن ہے لیکن قرآن کے الفاظ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا سے بعض صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کو یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ ضروری نہیں ہے حضرت عائشہ صدیقہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا کے علم میں جب یہ بات آئی تو انہوں نے فرمایا: اگر اس کا یہ مطلب ہوتا تو پھر اللہ تعالیٰ یوں فرماتا: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَا يَطَّوَّفَ بِهِمَا اگر ان کا طواف نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں، پھر حضرت عائشہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا نے اس آیت کا شان نزول بیان فرمایا کہ انصار قبول اسلام سے پہلے مناة طاغیہ (بت) کے نام کا تلبیہ پکارتے تھے جس کی وہ مثل پہاڑی کے اوپر عبادت کرتے تھے، اور پھر مکہ پہنچ کر ایسے لوگ صفا و مروہ کے درمیان سعی کو گناہ سمجھتے تھے، مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے معلوم کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں کہا گیا ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی گناہ نہیں۔ (صحیح بخاری، کتاب الحج)

بعض حضرات نے اس کا پس منظر اس طرح بیان کیا ہے کہ جاہلیت میں مشرکوں نے صفا پہاڑی پر ایک بت جس کا نام اساف اور مروہ پر ایک دوسرا بت جس کا نام نائلہ تھا، رکھ لئے تھے، جنہیں وہ سعی کے دوران چھوتے اور بوسہ دیتے تھے جب یہ لوگ مسلمان ہوئے تو ان کے ذہن میں آیا کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی تو شاید گناہ ہو کیونکہ اسلام سے قبل دو بتوں کی وجہ سے سعی کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے اس وہم اور خلش کو دور فرمادیا، اب یہ سعی ضروری ہے جس کا آغاز صفا سے اور خاتمہ مروہ پر ہوتا ہے۔ (ایسر التفاسیر)

ایک فقہی مسئلہ:

سعی بین الصفا والروہ امام احمد بن حنبل رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک سنت، مستحب ہے اور امام مالک اور شافعی رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک فرض ہے اور امام ابوحنیفہ رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک واجب اس کے ترک سے ایک بکری ذبح کرنا لازم ہے۔

وَنَزَلَ فِي الْيَهُودِ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ النَّاسَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيْتِ وَالْهُدَى كَايَةِ الرَّجْمِ وَنَعْتِ مُحَمَّدٍ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ التَّوْرَةِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ يُبْعِدُهُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعِينُونَ ۝^{١٥٨} الْمَلَائِكَةُ وَالْمُؤْمِنُونَ أَوْ كُلُّ شَيْءٍ بِالذُّعَاءِ عَلَيْهِمُ بِاللَّعْنَةِ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا رَجَعُوا عَنْ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا عَمَلُهُمْ وَبَيَّنُّوا مَا كَتَمُوهُ فَأُولَئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ أَقْبَلُ تَوْبَتَهُمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝^{١٥٩} بِالْمُؤْمِنِينَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ حَالٌ أُولَئِكَ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۝^{١٦٠} أَيْ بِيَهُمْ مُسْتَحِقُّوا ذَلِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَالنَّاسُ قِيلَ عَامٌ وَقِيلَ الْمُؤْمِنُونَ خُلْدِيْنَ فِيهَا أَيْ اللَّعْنَةُ أَوْ النَّارُ الْمَدْلُولُ بِهَا عَلَيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ طَرَفَةَ عَيْنٍ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝^{١٦١} يُمَسْهَلُونَ لِتَوْبَةٍ وَمَعَذِرَةٌ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوا صَفِّ لَنَا رَبِّكَ وَالْهَكْمُ أَيْ الْمُسْتَحِقُّ لِلْعِبَادَةِ مِنْكُمْ إِلَهُ وَاحِدٌ لَا نُظِيرُ لَهُ فِي ذَاتِهِ وَلَا فِي صِفَاتِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبُّ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝^{١٦٢}

۱۵۸

ترجمہ: اور یہود کے بارے میں اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ (الآیہ) نازل ہوئی، بلاشبہ وہ لوگ جو ہماری نازل کی ہوئی

دلیلوں اور ہدایت مثلاً آیتِ رجم اور محمد ﷺ کی صفات کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم نے ان لوگوں کے لئے کتابِ تورات میں بیان کر دیا ہے یہی ہیں وہ لوگ جن پر اللہ لعنت کرتا ہے یعنی اپنی رحمت سے دور رکھتا ہے اور لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں (اور وہ) فرشتے اور مومنین ہیں یا ہرشی جو ان کے لئے لعنت کی بددعاء کرتی ہے، مگر وہ لوگ کہ جنہوں نے توبہ کر لی، یعنی اس حرکت سے باز آ گئے اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی اور جو انہوں نے چھپایا تھا اس کو ظاہر کر دیا، یہ وہ لوگ ہیں کہ میں جن کی توبہ کو قبول کرتا ہوں اور میں بڑا درگزر کرنے والا ہوں اور مومنوں پر رحم کرنے والا ہوں، بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور حالت کفر ہی میں مر گئے، یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی فرشتوں کی، اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، یعنی یہ لوگ دنیا و آخرت میں لعنت کے مستحق ہیں، النَّاسُ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عام لوگ مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ مومنین مراد ہیں، لعنت میں یا آگ میں جو کہ لعنت کا مدلول ہے ہمیشہ رہیں گے، (لہذا اضمار قبل الذکر لازم نہیں آئے گا) اور نہ ان کے عذاب میں پلک جھپکنے کی مقدار تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو توبہ اور معذرت کی مہلت ہی دی جائے گی، اور جب (مشرکین) نے کہا تم ہمارے لئے رب کا

وصف بیان کرو، تو یہ آیت نازل ہوئی وَاللّٰهُكُمْ اِلٰهُ وَّاحِدٌ تمہارا خدا جو کہ تمہاری عبادت کا مستحق ہے ایک ہی خدا ہے ذات و صفات میں اس کا کوئی ہمسر نہیں اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں وہی رحمن و رحیم ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْبِيْحِ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: وَنَزَلَ فِي الْيَهُودِ اس میں اشارہ ہے کہ اِنَّ الدِّينَ میں موصول عہد کے لئے ہے، (کما قال صاحب الکشاف) اور من البينت میں الف لام بھی عہد کا ہے اس لئے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور فی الکتاب اس کا قرینہ ہے اس لئے کہ کتاب سے تورات مراد ہے۔

قَوْلُهُ: النَّاسِ يَهْتَمُّونَ کا مفعول ثانی ہے اور البینت سے احکام مراد ہیں جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے یعنی رجم وغیرہ اور ہدی سے مراد آپ ﷺ کی صفات ہیں، جو آپ ﷺ کی اتباع کی جانب رہنمائی کرنے والی ہیں، لہذا ہدی بمعنی ہادی ہے، مبالغہ کے طور پر ہادی کو ہدی سے تعبیر کر دیا ہے۔

قَوْلُهُ: اللَّعْنُونَ وَاَوْ اَوْرُنُون کے ساتھ جمع لانے میں اشارہ ہے کہ لعنت کرنے والوں سے ذوی العقول مراد ہیں۔

قَوْلُهُ: اَوْ كُلُّ شَيْءٍ اس میں اشارہ ہے کہ اللَّعْنُونَ میں الف لام استغراق کے لئے ہے۔

قَوْلُهُ: اِی اللَّعْنَةُ اَو النَّار اس عبارت کا مقصد فیہا کے مرجع میں احتمال کو بیان کرنا ہے یعنی ہمیشہ رہیں گے لعنت میں یا آگ میں۔

قَوْلُهُ: الْمَدْلُولُ بِهَا عَلَیْهَا یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: فِیْہَا کا مرجع النار نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ماقبل میں اس کا ذکر نہیں ہے لہذا اضمار قبل الذکر لازم آئیگا؟

جَوَابٌ: النار اگرچہ صراحتہ مذکور نہیں ہے مگر ضمناً مذکور ہے اس لئے کہ النار، اللَّعْنَةُ کا مدلول ہے یعنی جو شخص دائمی لعنت کا مستحق ہوگا اس کے لئے نار لازم ہے۔

تَفْسِيْرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

اِنَّ الدِّينَ يَكْتُمُونَ (الایۃ) یہ آیت علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، علماء یہود نے کتاب اللہ یعنی تورات کی اشاعت کرنے کے بجائے اس کو دبیٹوں اور مذہبی پیشواؤں اور مذہبی پیشہوروں کے ایک محدود طبقہ میں مقید کر دیا، عام خلائق تو درکنار خود یہودی عوام تک کو اس کی ہوا نہ لگنے دیتے تھے اور عوام اور کمزور طبقے سے مال وصول کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے جو باتیں اپنی کتاب میں نازل فرمائی ہیں انہیں چھپانا اتنا برا ظلم اور جرم ہے کہ اللہ کے علاوہ دیگر مخلوق بھی اس پر لعنت کرتے ہیں۔

مَسْئَلَةً: آیات مذکورہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص مال کے لالچ سے حکم شرعی کو بدل دے، وہ جو مال کھاتا ہے گویا اپنے پیٹ میں انگارے بھر رہا ہے اس لئے کہ اس عمل کا انجام یہی ہے، اور بعض محقق علماء نے فرمایا کہ مال حرام درحقیقت جہنم کی آگ ہی ہے، اگرچہ اس کا آگ ہونا دنیا میں محسوس نہیں ہوتا مگر مرنے کے بعد اس کا یہ عمل آگ کی شکل میں سامنے آ جائے گا۔

(معارف)

وَصَلَبُوا آيَةً عَلَىٰ ذَٰلِكَ فَنَزَلَ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ مَآبِينَ الْعَجَائِبِ وَلِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ بِالدَّيْبَابِ وَالْمَجِيِّ وَالزِّيَادَةِ وَالنُّقْصَانِ وَالْفُلُوكِ الشُّفَنِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ وَلَا تَرْسِبُ مُؤَقَّرَةٌ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ مِنَ التِّجَارَاتِ وَالْحَمَلِ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ مَطَرٍ فَاحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بِالنَّبَاتِ بَعْدَ مَوْتِهَا يُبَيِّنُهَا وَبَثَّ فَرْقًا وَنَشْرِبُهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ لِأَنَّهُمْ يَنْمُونُ بِالْخَضْبِ الْكَائِبِ عَنْهُ وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ تَقْلِيلِهَا جُنُوبًا وَشِمَالًا حَارَّةً وَبَارِدَةً وَالسَّحَابِ الْغِيَمِ الْمُسَخَّرِ الْمُدَّلِ بِأَمْرِ اللَّهِ يَسِيرُ إِلَىٰ حَيْثُ شَاءَ اللَّهُ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ بِأَلَاةٍ دَالَّةٍ عَلَىٰ وَحْدَانِيَّتِهِ تَعَالَىٰ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٥٠﴾ يَتَدَبَّرُونَ وَمِنْ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِيمَانًا غَيْرَهُ أَنْدَلًا اضْمَانًا يَحْبُونَهُمْ بِالتَّعْظِيمِ وَالْخُضُوعِ كَحُبِّ اللَّهِ أَيْ كَحُبِّهِ لَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ مِنْ حُبِّهِمْ لِأَنَّهُمْ لَا يَعْذِلُونَ عَنْهُ بِحَالٍ مَا وَالْكَفَّارُ يَعْذِلُونَ فِي الشُّكِّ إِلَى اللَّهِ وَلَوْ يَرَى تَبْصُرًا مَجْمُودَ الَّذِينَ ظَلَمُوا بِاتِّخَاذِ الْأَنْدَادِ إِذْ يَرَوْنَ بِالْبَيِّنَاتِ الْمُنْفَعِلِ وَالْمُنْفَعُولِ يَبْضُرُونَ الْعَذَابَ أَرَأَيْتَ أَمْرًا عَظِيمًا إِذَا بَدَعْنِي إِذَا أَنَّى أَيْ لَأَنَّ الْقُوَّةَ الْقُدْرَةَ وَالْغَبَةَ لِلَّهِ جَمِيعًا حَالٌ وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿١٥١﴾ وَفِي قِرَاءَةِ يَرَى بِالتَّحْتَانِيَةِ وَالْفَاعِلِ فِيهِ قِيلَ ضَمِيرُ السَّابِعِ وَقِيلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا فَهِيَ بِمَعْنَى يَعْلَمُ وَإِنْ وَمَا بَعْدَهَا سَدَّتْ مَسَدَ الْمُنْفَعُولِينَ وَجَوَابُ لَوْ بِحَذُوفٍ وَالْمَعْنَى لَوْ عَلِمُوا فِي الدُّنْيَا شِدَّةَ عَذَابِ اللَّهِ وَإِنَّ الْقُدْرَةَ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَقَدْ مَعَانِيَتُهُمْ لَهُ وَبِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَنْدَادًا إِذْ بَدَلُ مِنْ أَذْقَلَهُ تَبَرَّ الَّذِينَ اتَّبَعُوا أَيْ الرُّؤُسَاءِ مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا أَيْ انْكَرُوا إِضْلَالَهُمْ وَقَدْ رَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ عِطْفٌ عَلَى تَبَرٍّ بِهِمْ عَنْهُمْ الْأَسْبَابُ ﴿١٥٢﴾ الْوُضَلُ الَّتِي كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا بَيْنَ الْأَرْحَامِ وَالْمَوَدَّةِ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً رَاجِعَةً إِلَى الدُّنْيَا فَذَلِكُمْ أَفْئِدَتُهُمْ أَيْ الْمَشْبُوعِينَ كَمَا تَبَرَّوْا وَمِنَّا الْيَوْمَ وَلَوْ لَتَمَنَّى وَفَتَبَرَّ أَجْوَابُهُ كَذَلِكَ كَمَا أَرَاهُمْ شِدَّةَ عَذَابِهِ وَتَبَرَّ بِبَعْضِهِمْ مِنْ بَعْضٍ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ السَّيِّئَةَ حَسَرَاتٍ حَالٌ نَدَامَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِمُخْرِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٥٣﴾ بَعْدَ دُخُولِهَا.

ترجمہ: اور مشرکین نے جب اس پر دلیل کا مطالبہ کیا تو یہ آیت ان فی خلق السماوات الخ اتری بلاشبہ

آسمانوں اور زمین کی ساخت میں اور ان کے عجائبات میں اور رات و دن کی آمد و رفت اور بڑھنے گھٹنے کے ذریعہ تغیر میں اور ان کشتیوں میں جو دریاؤں میں لوگوں کے لئے نفع بخش سامان تجارت اور بوجھ لے کر چلتی ہیں، اور بوجھل ہونے کے باوجود ڈوبتی نہیں ہیں اور اس پانی میں جسے آسمان سے بارش کی شکل میں اللہ نے برسایا ہے پھر اس پانی سے نباتات کے ذریعہ مردہ یعنی خشک زمین کو زندہ کیا اس میں ہر قسم کے جانوروں کو پھیلایا اس لئے کہ ان کا نشو و نما اس سبزے سے ہوتا ہے جو پانی سے پیدا ہوتا ہے اور ہواؤں کو جنوباً و شمالاً اور گرم و سرد بدلنے میں اور ان بادلوں میں جو اللہ کے حکم کے تابع ہیں (اور) زمین و آسمان کے درمیان بغیر کسی بندھن کے معلق ہیں (اور) جدھر اللہ چاہتا ہے اُدھر چلتے ہیں ان میں غفلت مندوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں اللہ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو غیر اللہ (یعنی) بتوں کو (اللہ کا) ہمسر ٹھہراتے ہیں، تعظیم اور عاجزی کے ذریعہ ان سے ایسی گرویدگی کا معاملہ کرتے ہیں جیسا کہ اللہ کے ساتھ اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں، ان کے شرکاء کی محبت کے مقابلہ میں، اس لئے کہ وہ کسی حال میں بھی اللہ سے نہیں پھرتے اور کفار مصیبت کے وقت (اپنے شریک کردہ شرکاء کو چھوڑ کر) اللہ کی طرف مائل ہو جاتے ہیں، اور اے محمد ﷺ اگر آپ ان لوگوں کو دیکھیں جنہوں نے شریک ٹھہرا کر ظلم کیا ہے جب کہ وہ عذاب کو دیکھیں گے (یَسْرُونَ) معروف و مجہول دونوں ہیں، تو آپ ایک امر عظیم (بولناک منظر) دیکھیں گے اور اِذْ بِمَعْنٰی اِذَا ہے، اس لئے کہ پوری قدرت اور غلبہ اللہ ہی کے لئے ہے۔ (جَمِیْعًا) کَاثِرَةً (مقہور) سے حال ہے، اور اللہ سخت عذاب والا ہے، اور ایک قراءت میں یَرٰی تَحْتَانِیَہ کے ساتھ ہے اور کہا گیا ہے کہ یَرٰی کا فاعل مخاطب کی ضمیر ہے اور کہا گیا ہے کہ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ہے اور یَرٰی بمعنی یعلم ہے، اور اِنَّ اور اس کا مابعد و مفعولوں کے قائم مقام ہے اور لَوْ کا جواب محذوف ہے، اور معنی یہ ہیں کہ اگر یہ لوگ دنیا میں جان لیں، قیامت کے دن ان کے عذاب کو دیکھنے کے وقت اللہ وحدہ کی قدرت اور شدت عذاب کو تو اس کا کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اِذْ، سابقہ اِذْ سے بدل ہے، جبکہ پیشوا یعنی سردار اپنے ماتحتوں سے اظہارِ لائق کر یں گے، یعنی ان کو گمراہ کرنے کے الزام سے انکار کر دیں گے حالانکہ عذاب کو (پیشم خود) دیکھ لیں گے، اور تمام رشتے ناتے منقطع ہو جائیں گے یعنی وہ تعلقات جو ان کے درمیان قرابت اور دوستی کے دنیا میں تھے (ختم ہو جائیں گے) تَقَطَّعَتْ کَا عَطْفٍ تَبَرَّأَ پر ہے، اور ماتحت لوگ کہیں گے کاش ہم کو دنیا میں واپسی کا موقع مل جائے تو ہم بھی ان متبوعین سے اسی طرح اظہارِ لائق کر یں گے جس طرح آج انہوں نے ہم سے اظہارِ لائق کیا ہے، اور لَوْ تَمَنٰی کے لئے ہے فَتَنْتَبَرَّأُ جواب تمنیٰ ہے، اسی طرح جیسا کہ دکھلائی ان کو اپنے عذاب کی شدت اور بعض کی بعض سے اظہارِ بیزاری دکھلائے گا اللہ ان کو ان کے برے اعمال حال یہ کہ ان کے اوپر ندامت طاری ہوگی اور وہ داخل ہونے کے بعد آگ سے نکلنے والے نہیں ہیں، حَسْرَاتٍ بمعنی ندامات، ہُمُ ضمیر سے حال ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَطَلَبُوا آيَةً عَلَىٰ ذَٰلِكَ مُشْرِكِينَ كِي جَانِب سے صفات باری کے مطالبہ کے جواب میں جب اللہ تعالیٰ نے وَالْهُكْمَ إِلَهُ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْخ فرمایا، تو مشرکین نے قرآن کے اس دعوے پر دلیل کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے دلیل کے طور پر اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الآیة) نازل فرمائی، اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل ناصب ہے اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الْخ کائنۃ کے متعلق ہو کر اِنَّ کی خبر مقدم ہے اور لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ اس کا اسم مؤخر ہے۔

قَوْلًا: فُلْكَ الَّتِی تَجْرِی. فُلْكَ جب مفرد ہو تو مذکر ہے اور اگر جمع ہو تو جمع مکسر ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے یہاں فُلْكَ مؤنث ہے اور قرینہ الَّتِی تجری اس کی صفت ہے۔

سُئَالًا: جمع مکسر مفرد میں تغیر کر کے بنائی جاتی ہے، جیسے رَجُلٌ سے رِجَالٌ مگر یہاں مفرد اور جمع دونوں ایک ہی وزن پر ہیں جمع میں کوئی تغیر نہیں ہوا، تو پھر یہ جمع مکسر کیسے ہوئی؟

جَوَابًا: اس میں تغیر معنوی ہوا ہے اس لیے کہ جب فُلْكَ قُفْلٌ کے وزن پر ہو تو مفرد ہوگا اور جب أُسْدٌ کے وزن پر ہو تو جمع ہوگا۔

قَوْلًا: مِنْ التَّجَارَاتِ اس میں اشارہ ہے کہ بِمَا یَنْفَعُ میں ما موصولہ ہے ای تجری فی البحر بالذی ینفع الناس اور بعض نے ما کو مصدر یہ بھی کہا ہے، ای تجری فی البحر ینفع الناس۔

قَوْلًا: بِلَا عِلَاقَةٍ عَیْنِ کے کسرہ کے ساتھ محسوس رابطہ جیسے تلوار کا پٹکا اور عَیْنِ کے فتح کے ساتھ معنوی یعنی غیر محسوس رابطہ جیسے عشق و محبت کا رابطہ یا حسد و عداوت کا تعلق۔

قَوْلًا: تَبْصُرُ مفسر علام نے یَوٰی کی تفسیر تَبْصُرُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یَوٰی سے رویت بصری مراد ہے نہ کہ قلبی اس لئے کہ رویت قلبی کے لئے دو مفعولوں کی ضرورت ہوگی جو کہ موجود نہیں ہیں۔

قَوْلًا: اِذَا بِمَعْنٰی اِذَا یہ دو سوالوں کا جواب ہے۔

سُئَالًا: ①: لَوْ اور اِذَا ماضی پر داخل ہوتے ہیں نہ کہ مضارع پر یہاں مضارع پر داخل ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابًا: اِذَا یَرَوْنَ الْعَذَابَ میں رویت کا وقوع چونکہ یقینی ہے لہذا مضارع پر اِذَا داخل کر دیا تاکہ بتاویل ماضی ہو کر یقینی الوقوع ہونے پر دلالت کرے۔

سُئَالًا: ②: تو پھر مضارع کے بجائے ماضی کا صیغہ لانا چاہئے تھا تاکہ حقیقۃً یقینی الوقوع پر دلالت کرتا۔

جَوَابًا: چونکہ رویت درحقیقت مستقبل یعنی روز قیامت میں ہوگی اس کی طرف مضارع کا صیغہ لا کر اشارہ کر دیا۔

قَوْلًا: لِأَنَّ یہ جواب شرط محذوف کی علت ہے۔

قَوْلًا: فَهِيَ بِمَعْنَى يَعْلَمُ. يَرَىٰ كَوَيَعْلَمُ كَمَا لَمْ يَرِ اس لے لیا ہے کہ ظالموں کا اللہ کے عذاب کی شدت کو دنیا میں
 چشم سردیکھنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ عذاب کا تحقق آخرت میں ہوگا، لہذا رویت سے رویت قلبی مراد ہے یعنی یَرَىٰ۔
 يَعْلَمُ کے معنی میں ہے۔

قَوْلًا: وَفَقَّ مُعَايِنَتِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيدَ الْعَذَابِ كَاطْرَفِ هِ۔

قَوْلًا: وَقَدْ، قد کو محذوف ماننے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وادِ حالیہ ہے، اور قَدْ رَأَوْا الْعَذَابَ، الَّذِينَ اتَّبَعُوا اور الَّذِينَ اتَّبَعُوا دونوں کی ضمیر سے حال ہے ای رَائِنِ جیسے لَقِيتُ زَيْدًا رَاكِبَيْنِ اور چونکہ ماضی بغیر قَدْ کے حال واقع نہیں ہو سکتی قَدْ خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً، لہذا یہاں قَدْ کو مقدر مانا ہے۔

قَوْلًا: لَوْ لِلتَّمَنَّى، لَوْ تَمَنَّى کے لئے ہے اور فَتَنْتَبِرًا اس کا جواب ہے، یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

سُؤَال: ۱: لَوْ کا جواب لام کے ساتھ ہوتا ہے، نہ کہ فاء کے ساتھ، حالانکہ یہاں فَنَتَبَّرُ، فاء کے ساتھ ہے۔

سوال: ۲: فَنَتَبَّرُ اُ کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟ جب کہ ناصب نہ لفظاً ہے اور نہ تقدیراً۔

جواب: مفسر علام نے لو للتمنیٰ کہہ کر ان دونوں اعتراضوں کا جواب دیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مذکورہ دونوں باتیں لو شرطیہ کے لئے ضروری ہیں اور یہ لو تمنیہ ہے، لو تمنیہ کے بعد ان مقدر ہونے کی وجہ سے جواب تمنی منسوب ہوتا ہے۔ (کما لا یخفی علی من له درایۃ فی علم النحو)۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شماره نزول:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ابْنِ أَبِي حَاتِمٍ اور ابن مردویہ نے عمدہ سند متصل کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قریش نے نبی کریم ﷺ سے کہا: خدا سے دعا کرو کہ کوہِ صفا کو ہمارے لئے سونے کا بنادے تاکہ اس کی وجہ سے ہم کو دشمن پر قوت حاصل ہو، تو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ فرمایا: میں ایسا کر سکتا ہوں لیکن اگر اس کے بعد بھی کفر کیا تو میں ان کو ایسا عذاب دوں گا کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا، تو رسول اللہ ﷺ نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! تو مجھے اور میری قوم کو اسی حالت پر چھوڑ دے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی کہ یہ لوگ کوہِ صفا کو سونے کا بنانے کا مطالبہ کس طرح کر رہے ہیں حالانکہ وہ میری قدرت کی نشانیوں میں سے اس سے کہیں زیادہ عظیم و عجیب نشانیاں کائناتِ عالم میں دیکھ رہے ہیں۔

مشرکین کی جانب سے صفاتِ رب کے مطالبہ کے جواب میں جب اللہ تعالیٰ نے وَالْهُكْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ نازل فرمائی تو مشرکین نے دعوائے وحدت والوہیۃ پر دلیل کا مطالبہ کیا تو اللہ نے اس کے جواب میں إِنَّ

فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (الآیة) نازل فرمائی، یہ آیت اس معنی کے اعتبار سے بڑی اہم اور عظیم ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت والوہیت و قدرت پر یکجا دس نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔

یعنی تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اس رحمان و رحیم کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے، اس حقیقت کو پہچاننے کے لئے اگر کوئی نشانی و علامت درکار ہے، تو جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے مسلسل بدلنے بدلنے میں نیز ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ تعالیٰ آسمانوں سے نازل کرتا ہے پھر اس کے ذریعہ زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش اور ان کے رخ بدلنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بیشمار نشانیاں ہیں۔

یعنی اگر انسان کائنات کے اس کارخانہ کو جو شب و روز اس کی آنکھوں کے سامنے چل رہا ہے، محض جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ عقل و خرد سے کام لے کر اس نظام پر غور کرے، اور ضد یا تعصب سے آزاد ہو کر سوچے تو یہ آثار جو اس کے مشاہدے میں آرہے ہیں، اس نتیجے پر پہنچانے کے لئے بالکل کافی ہیں کہ یہ عظیم الشان نظام ایک ہی قادر مطلق، حکیم کے زیر فرمان ہے، تمام اقتدار و اختیار بالکل اسی کے ہاتھ میں ہے کسی دوسرے کا اس میں قطعاً دخل نہیں۔

رابط آیات:

اوپر کی آیات میں تو حید کا اثبات تھا، آگے مشرکین کے شرک اور اس پر وعید کا بیان ہے، وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا مذكورہ دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کے باوجود ایسے لوگ ہیں جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو اس کی صفات میں شریک بنا لیتے ہیں، اور ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہئے انسانوں میں مظاہر پرستی اور نافع و ضار چیزوں کو معبود و مسجود بنانے کا رجحان زمان قدیم سے ہے اور موجودہ زمانہ میں بھی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان نے خود اپنی ہی بنائی ہوئی چیزوں اور خود تراشیدہ بتوں کی بندگی اور پوجا پاٹ شروع کر دی۔

ہندوستان میں جب شروع شروع میں ریل نکلی تو دیہاتیوں نے اس کی بھی پوجا شروع کر دی اور ریل کے انجن کے سامنے ناپتے گاتے ہوئے جانور کی بلی چڑھائی، اس طرح اپنے ہزاروں دیوتاؤں میں ایک انجن دیوتا کا اور اضافہ کر لیا۔

(ماجدی، ملخصاً و اضافہ)

يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ (الآیة) یعنی ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان کے لئے اللہ کی رضا ہر دوسرے کی رضا پر مقدم ہو اور کسی چیز کی عقلی محبت انسان کے دل میں یہ مرتبہ و مقام حاصل نہ کرے کہ وہ اللہ کی محبت پر اسے قربان نہ کر سکتا ہو وَلَوْ تَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا اور کیا خوب ہوگا اگر یہ ظالم مشرکین جب دنیا میں کسی مصیبت کو دیکھتے تو اس کے وقوع میں غور کر کے یہ سمجھ لیا

کرتے کہ سب قوت اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے اور دوسرے سب عاجز اور بے بس ہیں نہ اس مصیبت کو کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ روک سکتا ہے، ایسے وقت میں صرف اللہ ہی یاد آتا ہے، اور اس مصیبت کی شدت میں غور کر کے یہ سمجھ لیا کرتے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آخرت میں کہ وہ دارالجزاء ہے سخت ہوگا، تو اس طرح غور کرنے سے تراشیدہ بتوں کا عجز اور حق تعالیٰ کی عظمت و قدرت منکشف ہو کر تو حید و ایمان اختیار کر لیتے۔

رابط آیات:

اوپر عذاب کی شدت کا بیان تھا یہاں شدت کی کیفیت کا بیان ہے، اِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا یہاں اس منظر کا نقشہ پیش کیا گیا ہے، جب قیامت میں شرکین کے خواص علماء اور امراء اپنے عوام اور اپنے متبعین اور رعایا سے لا تعلقی کا اعلان کریں گے اور انہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے کہیں گے کاش ہم کو ایک موقع دنیا میں واپسی کا دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں ہم بھی دنیا میں ان سے بیزار ہو کر اور نکاسا جواب دے کر دکھا دیتے۔

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ اہل باطل کے جتنے بھی باہمی تعلقات اور رابطے ہیں استاذی شاگردی یا ہم نسبتی اور قرابت کے یا ہم وطنی اور دوستی کے یہ سب اس دنیا تک محدود ہیں، آخرت میں جو حقائق کے مشاہدہ اور معائنہ کا وقت ہوگا سب ایک دوسرے سے بے تعلق بلکہ مخالف نظر آئیں گے اِلَّا خِلَاءَ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِينَ۔

(سورۃ الزخرف)

وَنَزَلَ فِيْمَنْ حَرَّمَ السَّوَابِ وَنَحْوَهَا يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُّوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا حٰلًا طَيِّبًا صِفَةُ مُؤَكَّدَةٍ اَوْ مُسْتَلْذَا وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طَرُقِ الشَّیْطٰنِ اِی تَزِیْنَهٗ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝۱۶۸ بَیْنَ الْعَدُوَّةِ اِنَّمَآ یَاْمُرُکُمْ بِالسُّوْءِ الْاِثْمِ وَالْفَحْشَآءِ الشَّیْخِ شَرْعًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْمُوْنَ ۝۱۶۹ مِّنْ تَحْرِیْمِ مَالٍ یُّحَرِّمُ وَغَیْرِهِ وَاِذَا قِیلَ لَهُمْ اِی الْکُفَّارِ اتَّبِعُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِنِ الْتَوْحِیْدِ وَتَحْلِیْلِ الطَّیِّبَاتِ قَالُوْا لَا بَلْ نَتَّبِعُ مَا الْفِیْنَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اَبَآءَنَا بِنِ عِبَادَةِ الْاَصْنَامِ وَتَحْرِیْمِ السَّوَابِ وَالتَّحَاۡیِرِ قَالِ تَعَالٰی اَ یَتَّبِعُوْنَہُمْ وَلَوْ کَانَ اَبَآؤُہُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئًا مِّنْ اَمْرِ الدِّیْنِ وَلَا یَهْتَدُوْنَ ۝۱۷۰ اِلٰی الْحَقِّ وَالتَّهْمَزَةُ لِلْاِنْکَارِ وَمَثَلُ صِفَةِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَنْ یَدْعُوْہُمْ اِلٰی الْہُدٰی کَمَثَلِ الَّذِیْ یُنْعِقُ یَصُوْتُ بِمَا لَا یَسْمَعُ الْاَدْعَآءَ وَنِدَآءً اِی صَوْتًا لَا یَسْمَعُہُمْ مَعْنَاهُ اِی ہُمْ فِی سَمَاعِ الْمَوْعِظَةِ وَغَدَمٌ تَدْبُرُہَا کَالْبَهَائِمِ تَسْمَعُ صَوْتَ رَاعِیْہَا وَلَا تَفْہَمُہُمْ بِہُمْ صُمُّ بَکْمٌ عُمٰی فَہُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝۱۷۱ الْمَوْعِظَةُ یَاۡیُہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ خَلٰلٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ عَلٰی مَا اٰحَلَ لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۱۷۲

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ اِی اَكْلَهَا اِذَا الْكَلَامُ فِیهِ وَكَذَا مَا بَغْدَبَا وَبِی مَا لَمْ تُذَكَّ شَرْعًا وَالْحَقُّ بِهَا بِالسُّنَّةِ مَا أُبِیْنُ مِنْ حَیٍّ وَخُحِّسَ بَيْنَهَا السَّمَكُ وَالْجَرَادُ وَالْدَّمُّ اِی الْمَسْفُوحَ كَمَا فِی الْاَنْعَامِ وَلَحْمُ الْخَنَزِيرِ خُحِّسَ اللَّحْمُ لِأَنَّهُ مَعْظَمُ الْمُقْتَصُودِ وَغَیْرِهِ تَبَعَ لَهُ وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِغَیْرِ اللَّهِ اِی ذُبَحَ عَلَى اسْمِ غَیْرِهِ تَعَالَى وَالْاِبْلَالُ رَفْعُ الصَّوْتِ وَكَانُوا یَرْفَعُونَهُ عِنْدَ الذَّبْحِ لِإِلَهَتِهِمْ فَمِنْ اضْطَرَّ اِی الْجَائَةِ الضَّرُورَةُ اِلَى اَكْلِ شَیْءٍ مِمَّا ذَكَرْنَا كَلَهُ غَیْرَبَاغٍ خَارِجٍ عَلَى الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا عَادٍ مُتَعَدٍّ عَلَيْهِمْ بِقَطْعِ الطَّرِیْقِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ فِی اَكْلِهِ اِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِیْمٌ ۝۳۰ بِأَهْلِ طَاعَتِهِ حَيْثُ وَسَّعَ لَهُمْ فِی ذَلِكَ وَخَرَجَ الْبَاغِیُّ وَالْعَادِیُّ وَیُلْحَقُ بِهِمَا كُلُّ عَاصٍ بِسُفْرِهِ كَالْأَبْقِ وَالْمَكَّاسِ فَلَا یَحِلُّ لَهُمْ اَكْلُ شَیْءٍ مِنْ ذَلِكَ مَا لَمْ یَتُوبُوا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِیُّ.

ترجمہ: اور (یہ آیت) ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے سوائب وغیرہ (بتوں کے نام پر آزاد کئے ہوئے جانور) کو حرام کر لیا تھا، لوگو! زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ (پیو) طیبًا، حلالًا کی صفت مؤکدہ ہے، یا بمعنی مُتَلَدِّذًا ہے، (یعنی مرغوب و پسندیدہ) اور شیطان کے نقش قدم پر (یعنی طریقہ) پر نہ چلو یعنی اس کے آراستہ راستہ پر، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے یعنی اس کی عداوت بالکل واضح ہے وہ تمہیں صرف گناہ اور فحش یعنی شرعاً فتنج بات کا حکم کرتا ہے اور اس بات کا حکم کرتا ہے کہ تم اللہ کے بارے میں وہ باتیں کہو جن کو تم نہیں جانتے یعنی جو چیزیں حرام نہیں کی گئیں ان کو حرام کرنا وغیرہ، اور جب کافروں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو توحید اور پاکیزہ چیزوں کی حلت نازل کی ہے اس کی اتباع کرو تو وہ کہتے ہیں نہیں بلکہ ہم تو اس کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء (واجداد) کو پایا ہے اور بتوں کی بندگی ہے اور وہ سوائب و بحائر کو حرام کرنا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ ان کی اتباع کریں گے؟ اگرچہ ان کے آباء (واجداد) دین کے معاملہ میں کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ حق کی طرف راہ یافتہ ہوں، اور ہمزہ انکار کے لئے ہے، اور کافروں کی مثال اور ان لوگوں کی جو ان کو ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اس شخص کے جیسی ہے جو اس کو آواز دیتا ہو جو ہانک پکار کے سوا کچھ نہ سنتا ہو یعنی آواز کو کہ جس کے معنی نہ سمجھتا ہو، مطلب یہ کہ (یہ کافر) نصیحت سننے اور اس پر غور کرنے میں جانوروں کے مانند ہیں جو اپنے چرواہے کی آواز تو سنتے ہیں مگر اس کو سمجھتے نہیں ہیں، وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں جو نصیحت کو نہیں سمجھتے، اے ایمان والو! جو حلال چیزیں ہم نے تم کو دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ پیو، اور جو چیزیں تمہارے لئے حلال کی ہیں ان پر اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو، اور جو چیزیں تمہارے لئے حرام کی گئی ہیں (ان میں ایک) مردار ہے یعنی اس کا کھانا حرام ہے، اس لئے کہ گفتگو کھانے ہی کے بارے میں ہے، اور اسی طرح اس کے بعد مذکور (چیزوں کا کھانا بھی حرام ہے) اور مردار وہ ہے جو شرعی طریقہ پر ذبح نہ کیا گیا ہو، اور بحکم حدیث مردار میں گوشت کا وہ ٹکڑا بھی شامل کر لیا گیا ہے جو زندہ جانور سے کاٹ لیا گیا ہو، اور مردار سے مچھلی اور مڈی کو مستثنیٰ

کر دیا گیا ہے اور بہتا خون ہے جیسا کہ سورہ انعام میں ہے، اور خنزیر کا گوشت (حرام کیا گیا ہے) اور (حرمت کے لئے) گوشت کی تخصیص اس لئے کی گئی ہے کہ (کھانے) میں وہی مقصود اعظم ہے دوسری چیزیں (مثلاً رگ، پٹھے وغیرہ) اس کے تابع ہیں، اور وہ جانور (بھی حرام ہے) جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو (اہلال) آواز بلند کرنے کو کہتے ہیں، اور مشرکین ذبح کے وقت اپنے مبعودوں کے نام آواز بلند پکارتے تھے، سواگر کوئی مجبور ہو جائے یعنی ضرورت نے اس کو مذکورہ چیزوں میں سے کھانے پر مجبور کر دیا ہو درناخالیکہ وہ باغی نہ ہو یعنی مسلمانوں کی خلاف بغاوت کرنے والا نہ ہو اور نہ رہزنی وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں پر ظلم کرنے والا ہو، تو ایسے شخص کے لئے ان کے کھانے میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلاشبہ اللہ بخشنے والا ہے اپنے دوستوں پر مہربان ہے اپنے اطاعت گزاروں پر کہ ان کو اس معاملہ میں وسعت (سہولت) دیدی اور باغی اور ظالم اس حکم سے خارج ہو گئے اور (باغی اور ظالم) کے ساتھ ہر وہ شخص شامل ہے جو سفر معصیت کر رہا ہو، جیسے بھاگا ہوا غلام، اور ظالمانہ طور پر مال وصول کرنے والا۔ ایسے لوگوں کے لئے مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا کھانا حلال نہیں ہے، جب تک کہ توبہ نہ کر لیں، اور امام شافعی رَحْمَةُ اللہُ عَلَیْہِ کا یہی مذہب ہے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا اس آیت کے مخاطب مکہ کے مشرکین ہیں، سورہ کے مدنی ہونے کی وجہ سے اور سورت کا نزول اگرچہ مدنی ہے لیکن نزول مدنی ہو اور خطاب اہل مکہ کو ہو اس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔
قَوْلُهُ: حَالٌ یعنی حَلَالًا، مِمَّا فِي الْأَرْضِ سے حال ہے، کُلُوا کا مفعول بہ نہیں ہے، جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اس لئے کہ اس صورت میں مِمَّا فِي الْأَرْضِ، حَلَالًا سے صفت یا حال ہوگا اور صفت کی تقدیم موصوف پر اور حال کی تقدیم ذوالحال پر خلاف ظاہر ہے، گو بعض حضرات نے حَلَالًا کو کُلُوا کا مفعول بہ بھی قرار دیا ہے، اور مِمَّا فِي الْأَرْضِ کو حَلَالًا سے حال مقدم قرار دیا ہے، ذوالحال کے نکرہ ہونے کی وجہ سے حال مقدم کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: السَّوَابِغُ یہ سَائِبَةُ کی جمع ہے، اس اونٹنی کو کہتے ہیں جس کو کسی بت وغیرہ کے نام پر چھوڑ دیا جائے اور تعظیماً اس سے کسی قسم کا استفادہ نہ کیا جائے۔

قَوْلُهُ: وَنَحْوَهَا نَحْوُ سے بَحَائِرُ وغیرہ مراد ہیں، بحیرہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کو غیر اللہ کے نام پر آزاد کر دیا ہو اور علامت کے طور پر اس کے کان چیر دیئے گئے ہوں۔

قَوْلُهُ: طَيِّبًا۔ صفة مؤکدة اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: جب حَلَالًا سے شرعاً پاکیزہ چیز مراد ہے تو پھر اس کے بعد طَيِّبًا کو ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ اس لئے کہ جو چیز شرعاً حلال ہوتی ہے وہ پاک ہی ہوتی ہے۔

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ طیباً صفت مؤکدہ ہے نہ کہ احترازیہ۔

قَوْلُ: او مُسْتَلْذًا مفعول کے صیغہ کے ساتھ یعنی جو چیز مرغوب اور پسندیدہ ہو، اس صورت میں طیباً صفت مقیدہ ہوگی۔ جس سے ناپسندیدہ مثلاً کڑوی اور بد مزہ اشیاء خارج ہو جائیں گی، مُسْتَلْذًا صفت مخصّصہ اس صورت میں ہوگی جب کہ او کے ساتھ ہو اور بعض نسخوں میں و مُسْتَلْذًا واؤ کے ساتھ ہے، اس صورت میں طیباً صفت مؤکدہ ہوگی یعنی نفس مومن کو مرغوب شئی۔

قَوْلُ: ای تَزِیْنَةُ اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے، اور تزئین سے شیطانی وسوسے مراد ہیں۔

قَوْلُ: یا مَرِکُم بِالسُّوءِ یہ اِنَّہ لَکُم عَدُوٌّ مُّبِیْن کے لئے علت کے مانند ہے، یعنی وہ تمہارا دشمن اس لئے ہے کہ وہ تم کو بری اور فحش باتوں کا حکم کرتا ہے، السُّوء ہر اس عمل کو کہتے ہیں جس سے خدا ناراض ہو خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا، اور اَلْفَحْشَاء سے مراد کبیرہ گناہ ہیں، گویا یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، مگر مفسر علام کے کلام سے دونوں میں تساوی مستفاد ہو رہی ہے۔

قَوْلُ: مِنْ تَحْرِیْمِ مَا لَمْ یُحَرِّمِ الخ یہ مالا تعلمون میں ما کا بیان ہے۔

قَوْلُ: اَیْتَبِعُوْنَهُمْ اس میں اشارہ ہے کہ ہمزہ فعل مقدر پر داخل ہے اور وَلَوْ كَانَ فعل مقدر کے معمول سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اَیْتَبِعُوْنَهُمْ فِی حَالِ فِرْضِهِمْ غَیْرِ عَاقِلِیْنَ وَلَا مَهْتَدِیْنَ ہمزہ انکار تعجب کے لئے ہے، مفسر علام نے اَیْتَبِعُوْنَهُمْ میں ہمزہ کے بعد فعل مقدر مان کر ایک سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

سُئَالُ: اَوَلَوْ كَانَ میں لو شرطیہ ہے، لہذا اس کے لئے جواب شرط کا ہونا ضروری ہے حالانکہ یہاں جواب شرط موجود نہیں ہے۔

جَوَابُ: لَوْ پر جو واؤ داخل ہے وہ حالیہ ہے لہذا لَوْ کو اس صورت میں جواب کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ شرط تب ہی حال واقع ہوتی ہے جب اس سے شرطیت کے معنی سلب کر لئے جاتے ہیں، اس لئے کہ جملہ مقدمہ محذوفہ کی صورت میں لَوْ میں معنی شرطیت باقی نہیں رہتے، لہذا اس کو جواب کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ (نرویح الادواح)

قَوْلُ: صِفَةً یعنی مثل بمعنی صفت ہے نہ کہ بمعنی مشابہ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: كَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ میں كاف تشبیہ کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ مثل کے ذکر کے بعد كاف تشبیہ بلا وجہ تکرار ہے۔

جَوَابُ: پہلے مثل کے معنی تشبیہ کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی صفت کے ہیں، لہذا اب کوئی تکرار نہیں۔

قَوْلُ: النّعِقُ وَالنَّعِیْقُ، صوت الراعی بالغنم۔ چرواہے کی بکریوں کو ہانک۔

قَوْلُ: وَمَنْ یَدْعُوْهُمْ اِلَی الْهُدٰی اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُئَالُ: آیت میں کفار کو ناعق (چرواہے) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اس لئے کہ آیت کا ترجمہ یہ ہے، اور کافروں کی مثال اس ناعق (چرواہے) کی ہے جو بہائم کو پکارتا ہے، حالانکہ واقعہ ایسا نہیں ہے اس لئے کہ ناعق داعی (ہدایت کی

طرف بلانے والے رسول یا مسلمان ہیں) اور کفار منعوق، مدعو (مثل بہائم) ہیں۔

جواب: یہاں معطوف محذوف ہے اور وہ مَنْ يَذْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى ہے، لہذا کفار اور ان کے داعی کو، چرواہے اور بہائم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یعنی کفار اور ان کے داعی مشبہ ہیں اور بہائم اور ان کا چرواہا مشبہ بہ ہیں، گویا کہ یہ تشبیہ مرکب بالمرکب ہے، جس میں ایک مجموعہ کو دوسرے مجموعے کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، لہذا اب کوئی اشکال نہیں۔

سوال: اگر الْكَافِرِينَ كَفَرُوا سے پہلے مضاف محذوف مان لیا جائے جیسا کہ قاضی وغیرہ نے مضاف محذوف مانا ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی، مَثَلُ دَاعِي الْكَافِرِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ ابٍ مَطْلَبٌ يَهْوَا، کہ داعی کی مثال ناعق (چرواہے) جیسی ہے یعنی داعی کو ناعق سے تشبیہ دی گئی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جواب: مطلب تو صحیح ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں تشبیہ داعی (مسلمان یا رسول) کی حالت کو بیان کرنے کے لئے ہوگی نہ کہ مدعو کی حالت کو بیان کرنے کے لئے حالانکہ مقصود دونوں کی حالت کو بیان کرنا ہے اور اہم مدعو (کفار) کی حالت کو بیان کرنا ہے، جیسا کہ خود مفسر علام نے اس بات کی طرف اپنے قول ہم فی سماع الموعظة الخ سے اشارہ کیا ہے۔ (مزید تفصیل کے لئے تفسیر مظہری جلد اول: ص ۱۶۷ کی طرف رجوع کریں)۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

شان نزول:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ یہ آیت ثقیف اور خزاعہ اور عامر ابن صعصعہ اور بنی مدلج کے بارے میں نازل ہوئی تھی، کہ ان لوگوں نے اپنے اوپر حرث، انعام، البحرہ، اور سائبہ اور الحام اور وسیلہ کو حرام کر لیا تھا۔ (مظہری)

ونزلت فی قوم حرموا علی انفسهم رفیع الاطعمۃ والملابس یعنی مذکورہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی کہ جنہوں نے اپنے اوپر عمدہ کھانا اور اچھا لباس حرام کر لیا تھا، (روح البیان) سبب نزول اگرچہ خاص بھی ہو لیکن اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شیطان کے دام فریب میں آکر اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام نہ کرو جس طرح مشرکین کہ بتوں کے نام وقف کردہ جانوروں کو حرام کر لیتے تھے، لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ میں اتباع شیطان سے منع کیا جا رہا ہے کہ خواہش اور نفس شیطانی کے اغواء سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ سمجھو، اور زمین (دنیا) میں حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں استعمال کرو اور اغواء شیطانی کے شکار نہ ہو کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے لگو اس لئے کہ شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے وہ ہمیشہ بدی اور فحش کا ہی حکم کرتا ہے۔

اِنَّمَا یَاْمُرُکُمُ الْخَ شَیْطَانُ کے حکم سے مراد وسوسہ ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ آدم کے بیٹے کے قلب میں ایک شیطانی الہام و اثر ہوتا ہے اور دوسرا فرشتہ کی طرف سے، شیطانی وسوسہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ برے کام کے فوائد اور مصالح سامنے آتے ہیں اور فرشتہ کے الہام کا اثر یہ ہوتا ہے کہ خیر اور نیکی پر انعام و فلاح کا وعدہ اور حق کی تصدیق پر قلب مطمئن ہوتا ہے۔

مَسْکَلٌ: سائنڈ وغیرہ جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیئے جاتے ہیں یا اور کوئی جانور مثلاً مرغ، بکر وغیرہ کسی بزرگ یا کسی پیر پیغمبر کے نام نامزد کر دیا جاتا ہے اس کی حرمت کا بیان بھی عنقریب وَمَا أَهْلٌ بِهِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ کی تفسیر میں انشاء اللہ آنے والا ہے، اس آیت یَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا الْخَ میں ایسے جانوروں کے حرام ہونے کی نفی کرنا مقصود نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے بلکہ اس فعل کی حرمت و ممانعت مقصود ہے کہ غیر اللہ کے تقرب کے لئے جانوروں کو آزاد چھوڑ دینا اور اس عمل کو موجب برکت و تقرب سمجھنا اور ان جانوروں کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا عہد کر لینا یہ تمام افعال ناجائز اور گناہ ہیں۔

مَسْکَلٌ: اگر کسی شخص نے جہالت یا غفلت سے کسی جانور کو کسی غیر اللہ کے لئے نامزد کر کے آزاد کر دیا تو اس کی توبہ یہی ہے کہ اپنے اس حرمت کے خیال سے رجوع کرے اور اس فعل سے توبہ کرے، تو پھر اس کا گوشت حلال ہو جائے گا۔ (معارف)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا (الآیۃ) اس آیت سے جس طرح باپ دادوں کی اندھی تقلید و اتباع کی مذمت ثابت ہوتی ہے اسی طرح جائز تقلید و اتباع کے شرائط اور ایک ضابطہ بھی معلوم ہو گیا جس کی طرف دو لفظوں سے اشارہ فرمایا: لَا يَعْقِلُونَ اور لَا يَهْتَدُونَ کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ ان آباء و اجداد کی تقلید و اتباع کو اس لئے منع کیا گیا ہے کہ انہیں نہ عقل تھی نہ ہدایت، ہدایت سے مراد احکام ہیں جو اللہ کی طرف سے صریح طور پر نازل کئے گئے ہیں، اور عقل سے مراد وہ احکام ہیں جو بذریعہ اجتہاد نصوص شرعیہ سے استنباط کئے گئے ہوں۔

آباء و اجداد کے اتباع و تقلید کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ نہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام ہیں اور نہ اس کی صلاحیت کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان یعنی نصوص قطعیہ سے احکام کا استنباط کر سکیں، اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ جس عالم کے متعلق یہ اطمینان ہو جائے کہ اس کے پاس قرآن و سنت کا علم ہے اور اس کو درجہ اجتہاد بھی حاصل ہے کہ جو احکام صراحت قرآن و سنت میں نہ ہوں ان کو نصوص قرآن و سنت سے بذریعہ قیاس نکال سکتا ہے تو ایسے عالم کی تقلید و اتباع جائز ہے، اس لئے نہیں کہ یہ اس کا حکم ماننا اور اس کی اتباع کرنی ہے بلکہ اس لئے کہ حکم اللہ کا ماننا اور اسی کا اتباع کرنا ہے مگر چونکہ ہم براہ راست اللہ کے حکم سے واقف نہیں ہو سکتے اس لئے کسی عالم مجتہد کا اتباع کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل ہو سکے۔

جاہلانہ تقلید اور ائمہ مجتہدین کی تقلید میں فرق:

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مطلق تقلید ائمہ مجتہدین کے خلاف اس طرح کی آیت پڑھ دیتے ہیں وہ خود ان آیات کے صحیح مدلول سے واقف نہیں۔ امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اس آیت میں تقلید آبائی کے ممنوع ہونے کا جو ذکر ہے اس

سے مراد باطل عقائد و اعمال میں آباء و اجداد کی تقلید کرنا ہے، عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ میں تقلید اس میں داخل نہیں ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے کلام میں ان دونوں چیزوں کی وضاحت سورہ یوسف میں اس طرح آئی ہے: اِنِّیْ تَرٰکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ کَافِرُوْنَ، وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِیْ اِبْرٰهَیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ۔

”میں نے ان لوگوں کی ملت اور مذہب کو چھوڑ دیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور جو آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اتباع کیا اپنے آباء ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا۔“ اس میں پوری وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ آباء کی تقلید باطل میں حرام ہے حق میں جائز بلکہ مستحسن ہے۔

امام قرطبی نے اسی آیت کے ذیل میں ائمہ مجتہدین کی تقلید سے متعلق بھی مسائل و احکام بیان کئے ہیں، فرمایا:

تعلق قوم بهذه الآیة فی ذم التقليد (الی) وهذا فی الباطل صحیح أما التقليد فی الحق فاصل من اصول الدین وعصمة من عصم المسلمین یلجاء الیہا الجاهل المقصر عن درک النظر۔

(قرطبی: ص ۱۹۴، ج ۲ - معارف)

”کچھ لوگوں نے اس آیت کو تقلید کی مذمت میں پیش کیا ہے، اور یہ باطل کے معاملہ میں تو صحیح ہے لیکن حق کے معاملہ میں تقلید سے اس کا کوئی تعلق نہیں، حق میں تقلید کرنا تو دین کے اصول میں سے ایک مستقل بنیاد ہے، اور مسلمانوں کے دین کی حفاظت کا بہت بڑا ذریعہ ہے کہ جو شخص اجتہاد کی صلاحیت نہیں رکھتا وہ دین کے معاملہ میں تقلید ہی پر اعتماد کرتا ہے۔“

يٰۤاَيُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ (الآیة) او پر اکل طیبات کے معاملہ میں مشرکین کو غلطی پر تنبیہ اور اصلاح مقصود تھی، اس آیت میں اہل ایمان کو اس بات پر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اس غلطی میں مشرکین کی موافقت نہ کریں، اس کے ضمن میں اہل ایمان پر اپنے انعامات کا بھی ذکر ہے، اور اس پر ادائے شکر کی تعلیم بھی ہے۔

ربط آیات:

اوپر تو اس کا بیان تھا کہ حلال کو حرام مت کرو آگے اس کا ذکر ہے کہ حرام کو حلال مت سمجھو مثلاً مردار جانور اور ایسے جانور جن کو غیر اللہ کے نام ذبح کیا گیا ہو، اس میں اشارہ ہے کہ نیک عمل کی توفیق اور دعا قبول ہونے میں اکل حلال کو بڑا دخل ہے، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ پاک ہے اور پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اور مومنین کو وہی حکم کرتا ہے جو مرسلین کو کرتا ہے، پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا جو طویل سفر طے کرتا ہے اور اپنے ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھاتا ہے یا رب یا رب اشعث اغبر، مَطْعَمُهُ حرام و مشربہ حرام و ملبسہ حرام و غُذٰی بِالْحَرَامِ فَانِّیْ یُسْتَجَابُ لِذٰلِکَ (رواہ مسلم) بہت سے لوگ طویل سفر پریشان حال اللہ کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یا رب یا رب پکارتے ہیں، مگر کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام، غذا ان کی حرام،

ان حالات میں ان کی دعاء کہاں قبول ہو سکتی ہے؟

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ابُو جَعْفَرٍ نے المَیْتَةُ یاء کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

سُئِلَ: إِنَّمَا کلمہ حصر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہی چار چیزیں جو مذکور ہیں حرام ہیں، حالانکہ ان کے علاوہ بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں جو دیگر آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے معلوم ہوتی ہیں۔

جواب: حنفیہ کے نزدیک إِنَّمَا کے بارے میں نَحَاةٌ کو ذبح کا قول معتبر ہے جس میں انہوں نے کہا اِنَّ کلمة إِنَّمَا لَيْسَتْ لِلْقَصْرِ بَلْ هِيَ مَرَكِبَةٌ مِنْ اِنَّ لِلتَّحْقِيقِ وَمَا الْكَافَةُ اور اگر إِنَّمَا کا کلمہ حصر ہونا تسلیم کر لیا جائے تو حصر اضافی ہوگا، اور یہ حصر ان چیزوں کے اعتبار سے ہوا جن کو کفار نے حرام کر لیا تھا، بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ۔

المیّتہ مردار اور یہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کا ذبح کرنا ضروری ہو، اور اس کو ذبح نہ کیا گیا ہو، لہذا مچھلی اور ٹڈی اس میں داخل نہیں ہیں، یا ان دونوں کو حدیث کی وجہ سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، (قال رسول اللہ ﷺ أَحِلَّ لَنَا مِيتَتَانِ وَدَمَانِ السَّمَكِ وَالْجَرَادِ وَالْكَبِدُ وَالطَّحَالُ) (اخرجه ابن ماجه والحاكم من حديث ابن عمر) اور ان ہی کے ساتھ گوشت کے اس ٹکڑے کو بھی شامل کر لیا گیا ہے جو زندہ جانور سے کاٹ لیا گیا ہو، عن ابی واقد اللیثی قال قال رسول اللہ ﷺ: مَا قُطِعَ مِنَ الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ۔ (اخرجه ابو داؤد والترمذی)

آگے اس آیت میں جن چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا گیا ہے وہ چار چیزیں ہیں: مردار، خون، لحم خنزیر، اور وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔

مردار: اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے حلال ہونے کے لئے از روئے شرع ذبح کرنا ضروری ہے مگر وہ بغیر ذبح کے خود بخود مر جائے یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری طرح چوٹ وغیرہ مار کر مار دیا جائے، تو وہ مردار اور حرام ہے، مگر خود قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ دریائی جانوروں کا ذبح کرنا ضروری نہیں ہے اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ اسی بناء پر حدیث میں بھی مچھلی اور ٹڈی کو میتہ سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، البتہ وہ مچھلی جو خود بخود مر کر پانی کے اوپر آ جائے وہ حرام ہے۔ (حصاص)

مَسْئَلَةٌ: اسی طرح وہ شکاری جانور جو قابو میں نہیں کہ ذبح کر لیا جائے تو اس کو بھی بسم اللہ پڑھ کر تیر وغیرہ دھاری دار چیز سے زخم لگا دیا جائے اور قابو میں آنے سے پہلے مر جائے تو بغیر ذبح کے حلال ہو جاتا ہے، مگر زخمی دھاری دار آلہ سے ہونا چاہئے، لہذا پھاڑنے والے یا جلانے والے آلہ مثلاً گولی سے زخمی شدہ بغیر ذبح کے حلال نہ ہوگا۔

مَسْئَلَةٌ: اگر بندوق کی گولی سے کوئی جانور زخمی ہو کر قبل الذبح مر جائے تو وہ حلال نہ ہوگا، اگر مرنے سے پہلے اسے ذبح کر لیا جائے تو حلال ہو جائے گا۔

مَسْئَلَةٌ: اگر بندوق کی گولی نوکدار ہو جیسا کہ آج کل ایسی گولی بنائی گئی ہے تو بعض علماء کا خیال ہے کہ ایسی گولی تیر کے حکم میں ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک ایسی گولی بھی جارحہ نہیں بلکہ خارقہ ہے اس لئے ایسی گولی کا شکار بھی بغیر ذبح حلال نہیں۔

مَسْئَلَةٌ: مردار جانور کے تمام اجزاء حرام ہیں، مگر جانور کے وہ اجزاء جو کھانے کی چیز نہیں، مثلاً بال، سینگ، کھر، ہڈی وغیرہ یہ پاک ہیں، ان کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ ان پر نجاست نہ لگی ہو۔

مَسْئَلَةٌ: مردار جانور کی چربی اور اس سے بنائی ہوئی چیزیں بھی حرام ہیں نہ ان کا استعمال جائز اور نہ خرید و فروخت۔

مَسْئَلَةٌ: یورپ وغیرہ سے آئی ہوئی چیزیں مثلاً صابون، کریم، لپ اسٹک وغیرہ جن میں چربی ہوتی ہے ان سے پرہیز کرنا احتیاط ہے، مگر مردار یا حرام جانور کی چربی کا یقینی علم نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے، نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرام مثلاً ابن عمر، ابوسعید خدری، ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے، خارجی استعمال کی اجازت ہے، اس لئے اس کی خرید و فروخت کو بھی جائز رکھا گیا ہے۔ (حصاص، معارف)

مَسْئَلَةٌ: دودھ کا پیئر بنانے میں ایک چیز استعمال ہوتی ہے جس کو عربی میں اِنْفَحَة کہا جاتا ہے، یہ جانور کے پیٹ سے نکالی ہوئی ایک چیز ہوتی ہے اس کو دودھ میں شامل کرنے سے دودھ جم جاتا ہے، اگر انْفَحَة شرعی طریقہ سے مذبوہ جانور کا ہے تو اس کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن غیر مذبوہ کے پیٹ سے حاصل کیا ہوا انْفَحَة کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام اعظم، امام مالک اس کو پاک کہتے ہیں اور امام ابو یوسف امام محمد اور سفیان ثوری اس کو ناپاک کہتے ہیں۔ (قرطبی، معارف)

خون: دوسری چیز جو آیت مذکورہ میں حرام قرار دی گئی ہے وہ خون ہے، اس آیت میں اگرچہ مطلق ہے مگر سورہ انعام کی آیت میں مسْفُوح کی قید بھی ہے یعنی بنے والا خون، لہذا جو خون منجمد ہو جیسے کلجی، تلی، گردہ، پھیپھڑا وغیرہ یہ حلال اور پاک ہیں۔ مَسْئَلَةٌ: ذبح کے بعد جو خون گوشت میں لگا رہ جاتا ہے وہ پاک ہے، اسی طرح مچھر، مکھی، کھٹل وغیرہ کا خون ناپاک نہیں ہے، اگر زیادہ ہو تو اس کو بھی دھونا چاہئے۔

مَسْئَلَةٌ: جس طرح خون کا کھانا حرام ہے اسی طرح اس کا خارجی استعمال بھی حرام ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں۔ مَسْئَلَةٌ: مریض کو دوسرے کا خون دینے کا مسئلہ، تحقیق اس کی یہ ہے کہ انسانی خون انسان کا جز ہے اور جب بدن سے نکال لیا جائے تو وہ بھی نجس ہے، اس کا اصل تقاضہ تو یہی ہے، لہذا قاعدہ اور ضابطہ کی رو سے دوسرے کا خون چڑھانا جائز نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اضطراری اور مجبوری کی صورت میں شریعت اسلام کی دی ہوئی سہولتوں میں غور کرنے سے امور ذیل ثابت ہوئے:

خون اگرچہ انسانی جز ہے مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے اعضاء انسانی میں کاٹ چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت پیش نہیں آتی، انجکشن کے ذریعہ خون نکالا اور داخل کیا جاتا ہے، اس لئے اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی جو بدن انسانی سے بغیر کاٹ چھانٹ کے نکلتا ہے اور دوسرے انسان کا جز بنتا ہے، شریعت اسلام نے بچہ کی ضرورت کے پیش نظر انسانی دودھ کو بچے کی غذا قرار دیا ہے، اور علاج کے طور پر بڑوں کے لئے بھی اجازت ہے جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

ولا بأس بان يسعط الرجل بلبن المرأة ويشربه للدواء. (عالمگیری: ص ۴، معارف)

”اس میں مضائقہ نہیں کہ دوا کے لئے کسی شخص کی ناک میں عورت کا دودھ ڈالا جائے، یا پینے میں استعمال کیا جائے۔“

مَسْئَلَةٌ: اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو بعید از قیاس نہیں، کیونکہ دودھ بھی خون کی بدلی ہوئی صورت ہے اور جزء انسانی ہونے میں مشترک ہے، صرف فرق یہ ہے کہ دودھ پاک ہے اور خون ناپاک ہے، لہذا جزء انسانی ہونا تو یہاں وجہ ممانعت نہ رہی اس لئے کہ دودھ جزء انسانی ہونے کے باوجود دوسرے انسان کے بدن کا جزء بنتا ہے، اب صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا، علاج اور دوا کے معاملہ میں بعض فقہاء نے خون کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے۔

اس لئے ایک انسان کا خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں، مگر علاج اور دوا کے طور پر اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے، اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان خطرہ میں ہو اور کوئی دوسرا طریقہ مؤثر نہ ہو یا موجود نہ ہو، اور خون دینے سے مریض کی جان بچنے کا گمان غالب ہو ان شرطوں کے ساتھ خون دینا اس نص قرآنی کی رو سے جائز ہے جس میں مضطر کے لئے مردار جانور کھا کر جان بچانے کی اجازت صراحتہ مذکور ہے۔

خنزیر کی حرمت:

تیسری چیز جس کی حرمت اس آیت مذکورہ میں ہے وہ لحم خنزیر ہے اس کے نجس العین ہونے پر اتفاق ہے، قرآن میں خنزیر کے ساتھ لحم کی قید یا تو اس لئے ہے کہ اعظم مقصود گوشت ہی ہے بقیہ چیزیں اس کے تابع ہیں اور لحم کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ ہو گیا کہ خنزیر دیگر حرام جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ ذبح کے بعد اگر چہ کھانے کے لئے حرام ہی رہتے ہیں مگر وہ پاک ہو جاتے ہیں، البتہ خنزیر ذبح کرنے کے بعد بھی پاک نہیں ہوتا، صرف چمڑا سینے کے لئے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ (حصاص، قرطبی)

ائمہ کا مسلک:

امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور امام الک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ خنزیر کے بالوں کا استعمال ضرورت کے پیش نظر صرف چمڑا سینے کے لئے جائز ہے، امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ممنوع قرار دیتے ہیں، اور امام احمد رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے مکروہ قرار دیا ہے اگر خنزیر کا بال پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

لحم خنزیر کی مضرت:

فقہی احکام اور شرعی حرمت سے قطع نظر فطرتِ سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے نظافتِ طبعی اس کی طرف رغبت کرنے سے کراہت کرتی ہے، خنزیر کا گوشت بکثرت استعمال سے اخلاقی خرابیاں اور بے حیائی کا پیدا ہونا ایک مسلم حقیقت ہے جن قوموں میں اس کو

کثرت سے کھانے کا رواج ہے ان کی بے حیائی کسی سے پوشیدہ نہیں، اس کے گوشت کے جو طبی نقصانات ہیں وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہیں، خصوصاً امراض غدودی میں یہ جس طرح معین و مددگار ہوتا ہے اس پر تو آج کل کے ڈاکٹر بہت کچھ لکھ چکے ہیں، سور کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن اور عیاں ہے کہ بعض قدیم قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس سمجھتی رہی ہیں، بلکہ خود یہودیوں کے یہاں بھی خنزیر حرام تھا، آج مسیحی قومیں جس ذوق و شوق سے یہ گندہ گوشت کھاتی ہیں اور اس کی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کراہت کیسی؟ عجب نہیں کہ کچھ فضائل مسیحیت میں اس جانور کے وارد ہوئے ہوں، حالانکہ اس کی حرمت اور نجاست دونوں صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں۔

بائبل میں سور کی حرمت اور نجاست :

اور سور کہ اس کا کھر و حصہ (چراہوا) ہوتا ہے اور اس کا پاؤں چراہے، پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمہارے لئے ناپاک ہے۔

(انجیل ۱۱: ۷)

اور سور کہ کھر اس کے چرے ہوئے ہیں، یہ جگالی نہیں کرتا، بھی تمہارے لئے ناپاک ہے، تم اس کا گوشت نہ کھاؤ نہ اس کی لاش کو ہاتھ لگائو۔ (استثناء ۱۲: ۸)

وَمَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ:

یہ چوتھی چیز ہے جس کو آیت میں حرام قرار دیا گیا ہے، یہ وہ جانور ہے جس کو غیر اللہ کے لئے وقف کیا گیا ہو، اس کی تین صورتیں متعارف ہیں: اول یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح غیر اللہ ہی کا نام لیا جائے، یہ صورت باجماع امت حرام ہے اور یہ جانور مردار ہے اس کے کسی جزء سے انتفاع جائز نہیں، اس لئے کہ یہ صورت آیت مَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ کی مدلول صریح ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے لیکن بوقت ذبح اس پر نام اللہ کا لیا جائے، جیسا کہ بہت سے ناواقف مسلمان پیروں اور بزرگوں کے نام پر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بکرے مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں، جیسے ربیع الثانی کے مہینہ میں گیارہویں شریف کے موقع پر (بقول جہلاء) غوث پاک کا خصی، ماہ محرم میں سیدنا حسن و حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے نام کا مرغنا، اور شیخ سدو کے نام کا بکرا یہ صورت بھی باتفاق فقہاء حرام اور مذہب بوجہ مردار ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کے کان کاٹ کر یا کوئی دوسری علامت لگا کر تقرب الی غیر اللہ اور تعظیم لغیر اللہ کے طور پر چھوڑا جائے نہ اس سے کام لینے اور نہ اس کو ذبح کرنے کا قصد ہو بلکہ اس کے ذبح کو حرام جانیں یہ جانور مَا أَهْلٌ بِهِ لَغَيْرِ اللَّهِ

اور مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ دونوں میں داخل نہیں؛ بلکہ اس قسم کے جانور کو بحیرہ یا سائبہ کہا جاتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ یہ فعل تو بھنسنے قرآنی حرام ہے، جیسا کہ مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ سے معلوم ہوتا ہے۔

مگر ان کے اس حرام عمل سے اور اس جانور کو حرام سمجھنے سے یہ جانور حرام نہیں ہو جاتا، اس لئے یہ جانور عام جانوروں کی طرح حلال ہے، مگر شرعی اصول کے مطابق یہ جانور اپنے مالک کی ملک سے خارج نہیں ہوا، اگرچہ وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ میری ملک سے خارج ہو کر غیر اللہ کے لئے وقف ہو گیا، اس کا یہ عقیدہ باطل ہے وہ جانور بدستور اس کی ملک میں ہے، اب اگر وہ شخص اس جانور کو کسی کے ہاتھ فروخت کر دے یا ہبہ کر دے تو اس کے لئے یہ جانور حلال ہے جیسا کہ ہندو بکثرت اپنے دیوی دیوتاؤں کے نام بکرا، گائے وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں، اور مندر کے پجاری کو اختیار دیدیتے ہیں، کہ جو چاہیں کریں، مندر کے پجاری ان کو فروخت کر دیتے ہیں، اسی طرح بعض ناواقف مسلمان بھی بعض مزارات پر ایسا ہی عمل کرتے ہیں کہ بکرا مرغ وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں اور مجاوروں کو اختیار دیدیتے ہیں جن کو وہ فروخت کر دیتے ہیں ان مجاوروں سے ان جانوروں کا خریدنا اور ذبح کر کے کھانا وغیرہ سب حلال ہے۔

نذر لغير الله کا مسئلہ:

یہاں ایک چوتھی شکل اور ہے جس کا تعلق حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً مٹھائی، کھانا وغیرہ، جن کو غیر اللہ کے نام پر منت کے طور پر ہندو بتوں پر اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں، حضرات فقہاء نے اس کو بھی اشتراکِ علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے مَا أَهْلًا بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ کے حکم میں قرار دے کر حرام قرار دیا ہے، کتب فقہ مثلاً بحر الرائق وغیرہ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

اضطرار اور مجبوری کے احکام:

آیت مذکورہ میں چار چیزوں کو حرام قرار دینے کے بعد ایک حکم استثنائی مذکور ہے، فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ اس استثنائی حکم میں اتنی سہولت کردی گئی ہے کہ جو شخص بھوک سے بیتاب ہو جائے بشرطیکہ نہ تو کھانے میں طالب لذت ہو اور نہ قانون شکنی کا داعیہ اور نہ قدر ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو تو اس حالت میں ان حرام چیزوں کو کھالینے سے بھی اس شخص کو کوئی گناہ نہیں، بلکہ نہ کھانے میں گناہ ہے اگر نہ کھا کر مر گیا تو گناہ گار کی موت مرے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں۔

اس میں مضطر کے لئے جان بچانے کے واسطے دو شرطوں کے ساتھ ان حرام چیزوں کو کھانے کی اجازت دی گئی ہے، ایک

شرط مضطر و مجبور ہونا، مضطر شرعی اصطلاح میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی جان خطرہ میں ہو مثلاً کوئی شخص بھوک اور پیاس کی وجہ سے ایسی حالت میں پہنچ گیا ہو کہ اگر نہ کھائے پیے تو اس کی جان جاتی رہے، اس لئے حرام چیز کو استعمال کی اجازت دو شرطوں کے ساتھ دی گئی ہے، ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو لذت اندوزی یا قانون شکنی نہ ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لئے کافی ہو، پیٹ بھر کر کھانا یا ضرورت سے زیادہ کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

فَائِدَہ: اضطرار اور مجبوری جس طرح داخلی ہوتی ہے خارجی بھی ہو سکتی ہے، مثلاً کوئی شخص حرام چیز کھانے یا پینے پر مجبور کرے کہ اگر نہ کھاؤ گے نہ پیو گے تو تم کو قتل کر دیں گے یا کوئی عضو ضائع کر دیں گے تب بھی یہی حکم ہے، معمولی زد و کوب کا یہ حکم نہیں ہے۔

غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ کی تفسیر:

غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ کی دو تفسیریں منقول ہیں ایک تو وہ ہے جس کو صاحب جلالین علامہ سیوطی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اختیار کیا ہے، وہ یہ کہ باغ کا مطلب ہے امام عادل کے خلاف بغاوت کرنے والا اور عَادٍ کے معنی رہزنی کرنے والا، یا فساد فی الارض برپا کرنے والا، یعنی جو شخص امام عادل کے خلاف بغاوت کرنے والا اور رہزنی کرنے والا ہو اور وہ حالت اضطرار میں آجائے تو اسے اس حالت اضطرار کی سہولت حاصل نہیں ہوگی۔

بیضاوی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے کہا ہے کہ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا ظاہر مذہب یہی ہے، بغوی نے کہا ہے کہ ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا بھی یہی قول ہے، نیز مجاہد اور سعید بن جبیر بھی اسی کے قائل ہیں، ان حضرات کا مذہب یہ بھی ہے کہ مسافر معصیت کو مضطر کی سہولیات حاصل نہ ہوں گی، بخلاف امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے، مگر زیادہ مفسرین کا رجحان اس طرف ہے کہ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ کا تعلق، اکل سے ہے، یعنی مضطر کا مقصد لذت اندوزی یا قانون شکنی نہ ہو، اور نہ بقدر سدر متق سے تجاوز کرے، البتہ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک پیٹ بھر کر کھانا بھی جائز ہے، امام مالک رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا بھی یہی قول ہے اور ایک روایت امام احمد رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کی بھی ایسی ہی ہے، امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا رائج مذہب یہ ہے کہ اگر قریبی زمانہ میں حلال کھانا ملنے کی توقع ہو تو سدر متق سے زیادہ کھانا جائز نہیں، اور اگر امید نہ ہو تو پیٹ بھر کر کھانا جائز ہے بلکہ بطور توشہ ساتھ بھی لے سکتا ہے۔ (مظہری ملخصاً)

اِنَّ الَّذِیْنَ یُكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتَابِ الْمَشْتَمَلِ عَلٰی نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمِ وَبِمِ الْیَهُودِ وَیَسْتُرُوْنَ بِہٖ تَمَنَّا قَلِیْلًا مِّنَ الدُّنْیَا یَا خُذُوْنِہٗ بِدَلٰہِہٖ مِنْ سَفَلَتِہِمۡ فَلَا یُظْہِرُوْنِہٗ خَوْفَ قُوَّتِہٖ عَلَیْہِمۡ اُولٰٓئِکَ مَا یَاکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ لِاَنّٰہَا مَالِہِمْ وَلَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَمَۃِ غَضَبًا عَلَیْہِمۡ وَلَا یُرِکِہُمۡ طٰرِقَ یُظْہِرُہُمۡ

مِنْ دَنَسِ الذُّنُوبِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۲﴾ مُؤَلِّمٌ بُو النَّارِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ أَخَذُوا بِأَيْدِيهِمْ فِي الدُّنْيَا وَالْعَذَابُ بِالْمَغْفِرَةِ الْمُعَذَّةُ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ لَوْ لَمْ يَكْتُمُوا فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۷۳﴾ اِی مَا أَشَدَّ صَبْرَهُمْ وَبِوَعَجِيبٌ لِلْمُؤْمِنِينَ بِنِجَاتِهِمْ مِنْ مُّوْجِبَاتِهَا مِنْ غَيْرِ مُبَالَآةٍ وَالْأَفَئُ صَبْرُ لَهُمْ ذَلِكَ الَّذِي ذَكَرْنَا مِنْ أَكْلِهِمْ النَّارَ وَمَا بَعْدَهُ بِأَنَّ بِسَبَبِ أَنَّ اللَّهَ نَزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِنَزْلِ فَاخْتَلَفُوا فِيهِ حَيْثُ امْتَنُوا بِبَعْضِهِ وَكَفَرُوا بِبَعْضِهِ بِكُتْمِهِ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ بِذَلِكَ وَبِهِمُ الْيَهُودُ وَقِيلَ الْمَشْرُكُونَ فِي الْقُرْآنِ حَيْثُ قَالَ بَعْضُهُمْ شِعْرٌ وَبَعْضُهُمْ سِحْرٌ وَبَعْضُهُمْ كَهَانَةٌ لَفِي شِقَاقٍ خِلَافٍ بَعِيدٍ ﴿۷۴﴾ عَنْ الْحَقِّ.

ترجمہ: بلاشبہ وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کتاب (تورات) کو جو اللہ نے نازل کی ہے جو محمد ﷺ کی صفات پر مشتمل ہے (اور چھپانے والے) یہود ہیں اور اس کے عوض دنیوی قلیل قیمت لیتے ہیں اور چھپانے کے بدلے اپنے عوام سے قلیل ثمن وصول کرتے ہیں، اور اس ثمن قلیل کے فوت ہونے کے اندیشہ سے حضور ﷺ کی صفات کو ظاہر نہیں کرتے، یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے پیٹوں میں محض آگ بھڑک رہے ہیں، اس لئے کہ دوزخ انکا انجام ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان پر غضبناکی کی وجہ سے ان سے کلام نہ کرے گا، اور نہ ان کو گناہوں کی گندگی سے پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اور وہ آگ ہے الیم یعنی صولم ہے، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی ہے یعنی دنیا میں ہدایت کے بجائے گمراہی لے لی ہے، اور عذاب کو مغفرت کے عوض لیا ہے (یعنی) وہ مغفرت جو ان کے لئے تیار کی گئی تھی اگر وہ کتمان نہ کرتے، تو یہ لوگ کس قدر آگ پر صبر کرنے والے ہیں (یعنی) کس قدر سخت ہے ان کا صبر، اور لا پرواہی سے ان کے موجباتِ نارِ جہنم کے ارتکاب کرنے پر مسلمانوں کو تعجب دلانا ہے ورنہ انہیں صبر کیسا؟ اور یہ آگ کا کھانا اور اس کا مابعد اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب (تورات) کو حق کے ساتھ نازل کیا (بالحق) نزل کے متعلق ہے، تو اس میں انہوں نے اختلاف کیا، اس طریقہ پر کہ کچھ حصہ پر ایمان لائے اور کچھ کا انکار کر دیا اس کو چھپا کر اور جن لوگوں نے کتاب میں مذکورہ طریقہ پر اختلاف کیا بلاشبہ وہ یہود ہیں، اور کہا گیا ہے کہ قرآن میں اختلاف کرنے والے مشرکین ہیں، اس طریقہ پر کہ ان میں سے بعض نے کہا (قرآن) شعر ہے اور بعض نے کہا جادو ہے، اور بعض نے کہا کہانت ہے، بلاشبہ یہ لوگ اختلاف میں (حق سے) بہت دور ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: مِنَ الْكِتَابِ يَهْمُ مَحْذُوفٌ مِنْ هَا هِيَ، تَقْدِيرُ عِبَارَتِ يَهْ مَا أَنْزَلَهُ اللَّهُ كَانَدًا مِنَ الْكِتَابِ.
قَوْلُهُ: مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ، فِي بُطُونِهِمْ كَإِضَافَةٍ كَمَا مَقْصِدُ احْتِمَالِ مَجَازٍ كَوْدُ فَعْلٍ كَرْنًا هِيَ، اس لئے کہ

اکل مجازاً غصب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، کہا جاتا ہے، اَکَلَ فُلَانٌ اَرْضِی فُلَانٍ شخص میری زمین کھا گیا، یعنی غصب کر لی، جیسا کہ طَائِرٌ یَطْیِرُ بِجَنَاحِیْهِ میں بھی یَطْیِرُ بِجَنَاحِیْهِ کا اضافہ احتمال مجاز کو دفع کرنے کے لئے ہے، اگر اکل نار سے جہنم میں اکل نار مراد ہے تو نار کے حقیقی معنی مراد ہوں گے یعنی درحقیقت آگ کھائیں گے اور اگر دنیا میں اکل نار مراد ہو مجازاً نار مراد ہوگی یعنی سبب نار مراد ہوگا، اس لئے کہ رشوت کا مال نارِ جہنم کا سبب ہوگا، اور اگر نار سے بالقوہ نار مراد ہو تو دنیا میں بھی نار کے حقیقی معنی مراد ہو سکتے ہیں جیسا کہ ما جس بالقوہ آگ ہوتی ہے، مفسر علام نے لَانَّهَا مَا لَهُمْ کا اضافہ کر کے معنی مجازی کی جانب اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهُمْ: فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ یہ صیغہ تعجب ہے ای مَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى اَعْمَالِ اَهْلِ النَّارِ اور تعجب سے مراد تعجب یعنی تعجب میں ڈالنا ہے، اور تعجب بندوں کی نسبت سے ہے اس لئے کہ تعجب کا منشا سبب سے ناواقفیت ہے، تعجب کہتے ہیں انفعال النفس مما خفی سببہ تعجب نام ہے نفس کا ایسی چیز سے منفعل ہونے کا جس کا سبب مخفی ہو اور یہ ثنائی باری کے لئے محال ہے اور بعض حضرات نے مَا أَصْبَرَهُمْ میں ما کو استنبہامیہ برائے تو بیخ کہا ہے: اِیْ اَیْ شَیْءٍ أَصْبَرَهُمْ عَلَى عَمَلِ النَّارِ۔ (فتح القدیر ملخصاً)

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

شانِ نزول:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتَابِ یہ آیت ان علماء یہود کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو احکام تورات کو اور خاص طور پر آپ ﷺ کی صفات کو عوام سے چھپاتے تھے بلکہ ان صفات کے خلاف ظاہر کرتے تھے اور عوام سے بدیئے تحفے وصول کرتے تھے، علماء یہود کا خیال تھا کہ آخری نبی ان ہی میں سے ہوگا، مگر جب بنی اسماعیل میں آگیا تو حسد اور بقاء ریاست اور ہدایا و تحائف کے لالچ کی وجہ سے آپ ﷺ کی ان صفات کو جو تورات میں مذکور تھیں چھپا لیا۔

وَقَدْ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ عَنْ عِکْرَمَةَ فِیْ قَوْلِهِ (اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ) قَالَ: نَزَلَتْ فِیْ یَهُودٍ وَاَخْرَجَ ابْنُ جَرِیْرٍ عَنْ السَّدِّیِّ قَالَ: كَتَمُوا اسْمَ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَاَخَذُوا عَلَیْهِ طَمَعًا قَلِیْلًا فَهُوَ الثَّمَنُ الْقَلِیْلُ۔

فِیْ لِبَابِ النُّقُولِ اَخْرَجَ الثَّعْلَبِیُّ مِنْ طَرِیْقِ الثَّعْلَبِیِّ عَنْ ابِیْ صَالِحٍ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا، قَالَ: نَزَلَتْ هَذِهِ الْاٰیَةُ فِیْ رُؤَسَاءِ الْیَهُودِ وَعِلْمَائِهِمْ کَانُوا یَصِیْبُوْنَ مِنْ سَفَلَتِهِمُ الْهَدَایَا وَالْفَضْلَ وَکَانُوا یَرْجُوْنَ اَنْ یَكُوْنَ النَّبِیُّ الْمُبْعُوْثُ مِنْهُمْ فَلَمَّا بَعَثَ اللّٰهُ مُحَمَّدًا ﷺ مِنْ غَیْرِهِمْ خَافُوا ذِہَابَ مَا کَلَّتِهِمْ وَزَوَالَ رِیَاسَتِهِمْ فَعَمَدُوا اِلَیْ صِفَةِ ﷺ فَغَيَّرُوْهَا ثُمَّ اَخْرَجُوْهَا اِلَیْهِمْ وَقَالُوا هَذِهِ نَعْتُ النَّبِیِّ

الذی یخرج فی آخر الزمان لا یشبه نعت هذا النبی ، فانزل الله ان الذین یکتُمون ما انزل الله من الكتاب . (حاشیہ بیان القرآن)

آیت مذکورہ کا شان نزول اگرچہ خاص واقعہ ہے مگر اعتبار عموم الفاظ کا ہوگا، مطلب یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص کتمان حق کرے گا اور دین فروشی کرے گا تو وہ بھی اسی وعید کا مستحق ہوگا، خلاصہ یہ کہ عوام میں جتنے غلط توہمات اور رسم و رواج جنم لیتے ہیں، ان کی ذمہ داری ان علماء پر ہے جنکے پاس کتاب الہی کا علم ہے مگر وہ عوام تک اس علم کو نہیں پہنچاتے اور جب لوگوں میں جہالت کی وجہ سے غلط رسم و رواج پھیلنے لگتے ہیں تو یہ علماء سوء اس وقت بھی گونگے کا گڑ کھائے ہوئے خاموش بیٹھے رہتے ہیں بلکہ ان میں سے بہت سے اپنا فائدہ اسی میں سمجھتے ہیں کہ صحیح احکام پر پردہ ہی پڑا رہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ فِي الصَّلَاةِ قَبْلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ نَزَلَ رَدًّا عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى حَيْثُ زَعَمُوا ذَلِكَ وَلَكِنَّ الْبِرَّ أَيْ ذَا الْبِرِّ وَقُرِئَ الْبَارُّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ أَيْ الْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَّ وَأَتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى الْقَرَابَةِ وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ الْمُسَافِرِ وَالسَّائِلِينَ الطَّالِبِينَ وَفِي فَكِّ الرِّقَابِ الْمَكَاتِبِينَ وَالْأَسْرَى وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَأَتَى الزَّكَاةَ الْمَفْرُوضَةَ وَمَا قَبِلَهُ فِي التَّطَوُّعِ وَالْمَوْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا أَيْ اللَّهُ أَوْ النَّاسُ وَالصَّابِرِينَ نَصَبَ عَلَى الْمَدْحِ فِي الْبَأْسَاءِ شِدَّةِ الْفَقْرِ وَالضَّرَائِ الْمَرَضِ وَحِينَ الْبَأْسِ وَقَتَّ شِدَّةِ الْقِتَالِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ الْمَوْصُوفُونَ بِمَا ذَكَرَ الَّذِينَ صَدَقُوا فِي إِيْمَانِهِمْ أَوْ إِدْعَاءِ الْبِرِّ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝۱۷۷ اللَّهُ يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا كِتَابَ فَرَضٍ عَلَيْكُمْ الْقِصَاصُ الْمُمَازِلَةُ فِي الْقَتْلِ وَصَفًا وَفِعْلًا الْحَرُّ يُقْتَلُ بِالْحَرِّ وَلَا يُقْتَلُ بِالْعَبْدِ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأَنْثَى بِالْأُنْثَى وَبَيَّنَّتِ السُّنَّةُ أَنَّ الذَّكَرَ يُقْتَلُ بِهَا وَأَنَّهُ تُعْتَبَرُ الْمُمَازِلَةُ فِي الدِّينِ فَلَا يُقْتَلُ مُسْلِمٌ وَلَوْ عَبْدًا بِكَافِرٍ وَلَوْ حُرًّا فَمَنْ عَفَى لَهُ مِنَ الْقَاتِلِينَ مِنْ دَمِ أَخِيهِ الْمَقْتُولِ شَيْءٌ بَانَ تَرَكَ الْقِصَاصُ مِنْهُ وَتَنْكِيرُ شَيْءٍ يَفِيدُ سَقُوطَ الْقِصَاصِ بِالْعَفْوِ عَنْ بَعْضِهِ وَبَيْنَ بَعْضِ الْوَرْتَةِ وَفِي ذِكْرِ أَخِيهِ تَعَطُّتْ دَاعٍ إِلَى الْعَفْوِ وَإِذَا بَانَ الْقَتْلُ لَا يَقْطَعُ أَخُوهُ الْإِيْمَانُ وَمَنْ مُبْتَدَأُ شَرْطِيَّةً أَوْ مَوْصُولَةً وَالْخَبَرُ فَاتِّبَاعٌ أَيْ فَعَلَى الْعَافِي إِيْتَابُ الْقَاتِلِ بِالْمَعْرُوفِ بَانَ يُطَالِبُهُ بِالْإِدْيَةِ بَلَا عَتَبٍ وَتَرْتِيبُ الْإِيْتَابِ عَلَى الْعَفْوِ يَفِيدُ أَنَّ الْوَاجِبَ اخْتِصَامًا وَبُؤْ اخْتِصَامًا الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ وَالثَّانِي الْوَاجِبُ الْقِصَاصُ وَالْإِدْيَةُ بَدَلٌ عَنْهُ فَلَوْ عَفَا وَلَمْ يُسَمِّهَا فَلَا شَيْءَ وَرَجَحَ وَ عَلَى الْقَاتِلِ إِدَاءٌ لِلْإِدْيَةِ إِلَيْهِ إِلَى الْعَافِي وَبِهِ الْوَارِثُ بِإِحْسَانٍ بَلَا مَطْلٍ وَلَا بَخْسٍ ذَلِكَ الْحَكْمُ الْمَذْكُورُ مِنْ جَوَازِ الْقِصَاصِ وَالْعَفْوِ عَنْهُ عَلَى الْإِدْيَةِ تَخْفِيفٌ تَسْهِيلٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةٌ بِكُمْ حَيْثُ وَشَعَ فِي ذَلِكَ وَلَمْ يَحْتَمِمْ وَاجِدًا مِنْهُمَا كَمَا حَتَمَ عَلَى الْيَهُودِ الْقِصَاصَ وَعَلَى النَّصَارَى الْإِدْيَةَ

فَمَنْ اَعْتَدَى ظَلَمَ الْقَاتِلَ بَانَ قَتْلَهُ بَعْدَ ذَلِكَ اِی الْعَنُو فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۸﴾ مُؤَلِّمٌ فِی الْاٰخِرَةِ بِالنَّارِ اَوِ الدُّنْيَا بِالْقَتْلِ وَلَكُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیْوةٌ اِی بَقَاءٌ عَظِیْمٌ یَّأُوْلِی الْاَلْبَابِ ذُوِ الْعُقُوْلِ لِاَنَّ الْقَاتِلَ اِذَا عَلِمَ اَنَّهُ یُقْتَلُ اِرْتَدَّ عَ فَاحْصِی نَفْسُهُ وَمَنْ اَرَادَ قَتْلَهُ فَشَرَعَ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۷۹﴾ الْقَتْلُ مَخَافَةُ الْقَوَدِ.

ترجمہ: تمام تراچھائی نماز میں مشرق و مغرب کی طرف رخ کرنے ہی میں نہیں یہ آیت یہود و نصاریٰ کے رد میں نازل ہوئی ہے اس لئے کہ وہ اس قسم کا اعتقاد رکھتے تھے، بلکہ اچھا یعنی نیک وہ شخص ہے جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور (آسمانی) کتابوں پر ایمان رکھنے والا ہو، اور البس کے بجائے البار بھی پڑھا گیا ہے، اور جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود قرابت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوا لیوں کو دے اور مکاتبوں کو اور قیدیوں کو آزاد کرانے میں خرچ کرے اور نماز کی پابندی کرے اور فرض زکوٰۃ ادا کرے ماقبل (میں مذکور زکوٰۃ) سے نفلی صدقہ مراد ہے (اور نیک وہ لوگ ہیں) کہ جو اللہ سے یا لوگوں سے عہد کرتے ہیں تو پورا کرتے ہیں اور الصّٰبرین منصوب بالمدرح ہے اور تنگی (یعنی) شدید حاجت اور تکلیف میں یعنی مرض میں اور راہِ خدا میں شدتِ قتال کے وقت صبر کرنے والے ہیں، یہ لوگ یعنی مذکورہ صفات کے حاملین اپنے ایمان میں اور نیکی کا دعویٰ کرنے میں سچے ہیں، اور یہی لوگ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اے ایمان والو! تم پر مقتولوں کے بارے میں وصفا اور فعلا مماثلت (برابری) فرض کی گئی ہے آزادِ آزاد کے بدلے قتل کیا جائے، اور غلام کے عوض (آزاد) قتل نہ کیا جائے، اور غلام، غلام کے عوض اور عورت عورت کے عوض (قتل کی جائے) اور سنت نے بیان کیا کہ مردوں کو عورتوں کے عوض قتل کیا جائے گا، اور یہ کہ دین میں مماثلت کا اعتبار کیا جائے گا، لہذا مسلمان اگر چہ غلام ہو کافر کے عوض اگر چہ آزاد ہو قتل نہیں کیا جائے گا، ہاں! قاتلین میں سے کسی کو اپنے مقتول بھائی کے خون کی کچھ معافی دیدی جائے، اس طریقہ سے کہ اس سے قصاص معاف کر دیا جائے، اور شئی کی تنگیر بعض ورثاء کی طرف سے قصاص کا مطالبہ اور بعض کی طرف سے قصاص کی معافی کی صورت میں قصاص کے ساقط ہونے کا فائدہ دیتی ہے، اور بھائی کا ذکر کرنے میں معافی کی داعی شفقت ہے اور اس بات کا اعلان ہے کہ قتلِ اخوة ایمانی کو قطع نہیں کرتا، اور مَنْ مبتداء ہے شرطیہ ہے یا موصولہ اور فاتباع خبر ہے، تو معاف کرنے والے کا قاتل کا معروف طریقہ پر تعاقب (مطالبہ) کرنا ہے، اس طریقہ پر کہ سختی کے بغیر (زری سے) مطالبہ کرے، اور معافی پر اتباع کو مرتب کرنا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ واجب ان دونوں میں سے ایک ہے، اور یہ امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے دو قولوں میں سے ایک ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ واجب قصاص ہے، اور دیت اس کا بدل ہے چنانچہ اگر مقتول کے وارث نے معاف کر دیا اور دیت کا تذکرہ نہ کیا تو مقتول کے ورثاء کے لئے کچھ نہیں ہے، اور یہی قول راجح قرار دیا گیا ہے، اور قاتل پر معاف کرنے والے یعنی وارث کے پاس دیت کو خوبی کے ساتھ پہنچا دینا ہے بایں طور کہ بغیر مال مٹول اور کمی کے پہنچا دے یہ حکم (یعنی) جواز

قصاص اور دیت کے عوض قصاص سے معافی تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے سہولت اور رحمت ہے اس لئے کہ اس میں وسعت کردی ہے، اور (متعین طور پر) ان دونوں میں سے ایک واجب نہیں کیا جیسا کہ یہود پر (صرف) قصاص واجب کیا تھا، اور نصاریٰ پر (صرف) دیت واجب تھی پھر جس نے قاتل پر زیادتی کی بایں طور کہ معاف کرنے کے بعد اس کو قتل کر دیا تو اس کے لئے آخرت میں آگ کا دردناک عذاب ہے یا دنیا میں قتل ہے، اے عقلمندو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے یعنی بقاء عظیم ہے اس لئے کہ قاتل کو جب یہ علم ہوگا کہ وہ بھی قتل کیا جائے گا تو وہ (قتل) سے باز رہے گا، تو اس نے خود اپنی جان بچائی اور جس کے قتل کا ارادہ کیا تھا اس کی بھی، لہذا تمہارے لئے قانون قصاص مشروع کیا گیا ہے تاکہ تم قصاص کے خوف سے قتل سے بچو۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: لَيْسَ الْبِرُّ لَيْسَ ماضی جامد فعل ناقص ہے اس کا مضارع مستعمل نہیں ہے اس لئے کہ لَيْسَ اگرچہ صیغہ ماضی کا ہے مگر اس کے معنی نفی للحال کے ہیں، لَيْسَ اصل میں لَيْسَ بروزن فَعَلَ تھا، اگر لَيْسَ کے لئے یاء ساکنہ لَيْتَ کے مانند لازم نہ ہوتی تو لَيْسَ میں یاء ساکن ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے یاء الف سے بدل جاتی تو لَاس ہو جاتا۔

قَوْلًا: الْبِرُّ بِالنَّصَبِ، الْبِرُّ لَيْسَ کی خبر مقدم ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اَنْ تُؤَلُّوا بتاویل مصدر ہو کر لَيْسَ کا اسم مؤخر ہے، اور بعض قراء نے الْبِرُّ کو اسم لیس قرار دے کر مرفوع بھی پڑھا ہے۔

قَوْلًا: اَنْ تُؤَلُّوا تم رخ کرو تَوَلَّيْتُ سے مضارع جمع مذکر حاضر، نون اعرابی عامل ناصب اَنْ کی وجہ سے گر گیا، یہ اضداد میں سے ہے اس کے معنی رخ کرنے اور منہ پھیرنے، دونوں کے آتے ہیں۔

قَوْلًا: لَيْسَ الْبِرُّ پر سورۃ بقرہ نصف ہو گئی، نصف اول اصول دین اور بنی اسرائیل کے بیان پر مشتمل ہے اور نصف ثانی کا غالب حصہ احکام فرعیہ تفصیلیہ سے متعلق ہے۔

قَوْلًا: فِي الصَّلَاةِ، فِي الصَّلَاةِ کے ساتھ مقید کرنے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ خارج صلوٰۃ کدھر بھی رخ کرنا کسی کے یہاں مطلوب و محمود نہیں ہے۔

قَوْلًا: رَدًّا عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى.

تَنْبِيْهُ: یہ تردید نصاریٰ کے بارے میں تو درست ہے اس لئے کہ وہ عبادت میں مشرق کی جانب رخ کرتے ہیں مگر یہود کے بارے میں درست نہیں ہے اس لئے کہ یہود عبادت میں بیت المقدس کی جانب رخ کرتے ہیں، نہ کہ مغرب کی طرف، اور بیت المقدس مدینہ سے جانب شمال میں ہے نہ کہ جانب مغرب میں (فیہ مافیہ) لہذا اگر یہود و نصاریٰ کی تخصیص نہ کرتے ہوئے مطلق

جہت مراد لی جائے بایں طور کہ عبادت میں کوئی جہت مقصود و مطلوب نہیں ہے، اصل مطلوب امتثال امر ہے، متعدد بار تحویل قبلہ کر کے اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلًا: ذَا الْبِرِّ وَفُرِّی اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: لَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ میں مصدر کا حمل ذات پر ہو رہا ہے جو درست نہیں ہے اس لئے کہ اس کا ترجمہ ہے ”نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لایا“ حالانکہ یہ درست نہیں ہے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

پہلا جواب: یہ کہ مصدر کے ماقبل ذو محذوف مانا جائے ای ذَا الْبِرِّ اس طرح مصدر اسم فاعل بن جائے گا اور ترجمہ یہ ہو جائے گا، نیک والا (یعنی) نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لایا۔

دوسرا جواب: یہ دیا ہے کہ بِرُّ مصدر بَارُّ اسم فاعل کے معنی میں ہے اس صورت میں حمل مصدر علی الذات کا اعتراض ختم ہو جائے گا، بعض حضرات نے ایک تیسرا جواب دیا ہے اس کا ما حاصل یہ ہے مصدر جانب خبر میں محذوف مانا جائے، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی: لَكِنَّ الْبِرَّ بِرٌّ مَنْ آمَنَ اس صورت میں بھی کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔

قَوْلًا: وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ مَحَبَّةٍ لَّهِ عَلٰی بمعنی مع ہے، اس لئے کہ یہاں استعلاء کے معنی درست نہیں ہیں۔

قَوْلًا: حُبِّهِ لَہُ، لَہُ کی ضمیر میں تین احتمال ہیں: ① مال کی طرف راجع ہو یعنی مال کی حاجت و ضرورت کے باوجود اللہ کے راستہ میں مال خرچ کرتے ہیں، ② اللہ کی طرف راجع ہو یعنی اللہ کی محبت کی وجہ سے راہِ خدا میں مال صرف کرتے ہیں، ③ آتی سے جو اتیان مفہوم ہے اس کی طرف راجع ہو یعنی راہِ خدا میں دینے کو محبوب سمجھتے ہوئے حاجت مندوں کو دیتے ہیں۔

قَوْلًا: عَلٰی حُبِّهِ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ذوالحال آتی کی ضمیر ہے (ای آتی المال حال محبتہ لہ)۔

قَوْلًا: الْقَرْبٰی مصدر ہے، نہ تو قریب کی جمع ہے اور نہ اقْرَبُ کی مؤنث ہے، اور قرینہ اس کا ذوق کی اضافت ہے اگر قریبی قریب کی جمع یا اقْرَبُ کی مؤنث ہو تو ذوق کی اضافت درست نہ ہوگی۔

قَوْلًا: وَالْمَوْفُونَ بعہدہم اس کا عطف مَنْ آمَنَ پر ہے۔

قَوْلًا: نَصَبٌ عَلٰی الْمَدْح اس عبارت کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: وَالصَّابِرُونَ رفع کے ساتھ ہونا چاہئے، اس لئے کہ یہ الموفون پر عطف ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ الموفون پر عطف کا تقاضہ اگرچہ یہ ہے کہ الصَّابِرُونَ رفع کے ساتھ ہو لیکن نصب دیا گیا تاکہ مقصد بدرجہ اتم مکمل ہو، لہذا اَمْدَحُ مقدر کی وجہ سے الصابرين منصوب ہے، اختصار کو چھوڑ کر اطناب کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقام، مقام مدح ہے اور جب مقام مدح میں صفات کثیرہ ذکر کی جاتی ہیں تو احسن طریقہ یہ ہے کہ ان کا اعراب مختلف ہو اس لئے کہ اعراب کا اختلاف انواع متعدّدہ پر دلالت کرتا ہے اور اتحاد فی الاعراب نوع واحد پر دلالت کرتا ہے لہذا جب اعراب میں اختلاف ہوگا تو مقصد حمد و مدح بطریق اکمل پورا ہوگا، گویا کہ والصابرون صفت

مقطوعہ عن الموصوف ہے اور موصوف الموفون ہے، اور صفت کا قطع موصوف سے جائز ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے قول
وَأَمْرَاتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ میں ہے۔

قَوْلًا: أُولَٰئِكَ مَبْتَدَاءُ الَّذِينَ صَدَقُوا جملہ ہو کر مبتداء کی خبر اول، أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ جملہ ہو کر خبر ثانی، یہ جملہ مستأنف بھی ہو سکتا ہے۔

قَوْلًا: الْقَتْلَى قتل کی جمع ہے بمعنی مقتول۔

قَوْلًا: وَصَفًا وَفِعْلًا مماثلت فی الوصف کا مطلب یہ ہے کہ حرو عبد کا تفاوت نہ ہو، اور مماثلت فی الفعل کا مطلب یہ ہے کہ جس طریقہ اور جس آلہ سے مقتول کو قتل کیا گیا ہے قاتل کو بھی اسی طرح قصاصاً قتل کیا جائے، اگر جلا کر قتل کیا ہے تو قاتل کو بھی جلا کر قتل کیا جائے، اور غرق کر کے قتل کیا ہے تو قاتل بھی غرق کر کے قتل کیا جائے، علیٰ ہذا القیاس۔

قَوْلًا: المماثلة اس لفظ سے اس شبہ کو دور کر دیا کہ قصاص کا صلہ فی نہیں آتا، مگر یہاں صلہ فی استعمال ہوا ہے۔

جواب: قصاص، مماثلت کے معنی کو متضمن ہے اس لئے فی صلہ لانا درست ہے۔

قَوْلًا: تنكير شيءٍ يُفيدُ سقوطَ القصاصِ الخ یعنی شی میں فاعل کے معنی ہونے کی وجہ سے اصل تعریف ہے مگر نکرہ لا کر اشارہ کر دیا کہ اگر کسی وارث نے معاف کر دیا تو قصاص ساقط ہو جائے گا۔

قَوْلًا: فی ذکر اخیه الخ لفظ اخ سے اشارہ کر دیا کہ قاتل نے اگرچہ قتل کر کے بڑا ظلم کیا ہے اور مقتول کے ورثاء کو بہت تکلیف پہنچائی ہے مگر ہے تو پھر بھی تمہارا بھائی لہذا اس پر رحم کرو۔

قَوْلُهُ: وَإِذَا نَبَأَ الْقَتْلَ لَا يَقْطَعُ أَخُوهُ الْإِيمَانُ اس سے معتزلہ پر رد مقصود ہے، قتل ناحق چونکہ گناہ کبیرہ ہے جو انسان کو معتزلہ کے نزدیک اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور کافر اور مسلمان میں کوئی اخوة نہیں ہوتی، مگر مِنْ دَمِ أَخِيہ کہہ کر اشارہ کر دیا کہ قتل ناحق اگرچہ گناہ کبیرہ ہے مگر اسلام سے خارج نہیں کرتا ورنہ تو اس کو اِخ نہ کہا جاتا۔

قَوْلًا: وَمَنْ مَبْتَدَأَ بِخَوَافِ شَرْطِيَّةٍ هُوَ بِمُؤْمَلٍ مَوْصُولٍ أَوْ فَاتِّبَاعٍ بِالْمَعْرُوفِ اس کی خبر ہے، جواب شرط ہونے کی وجہ سے فدا داخل ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء نے قاتل سے قصاص معاف کر دیا اور دیت پر رضا مند ہو گئے تو قاتل کو یہ ہدایت ہے کہ دیت بحسن و خوبی ادا کر دے بلا وجہ ٹال مٹول نہ کرے، ادھر معاف کرنے والے ورثاء کو یہ ہدایت ہے کہ دیت وصول کرنے کے لئے قاتل کے پیچھے نہ پڑ جائیں بلکہ نرمی اور سہولت سے تقاضا کریں یہ نہ سمجھیں کہ ہم نے قصاص معاف کر دیا ہے تو قاتل پر بڑا احسان کر دیا، اس لئے کہ اس کا اجر اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

قَوْلُهُ: فَعَلَى الْعَافِي مفسر علام نے مذکورہ عبارت محذوف مان کر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے:

اعتراض: مَنْ شرطیہ ہو یا موصولہ، جواب شرط کا پہلی صورت میں اور صلہ کا دوسری صورت میں جملہ ہونا ضروری ہے اس لئے کہ صلہ حکم میں جزاء کے ہوتا ہے۔

جَوَابُ: کا حاصل یہ ہے کہ فاتبا ع بھی جملہ ہے اس لئے کہ اتباع مبتداء ہے اور اس کی خبر عَلَى الْعَافِي خبر مقدم ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: فَعَلَى الْعَافِي اِتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ.

قَوْلُهُ: وترتيب الاتباع على العفو الخ اس عبارت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ دیت قصاص کا بدل یا تابع نہیں ہے بلکہ مستقل واجب ہے کہ قرآن کریم میں اتباع یعنی مطالبہ دیت کو عفو قصاص پر مرتب کیا ہے یعنی اول درجہ قصاص کا ہے اگر قصاص کسی وجہ سے ساقط ہو جائے تو دیت خود بخود واجب ہو جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ دیت قصاص کا بدل نہیں ہے کہ اگر قصاص معاف ہو جائے تو دیت بھی خود بخود معاف ہو جائے، بلکہ ان دونوں میں سے ایک واجب ہے اور مقدم قصاص ہے، امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا یہ قول اول ہے، اگر فقط قصاص واجب ہوتا اور دیت اس کا بدل ہوتا جیسا کہ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا قول ثانی ہے، تو بلا عوض یا مطلقاً قصاص معاف کرنے سے دیت بلا ذکر واجب نہ ہوتی حالانکہ دیت بلا ذکر واجب ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ: والثانی الواجب القصاص والدية بدل عنه یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے قول ثانی کا بیان ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ واجب قصاص ہے اور دیت اس کا بدل ہے اگر مقتول کے ورثاء نے قصاص معاف کر دیا اور دیت کا کوئی ذکر نہ کیا تو دیت بھی خود بخود معاف ہو جائے گی اور یہی قول رائج ہے اس لئے کہ تعیین کے ساتھ قصاص کے وجوب پر نصوص موجود ہیں۔

قَوْلُهُ: وعلى القاتل اس عبارت کو محذوف ماننے کا مقصد سابق اعتراض کا دفعیہ ہے وَأَدَاءُ إِلَيْهِ باحسان کا عطف چونکہ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ پر ہے لہذا جو اعتراض وہاں ہوتا ہے وہی یہاں ہوتا ہے، اعتراض وجوب کی تقریر سابق میں گذر چکی ہے، ملاحظہ کر لی جائے۔

قَوْلُهُ: الحكم المذكور اس عبارت کا مقصد بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالُ: ذلك اسم اشارہ واحد ہے حالانکہ اس کے مشار الیہ تین ہیں: ① جواز قصاص ② العفو عنه ③ دیت۔

جَوَابُ: جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ذلك کا مرجع الحكم المذكور ہے، جس میں یہ تینوں احکام آ جاتے ہیں۔

قَوْلُهُ: عذاب الیم مؤلم، مؤلمٌ میں لام کافتحہ اور کسرہ دونوں جائز ہیں فتحہ میں مبالغہ زیادہ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ مشرق و مغرب کا ذکر تو محض تمثیل کے طور پر کیا گیا ہے ورنہ اصل مقصد سمت پرستی کی تردید ہے اور ساتھ ہی یہ بھی ذہن نشین کرانا ہے کہ مذہب کی چند ظاہری رسموں کو ادا کر دینا اور صرف ضابطہ کی خانہ پری کر دینا ہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ اصل نیکی وہ ہے جس کو لکن البرَّ مَنْ آمَنَ سے بیان فرمایا ہے، بعض مفسرین کو مشرق و مغرب کے لفظ سے دھوکا ہوا ہے جیسا کہ خود صاحب جلالین علامہ سیوطی کو مغالطہ ہوا ہے کہ مشرق سے مراد نصاریٰ کا قبلہ اور مغرب سے مراد یہود کا قبلہ لیا ہے، اس لئے کہ مغرب کی سمت یہود کا قبلہ نہیں ہے ان کا قبلہ بیت المقدس ہے جو

مدینہ سے شمال کی جانب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ظہور اسلام سے پہلے بے شمار گمراہیوں میں سے ایک گمراہی سمت پرستی بھی تھی یعنی بے جان دیوتاؤں، مورتیوں، پتھروں، درختوں، پہاڑوں، دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں کی بھی پرستش ہوتی تھی، اور مختلف جاہل قوموں نے یہ اعتقاد جمالیاتھا کہ فلاں سمت مثلاً مشرق کی سمت بھی مقدس ہے یا مثلاً مغرب کی سمت قابل پرستش ہے قرآن کریم یہاں شرک کی اسی مخصوص قسم کی تردید کر رہا ہے، فرماتا ہے کہ کوئی سمت وجہت، سمت وجہت ہونے کے اعتبار سے ہرگز قابل تقدیس نہیں اور نہ طاعت و بر سے اس کا کوئی تعلق، بعض مفسرین کو اس آیت میں جو اشکال ہوا ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے، انھوں نے جہت مشرق و مغرب سے مخصوص سمت سمجھ لی حالانکہ مطلقاً سمت پرستی کی تردید مقصود ہے۔

اسلام نے بھی کسی سمت کو بحیثیت سمت ہرگز متعین نہیں کیا، اسلام نے صرف ایک متعین مکان یعنی خانہ کعبہ کو ایک مرکزی حیثیت دی ہے خواہ کسی سمت میں پڑ جائے جیسا کہ مشاہدہ ہے، کعبہ مصر و طرابلس اور حبشہ سے مشرق میں پڑتا ہے اور ہندوستان پاکستان چین و افغانستان وغیرہ سے مغرب میں، شام و فلسطین و مدینہ سے جنوب میں اور یمن اور بحر قلزم کے جنوبی ساحلوں سے شمال میں، اگر یہ حقیقت پیش نظر رہے تو تمام اشکالات خود بخود رفع ہو جاتے ہیں، اور نہ کسی تاویل کی ضرورت باقی رہتی ہے۔

(ماجدی)

مشرق یعنی سورج دیوتا، دنیا کے شرک کا معبود اعظم رہا ہے، سورج چونکہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے اس لئے عموماً جاہلی قوموں نے سمت مشرق کو بھی مقدس سمجھ لیا اور عبادت کے لئے مشرق رخ کو متعین کر لیا۔

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ (الآیۃ) مشرکانہ ذہنیت پر کاری ضرب لگانے کے بعد قرآن نے اصلاح عقیدہ کی طرف توجہ فرمائی جو کہ ایک اہم اور بنیادی ضرورت ہے، عقیدہ کی صحت کے بغیر نہ کوئی عمل معتبر ہے اور نہ عبادت مقبول، عقائد میں سب سے پہلی چیز ایمان باللہ ہے، اس کا ذکر مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ میں آگیا، ایمان کے بقیہ اجزاء کا ذکر وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ میں آگیا، اس کے بعد عبادات کا درجہ ہے جن کا ذکر وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ الْخِ سے فرمادیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ (الآیۃ) قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا ہوا اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لئے جائز ہے اس پر زیادتی جائز نہیں۔

شان نزول:

زمانہ جاہلیت میں کوئی نظم و قانون تو تھا نہیں اس لئے زور آور قبیلے کمزور قبیلوں پر جس طرح چاہتے ظلم کرتے، ظلم کی ایک شکل یہ تھی کہ کسی طاقتور قبیلے کا کوئی مرد قتل ہو جاتا تو وہ صرف قاتل کو قتل کرنے کے بجائے قاتل کے قبیلے کے کئی مردوں کو بلکہ بعض اوقات پورے قبیلے ہی کو ختم کرنے کی کوشش کرتا اور عورت کے بدلے مرد کو اور غلام کے بدلے آزاد کو قتل کرتا۔

ابن کثیر نے ابن ابی حاتم کی سند سے نقل کیا ہے کہ زمانہ اسلام سے کچھ پہلے دو عرب قبیلوں میں جنگ ہو گئی طرفین کے بہت

سے آدمی آزاد و غلام اور مرد و عورت قتل ہوئے، ابھی ان کے معاملہ کا تصفیہ ہونے نہیں پایا تھا کہ زمانہ اسلام شروع ہو گیا اور یہ دونوں قبیلے اسلام میں داخل ہو گئے اسلام لانے کے بعد اپنے اپنے مقتولوں کا قصاص لینے کی گفتگو شروع ہوئی تو ایک قبیلہ جو کہ زیادہ قوت و شوکت والا تھا، اس نے کہا ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک ہمارے غلام کے بدلے تمہارا آزاد آدمی اور عورت کے بدلے مرد قتل نہ کیا جائے۔

ان کے اس جاہلانہ اور ظالمانہ مطالبہ کی تردید کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی: الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ (الآیۃ) جس کا حاصل ان کے اس مطالبہ کی تردید کرنا تھا، چنانچہ اس ظالمانہ مطالبہ کو رد کرتے ہوئے اسلام نے اپنا عادلانہ قانون یہ نافذ کیا کہ جس نے قتل کیا ہے وہی قصاص میں قتل کیا جائے گا، اگر عورت قاتل ہے تو کسی بے گناہ مرد کو اس کے بدلہ میں قتل کرنا، اسی طرح قاتل اگر غلام ہے تو اس کے بدلے میں کسی بے گناہ آزاد کو قتل کرنا ظلم عظیم ہے جو اسلام میں قطعاً برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اگر عورت کو کوئی مرد قتل کر دے یا غلام کو کوئی آزاد قتل کر دے تو اس سے قصاص نہ لیا جائے گا بلکہ مطلب یہ ہے کہ قصاص میں مساوات رہے گی اور خون سب کا برابر سمجھا جائے گا ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ اونچے شخص کی جان کو معمولی شخص کی جان سے زیادہ قیمتی سمجھا جائے جیسا کہ عرب جاہلیت کے دور اور یہود عرب کا دستور یہ تھا کہ اعلیٰ قبیلے کے مقتول کے عوض ادنیٰ قبیلے کے دو شخصوں سے قصاص لیا جاتا تھا، اور یہ حالت کچھ قدیم جاہلیت ہی میں نہ تھی موجودہ زمانہ میں جن قوموں کو انتہائی مہذب سمجھا جاتا ہے ان کے باقاعدہ سرکاری اعلانات تک میں بسا اوقات یہ بات بغیر کسی شرم کے دنیا کو سنائی جاتی ہے کہ ہمارا ایک آدمی مارا جائے گا تو ہم قاتل قوم کے پچاس آدمیوں کو قتل کریں گے، امریکہ تو آج تک بھی ایک گورے کا خون، کالے کے خون سے کہیں زیادہ قیمتی سمجھتا ہے۔

اسلام نے اسی ظالمانہ دستور کو مٹا کر اعلان کر دیا کہ زندگی ہر مومن کی اور امت کے ہر فرد کی یکساں قابل احترام ہے۔

مَسْئَلَةٌ: مقتول اگر کافر آدمی ہے تو اس کا بھی قصاص قاتل ہی سے لیا جائے گا اگرچہ قاتل مسلم ہو، البتہ کافر اگر حربی ہو تو چونکہ وہ کھلا ہوا باغی اور دشمن ہوتا ہے اس کے قتل میں قصاص نہیں لیا جائے گا۔

مَسْئَلَةٌ: قتل عمد میں آزاد کے عوض آزاد تو قتل کیا ہی جائے گا غلام کے عوض میں بھی قتل کیا جائے گا، اسی طرح عورت کے عوض عورت تو قتل کی ہی جائے گی لیکن مرد بھی قتل کیا جائے گا۔

مَسْئَلَةٌ: اگر قتل عمد میں مقتول کے ورثاء نے قاتل کو پوری معافی دیدی، مثلاً مقتول کے وارث صرف دو بیٹے تھے اور ان دونوں نے اپنا حق معاف کر دیا تو قاتل پر کوئی مطالبہ نہیں رہا، اور اگر پوری معافی نہ ہو مثلاً صورت مذکورہ میں دو بیٹوں میں سے ایک نے معاف کر دیا مگر دوسرے نے معاف نہیں کیا تو قاتل سزائے قصاص سے تو بری ہو گیا لیکن معاف نہ کرنے والے کو نصف دیت دلائی جائے گی، دیت کی مقدار شریعت میں سواونٹ یا ہزار دینار، یا دس ہزار درہم ہیں، اور درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے اس حساب سے پوری دیت دو ہزار نو سو سولہ تو لے آٹھ ماشہ چاندی ہوگی۔

مَسْئَلَةٌ: جس طرح نا تمام معافی سے مال واجب ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کسی قدر مال پر مصالحت ہو جائے تب بھی قصاص

ساقط ہو کر مال واجب ہو جاتا ہے مگر کچھ شرطوں کے ساتھ جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ (معارف)

مَسْئَلَةٌ: مقتول کے جتنے شرعی وارث ہیں وہی قصاص و دیت کے مالک بقدر اپنے حصہ میراث کے ہوں گے اور اگر قصاص کا فیصلہ ہوا تو قصاص کا حق بھی سب میں مشترک ہوگا مگر چونکہ قصاص ناقابل تقسیم ہے اس لئے اگر کوئی حصہ دار بھی اپنا حق قصاص معاف کر دے گا تو دوسرے وارثوں کا حق قصاص بھی معاف ہو جائے گا، البتہ ان کو دیت (خون بہا) کی رقم سے حسب استحقاق وراثت حصہ ملے گا۔

مَسْئَلَةٌ: قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کا ہے مگر باجماع امت ان کو یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں ہے کہ خود ہی قاتل کو قتل کر دیں، بلکہ اس حق کو حاصل کرنے کیلئے حکم سلطان مسلم یا اس کے کسی نائب کا ہونا ضروری ہے۔

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ بِهَائِي كَالْفَرْمَانِ لَطِيف طَرِيقَةٍ مِنْ نَرْمِي كِي سَفَارِشِ بَهِی كَرْدِی ہِے، مَطْلَبِ یِہ ہِے كہ تَمہارے اور قاتل كے درمیان جانی دشمنی ہی سہی مگر ہِے تَو وہ تَمہارا انسانی بھائی، لہذا اگر اپنے ایک خطا کار بھائی كے مقابلہ میں انتقام كے غصہ كو پی جاؤ تو یہ تَمہاری انسانیت كے زیادہ شایانِ شان ہِے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا كہ اسلامی قانون تعزیرات میں قتل تِك كے معاملہ قابلِ راضی نامہ ہِے مقتول كے وارثوں كو یہ حق پہنچتا ہِے كہ قاتل كو معاف كَر دیں، اور اس صورت میں عدالت كے لئے جائز نہیں كہ قاتل كی جان ہی لینے پر اصرار كَرے، البتہ جیسا كہ بعد كی آیت میں ارشاد ہوا معافی كی صورت میں قاتل كو خون بہا ادا كَرنا ہوگا۔

ایك طرف قصاص كی یہ سختی اور دوسری طرف دیت اور عفو كی نرمی یہ حسن امتزاج اور اعتدال و توازن یہ اسی قانون كے حصہ ہو سكتا ہِے جو بشری دماغ سے نہیں حكمت مطلق سے نكلا ہو۔

فَمَنْ اَعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ اَلِيمٌ مطلب یہ ہِے كہ جب قصاص معاف ہو كَر دیت پر بات طے ہو گئی تو اب دونوں فریقوں كو چاہئے كہ كسی طرح كی زیادتی نہ كریں، مثلاً یہ كہ مقتول كے وارث خون بہا وصول كَر لینے كے بعد پھر انتقام كی كوشش كریں، یا قاتل خون بہا كی رقم ادا كَرنے میں ٹال مٹول كَرے اور مقتول كے ورثاء نے جو اس كے ساتھ احسان كیا ہِے اس كا بدلہ احسان فراموشی سے دے ”فَاتَّبَاعُ بِالْمَعْرُوفِ وَاَدَاءُ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ“ كا یہی مطلب ہِے۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ یہ ایک دوسری رسمِ جاہلیت كی تردید ہِے جو پہلے بھی بہت سے دماغوں میں موجود تھی اور آج بھی بكثرت پائی جاتی ہِے جس طرح اہل جاہلیت كا ایک گروہ انتقام كے معاملہ میں افراط كی طرف چلا گیا تھا اسی طرح دوسرا گروہ عفو كے معاملہ میں تفریط كی طرف گیا ہِے اور اس نے سزائے موت كے خلاف اس قدر شور مچایا ہِے كہ بہت سے لوگ اس كو ایک نفرت انگیز چیز سمجھنے لگے ہیں اور دنیا كے بہت سے ملكوں نے سزائے موت كو منسوخ بھی كَر دیا ہِے، قرآن اسی پر اہل عقل و خرد كو مخاطب كَر كے تنبیہ كرتا ہِے كہ قصاص میں سوسائٹی معاشرہ كی زندگی ہِے جو سوسائٹی انسانی جان كا احترام نہ كرنے والوں كی جان كو محترم ٹھہراتی ہِے وہ دراصل اپنی آستین میں سانپ پالتی ہِے، اور ایک قاتل كی جان بچا كَر

بہت سے بے گناہ انسانوں کی جانیں خطرے میں ڈالتی ہے، قصاص عین عدل و مساوات کا قانون ہے اس قانون کو یکسر منسوخ کر دینے کی تبلیغ و تحریک سرتا سرنا معقول اور خلافِ حکمت ہے۔

کُتِبَ فَرِضٌ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِي اسْبَابُهُ إِنَّ تَرَكَ خَيْرًا مَالًا إِلَىٰ وَصِيَّةٍ مَرْفُوعٌ بِكُتِبَ وَمُتَعَلِّقٌ يٰذَا
 اِنْ كَانَتْ ظَرْفِيَّةٌ وَدَالٌ عَلَىٰ جَوَابِهَا اِنْ كَانَتْ شَرْطِيَّةٌ وَجَوَابُ اِنْ مَحْذُوفٌ اِی فَلْيُوصِ
 لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبَيْنِ بِالْمَعْرُوفِ بِالْعَدْلِ بَانَ لَا يَزِيدُ عَلَى الثَّلَاثِ وَلَا يُفْضِلُ الْغَنَى حَقًّا مَصْدَرٌ مَوْكِدٌ
 لِمُضْمُونِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهُ عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝۸۱ اللّٰهُ وَبِذَا مَنَسُوخٌ بِأَيِّ الْمِيرَاثِ وَبِحَدِيثٍ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ رَوَاهُ
 التِّرْمِذِيُّ قَدْ بَدَّلَهُ اِی الْاِیْصَاءُ مِنْ شَابِدٍ وَوَصِيٍّ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ عَلِمَهُ فَإِنَّمَا اِثْمُهُ اِی الْاِیْصَاءُ الْمُبَدَّلُ
 عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ فِيهِ اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامَ الْمُضْمَرِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ لِّقَوْلِ الْمُوصِي عَلِيمٌ ۝۸۲ بِفَعْلِ الْوَصِيٍّ
 فَمُجَازٍ عَلَيْهِ فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ مَخْفًا وَمُثْقَلًا جَنَفًا مَيْلًا عَنِ الْحَقِّ خَطَاً اَوْ اِثْمًا بَانَ تَعَمَّدَ ذَلِكَ بِالزِّيَادَةِ
 عَلَى الثَّلَاثِ اَوْ تَخَصَّصَ غَنِيٍّ مَثَلًا فَاصْلَحَ بَيْنَهُمْ بَيْنَ الْمُوصِي وَالْمَوْصِي لَهُ بِالْاَمْرِ بِالْعَدْلِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ
 فِي ذَلِكَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۸۳

۱۰۸

ترجمہ: تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے یعنی موت کی علامات ظاہر ہوں
 اگر وہ کچھ مال چھوڑے تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے وصیت کرے (الوصیۃ) کُتِبَ کا نائب فاعل ہونے کی وجہ
 سے مرفوع ہے اور اِذَا سے متعلق ہے اگر اِذَا ظرفیہ ہے، اور دال علی الجزاء ہے اگر (اِذَا) شرطیہ ہے، اور اِنْ کا جواب
 محذوف ہے، اور وہ فَلْيُوصِ ہے، انصاف کے ساتھ اس طریقہ پر کہ ایک ثلث سے زیادہ کی وصیت نہ کرے، اور مالدار
 کو ترجیح نہ دے، یہ حق ہے خوفِ خدا رکھنے والوں پر (حَقًّا) اپنے سابقہ جملہ کے مضمون کے لئے مصدر موكد ہے، اور یہ
 (وصیت کا حکم) آیت میراث اور لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ سے منسوخ ہے (رواہ الترمذی) لہذا جس شخص نے اس کو (یعنی)
 ایصاء کو بدل دیا علم ہونے کے بعد گواہ ہو یا خود وصی، تو وصیت کی تبدیلی کا گناہ ان لوگوں پر ہوگا جو اس میں تبدیلی
 کریں گے اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ وصیت کرنے والے کی بات (وصیت) کو سننے والا اور وصی
 کے فعل سے باخبر ہے تو وہ اس پر جزاء دینے والا ہے، سو اگر وصیت کرنے والے کی طرف سے حق سے نادانستہ یا دانستہ
 طور پر پھر جانے کا اندیشہ ہو (مَوْصٍ) مخفف اور مشدد دونوں ہیں، بایں طور کہ ثلث سے زیادہ کی (وصیت) کا ارادہ کرے
 یا مثلاً مالدار کی تخصیص کرے، تو انصاف کا حکم دے کر ان کے یعنی موصی اور موصیٰ لہ کے درمیان (کوئی شخص) صلح
 کر دے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: کُتِبَ اِی فُرِضَ، کتابت کے اصل معنی لکھنے کے ہیں، مگر علی کے قرینہ سے جو کہ الزام پر دلالت کرتا ہے فرض کے معنی لئے گئے ہیں جیسا کہ کُتِبَ علیکم القصاص میں کہا ہے۔

قَوْلًا: اِی اسبابُہ مفسر علام نے مضاف محذوف مان کر ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے:

سُؤَال: آیت میں کہا گیا ہے کہ جب کسی شخص کی موت حاضر ہو جائے تو اس پر وصیت کرنا فرض ہے حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے اس لئے کہ حضور موت کے وقت انسان مر جاتا ہے۔

جَوَاب: موت سے علامات موت مراد ہیں، یا مجازاً قرب کو حضور سے تعبیر کر دیا گیا ہے۔

قَوْلًا: اَحَدُکُمْ اس سے فرض عین کی طرف اشارہ ہے یعنی قانون میراث نازل ہونے سے پہلے وصیت کرنی فرض تھی۔

قَوْلًا: مَرْفُوعٌ بِکُتِبَ یہ ان لوگوں کے قول کے رد کی جانب اشارہ ہے جنہوں نے کہا ہے کہ الْوَصِیَّةُ مبتداء ہے اور للوالدین اس کی خبر ہے، اس قول کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اگر الْوَصِیَّةُ، کُتِبَ کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو تو کُتِبَ کو کُتِبَتْ مَوْث ہونا چاہئے۔

جَوَاب: فعل اور فاعل کے درمیان اگر فاصلہ واقع ہو تو فعل اور فاعل میں مطابقت ضروری نہیں رہتی۔

قَوْلًا: اِنْ تَرَکَ، اِنْ حرف شرط کے جواب کے بارے میں اختلاف ہے، کیا ہے؟ انخفش نے اس کی دو صورتیں بیان کی ہیں، جواب شرط الْوَصِیَّةُ ہے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنْ تَرَکَ خَیْرًا فَالْوَصِیَّةُ وَاجِبَةٌ مگر اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ جزاء جب جملہ اسمیہ ہوتی ہے تو اس پر فاء لانا ضروری ہوتا ہے حالانکہ یہاں فاء نہیں ہے اور حذف بلا ضرورت جائز نہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ شرط سے پہلے جواب شرط محذوف مانا جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی اِی کُتِبَ الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدِیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنِ اِنْ تَرَکَ خَیْرًا لہذا بہتر یہی ہے کہ الْوَصِیَّةُ کو کُتِبَ کا نائب فاعل مانا جائے، اور دونوں شرطوں کے لئے جزاء محذوف مان لی جائے جیسا کہ مفسر علام نے کہا ہے، اور عدم مطابقت کا بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ الْوَصِیَّةُ بمعنی ایصاء ہے اور بعض دیگر حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ جب فاعل مَوْث مجازی ہو تو فعل کو مذکر اور مَوْث دونوں لانا جائز ہے، اگر اِذَا ظَرَفِیت محض کے لئے ہو تو الْوَصِیَّةُ کا ظرف ہوگا، اور اگر متضمن بمعنی شرط ہو تو دال علی جواب الشرط ہوگا، اور دونوں شرطوں کا جواب محذوف ہوگا۔ (کما صرَّحَ المفسر علیہ الرحمة)۔

قَوْلًا: وَمَتَعْلَقٌ بِاِذَا اس اضافہ سے ان حضرات کے قول کی تضعیف مقصود ہے جنہوں نے کہا ہے کہ اِذَا، کُتِبَ سے

متعلق ہے نہ کہ الوَصِيَّةُ سے ان قائلین حضرات کی دلیل یہ ہے کہ الوَصِيَّةُ اسم ہونے کی وجہ سے عامل ضعیف ہے، لہذا اپنے معمول مقدم میں عمل نہیں کر سکتا، وجہ ضعف یہ ہے کہ اِذَا ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے، اور کُتِبَ فعل ماضی ہے جو کہ زمانہ گزشتہ پر دلالت کرتا ہے اور زمانہ مستقبل ماضی کا ظرف نہیں ہو سکتا، اور بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ الوَصِيَّةُ اسم عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے اپنے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا، اس کا جواب یہ ہے کہ الوَصِيَّةُ اسم مصدر ہے نہ کہ اسم جامد اور تحقیق یہ ہے کہ اسم مصدر ظرف مقدم میں عمل کر سکتا ہے اس لئے کہ ظرف میں عمل کرنے کے لئے فعل کی ہو کافی ہے اور اسم مصدر میں فعل کی ہو ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ: وَدَالَ عَلَى جَوَابِهَا اِنْ كَانَتْ شَرْطِيَّةً.

سُؤَالٌ: مفسر علام نے دال علی الجزاء کہا ہے یہ کیوں نہیں کہا کہ الوصیۃ جزاء ہے؟

جَوَابٌ: یہ ہے کہ جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے اور الوَصِيَّةُ جملہ نہیں ہے اس لئے خود الوَصِيَّةُ جزاء نہیں بن سکتا۔

قَوْلُهُ: وَجَوَابِ اِنْ مَحْذُوفٍ، مَحْذُوفٍ، جواب کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ الوَصِيَّةُ، اِذَا کے جواب محذوف پر دال ہے اگر اِذَا، شرطیہ ہو اور اِنْ کے جواب محذوف پر بھی دال ہے، اور وہ فلیؤصّی ہے۔

قَوْلُهُ: حَقًّا مَصْدَرٌ مُؤَكَّدٌ لِمُضْمُونِ الْجُمْلَةِ قَبْلَهُ، حَقًّا سابق جملہ کے مضمون کی تاکید ہے، سابق جملہ سے مراد کُتِبَ عَلَيْكُمْ ہے، اور کُتِبَ عَلَيْكُمْ کا مضمون ہے حَقٌّ عَلَيْكُمْ لِهَذَا حَقًّا اس کی تاکید ہے اور تقدیر عبارت ہے حَقٌّ عَلَيْكُمْ حَقًّا جس طرح مفعول بغیر لفظہ سابق مضمون جملہ کی تاکید کرتا ہے اسی طرح حَقًّا بھی مضمون جملہ کی تاکید کر رہا ہے، اور سابق جملہ میں حَقٌّ عَلَيْكُمْ کے علاوہ کا احتمال نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: بِآيَةِ الْمِيرَاثِ آيت ميراث سے مراد اللہ تعالیٰ کا قول يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلَّذِيْ كَرِهَ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثٰىيْنِ ہے، یعنی آیت وصیت کا حکم منسوخ ہے تلاوت باقی ہے۔

قَوْلُهُ: اِی الْاِیْصَاءِ اس عبارت کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے:

اعتراض: بَدَلَهُ کی ضمیر الوَصِيَّةُ کی طرف راجع ہے جو کہ مؤنث ہے، لہذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابٌ: الوَصِيَّةُ سے جو ایصاء مفہوم ہے اس کی طرف ضمیر راجع ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: اِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامِ الْمَضْمَرِ یعنی فَإِنَّمَا اِثْمُهُ عَلَيْهِمْ کہنا کافی تھا، مگر ضمیر کے بجائے اسم لانے میں علت اِثْمِ کی جانب اشارہ ہے یعنی گنہگار ہونے کی وجہ شاہد یا وصی کا وصیت میں تبدیلی کرنا ہے۔

قَوْلُهُ: مَبْلًا عَنِ الْحَقِّ خَطَا، جَنْفُ لَفْتِ میں مطلقاً جھکنے اور مائل ہونے کو کہتے ہیں، یہاں حق سے بلا ارادہ پھر جانا مراد ہے اس لئے کہ اس کے بالمقابل بِالْاِثْمِ آیا ہے، اِثْمُ کہتے ہیں بالقصد وبالارادہ حق سے پھر جانے کو۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

قَوْلُنَا: الْوَصِيَّةُ وصیت لغت میں ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کے کرنے کا حکم دیا جائے خواہ زندگی میں یا مرنے کے بعد، لیکن عرف میں اس کام کو کہا جاتا ہے کہ مرنے کے بعد جس کے کرنے کا حکم ہو، خیر کے بہت سے معانی آتے ہیں ان میں سے ایک معنی مال کے بھی ہیں یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

ابتداء اسلام میں جب تک میراث کے حصے شریعت کی جانب سے مقرر نہیں ہوئے تھے یہ حکم تھا کہ ترکہ کے ایک ثلث میں مرنے والا اپنے والدین اور دیگر رشتہ داروں کے لئے جتنا جتنا مناسب سمجھے وصیت کر دے باقی جو کچھ رہ جاتا وہ سب اولاد کا حق تھا اس آیت میں یہی حکم مذکور ہے۔ (معارف)

وصیت کا مذکورہ حکم آیت موارث کے نزول سے پہلے دیا گیا تھا، اب یہ منسوخ ہے آپ ﷺ کا فرمان ہے إِنَّ اللَّهَ قَدْ اعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِرِثٍ (ابن کثیر، اخرجہ السنن) اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا، لہذا اب کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں، البتہ ایسے رشتہ داروں کے لئے وصیت کی جاسکتی ہے جو وارث نہ ہوں، یا راہِ خیر میں خرچ کرنے کی جاسکتی ہے مگر اس کی زیادہ سے زیادہ حد ایک تہائی ہے۔

غیر وارث رشتہ داروں کے لئے وصیت کرنا لازم اور فرض نہیں ہے صرف مستحب یا مباح ہے لہذا فرضیت ان کے حق میں بھی منسوخ ہے، فرضیت کی ناسخ وہ حدیث متواتر ہے جس کا اعلان آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کے مجمع کے سامنے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ اعْطَى لِكُلِّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِرِثٍ، اخرجہ الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح.

اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کا حق خود دیدیا اس لئے اب کسی وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔

حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا کی ایک روایت میں إِلَّا أَنْ تَجِزَّهُ الْوَرِثَةُ کے الفاظ بھی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ورثہ، اجازت دیں تو وصیت جائز ہے۔

مَسْئَلَةٌ: اگر کسی شخص کے ذمہ دوسرے لوگوں کے حقوق واجب ہوں یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو اس پر ان تمام چیزوں کی ادائیگی کے لئے وصیت واجب ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْأَمْرِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۸۸﴾
المعاصی فانہ یکسیر الشہوۃ الی بی مبدؤہا اَیَّامًا نُحِیْبُ بِالْحَیَامِ اَوْ یُحْیَوْنَ اَوْ مُتَدَرَا مَعْدُوْدَاتِ اِی
قَلَابِلِ اِی مُوَقَّتَاتِ بَعْدَ مَعْلُوْمٍ وَبِی رَمَضَانَ کَمَا سِیَّاتِی وَقَلَّةٌ تَنْسِیْلًا عَلَی الْمُکَلَّفِیْنَ فَمَنْ کَانَ مِنْکُمْ

حِیْنَ شُہُودِہٖ مَرِیضًا وَّ عَلٰی سَفَرٍ اِی مُسَافِرًا سَفَرُ التَّحَصُّرِ وَاَجْمَعُہُ الصَّوْمُ فِی الْحَالِیْنِ فَافْطَرَ فَعِدَّةً فَعَلِیْہِ عِدَّةٌ مَا افْطَرَ مِنْ اَیَّامٍ اٰخَرَ یَصُومُہَا بِدَلَّةٍ وَعَلٰی الَّذِیْنَ لَا یُطِیْقُوْنَہُ لَکَبَرٌ اَوْ مَرَضٌ لَا یُرْجٰی بُرُودُ فِدَیَّۃٍ بَنٰی طَعَامُ مَسْکِیْنٍ اِی قَدَرُ مَا یَاکُلُہُ فِی یَوْمٍ وَہُوَ مُدٌّ مِنْ غَالِبِ قُوْتِ الْبَلَدِ لِکُلِّ یَوْمٍ وَفِی قِرَاءِۃٍ بِاضَافَۃٍ فِدَیَّۃٍ وَبَنٰی لِلْبِیَّانِ وَقِیْلَ لَا غَیْرَ مَقْدَرَةٍ وَکَانُوْا مُخَیْرَیْنِ فِی ضِدِّ الْاِسْلَامِ بَیْنَ الصَّوْمِ وَالفِدَیَّۃِ ثُمَّ نَسَخَ بِتَغْیِیْنِ الصَّوْمِ بِقَوْلِہٖ فَمَنْ شَہِدَ مِنْکُمْ الشَّہْرَ فَلْیَصُمْہُ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِلَّا الْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ اِذَا افْطَرَتْ خَوْفًا عَلٰی الْوَلَدِ فَاِنَّہَا بِاَقِیَّةٍ بَلَا نَسَخَ فِی حَقِّہُمَا فَمَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا بِالْزِیَادَةِ عَلٰی الْقَدْرِ الْمَذْکُوْرِ فِی الْفِدَیَّۃِ فَہُوَ اِی التَّطَوُّعُ خَیْرٌ لَّہٗ وَاَنْ تَصُومُوْا مُبْتَدَاً خَبِرَہُ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ الْاِفْطَارِ وَالْفِدَیَّۃِ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اِنَّہٗ خَیْرٌ لَّکُمْ فَافْعَلُوْهُ تِلْکَ الْاَیَّامُ شَہْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْآنُ مِنْ اللّٰوْحِ الْمَحْفُوْظِ اِلٰی السَّمَاءِ الدُّنْیَا فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ هُدٰی حَالٌ بِاَدِیَّامٍ مِنَ الضَّلَالَةِ لِلنَّاسِ وَبَیِّنَتْ اَیَّامٌ وَاضِحَاتٌ مِّنَ الْهُدٰی بِمَا یَهْدِی اِلٰی الْحَقِّ مِنْ الْاَحْکَامِ وَ بَیْنَ الْفُرْقَانِ بِمَا یُفْرِقُ بَیْنَ الْحَقِّ وَالبَاطِلِ فَمَنْ شَہِدَ حَضَرَ مِنْکُمْ الشَّہْرَ فَلْیَصُمْہُ وَمَنْ کَانَ مَرِیضًا وَّ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اٰخَرَ تَتَدَمُّ بِشَہْدِہٖ وَکَرَّرَ لِنَّاسٍ یُّشَوِّبُہُ نَسْخَہُ بِتَعْمِیْمٍ مِنْ شَہِدِ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمْ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ وَاِذَا اَبْلَغَ لَکُمْ الْفِطْرَ فِی الْمَرَضِ وَالسَّفَرِ وَلِکُوْنِ ذَلِکَ فِی مَعْنٰی الْعِلَّةِ اِیضًا لِاَمْرِ بِالْحَصَوْمِ غُطِفَ عَلَیْہِ وَلِتَّکْمِلُوْا بِالْخَفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ الْعِدَّةَ اِی عِدَّةَ صَوْمِ رَمَضَانَ وَلِتَّکْبِرُوْا اللّٰہَ عِنْدَ اِکْمَالِہَا عَلٰی مَا هَدٰیْکُمْ اَرْشَدَکُمْ لِمَعَالِیْمِ دِیْنِہِ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ۝ اللّٰہُ عَلٰی ذَلِکَ وَسَّالَ جَمَاعَةُ النَّبِیِّ صَلَی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَمَ اَقْرَبُ رُبَّنَا فَنُنَاجِیْہِ اَمْ بَعِیْدٌ فَنُنَادِیْہِ فَنُزِّلَ وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ مِنْہُمْ یَعْلَمِی فَاخْبِرْہِمْ بِذَلِکَ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَا نِ بَاِنَّا لَیْسَ مَا سَاَلَ فَلِیْسَ تَجِیْبُوْا لِیْ دُعَائِیْ بِالطَّاعَةِ وَلَیُّوْمُنَّوْا یَدِیْنِیْ عَلٰی الْاِیْمَانِ یٰۤاَعْلَمُھُمْ یُرْشِدُوْنَ ۝ یَسْتَدُوْنَ .

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر اسی طرح روزہ رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلی امتوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم معاصی سے بچو بلاشبہ روزہ شہوت کو توڑ دیتا ہے جو کہ معصیت کا سرچشمہ ہے (ایاماً) صیاماً کی وجہ سے یا یصوموا مقرر کی وجہ سے منصوب ہے، جو معدودے چند روزے ہیں جن کی تعداد معلوم ہے اور وہ رمضان کے روزے ہیں جیسا کہ عنقریب آئے گا، ماہ رمضان کے روزوں کو مکلفین پر سہولت کے لئے قلیل قرار دیا ہے، پس تم میں سے جو ماہ رمضان کی آمد کے وقت مریض یا مسافر ہو یعنی سفر قصر کی مسافت کا مسافر ہو اور دونوں صورتوں میں اس کو روزے سے مشقت ہو تو وہ افطار کر سکتا ہے، اس پر چھوڑے ہوئے روزوں کی تعداد کے مساوی دوسرے دنوں میں تعداد کو پورا کرنا لازم ہے، کہ ان کے بدلے روزے رکھے، اور جو لوگ کبرنی کی وجہ سے یا ایسے مرض کی وجہ سے جس سے صحت یاب ہونے کی امید نہ ہو روزہ نہ رکھ سکیں تو ان پر فدیہ

واجب ہے (اور) وہ ایک مسکین کی خوراک ہے یعنی اتنی مقدار کہ جو ایک روز کی خوراک ہو اور وہ بقدر ایک مُد ہے، روزمرہ شہر کی عام خوراک سے، اور ایک قراءت میں فدیہ کی اضافت کے ساتھ ہے اور یہ اضافت بیان یہ ہے اور کہا گیا ہے کہ لا مقدار نہیں ہے، اور ابتداء اسلام میں روزہ اور فدیہ میں اختیار تھا، پھر اللہ کے قول فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کے ذریعہ اختیار منسوخ کر دیا گیا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا، حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) کا اختیار منسوخ نہیں ہوا، جب کہ اپنے بچے کے بارے میں (نقصان) کا اندیشہ ہو جس کی وجہ سے فدیہ ان دونوں کے حق میں بلا نسخ باقی ہے، پھر جو شخص فدیہ کی مقدار مذکور میں بخوشی اضافہ کرے تو یہ بخوشی اضافہ اس کے لئے بہتر ہے، اور تمہارا روزہ رکھنا افطار اور فدیہ سے تمہارے لئے بہتر ہے اُن تَصُومُوا مَبْتَدَاءَ اور خَيْرٌ لَّكُمْ اس کی خبر ہے، اگر تم سمجھو، کہ روزہ رکھنا تمہارے لئے بہتر ہے تو تم ان دنوں کے روزے رکھو ماہ رمضان وہ مہینہ ہے کہ جس میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف لیلۃ القدر میں قرآن نازل کیا گیا حال یہ ہے کہ وہ لوگوں کے لئے گمراہی سے ہدایت کرنے والا ہے اور ہدایت کی واضح نشانیاں ہیں جو حق یعنی احکام کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتا ہے لہذا تم میں سے جو شخص بھی ماہ رمضان کو پائے تو اس کو روزہ رکھنا چاہئے اور جو شخص مریض یا مسافر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں تعداد پوری کرے اس جیسا حکم سابق میں بھی گذر چکا ہے اور اس حکم کو مکرر لایا گیا ہے تاکہ فَمَنْ شَهِدَ کے عموم سے (حکم قضا کے) منسوخ ہونے کا وہم نہ ہو، اللہ تمہارے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے سختی کا نہیں اسی لئے تمہارے لئے حالت مرض و سفر میں افطار کو مباح قرار دیا، اور يُرِيدُ اللّٰهُ الْخَیْرَ کے بھی امر بالصوم (یعنی فَلْيَصُمْهُ) کی علت کے معنی میں ہونے کی وجہ سے وَلِتَكْمِلُوا الْخَیْرَ کا يُرِيدُ اللّٰهُ الْخَیْرَ پر عطف کیا گیا ہے، (وَلِتَكْمِلُوا) تخفیف و تشدید کے ساتھ، اور تاکہ تم رمضان کے روزوں کے عدد کو پورا کرو اور روزوں کو پورا کرنے کے بعد اس بات پر کہ اس نے تم کو ہدایت دی (یعنی) اپنے دین کے احکام کی طرف رہنمائی فرمائی، اللہ کی بڑائی بیان کرو اور تاکہ تم اس ہدایت پر اللہ کا شکر ادا کرو اور کچھ لوگوں نے اللہ کے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ ہمارا پروردگار آیا قریب ہے کہ اس سے سرگوشی کریں یا بعید ہے کہ اس کو زور سے پکاریں، تو آیت نازل ہوئی، اور جب میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں (تو واقعہ یہ ہے) کہ میں ان سے باعتبار میرے علم کے بلاشبہ قریب ہوں آپ ان کو یہ بات بتادو ہر دعا کرنے والے کی دعا اس کا مطلوب عطا کر کے قبول کرتا ہوں اس لئے لوگوں کو بھی چاہئے کہ اطاعت کر کے میری بات مان لیا کریں، اور مجھ پر ایمان رکھیں (یعنی) ایمان پر دائم و قائم رہیں تاکہ وہ راہِ راست پائیں۔

تَحْقِیْقُ تَرْکِیْبِ تَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: الصَّیَامُ (ن) صَوْمًا وَصِیَامًا لغت میں مطلقاً رکنا، اصطلاح شرع میں کھانے پینے اور جماع سے روزہ کی نیت کے ساتھ صبح صادق سے غروب شمس تک رکنا۔

قَوْلًا: مِنَ الْأَمَمِ کا اضافہ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ کے عموم کو ظاہر کرنے کے لئے اور ان لوگوں کی تردید ہے جو الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ سے نصاریٰ مراد لیتے ہیں، الصیام مصدر ہے بمعنی روزہ رکھنا۔

قَوْلًا: الْمَعَاصِي کے اضافہ سے اشارہ کر دیا کہ تتقون سے لغوی معنی مراد ہیں اور المعاصی اس کا مفعول بہ ہے۔
قَوْلًا: نُصِبَ بِالصَّيَامِ او بِصُومُوا مُقَدَّرًا، کی تقدیر سے ایامًا کے منصوب ہونے کی دو صورتوں کی طرف اشارہ ہے، ایک تو یہ ہے کہ ایامًا، الصیام مذکور کی وجہ سے منصوب ہے، مگر اس پر یہ اعتراض ہے کہ عامل اور معمول کے درمیان کما کَتَبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ کا فصل بالا جنبی ہے، لہذا الصیام عامل نہیں ہو سکتا، جواب اس کا یہ ہے کہ رَضِيَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى نے کہا ہے کہ اگر معمول ظرف ہو تو فصل بالا جنبی کے باوجود عمل درست ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ صُومُوا مقدر مان لیا جائے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔

قَوْلًا: اِی قَلَائِلَ، معدودات کی تفسیر قَلَائِلَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ معدودات سے مراد قلیل مقدار ہے اس لئے کہ عرب قلیل کو جو کہ چالیس سے کم ہو ”معدود“ سے اور کثیر کو ”موزون“ سے تعبیر کرتے ہیں، قلیل مال کو کہتے ہیں يُعَدُّ عَدًّا اور کثیر کو يُصَبُّ صَبًّا بولتے ہیں، اِی یُوزَنُ وَزْنًا؟

قَوْلًا: اِی مَوْقِفَاتٍ بَعْدَ اِی مَحْدُودَاتٍ بَعْدَ اِی قَلَائِلَ کی تفسیر ہے معنی ہیں معدودے چند۔
قَوْلًا: قَلَّ لَهُ تَسْهِيلًا عَلَى الْمَكْلُفِينَ ماہِ رَمَضَانَ کے روزے اگرچہ بنفسہ کثیر ہیں مگر نفسیاتی طور پر متاثر کرنے کے لئے تشجیع کے طور پر قلت سے تعبیر کر دیا ہے تاکہ مکلفین کے لئے اداء صوم میں سہولت اور آسانی ہو۔

قَوْلًا: حِينَ شُهُودِهِ یعنی رمضان کی آمد کے وقت مریض ہو یا مسافر اس میں احتراز ہے اس صورت سے جب کہ حالت سفر یا حالت مرض میں روزہ شروع ہو جائے۔

قَوْلًا: اِی مَسَافِرًا سَفَرِ الْقَصْرِ اس میں سفر شرعی کی طرف اشارہ ہے۔
قَوْلًا: اَجْهَدُهُ الصَّوْمُ فِي الْحَالِيْنَ فَاْفْطَرَ اِی فِي حَالَةِ الْمَرَضِ وَالسَّفَرِ دونوں صورتوں میں افطار کی اجازت کے لئے مشقت کی شرط امام شافعی رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى کے قول کے مطابق ہے احناف کے نزدیک سفر میں مشقت کی شرط نہیں ہے سفر اگر آرام دہ بھی ہو تب بھی افطار کی اجازت ہے، مرض میں افطار کے لئے جہد و مشقت کی شرط ہے، اس لئے کہ بعض امراض میں روزہ مفید ہوتا ہے نہ کہ مضر، بخلاف سفر کے کہ سفر ہی کو قائم مقام مشقت مان لیا گیا ہے۔

قَوْلًا: هُدًى حال ہے بمعنی هَادِيًا، نہ کہ القرآن کی صفت اس لئے کہ هُدًى نکرہ اور القرآن معرفہ ہے۔

قَوْلًا: وَكَرَّرَهُ لِئَلَّا يُتَوَهَّمْ نَسْخُهُ بِتَعْمِيمِ مَنْ شَهِدَ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: مذکورہ آیت کو کمر لانے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: اللہ تعالیٰ کے قول فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ سے معلوم ہوتا ہے کہ ماہِ رمضان کے روزے سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، مریض ہو یا مسافر، مرضعہ ہو یا حامل، حالانکہ اول دو کے علاوہ سب مستثنیٰ ہیں خواہ مقيم ہو یا تندرست، اس لئے کہ فَمَنْ

شہدِ عموم پر دلالت کرتا ہے، اسی وجہ کو دفع کرنے کے لئے اس آیت کو مکرر لایا گیا ہے۔

قَوْلًا: وَلِكَوْنِ ذَلِكْ فِی مَعْنٰی الْعِلَّةِ اِیْضًا لِلْاَمْرِ بِالصَّوْمِ عُطِفَ عَلَیْهِ وَلِتَكْمِلُوْا اِسْ عِبَارَتِ كَے اِضَافَہ كَا مَقْصِدِ اِیْكَ اِعْتِرَاضِ كُوْدَفِیْ كَرْنَا ہِے:

اعتراض: اعتراض كَا مَحْصُلِ یہ ہِے كہ یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ الْخ. فَعِدَّةٌ مِّنْ اِیَّامٍ اٰخِرٍ جَمْلَہٗ فَعْلِیْہِ ہِے اُور اِسْ پَر وَلِتَكْمِلُوْا الْعِدَّةَ كَا عَطْفِ ہِے، اُور یہ جَمْلَہٗ اِنْشَآئِیْہِ ہِے اُور جَمْلَہٗ اِنْشَآئِیْہِ كَا جَمْلَہٗ خَبَرِیْہِ پَر عَطْفِ دَرَسْتُ نَہِیْں ہِے۔

جَوَابُ: جَوَابُ كَا مَحْصُلِ یہ ہِے كہ مَعْطُوفِ عَلَیْہِ یُعْنٰی یُرِیْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْیُسْرَ الْخ عِلْتُ كَے مَعْنٰی مِیْں ہِے اُور وَلِتَكْمِلُوْا اِیْ عِلْتُ كَے مَعْنٰی مِیْں ہِے لٰہٰذَا عِلْتُ كَا عِلْتُ پَر عَطْفِ دَرَسْتُ ہِے۔

قَوْلًا: وَلِتَكْبِرُوْا اللّٰہَ عَلٰی مَا هٰذِكُمْ اَمْرًا بِالقَضَاءِ كِیْ عِلْتُ ثَالِثَہِ ہِے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ، صِيَامُ رَوْزَہٗ رَكْنًا، بَابُ اَنْصَرُ كَا مَصْدَرُ ہِے، صَوْمُ كَے اِنْعَوٰی مَعْنٰی مَطَاقًا رَكْنًا، اُور اِصْطِلَاحِ شَرْخِ مِیْں صَبْحِ صَادِقِ سَے غُرُوبِ آفَاقِ تَكْ كَھَانِے، پِیْنِے، جَمَاعِ سَے رَوْزَہٗ كِیْ نِیْتِ كَے سَا تَھَرَكْنًا، رَوْزَہٗ كِیْ نَہْ كِیْ شَكْلِ وَصُورَتِ مِیْں دُنْیَا كَے تَقْرِیْبًا ہَر مَذْہَبِ وَقَوْمِ مِیْں پَا یَا جَا تَا ہِے قُرْآنِ چُونْكہ مُشْرِكَا نَہْ ذَا بَابِ سَے بَحْثِ نَہِیْں كَرْتَا اِسْ لَے اَلَّذِیْنَ مِّنْ قَبْلِكُمْ سَے اہْلِ كِتَابِ ہِیْ مَرَادِ ہِیْں، كَمَا كُتِبَ یہ تَشْبِیْہِ دُوسْرِیْ مِلّتُوں كَے سَا تَھَہٗ فَرَضِیْتِ صِیَامِ مِیْں ہِے نَہْ كَے اَعْدَادِ اُور شَرِا ئِیَا وَكِیْفِیَّاتِ صَوْمِ مِیْں، فَهُوَ تَشْبِیْہِہِ فِی الْفَرَضِیَّةِ وَلَا تَدْخُلُ فِیْہِ الْكِیْفِیَّةُ وَالْكَمِیَّةُ. (النسائي)

روزہ کا جسمانی و روحانی فائدہ:

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ اِسْ جَمْلَہٗ سَے رَوْزَہٗ كِیْ اَصْلِ غَرَضِ وَغَا یَتِ كِیْ طَرَفِ اِشَارَہِ ہِے، رَوْزَہٗ كَا مَقْصِدُ تَقْوٰی كِیْ عَادَتِ ثَابِتِ اَلْاِنَا اُور اَمْتِ كَے اَفْرَادِ كُوْمَتِیْ بَنَانَا ہِے، تَقْوٰی نَفْسِ كِیْ اِیْكَ مُسْتَعْلِ كِیْفِیَّتِ كَا نَامُ ہِے، جِسْ سَے عَالَمِ اٰخِرَتِ كِیْ لَذتُوں اُور نَعْمَتُوں سَے لُطْفِ اُٹھَانِے كِیْ صِلَاحِیَّتِ وَاسْتِعْدَادِ اِنْسَانِ مِیْں پُورِیْ طَرَحِ پِیْدَا ہُو جَاتِیْ ہِے رَوْزَہٗ سَے جہَاں بَہْتِ سِیْ جِسْمَانِیْ بِمَارِیُوں سَے نَجَاتِ مِلْ جَاتِیْ ہِے وَہِیْں بَہْتِ سِیْ رَوْحَانِیْ بِمَارِیُوں كَا بَھِیْ كَا رِگَر اُور مَجْرَبِ عِلَاجِ ہِے، جَدِیْدِ وَقَدِیْمِ سَبْ طَبِیْبِیْں اِسْ پَر مُتَّفَقِ ہِیْں كہ رَوْزَہٗ جِسْمَانِیْ بِمَارِیُوں كَے دُور كَرْنِے كَا بَہْتَرِیْنِ عِلَاجِ ہِے اِسْ كَے عِلَاوَہِ اِسْ سَے سَپَاہِیَا نَہْ ہِمْتِ اُور ضَبْطِ نَفْسِ كِیْ عَادَتِ پِیْدَا ہُوتِیْ ہِے، رَوْزَہٗ رَكْنِے سَے بَھُوكِ خُوبِ كَھَلِ كَر لَگتی ہِے خُونِ صَالِحِ پِیْدَا ہُوتا ہِے۔

مریض کا روزہ:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا مَرِيضٌ سَے مَرَادُ وہ مَرِیضُ ہِے جِسْ كُو رَوْزَہٗ رَكْنِے سَے نَا قَابِلِ بَرْدَا شَتِ تَكْلِیْفِ پَہْنچے، یَا مَرِیضِ مِیْں اِضَافَہِ یَا صَحْتِ مِیْں تَاخِیْرِ كَا اِنْدِیْشَہٗ ہُو، وَلَا یُرِیْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ كَا یَہِیْ مَطْلَبُ ہِے۔

مسافر کا روزہ:

اَوْ عَلٰی سَفَرٍ یہ امر غور طلب ہے کہ مختصر لفظ مسافر کے بجائے علی سفر کا لفظ اختیار فرما کر کنی اہم مسائل کی طرف اشارہ فرمادیا، اول یہ کہ مطلقاً لغوی سفر یعنی گھریا بستی سے باہر نکلنے کا نام سفر نہیں بلکہ سفر کچھ طویل ہونا چاہئے اس لئے کہ لفظ علی سَفَرٍ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ سفر پر سوار ہو جس سے یہ بات خود بخود معلوم ہوتی ہے کہ گھر سے دس پانچ میل چلے جانا مراد نہیں، مگر یہ تحدید کہ سفر کتنا طویل ہو قرآنی الفاظ میں مذکور نہیں، رسول اللہ ﷺ کے بیان اور صحابہ کرام کے تعامل سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور بہت سے فقہاء نے اس کی مقدار تین منزل یعنی وہ مسافت جس کو پیادہ سفر کرنے والا باسانی تین روز میں طے کر سکے قرار دی ہے اور بعد کے فقہاء نے میل کے حساب سے اڑتالیس (۲۸) میل بتائے ہیں، جس کی مقدار کلومیٹر کے حساب سے ۲۳۸۳۶/۷۷ کلومیٹر یعنی سو استر کلومیٹر ہوتی ہے، عَلٰی سَفَرٍ کے لفظ سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ وطن سے نکل جانے والا مسافر اسی وقت تک رخصت سفر کا مستحق ہے جب تک اس کے سفر کا سلسلہ جاری رہے، اور یہ ظاہر ہے کہ آرام یا کسی کام کے لئے ٹھہر جانا، مطلقاً اس کے سلسلہ سفر کو ختم نہیں کر دیتا، جب تک کہ کوئی معتد بہ مقدار قیام نہ ہو اور اسی معتد بہ قیام کی مدت نبی ﷺ کے بیان سے ثابت ہوئی کہ پندرہ دن ہیں، جو شخص کسی ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ عَلٰی سَفَرٍ نہیں کہلاتا، اسی لئے وہ رخصت سفر کا بھی مستحق نہیں رہتا۔

مَسْکَلٌ: اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق مقامات پر ٹھہرنے کی کرے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصت کا مستحق رہے گا، کیونکہ وہ عَلٰی سَفَرٍ کی حالت میں ہے۔

روزہ کی قضاء:

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ یعنی مریض و مسافر کو اپنے فوت شدہ روزوں کی گنتی کے مطابق دوسرے دنوں میں روزے رکھنا واجب ہے فعليه القضاء کے مختصر جملہ کے بجائے مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ کا طویل جملہ اختیار کر کے یہ بتانا مقصود ہے کہ فوت شدہ روزوں کی قضاء صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ مریض صحت کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اتنے دنوں کی مہلت پائے جن میں قضا کر سکے اگر کوئی شخص اتنے دن سے پہلے انتقال کر گیا تو اس پر قضا یا وصیت فدیہ لازم نہیں ہوگی۔

مَسْکَلٌ: عِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ میں چونکہ کوئی قید نہیں ہے اس لئے اس بات کی گنجائش ہے کہ مسلسل اور ترتیب سے رکھے یا غیر مسلسل اور غیر مرتب طریقہ پر رکھے، روزہ رکھنے والے کو اختیار ہے جس طرح چاہے رکھے۔

وَعَلٰی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہُ اس کے بے تکلف معنی یہ ہیں کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت تو رکھتے ہیں مگر کسی وجہ سے دل نہیں چاہتا تو ان کے لئے بھی یہ گنجائش ہے کہ روزہ کے بجائے روزے کا فدیہ بصورت صدقہ ادا کریں وَاَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ فرما کر اس طرف اشارہ کر دیا کہ بہتر یہی ہے کہ روزہ رکھو۔

یہ حکم شروع اسلام میں تھا جب لوگوں کو روزہ رکھنے کی عادت نہیں تھی اور لوگوں کو روزہ کا خوگر بنانا مقصود تھا، اس کے بعد والی آیت یعنی فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ جب نازل ہوئی تو اس حکم کو عام لوگوں کے حق میں منسوخ کر دیا گیا، صرف ایسے لوگوں کے حق میں اب بھی باجماع امت باقی رہ گیا جو بہت بوڑھے ہوں (جصاص) یا ایسے بیمار ہوں کہ اب صحت کی امید ہی نہ رہی ہو، جمہور صحابہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمْ اور تابعین رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمْ کا بھی یہی قول ہے۔ (جصاص، مظہری)

صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد، نسائی، ترمذی وغیرہ میں تمام ائمہ حدیث نے سلمہ بن اکوع رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ نازل ہوئی تو ہمیں اختیار دیدیا گیا تھا کہ جس کا جی چاہے روزے کا فدیہ دے پھر جب دوسری آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ نازل ہوئی تو یہ اختیار ختم ہو کر طاقت والوں پر روزہ ہی رکھنا لازم ہو گیا۔ مسند احمد میں حضرت معاذ بن جبل رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ نماز کے معاملات میں بھی ابتداء اسلام میں تین تغیرات ہوئے اور روزہ کے معاملہ میں بھی تین تبدیلیاں ہوئیں، روزہ کی تین تبدیلیاں یہ ہیں کہ:

رسول اللہ ﷺ جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ہرمہینہ میں تین روزے اور ایک روزہ یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کا رکھتے تھے، پھر رمضان کی فرضیت کے بارے میں کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ آیت نازل ہوئی، تو حکم یہ تھا کہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ روزہ رکھ لے یا فدیہ دیدے، اور روزہ رکھنا بہتر اور افضل ہے پھر اللہ تعالیٰ نے روزہ ہی کے بارے میں ایک دوسری آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ نازل فرمائی اس آیت نے تندرست قوی کے لئے یہ اختیار ختم کر کے صرف روزہ رکھنا لازم کر دیا، مگر بہت بوڑھے آدمی کے لئے یہ حکم باقی رہا کہ وہ چاہے تو روزہ کے عوض فدیہ ادا کر دے۔

تیسری تبدیلی یہ ہوئی کہ شروع میں افطار کے بعد کھانے پینے اور اپنی خواہش پوری کرنے کی اجازت صرف اس وقت تک تھی جب تک آدمی سوئے نہیں، جب سو گیا تو دوسرا روزہ شروع ہو گیا، کھانا پینا وغیرہ ممنوع ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ نے آیت اَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَائِكُمْ نازل فرما کر یہ آسانی فرمادی کہ اگلے دن کی صبح صادق تک کھانا پینا وغیرہ سب جائز فرما دیا۔ (ابن کثیر، معارف)

فدیہ کی مقدار:

ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گندم یا اس کی قیمت ہے مروجہ وزن کے اعتبار سے نصف صاع ایک کلو، ۵۷۵ گرام، اور ۱۴۰ ملی گرام، یعنی نصف صاع ایک کلو پانچ سو پچھتر گرام اور ایک سو چالیس ملی گرام کے مساوی ہوتا ہے۔ (امداد الاوزان) اس کی بازاری قیمت معلوم کر کے کسی مستحق کو مال کا نہ طور پر دیدینا ایک روزہ کا فدیہ ہے۔

مَسْئَلَةٌ: ایک روزہ کے فدیہ کو دو آدمیوں میں تقسیم کرنا یا چند روزوں کے فدیہ کو ایک ہی شخص کو ایک تاریخ میں دینا درست نہیں، جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحر قنیہ سے نقل کیا ہے، امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے فتویٰ اس پر نقل کیا ہے کہ مذکورہ دونوں صورتیں جائز ہیں، شامی نے بھی فتویٰ اسی پر نقل کیا ہے، البتہ امداد الفتاویٰ میں ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ کئی روزوں کا

فدیہ ایک تاریخ میں ایک ہی شخص کو نہ دے، لیکن دینے کی گنجائش بھی ہے۔

مَسْئَلَةٌ: اگر کسی کو فدیہ دینے کی بھی وسعت نہ ہو تو وہ استغفار کرے اور دل میں ادا کرنے کی نیت رکھے۔ (معارف)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ رَمَضَانَ میں نزول قرآن کا یہ مطلب نہیں کہ مکمل قرآن کسی ایک رمضان میں نازل کیا گیا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ رمضان کی شب قدر میں لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کیا گیا، اور وہاں بیت العزۃ میں رکھ دیا گیا، وہاں سے حسب ضرورت ۲۳ سالوں میں اترتا رہا۔ (ابن کثیر)

قرآن کے رمضان میں نازل ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ قرآن کے نزول کی ابتداء ماہ رمضان میں ہوئی اور سب سے پہلی قرآنی وحی سورہ علق کی ابتدائی آیتیں غار حراء میں اسی ماہ رمضان میں یکم سن نبوی ۶۰۹ عیسوی میں نازل ہوئی۔

سفر کی حالت میں روزہ رکھنا یا نہ رکھنا آدمی کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا گیا ہے نبی ﷺ کے ساتھ جو صحابہ سفر میں جایا کرتے تھے ان میں سے کوئی روزہ رکھتا تھا اور کوئی نہ رکھتا تھا، اور دونوں گروہوں میں سے کوئی دوسرے پر اعتراض نہ کرتا تھا، خود آنحضرت ﷺ نے بھی کبھی سفر میں روزہ رکھا ہے اور کبھی نہیں رکھا، ایک سفر کے موقع پر ایک شخص بد حال ہو کر گر گیا اور اس کے گرد لوگ جمع ہو گئے، نبی ﷺ نے یہ حال دیکھ کر دریافت فرمایا: کیا معاملہ ہے؟ عرض کیا گیا روزہ سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ نیکی نہیں ہے، جنگ کے موقع پر تو آپ ﷺ حکماً روزہ سے روک دیا کرتے تھے تاکہ دشمن سے لڑنے میں کمزوری لاحق نہ ہو، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ دو مرتبہ رمضان میں جنگ پر گئے، پہلی مرتبہ جنگ بدر میں اور دوسری مرتبہ فتح مکہ کے موقع پر اور دونوں مرتبہ ہم نے روزے نہیں رکھے۔

حالت سفر میں روزہ افضل ہے یا افطار:

حدیث نبوی سے ترجیح حالت سفر میں افطار کو معلوم ہوتی ہے، بلکہ بعض صورتوں میں تو ایسے لگتا ہے جیسے روزہ رکھنا مسافر کے لئے ایک جرم ہے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

”فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ ماہ رمضان میں مکہ کی طرف چلے اور روزہ رکھا، یہاں تک کہ مقام کراع النعمیم پہنچ گئے، لوگ روزہ سے تھے تو آپ نے پانی کا پیالہ منگایا اور اس کو اوپر اٹھایا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے دیکھ لیا اس کے بعد آپ ﷺ نے پانی نوش فرمایا پھر آپ کو اطلاع ملی کہ بعض لوگ اب بھی روزہ سے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ گنہگار ہیں گنہگار ہیں۔“

(مسلم و ترمذی)

اس سے ملتی جلتی ایک حدیث بخاری و مسلم اور مؤطا وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں تو یہاں تک ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ: صائم رمضان في السفر كالْمُفْطِر في الحضر. (ابن ماجہ)

”سفر میں روزہ رکھنے والا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گھر میں بیٹھنے والا روزہ نہ رکھے۔“

بحیثیت مجموعی مسافر کے لئے بھی مریض کی طرح حکم شریعت یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر بلا زحمت معتد بہ ممکن ہو تو روزہ رکھ ہی لیا جائے، اگر زحمت اور تعب معتد بہ ہو تو قضا کر دینا جائز ہے، اور اگر نوبت ہلاکت کی آجائے تو ترکِ صوم واجب ہو جائے گا۔
(ماجدی)

باقی اختلاف مذاق و مسلک اس باب میں شروع سے چلا آ رہا ہے، صوم و افطار دونوں کے مسافر کے لئے جواز کے تو سب قائل ہیں، اختلاف جو کچھ ہے وہ اس میں ہے کہ افضل کونسا پہلو ہے؟ سو بعض صحابہ اور اکثر ائمہ فقہ افضلیتِ صوم کے قائل ہیں۔ اس کے مقابلہ میں بعض اجلہ صحابہ اور متعدد تابعین و فقہاء افضلیتِ افطار کی طرف گئے ہیں۔

وَ اختلفوا فی الافضل فذهب ابو حنیفۃ واصحابہ ومالك والشافعی رحمہم اللہ فی بعض ما روى عنہما
الی ان الصوم افضل وبہ قال من الصحابة عثمان بن ابی العاص الثقفی و انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

(بحر)
وذهب الآوزاعی واحمد واسحق رحمہم اللہ الی ان الفطر افضل وبہ قال من الصحابة ابن عمر وابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم ومن التابعین ابن المسيب والشعبی وعمر بن عبد العزيز ومجاهد وقتادة رحمہم اللہ
(بحر) نقل ذلك ابن عطية عن عمر وابنه عبد الله وعن ابن عباس ان الفطر في السفر عزيمة۔

أَحَلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصَّيَامِ الرَّفَثُ بِمَعْنَى الْإِفْتَاءِ إِلَى نِسَائِكُمْ بِالْجَمَاعِ نَزَلَ نَسْخًا لِمَا كَانَ فِي صَدْرِ
الْإِسْلَامِ بَيْنَ تَحْرِيمِهِ وَتَحْرِيمِ الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ بَعْدَ الْعِشَاءِ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ كُنَايَةٌ عَنْ
تَعَانِيهِمَا أَوْ احتِياج كُلِّ مِنْهُمَا إِلَى صَاحِبِهِ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ تَخُونُونَ أَنْفُسَكُمْ بِالْجَمَاعِ
لَيْلَةَ الصَّيَامِ وَقَعَ ذَلِكَ لِعُمَرِ وَغَيْرِهِ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ وَاعْتَذَرُوا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَتَابَ عَلَيْكُمْ قَبْلَ تَوْبَتِكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْآنَ إِذَا أَجَلَ لَكُمْ بِأَشْرُوهُنَّ جَابِعُوهُنَّ وَابْتَغُوا أَطْلُبُوا
مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ أَيْ أَبَاحَهُ بَيْنَ الْجَمَاعِ أَوْ قَدَرَهُ بَيْنَ الْوَلَدِ وَكُلُّوا وَأَشْرَبُوا اللَّيْلَ كُلَّ حَتَّى يَتَبَيَّنَ يَظْهَرُ
لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ أَيْ الصَّادِقِ بَيَانِ الْخَيْطِ الْأَبْيَضِ وَبَيَانِ الْأَسْوَدِ مَحْذُوفِ
أَيْ بَيْنَ اللَّيْلِ شُبَّةٍ مَا يَبْدُو مِنَ الْبَيَاضِ وَمَا يَمْتَدُّ مَعَهُ مِنَ الْغَبَشِ بِخَيْطَيْنِ أَبْيَضِ وَأَسْوَدِ فِي
الِاسْتِدَادِ ثُمَّ آتَمُوا الصَّيَامَ مِنَ الْفَجْرِ إِلَى اللَّيْلِ أَيْ إِلَى دُخُولِهِ بِغُرُوبِ الشَّمْسِ وَلَا تَبَاشَرُوهُنَّ أَيْ
نِسَائِكُمْ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ مُتَقِيمُونَ بِنِيَّةِ الْإِعْتِكَافِ فِي الْمَسْجِدِ مُتَعَلِّقٌ بِعَاكِفُونَ نَهَى لِمَنْ كَانَ يَخْرُجُ
وَبِهِ مُعْتَكِفٌ فَيُجَامِعُ امْرَأَتَهُ وَيَعُودُ تِلْكَ الْأَحْكَامُ الْمَذْكُورَةُ حُدُودُ اللَّهِ حَذِّبُوا لِعِبَادِهِ لِيَتَّقُوا عِنْدَهَا
فَلَا تَقْرُبُوهَا أَبْلَغُ مِنْ لَا تَعْتَدُوا بِهَا الْمُعْتَبَرُ بِهِ فِي آيَةٍ أُخْرَى كَذَلِكَ كَمَا بَيَّنَّ لَكُمْ مَا ذَكَرَ

يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۶﴾ نَحَارِدُ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُمُ أَي لَا يَأْكُلُ بَعْضُكُمْ مَالَ بَعْضٍ بِالْبَاطِلِ الْحَرَامِ شَرْعًا كَالسَّرِقَةِ وَالْغَصْبِ وَتَذَلُّوا تَلَقُّوا بِهَا أَي بِحُكُومَتِهَا أَوْ بِالْأَمْوَالِ رَشْوَةً إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا بِالتَّخَاكُمِ فَرِيقًا طَائِفَةٌ مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ مُتَلَبِّسِينَ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۷﴾ أَنْكُمْ تُبْطِلُونَ.

ترجمہ: اور حلال کر دیا گیا تمہارے لئے روزہ کی رات میں تمہاری عورتوں سے جماع کے طور پر بے حجاب ہونا یہ حکم ابتداء اسلام میں عورتوں سے جماع اور عشاء کے بعد کھانے پینے کی حرمت کو منسوخ کرنے کے لئے نازل ہوا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو، یہ کنایہ ہے باہمی معانقہ سے یا ایک دوسرے کا حاجت مند ہونے سے، اللہ کو معلوم ہے کہ تم روزہ کی رات جماع کر کے اپنے ہی ساتھ خیانت کر رہے ہو، یہ واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کو پیش آیا تھا، اور ان لوگوں نے آپ ﷺ سے معذرت چاہی، تو اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور تم سے درگزر کیا پس اب جب کہ تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے تو ان سے مباشرت کر سکتے ہو یا اس (اولاد) کو طلب کر سکتے ہو جو تمہارے لئے اللہ نے مقدر کر دی ہے یعنی جماع جائز کر دیا یا ولد مقدر کو طلب کرنا جائز کر دیا اور رات کے ہر حصہ میں کھاپی سکتے ہوتا اس کہ فجر یعنی صبح صادق کا سفید دھاگا کا لے دھاگے سے ممتاز ہو جائے (مِنَ الْفَجْرِ) الْخِيطُ الْاَبْيَضُ کا بیان ہے اور الاسود کا بیان محذوف ہے، (اور وہ من الليل ہے) ظاہر ہونے والی سفیدی کو اور اس تاریکی کو جو اس کے ساتھ امتد بتوتی ہے سفید اور سیاہ دو دھاگوں کے ساتھ درازی میں تشبیہ دی گئی ہے پھر صبح صادق سے رات تک روزہ پورا کرو، یعنی غروب شمس کے ساتھ رات داخل ہونے تک، اور اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرو جب کہ تم اعتکاف کی نیت سے مسجدوں میں مقیم ہو فی المساجد، عاکفون کے متعلق ہے، یہ ممانعت اس شخص کے لئے ہے جو (مسجد میں) معتکف ہونے کی وجہ سے مسجد سے نکل گیا ہو، اور اپنی بیوی سے مجامعت کر کے واپس آیا ہو، یہ مذکورہ احکام اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے مقرر فرمایا ہے، لہذا ان کے قریب بھی نہ جانا یہ تعبیر لا تعتدوها سے بلیغ تر ہے، جس کو دوسری آیت میں تعبیر کیا گیا ہے، اسی طرح جس طرح تمہارے لئے مذکورہ (احکام) بیان کئے گئے اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے تاکہ حرام کردہ چیزوں سے بچیں اور تم لوگ نہ تو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے کھاؤ یعنی باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ، یعنی اس طریقہ پر جو شرعاً حرام ہے مثلاً چوری، غصب، (وغیرہ) اور نہ پہنچاؤ مال کو یعنی مالی خصومت کو حکام کے پاس یعنی مالی نزاع کو حاکموں کے پاس یا مال کو بطور رشوت حکام کے پاس نہ پہنچاؤ تاکہ کھا جاؤ تم مرافعہ الی الحکام کر کے لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے ساتھ آلودہ کر کے جب کہ تم جانتے ہو کہ تم ناحق پر ہو۔

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: أَحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفْتُ، الرَّفْتُ وہ گفتگو جو مرد اور عورت کے درمیان جماع کے وقت ہوتی ہے اور دوسرے وقت ناپسند کی جاتی ہے، رَفْتُ اور جماع کے درمیان عموماً لزوم ہونے کی وجہ سے رَفْتُ بول کر جماع مراد لیا گیا ہے۔ (اعراب القرآن) رَفْتُ يَرْفُتُ (ن) رَفْتُاً، فُحْشاً باتیں کرنا۔

سُئِلَ: رَفْتُ کا صلہ فی یا باء آتا ہے، یہاں الی استعمال ہوا ہے؟

جواب: رَفْتُ چونکہ افضاء کے معنی کو مشتمل ہے لہذا صلہ الی لانا صحیح ہے، جیسا کہ مفسر علام نے اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُهُ: لَيْلَةَ الصِّيَامِ ظاہر تو یہی ہے کہ لَيْلَةَ، أَحِلَّ کی وجہ سے منصوب ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین نے یہی کہا ہے، مگر اس صورت میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ حلت تو اس وقت سے پہلے ہی ثابت تھی، اس ترکیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ حلت اسی وقت ہوئی۔

سُئِلَ: الرَّفْتُ جو کہ بعد میں مذکور ہے وہ لَيْلَةَ کا ناصب ہو سکتا ہے؟

جواب: الرَّفْتُ چونکہ مصدر عامل ضعیف ہے جو اپنے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا، اس لئے وہ عامل نہیں ہے، لہذا بہتر یہ ہے کہ لَيْلَةَ کا عامل محذوف مان لیا جائے، تقدیر عبارت یہ ہوگی أَنْ تَرَفُتُوا لَيْلَةَ الصِّيَامِ۔

قَوْلُهُ: تَخُونُونَ۔ تختانون کی تفسیر تخونون سے کر کے ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔

اشکال: تختانون باب افتعال سے ہے جو کہ لازم ہوتا ہے حالانکہ یہاں انفسکم کی جانب متعدی ہے۔

جواب: مفسر علام نے تختانون کی تفسیر تخونون سے کر کے اسی اشکال کا جواب دیا ہے، جواب کا ماحصل یہ ہے کہ افتعال مجرد کے معنی میں ہے اور باب افتعال کثرت خیانت کو ظاہر کرنے کے لئے اختیار کیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: وَكُلُوا وَاشْرَبُوا اس کا عطف باشروہن پر ہے۔

قَوْلُهُ: الْغَبَشِ شین اور باء کے فتح کے ساتھ بمعنی غلس بقیۃ اللیل یا آخر شب کی ظلمت۔

قَوْلُهُ: الِی دُخُولِهِ بغروب الشمس اس میں اشارہ ہے کہ غایت مغیا میں داخل نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: شُبَّهَ مَا يَبْدُو مِنَ الْبَيَاضِ وَمَا يَمْتَدُّ مَعَهُ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اشکال کا جواب ہے۔

اشکال: یہ ہے کہ صبح صادق کو محیط ابیض سے تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ یہ تشبیہ صبح کاذب سے زیادہ مشابہ ہے اس لئے کہ وہ دھاگے کی شکل میں نمودار ہوتی ہے نہ کہ صبح صادق۔ صبح صادق تو عرضاً پھیلی ہوئی ہوتی ہے، مذکورہ عبارت سے اسی اعتراض کا جواب دیا ہے۔

جواب: کا خلاصہ یہ ہے کہ صبح صادق جب ابتداء نمودار ہوتی ہے تو اس کا بالائی کنارہ محیط ابیض کے مشابہ ہوتا ہے، معلوم ہوا تشبیہ ابتداء نمودار ہونے والے کنارہ کے ساتھ ہے نہ کہ درمیان یا آخر کے ساتھ۔ فافہم۔

قَوْلُهُ: فَلَا تَقْرُبُوهَا أَبْلَغُ مِنْ لَا تَعْتَدُوهَا، هُوَ أَبْلَغُ الْخ سے دو اشکالوں کا جواب دینا مقصود ہے:

۱ پہلا اشکال:

جن احکام کے قریب نہ جانے کا حکم کیا جا رہا ہے ان میں سے بعض واجب ہیں اور بعض مباح اور بعض حرام تو ان سب کے لئے یہ کہنا کہ ان کے قریب بھی مت جانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

۲ دوسرا اشکال:

دوسری آیت میں وارد ہوا ہے تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کی حدود و احکام ہیں ان سے آگے نہ بڑھنا (تجاوز نہ کرنا) ان دونوں آیتوں کے مفہوم میں تضاد ہے، لہذا جمع و توفیق کی کیا صورت ہوگی؟

۱ پہلے اشکال کا جواب:

اللہ تعالیٰ نے احکام کو ان حدود کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو حق و باطل کے درمیان حاجز ہیں جو ان احکام پر عمل پیرا ہوگا وہ حق کا ادا کرنے والا ہوگا اور جو ان کی مخالفت کرے گا وہ باطل میں واقع ہوگا، لہذا ان کے قریب جانے سے منع فرمادیا تاکہ باطل کے قریب نہ جائے گویا کہ قربان حدود سے نہیں، قرب باطل سے نہیں ہے۔

۲ دوسرے اشکال کا جواب:

فَلَا تَقْرُبُوهَا اور لَا تَعْتَدُوهَا دونوں کا مقصد باطل کے قریب جانے سے منع کرنا ہے، لَا تَعْتَدُوهَا میں صراحت کے ساتھ منع کیا گیا ہے اور فَلَا تَقْرُبُوهَا میں بطور کنایہ منع کیا گیا ہے، اور قاعدہ مشہور ہے کہ الکناية ابلغ من التصريح۔
قَوْلُهُ: اِی لَا یَا کُلُّ بَعْضِکُمْ مَالِ بَعْضٍ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک شبہ کو دفع کرنا ہے۔
شبہ: وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اپنا مال باطل طریقہ سے نہ کھائے حالانکہ اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

جواب: یہ تقسیم جمع علی الجمع کے قبیل سے نہیں ہے جیسا کہ اِرْکَبُوا دَوَابَّکُمْ یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے گھوڑے پر سوار ہو جائے، بلکہ یہ لَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَکُمْ کے قبیل سے ہے، یعنی آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ، جیسا کہ بَيْنَکُمْ کے لفظ سے بھی اسی معنی کی تائید ہوتی ہے۔

قَوْلُهُ: وَلَا تُدْلُوا بِهَا، لَا کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ اس کا عطف لَا تَأْكُلُوا پر ہے، لہذا جس طرح لَا تَأْكُلُوا مجزوم بالجزم ہے اسی طرح تُدْلُوا بِهَا بھی مجزوم بالجزم ہے، فرق یہ ہے کہ یہاں جازم مقدر ہے اور وہاں ظاہر تُدْلُوا، اِدْلَاء سے ماخوذ ہے، اِدْلَاء کے معنی رسی کے ذریعہ کنوئیں میں ڈول لگانا، اب وسیلہ اور ذریعہ کے معنی کے لئے مستعار لے لیا گیا ہے، یعنی

حکام کے پاس مالی خصوصیات کو لیجا کر ناجائز طریقہ سے دوسروں کا مال کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ، اور بالاموالِ رشوة، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مال سے مالی رشوت مراد ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

شانِ نزول:

أَحِلَّ لَكُمْ، أُحِلَّ لَكُمْ کے لفظ سے معلوم ہوا کہ جو چیز اس آیت کے ذریعہ حلال کی گئی ہے وہ اس سے پہلے حرام تھی، بخاری وغیرہ میں بروایت براء بن عازب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ مذکور ہے کہ ابتداء میں جب رمضان کے روزے فرض کئے گئے تو افطار کے بعد کھانے پینے اور بیویوں سے اختلاط کی صرف اس وقت تک اجازت تھی جب تک سونہ جائے، سو جانے کے بعد یہ سب چیزیں حرام ہو جاتی تھیں، بعض صحابہ کرام رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُمْ کو اس میں مشکلات پیش آئیں۔

قیس بن صرمہ انصاری رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ دن بھر مزدوری کر کے گھر پہنچے تو گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا، بیوی نے کہا میں کہیں سے کچھ انتظام کر کے لاتی ہوں، جب وہ واپس آئیں تو دن بھر کی تکان کی وجہ سے قیس بن صرمہ کی آنکھ لگ گئی جب بیدار ہوئے تو کھانا حرام ہو چکا تھا اسی حالت میں اگلے روز کا روزہ رکھ لیا دو پہر کی وقت ضعف کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔ (ابن کثیر)

اسی طرح بعض صحابہ سونے کے بعد اپنی بیویوں کے ساتھ اختلاط میں مبتلا ہو کر پریشان ہو گئے اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کا بھی روایات میں مذکور ہے، ایک مرتبہ حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ رات دیر گئے آنحضرت ﷺ کے پاس سے گھر پہنچے تو اپنی بیوی سے ہم بستری کا ارادہ کیا، بیوی نے کہا میں سو چکی ہوں حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے کہا تم سو چکی ہو میں تو نہیں سویا، اور یہ کہہ کر ہم بستری کی، حضرت کعب رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کا بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا، حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے آنحضرت ﷺ سے اس کی معذرت چاہی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، خيط ابيض سے صبح صادق کا ابتداء نمودار ہونے والا کنارہ اور خيط الاسود سے ظلمت شب بطور استعارہ مراد ہیں مطلب یہ ہے کہ جب صبح صادق نمودار ہو جائے تو کھانا پینا بند کر دو۔

امام بخاری وغیرہ نے سہل بن سعد رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ جب ”وكلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود“ نازل ہوئی، تو بعض لوگوں کا یہ طریقہ کار تھا کہ وہ اپنے پیر میں سفید دھاگا اور کالا دھاگا باندھ لیتے تھے اور اس وقت تک کھاتے پیتے رہتے تھے جب تک کہ دونوں دھاگوں میں امتیاز نہ ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ”مِنَ الْفَجْرِ“ نازل فرمائی قرآن میں نازل ہونے والی یہ سب سے چھوٹی آیت ہے۔

یحییٰ بن عدی بن حاتم رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ سے روایت ہے کہ وہ اپنے تکیہ کے نیچے دوھاگے رکھ لیا کرتے تھے ایک سفید اور دوسرا

کالا اور ان دھاگوں کو دیکھتے رہتے اور کھاتے رہتے اس کا تذکرہ آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا: ”إِنَّ وَسَادَكَ لَعَرِيضٌ انَّمَا ذَلِكَ بِيَاضِ النَّهَارِ وَسَوَادِ اللَّيْلِ“ اور بخاری وغیرہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: إِنَّكَ لَعَرِيضُ الْقَفَا انَّمَا ذَلِكَ بِيَاضِ النَّهَارِ مِنْ سَوَادِ اللَّيْلِ یعنی تیرا تکیہ بڑا لمبا چوڑا ہے کہ اس میں بیاض نہار اور سواد لیل سما جاتی ہے، دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تم عریض القفا ہو۔ عریض القفا بیوقوف اور نا سمجھ کو کہا جاتا ہے، عام طور پر مشہور ہے کہ جس کی گدی عریض ہوتی ہے وہ بیوقوف ہوتا ہے۔

مَسْئَلَةٌ: اگر کوئی شخص صبح صادق کے ہونے نہ ہونے میں شک اور تذبذب کا شکار ہو تو اصل تو یہی ہے کہ کچھ کھانے پینے کا اقدام نہ کرے، مشکوک حالت میں صبح صادق کا یقین ہونے سے پہلے کسی نے کچھ کھا لیا تو گنہگار نہیں ہوگا لیکن بعد میں تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ اس وقت صبح صادق ہو چکی تھی تو قضا، لازم ہوگی، امام ہصاص کے بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جس شخص کی آنکھ دیر میں کھلی اور صبح صادق یقینی طور پر ہو چکی تھی ایسی صورت میں اگر کچھ کھائے گا تو گنہگار بھی ہوگا اور قضا بھی لازم ہوگی اور اگر مشکوک حالت میں کھائے گا تو گنہگار تو نہیں ہوگا مگر قضا واجب ہوگی۔

وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ، اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں اور قرآن و سنت کی اصطلاح میں خاص شرطوں کے ساتھ مسجد میں قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے لفظ المساجد کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہی ہو سکتا ہے فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ اعتکاف ایسی مسجد میں درست ہوگا جس میں پنجوقتہ نماز باجماعت ہوتی ہو۔

حالت اعتکاف میں رات کو بھی وطی جائز نہیں ہے، ایک دن کے اعتکاف میں سابق رات بھی شامل رہے گی احناف کے یہاں ایک شب و روز سے کم کا اعتکاف نہیں اور اس میں بھی روزہ شرط ہے۔

مَسْئَلَةٌ: اعتکاف کیلئے روزہ شرط ہے اور یہ کہ بلا ضرورت شرعی یا بشری مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (الآیة) تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناروا طریقہ سے مت کھاؤ اس آیت میں مال حرام سے اجتناب کی تاکید فرمائی گئی ہے اس سے پہلی آیت میں رزق حلال کھانے کی تاکید فرمائی تھی آیت شریفہ میں اکل کے معروف معنی، خوردن، ہی مراد نہیں ہیں بلکہ مطلقاً قبضہ کرنا اور استعمال کرنا مراد ہے۔

شان نزول:

ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ قیس بن عابس کی بیوی اور عبدان بن اشوع الحضرمی کے درمیان ایک زمین کے بارے میں جھگڑا تھا امرء القیس نے ارادہ کیا کہ قسم کھا کر معاملہ اپنی طرف کرا لے تو اس وقت وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم (الآیة) نازل ہوئی، مذکورہ آیت کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں، ایک مفہوم تو یہ ہے کہ حاکموں کو رشوت دے کر ناجائز فائدے اٹھانے کی کوشش نہ کرو۔

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جب تم خود جانتے ہو کہ مال دوسرے شخص کا ہے تو محض اس لئے کہ اس کے پاس اپنی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے یا اس بناء پر کہ تم اس کو کسی ایچ بیج یا چرب زبانی سے کھا سکتے ہو، اس کا مقدمہ عدالت میں نہ لے جاؤ، ہو سکتا ہے کہ حاکم عدالت روادِ مقدمہ کے لحاظ سے وہ مال تم کو دلادے مگر حاکم کا ایسا فیصلہ دراصل غلط بیانی اور غلط بنائی ہوئی روداد سے دھوکا کھانے کا نتیجہ ہوگا اس لئے عدالت سے اس کی ملکیت کا حق حاصل کر لینے کے باوجود حقیقت میں تم اس کے جائز مالک نہ بن جاؤ گے، عند اللہ وہ مال تمہارے لئے حرام ہی رہے گا، مفسر علام نے مذکورہ دونوں معانی کی طرف اشارہ کر دیا۔

حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے معاملہ کو زیادہ رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرے اور میں اس سے مطمئن ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں اگر فی الواقع وہ اس کا حق دار نہیں ہے تو اس کو لینا نہیں چاہئے کیونکہ اس صورت میں جو کچھ میں اس کو دوں گا وہ آگ کا ایک ٹکڑا ہوگا۔

يَسْأَلُونَكَ يَا مُحَمَّد عَنْ الْاَهْلَةِ جَمْعُ بِلَالٍ لَمْ تَبْدُوا دَقِيقَةً ثُمَّ تَزِيدُ حَتَّى تَمْتَلِي نُورًا ثُمَّ تَعُودُ كَمَا بَدَتْ وَلَا تَكُونُ عَلَى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ كَالشَّمْسِ قُلْ لَهُمْ هِيَ مَوَاقِيتُ جَمْعُ سَيَّاتٍ لِلنَّاسِ يَعْلَمُونَ بِهَا اَوْقَاتُ زُرْعِهِمْ وَمَتَاجِرِهِمْ وَعِدَدُ نَسَائِهِمْ وَصِيَابِهِمْ وَافْطَارِبِهِمْ وَالْحَجَّ عَطَفٌ عَلَى النَّاسِ اِي يُعْلَمُ بِهَا وَقْتُهُ فَلَوْ اسْتَمَرَّتْ عَلَى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ لَمْ يُعْرِفْ ذَلِكَ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا فِي الْاِحْرَامِ بَانَ تَنْقُبُوا فِيهَا نَقَبًا تَدْخُلُونَ مِنْهُ وَتَخْرُجُونَ وَتَتْرَكُوا الْبَابَ وَكَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ وَيَزْعُمُونَهُ بَرًّا وَلَكِنَّ الْبِرَّ اِي ذَا الْبِرِّ مَنْ اتَّقَى اللَّهَ بَتَرَكَ مُخَالَفَتِهِ وَاتَّوَا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا فِي الْاِحْرَامِ كَغَيْرِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾ تَفُوزُونَ وَلَمَّا صَدَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْبَيْتِ عَامَ الْحُذَيْبِيَّةِ وَصَالِحُ الْكُفَّارِ عَلَى أَنْ يَعُودَ الْعَامَ الْقَابِلَ وَيَخْلُوا لَهُ مَكَّةَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَتَجْمَعَ لِعُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَخَافُوا أَنْ لَا تَنْفَى قُرَيْشٌ وَيُقَاتِلُوهُمْ وَكَرِهَ الْمُسْلِمُونَ قِتَالَهُمْ فِي الْحَرَمِ وَالْإِحْرَامِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ نَزَلَ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اِي لِإِعْلَاءِ دِينِهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلَا تَعْتَدُوا عَلَيْهِمْ بِالْإِبْتِدَاءِ بِالْقِتَالِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۰﴾ الْمُتَجَاوِزِينَ مَا حُدَّ لَهُمْ وَبِذَا مَنْسُوخُ بَايَةِ بَرَاءَةٍ أَوْ بِقَوْلِهِ وَقَاتِلُوهُمْ حَيْثُ تَقِفْتُمُوهُمْ وَجِدْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ اِي مِنْ مَكَّةَ وَقَدْ فُعِلَ بِهِمْ ذَلِكَ عَامَ الْفَتْحِ وَالْفِتْنَةِ الشَّرْكَ مِنْهُمْ أَشَدُّ اغْظَمُ مِنَ الْقَتْلِ لَهُمْ فِي الْحَرَمِ وَالْإِحْرَامِ الَّذِي اسْتَغْظَمْتُمُوهُ وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِي فِي الْحَرَمِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فِيهِ فَاقْتُلُوهُمْ فِيهِ وَفِي قِرَاءَةِ بَلَا الْبِ فِي الْأَفْعَالِ الثَّلَاثَةُ كَذَلِكَ الْقَتْلُ وَالْأَخْرَاجُ جَزَاءُ الْكُفْرَيْنِ ﴿۱۹۱﴾ فَإِنْ انْتَهَوْا

عن الكفر واسلموا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹۲﴾ بِهِم وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ تُجِدَ فِتْنَةً شَرِكٌ
وَيَكُونَ الدِّينُ الْعِبَادَةُ لِلَّهِ وَحْدَهُ لَا يُعْبَدُ سِوَاهُ فَإِنْ أَنْتَهُوا عَنِ الشَّرِكِ فَلَا تَعْتَدُوا عَلَيْهِمْ دَلٌّ
عَلَىٰ بَذَا فَلَا عُذْوَانَ اغْتِدَاءَ بِقَتْلِ أَوْ غَيْرِهِ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۹۳﴾ وَمَنْ أَنْتَهَىٰ فَلَيْسَ بِظَالِمٍ فَلَا عُذْوَانَ
عَلَيْهِ الشَّهْرُ الْحَرَامُ الْمُحَرَّمُ مُقَابِلَ الشَّهْرِ الْحَرَامِ فَكَمَا قَاتَلُوكُمْ فِيهِ فَأَقْتُلُوهُمْ فِي مِثْلِهِ رَدًّا لِمَا اسْتَغْطَامَ
الْمُسْلِمِينَ ذَلِكَ وَالْحُرْمَةُ جَمْعُ حُرْمَةٍ مَا يَجِبُ احْتِرَامُهُ قِصَاصٌ أَيْ يُقْتَصَرُ بِمِثْلِهَا إِذَا أَنْتَهَكْتَ
فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ بِالْقِتَالِ فِي الْحَرَمِ أَوْ الْأَحْرَامِ وَالشَّهْرِ الْحَرَامِ فَأَعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ
سُمِّيَ مُقَابَلَتُهُ اغْتِدَاءً لِشِبْهِهَا بِالْمُقَابِلِ بِهِ فِي الصُّورَةِ وَاتَّقُوا اللَّهَ فِي الْإِنْتِهَارِ وَتَرْكِ الْإِعْتِدَاءِ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۴﴾ بِالْعَوْنِ وَالنَّصْرِ.

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ سے چاند کی حالتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ باریک کیوں نمودار ہوتا ہے؟ (یعنی جب نمودار ہوتا ہے تو بالائیک ہوتا ہے) پھر بڑھتا ہے، یہاں تک کہ پُر نور ہو جاتا ہے، پھر (اپنی سابقہ حالت کی طرف) عود کرتا ہے (یعنی گھٹنا شروع ہو جاتا ہے) اور ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا نمودار ہوا تھا، اور سورج کے مانند ایک حالت پر نہیں رہتا، آپ ان سے کہتے یہ لوگوں کے لئے اوقات معلوم کرنے کا ذریعہ ہے موافقت میقات کی جمع ہے، یعنی لوگ ان کے ذریعہ اپنی کھیتی اور تجارت کے اوقات معلوم کرتے ہیں، اور اپنی عورتوں کی عدت اور اپنے روزوں (رمضان) اور افطار (شوال) کے اوقات معلوم کرتے ہیں اور حج کے لئے (شناختِ وقت کا آلہ ہے) اس کا غطف النَّاسِ پر ہے یعنی چاند کے ذریعہ حج کا وقت معلوم کرتے ہیں اگر (چاند) ایک ہی حالت پر رہتا تو یہ باتیں معلوم نہ ہو سکتیں، اور حالت احرام میں گھروں کے پیچھے سے آنا کوئی نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں (کی دیواروں) میں نقب لگاؤ، تاکہ تم اس نقب سے داخل ہو اور نکلو، اور دروازہ (سے نکلتا) چھوڑ دو (مشرکین عرب) ایسا کرتے تھے، اور اس کو نیکی سمجھتے تھے بلکہ نیکی یعنی نیک وہ ہے جو اللہ کی مخالفت کو ترک کر کے اللہ سے ڈرا، حالت احرام میں بھی بغیر حالت احرام کے مانند گھروں کے دروازوں سے آیا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ اور جب رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ کے سال بیت اللہ سے روک دیا گیا اور کفار نے اس بات پر صلح کی کہ (آپ ﷺ) آئندہ سال آئیں گے، اور وہ (مشرکین) ان کے لئے تین دن کے لئے مکہ خالی کر دیں گے اور آپ ﷺ نے عمرۃ القضاء کے لئے تیاری فرمائی، اور مسلمانوں کو اس بات کا اندیشہ تھا کہ (کہیں ایسا نہ ہو کہ قریش اپنے عہد) کی پابندی نہ کریں اور مسلمانوں سے جنگ کریں اور مسلمان ان سے حرم میں اور (حالت) احرام میں اور شہر حرام میں قتال کرنا ناپسند کریں، اور قتال کرو اللہ کی راہ میں ان کافروں سے جو تم سے قتال کریں، اس کے دین کے بلند کرنے کے لئے اور لڑائی کی ابتداء کر کے ان پر ظلم نہ کرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ مقررہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور یہ حکم سورۃ براءت کی آیت یا اللہ کے قول "واقتلوہم

حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ“ سے منسوخ ہے یعنی جہاں تم ان کو پاؤ وہیں قتل کرو اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا یعنی مکہ سے، اور فتح مکہ کے سال ان کے ساتھ ایسا ہی کیا گیا، اور فتنہ یعنی ان کا شرک قتل سے زیادہ شدید ہے ان کو حرم میں حالت احرام میں قتل کرنے سے جس کو تم عظیم سمجھتے ہو، اور مسجد حرام کے پاس یعنی حرم میں ان سے قتال نہ کرو تا آن کہ وہ خود تم سے اس میں قتال نہ کریں پس اگر وہ حرم میں تم سے قتال کریں تو تم بھی حرم میں ان سے قتال کرو اور ایک قراءت میں تینوں افعال بغیر الف کے ہیں، یہی قتل اور جلا وطنی ایسے کافروں کی سزا ہے، پس اگر وہ کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والا ہے تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ شرک باقی نہ رہے اور عبادت اللہ وحدہ کی ہونے لگے اور اس کے سوا کسی کی بندگی نہ ہو، پس اگر وہ شرک سے باز آجائیں تو ان پر تم زیادتی نہ کرو، اس حذف جزاء پر فَلَا عُذْوَانَ، دلالت کر رہا ہے تو قتل وغیرہ کے ذریعہ زیادتی ظالموں کے علاوہ پر جائز نہیں اور جو باز آ گیا وہ ظالم نہیں، لہذا اس پر زیادتی بھی نہیں ہونی چاہئے، ماہ محترم عوض ہے ماہ محترم کا لہذا جس طرح انہوں نے اس میں تم سے قتال کیا تو تم بھی اس جیسے مہینہ میں قتال کرو اور یہ مسلمانوں کے اس مہینہ کو با عظمت سمجھنے کا رد ہے، اور احترام میں برابری ہے، حُرُمَاتُ حَرَمَةِ کی جمع ہے، جس کا احترام واجب ہو اور احترام کا لحاظ برابری کے ساتھ ہوگا، یعنی اگر بے حرمتی کی جائے تو اس کے مثل بدلہ لیا جائے گا لہذا حرم میں یا احرام میں یا ماہ محرم میں قتال کے ذریعہ جو شخص تمہارے اوپر ظلم کرے تو تم بھی اس پر اتنا ہی ظلم کر سکتے ہو جتنا اس نے تم پر کیا ہے ظلم کی جزاء کو ظلم مقابلہ کے طور پر کہا گیا ہے، صورتہ اس زیادتی کے اپنے مقابل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور اللہ سے ڈرتے رہو بدلہ لینے میں اور ترک زیادتی میں، اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ مدد اور نصرت کے ذریعہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

تَحْقِيقُ شُرُكِيَّةٍ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: جَمْعُ هِلَالٍ. اَهْلَةٌ، هِلَالٌ کی جمع ہے ہلال تیسری رات تک کے چاند کو کہتے ہیں، ہِلَالٌ کو ہِلَال، اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہِلَال کے معنی آواز بلند کرنے اور شور مچانے کے ہیں نئے چاند کو دیکھ کر اوگ شور مچاتے ہیں جیسا کہ ہمارے یہاں عید بقر اعیاد کا چاند دیکھ کر بچے بڑے شور مچاتے ہیں، اسی لئے اس کو ہِلَال کہا جاتا ہے۔

سُؤَالٌ: ہِلَال تو ایک ہی ہوتا ہے پھر اس کی جمع کیوں لائی گئی ہے؟

جَوَابٌ: یا تو اس لئے کہ روزانہ کا چاند اپنے ماقبل کے دن کے چاند سے مختلف ہوتا ہے تو گویا وہ سابق چاند کا غیر ہے اس لئے متعدد چاند ہو گئے جس پر جمع کا اطلاق کرنا درست ہے، یا ہر ماہ کا چاند الگ ہوتا ہے، اس اعتبار سے بھی متعدد چاند ہو گئے لہذا جمع کا اطلاق درست ہے۔

سُؤَالٌ: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاِهْلَةِ میں چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے مگر جواب میں اس کی حکمت اور فائدہ بیان کیا گیا ہے۔

جَوَابِ: جواب میں چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت بیان کر کے اس بات کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے کہ سائل کو چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حقیقت یا علت معلوم کرنے کے بجائے اس کی حکمتوں اور فائدوں کے بارے میں سوال کرنا چاہئے جو کہ ان کے کام کی اور فائدہ کی بات ہے۔ (کما فی المختصر النعمانی)

قَوْلًا: لِمَ تَبَدُّوا دَقِيقَةً یہ دوسرے جواب کی طرف اشارہ ہے اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت کے بارے میں ہی تھا سوال میں مضاف محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے کہ یَسْئَلُونَكَ عَنْ حِكْمَةِ الْاَهْلَةِ اس صورت میں جواب سوال کے مطابق ہوگا، فلا اعتراض، اس جواب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کو ابن جریر نے ابوالعالیہ سے روایت کیا ہے قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ، لِمَ خُلِقَتِ الْاَهْلَةُ، فَنَزَلَتْ يَسْئَلُونَكَ عَنْ الْاَهْلَةِ، یہ روایت چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت کے سوال کرنے کے بارے میں صریح ہے۔

قَوْلًا: جَمْعُ مِيقَاتٍ، مَوَاقِيتُ مِيقَاتِ اَسْمِ آلِهِ کی جمع ہے وقت پہچاننے کا آلہ۔

قَوْلًا: مَتَاجِرُهُمْ یہ مَتَجَر کی جمع ہے مصدر ہے نہ کہ ظرف زمان۔

قَوْلًا: عِدَّةٌ نِسَائِهِمْ عِدَّةٌ، عِدَّةٌ کی جمع ہے۔

قَوْلًا: عَطَفٌ عَلَى النَّاسِ، مفسر غلام کا اس اضافہ سے مقصد بعض لوگوں کے اس شبہ کو دور کرنا ہے کہ وَالْحَجُّ كَالْعَطْفِ مَوَاقِيتُ، پر ہے حالانکہ یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ مَوَاقِيتُ کا حمل اَهْلَةُ کی ضمیر ہی پر ہے ای اَلْاَهْلَةُ هِيَ الْمَوَاقِيتُ اگر الحج کا عطف مَوَاقِيتُ پر کر دیا جائے تو اس کا حمل بھی ہِیَ ضمیر پر ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی اَلْاَهْلَةُ هِيَ الْحَجُّ، حالانکہ یہ معنی درست نہیں ہیں۔

قَوْلًا: فِی الْاِحْرَامِ۔

سُؤَال: فِی الْاِحْرَامِ، کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے

جَوَابِ: دراصل فِی الْاِحْرَامِ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا، اور مَاسْبِقُ لِلنَّاسِ میں بظاہر کوئی جوڑ اور ربط نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جوڑ اور ربط ہے اور وہ یہ کہ مَوَاقِيتُ اوقات حج ہیں اور حالت احرام میں گھر کے پیچھے سے گھر میں داخل ہونا ان کے نزدیک افعال حج میں سے ہے لہذا ربط و تعلق ظاہر ہے۔

قَوْلًا: اِیْ ذَالِیْرِ اس کے بارے میں سوال و جواب سابق میں گذر چکا ہے ملاحظہ فرمایا جائے۔

قَوْلًا: بِاَیَةِ الْبَرَاءَةِ وَهِيَ فَاِذَا اَنْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ۔ (الآیۃ)

قَوْلًا: اِیْ فِی الْحَرَمِ۔ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی تفسیر ای فِی الْحَرَمِ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جزاء بول کر کل۔ یعنی مسجد حرام بول کر پورا حرام مراد ہے اس لئے کہ قتال صرف مسجد حرام ہی میں ممنوع نہیں ہے بلکہ پورے حرم میں ممنوع ہے۔

قَوْلًا: بلا الف فی الافعال الثلاث وھن افعال یہ ہیں، لا تَقْتُلُوْهُمْ، یَقْتُلُوْكُمْ، فان قتلوكم.

قَوْلًا: تَوْجَدُ، تَكُوْنُ کی تفسیر تَوْجَدُ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ کان تامہ ہے۔

قَوْلًا: سُمِیَ مَقَابِلَتَهُ الْخ سے ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: یہ ہے کہ ظالم سے اگر ظلم کا بدلہ لیا جائے تو اس کو ظلم نہیں کہا جاتا وہ تو اس کا حق ہے حالانکہ یہاں بدلہ لینے کو اعتداء سے تعبیر کیا گیا ہے۔

جَوَابُ: صُوْرَةُ یکساں ہونے کی وجہ سے جزاء اعتداء کو اعتداء سے تعبیر کر دیا گیا ہے یہ جزاء السیئة سیئة کے قبیل سے ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

شان نزول:

اَخْرَجَ ابْنُ ابِی حَاتِمٍ عَنْ ابِی الْعَالِیَةِ قَالَ: بَلَّغْنَا اِنَّهُمْ قَالُوا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَا خُلِقَتْ الْاَهْلَةُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی، یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهْلَةِ، لوگوں نے آپ ﷺ سے معلوم کیا کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا کس غرض سے ہے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، اس روایت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کا سوال چاند کے گھٹنے بڑھنے کی حکمت کے بارے میں تھا، لہذا اس کا جواب بھی قُلْ هِيَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ کے ذریعہ بیان حکمت سے دیا گیا لہذا، الجواب علی اسلوب الحکیم کے تکلف کی ضرورت باقی نہیں رہتی، اب رہی وہ روایت جو معاذ بن جبل رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے: ”مَا بَالُ الْهَلَالِ یَبْدُوْا دَقِیْقًا ثُمَّ یَزِیْدُ“ الخ تو اس کی سند ضعیف ہے، کمافی روح المعانی نیز اس کا بھی سوال عن الحکمت پر محمول کرنا ممکن ہے۔

قمری تاریخوں کا حکم اور اہمیت:

سورج اپنے تشکل کے اعتبار سے ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہتا ہے، گو مطالع اور مغارب اس کے بھی روزانہ بدلتے ہیں مگر اس کی شناخت ایک امر دقیق اور پیچیدہ ہے شمسی تاریخیں معلوم کرنے کے لئے تقویم (کیلنڈر) کے علاوہ کوئی صورت نہیں، اگر کوئی شخص شمسی تاریخ بھول جائے اور کسی ایسی جگہ ہو کہ جہاں (تقویم) کیلنڈر وغیرہ دستیاب نہ ہو اس کے لئے شمسی تاریخ معلوم کر لینا آسان نہ ہوگا، بخلاف چاند کے کہ روزانہ اس کے تشکلات بدلتے رہتے ہیں اس کے علاوہ ہر ماہ ایک ہی ضابطہ کے مطابق بدلتے ہیں اور اختلاف ایسا واضح ہوتا ہے کہ ہر کہ وہ خواندہ و ناخواندہ دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے اسی وجہ سے شریعت نے اصالة احکام و عبادات کا دار و مدار قمری تاریخوں پر رکھا ہے، بعض احکام میں تو قمری حساب کو لازم کر دیا کہ ان میں دوسرے حساب پر مدار جائز

ہی نہیں جیسے حج، روزہ رمضان، عیدین، زکوٰۃ و عدت طلاق وغیرہ، ان کے علاوہ معاملات میں اختیار ہے چاہے جس حساب سے معاملہ کریں شریعت نے مجبور نہیں کیا کہ قمری تاریخوں ہی سے حساب رکھیں۔

احکام شرعیہ کے علاوہ میں گو قمری حساب کے علاوہ کی اجازت ہے مگر چونکہ بوجہ خلاف ہونے وضع صحابہ و صالحین کے خلاف اولیٰ ضرور ہے، اور چونکہ بہت سے احکام شرعیہ کا مدار قمری حساب پر ہے اس لئے قمری تاریخوں کو محفوظ رکھنا یقیناً فرض علی الکفایہ ہے اور انضباط کا آسان طریقہ یہی ہے کہ اپنے روزمرہ کے معاملات میں قمری تاریخوں کا استعمال رکھا جائے۔

بدعت کی اصل بنیاد:

لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا، زمانہ جاہلیت میں جہاں اور بہت سے رسم و رواج رائج تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ احرام باندھنے کے بعد اگر کسی ضرورت سے گھر آنا ہوتا تو دروازہ سے داخل ہونے کے بجائے گھر کی پشت کی جانب سے دیوار میں نقب لگا کر یا دیوار پھاند کر داخل ہوتے اور اس کو کارِ ثواب سمجھتے اس آیت میں اسی بدعت کی تردید کی گئی ہے، اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس چیز کو شریعت اسلام ضروری یا عبادت نہ سمجھتی ہو اس کو اپنی طرف سے ضروری یا عبادت سمجھ لینا جائز نہیں، اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے، بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غیر ضروری چیز کو فرض اور واجب کی طرح سمجھ لیا جاتا ہے یا بعض جائز چیزوں کو حرام و ناجائز قرار دیا جاتا ہے اس آیت میں نہ صرف یہ کہ بے اصل اور بے بنیاد رسم کی تردید کی گئی ہے بلکہ تمام اوہام پر یہ کہہ کر ضرب لگائی گئی ہے کہ نیکی دراصل اللہ سے ڈرنے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنے کا نام ہے ان بے معنی رسموں کو نیکی سے کوئی واسطہ نہیں جو محض رسماً زمانہ قدیم سے آباء و اجداد کی تقلید میں چلی آرہی ہیں اور جن کا انسان کی سعادت و شقاوت، نحوست و سعادت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ ذِي الْقَعْدَةِ ۖ هُمْ فِيكُمْ وَهُمْ لَا يُفْقَهُونَ ۚ

روانہ ہوئے اس وقت تک مکہ مشرکین کے قبضہ میں تھا، ان لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو مکہ میں داخل ہونے سے حدیبیہ کے مقام پر روک دیا، آخر کار بڑی گفتگو کے بعد یہ معاہدہ قرار پایا کہ آئندہ سال آ کر عمرہ کریں چنانچہ ذی قعدہ ۶ھ میں قضائے عمرہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے لیکن آپ کے اصحاب کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں مشرکین مکہ عہد شکنی کر کے حملہ آور نہ ہوں تو ایسی حالت میں نہ سکوت مصلحت ہے اور اگر مقابلہ کیا جائے تو ماہ محترم میں قتال لازم آتا ہے اس لئے کہ ذی القعدہ چار محترم مہینوں میں سے ایک ہے وہ چار محترم مہینے یہ ہیں۔ ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم، رجب، مسلمان، اس گوگمو کی صورت حال سے پریشان تھے، تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیات نازل فرمائیں، کہ ان معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ معاہدہ کی رو سے تم اپنی جانب سے لڑائی کی ابتداء نہ کرو، لیکن اگر وہ لوگ عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو اس وقت تم کسی قسم کا اندیشہ نہ کرو اور بے تکلف تم بھی ان سے لڑو۔

اس آیت میں حکم یہ ہے کہ قتال صرف ان کافروں سے کریں جو مسلمانوں سے آمادہ قتال ہوں مطلب یہ ہے کہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں، مذہبی پیشواؤں جو دنیا سے یکسو ہو کر مذہبی شغل میں لگے ہوں مثلاً راہب پادری اسی طرح اپنا جہاد و معذور یا وہ لوگ جو کافروں کے یہاں محنت مزدوری کا کام کرتے ہوں جو کافروں کے ساتھ جنگ میں شریک نہیں ہوتے ایسے لوگوں کو جہاد میں قتل کرنا جائز نہیں، اس لئے آیت میں جہاد کا حکم ان لوگوں سے ہے جو مسلمانوں سے قتال کریں، اگر مذکورہ لوگوں میں سے کوئی شخص جنگ میں کافروں کی کسی طرح کی بھی مدد کریں تو ان کا قتل جائز ہے اس لئے کہ یہ لوگ ”الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ“ میں داخل ہیں۔ (مظہری، حصاص، معارف)

اسلام صرف ان ہی افراد کے مقابلہ میں قتال کا حکم دیتا ہے جو واقعی جنگ میں شریک ہوں غیر مقاتلین یا عام رعایا سے جنگ کا کوئی تعلق نہیں ہے آج کل عوام کے سروں پر بم برسادیئے پُر امن شہریوں پر ہوائی تاخت کرنے اور ان پر زہریلی گیس چھوڑنے بلکہ آگ لگانے والے نیپام بم گرانے کے مہذب ترین آئین سے اسلام کا حربی قانون بالکل نا آشنا ہے سینکڑوں کو نہیں بلکہ ہزاروں بے گناہوں کو چشم زدن میں موت کی نیند سلا دینے کے بعد صرف (سوری Sorry) کہہ دینا آج کل کی مہذب دنیا کو ہی زیب دیتا ہے اسلام کو نہیں۔

جہاد کا مقصد خون بہانا نہیں:

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ (الآیۃ) آیت کا منشا یہ ہے کہ بلاشبہ انسانی خون بہانا بہت برا فعل ہے لیکن جب کوئی جماعت یا گروہ زبردستی اپنا فکری استبداد دوسروں پر مسلط کرے اور لوگوں کو قبول حق سے بھروسہ کے اور اصلاح و تغیر کی جائز اور معقول کوششوں کا مقابلہ دلائل سے کرنے کے بجائے حیوانی طاقت سے کرنے لگے تو وہ قتل کی بہ نسبت زیادہ سخت برائی کا ارتکاب کرتا ہے ایسے گروہ کو بزور شمشیر راہ سے ہٹا دینا بالکل جائز ہے۔

مکی زندگی میں کافروں کے ذریعہ انتہائی اذیتیں برداشت کرنے کے باوجود مسلمانوں کو حکم تھا کہ غنودہ گزر سے کام لیں مکی زندگی میں کوئی دن ایسا نہیں آتا تھا کہ سورج اپنے طلوع کیساتھ مسلمانوں کے لئے کوئی نئی مصیبت لے کر نہ آتا ہو مگر مسلمانوں کو تاکید تھی کہ غنودہ گزر سے کام لیں، آیت کے عموم سے جو یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفار جہاں کہیں ہوں ان کو قتل کرنا جائز ہے اول تو یہ حکم حالت جنگ کا ہے دوسرے یہ کہ یہ آیت اپنے عموم پر نہیں ہے اس لئے کہ ایک تخصیص تو اگلے جملہ میں آرہی ہے ”وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ“۔

مَسْئَلہ: حرم میں انسان کیا کسی شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں، مگر اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر حرم میں کوئی شخص دوسرے کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی مدافعت میں قتل کرنا جائز ہے۔ (معارف)

فَإِنْ أَنْتَهُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ، یعنی تم جس خدا پر ایمان رکھتے ہو اس کی صفت یہ ہے کہ بدتر سے بدتر مجرم اور گنہگار کو

بھی معاف کر دیتا ہے جب کہ وہ اپنی باغیانہ روش سے باز آجائے یہی صفت تم اپنے اندر بھی پیدا کرو، تمہاری لڑائی انتقام کی پیاس بجھانے کے لئے نہ ہو بلکہ خدا کے دین کا راستہ صاف کرنے کے لئے ہو تمہاری لڑائی کسی گروہ یا جماعت سے اسی وقت تک ہونی چاہئے جب تک وہ راہِ خدا میں مزاحم ہو اور جب وہ اپنا رویہ چھوڑ دے تو تمہارا ہاتھ بھی اس پر نہ اٹھنا چاہئے۔

سابقہ آیت وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ میں جو مظلوم مسلمانوں کو قتال کی اجازت دی جا رہی ہے وہ اچانک اور بلا سبب نہیں بلکہ دو چار مہینہ نہیں پورے تیرہ سال مکہ میں ہر طرح کے شداہد بلکہ شقاوت، سفاکی، بہیمیت پر صبر کے امتحان میں پورے اترنے کے بعد دفاع کی اجازت مل رہی ہے، ابھی وطن سے بے وطن ہو کر مدینہ میں چین سے بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے، کہ جنگ بدر پیش آئی اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور مدینہ آنے کے بعد بھی مسلمانوں نے جو کچھ کیا صرف اپنے دفاع میں کیا، دنیا خواہ کچھ بھی کہے مگر حقیقت یہی ہے، خدا تربت ٹھنڈی کرے نو مسلم لارڈ ہیڈ لے کی کہ جس نے بات پتے کی کہی ہے، کہ تین ابتدائی اسلامی غزوات کے جغرافیائی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کرو کہ لڑائی کی ابتداء کس نے کی؟ اور حملہ آور کون تھا؟ اور حفاظت خود اختیاری میں کون لڑ رہا تھا مکہ کے جنگ جو، اہل فساد، یامدینہ کے صابر و شاکر مومنین؟

① غزوہ بدر، بدر مدینہ سے ۳۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

② غزوہ احد، احد مدینہ سے کل ۱۲ میل کے فاصلہ پر ہے۔

③ جنگ احزاب، اس میں تو محاصرہ خود مدینہ ہی کا ہوا۔

غرضیکہ مذکورہ غزوات میں ہر مرتبہ قریش مکہ یا ان کے حلیف مدینہ پر چڑھ کر آئے۔

وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ طَاعَتِهِ الْجِهَادِ وَغَيْرِهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى أَنْفُسِكُمْ وَالْبَاءُ زَائِدَةٌ إِلَى التَّهْلُكَةِ هِ الْهَلَاكِ بِالْإِمْسَاكِ عَنِ النَّفَقَةِ فِي الْجِهَادِ أَوْ تَرْكِهِ لِأَنَّهُ يَقْوَى الْعَدُوَّ عَلَيْكُمْ وَأَحْسِنُوا بِالنَّفَقَةِ وَغَيْرِهَا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ ائْتُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ أَذْوَ بَمَا يَخْتَوِقُهُمَا فَإِنْ أَضْرَّتُمْ مِنْهُ عَنْ إِتْمَامِهَا بَعْدُوا أَوْ نَحْوَهُ فَمَا اسْتَيْسَرَ نَتِيسَرُ مِنَ الْهَدْيِ عَلَيْكُمْ وَبِوَشَاةٍ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ أَيْ لَا تَحْلِقُوا حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ الْمَذْكُورَ مَحَلَّهُ حَيْثُ يَحْلُ ذَبْحُهُ وَبِوَشَاةٍ مَكَانُ الْإِحْصَارِ بِنَدِ الشَّافِعِيِّ فَيُذْبَحُ فِيهِ بَنِيَّةُ التَّحْلُلِ وَيُفَرَّقُ عَلَى مَسَاكِينِهِ وَيُحْلَقُ وَبِهِ يَخْضَلُ التَّحْلُلُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ كَقَمَلٍ وَضِدَاعٍ فَحَلَقَ فِي الْأَحْرَامِ فَفِدْيَةٌ عَلَيْهِ مِنْ صِيَامٍ لثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَوْ صَدَقَةٍ لثَلَاثَةِ أَصْعٍ مِنْ غَالِبِ قُوَّةِ الْبَلَدِ عَلَى سِتَّةِ مَسَاكِينَ أَوْ سُلْكٍ أَيْ ذَبْحِ شَاةٍ وَأَوْ لِثَلَاثَةِ خَيْرٍ وَالْحَقُّ بِهِ مَنْ خَلَقَ بَغَيْرِ عَذْرِ لَأَنَّهُ أَوْلَى بِالْكَفَّارَةِ وَكَذَا مَنْ اسْتَمْتَعَ بِغَيْرِ الْحَلْقِ كَالْطَّنْبِ وَالنَّبَسِ وَالذَّبَنِ لِعَذْرِ أَوْ غَيْرِهِ فَإِذَا أَمِنْتُمْ الْعَدُوَّ بَانَ ذَنْبُ أَوْ لَمْ يَكُنْ فَمَنْ تَمَتَّعَ اسْتَمْتَعَ بِالْعُمْرَةِ أَيْ بِسَبَبِ فَرَاغِهِ مِنْهَا وَالتَّحْلُلُ عَنْهَا بِمَحْظُورَاتِ الْأَحْرَامِ إِلَى الْحَجِّ أَيْ الْأَحْرَامِ بِهِ بَانَ يَكُونُ أَحْرَمَ بِهَا فِي أَشْهُرِهِ فَمَا اسْتَيْسَرَ نَتِيسَرُ مِنَ الْهَدْيِ عَلَيْهِ وَبِوَشَاةٍ يَذْبَحُهَا بَعْدَ

الإِحْرَامُ بِهِ وَالْأَفْضَلُ يَوْمُ النَحْرِ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ الْهَدْيَ لِنَفْسِهِ أَوْ فَقِدَ ثَمَنَهُ فَصِيَامُ أَيِّ فَعْلِيٍّ صِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ أَيُّ فِي حَالِ إِحْرَامِهِ فَيَجِبُ حِينَئِذٍ أَنْ يُحْرِمَ قَبْلَ السَّابِعِ مِنْ ذِي الْحِجَّةِ وَالْأَفْضَلُ قَبْلَ السَّادِسِ الْكَرَابَةِ صَوْمِ يَوْمِ عَرَفَةَ لِلْحَاجِّ وَلَا يَجُوزُ صَوْمُهَا أَيَّامَ التَّشْرِيقِ عَلَى أَصَحِّ قَوْلِي الشَّافِعِيِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَى وَطَنِكُمْ مَكَّةَ أَوْ غَيْرِهَا وَقِيلَ إِذَا فَرَّغْتُمْ مِنْ أَعْمَالِ الْحَجِّ وَفِيهِ التَّنَادُّ عَنْ الْغَنَةِ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ جُمْلَةٌ تَأْكِيدٌ لِمَا قَبْلَهَا ذَلِكَ الْحُكْمُ الْمَذْكُورُ مِنْ وَجُوبِ الْهَدْيِ أَوْ الصِّيَامِ عَلَى مَنْ تَمَتَّعَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بَأَنْ لَمْ يَكُونُوا عَلَى مَرَحَلَتَيْنِ مِنَ الْحَرَمِ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ فَإِنْ كَانَ فَلَا ذَمَّ عَلَيْهِ وَلَا صِيَامَ وَإِنْ تَمَتَّعَ وَفِي ذِكْرِ الْأَبْلِ إِشْعَارًا بِاشْتِرَاطِ الْإِسْتِيطَانِ فَلَوْ أَقَامَ قَبْلَ أَشْهُرِ الْحَجِّ وَلَمْ يَسْتَوْطِنِ وَتَمَتَّعَ فَعَلِيهِ ذَلِكَ وَبِهِ أَخَذَ الْوُجْهَيْنِ عِنْدَنَا وَالثَّانِي لَا وَالْأَبْلُ كِنَايَةٌ عَنِ النَّفْسِ وَالْحَقُّ بِالْمُتَمَتِّعِ فِيمَا ذَكَرَ بِالسُّنَّةِ الْقَارِنِ وَلَبَّوْا مَنْ يُحْرِمُ بِالْعُمْرَةِ وَالْحَجِّ مَعًا أَوْ يَدْخُلُ الْحَجَّ عَلَيْهَا قَبْلَ الطَّوَافِ وَاتَّقُوا اللَّهَ فِيمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ وَيَنْهَيْكُمْ عَنْهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ لَمَنْ خَالَفَهُ.

تَرْجُمَہ: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو (یعنی) اس کی طاعت میں کہ وہ جہاد وغیرہ ہے اور تم جہاد میں خرچ کرنے سے بخل کر کے اور جہاد ترک کر کے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اس لئے کہ یہ (بخل و ترک) دشمن کو تم پر جبری کر دے گا (بایدی) میں باء زائدہ ہے (راہ خدا میں) خرچ وغیرہ کے ذریعہ نیکیاں کرو، اللہ تعالیٰ نیکیاں کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے یعنی ان کو اجر عطا کرتا ہے اور حج و عمرہ اللہ کے لئے پورے کرو، یعنی دونوں کو ان کے حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرو، پس اگر حج و عمرہ سے (یعنی) ان کے پورا کرنے سے دشمن یا اسی جیسی کسی اور چیز کے ذریعہ تم کو روک دیا جائے تو جو ہدی (قربانی کا جانور) تم کو میسر ہو اور وہ بکری ہے اور اپنے سروں کا حلق نہ کراؤ یعنی حلال نہ ہو تا وقتیکہ ہدی مذکور اپنی جگہ نہ پہنچ جائے جہاں اس کا ذبح کرنا جائز ہے اور وہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احصار کی جگہ ہے، لہذا حلال ہونے کی نیت سے اسی جگہ (ہدی) ذبح کر دی جائے اور اس مقام کے مساکین پر (گوشت) تقسیم کر دیا جائے، اور حلق کر لیا جائے، اس سے جلت حاصل ہو جائے گی، مگر جو شخص تم میں کا مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو مثلاً جوں یا سر کا درد تو وہ حالت احرام میں حلق کر سکتا ہے، تو اس پر فدیہ واجب ہے اور وہ تین دن کے روزے ہیں یا تین صاع کو مقامی عمومی خوراک سے چھ مسکینوں پر صدقہ کرنا ہے یا قربانی کرنا ہے یعنی بکری ذبح کرنا، اور او تخیر کے لئے ہے اور اسی حکم میں وہ شخص بھی شامل ہوگا جس نے بغیر کسی عذر کے حلق کر لیا ہو اس لئے کہ کفارہ کے وجوب کے لئے یہ زیادہ لائق ہے یہی حکم اس شخص کا بھی ہے جس نے حلق کے علاوہ کچھ اور استفادہ کیا مثلاً خوشبو لگائی یا تیل لگایا عذر کی وجہ سے ہو یا بغیر عذر کے، پھر جب تم دشمن سے مامون ہو جاؤ یا اس طور کہ دشمن چلا گیا یا تھا ہی نہیں، تو جس شخص نے تم میں سے عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر احرام کی ممنوعات سے حج کے مہینوں میں عمرہ کا احرام باندھ کر فائدہ اٹھایا اس کے عمرہ

سے فارغ ہونے اور اس سے حلال ہونے کی وجہ سے تو اس پر جو میسر آئے قربانی واجب ہے اور وہ ایک بکری ہے کہ حج کا احرام باندھنے کے بعد ذبح کرے، اور افضل یوم نحر ہے تو جس کو ہدی میسر نہ ہو، ہدی کے دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے یا اس کی قیمت نہ ہونے کی وجہ سے تو اس پر تین روزے ہیں ایام حج میں یعنی حج کے احرام کی حالت میں، تو ضروری ہے کہ ساتویں ذی الحجہ سے پہلے (حج) کا احرام باندھے اور افضل چھٹی ذی الحجہ سے پہلے ہے یوم نحر میں حاجی کے لئے روزہ مکروہ ہے اور ایام تشریق میں امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے صحیح ترین قول کے مطابق روزہ جائز نہیں ہے اور سات روزے اس وقت جب کہ اپنے وطن واپس ہو وطن مکہ ہو یا غیر مکہ، اور کہا گیا ہے کہ جب تم ارکان حج سے فارغ ہو جاؤ اس میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے یہ دس روزے پورے ہیں یہ جملہ اپنے ماقبل کی تاکید ہے قربانی یا روزوں کے وجوب کا مذکورہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو حج تمتع کرے یا یہ رعایت ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر بار مسجد کے قریب نہ ہوں اس طرح کہ حرم سے دو مرحلوں سے کم نہ ہو، یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک ہے اور اگر دو مرحلوں سے کم ہے تو اس پر نہ دم ہے نہ روزہ اگرچہ حج تمتع کرے اور اہل کے ذکر کرنے میں وطن بنانے کی شرط کی طرف اشارہ ہے اور تمتع کی نیت کی، تو اس پر مذکورہ چیز (یعنی قربانی) واجب ہے اور یہ ہمارے (یعنی شوافع) کے نزدیک ہے اور تمتع کے ساتھ مذکورہ احکام میں حدیث کی وجہ سے قارن کو بھی ملا لیا گیا ہے اور قارن وہ ہے جو حج و عمرہ کا احرام ایک ساتھ باندھے، یا حج کو عمرہ پر داخل کر دے طوافِ عمرہ کرنے سے پہلے (یعنی عمرہ کا طواف شروع کرنے سے پہلے حج کا احرام باندھ لے) اور ان چیزوں میں اللہ سے ڈرتے رہو جن کا تم کو حکم دیتے ہیں اور جن سے منع کرتے ہیں اور خوب سمجھو کہ اللہ تعالیٰ اس کا خلاف کرنے والے کو سخت سزا دینے والا ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيكِ تَسْبِيلٍ وَ تَفْسِيرِي فَوَائِدٍ

قَوْلُهُ: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ، لَا تُلْقُوا، الْقَاءُ (افعال) سے صیغہ نہیں جمع مذکر حاضر، تم نہ ڈالو۔

سُؤَالٌ: الْقَاءُ متعدی بنفسہ ہے حالانکہ یہاں اِلٰی کے ساتھ تعدیہ کیا گیا ہے۔

جَوَابٌ: الْقَاءُ انتباء کے معنی کو متضمن ہے لہذا تعدیہ بالی جائز ہے۔

قَوْلُهُ: تَهْلُكَةُ، (ض) یہ خلاف قیاس نادریں میں سے ہے، ہلاکت میں ڈالنا، قاموس میں لام مثلث کے ساتھ لکھا ہے التَّهْلُكَةُ چونکہ مصادر نادرہ میں سے ہے، اس لئے الْهَلَاكُ، مصدر مشہور ہے اس کی وضاحت کر دی۔

قَوْلُهُ: بِالنَّفَقَةِ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے، أَحْسِنُوا. تَفَضَّلُوا کے معنی میں ہے جو کہ متعدی بالباء ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: بِالنَّفَقَةِ، کو مابقی سے مربوط کرنے کے لئے لایا گیا ہے اس لئے تَهْلُكَةُ، کی تفسیر اَمْسَاكُ عَنِ النَّفَقَةِ سے کی ہے

تو یہاں احسان کی تفسیر انفاق فی سبیل اللہ سے کرنا ہی مناسب ہے تاکہ دونوں میں ربط پیدا ہو جائے۔

قَوْلُهُ: اِیْ یُثِیْبُهُمْ، یُحِبُّ کی تفسیر یثیب سے تفسیر باللازم ہے اس لئے کہ حُب کے معنی: یلان القلب کے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں متصور نہیں ہے یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ رحمت کی تفسیر احسان سے کرتے ہیں ورنہ تو رحمت کے معنی رقة القلب کے ہیں جو ذات باری میں متصور نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: اَدُوْهُمْمَا، اس سے حج و عمرہ دونوں کے وجوب کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک دونوں واجب ہیں اور اگر لفظ اَتَمُّوْا، کو ظاہری معنی پر ہی رکھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ شروع کرنے کے بعد ان کو پورا کرنا واجب ہے اس لئے کہ احناف کے نزدیک نقلی عبادت شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے۔

قَوْلُهُ: بَعْدُوْا یہ امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اور امام مالک رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے قول کے مطابق ہے اس لئے کہ ان حضرات کے یہاں احصار دشمنی کے ذریعہ صحیح ہے بخلاف احناف کے کہ دشمن کے علاوہ مرض وغیرہ سے بھی احصار درست ہے۔

قَوْلُهُ: عَلَیْکُمْ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ فَمَا اسْتِیْسَرَ مِنَ الْهَدٰی، جواب شرط ہے حالانکہ یہ جملہ تامہ نہیں ہے اور جواب شرط کے لئے جملہ ہونا شرط ہے۔

جَوَاب: عَلَیْکُمْ، محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ ما مبتداء کی خبر محذوف ہے تاکہ مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ ہو کر شرط کی جزاء واقع ہو سکے تقدیر عبارت یہ ہے فَعَلَیْکُمْ مَا اسْتِیْسَرَ تَمَّ۔

قَوْلُهُ: فَفِدِیَّةٌ، فِدِیَّةٌ، مبتداء ہے اور عَلَیْهِ اس کی خبر محذوف ہے۔

قَوْلُهُ: مِنْ صِیَامٍ یہ محذوف سے متعلق ہو کر فدیہ کی صفت ہے اِیْ فِدِیَّةٌ تَکَاثُرَتْ مِنْ صِیَامٍ۔

قَوْلُهُ: بَاَنَّ ذَهَبَ اَوْ لَمْ یَکُن اس عبارت کے اضافہ کا مقصد، اَمِنْتُمْ کے دونوں معنی کی طرف اشارہ کرنا ہے اَمِنْتُمْ، یا

تَوَ اَمِنْتُمْ سے مشتق ہے اس کے معنی زوال خوف کے ہیں یا اَمِنْتُ سے مشتق ہے اس کے معنی اَمِنْتُ یعنی ضد الخوف کے ہیں اگر

اَمِنْتُمْ کو اَلَا مَنَّةٌ، سے مشتق مانا جائے تو معنی ہوں گے فَاِذَا زَالَ عَنْکُمْ خَوْفُ الْعَدُوِّ، تو اس صورت میں اس شخص کا حکم کہ

جس کا احصار زائل ہو گیا ہو عبارة النص کے طور پر ثابت ہوگا اور اسی سے اس شخص کا حکم جو پہلے ہی سے مامون ہو دلالت النص

کے طور سے مفہوم ہوگا، اور اگر اَمِنْتُمْ، اَلَا مَنَّةٌ سے مشتق ہو تو اس کے معنی ہوں گے کہ جب تم امن و اطمینان میں ہو۔

(ترویج الادواح)

قَوْلُهُ: نُسُکٍ یہ نَسِیْک کی جمع ہے بمعنی قربانی، اور نُسُکٍ، مصدر بھی ہے قربانی کرنا۔

قَوْلُهُ: فَمَا اسْتِیْسَرَ مِنَ الْهَدٰی، فاء رابطہ ہے جواب شرط کے لئے مَا، اسم موصولہ مبتداء اس کی خبر محذوف، اِیْ فَعَلِیْهِ

مَا اسْتِیْسَرَ، اسْتِیْسَرَ صلہ، جملہ ہو کر جواب شرط۔

قَوْلُهُ: بَاَنَّ لَمْ یَکُونُوا عَلٰی مَرَحَلَتَیْنِ مِنَ الْحَرَمِ عِنْدَ الشَّافِعِی (رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی) اس عبارت کا مقصد متمتع پر

وجوب قربانی اور عدم وجوب قربانی کی دونوں صورتوں کو بیان کرنا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ متمتع اگر آفاقی ہو تو اس پر دم متمتع واجب ہے اور امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک آفاقی وہ ہے جو حرم سے کم از کم دو مرحلوں کی مسافت کا باشندہ ہو اور جو اس سے کم مسافت کا باشندہ ہو وہ ان کے نزدیک حضری ہے تو اس پر دم متمتع واجب نہیں ہے اور جب دم واجب نہیں تو اس کا نائب یعنی روزہ بھی واجب نہیں۔

قَوْلُهُ: فِي ذِكْرِ الْاَهْلِ الْخ اس عبات کا مقصد لِمَنْ لَمْ يَكُنْ اَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کی تشریح ہے مطلب یہ ہے کہ دم متمتع ساقط ہونے کیلئے مقیم شرعی ہونا ضروری ہے اگر کسی شخص نے قبل اشهر الحرم مکہ میں قیام تو کیا ہے مگر وطن نہیں بنایا یعنی پندرہ دن قیام کا ارادہ نہیں کیا تو اس شخص سے دم متمتع ساقط نہیں ہوگا، اس لئے کہ اقامت شرعی کی نیت کے بغیر وہ آفاقی ہی شمار ہوگا اور آفاقی پر دم متمتع واجب ہوتا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

مالی ہنگامی ضرورت:

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ، اس آیت سے فقہاء نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی بعض حقوق مالیہ فرض ہیں مگر وہ ہنگامی (ایمر جنسی) اور وقتی ضرورت کے لئے ہیں دائمی نہیں نہ ان کے لیے کوئی مقدار متعین ہے بلکہ جتنی ضرورت ہو اس کا انتظام کرنا سب مسلمانوں پر فرض ہے اور جب ضرورت نہ ہو تو کچھ فرض نہیں، جہاد کا خرچ اسی ہنگامی ضرورت میں شامل ہے۔ ترک جہاد قومی ہلاکت ہے وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ، لفظی معنی تو ظاہر ہیں، کہ اپنے اختیار سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، اب رہی یہ بات کہ ہلاکت میں نہ ڈالنے سے یہاں کیا مراد ہے اس میں حضرات مفسرین کے اقوال مختلف ہیں امام جصاص رازی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے فرمایا ان میں کوئی تضاد نہیں سب ہی مراد ہو سکتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: کہ یہ آیت ہمارے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے ہم اس کی تفسیر بخوبی جانتے ہیں، بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ اور قوت عطا فرمادی تو ہم میں یہ گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی کیا ضرورت ہے؟ ہم اپنے وطن میں ٹھہر کر اپنے مال اور جائیداد کی خبر گیری کریں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی؟ جس نے یہ بتلا دیا کہ ہلاکت سے مراد اس جگہ ترک جہاد ہے اور اس سے ثابت ہوا کہ ترک جہاد مسلمانوں کی قومی ہلاکت و بربادی کا سبب ہے اس لئے حضرت ابوایوب رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ انصاری نے اپنی پوری عمر جہاد میں صرف کر دی، یہاں تک کہ یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جہاد کرتے ہوئے ۵۲ھ میں شہادت حاصل کی موصوف کی قبر آج بھی قسطنطنیہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے آپ کی قبر کے پاس ایک مسجد بھی تعمیر کر دی گئی ہے۔

حضرت براء بن عازب رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: کہ گناہوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت و مغفرت سے مایوس ہو جانا اپنے آپ کو

بلاکت میں ڈالنا ہے، اس لئے مغفرت سے مایوس ہونا حرام ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے میں حد سے تجاوز کرنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہو جائیں یہ اپنے آپ کو بلاکت میں ڈالنا ہے ایسا اسراف جائز نہیں۔

بعض حضرات نے فرمایا: ایسی صورت میں قتال کے لئے اقدام کرنا اپنے کو بلاکت میں ڈالنا ہے جب کہ یہ اندازہ ہو کہ ہم دشمن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے، خود ہلاک ہو جائیں گے ایسی صورت میں اقدام قتال اس آیت کی بناء پر منع ہے۔

وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ، اس جملہ میں ہر کام کو اچھا کرنے کی ترغیب ہے اور کام کو اچھا کرنا جس کو قرآن میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے دو طرح ہے ایک عبادت میں اور دوسرے معاملات و معاشرت میں، عبادت میں احسان کی تفسیر حدیث جبرئیل علیہ السلام میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ اس طرح عبادت کرو جیسے تم خدا کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ اعتقاد تو لازم ہی ہے کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

اور معاملات و معاشرت میں احسان کی تفسیر مسند احمد میں بروایت حضرت معاذ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو اور جس چیز کو تم اپنے لئے ناپسند کرو دوسروں کے لئے بھی ناپسند کرو۔ (معارف)

حج کی فرضیت:

جمہور کے قول کے مطابق حج کی فرضیت ہجرت کے تیسرے سال یعنی غزوہ احد کے سال سورہ آل عمران کی اس آیت سے ہوئی وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ الْخ.

باتفاق مفسرین یہ آیت واقعہ حدیبیہ ۶ھ میں نازل ہوئی اس آیت کا مقصد حج کی فرضیت کو بتلانا نہیں اس لئے کہ حج تو پہلے ہی فرض ہو چکا ہے اس آیت کا مقصد حج کے کچھ احکام بیان کرنا ہے۔

اتَمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ، یعنی اگر راستہ میں کوئی ایسا سبب پیش آجائے جس کی وجہ سے آگے جانا ممکن نہ رہے اور مجبوراً رک جانا پڑے تو اونٹ، گائے، بکری، میں سے جو جانور بھی میسر ہو اللہ کے لئے قربانی کر دو اس امر میں اختلاف ہے کہ قربانی کے اپنی جگہ پہنچ جانے سے کیا مراد ہے؟ فقہاء حنفیہ کے نزدیک اس سے مراد حرم ہے، یعنی حصر کے لئے اپنی قربانی کا جانور یا اس کی قیمت بھیج دے، تاکہ اس کی طرف سے حدود حرم میں قربانی کی جائے، اور امام مالک و شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک جہاں آدمی گھر گیا ہو تو وہیں قربانی کر دینا مراد ہے۔

احصار اور مجبوری سے کیا مراد ہے:

اس آیت میں دشمن کے حائل ہو جانے کی مجبوری تو صراحتہ مذکور ہے لہذا امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی مجبوری صرف دشمن کے حائل ہونے کو مانتے ہیں مگر امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے دشمن کے ساتھ اشتراک علت کی وجہ سے دیگر مجبوریوں مثلاً مرض وغیرہ کو بھی شامل کر لیا ہے۔

اس آیت میں سرمنڈانے کو احرام کھولنے کی علامت قرار دیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ حالت احرام میں سرمنڈانا یا بال کٹانا ممنوع ہے اسی مناسبت سے اگلا حکم یہ بیان فرمایا کہ اگر کسی بیماری وغیرہ کی مجبوری سے سرمنڈانے کی ضرورت پیش آئے تو بقدر ضرورت جائز ہے مگر اس کا فدیہ دینا لازم ہو گا فدیہ یہ ہے کہ روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے، قربانی کے لئے حدود حرم کی جگہ متعین ہے روزہ اور صدقہ کے لئے کوئی جگہ متعین نہیں ہر جگہ ادا کر سکتا ہے قرآنی الفاظ میں روزوں اور صدقہ کی کوئی مقدار بیان نہیں کی گئی مگر حدیث شریف میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت کعب بن عجرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ صحابی کی ایک ایسی حالت میں یہ فرمایا تین روزے رکھیں یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع گندم بطور صدقہ دیں۔ (صحیح بخاری)

عمرہ کا حکم:

ابن کثیر نے بحوالہ ترمذی، احمد، بیہقی حضرت جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ عمرہ واجب ہے؟ آپ نے فرمایا واجب تو نہیں لیکن کرلو تو بہتر اور افضل ہے اس وجہ سے امام ابو حنیفہ اور امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی وغیرہ کے نزدیک عمرہ واجب نہیں سنت ہے۔

حج تمتع و قرآن کے احکام:

عرب جاہلیت کا خیال تھا کہ جب حج کا وقت یعنی شوال شروع ہو جائے تو ان ایام میں حج و عمرہ کا جمع کرنا سخت گناہ ہے اس آیت کے آخری حصہ میں ان کے اس خیال کی اصلاح اس طرح کردی گئی کہ حدود میقات کے اندر رہنے والوں کے لئے تو حج و عمرہ دونوں کو اشہر حج میں جمع کرنا ممنوع ہے کیوں ان کو اشہر حج کے بعد دوبارہ عمر کے لئے سفر کرنا مشکل نہیں لیکن حدود میقات کے باہر سے آنے والوں کے لئے دوبارہ عمرہ کے لئے سفر کرنا دشوار ہے اس لئے آفاقیوں یعنی دور کے رہنے والوں کے لئے حج و عمرہ کو جمع کرنا جائز ہے میقات وہ مقامات ہیں جو اطراف عالم سے آنے والوں کے ہر راستہ پر اللہ کی طرف سے متعین ہیں کہ جب بقصد مکہ آنے والا مسافر یہاں پہنچے تو یہاں سے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے بغیر احرام یہاں سے آگے بڑھنا جرم اور گناہ ہے ”لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ“ کا یہی مطلب ہے جس کے اہل و عیال مسجد حرام کے قرب و جوار یعنی حدود میقات کے اندر نہیں

رہتے یعنی وہ حدود میقات کے اندر کا باشندہ نہیں ہے اس کے لئے حج و عمرہ کو حج کے زمانہ میں جمع کرنا جائز ہے۔
تمتع پر شکر یہ کہ طور پر دم تمتع واجب ہے خواہ اونٹ، گائے، بکری جو بھی میسر ہو اور جو شخص قربانی نہ کر سکے تو اس پر دس روزے واجب ہیں تین روزے ایام حج میں رکھے یعنی نویں ذی الحجہ تک پورے کر دے باقی سات روزے حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے، اور اگر کوئی شخص ایام حج میں تین روزے نہ رکھ سکا تو پھر اس پر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک قربانی ہی واجب ہے جب قدرت ہو کسی کے ذریعہ حرم میں قربانی کرادے۔

تمتع اور قرآن میں فرق:

تمتع کے معنی ہیں فائدہ اٹھانا، اور قرآن کے معنی ہیں ملانا، اشہر حج میں اگر میقات سے حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھے یعنی احرام باندھتے وقت حج و عمرہ دونوں کی نیت کر لے تو یہ شخص قارن کہلاتا ہے یعنی حج و عمرہ کو ملانے والا، اس کا احرام درمیان میں کھلے گا نہیں آخر ہی میں دس ذی الحجہ کو کھلے گا۔

تمتع کا مطلب ہے ایک ہی سفر میں دو عبادتوں کا ثواب حاصل کر کے فائدہ اٹھانا، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ حاجی، میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھتا ہے مکہ جا کر عمرہ سے فارغ ہو کر احرام کھول دیتا ہے پھر آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ جانے کے وقت حرم سے حج کا احرام باندھتا ہے اس کو اصطلاح میں حج تمتع اور ایسا کرنے والے کو تمتع کہتے ہیں۔

الْحَجُّ وَقْتُهُ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَةٌ شَوَّالٌ وَذُو الْقَعْدَةِ وَعَشْرُ لَيْلٍ بَيْنَ ذِي الْحِجَّةِ وَقِيلَ كُلُّهُ فَمَنْ قَرَضَ عَلَى نَفْسِهِ فِيهِنَّ الْحَجَّ بِالْإِحْرَامِ بِهِ فَلَا رَفْتَ جَمَاعَ فِيهِ وَلَا فُسُوقَ مَعَاصِي وَلَا جِدَالَ خِصَامٍ فِي الْحَجِّ وَفِي قِرَاءَةِ بَفَتْحِ الْأَوَّلِينَ وَالْمَرَادُ فِي الثَّلَاثَةِ النَّهْيُ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ كَصَدَقَةٍ تَعْلَمُهُ اللَّهُ فَيُجَازِيكُمْ بِهِ وَنَزَلَ فِي ابْنِ الْيَمَنِ وَكَانُوا يَحْجُّونَ بِلَا زَادٍ فَيَكُونُونَ كَلًّا عَلَى النَّاسِ وَتَزَوَّدُوا مَا يُبَلِّغُكُمْ بِسَفَرِكُمْ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى مَا يُتَّقَى بِهِ سَوَالُ النَّاسِ وَغَيْرُهُ وَاتَّقُوا يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ^(۹۷) ذَوِي الْعُقُولِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَنْ تَبْتَغُوا تَطْلُبُوا فَضْلًا رِزْقًا مِنْ رَبِّكُمْ بِالتَّجَارَةِ فِي الْحَجِّ نَزَلَ رَدًّا لِكِرَاهَتِهِمْ ذَلِكَ فَإِذَا أَفْضَيْتُمْ دَفَعْتُمْ مَنْ عَرَفْتُمْ بَعْدَ الْوُقُوفِ بِهَا فَأَذْكُرُوا اللَّهَ بَعْدَ الْمَسْبُوتِ بِمُزْدَلِفَةَ بِالتَّلْبِيَةِ وَالتَّهْلِيلِ وَالِدُعَاءِ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ بَوِجَبَلٍ فِي الْخَيْرِ الْمُزْدَلِفَةِ يَقَالُ لَهُ قَرُخٌ وَفِي الْحَدِيثِ أَنَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ بِهِ يَذْكُرُ اللَّهَ وَيَدْعُو حَتَّى اسْتَفْرَجَ جَدًّا رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَأَذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ لِمَعَالِمِ دِينِهِ وَمَنَاسِكَ حَجِّهِ وَالْكَافُ لِلتَّلْعِيلِ وَإِنْ مُخَفَّفَةٌ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ قَبْلَ بُدْءِ لِمَنِ الصَّالِينَ ^(۹۸) ثُمَّ أَفِيضُوا يَا قَرِيشُ مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ أَيْ مِنْ عَرَفَةَ بَأَن تَقِفُوا بِهَا مَعَهُمْ وَكَانُوا يَقِفُونَ بِالْمُزْدَلِفَةِ تَرْفَعًا عَنِ الْوُقُوفِ مَعَهُمْ وَثُمَّ لِلتَّرْتِيبِ فِي الذِّكْرِ

وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ مِنْ ذُنُوبِكُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹۹﴾ بِهِمْ فَإِذَا قَضَيْتُمْ أَدْيَتَهُ
 مَنَاسِكُكُمْ عِبَادَاتِ حَجِّكُمْ بَانَ رَمَيْتُمْ جَمْرَةَ الْعَتَبَةِ وَحَلَقْتُمْ وَطَفْتُمْ وَاسْتَشْرَزْتُمْ بِمَنَى فَادْكُرُوا اللَّهَ
 بِالتَّكْبِيرِ وَالشَّاءِ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ كَمَا كُنْتُمْ تَذْكُرُونَهُمْ عِنْدَ فَرَاغِ حَجِّكُمْ بِالْمَفَاخِرِ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا مِنْ
 ذِكْرِكُمْ إِيَّاهُ وَنَحَبُ أَشَدُّ عَلَى الْحَالِ مِنْ ذِكْرِ الْمَنْصُوبِ بِأَذْكُرُوا إِذْ لَوْ تَأَخَّرَ عَنْهُ لَكَانَ صِفَةً لَهُ
 فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا نَصِيبَنَا فِي الدُّنْيَا فَيُؤْتَاهُ فِيهَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾ نَصِيبٌ
 وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً بِسَى الْجَنَّةِ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾
 بَعْدَ دُخُولِهَا وَبِذَا بَيَانٌ لِمَا كَانَ عَلَيْهِ الْمَشْرُكُونَ وَلِحَالِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْقَصْدُ بِهِ الْحَثُّ عَلَى طَلَبِ خَيْرِ
 الدَّارَيْنِ كَمَا وَعَدَ بِالثَّوَابِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ ثَوَابٍ بَيْنَ أَجَلٍ مِمَّا كَسَبُوا عَمِلُوا بَيْنَ الْحَجِّ
 وَالِدُعَاءِ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾ يُحَاسِبُ الْخَلْقَ كُلَّهُمْ فِي قَدَرٍ يَضَعُ نَهَارٍ بَيْنَ أَيَّامِ الدُّنْيَا لِحَدِيثِ
 بِذَلِكَ وَادْكُرُوا اللَّهَ بِالتَّكْبِيرِ عِنْدَ رَمَى الْجَمَرَاتِ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ أَيْ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ الثَّلَاثَةِ
 فَمَنْ تَعَجَّلَ أَيْ اسْتَعْجَلَ بِالنَّفَرِ بَيْنَ بَنِي فِي يَوْمَيْنِ أَيْ فِي ثَانِيِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ بَعْدَ رَمَى جِمَارِهِ
 فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ بِالتَّعْجِيلِ وَمَنْ تَأَخَّرَ بِهَا حَتَّى بَاتَ لَيْلَةَ الثَّلَاثِ وَرَمَى جِمَارِهِ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ بِذَلِكَ
 أَيْ بِهِ مُخَيَّرُونَ فِي ذَلِكَ وَنَفْسُ الْإِثْمِ لِمَنْ اتَّقَى اللَّهَ فِي حَجِّهِ لِأَنَّهُ الْحَاجُّ عَلَى الْحَقِيقَةِ
 وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تَحْشَرُونَ ﴿۲۰۳﴾ فِي الْآخِرَةِ فَيَجَازِيكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ.

تَرْجُمہ: حج کا وقت متعین مہینے ہیں (اور وہ) شوال، ذی القعدہ اور ذی الحجہ کی دس راتیں ہیں اور کہا گیا ہے کہ ذی
 الحجہ کا پورا مہینہ ہے تو جس نے ان مہینوں میں حج کا احرام باندھ کر اپنے اوپر حج لازم کر لیا تو نہ اس کے لئے (حالت) احرام میں
 فحش بات جماع جائز ہے اور نہ ارتکاب معاصی اور نہ حج میں لڑائی جھگڑا ہے اور ایک قراءت میں اول دونوں (رَفَسْتُ اور
 فُسُوقٌ) میں فحش ہے یعنی (بنی برفحہ) اور (نفی کے) تینوں صیغوں سے نہیں مراد ہے اور جو بھی تم کا خیر کرتے ہو مثلاً صدقہ اللہ
 اس سے باخبر ہے، تو وہ تم کو اس کا صلہ دے گا اور اہل یمن کے بارے میں (آئندہ آیت) نازل ہوئی جو بغیر زادراہ کے حج کرتے
 تھے، جس کی وجہ سے لوگوں پر بوجھ بنتے تھے اور اتنی مقدار زادراہ ہمارا سفر کے لئے کافی ہو بلاشبہ بہترین
 زادراہ خدا کا خوف ہے کہ جس کی وجہ سے لوگوں سے سوال وغیرہ (مثلاً چوری غصب وغیرہ) سے بچے، اور اے دانشمند و مجھ ہی
 سے ڈرو، تمہارے لئے اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں کہ تم حج میں تجارت کے ذریعہ اپنے رب کا فضل (روزی) طلب کرو ان
 کے طلب رزق کو ناپسند کرنے کی تردید کے لئے یہ آیت نازل ہوئی اور جب تم وقوف عرفہ کے بعد عرفات سے سے لوٹو تو مزدلفہ
 میں رات گزارنے کے بعد مشعر حرام کے پاس تبلیہ اور تہلیل اور دعاء کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرو (مشعر حرام) مزدلفہ کے آخر میں

ایک پہاڑ ہے، اس کو قزح کہا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس جگہ اللہ کے ذکر کے ساتھ قیام فرمایا، اور آپ دعاء کرتے رہے یہاں تک کہ خوب اجالا ہو گیا (رواہ مسلم) اور اللہ کا ذکر کرو اس لئے کہ اس نے تم کو اپنے دین اور حج کے احکام کی ہدایت دی ہے اور بلاشبہ تم ان مخففہ ہے، اس کی ہدایت سے پہلے گمراہوں میں سے تھے، اے قریشیو! تم بھی وہیں سے واپس ہوا کرو جہاں سے سب لوگ واپس ہوتے ہیں یعنی عرفات سے، اس طریقہ سے کہ تم بھی ان کے ساتھ وہاں قیام کرو، اور قریشی دیگر لوگوں پر برتری جتانے کے لئے مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، ثم، ترتیب ذکر کی کے لئے ہے اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگو بے شک اللہ مومنوں کو معاف کرنے والا ہے ان پر رحم کرنے والا ہے جب تم اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو، بایں طور کہ تم حجرہ عقبہ کی رمی کر چکو اور حلق کر چکو اور منی میں قیام پذیر ہو جاؤ تو تکبیر و ثنا کے ذریعہ اللہ کا ذکر کرو جیسا کہ تم اپنے آباء و اجداد کا ذکر کیا کرتے تھے، یعنی جس طرح حج سے فارغ ہونے کے بعد تفاخر کے طور پر ان کا ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ ان کا ذکر کرنے سے بھی بڑھ کر، اَشْنَدُ، ذکر ا سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جو اذکروا کی وجہ سے منصوب ہے اس لئے کہ اگر (ذکر ا) سے مؤخر ہوتا تو اس کی صفت ہوتا اور ان میں بعض لوگ تو ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب تو ہم کو ہمارا حصہ دنیا ہی میں دیدے، تو اس کو دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے، ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب تو ہمیں دنیا میں بھی بھلائی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھلائی عطاء فرما اور وہ جنت ہے اور تو ہم کو آگ کے عذاب سے بچا اس میں داخل نہ کر کے یہ مشرکین کے طریقہ اور مومنین کے حال کا بیان ہے اور اس کا مقصد دارین کی خیر طلب کرنے کی ترغیب دلانا ہے، جیسا کہ اس پر (اللہ نے) اپنے قول ”اُولٰٓئِكَ نَهَمُ نَصِيبٌ“ سے وعدہ کیا ہے یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے اجر ہے ان کے اعمال کا جو انہوں نے حج اور دعاء کے ذریعہ کئے، اور اللہ جلد حساب چکانے والا ہے کہ پوری مخلوق کا حساب دنیا کے دنوں کے اعتبار سے نصف دن میں چکا دے گا، اس مضمون کی حدیث وارد ہونے کی وجہ سے اور جمرات کی رمی کے وقت تکبیر کے ذریعہ، چند دن یعنی ایام تشریق کے تین دنوں میں اللہ کا ذکر کرو اور جس نے جلدی کی یعنی منی سے روانہ ہونے میں عجلت سے کام لیا، یعنی ایام تشریق میں دوسرے دن رمی جمار کرنے کے بعد تو اس عجلت کی وجہ سے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جس نے تاخیر کی یہاں تک کہ تیسری رات گزاری اور اس دن کی رمی جمار کر لی تو اس میں اس پر کوئی گناہ نہیں یعنی ان کو اس میں اختیار ہے اور گناہ نہ ہونا اس شخص کے لئے ہے جو اپنے حج میں اللہ سے ڈرتا ہو اس لئے درحقیقت وہی حاجی ہے اور اللہ سے ڈرو اور سمجھ لو کہ تم کو آخرت میں اس کی طرف جمع کیا جائے گا اور وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا۔

تَحْقِيقُ تَرْكِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: الْحَجُّ وَقَتُّهُ.

سُئِلَ: لَفْظُ، وَقَتُّهُ، كَاِضَافَةٍ كَسْ مَقْصَدٍ كَمَا كُنِيَ؟

جَوَابُ: مضاف محذوف ہے ای وقت الحج، حج کا وقت، اگر مضاف محذوف نہ مانا جائے تو مصدر کا حمل ذات پر لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ تقدیر عبارت یہ ہوگی، الْحَجُّ أَشْهُرٌ، حج مہینے ہیں، حالانکہ مہینے حج نہیں ہیں بلکہ حج کے اوقات ہیں مضاف محذوف ماننے سے مذکورہ اعتراض ختم ہو گیا۔

قَوْلُ: وَقِيلَ كُلُّهُ، قیل کے قائل امام مالک رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ہیں اس لئے کہ ان کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ اشہر حج میں شامل ہے۔

قَوْلُ: بِالْأَحْرَامِ بِهِ۔

سُؤَالُ: بِالْأَحْرَامِ بِهِ کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَابُ: یہ ائمہ کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے، امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک صرف نیت اور احرام باندھنے سے حج لازم ہو جاتا ہے، مگر امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک تلبیہ یا سوق ہدی سے لازم ہوتا ہے۔

قَوْلُ: جَمَاعَ فِیْهِ، جَمَاعَ کا اضافہ تو بیان معنی کے لئے ہے مگر فِیْهِ کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابُ: لَا رَفَثٌ، فَمَنْ فَرَضَ شَرْطًا، کی جزاء ہے اور جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے حالانکہ لَا رَفَثٌ جملہ تامہ نہیں ہے، اس لئے کہ لائشی جنس ہے اور رَفَثٌ اس کا اسم ہے اور خبر نداد ہے، لہذا جملہ ناقصہ ہوا، رَفَثٌ کو جملہ تامہ بنانے کے لئے فِیْهِ محذوف ماننا ضروری ہے تاکہ جائز وغیرہ کے متعلق ہو کر لائشی جنس کی خبر ہو سکے اور لائشی جنس اپنے اسم و خبر سے مل کر شرط کی جزاء واقع ہو سکے۔

قَوْلُ: وَفِي قِرَاءَةِ اس اضافہ کا مقصد اختلاف قراءت کو بیان کرنا ہے، فَلَا رَفَثٌ وَلَا فُسُوقٌ وَلَا جِدَالٌ میں چار قراءتیں ہو سکتی ہیں، مگر مفسر علام نے دو کی طرف اشارہ کیا ہے غالباً مفسر علام کے پیش نظر قرآن کریم کا وہ نسخہ ہے جس میں تینوں پر رفع ہے، اسی لئے فرمایا، کہ ایک قراءت میں پہلے دو پر فتح ہے اور جِدَالٌ، پر رفع ہی ہے، وہ چار قراءتیں یہ ہیں، ① تینوں کا نصب ② تینوں کا رفع، ③ پہلے دو کا رفع اور تیسرے کا نصب ④ پہلے دو کا نصب اور تیسرے کا رفع۔

قَوْلُ: وَالْمُرَادُ فِي الثَّلَاثَةِ النَّهْيُ، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالُ: لَا رَفَثٌ وَلَا فُسُوقٌ، وَلَا جِدَالٌ یہ تینوں نفی کے صیغے ہیں ان میں خبر دی گئی ہے کہ حج میں نہ فحش بات کا وجود ہے اور نہ فسق اور لڑائی جھگڑے کا، حالانکہ مشاہدہ ہے کہ تینوں چیزیں حج میں واقع ہوتی ہیں حالانکہ خدائی کلام میں تخلف اور کذب نہیں ہو سکتا۔

جَوَابُ: نفی سے مراد نہیں ہے اس لئے کہ مقصد، لَا تَرْفُثُوا، لَا تَفْسُقُوا، وَلَا تَجَادِلُوا ہے یعنی حج میں مذکورہ تینوں کام نہ کرو۔

سُؤَالُ: نفی کو نفی سے تعبیر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابُ: دراصل نفی میں مبالغہ مقصود ہے اور اس بات پر دلالت مقصود ہے کہ مذکورہ تینوں کام حج میں ہرگز نہیں ہونے چاہئیں۔

قوله تعالى: وَمَا تَفْعَلُوا.

سُؤَالٌ: لَا رَفَثٌ، لَا تَرَفَثُوا، کے معنی میں ہونے کی وجہ سے جملہ انشائیہ ہے اور وَمَا تَفْعَلُوا، جملہ خبریہ ہے حالانکہ وَمَا تَفْعَلُوا کا عطف وَلَا رَفَثٌ پر ہے اور یہ عطف خبر علی الانشاء کے قبیل سے ہے جو کہ جائز نہیں ہے۔

جَوَابٌ: مَا تَفْعَلُوا تاویل میں امر کے ہے ای اِفْعَلُوا، لہذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلٌ: وَالْكَافُ لِلتَّعْلِيلِ یعنی کما ہذا کم میں کاف تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ تعلیل کے لئے ہے، یعنی تم اللہ کا ذکر اس لئے کرو کہ اس نے تم کو احکام دین کی ہدایت عطا فرمائی۔

قَوْلٌ: وَإِنْ مَخْفَفَةٌ، یہ ان لوگوں پر رد ہے جو ان کو نافیہ مانتے ہیں اس لئے کہ لَمِنْ الضَّالِّينَ، میں لام علامت ہے اس بات کی کہ إِنْ، مخففہ عن المثقلۃ ہے ورنہ تو لَمِنْ الضَّالِّينَ کے لام کو اِلَّا، کے معنی میں لینا ہوگا جو کہ خلاف اصل ہے۔

قَوْلٌ: ثُمَّ لِلتَّرْتِيبِ فِي الذِّكْرِ، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: اوپر عرفات سے روانہ ہونے کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کے قول فَاِذَا آفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ، پھر اس کے بعد ثُمَّ اَفِضُوا مِنْ حَيْثُ آفَاضَ النَّاسُ میں مزدلفہ سے روانگی کا ذکر ہے حالانکہ ترتیب خارجی اس کے برعکس ہے اس لئے کہ اول عرفات سے روانگی ہوتی ہے اس کے بعد مزدلفہ سے ہوتی ہے۔

جَوَابٌ: ثُمَّ تَرْتِيبِ خَارِجِی کے لئے نہیں بلکہ ترتیب ذکر کے لئے ہے۔

قَوْلٌ: وَنَصَبُ أَشَدَّ، عَلَى الْحَالِ، اس اضافہ کا مقصد أَشَدَّ، کے نصب کی وجہ بیان کرنا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ أَشَدَّ ذِكْرًا، اذ کروا کا مفعول مطلق سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اگر أَشَدَّ ذِكْرًا، سے مؤخر ہوتا تو صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا، موصوف نکرہ پر جب صفت مقدم ہو جاتی ہے تو پھر وہ حال واقع ہوتی ہے، یہی صورت یہاں ہے۔

(وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ)

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ، حج کے ایام معلوم و متعین ہیں اور وہ شوال، ذیقعدہ اور ذی الحجہ کے اول دس دن ہیں مطلب یہ ہے کہ عمرہ تو سال بھر میں ہر وقت جائز ہے لیکن حج صرف مخصوص ایام ہی میں ہو سکتا ہے بعض ائمہ کے نزدیک تو حج کا احرام ایام حج سے پہلے باندھنا جائز ہی نہیں ایسے شخص کا حج ہی نہ ہوگا، امام ابوحنیفہ رَحِمَهُمُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک حج تو ہو جائے گا، البتہ ایام حج سے پہلے احرام باندھنا مکروہ ہے۔

احرام کی حالت میں نہ صرف یہ کہ تعلق زن و شو ممنوع ہے بلکہ ان کے درمیان کوئی ایسی گفتگو بھی نہ ہونی چاہئے جو رغبت شہوانی پر مبنی ہو۔

رَفَتْ:

ایک جامع لفظ ہے جس میں عورت سے مباشرت اور اس کے مقدمات یہاں تک کہ زبان سے عورت کے ساتھ مباشرت کی کھلی گفتگو کرنا بھی داخل ہے، تعریض و کنایہ میں مضائقہ نہیں۔

فسوق:

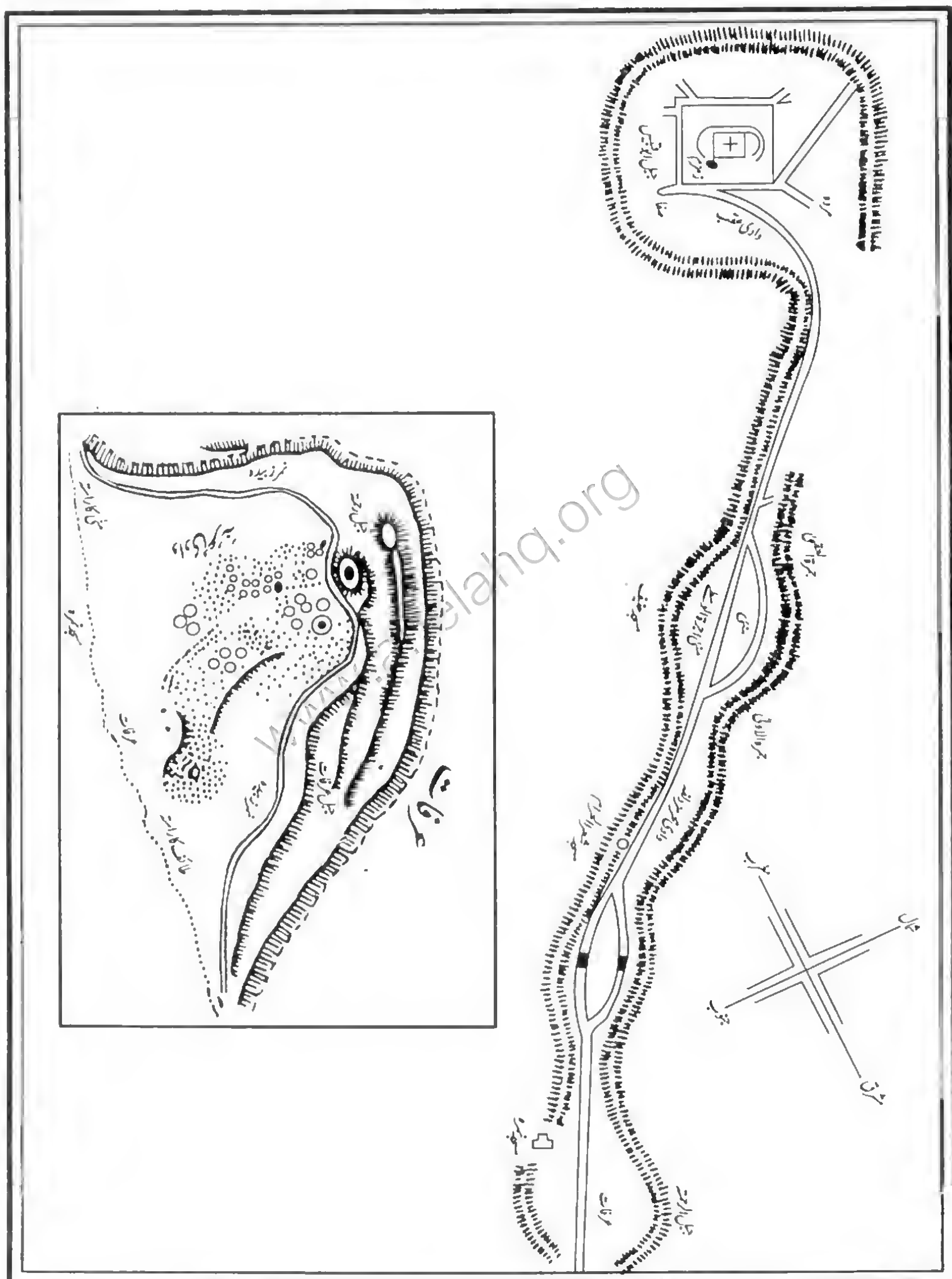
کے لفظی معنی خروج کے ہیں اصطلاح قرآن میں عدول حکمی اور نافرمانی کو کہا جاتا ہے بعض حضرات نے یہاں بھی فسوق کے عام معنی مراد لئے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے اس جگہ فسوق کی تفسیر محظورات احرام سے فرمائی ہے، ظاہر ہے کہ اس مقام کے یہی تفسیر مناسب ہے۔ (معارف)

جدال:

یہ لفظ بھی اپنے معنی کے اعتبار سے بہت عام ہے لڑائی جھگڑے کو کہتے ہیں اور بعض حضرات مفسرین نے بھی عام معنی مراد لئے ہیں اور بعض حضرات نے حج و احرام کی مناسبت سے ایک مخصوص معنی مراد لئے ہیں وہ یہ کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ مقام وقوف میں اور اسی طرح اوقات حج میں اختلاف رکھتے تھے، کچھ لوگ عرفات میں وقوف ضروری سمجھتے تھے اور کچھ مزدلفہ میں اسی طرح کچھ لوگ ذی الحجہ میں حج کرتے تھے اور کچھ لوگ ذیقعدہ میں اور ان معاملات و مسائل میں نزاع اور جھگڑے کرتے تھے اور ایک دوسرے کو گمراہ کہتے تھے، قرآن کریم نے لَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ، کہہ کر جھگڑوں کا خاتمہ فرمادیا، اور جو بات صحیح اور حق تھی وہ بیان فرمادی۔



نقشه مقامات حج



وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ، بعض لوگ زمانہ جاہلیت میں حج کے لئے زادِ راہ ساتھ لے کر نکلنے کو ایک دنیا دارانہ فعل سمجھتے تھے، اس معاملہ میں یمن کے لوگ زیادہ غلو کرتے تھے اور زادِ راہ ہمراہ لینے کو خلاف توکل سمجھتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ خود بھی تکلیف اٹھاتے تھے، اور دوسروں کے لئے بھی بار بنتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط خیال کی تردید فرمادی اور بتا دیا کہ زادِ راہ ہمراہ نہ لینا نہ کوئی خوبی ہے اور نہ تقوے کی بات۔ اصل خوبی اللہ کا خوف اور اس کے حکم کی خلاف ورزی سے اجتناب ہے جس شخص کا باطن تقوے سے عاری ہو اگر وہ زادِ راہ ہمراہ نہ لے تو یہ محض ظاہر میں فقیری کی نمائش ہے، اس کا کوئی فائدہ نہیں ایسا شخص خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں ذلیل ہوگا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ، قدیم عربوں کا جاہلانہ تصور تھا کہ سفر حج کے دوران کسبِ معاش کے لئے کام کرنے کو بُرا سمجھتے تھے، قرآن اس خیال کی تردید کرتا ہے کہ اگر خدا پرست خدا کے قانون کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے معاش کے لئے جدوجہد کرتا ہے تو دراصل وہ اپنے رب کا فضل تلاش کرتا ہے اور یہ کوئی گناہ نہیں۔

امت کے مختلف طبقوں کا دنیا کے مختلف گوشوں سے یہ عظیم الشان اجتماع محض ایک خشک عبادت اور محض ذکرِ الہی کے لئے ہی نہیں، بلکہ فرد و ملت یعنی انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کے فائدے اس سے حاصل کئے جاسکتے ہیں اور کئے جانے چاہئیں، حج کے روحانی اسرار و حقائق کا ادراک تو فرنگی دماغوں کے لئے آسان نہیں لیکن اس بین الاقوامی سالانہ کانفرس سے جو سیاسی، ملی، اجتماعی اقتصادی ہر قسم کے فائدے وابستہ ہیں اور اس بین الاقوامی سالانہ بازار سے جو مالی، تجارتی، معاشی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں ان کا اندازہ اور اعتراف تو فرنگیوں کی زبان سے بھی بارہا ہو چکا ہے۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِمَّنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ حج کے اعمال، واجبات، سنن، مستحبات تو بہت سے ہیں لیکن ضروری تین ہیں، احرام پوشی، ۹/ذی الحجہ کو عرفات میں حاضری اور طواف زیارت ان تینوں میں بھی اہم ترین رکن و قوف عرفات ہے۔

عرفات:

مکہ معظمہ سے جو سڑک مشرق کی جانب طائف جاتی ہے اس پر مکہ سے تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر کئی میل کے رقبہ کا ایک لمبا چوڑا میدان ہے اس کا نام عرفات ہے اسی نام کی ایک پہاڑی بھی اسی میدان میں واقع ہے سطح زمین سے اس کی بلندی تقریباً دو سو گز ہے ۸/ذی الحجہ کی دوپہر تک حاجیوں کو منی پہنچ جانا چاہئے اور ۹/ذی الحجہ کی صبح کو اشراق کے بعد عرفات کے لئے روانگی ہو جائے تاکہ منی اور عرفات کا درمیانی فاصلہ جو تقریباً ۸، ۹ میل ہے، دوپہر تک طے ہو جائے، دوپہر سے عصر کے آخری وقت تک اسی میدان میں رہنا چاہئے اسی کو اصطلاح میں عرفات کی حاضری حج کا رکن اعظم بلکہ حج کی جان ہے اس کے فوت ہونے سے حج فوت ہو جاتا ہے، یہ سارا وقت توبہ و استغفار، عبادت، انابت الی اللہ ہی میں صرف ہونا چاہئے غروب کے بعد مزدلفہ (مشرع الحرم) کے لئے روانہ ہونا چاہئے، مغرب کی نماز کا وقت اگرچہ عرفات ہی میں ہو جاتا ہے مگر نماز ادا نہ کرنی چاہئے اور نہ راستہ میں ادا کرے بلکہ مزدلفہ میں جا کر مغرب اور عشاء دونوں ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا کرے جس

طرح میدان عرفات میں مسجد نمبرہ میں عصر و ظہر ایک ساتھ ادا کی تھیں۔

مزدلفہ مکہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، منی سے عرفات جانے کا ایک راستہ تو سیدھا ہے حاجی ۹ ذی الحجہ کو عرفات اسی راستہ سے جاتے ہیں، واپسی میں حکم ہے کہ دوسرے راستہ سے لوٹیں یہ راستہ ذرا چکر کا ہے اور مزدلفہ اسی راستہ میں پڑتا ہے، حاجیوں کے قافلے تقریباً دس بجے شب یہاں پہنچ جاتے ہیں وادی محسر کے سواپور مزدلفہ متبرک اور محترم ہے۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَابِسَكُمْ، زمانہ جاہلیت میں عرب حج سے فارغ ہونے کے بعد منی میں جلسے کرتے تھے، جن میں ہر قبیلے کے لوگ اپنے باپ دادا کے کارنامے فخر کے ساتھ بیان کرتے اور بڑائی کی ڈینگیں مارتے تھے، اس پر ان کو تاکید کی جا رہی ہے کہ ان جاہلانہ باتوں کو چھوڑو، پہلے جو وقت فضولیات میں صرف کرتے تھے، اب اسے اللہ کی یاد میں صرف کرو۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے عرب کا معروف طریقہ حج یہ تھا کہ ۹ ذی الحجہ کو منی سے عرفات جاتے تھے اور رات کو وہاں سے پلٹ کر مزدلفہ میں قیام کرتے تھے، مگر بعد کے زمانہ میں قریش نے یہ طریقہ شروع کر دیا کہ عرفات میں جانے کے بجائے مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے اور دیگر لوگ عرفات چلے جاتے اور قریش دلیل یہ دیتے ہم چونکہ بیت اللہ کے مہنت اور پروہت و مجاور ہیں لہذا ہمارے لئے حرم سے باہر جانا مناسب نہیں ہے مقصد ان کا اپنے لئے شان امتیازی قائم کرنا اور دیگر قبیلوں پر اپنی فوقیت اور برتری جتاننا ہوتا تھا پھر یہی امتیاز بنی خزاعہ اور بنی کنانہ کو بھی حاصل ہو گیا اس طرح ان قبیلوں کو دوسروں پر فضیلت و فوقیت حاصل ہو گئی، اسی فخر و غرور کے بت کو اس آیت میں توڑا گیا ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ، منی سے مکہ کی طرف روانگی کی دو صورتیں ہیں اور دونوں بالکل جائز ہیں اب اگر کوئی شخص ۱۰ ذی الحجہ کے بعد صرف دو دن قیام کر کے ۱۲ کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے اور جس کا جی چاہے ۱۳ تک منی میں قیام کر لے یہ بھی درست ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اگر ۱۳ تک ٹھہرتا ہے تو طلوع آفات سے قبل ہی رمی جمرات کر لے، فقہاء حنفیہ کے یہاں ۱۳ کا قیام افضل ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا يُغْنِيكَ فِي الْآخِرَةِ لِمُسَخَّافَتِهِ لِاعْتِقَادِهِ
وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ أَنَّهُ مُوَافِقٌ لِقَوْلِهِ وَهُوَ الَّذِي الْخَصَامُ ⑤ شَدِيدُ الْخُصُومَةِ لَكَ وَلَا تَبَاعِكَ لِعَدَاوَتِهِ
لَكَ وَبُؤِ الْأَخْنَسِ بْنِ شَرِيْقٍ كَانَ مُنَافِقًا خُلُوَ الْكَلَامِ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْلِفُ أَنَّهُ مُؤْمِنٌ بِهِ
وَمُحِبٌّ لَهُ فَيُدْنِي مَجْلِسَهُ فَأَكْذَبَهُ اللَّهُ تَعَالَى فِي ذَلِكَ وَمَرَّ بِزَرْعٍ وَحُمُرٍ لِبَغْضِ الْمُسْلِمِينَ فَأَحْرَقَهُ وَعَقَّرَهَا
لَيْلًا كَمَا قَالَ تَعَالَى وَإِذَا تَوَلَّى انصرفت عنك سعى مشى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ مِنْ
جُمْلَةِ الْفَسَادِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ⑥ اِى لَا يَرْضَى بِهِ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ فِي فِعْلِكَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ
حَمَلَتْهُ الْآثَمَةُ وَالْحَمِيَّةُ عَلَى الْعَمَلِ بِالْإِثْمِ الَّذِي أَمَرَ بِاتَّقَائِهِ فَحَسَبُهُ كَافِيَهُ جَهَنَّمَ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑦
الْفِرَاشُ هِىَ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ اِى يَبْذُلُهَا فِي طَاعَةِ اللَّهِ تَعَالَى ابْتِغَاءَ طَلَبِ

مَرْضَاتِ اللّٰهِ رِضَاؤُهُ وَهُوَ صُهَيْبٌ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ لَمَّا اِذَا الْمُشْرِكُونَ بِأَجْرٍ اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَتَرَكَ لَهُمْ مَالَهُ وَاللّٰهُ رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۷﴾ حَيْثُ اَرْشَدَهُ لِمَا فِيْهِ رِضَاؤُهُ وَنَزَلَ فِي عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَأَصْحَابِهِ لَمَّا عَظُمُوا السَّبِيْتُ وَكَرِهُوا الْاِبِلَ وَالْبَنَاتِهَا بَعْدَ الْاِسْلَامِ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا دَخُلُوْا فِي السَّلَامِ بِفَتْحِ السِّينِ وَكَسْرِ بَا الْاِسْلَامِ كَافَّةً ۚ حَالٌ بَيْنَ السَّلَامِ اِى فِي جَمِيْعِ شَرَائِعِهِ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ طَرَقِ الشَّيْطٰنِ اِى تَزْيِيْنُهُ بِالتَّفْرِيقِ اِنَّهُ لَكُمُّ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۸﴾ يَبَيِّنُ الْعِدَاوَةَ اِنْ زَلَلْتُمْ بِسَلْتُمْ عَنِ الدُّخُوْلِ فِي جَمِيْعِهِ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ الْحُجُجُ الظَّاهِرَةُ عَلٰى اَنَّهُ حَقٌّ فَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ عَنْ اِنْتِقَابِهِ بِنَكْمٍ حَكِيْمٍ ﴿۲۹﴾ فِي صُنْعِهِ هَلْ مَا يَنْظُرُوْنَ يَنْتَظِرُ التَّارِكُوْنَ الدُّخُوْلَ فِيْهِ اِلَّا اَن يَّاتِيَهُمُ اللّٰهُ اِى اَنْزَرُهُ كَقَوْلِهِ اَوْ يَّاتِيْ اَنْزَرَ رَبِّكَ اِى عَذَابُهُ فِي ظُلَلٍ جَمْعُ ظُلَّةٍ مِّنَ الْغَمَامِ السَّحَابِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقَضٰى الْاَمْرُ ثُمَّ اَمْرًا بِلَا كِبٰرٍ ۖ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۳۰﴾ بِالْبِنَاءِ لِلْمَنْعُولِ وَالْفَاعِلِ فِي الْاٰخِرَةِ فَيُجَازِئُ.

ترجمہ: اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ دنیا کی زندگی کے بارے میں آپ کو ان کی باتیں اچھی لگتی ہیں اور آخرت کے بارے میں اچھی نہیں لگتیں اس کے اعتقاد کے آپ کے اعتقاد کے خلاف ہونے کی وجہ سے اور اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتا ہے کہ جو کچھ اس کے دل میں ہے وہ اس کے قول کے مطابق ہے حالانکہ وہ زبردست جھگڑالو ہے یعنی آپ سے اور آپ کے متبعین سے سخت خصومت رکھنے والا ہے آپ سے خصومت رکھنے کی وجہ سے اور وہ اخس بن شریق ہے جو منافق ہے، آپ ﷺ سے بہت شیریں گفتگو کرتا تھا اور قسمیں کھاتا تھا کہ وہ آپ پر ایمان رکھتا ہے اور آپ سے محبت رکھتا ہے آپ ﷺ اس کو اپنے قریب بٹھاتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کی اس کے دعوے میں تکذیب فرمائی، ایک مرتبہ مسلمانوں کی کھیتی اور گدھوں کے پاس سے گذر اتورات کے وقت کھیتی کو جلا دیا اور گدھوں کی کونچیں کاٹ دیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب وہ واپس جاتا ہے (یعنی) آپ کی مجلس سے لوٹتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ زمین میں فساد برپا کرے (دوسرا ترجمہ) (اور جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے تو اس کی ساری دوڑ دھوپ زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے ہوتی) اور کھیتی اور نسل کو برباد کرتا ہے یہ بھی منجملہ فساد کے ہے، اور اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا یعنی اس سے راضی نہیں ہے اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ تو اپنی حرکتوں کے بارے میں اللہ سے ڈر تو اس کو تکبر اور جاہلی تعصب گناہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے جس سے اس کو بچنے کے لئے کہا گیا ہے تو اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ برا بھونسا ہے اور کچھ ایسے بھی ہیں کہ اپنی جان کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بیچ دیتے ہیں یعنی اللہ کی طاعت میں اس کو قربان کر دیتے ہیں اور وہ صہیب رومی ہیں جب کہ مشرکین نے اذیت پہنچائی تو مدینہ ہجرت کر گئے اور مشرکین کے لئے اپنا تمام مال چھوڑ گئے اور اللہ اپنے بندوں پر

بڑی مہربانی کرنے والا ہے اس لئے کہ ان کو ان باتوں کی رہنمائی فرمائی جن میں اس کی خوشنودی ہے اور جب عبد اللہ بن سلام اور ان کے اصحاب نے اسلام قبول کرنے کے بعد شنبہ کے دن کی تعظیم کرنے کا ارادہ کیا اور اونٹ اور ان کے دودھ کو ناپسند کیا تو آیت نازل ہوئی اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ، (السلام) سین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ بمعنی اسلام کافۃً، سلم سے حال ہے یعنی اس کی پوری شریعت میں (داخل ہو جاؤ) اور شیطان کے طریقوں کی پیروی نہ کرو یعنی تفریق کے ذریعہ خوشنمائی کی بلاشبہ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے یعنی اس کی عداوت بالکل واضح ہے پس اگر تم نے لغزش کھائی یعنی اگر اسلام میں مکمل داخل ہونے سے تم نے اعراض کیا بعد اس کے کہ تمہارے پاس اسلام کے حق ہونے پر واضح دلیلیں آگئیں تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کو انتقام لینے سے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اپنی صنعت میں حکیم ہے پوری طرح اسلام میں نہ داخل ہونے والے، کیا اب صرف اس کے منتظر ہیں کہ ان کے پاس اللہ اور فرشتے یعنی اس کا حکم آ جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ”اَوْ يَأْتِيَ اَمْرٌ رَبِّكَ، اِی عذابہ“ بادلوں کے سائبان میں ظلل ظللہ کی جمع ہے اور کام تمام کر دیا جائے (یعنی) ان کی ہلاکت کا معاملہ انجام کو پہنچ جائے آخرت میں اللہ کی ہی طرف تمام کام لوٹنے والے ہیں (ترجع) معروف و مجہول دونوں ہیں تو وہ جزاء دے گا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ، اس کا عطف فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ پر ہے اور وَمِنَ النَّاسِ، اپنے متعلق محذوف سے لے کر خبر مقدم ہے اور مَنْ يُعْجِبُكَ، مبتداء مؤخر ہے۔

قَوْلًا: اَللُّ الْخِصَامِ. لُدُّ، سے اسم تفضیل ہے سخت جھگڑالو، خِصَامٌ یہ خاصہ کا مصدر ہے زجاج نے کہا ہے کہ خِصْمٌ کی جمع ہے جیسا کہ صَعْبٌ کی جمع صِعَابٌ اور ضَخْمٌ کی جمع ضَخَامٌ۔

قَوْلًا: شَدِيدُ الْخِصْمَةِ مفسر علام نے اَللُّ کی تفسیر شَدِيدٌ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اَللُّ، اسم تفضیل نہیں ہے (کما فی قول بعض الناس) اس لئے کہ اس کی مؤنث، لُدی، اور جمع لُدٌ ہے۔

قَوْلًا: تَوَلَّى، اِنْصَرَفَ عَنْكَ تَوَلَّى، کی تفسیر اِنْصَرَفَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تَوَلَّى بمعنی اِنْصَرَفَ ہے نہ کہ بمعنی ولایۃ جیسا کہ کہا گیا ہے، اس لئے کہ آیت کا نزول اَخْنَسُ بن شَرِیق کے بارے میں ہے اور وہ والی نہیں تھا۔

قَوْلًا: مِنْ جُمْلَةِ الْفَسَادِ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اِی هُوَ مِنَ الْفَسَادِ اس جملہ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُئِلَ: لِيُفْسِدَ فِيهَا عام ہے اس میں ہر قسم کا فساد شامل ہے پھر اس کے بعد وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ کہنے کی کیا ضرورت ہے؟۔

جَوَابُ: یہ عطف خاص علی العام کے قبیل سے ہے، مِنْ جملۃ الفساد سے اسی جواب کی طرف اشارہ ہے۔
قَوْلُ: حَالٌ مِنَ السِّلْمِ یہ ان لوگوں کا رد ہے جنہوں نے کافۃً کو مصدر محذوف کی صفت کہا اور تقدیر عبارت یہ مانی ہے ای
 اِذْ خَالًا کافۃً رد کی وجہ یہ ہے کہ ابن بشام نے کہا ہے کہ کافۃً، حال اور نکرہ ہونے کے لئے خاص ہے۔

قَوْلُ: مِنَ السِّلْمِ، یہ اس کا رد ہے جس نے کہا ہے کہ کافۃً، اِذْ خَلُوا کی ضمیر سے حال ہے یا تو اس لئے کہ کافۃً مؤنث
 ہے اور سِلْمٌ مذکر ہے یا اس لئے کہ سِلْمٌ بمعنی اسلام کے اجزاء نہیں ہیں حالانکہ ذوالحال کا ذات الاجزاء ہونا ضروری ہے پہلی
 دلیل کا جواب السِّلْمِ، حرب، کے مانند مذکر و مؤنث دونوں مستعمل ہے دوسری دلیل کا جواب، اسلام سے جمیع شرائع
 والا حکام مراد ہیں اور شرائع ذات الاجزاء ہیں، لہذا سِلْمٌ کا کافۃً سے حال واقع ہونا درست ہے، مفسر علام نے اپنے قول ای
 فی جمیع شرائعہ سے اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے، مذکورہ آیت عبداللہ بن سلام اور ان کے اصحاب کے بارے میں
 نازل ہوئی اصحاب میں ثعلبہ بن یامین و اسد و اسید و سعید بن عمرو یہ سب حضرات یہودی تھے انہوں نے بعد میں اسلام قبول کیا۔

قَوْلُ: طُرُقٌ. خطوات کی تفسیر طُرُق سے کر کے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ شیطان کے قدم نہیں ہے جواب یہ ہے کہ
 حال بول کر محل مراد ہے۔

قَوْلُ: اِیْ اَمْرُهُ، اس میں اشارہ ہے کہ یَاتِیْہُمُ اللّٰہُ کے اندر اسناد مجازی ہے۔

قَوْلُ: تَزْیِیْنِہٖ، اِیْ تَزْیِیْنِ الشَّیْطَانِ، المراد من التزیین وسوستہ، کتحریم لحم الابل و تعظیم یوم
 السبت.

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

بعض ضعیف روایات کے مطابق یہ آیت اخنس بن شریق ثقفی کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر اس آیت کے
 مصداق تمام منافقین ہیں، لباب النقول میں ہے، أَخْرَجَ ابْنُ جُرَیْرٍ عَنِ السُّدِیِّ قَالَ نَزَلَ فِي اخْنَسِ بْنِ
 شَرِیْقٍ، ایک روز اخنس جس کا اصل نام ابی ہے اخنس اس کا لقب ہے اس کنیت کا سبب یہ ہوا کہ بدر کے دن یہ شخص واپس چلا
 گیا تھا اور اپنے ہمراہ تین سو افراد کو بھی لے گیا تھا اخنس کے معنی واپس ہونے اور پلٹنے کے ہیں خناس ان تاروں کو کہتے ہیں
 جو آگے چلتے چلتے پیچھے کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔

اس شخص نے اپنے ساتھ واپس جانے والے منافقوں سے کہا: اِنَّ مُحَمَّدًا ابْنُ اُخْتِكُمْ فَاِنْ يَكُ كَاذِبًا كَفَا
 كَمُوْهُ النَّاسُ وَاِنْ كَانَ صَادِقًا كُنْتُمْ اَسْعَدَ النَّاسِ بِهِ، قالوا نَعَمْ مَا رَاَيْتَ، قَالَ اِنِّیْ سَاُخْنَسُ بِكُمْ
 فَاتَّبِعُوْنِیْ فَخْنَسَ فُسُمِیَ الْاُخْنَسَ لِذٰلِكَ. (بخاری)

اس نے کہا: محمد ﷺ تمہارا بھانجا، اگر جھوٹا ہے تو لوگ تمہاری طرف سے کفایت کریں گے اور اگر سچا ہے تو تم اس کی وجہ سے خوش نصیب ترین لوگ ہو گے، لوگوں نے کہا تم نے بہت اچھی بات کہی، اخنس نے کہا میں تمہارے پاس واپس آؤں گا تو تم میری اتباع کرنا، چنانچہ وہ واپس آیا، اسی وجہ سے لوگوں نے اس کا نام اخنس رکھ دیا۔

رابط و شان و نزول:

سابقہ آیت میں منافقین کا ذکر تھا، اس آیت میں مخلصین کا ذکر ہے، وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ (الآية) یہ آیت صہیب رومی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ کے بارے میں نازل ہوئی، ابن ابی حاتم نے سعید بن مسیب سے بیان کیا ہے کہ صہیب رومی مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں مشرکین قریش کی ایک جماعت نے راستہ روک لیا یہ دیکھ کر حضرت صہیب رومی اپنی سواری سے اتر کر کھڑے ہو گئے اور ان کے ترکش میں جتنے تیر تھے سب نکال لئے اور قریش کی اس جماعت سے مخاطب ہو کر کہا اے قبیلہ قریش کے لوگو! تم سب جانتے ہو کہ میں تیر اندازی میں تم سب سے زیادہ ہوں، میرا تیر کبھی خطا نہیں کرتا، اور اب میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میرے پاس اس وقت تک نہیں پہنچ سکو گے جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی باقی ہے اور تیروں کے بعد میں تلوار سے کام لوں گا جب تک مجھ میں دم رہے گا، پھر تم جو چاہو کر لینا، اور اگر تم نفع کا سودا چاہتے ہو تو میں تمہیں اپنے مال کا پتہ دیتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں رکھا ہوا ہے، تم وہ مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو اس پر قریش کی جماعت راضی ہو گئی اور حضرت صہیب رومی رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْہُ نے صحیح سالم آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر واقعہ سنایا تو رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا: رَبِّحَ الْبَيْعُ يَا ابا يحيى رَبِّحَ الْبَيْعُ يَا ابا يحيى، اے ابائیجی تمہارا سودا نفع بخش رہا، تمہارا سودا نفع بخش رہا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَدْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَافَّةً، یعنی کسی استثناء اور تخصیص کے بغیر اپنی پوری زندگی کو اسلام کے تحت لے آؤ، تمہارے خیالات تمہارے نظریات تمہارے علوم تمہارے طور و طریقے تمہارے معاملات تمہاری سعی و عمل کے راستے سب کے سب بالکل تابع اسلام ہوں ایسا نہ ہو کہ تم اپنی زندگی کے مختلف حصوں کو اس کی پیروی سے مستثنیٰ کر لو۔

رابط آیات اور شان نزول:

ابن جریر نے عکرمہ سے نقل کیا ہے فرمایا: کہ عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھیوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ ہمیں اجازت عطا فرمائیں کہ ہم یوم السبت کا احترام کریں اور اونٹ کا گوشت ترک کریں تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبد اللہ بن سلام وغیرہ جو اہل کتاب کے علماء میں سے تھے ان کے نزدیک ہفتہ کا دن محترم تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا، ان حضرات کو اسلام لانے کے بعد خیال ہوا کہ شریعت موسوی میں ہفتہ کے دن کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدیہ میں اس کی بے تعظیمی واجب نہیں، اسی طرح شریعت موسوی میں اونٹ کا گوشت حرام تھا اور شریعت محمدیہ میں

اس کا کھانا فرض نہیں، سواگر ہم بدستور ہفتہ کی تعظیم کرتے رہیں اور اونٹ کا گوشت باوجود حلال اعتقاد رکھنے کے صرف عملاً ترک کر دیں تو شریعت موسوی کی بھی رعایت ہو جائے گی اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ گا اور اس میں خدا تعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی اصلاح آئندہ آیت میں فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام کامل فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اور ایسے امر کو دین سمجھنا ایک شیطانی لغزش ہے۔

یٰٰنَبِیُّنَا: اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے اسلام کو صرف مسجد اور عبادت کے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے معاملات اور معاشرت کے احکام کو گویا دین کا جز ہی نہیں سمجھتے، آجکل جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو خود کو ماڈرن سمجھتا ہے ان میں یہ غفلت عام ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ (الآیۃ) اس دنیا میں انسان کی آزمائش کا تمام تر دار و مدار اس بات پر ہے کہ وہ حقیقت کو دیکھے بغیر مانتا ہے یا نہیں جس کو ایمان بالغیب کہتے ہیں اور ماننے کے بعد اتنی اخلاقی طاقت رکھتا ہے یا نہیں کہ نافرمانی کی طاقت رکھنے کے باوجود فرہ برداری اختیار کرے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی بعثت میں، کتابوں کی تنزیل میں عقل کے امتحان اور اخلاقی قوت کی آزمائش کا ضرور لحاظ رکھا ہے اور کبھی حقیقت کو اس طرح بے نقاب نہیں کیا کہ آدمی کے لئے مانے بغیر چارہ ہی نہ رہے کیونکہ اس سے تو آزمائش بالکل بے معنی ہو جاتی ہے اور امتحان و آزمائش کا کوئی مفہوم ہی باقی نہیں رہتا، غیب اور حقیقت کے مشاہد ہونے کے بعد تو بڑے سے بڑا منکر بھی ایمان لے آتا ہے مگر اس ایمان کا کوئی اعتبار نہیں ہے اسی بنا پر یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اس وقت کا انتظار نہ کرو، جب اللہ تعالیٰ اور اس کی سلطنت کے کارکن فرشتے خود سامنے آجائیں گے کیونکہ پھر تو فیصلہ ہی کر ڈالا جائے گا، ایمان لانے اور سر جھکانے کی ساری قدر و قیمت اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت تمہارے حواس سے پوشیدہ ہے اور تم محض دلیل سے اس کو تسلیم کر کے اپنی اخلاقی طاقت کا ثبوت دیتے ہو، ورنہ جب حقیقت بے پردہ ہو کر سامنے آجائے اور تم پچشم سرد دیکھ لو کہ خدا اپنے تخت جلال پر متمکن ہے اور یہ ساری کائنات کی سلطنت اس کے فرمان پر چل رہی ہے اور یہ فرشتے زمین و آسمان کے انتظام میں لگے ہوئے ہیں اور یہ نہاری ہستی اس کے قبضہ قدرت میں پوری بے بسی کے ساتھ جکڑی ہوئی ہے اس وقت تم ایمان لائے تو اس ایمان اطاعت کی قیمت ہی کیا ہے؟ اس وقت تو کئے سے کتنا کافراور بڑے سے بڑا فرعون اور بدتر سے بدتر مجرم بھی انکار و نافرمانی کی جرأت نہیں کر سکتا، ایمان لانے اور اطاعت قبول کرنے کی مہلت بس اسی وقت تک ہے جب تک حقیقت بے نقاب ہونے کی وہ ساعت نہیں آتی، اور جب وہ ساعت آگئی تو پھر نہ مہلت ہے نہ آزمائش بلکہ وہ فیصلے کا وقت ہے۔

سَلِّ يَا مُحَمَّدُ بَنِي إِسْرَآئِيلَ تَبَكُّيْنَا كَمَا تَبَكُّيْنَهُمْ كَمَا اسْتَفْهَمِيَّةٌ مُعَلِّقَةٌ لِّسَلِّ مِنَ الْمَفْعُولِ الثَّانِي وَبِیْ
نَانِیْ مَفْعُولِیْ اَتَيْنَا وَمُسَمِّزُبَا مِّنْ اٰیَةِ بَیِّنَةٍ ظَاهِرَةِ كَفَلَقِ الْبَحْرِ وَاَنْزَالَ الْمَنِّ وَالسَّلْوٰی فَبَدَّلُوْہَا كَفْرًا

وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ إِي مَا أَنْعَمَ بِهِ عَلَيْهِ مِنَ الْآيَاتِ لِأَنَّهُ سَبَّبَ الْهَدَايَةَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ كَفَرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۷۱﴾ زَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ مَكَّةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا بِالتَّمْوِيهِ فَأَحْبُوبًا وَبِهِ يَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا لِغُفْرِهِمْ كَعَمَّارٍ وَبِلَالٍ وَصَهْبِيبٍ إِي يَسْتَهْزِءُونَ بِهِمْ وَيَتَعَالَوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْمَالِ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ وَبِهِ بَوْلَاءٌ فَوَقَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۷۲﴾ إِي رِزْقًا وَاسِعًا فِي الْآخِرَةِ أَوِ الدُّنْيَا بَأَن يُمَلِّكَ الْمُسْخُورَ مِنْهُمْ أَسْوَالَ السَّاجِرِينَ وَرِقَابِهِمْ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ثُمَّ عَلَى الْإِيمَانِ فَاخْتَلَفُوا بَأَن آمَنَ بَعْضٌ وَكَفَرَ بَعْضٌ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ إِلَيْهِمْ مُبَشِّرِينَ مَنْ آمَنَ بِالْجَنَّةِ وَمُنْذِرِينَ مَنْ كَفَرَ بِالنَّارِ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِمَعْنَى الْكِتَابِ بِالْحَقِّ مُتَعَلِّقٌ بِأَنْزَلٍ لِيَحْكُمَ بِهِ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الدِّينِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِي الدِّينِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ إِي الْكِتَابَ فَامِنْ بَعْضٍ وَكَفَرَ بَعْضٌ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ الْخَجَجُ الظَّاهِرَةُ عَلَى التَّوْحِيدِ وَبَيْنَ مُتَعَلِّقَةٍ بِاخْتِلَافٍ وَبَيْنَ مَا بَعْدَهَا مُنْقَدِّمٌ عَلَى الْإِسْتِثْنَاءِ فِي الْمَعْنَى بَغْيًا مِنَ الْكَافِرِينَ بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ اللَّيْلِ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ بِإِرَادَتِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ بِدَلِيلِهِ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۷۳﴾ طَرِيقِ الْحَقِّ وَنَزَلَ فِي جَنْبِ أَصَابِ الْمُسْلِمِينَ أَمْرٌ بَلْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا لَمْ يَأْتِكُمْ مَثَلُ شَيْءٍ مَا أَتَى الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ مِنَ الْمُحَنِّ فَتَضَيَّرُوا كَمَا صَبَرُوا مَسْتَهْزِئِينَ جَمَلَةً مُسْتَانِفَةً مُبَيَّنَّةً لِمَا قَبْلَهَا الْبَاسَاءُ شِدَّةُ الْفَقْرِ وَالضَّرَاءُ الْمَرَضُ وَمِنْ لَزُلُوهُ أَوْ عَجُوهُ بِأَنْوَاعِ الْبَلَاءِ حَتَّى يَقُولَ بِالْغَيْبِ وَالرَّفْعِ إِي قَالَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ اسْتَغْنَاءَ لِلنَّصْرِ لَتَنَاسِي الشَّدِيدِ عَلَيْهِمْ مَتَى يَأْتِي نَصْرُ اللَّهِ الَّذِي وَعَدْنَاهُ فَاجْنِبُوا مِنْ قَبْلِ اللَّهِ تَعَالَى إِلَّا أَنْ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۷۴﴾ إِي تَيَانُهُ .

ترجمہ: اے محمد ﷺ بنی اسرائیل سے لا جواب کرنے کے لئے پوچھو تو، کہ ہم نے انہیں کس قدر روشن نشانیاں عطا کیں! مثلاً دریا کا دولخت ہو جانا، اور مَنْ وَسَلَوٰی کا نازل کرنا، مگر انہوں نے ان نشانیوں (نعمتوں) کا بدلہ ناشکری سے دیا کفر استغفہامیہ ہے جو سَلْ، کو مفعول ثانی (آتینہم) میں عمل کرنے سے مانع ہے اور کَمُ آتینا کا مفعول ثانی ہے اور مُمَيَّنٌ ہے اور مِنْ آیتِ اس کی تیز ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو بدلتا ہے کفر کے ساتھ یعنی ان نعمتوں کو جو اسے بطور انعام نشانیوں کی شکل میں عطا فرمائیں۔ (اور وہ آیات نعمت اس لئے ہیں) کہ وہ سبب ہدایت ہیں تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے سخت عذاب والا ہے کافروں یعنی اہل مکہ کے لئے دنیا کی زندگی کو آراستگی کے ساتھ جس کو انہوں نے محبوب سمجھ لیا ہے خوب مزین کر دیا ہے اور یہ لوگ ایمان والوں کا ان کے فقر کی وجہ سے مذاق اڑاتے ہیں جیسا کہ عمار، اور بلال، اور صہیب، یعنی ان کا استہزاء کرتے ہیں اور ان پر مالی برتری جتاتے ہیں حالانکہ وہ لوگ جو شرک سے بچے اور وہ یہی (فقراء) ہیں قیامت کے دن ان سے اعلیٰ ہوں گے،

اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے یعنی آخرت یا دنیا میں رزق وسیع عطا کرتا ہے اس طریقہ پر کہ جن لوگوں کا مذاق اڑایا گیا ان کو ان کے مالوں کا ان کی گردنوں کا مالک بنادے گا (در اصل) لوگ ایمان والی ایک ہی امت تھے بعد میں مختلف ہو گئے اس طریقہ پر کہ بعض ایمان لائے اور بعض نے انکار کر دیا، بعد اس کے کہ ان کے پاس توحید کی واضح دلیلیں آچکی تھیں اور من بعد کا تعلق مختلف سے ہے اور من، اور اس کا مابعد معنی کے اعتبار سے استثناء پر مقدم ہے اور یہ سب کچھ محض آپسی کفر و عناد کی وجہ سے کیا پھر بھی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی جس میں انہوں نے اختلاف کیا اپنی مشیت سے رہبری کی اور اللہ جس کی ہدایت چاہتا ہے صراطِ مستقیم راہِ حق کی ہدایت کرتا ہے اور اس مشقت کے بارے میں کہ جو مسلمانوں کو پہنچی (آنندہ) آیت نازل ہوئی، کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اب تک تم پر وہ حالات نہیں آئے جو حالات تم سے پہلے ایمان والوں پر آئے تھے، لہذا تم اسی طرح صبر کرو جس طرح انہوں نے کیا، ان کو شدید احتیاج پیش آئی اور مرض لاحق ہوئے، مَسْتَهْطَمٌ جملہ متانفہ اپنے ماقبل کا بیان ہے مختلف قسم کی آزمائشوں سے بلا ڈالے گئے یہاں تک کہ اس وقت کا رسول اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے نصرت میں تاخیر اور ان پر انتہائی شدت کی وجہ سے کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ جس کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے (یقول) نصب اور رفع کے ساتھ ہے، تو ان کو اللہ کی طرف سے جواب دیا گیا ہے سنو اللہ کی نصرت کی آمد قریب ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْهِيلٍ وَ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: سَلْ، تو سوال کر، (ف) سے امر واحد کر حاضر سَلْ کی اصل اسْتَسْلَ تھی، ہمزہ ثانیہ کی حرکت نقل کر کے اپنے ماقبل سین کو دیدی اور ہمزہ کو تخفیفاً حذف کر دیا، ہمزہ وصل چونکہ ضرورۃً لایا گیا تھا ضرورت نہ رہنے کی وجہ سے ساقط ہو گیا سَلْ ہو گیا خطاب آپ ﷺ کو ہے۔

قَوْلًا: تَبَكِّيتًا (تفعیل) لا جواب کرنا، خاموش کرنا، شرمندہ کرنا اور یہ استفہام برائے توبیخ ہے نہ کہ استفہام برائے سوال۔
قَوْلًا: مُعَلِّقَةً لِّسَلِّ مِنَ الْمَفْعُولِ الثَّانِي، یعنی گم، استفہامیہ سَلِّ کو مفعول ثانی میں عمل کرنے سے مانع ہے اور خود قائم مقام مفعول ثانی کے ہے تاکہ اس کی صدارت کلام باقی رہے۔

مَسْأَلًا: سَلْ متعدی بیک مفعول ہے اس کو دوسرے مفعول کی ضرورت ہی نہیں ہے تو پھر سَلِّ کو مفعول ثانی میں عمل سے روکنے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابًا: سوال چونکہ سبب علم ہوتا ہے اور عَلِمَ افعال قلوب میں سے ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہے چونکہ سوال سبب ہے علم کا اور علم اس کا مسبب ہے اور بعض اوقات سبب مسبب کے قائم مقام ہوتا ہے لہذا یہاں بھی سَلِّ قائم مقام عَلِمَ کے ہونے کی وجہ سے متعدی بدو مفعول ہو گیا۔

تَرْکِیْب: سَلْ فعل امر ضمیر اَنْتَ اس کا فاعل بنی اسرائیل سَلْ کا مفعول اول ہے کَمِ استنبہامیہ مُیْمِز، هُمْ اَتَيْنَا، کا مفعول اول مِنْ آيَةِ تَمِيز کَمِ مُمِيزِ اپنی تمیز سے مل کر اَتَيْنَا، کا مفعول ثانی مقدم ہے اَتَيْنَا، اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ ہو کر قائم ہوا سَلْ کے مفعول ثانی کا سَلْ اپنے فاعل اور مفعول اور قائم مقام مفعول سے مل کر جملہ انشائیہ ہوا۔

سُئَال: سَلْ، دو مفعولوں کا تقاضہ کرتا ہے ایک ان میں سے مَسْئُول عَنْہُ ہوتا ہے اور دوسرا مَسْئُول، یہاں مَسْئُول بنی اسرائیل ہے، مَسْئُول عَنْہُ کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ مَسْئُول عَنْہُ کے بغیر سوال کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

جَوَاب: جس طرح مفعول ثانی سے مَسْئُول عَنْہُ سمجھا جاتا ہے قائم مقام مفعول سے بھی مَسْئُول عَنْہُ سمجھا جاتا ہے لہذا کَمِ اَتَيْنَاهُمْ جو کہ سَلْ کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہے، سے بھی مَسْئُول عَنْہُ مفہوم ہو رہا ہے لہذا مَسْئُول عَنْہُ کو مستقلاً ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

قَوْلًا: وَمُمِيزُهَا مِنْ آيَةٍ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے۔

سُئَال: کَمِ استنبہامیہ کی تمیز پر مِنْ کا استعمال نہیں ہوتا اور نحو کی کتابوں میں کہیں مذکور نہیں۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ کَمِ استنبہامیہ کی تمیز پر مِنْ کا دخول اس وقت منع ہے کہ جب مُیْمِز و تَمِيز کے درمیان فصل نہ ہو، لیکن اگر مُیْمِز اور تَمِيز کے درمیان فعل متعدی کا فصل ہو جیسا کہ یہاں اَتَيْنَا، کا فصل ہے، تو مِنْ کا لانا واجب ہے اور اس جواب کی وجہ مفعول اور تَمِيز کے درمیان فرق کرنا ہے، اگر تَمِيز پر مِنْ نہ ہوتا تو اس امر میں التباس ہو جاتا کہ آيَةٍ، اَتَيْنَا کا مفعول ہے کَمِ استنبہامیہ کی تمیز ہے؟

قَوْلًا: لِأَنَّهَا سَبَبُ الْهِدَايَةِ، اس شبہ کا جواب ہے کہ آیات کو نعمت کیوں کہا گیا ہے؟ جواب آیات چونکہ سبب ہدایت ہیں اور ہدایت سب سے بڑی نعمت ہے، سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

قَوْلًا: كُفْرًا، كُفْرًا، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ يُبَدِّلُ کا مفعول ثانی محذوف ہے۔

قَوْلًا: شَدِيدُ الْعِقَابِ لَهُ.

سُئَال: لَهُ کو مقدر ماننے کی کیا ضرورت ہے۔

جَوَاب: مَنْ يُبَدِّلُ نِعْمَةَ اللَّهِ، مبتداء ہے اور فَيَاِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہے حالانکہ خبر جب جملہ ہوتی ہے تو اس میں ایک عائد کا ہونا ضروری ہے، لَهُ، مقدر مان کر عائد محذوف کی طرف اشارہ کر دیا۔

قَوْلًا: وَهُمْ يَسْخَرُونَ.

سُئَال: هُمْ، کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: وَادَّ حَالِيہ ہے نہ کہ عاطفہ اور وَادَّ حَالِيہ کا جملہ اسمیہ ہونا ضروری ہے اسی لئے، هُمْ کا اضافہ کیا ہے۔

سُئَال: وَادَّ کو عاطفہ ماننے میں کیا قباحت ہے اگر وَادَّ کو عاطفہ مان لیا جائے تو هُمْ، محذوف ماننے کی ضرورت نہیں ہوگی۔

جَوَاب: وَادَّ کو عاطفہ ماننے کی صورت میں يَسْخَرُ، مضارع کا زَيْن ماضی پر عطف لازم آئے گا جو کہ کلام فصیح میں مستحسن نہیں ہے۔

قَوْلًا: وَهِيَ وَمَا بَعْدَهَا مَقْدَمٌ عَلَى الاستثناءِ معنًی، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک مشہور سوال کا جواب دینا ہے۔

سُؤَال: ایک حرف استثناء کے ذریعہ متعدد کا استثناء درست نہیں ہے، اور یہاں یہی صورت ہے اس لئے کہ: وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مَسْتَثْنٰی منہ ہے اور اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ مَسْتَثْنٰی اول ہے اور مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ مَسْتَثْنٰی ثانی ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ اعتراض اس وقت ہوگا جب مِنْ بَعْدِ الْخ کو اُوْتُوْهُ کے متعلق کیا جائے جیسا کہ قریب ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے مگر مِنْ بَعْدِ کا تعلق اُخْتَلَفَ سے ہے جس کی وجہ سے مِنْ بَعْدِ الْخ اِلَّا الَّذِیْنَ اُوْتُوْهُ پر مقدم ہے لہذا، مِنْ بَعْدِ، مَسْتَثْنٰی میں نہیں بلکہ مَسْتَثْنٰی منہ میں داخل ہے اسی جواب کی طرف مفسر علام نے مِنْ بَعْدِ الْخ متعلقہ بِاخْتِلَافٍ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

قَوْلًا: معنًی، اس لفظ کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْخ لفظوں کے اعتبار سے اگرچہ مؤخر ہے مگر معنی کے اعتبار سے مقدم ہے۔

قَوْلًا: بَغِيًّا، یا تو مفعول یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلًا: بَيْنَهُمْ. بَغِيًّا، کی صفت ہے یا حال ہے۔

قَوْلًا: اِیْ قَالَ.

سُؤَال: مفسر علام نے یقول، کی تفسیر قَالَ سے کی ہے اس کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اس کا مقصد یقول کی دونوں قراءتوں کی طرف اشارہ کرنا ہے، اس لئے کہ قاعدہ یہ ہے کہ جب حَتَّى، کے بعد مستقبل بمعنی ماضی ہوتا ہے تو اس میں رفع و نصب دونوں جائز ہوتے ہیں یہاں یہی صورت ہے اس لئے نافع رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے رفع اور دیگر حضرات نے نصب پڑھا ہے، حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ، اصل میں قال الرسول ہے حکایت حال ماضیہ کے طور پر ماضی کو مضارع سے تعبیر کر دیا گیا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ”مَرَضَ فُلَانٌ حَتَّى لَا يَرِجُوْنَهُ“ فلاں شخص بیمار ہو گیا اس کے بچنے کی امید نہیں ہے۔

قَوْلًا: مَتٰی یَاتِیْ نَصْرُ اللّٰہِ، متٰی، ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے اور خبر مقدم ہونے کی وجہ سے محل میں رفع کے ہے اور نصر اللہ مبتداء مؤخر ہے مفسر علام نے یأتی، فعل محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ نصر اللہ فعل محذوف کا فاعل ہے۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

سابقہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ دلائل واضحہ آجانے کے بعد حق کی مخالفت کرنا موجب سزا ہے سَلِّ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ (الایہ) اس آیت میں مذکورہ دعوے کی دلیل بیان فرمائی گئی ہے کہ جس طرح بعض بنی اسرائیل کو ایسی ہی مخالفت پر سزا دی گئی ہر

مخالفت کرنے والے کو ایسی ہی سزا دی جائے گی۔

آپ علماء بنی اسرائیل سے پوچھئے کہ ہم نے ان کو یعنی ان کے بزرگوں کو کتنی واضح دلیل دی تھیں مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ ان سے ہدایت حاصل کرتے الٹی گمراہی پر کمر باندھ لی مثلاً تورات ملی، چاہئے تو یہ تھا کہ اس کو قبول کرتے، مگر انکار کیا آخر کوہ طور گرانے کی ان کو دھمکی دی گئی، اور مثلاً کوہ طور پر حق تعالیٰ کا کلام سنا، چاہئے تھا کہ سر آنکھوں پر رکھتے، مگر شبہات نکالے اور اللہ تعالیٰ کو پچشم سردیکھنے کی ضد کی، آخر آسمانی بجلی کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے اور مثلاً دریائیں شگاف ڈال کر فرعون سے نجات دی، احسان ماننے کے بجائے گائے کی پوجا شروع کر دی، جس کی وجہ سے سزائے قتل دی گئی اور مثلاً مَنْ وَسَلْوٰی نازل ہوا، شکر کرنا چاہئے تھا مگر ناشکری کی اور ذخیرہ کرنے لگے تو وہ سڑنے لگا اور جب اس سے نفرت ظاہر کی تو موقوف ہو گیا، اور مثلاً ان میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ جاری کیا غنیمت سمجھتے، ان کو قتل کرنا شروع کر دیا اس کی سزا یہ ملی کہ حکومت و سلطنت چھین کر ذلت و خواری مسلط کر دی گئی۔

مِنْ آیَةِ بَیِّنَةٍ کھلی ہوئی نشانیوں سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات مفسرین نے کہا ہے آپ کی وہ صفات اور نشانیاں مراد ہیں جو انبیاء بنی اسرائیل کو بتائی گئی تھیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ وہ آیات تسع مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی گئی تھیں۔

نِعْمَةُ اللَّهِ، سے کیا مراد ہے؟ طبری نے کہا ہے کہ اسلام مراد ہے مگر ظاہر یہ ہے کہ ہر قسم کی نعمت مراد ہے خواہ دنیوی ہوں یا اخروی، روحانی ہوں یا جسمانی، ظاہری ہوں یا باطنی، خواہ ادنیٰ ہوں یا اعلیٰ بہر حال تمام نعمتیں قابل قدر اور لائق شکر گذاری ہیں چہ جائیکہ بنی اسرائیل کو بڑی بڑی و نیوی و اخروی نعمتوں سے مدتوں سرفراز رکھا، اور کتاب و نبوت کی مشعل دے کر دنیا کی رہنمائی کے منصب پر مامور کیا تھا، مگر انہوں نے دنیا پرستی، نفاق اور علم و عمل کی ضلالتوں میں مبتلا ہو کر اس نعمت سے اپنے آپ کو محروم کر لیا لہذا جو گروہ اس قوم کے بعد امامت کے منصب پر فائز ہوا ہے اس کو سب سے بہتر سبق اگر کسی کے انجام سے مل سکتا ہے تو وہ یہی قوم ہے اسی لئے اس قوم کی سرکشی اور تمرد کو بیان کر کے ان کے جیسے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے۔

نِعْمَةُ اللَّهِ کی وسعت دینی اور دنیوی ہر قسم کی نعمتوں کو شامل ہے اور یہاں ہر قسم کی نعمت کو نسخ و تبدیل کرنے کے عذاب شدید کی وعید ہے، اب نعمت اگر دینی ہے مثلاً کتاب الہی یا ظہور انبیاء تو اس میں تحریف یا انکار پر عذاب اخروی کا وقوع ظاہر ہی ہے، لیکن نعمت اگر محض و نیوی ہے مثلاً دولت، صحت، سلطنت تو اس کے بے جا استعمال کا خمیازہ، بیماری، ناکامی، افلاس، بغاوت، انتشار، بد امنی، غلامی، ذلت وغیرہ کی شکل میں اٹھانا بھی مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔

مذکورہ آیت آج کس قدر امت کے حسب حال اور کس درجہ مطابق ہے، قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ کی عطا کی ہوئی ہر دینی و دنیوی نعمت کے ساتھ آج ہمارا کیا معاملہ ہے؟ کس نعمت کا ہم حق ادا کر رہے ہیں؟ کون سی نعمت ایسی ہے کہ جس کی روح ہم نے نہیں بدل ڈالی؟ ہماری نمازیں، ہمارے روزے، ہمارے حج، ہماری عبادتیں روح و مغز سے یکسر خالی محض ڈھانچے رہ گئے ہیں، اخلاق و اتحاد کی دولت ہم نے الگ برباد کر ڈالی نتیجہ جو نکلا سب کی آنکھوں کے سامنے ہے، ایران،

پاکستان، ترکستان، عراق، انڈونیشیا غرضیکہ تمام مسلم ممالک کا آج جو عبرت انگیز حشر ہو رہا ہے ان سب کی تہ میں بھی خدائی دینی و دنیوی نعمتوں کی ناقدری کو دخل ہے۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا (الایۃ) زُیِّنَ، مجہول ہے ایک قراءت میں معروف بھی پڑھا گیا ہے اس کے معنی ہیں زینت دیا گیا حقیقت میں زینت دینے والا تو اللہ ہے مگر یہاں زینت سے مغالطہ دینا اور سبز باغ دکھانا مراد ہے یعنی حیات دنیا کو جو کہ فانی اور ناپائیدار ہے کفار کی نظروں میں شیطان نے باقی اور پائیدار اور محبوب کر کے دکھایا ہے۔

اور اسی ناپائیدار اور زوال پذیر دنیا کے بل بوتے پر قریش، ابن مسعود، عمار، صہیب، بلال و خباب رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وغیرہ جیسے غریب اور نادار مسلمانوں کو دیکھ کر ہنسا کرتے تھے، مگر دنیا پر فریفتہ اور مغرور ہونے والے کافر سرداروں کو معلوم ہونا چاہئے کہ آخر کار غلبہ اور عزت و راحت مومنین ہی کے لئے ہے۔

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مومن مرد یا عورت کو اس کے فقر و فاقہ کی وجہ سے ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو اولین و آخرین کے مجمع میں رسوا اور ذلیل کرے گا، اور جو شخص کسی مسلمان مرد عورت پر بہتان باندھتا ہے اور کوئی ایسا عیب اس کی طرف منسوب کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو آگ کے ایک اونچے میلے پر کھڑا کریں گے جب تک کہ وہ خود اپنی تکذیب نہ کرے۔ (معارف)

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً، ابتداء میں لوگ ایک ہی طریقہ یعنی تو حید پر تھے پھر یہ حالت باقی نہ رہی اور اختلافات رونما ہوئے، حضرت آدم عَلَیْہِ السَّلَام سے حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَام یعنی دس صدیوں تک لوگ تو حید پر رہے اس آیت میں مفسرین صحابہ نے، فَاخْتَلَفُوا، محذوف مانا ہے یعنی اس کے بعد شیطان کی وسوسہ اندازی سے ان کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا اور شرک و مظاہر پرستی عام ہو گئی فَبَعَثَ، کا عطف فَاخْتَلَفُوا، (محذوف) پر ہے پس اللہ نے نبیوں کو کتابوں کے ساتھ بھیج دیا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان اختلاف کا فیصلہ اور حق و تو حید کو قائم اور واضح کریں۔

ناواقف لوگ جو اپنے قیاس و گمان کی بنیاد پر مذہب کی تاریخ مرتب کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ انسان نے اپنی زندگی کی ابتداء شرک کی تاریکیوں سے کی پھر بتدریج ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہ تاریکی چھٹی اور روشنی بڑھتی گئی یہاں تک کہ آدمی تو حید کے مقام پر پہنچا، قرآن اس کے برعکس بتاتا ہے کہ دنیا میں انسان کی زندگی کا آغاز پوری روشنی میں ہوا ہے، اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس انسان کو پیدا کیا تھا اس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ حقیقت کیا ہے اور تیرے لئے صحیح راستہ کونسا ہے، اس کے بعد نسل آدم ایک مدت تک راہ راست پر قائم رہی اور ایک امت بنی رہی، پھر لوگوں نے نئے نئے راستے نکالے اور مختلف طریقے ایجاد کر لئے، اس وجہ سے نہیں کہ ان کو حقیقت نہیں بتائی گئی تھی بلکہ اس وجہ سے کہ حق کو جاننے کے باوجود بعض لوگ اپنے جائز حق سے بڑھ کر امتیازات، فوائد اور منافع حاصل کرنا چاہتے تھے اور آپس میں ایک دوسرے پر ظلم، سرکشی اور زیادتی کرنے کے خواہشمند تھے، اسی خرابی کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام عَلَیْہِ السَّلَام کو مبعوث کرنا شروع کیا، یہ انبیاء اس لئے نہیں بھیجے گئے تھے، کہ ہر ایک اپنے نام سے ایک نئی امت بنا لے اور نئے مذہب کی بنیاد ڈالے، بلکہ ان کے

جیسے کی غرض یہ تھی کہ لوگوں کے سامنے اس کھوئی راہ حق کو واضح کر کے انہیں پھر سے ایک امت بنادیں۔
 اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ (الآیۃ) کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یوں ہی جنت میں داخلہ ہو جائے گا حالانکہ
 ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گذرا جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گذر چکا ہے؟

شان نزول:

عبدالرزاق وابن جریر وابن منذر نے قتادہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت غزوۂ احزاب (غزوۂ خندق) کے
 وقت نازل ہوئی، اس کا مقصد آپ ﷺ اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو تسلی دینا ہے۔

غزوۂ احزاب:

غزوۂ احزاب جس کو غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں صحیح قول کے مطابق ۵ھ میں پیش آیا ابوسفیان جو کہ ابھی حلقہ بگوش اسلام
 نہیں ہوئے تھے دس ہزار کی ایک بڑی جمعیت لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس غزوہ میں مسلمانوں کو بہت دقت پیش آئی
 بے سروسامانی کا عالم، سخت سردیوں کا موسم، مقابلہ پر دس ہزار کا مسلح لشکر جرار ان تمام وجوہ کی بنا پر مسلمانوں کو تشویش لاحق
 تھی، اور مایوسی و ناامید کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دل بڑھانے اور تسلی دینے کے لئے فرمایا: کیا تم جنت میں جانا آسان
 سمجھتے ہو تم سے پہلے جو پیغمبر اور ان کے تابعین گذرے ہیں، ان کی مصیبتیں یاد کرو ابھی تو تم پر وہ سختی نہیں آئی، مطلب یہ کہ یہ
 معاملہ ہو ان کے سروں پر آرا رکھ کر جسم کو دو لخت کر دیا گیا، لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جیتے جی بڈیوں سے گوشت کھرچا
 گیا لیکن یہ ظلم ان کو ان کے دین سے نہ پھیر سکا، لہذا چاہئے کہ جس طرح انہوں نے صبر کیا تم بھی صبر کرو مدد و عنقریب آنے
 والی ہے آپ ﷺ کا مقصد مسلمانوں کے اندر عزم اور حوصلہ پیدا کرنا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے کہ ایک سوار تنہا صنعاء سے حضر موت تک سفر کریگا اور اس کو سوائے
 خدا کے کسی کا ڈرنہ ہوگا۔ (بخاری کتاب الاکراہ)

يَسْأَلُونَكَ يَا مُحَمَّدُ مَاذَا آيَ الَّذِي يُنْفِقُونَ وَالسَّائِلُ عَمْرُو بْنُ الْجَمُوحِ وَكَانَ شَيْخًا ذَا مَالٍ فَسَأَلَ النَّبِيَّ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَمَّا يُنْفِقُ وَعَلَى مَنْ يُنْفِقُ قُلْ لَهُمْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ بَيَانٌ لِّمَا، شَابِلٌ لِلتَّقْلِيلِ
 وَالكَثِيرِ وَفِيهِ بَيَانُ الْمُنفِقِ الَّذِي يَأْخُذُ شِقَى السَّوَالِ وَأَجَابَ عَنِ الْمَصْرَفِ الَّذِي هُوَ الشَّقَى الْآخِرُ بِقَوْلِهِ
 فَلِلَّوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ آيَ بُنْمِ أُولَى بِهِ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ انْفَاقٍ وَغَيْرِهِ
 فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝ فَمُجَازٍ عَلَيْهِ كُتِبَ فَرَضٌ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ لِكُفَّارِ وَهُوَ كُفْرُهُ مَكْرُوهٌ لَّكُمْ طَبْعًا لِمَشَقَّتِهِ
 وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ لَمِيلِ النَّفْسِ إِلَى الشَّهَوَاتِ الْمَوْجِبَةِ

لِيَهْلِكَهَا وَتُفَوِّرَهَا عَنِ التَّكْلِيفَاتِ الْمَوْجِبَةِ لِسَعَادَتِهَا فَلَعَلَّ لَكُمْ فِي الْقِتَالِ وَإِنْ كَرِهْتُمُوهُ خَيْرًا لَّانَ فِيهِ أَمَّا
الْظَّفَرُ وَالْغَنِيمَةُ أَوْ الشَّهَادَةُ وَالْأَجْرُ وَفِي تَرْكِه وَإِنْ أَحْبَبْتُمُوهُ شَرًّا لَّانَ فِيهِ الدَّلُّ وَالْفَقْرُ وَحَرَمَانِ الْأَجْرِ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا بَوَّخَيْرٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۹﴾ ذَلِكَ فَبَادِرُوا إِلَى مَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ.

ترجمہ: اے محمد ﷺ آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ مَاذَا بِمَعْنَى الَّذِي ہے اور سائل عمرو بن
جموح تھے، جو کہ مالدار بوڑھے تھے، تو انہوں نے آپ سے سوال کیا کہ کیا خرچ کریں؟ آپ ان کو جواب دو کہ تم جو مال خرچ کرو
(مِنْ خَيْرٍ) مَا کا بیان ہے جو کہ قلیل و کثیر سب کو شامل ہے اور اس میں خرچ کی جانے والی چیز کا بیان ہے جو کہ سوال کی دو شکوے
میں سے ایک ہے اور مصرف کا جواب دیا اپنے قول فَلِلَّوَالِدَيْنِ سے جو کہ سوال کی دوسری شق ہے (یعنی اپنے) والدین پر، رشتہ
داروں پر، یتیموں پر، مسکینوں پر اور مسافروں پر (خرچ کرو) یہ لوگ انفاق کے زیادہ مستحق ہیں، انفاق وغیرہ جو بھی عمل خیر تم کرو
گے اللہ اس سے باخبر ہے اس کا تم کو صلہ ملے گا، تم پر کفار سے جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو طبعاً ناپسند ہے اس میں مشقت
ہونے کی وجہ سے، اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو ناگوار ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو پسند ہو اور وہی
تمہارے لئے بری ہو ہلاک کرنے والی خواہشات کی طرف نفس کے میلان کی وجہ سے، اور نفس کے لئے سعادت کو واجب کرنے
والی تکلیفوں سے نفس کے نفرت کرنے کی وجہ سے، اس لئے ہو سکتا ہے کہ جہاد میں تمہارے لئے خیر ہو اگرچہ تم اس کو ناگوار سمجھو
اس میں یا تو فتح اور مال غنیمت ہے یا شہادت اور اجر ہے، اور جہاد کے ترک کرنے میں اگرچہ تم اس (ترک جہاد) کو پسند کرو، شر
ہو، اس لئے کہ اس میں ذلت فقر اور اجر سے محرومی ہے تمہارے لئے کیا بہتر ہے؟ اللہ جانتا ہے تم اس کو نہیں جانتے، لہذا جس کا
تم کو حکم کرے اس کی طرف سبقت کرو۔

تحقیق و ترکیب و تہلیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: الَّذِي، اس میں اشارہ ہے کہ ذَا، یہاں موصول ہے نہ کہ اسم اشارہ، یعنی الَّذِي، إِذَا کی تفسیر ہے نہ کہ مَا ذَا کی۔
قَوْلًا: وَعَلَى مَنْ يُنْفِقُ، اس عبارت کو مقدر ماننے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔
سُؤَال: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جواب عمرو بن جموح کے سوال کے مطابق نہیں ہے اس لئے کہ سوال تھا کیا خرچ کریں، نہ یہ
کہ کس پر خرچ کریں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فَلِلَّوَالِدَيْنِ کہہ کر، مصرف کو بیان کیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ سوال منفق کا تھا اور
جواب منفق علیہم سے دیا گیا۔

جَوَاب: جواب کا ما حاصل یہ ہے کہ سوال دونوں چیزوں کا تھا مگر نظم آیت میں ایجاز و اختصار کی وجہ سے منفق کو ذکر نہیں کیا،
جواب پر محمول کرتے ہوئے کہ جواب ہی سے سوال سمجھ میں آجائے گا، مِنْ خَيْرٍ، مَا کا بیان ہے جو کہ قلیل و کثیر کو شامل

ہے اور اس میں اشارۃً مَنْفَق کا بیان ہے جو کہ سوال کے دو جزوؤں میں سے ایک ہے اور فِلِلُو الدین مصرف کا بیان ہے جو کہ سوال کے دوسرے جزء کا بیان ہے، سوال کا جو جزء صراحۃً مذکور ہے اس کا جواب ما انفقتم من خیر، سے اشارۃً دیا اور سوال کا جو جزء محذوف ہے یعنی عَلٰی مَنْ یُنْفَقُ، اس کا جواب صراحۃً مذکور ہے یعنی فِلِلُو الدین الخ لہذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہا، سوال و جواب دونوں مطابق ہو گئے، منفق کے اشارۃً اور منفق علیہم کے صراحۃً ذکر کرنے میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ منفق کے بارے میں سوال کوئی اہمیت نہیں رکھتا اس لئے کہ کیا خرچ کرے اور کتنا خرچ کرے یہ انسان کی حالت اور صوابدید پر موقوف ہوتا ہے البتہ مصرف کا جاننا ضروری ہے تاکہ صرف کیا ہو مال بے مصرف اور بے جا مصرف نہ ہو جائے ورنہ تو مال ضائع اور اجر سے محرومی لازم آئے گی۔

قَوْلًا: هُمْ اُولٰٓئِہِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مذکورہ مصارف اولیٰ اور افضل ضرور ہیں مگر ان ہی میں منحصر نہیں ہیں ان کے علاوہ پر بھی صرف کر سکتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ فِلِلُو الدین میں لام اختصاص کا نہیں ہے۔

قَوْلًا: طبعاً یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: اللہ کے حکم کو خصوصاً جب کہ فرض ہو، ناپسند کرنا اور مکروہ سمجھنا کفر ہے۔

جَوَابٌ: طبعی کراہت موجب کفر نہیں اسلئے کہ یہ انسان کی فطرت ہے۔

قَوْلًا: ذٰلِكَ یَہِیَعْلَمُوْنَ کا مفعول ہے۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ، یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ یہی سوال اسی رکوع میں دو آیتوں کے بعد انہی الفاظ کے ساتھ دہرایا گیا ہے وَیَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ، لیکن اس ایک ہی سوال کا جواب آیت متذکرہ میں کچھ اور ہے اور بعد میں آنے والی آیت میں مذکور سوال کا جواب کچھ اور۔

اس لئے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک ہی سوال کے دو مختلف جواب کس بات پر مبنی ہیں یہ حکمت ان حالات و واقعات میں غور کرنے سے واضح ہو جاتی ہے جن میں یہ آیت نازل ہوئی مثلاً آیت متذکرہ کا شان نزول یہ ہے کہ عمرو بن جموح نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ مَا نُنْفِقُ مِنْ اَمْوَالِنَا وَاَیْنَ نَضَعُهَا (اخرجه ابن المنذر، مظہری) یعنی ہم اپنے اموال میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں؟ ابن جریر کی روایت کے مطابق یہ سوال تنہا ابن جموح کا نہیں تھا بلکہ عام مسلمانوں کا تھا اس سوال کے دو جز ہیں ایک یہ کہ مال میں سے کیا اور کتنا خرچ کریں دوسرے یہ کہ اس کا مصرف کیا ہو؟

دوسری آیت میں جو بعد میں آرہی ہے وہ بھی اسی سوال پر مشتمل ہے، اس کا شان نزول بروایت ابن ابی حاتم یہ ہے کہ جب قرآن میں مسلمانوں کو اس کا حکم دیا گیا کہ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو چند صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ انفاق فی سبیل اللہ کا جو حکم ہم کو ملا ہے ہم اس کی وضاحت چاہتے ہیں کہ کونسا مال

اللہ کی راہ میں خرچ کریں؟ اس سوال میں صرف ایک ہی چیز ہے یعنی کیا خرچ کریں؟ اس طرح دونوں سوالوں کی نوعیت کچھ مختلف ہوگئی، پہلے سوال کے جواب میں جو کچھ قرآن میں ارشاد فرمایا گیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال کے دوسرے جز یعنی کہاں خرچ کریں کو زیادہ اہمیت دے کر اس کا جواب تو صریح طور پر دیا گیا اور پہلے جز یعنی کیا خرچ کریں کا جواب ضمنی طور پر دیدینا کافی سمجھا گیا۔

مصارف خیر کی حکمت:

مصارف خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اس کی ترتیب کس قدر حکیمانہ ہے سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں باپ کا ہے جتنی بھی مالی خدمت ہو سکے ان کی کی جائے، پھر دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے اور اس میں بھائی بہن چچا پھوپھی وغیرہ سب آگئے، شریعت نے اپنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے اس پر یہ ایک اور دلیل ہے پھر امت کے وہ فرزند ہیں جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے یعنی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں، پھر وہ اللہ کے بندے جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا قریب قریب بند ہو چکے ہیں اور اپنی ضرورتوں کے پوری ہونے کے لئے بیرونی امداد کے محتاج ہیں اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں جو اپنے وطن سے علیحدہ اور دور ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مبتلا ہیں، قریبی اور دور سے حقدار اور ملی رشتہ رکھنے والے سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر کس خوبصورتی سے ایک فریم کے اندر فٹ ہو گئے مقصود شریعت یہ ہر گز نہیں کہ پڑوس میں ہمارا بھائی بھوک سے تڑپ رہا ہو اور ہم اس کی طرف سے بے خبر ہو کر چند لکھوار ہے ہوں چین یا جاپان کے کسی ریلیف فنڈ میں!

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ، خیر عام ہے بدنی، مالی، چھوٹی، بڑی ہر قسم اور ہر درجہ کی نیکی کو شامل ہے خیر کا تعلق یہاں انفاق کے ساتھ نہیں، فعل کے ساتھ ہے اور اس معنی میں وہ عام ہے۔

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (الایۃ) قتال و جہاد مسلمانوں پر اس وقت فرض ہے جب اس کے شرائط متحقق ہو جائیں قتال کے آداب و شرائط کچھ تو اسی پارہ میں بیان ہو چکے ہیں کچھ آئندہ حسب موقع بیان ہوتے رہیں گے غیر مصافی کو قتل نہ کرنے پر اسلام نے جو زور دیا ہے اس کو سامنے رکھ کر ذرا ذیل کا اقتباس ملاحظہ ہو اسی کتاب سے جو یہود و نصاریٰ دونوں کے یہاں مقدس ہے۔

سواب تو جا، اور عمالیت کو مار، اور جو کچھ اس کا ہے یک لخت ختم کر اور اس پر رحم مت کر بلکہ مرد، عورت، ننھے بچے شیر خوار اور بیل، بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔ (سونیل، ۲:۱۵)

وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ، اپنی جان کس کو عزیز نہیں ہوتی، اپنی جان خطرہ میں ڈالتے ہوئے ہر جاندار بچلچاتا ہے، پھر مکہ کے غریب مہاجرین جو ابھی ترک وطن کر کے مدینہ میں آکر پناہ لینے پر مجبور ہوئے تھے، وہ تو روپیہ پیسہ میں ساز و سامان میں تعداد میں غرض مادی اعتبار سے کسی معنی میں بھی اپنے حریفوں کے مد مقابل نہ تھے ان شکستہ دل شکستہ بازوؤں کو حکم جنگ

وقال پا کر اگر طبعی گرائی محسوس ہو تو یہ ان کے مرتبہ اخلاص اور قوت ایمانی کے ذرا بھی منافی نہیں۔

شاق علیکم مکروہ طبعاً (بیضاوی) مکروہ بالطبیعة۔ (بحر)

هُوَ كَرَهُ لَكُمْ، آیت پوری طرح تردید کر رہی ہے ان بے غیرت مستشرقین کی جنہوں نے یہ لکھ ڈالا کہ مسلمان مال غنیمت کی حرص میں خود ہی مشتاق جنگ و قتال کے رہتے تھے۔

لفظ كَرَهُ مصدر ہے مگر معنی میں مکروہ کے ہے جیسے خُبِرَ بمعنی مخبُورٌ، استعمال ہوتا ہے۔ (ماجدی)

وَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ سَرَايَاهُ وَأَتَرَ عَلَيْهَا عَبْدَ اللَّهِ بْنُ جَحْشٍ فَقَاتِلُوا الشُّرَكَاءَ وَقَتْلُوا
ابْنَ الْحَضْرَمِيِّ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِنْ جُمَادَى الْآخِرَةِ وَالتَّبَسُّعِ عَلَيْهِمْ بِرَجَبٍ فَعَيَّرَهُمُ الْكُفَّارُ بِاسْتِحْلَالِهِ فَنَزَلَ
يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ الْمَحْرَمِ قِتَالٍ فِيهِ بَدَلُ اشْتِمَالٍ قُلْ لَهُمْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ عَظِيمٌ وَزَرَأَ مَبْتَدَأٌ وَحَبْرٌ
وَصَدٌّ مَبْتَدَأٌ لِلنَّاسِ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ دِينِهِ وَكُفْرٌ بِهِ بِاللَّهِ وَصَدٌّ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَيْ مَكَّةَ
وَأَخْرَاجَ أَهْلِهِ مِنْهُ وَبِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَخَبْرُ الْمَبْتَدَأِ أَكْبَرُ أَغْضَبَ وَزَرَأَ عِنْدَ اللَّهِ
بَيْنَ الْقِتَالِ فِيهِ وَالْفِتْنَةِ الشَّرِّكَ بِنَكْبَةِ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ لَكُمْ فِيهِ وَلَا يَزَالُونَ أَيْ الْكُفَّارُ يُقَاتِلُونَكُمْ أَنَّهُ
الْمُؤْمِنُونَ حَتَّى كَى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِلَى الْكُفْرِ إِنْ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ
فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ الصَّالِحَةُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلَا يَغْتَذَرُونَ بِهَا وَلَا ثَوَابَ عَلَيْهَا وَالتَّقْيِيدُ بِالْمَوْتِ
عَلَيْهِ يُنْبِذُ أَنَّهُ لَوْ رَجَعَ إِلَى الْإِسْلَامِ لَمْ يَبْطُلْ غَمْلُهُ فَيَثَابَ عَلَيْهِ وَلَا يُعِيدُهُ كَالْخَيْجِ مَثَلًا وَعَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ
وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧﴾ وَأَسَاطِنُ الشَّرِّيَةِ أَنَّهُمْ إِنْ سَلِمُوا مِنْ الْإِثْمِ فَلَا يَحْصُلُ لَهُمْ أَجْرٌ نَزَلَ
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَفَارَقُوا أَوْطَانَهُمْ وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لِإِعْلَاءِ دِينِهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ
ثَوَابَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٢٨﴾ بِهِ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ الْقِمَارِ مَا حُكْمُهُمَا قُلْ لَهُمَا
فِيهِمَا أَيْ فِي تَعَاظِيمِهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ عَظِيمٌ وَفِي قِرَاءَةِ بِالسُّلْثَةِ لِمَا يَحْصُلُ بِسَبَبِهِمَا مِنَ الْمُخَاصَمَةِ
وَالْمُشَاتَمَةِ وَقَوْلِ النَّحْشِ وَمَنَافِعُ النَّاسِ بِاللَّذَّةِ وَالْفَرْحِ فِي الْخَمْرِ وَاصَابَةِ الْمَالِ بِلَا كَدٍ فِي الْمَيْسِرِ
وَأَثْمُهُمَا أَيْ مَا يُنْشَأُ عَنْهُمَا مِنَ الْمَنَاسِدِ أَكْبَرُ أَعْظَمُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَلَمَّا نَزَلَتْ شَرِبَهَا قَوْمٌ وَاسْتَمَعَ
الْآخَرُونَ إِلَى أَنْ حَرَنْتَهُمَا آيَةُ الْمَائِدَةِ وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ هُ أَيُّ مَا قَدَرُوا قُلْ انْفِقُوا الْعَفْوُ أَيْ الْفَاضِلُ
عَنِ الْحَاجَةِ وَلَا تُنْفِقُوا مَا تَحْتَاجُونَ إِلَيْهِ وَتُخْضِعُوا أَنْفُسَكُمْ وَفِي قِرَاءَةِ بِالرَّفْعِ بِتَقْدِيرِ بُوَ كَذَلِكَ كَمَا بَيَّنَّ
لَكُمْ مَا ذَكَرَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٩﴾ فِي أَمْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَتَأْخُذُونَ بِالْأَصْلَحِ لَكُمْ
فِيهِمَا.

ترجمہ: نبی ﷺ نے اپنے سرایا (جنگی یونٹ) میں سے پہلا سریہ (یونٹ) روانہ فرمایا، اور اس کا امیر عبداللہ بن جحش کو بنایا، چنانچہ ان لوگوں نے مشرکین سے قتال کیا اور جمادی الاخری کے آخری دن ابن حضرمی کو قتل کر دیا، اور ان کو جمادی الاخری کا رجب کے پہلے دن سے اشتباہ ہو گیا، تو کفار نے ماہ رجب کو حلال سمجھنے پر عار دلائی تو، یَسْأَلُونَكَ نَازِلَ هُوَی، لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ماہ حرام (یعنی) ماہ محترم میں لڑنا کیسا ہے؟ قِتَالٍ فِیْهِ (عن الشهر الحرام) سے بدل الاشتمال ہے آپ ان کو بتادو کہ ان میں قتال کرنا بہت برا ہے (یعنی) گناہ کے اعتبار سے بڑا جرم ہے (قتال فیہ) مبتداء خبر ہیں، اور لوگوں کو اللہ کے راستہ یعنی ان کے دین سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام یعنی مکہ سے روکنا اور اہل حرم کو حرم سے نکالنا، اور وہ نبی ﷺ اور مومنین ہیں، اللہ کے نزدیک بڑا گناہ ہے اس میں قتال کرنے سے، صَدُّ، مبتداء ہے اور اکبر عند اللہ اس کی خبر ہے، اور فتنہ (یعنی) تمہارا شرک کرنا تم کو اس میں قتل کرنے سے شدید تر ہے اور اے مومنو! یہ کافر تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو تمہارے دین سے کفر کی طرف پھیر دیں اگر ان کا بس چلے، اور تم میں سے جو اپنے دین سے پھرے گا، اور وہ کفر ہی کی حالت میں رہے گا تو اس کے اعمال صالحہ دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے تو نہ تو ان اعمال کا شمار ہوگا اور نہ ان پر اجر ملے گا اور کفر ہی پر مرنے کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر یہ شخص اسلام کی طرف واپس آ گیا تو اس کا عمل ضائع نہیں ہوا، لہذا اس پر ثواب عطا کیا جائیگا اور وہ اس عمل کا اعادہ نہ کرے گا جیسا کہ حج مثلاً امام شافعی رَحِمَہُ اللہ تَعَالٰی کا یہی مذہب ہے اور ایسے سب لوگ جہنمی ہیں اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے اور جب اہل سریہ کو یہ گمان ہوا کہ وہ اگرچہ گناہ سے محفوظ رہے لیکن ان کو (جہاد کا) اجر تو نہیں ملا تو (اِنَّ الَّذِیْنَ) نازل ہوئی بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی یعنی اپنے وطنوں کو چھوڑا اور دین کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا یہی ہیں وہ لوگ جو اللہ کی رحمت ثواب کے (بجا طور پر) امیدوار ہیں، اور اللہ تعالیٰ مومنین کو معاف کرنے والا ہے اور ان پر رحم کرنے والا ہے آپ سے شراب اور جوئے یعنی ان کے حکم کے بارے میں پوچھتے ہیں ان کو بتادو ان دونوں کے کرنے میں گناہ عظیم ہے اور ایک قراءت میں (کبیر) ثناء مثلاً شہ کے ساتھ (یعنی) کثیر ہے اس لئے کہ ان دونوں کی وجہ سے عداوت اور گالی گلوچ اور فحش گوئی کی نوبت آتی ہے اور (ان میں) لوگوں کے لئے کچھ منافع بھی ہیں مثلاً لذت مسرت شراب میں اور بلا مشقت مال کا حصول جوئے میں، اور ان کا گناہ یعنی ان مفسد کا گناہ جو (ان دونوں) سے پیدا ہوتے ہیں عظیم تر ہے ان کے نفع سے، اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو کچھ لوگ (شراب) پیتے رہے اور کچھ (پینے سے) باز آ گئے، حتیٰ کہ سورہ مائدہ کی آیت نے ان دونوں کو حرام کر دیا اور لوگ آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ (راہ خدا میں) کیا خرچ کریں؟ یعنی اس کی مقدار کیا ہو؟ آپ بتادو کہ جو تمہاری حاجت سے فاضل ہو اس کو خرچ کرو اور جس کی تم کو حاجت ہو اس کو خرچ نہ کرو (کہ اس کو خرچ کر کے) خود کو ضائع کر دو اور ایک قراءت میں (العفو) رفع کے ساتھ ہے، ہُوَ کی تقدیر کے ساتھ اس طرح جس طرح کہ تمہارے لئے مذکورہ احکام بیان کئے اللہ تمہارے لئے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے

تا کہ تم دنیا و آخرت کے معاملہ میں غور کرو پس اسی کو اختیار کرو جو دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہو۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُنَا: ابن الحضرمی، ان کا اصل نام عمر بن عبداللہ بن عباد حضرمی ہے حضرت موت کی طرف منسوب ہے۔
قَوْلُنَا: سَرَايَا، سَرِيَّةٌ کی جمع ہے لشکر کا ایک حصہ، اصطلاح میں سریہ اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے بذات خود شرکت نہ فرمائی ہو اور غزوہ اس لشکر کو کہتے ہیں جس میں آپ ﷺ نے بذات خود شرکت فرمائی ہو، غزوات اور سرایا کی مجموعی تعداد ستر ہے، سریہ پانچ افراد سے لے کر چار سو تک کی تعداد کو کہتے ہیں اس سے زیادہ کو جند (لشکر) کہا جاتا ہے، مفسر علام نے اس سریہ کو پہلا سریہ کہا ہے حالانکہ مواہب میں ہے کہ اس سے پہلے تین سرایا اور چار غزوے ہو چکے تھے پہلا سریہ ہجرت کے ساتویں مہینہ رمضان میں پیش آیا جس کا امیر آپ ﷺ نے اپنے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا تھا اس سریہ کے افراد کی تعداد تیس تھی اس کے بعد دوسرا سریہ، سریہ عبیدہ بن الحارث ہے یہ شوال کے مہینہ میں پیش آیا، ہجرت کے آٹھویں مہینہ میں اس میں ساٹھ افراد شامل تھے اس کے بعد تیسرا سریہ، سریہ سعد بن ابی وقاص ہے یہ حجاز کی ایک وادی خرار میں پیش آیا، یہ ذی القعدہ میں ہجرت کے نویں مہینہ میں پیش آیا یہ سریہ بیس افراد پر مشتمل تھا، اس کے بعد چار غزوات پیش آئے اول غزوہ ودان دوسرا بواط تیسرا غزوہ ذوالعشیرہ پیش آیا اور چوتھا غزوہ بدر الاولیٰ پیش آیا جس کے بعد سریہ عبداللہ بن جحش رجب کے آخر میں ہجرت کے سترہویں مہینہ میں پیش آیا، لہذا سریہ عبداللہ بن جحش کو اول سریہ کہنے میں نظر ہے۔

تطبیق:

تطبیق کی جو صورت ہو سکتی ہے وہ یہ کہ جس سریہ میں کسی کا قتل ہوا ہو اور مال غنیمت ہاتھ لگا ہو وہ یہی سریہ ہے اس اعتبار سے اس کو پہلا سریہ کہا جاتا ہے اس لئے کہ اس سے پہلے سرایا میں نہ کوئی قتل ہوا اور نہ مال غنیمت ہاتھ آیا۔ (جمل، صادی)

قَوْلُنَا: التَّبَسُّ عَلَيْهِمْ بِرَجَبٍ، جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ سمجھ کر مسلمانوں نے حضرمی کے قافلہ پر شبخون مارا تھا، دوسرے روز جب چاند دیکھا تو اس میں اشتباہ ہوا بعض کہنے لگے یہ کل کا چاند ہے بعض نے کہا آج ہی کا ہے اگر کل کا ہو تو قتال رجب کی پہلی تاریخ میں واقع ہوا جو کہ اشہر حرم میں سے ہے اس وجہ سے مسلمان بھی شش و پنج میں پڑ گئے اور مشرکین مکہ نے بھی اس بارے میں مسلمانوں پر طعنہ زنی شروع کر دی کہ تم نے تو اشہر حرم کو بھی حلال کر لیا حتیٰ کہ مشرکین مکہ کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسلمانوں کی شکایت کی اور یہی مسئلہ دریافت کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی ”يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ الْخ“۔

قَوْلُنَا: المحرم.

سُؤَال: الحرام کی تفسیر المحرم سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟
جَوَاب: مقصد ایک سوال مقدر کا جواب دینا ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ: الشهر الحرام میں مصدر کا حمل ذات پر لازم آ رہا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔
جَوَاب: یہ ہے کہ الحرام مصدر المحرم مفعول کے معنی میں ہے لہذا کوئی اعتراض نہیں، یا یہ حمل مبالغہ ہے۔
قَوْل: قتال فیہ یہ الشهر الحرام سے بدل الاشتمال ہے اس لئے کہ الشهر الحرام اداء مقصود کے لئے ناکافی ہے۔
سُؤَال: قتال فیہ نکرہ ہے اور الشهر الحرام، معرفہ، اور نکرہ کا معرفہ سے بدل واقع ہونا درست نہیں ہے۔
جَوَاب: نکرہ موصوفہ کا بدل واقع ہونا درست ہے تقدیر عبارت یہ ہے قتال کائن فیہ۔
قَوْل: مبتداء و خبر، یعنی قتال فیہ کبیر مبتداء خبر ہیں۔
سُؤَال: قتال نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: نکرہ اگر موصوفہ ہو تو مبتداء واقع ہونا درست ہے یہاں، فیہ، قتال کی صفت ہے تقدیر عبارت یہ ہے قتال کائن فیہ کبیر (فلا اعتراض) بعض حضرات نے قتال فیہ کبیر، جملہ موصوفہ قرار دے کر قول کا مقولہ قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ مقولہ کا جملہ ہونا ضروری ہے اور قتال فیہ کبیر جملہ تامہ نہیں ہے اس کا جملہ موصوفہ واقع ہونا درست نہیں ہے۔

قَوْل: اکبر، اعظم۔

سُؤَال: اکبر متعدد کی خبر واقع ہے حالانکہ اکبر مفرد ہے۔

جَوَاب: افعَل کا وزن واحد ثنیہ جمع مذکر مؤنث سب میں استعمال ہوتا ہے۔

قَوْل: وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ، الْفِتْنَةُ اکبر، مبتداء خبر ہیں حالانکہ ان میں مطابقت نہیں ہے اس کے دو جواب ہیں ایک کی طرف تو مفسر غلام نے الشِّرْک کہہ کر اشارہ کیا ہے یعنی فتنہ سے مراد شرک ہے، لہذا مطابقت موجود ہے دوسرا جواب افعَل کے وزن میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہیں۔

قَوْل: فَلَا اِعْتَدَابَ لَهَا، وَلَا ثَوَابَ عَلَيْهَا، فَلَا اِعْتَدَادَ، کا تعلق فی الدنيا سے ہے، یعنی وہ نہ میراث کا مستحق ہوگا اور نہ مال غنیمت وغیرہ میں حصوں کا، اور وَلَا ثَوَابَ کا تعلق آخرت سے ہے یعنی ایسے شخص کو آخرت میں کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔

قَوْل: وَعَلَيْهِ الشَّافِعِي، ان دونوں مسئلوں میں امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی سے امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا اختلاف ہے یعنی اگر مرتد ہونے کے بعد دوبارہ اسلام میں داخل ہو گیا تو امام صاحب کے نزدیک ارتداد سے پہلے کے اعمال کا اب کوئی اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ (بیان القرآن ملخصاً)

نتیجہ اختلاف:

ایک شخص نے نماز پڑھی اور وہ مرتد ہو گیا اور ابھی وقت باقی ہے کہ پھر اسلام قبول کر لیا تو امام صاحب کے نزدیک اس پر دوبارہ نماز پڑھنا لازم ہے بخلاف امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے۔

قَوْلُهُ: فِي تَعَاظِيهِمَا، اس میں اشارہ ہے کہ خمر اور میسر کی ذات میں گناہ نہیں ہے بلکہ بروئے کار لانے اور استعمال کرنے میں گناہ ہے۔

قَوْلُهُ: اَي مَا يَنْشَأُ عَنْهُمَا مِنَ الْمَفَاسِدِ، اس میں اشارہ ہے کہ اِثْمُهُمَا، میں اضافت، اضافت مصدر الی السبب کے قبیل سے ہے نہ کہ اضافت مصدر الی الفاعل کے قبیل سے جو کہ غالب ہے۔

قَوْلُهُ: اَي مَا قَدَرُهُ، اس اضافہ کا مقصد تکرار کے اعتراض کو دفع کرنا ہے۔

دفع: دفع کا خلاصہ یہ ہے کہ سابق میں مذکور یَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ، میں ذات نفق سے سوال تھا اور یہاں مقدار منفق سے سوال ہے۔ (فلا تکرار)۔

قَوْلُهُ: اَنْفَقُوا اس میں اشارہ ہے کہ الْعَفْوُ، فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔

سُئِلَ: هُوَ کو مبتداء محذوف کی خبر قرار دینے میں کیا نقصان ہے ای هو الْعَفْوُ۔

جَوَابُ: اس صورت میں سوال و جواب میں مطابقت نہیں رہتی اس لئے کہ سوال جملہ فعلیہ ہے اور جواب جملہ اسمیہ ہو جاتا ہے اب دونوں جملہ فعلیہ ہو گئے۔

قَوْلُهُ: كَمَا بَيَّنَّ لَكُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ كَذَلِكَ میں كاف فعل مَوْخَرٌ يُبَيِّنُ کے مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے ای تبییناً مثل هذا التبیین۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ، أَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوَّلَ سَرَائِيَاهُ الْخِ اس آیت کا تعلق ایک واقعہ سے ہے۔

واقعہ: رجب ۲ھ میں نبی ﷺ نے آٹھ افراد پر مشتمل ایک دستہ نخلہ کی جانب بھیجا تھا (جو مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے) اور اس کو ہدایت فرمادی تھی کہ قریش کی نقل و حرکت اور ان کے آئندہ ارادوں کے متعلق معلومات حاصل کرے، آپ ﷺ نے ان کو جنگ کی اجازت نہیں دی تھی، لیکن ان لوگوں کو راستے میں قریش کا ایک چھوٹا سا تجارتی قافلہ ملا اور اس پر انہوں نے حملہ کر کے ایک شخص جس کا نام عمر بن عبد اللہ حضرمی تھا قتل کر دیا ان میں سے ایک فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا باقی دو آدمیوں

کو مع مال و اسباب کے گرفتار کر کے مدینہ لے آئے یہ کارروائی اس وقت ہوئی جب جمادی الثانیہ ختم ہو رہا تھا اور رجب شروع ہونے والا تھا یہ امر مشتبہ تھا کہ آیا حملہ جمادی الثانیہ کی آخری تاریخ میں ہو یا رجب کا مہینہ شروع ہو چکا ہے (جو کہ اشہر حرم میں سے ہے) لیکن قریش نے اور ان سے درپردہ ملے ہوئے یہودیوں اور منافقوں نے مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کے لئے اس واقعہ کو خوب شہرت دی اور سخت اعتراضات شروع کر دیئے، اسی سلسلہ میں مشرکوں کا ایک وفد بھی آپ ﷺ سے ملا اور ماہ محرم میں قتال کے بارے میں فتویٰ معلوم کیا، اس آیت میں ان کے اعتراضات کے دو جواب اور ماہ محرم میں قتال کا حکم بیان کیا گیا ہے، ایک جواب تسلیمی ہے اور ایک الزامی۔

تسلیمی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ اشہر حرم میں قتال کرنا نہایت بُرا اور گناہ کبیرہ ہے مگر مسلمانوں سے اس واقعہ کا وقوع قصداً نہیں ہوا بلکہ غلطی اور غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ہے جو گناہ نہیں ہے مسلمان جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ سمجھے ہوئے تھے مگر اتفاقاً وہ رجب کی پہلی تاریخ نکلی۔

الزامی جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ بلاشبہ ماہ حرام میں لڑنا بڑی بری حرکت ہے مگر اس پر اعتراض کرنا ان لوگوں کو زیب نہیں دیتا جنہوں نے ۱۳ برس تک مسلسل اپنے سینکڑوں بھائیوں پر صرف اس لئے ظلم توڑے کہ وہ ایک خدا پر ایمان لائے تھے، ان کو یہاں تک تنگ کیا کہ وہ اپنا وطن عزیز چھوڑ کر جلاوطن ہونے پر مجبور ہو گئے، پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا اور اپنے ان بھائیوں کے لئے مسجد حرام تک جانے کا راستہ بھی بند کر دیا، حالانکہ مسجد حرام کسی کی مملوکہ جائیداد نہیں ہے اور پچھلے دو ہزار برس میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو اس کی زیارت سے روکا گیا ہو، اب جن ظالموں کا اعمال نامہ ان کرتوتوں سے سیادہ ہے ان کا کیا منہ ہے کہ معمولی سی سرحدی جھڑپ پر اس قدر شور مچائیں، حالانکہ اس جھڑپ میں جو کچھ ہوا وہ اول تو نادانستہ طور پر ہوا، دوسرے یہ کہ نبی کی اجازت کے بغیر ہوا ہے اور اس کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ چند مسلمانوں سے غیر ذمہ دارانہ فعل کا ارتکاب ہو گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب یہ دستہ قیدی اور مال غنیمت لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا تو آپ ﷺ نے اس وقت فرمایا کہ میں نے تم کو لڑنے کی اجازت تو نہیں دی تھی نیز آپ نے ان کے لائے ہوئے مال غنیمت میں سے بیت المال کا حصہ خمس لینے سے انکار فرمادیا تھا، جو اس بات کی علامت تھی کہ ان کی یہ لوٹ ناجائز ہے، اپنے آدمیوں نے بھی ان کے اس فعل پر سخت ملامت کی تھی اور مدینہ میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے انہیں اس پر داد دی ہو۔

مَسْئَلَةٌ: جہاد فی سبیل اللہ، عام حالات میں فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت اس فرض کو انجام دے رہی ہے تو دوسروں کو اجازت ہے کہ وہ دیگر کاموں میں دینی خدمت انجام دیں، البتہ اگر کسی وقت امام المسلمین ضروری سمجھ کر اعلان عام کا حکم دے اور سب مسلمانوں کو شرکت جہاد کی دعوت دے تو پھر سب پر جہاد فرض عین ہو جاتا ہے قرآن کریم نے سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا:

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ افْعُرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّا قَلَّيْنَا“ اے مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم بوجھل ہو جاتے ہو۔

اس آیت میں اسی نفیر عام کا حکم مذکور ہے، اسی طرح اگر خدا نخواستہ کسی وقت کفار کسی اسلامی ملک پر حملہ آور ہوں اور مدافعت

کرنے والی جماعت ان کی مدافعت پر پوری طرح قادر نہ ہو تو اس وقت بھی یہ فریضہ اس جماعت سے متعدی ہو کر پاس والے سب مسلمانوں پر عائد ہو جاتا ہے اور اگر وہ بھی عاجز ہوں تو اس کے پاس والے مسلمانوں پر یہاں تک کہ پوری دنیا کے ہر ہر فرد مسلم پر ایسے وقت جہاد فرض عین ہو جاتا ہے، قرآن مجید کی مذکورہ بالا تمام آیات کے مطالعہ سے جمہور فقہاء و محدثین نے یہ حکم اخذ کیا ہے کہ عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے۔

مَسْئَلَةٌ: اسی لئے جب تک جہاد فرض کفایہ ہو تو اولاد کو والدین کی اجازت کے بغیر جہاد میں جانا جائز نہیں۔
مَسْئَلَةٌ: جس شخص کے ذمہ قرض ہو اس کے لئے جب تک قرض ادا نہ کر دے فرض کفایہ میں حصہ لینا جائز نہیں، البتہ اگر نفیر عام کی وجہ سے جہاد فرض عین ہو جائے تو پھر کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں رہتی۔

اشہر حرم میں قتال کا حکم:

ابتداءً قتال ان مہینوں میں ہمیشہ کے لئے حرام ہے مگر جب کفار ان مہینوں میں حملہ آور ہوں تو مدافعتاً قتال کی مسلمانوں کو بھی اجازت ہے، جیسا کہ امام بھصاص نے بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی شہر حرام میں اس وقت تک قتال نہ کرتے تھے جب تک کہ ابتداءً کفار کی طرف سے نہ ہو۔

مَسْئَلَةٌ: دنیا میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بیوی نکاح سے خارج ہو جاتی ہے، اگر اس کا کوئی مورث مسلمان انتقال کرے تو اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا، حالت اسلام میں جو کچھ نماز روزہ کیا تھا وہ سب کا عدم ہو جاتا ہے، مرتد کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی، مسلمانوں کے قبرستانوں میں دفن نہیں کیا جاتا۔

اور آخرت میں ضائع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی عبادت کا ثواب نہیں ملتا، ہمیشہ ہمیش کے لئے دوزخ میں داخل ہوگا۔
مَسْئَلَةٌ: کافر اصلی، حالت کفر میں اگر کوئی نیک عمل کرے تو اس کے عمل کا ثواب معلق رہتا ہے، اگر کبھی اسلام لے آیا تو سب پر ثواب ملتا ہے اور اگر کفر پر انتقال کر گیا تو تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں آخرت میں اس کو کوئی اجر نہیں ملتا۔

مَسْئَلَةٌ: مرتد کی حالت کافر اصلی کی حالت سے بدتر ہے، کافر اصلی سے جزیہ قبول ہو سکتا ہے مگر مرتد سے جزیہ قبول نہیں ہوتا، مرتد اگر اسلام نہ لائے تو اگر مرد ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے اور اگر عورت ہے تو جس دوام کی سزا ہے، سرکاری اہانت کرنے والا اسی سزا کے لائق ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ، خمر اور میسر یہاں دونوں اپنے وسیع معنی میں ہیں خمر کے تحت ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کر دے اسی طرح میسر، بھی اپنے تمام اقسام کو شامل ہے (کل شیء فیہ قمارٌ فَهُوَ الْمَيْسِرُ)۔

(ناج)

شراب اور جو آج جس طرح فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں بلکہ عین اس تہذیب کا جز ہیں اور دلیل اعزاز ہیں، اسی طرح

قدیم عربی تہذیب کے بھی جزء تھے، اکیلے عرب ہی کی کیا بات ہے یہ مشغلے تمام روئے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب یہ تہذیبیں تو خیر جاہلی تہذیبیں تھیں ہی، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں جو شرف نبوت کے تعلق سے مشرف تھیں وہ بھی اس کی روک تھام نہ کر سکیں، شریعت اسلامی ہی دنیا کا وہ واحد قانون ہے جس نے آکر ان کی قطعی حرمت کا اعلان کیا، یہ آیت سلسلہ حرمت کی سب سے پہلی آیت ہے حرمت کا قطعی حکم بعد میں نازل ہوا۔

جوئے اور شراب سے متعلق یہ پہلا حکم ہے جس میں صرف اظہار ناپسندیدگی کر کے چھوڑ دیا گیا ہے، تاکہ ذہن ان کی حرمت قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے، اس کے بعد شراب پی کر نماز پڑھنے کی ممانعت آئی ”لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى“ پھر شراب، جوئے اور اس نوعیت کی تمام چیزوں کو قطعی حرام کر دیا گیا۔

نئی بوتل میں پرانی شراب:

علامہ آلوسی بغدادی صاحب روح المعانی نے اس مقام پر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے فاسقوں نے نشیے مشروبات کے لئے طرح طرح کے خوشنما نام اور لقب رکھ لئے ہیں، مثلاً عرق عنبری وغیرہ، لیکن نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی، اور نہ حکم شرعی بدلتا ہے نشہ آور چیزیں بہر حال حرام ہیں۔

شراب اور جوئے سے معاشرہ کی تباہی:

شراب نوشی کی بدولت آج تک جتنے فسادات ہوئے اور ہو رہے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، گالیاں بکوانا، بے حیائی پھیلانا، حرام کاری کی طرف بلانا، دنگے کرانا طرح طرح کی مہلک بیماریاں پیدا کرنا، چوری اور ٹھگلی پر آمادہ کرنا، قتل تک نوبت لے آنا، دوستوں اور عزیزوں کے درمیان جوتے چلوانا، یہ سب اسی شراب نوشی کے کارنامے ہیں مزید برآں جوئے کی ہلاکت خیزیاں بھی کچھ کم نہیں قمار بازی نے نہ معلوم کتنے خاندان اور گھرانے تباہ و برباد کر دیئے، فرنگستان کے سب سے بڑے قمار خانہ، مونٹے کارلو (Montecarlu) میں ہر سال بے شمار دولت تلف ہوتی ہے دیوالی کی راتوں میں ہندوستان میں کیا کچھ نہیں ہوتا، پھر جوئے کی جدید ترین شکلوں بیمہ کمپنیوں کے جوئے، گھوڑ دوڑ کے جوئے، لاٹریوں کے جوئے سٹے وغیرہ وغیرہ کہاں تک شمار کرائے جائیں۔

اسلام کا حیرت انگیز کارنامہ:

یہ فخر تاریخ میں اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے ایک اشارہ میں اپنے حدود مملکت سے اس ام الخباثت کا خاتمہ ہی کر دیا، اور امت کی نظر میں بحیثیت مجموعی لفظ شرابی اور لفظ جواری کو انتہائی تحقیر اور ذلت کا لقب ٹھہرا دیا۔

سرویم میور کی شہادت:

سرویم اپنے نہیں پرائے ہیں، معتقد نہیں غیر معتقد ہیں اس کے باوجود لکھتے ہیں: اسلام فخر کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ ترکِ مے کشی کرانے میں اسلام کامیاب ہوا ہے، کوئی اور مذہب نہیں ہوا۔
(لائف آف محمد ص: ۵۲۱)

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الِیْتِمٰی وَمَا یُلْقَوْنَہٗ مِنَ الْحَرْجِ فِیْ شَاۡئِمِہِمۡ فَاِنْ وَاكَلُوۡبُہٗ یَاۡثُمُوۡا وَاِنْ عَزَّوۡا مَالِہِمۡ مِنْ اٰمَوَالِہِمۡ وَصَنَعُوۡا لِنَفْسِہِمۡ طَعَامًا وَخَذَبُہٗ فَخَرَجَ قُلُۡ اِصْلَاحُ لَہُمۡ فِیْ اٰمَوَالِہِمۡ بِتَنۡمِیۡتِہَا وَمَا اَخْلَصْتَکُمۡ خَیۡرٌ مِّنۡ تَرٰکَ ذٰلِکَ وَاَنْ تُخَالِطُوۡہُمۡ اِیۡ تَخْلِطُوۡا نَفۡسَہُمۡ بِنَفۡسِکُمۡ فَاِخْوَانُکُمۡ اِیۡ فِہِمۡ اِخْوَانُکُمۡ فِی الدِّیۡنِ وَمَنْ شَاۡءَ الْاٰخِ اَنْ یُّخَالِطَ اِخَاہُ اِیۡ فَلَکُمۡ ذٰلِکَ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ الْمُفۡسِدَ لَاۡ اٰمَوَالِہِمۡ بِمُخَالِطَیۡتِہٖ مِنْ الْمَصۡلِحِ لَہَا فِیۡجَازِیۡ کُلًّا مِنْہُمَا وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَاعۡتَمَکُمۡ اَخۡشَیۡ عَلَیۡکُمۡ بِتَحْرِیۡمِ الْمُخَالِطَۃِ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ غَالِبٌ عَلٰی اَمۡرِہٖ حَکِیۡمٌ ۝۶۱ فِی صُنۡعِہٖ وَلَا تُنۡکِحُوۡا نِسۡرَ وُجُوۡا اَیۡہَا السَّیۡلَمُوۡنَ الْمُشۡرِکِیۡ اِیۡ الْکَافِرَاتِ حَتّٰی یُؤْمِنُوۡا وَلَاۡمَۃٌ مُّؤْمِنَۃٌ خَیۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِکَۃٍ حُرَّۃٌ لِاَنَّ سَبَبَ نَزُوۡلِہَا الْعِیۡبُ عَلٰی مَنْ یُّزَوِّجُ اَمَۃٌ مُّؤْمِنَۃٌ وَالتَّرۡغِیۡبُ فِی نِکَاحِ حُرَّۃٍ مُّشۡرِکَۃٍ وَلَوْ اَعۡجَبَکُمۡ لِجَمَالِہَا وَمَالِہَا وَبِذَا مَخۡسُوۡصٌ بِغَیۡرِ الْکِتَابِیَّاتِ بَابُہٗ وَالْمَحۡصَنُتُ مِنَ الدِّیۡنِ اَوۡتَوِا الْکِتَابَ وَلَا تُنۡکِحُوۡا نِسۡرَ وُجُوۡا الْمُشۡرِکِیۡنَ اِیۡ الْکَافِرَ الْمُؤۡمِنَاتِ حَتّٰی یُؤْمِنُوۡا وَلَعَبۡدٌ مُّؤْمِنٌ خَیۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِکٍ وَلَوْ اَعۡجَبَکُمۡ لِمَالِہٖ وَجَمَالِہٖ اُولَٰئِکَ اِیۡ اِبِلُ الشِّرۡکِ یَدۡعُوۡنَ اِلَی النَّارِ بِدُعَآئِہِمۡ اِلَی الْعَمَلِ الْمُوۡجِبِ لَہَا فَلَا تَلۡبِیۡقُ مِنْکُمْ حَتۡمَہُمۡ وَاللّٰہُ یَدۡعُوۡا عَلٰی لِسَانِ رُسُلِہٖ اِلَی الْجَنَّةِ وَالْمَغۡفِرَۃِ اِیۡ الْعَمَلِ الْمُوۡجِبِ لَہُمَا بِاِذۡنِہٖ بِاَرَادَیۡہِ فَتَجِبُ اِجَابَتُہٗ بِتَزَوِیۡجِ اُولَٰئِہٖ وَیَبۡیۡنُ اٰیَۃُہٗ لِلنَّاسِ لَعَلَّہُمۡ یَتَذَکَّرُوۡنَ ۝۶۲ یَتَعٰظُوۡنَ

ترجمہ: یتیموں اور ان کے معاملہ میں پیش آنے والے حرج کے بارے میں آپ سے پوچھتے ہیں کہ اگر ان کو ساتھ کھلاتے ہیں تو گنہگار ہوتے ہیں، اگر ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے الگ کرتے ہیں اور تنہا ان کا کھانا بناتے ہیں تو یہ بھی دقت ہے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کی خیر خواہی ان کے مال میں اضافہ اور تمہاری شمولیت کر کے، اس کو ترک کرنے سے بہتر ہے، اور اگر تم ان کے نفقہ کو اپنے نفقہ کے ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، یعنی دینی بھائی ہیں اور بھائی کی یہ شان ہونی چاہئے کہ اپنے بھائی کو شامل کرے لہذا یہ تمہارے لئے جائز ہے، اللہ تعالیٰ ان یتیموں کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر بدخواہی اور خیر خواہی کرنے والے کو (خوب) جانتا ہے لہذا ان دونوں کو جزاء دے گا، اور اگر اللہ چاہتا تو شرکت کو حرام کر قرار دے کر تم کو تنگی میں ڈال دیتا اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں غالب اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور اے مسلمانو تم مشرکات یعنی کافرات سے نکاح

نہ کرو تا آں کہ وہ ایمان نہ لے آئیں اور بلاشبہ مومنہ باندی آزاد مشرک سے بہتر ہے، اس لئے کہ (اوغوں کا) اس شخص پر نکتہ چینی کرنا جس نے مومنہ باندی سے نکاح کر لیا اور آزاد مشرک عورت سے نکاح میں رغبت کرنا، اس آیت کے نزول کا سبب ہے اگرچہ (مشرک عورت) تم کو اس کے مال و جمال کی وجہ سے بھلی معلوم ہو، اور (نہی عن نکاح المشرکات) مخصوص ہے غیر کتابیات کے ساتھ ”وَالْمَحْصَنَاتِ مِنَ الَّذِينَ اٰتَوْا الْكِتَابَ“ کی وجہ سے، اور مشرکوں (یعنی) کافروں سے مومن عورتوں کا نکاح نہ کرو تا آنکہ وہ کافر ایمان لے آئیں اور بلاشبہ مومن غلام مشرک (آزاد) سے بہتر ہے اگرچہ وہ تم کو اس کے مال و جمال کی وجہ سے بھلا معلوم ہو اور یہ اہل شرک نار جہنم کی دعوت دیتے ہیں ان اعمال کی طرف دعوت دے کر جو نار جہنم احب کرنے والے ہیں لہذا ان سے نکاح کرنا لائق نہیں ہے اور اللہ اپنے رسول کی زبانی جنت اور مغفرت کی طرف اپنے ارادہ سے بلاتا ہے، یعنی ایسے عمل کی طرف جو ان دونوں کے لئے موجب ہے لہذا اس کے حکم کو قبول کرنا واجب ہے اس کے اولیاء (یعنی) مسلمانوں سے نکاح کر کے اور وہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: وَمَا يَلْقَوْنَہُ، اس میں اشارہ ہے کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے اس لئے کہ سوال حال سے ہوتا ہے نہ کہ ذات سے۔

قَوْلًا: وَاکْلَوْهُمْ، اکلوا میں ایک لغت ہمزہ کو واؤ سے بدل کر واکلوا بھی ہے یعنی مل کر کھانا پینا۔
 قَوْلًا: فِیْ اَمْوَالِهِمْ، اس میں اشارہ ہے کہ اصلاح مالی مراد ہے نہ کہ غیر مالی، تاکہ جواب مطابق سوال ہو جائے، نیز اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا قول ”وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ“ بھی ہے۔
 قَوْلًا: مِنْ تَرِكِ ذٰلِكَ، اس میں حذف مفضل علیہ کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلًا: فَهُمْ اِخْوَانُكُمْ، اس حذف میں اس طرف اشارہ ہے، فإخوانکم، جزاء شرط ہے اور جزاء کا جملہ ہونا ضروری اسی لئے هُمْ، مبتداء محذوف مانا ہے۔

قَوْلًا: اِیْ فَلَكُمْ ذٰلِكَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالًا: وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ، شرط ہے اور فإخوانکم، اس کی جزاء ہے مگر جزاء کا شرط پر ترتب درست نہیں ہے، اس لئے کہ شرط و جزاء میں کوئی ربط نہیں ہے۔

جَوَابًا: اصل جزاء محذوف ہے جس کی طرف مفسر غلام نے فَلَكُمْ ذٰلِكَ، کہہ کر اشارہ کر دیا ہے کہ سبب جزاء کو جزاء کے قائم مقام کر دیا ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

شان نزول:

ابوداؤد اور نسائی اور حاکم وغیرہ نے ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ جب ”وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ“ اور ”إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ“ (الآیۃ) نازل ہوئیں، تو ان لوگوں نے جن کی پرورش میں کوئی یتیم تھا، ان کا کھانا پینا الگ کر دیا، بعض اوقات یتیم کا کھانا بچ جاتا تو اٹھا کر رکھ دیا جاتا، دوسرے وقت یتیم کو وہی بچا ہوا کھانا، کھانا پڑتا، اور بعض اوقات بچا ہوا کھانا خراب بھی ہو جاتا جس کی وجہ سے یتیم کا نقصان ہوتا، اس صورت حال سے اولیاء یتامیٰ کو دقت پیش آئی اول تو یتیم کا کھانا مستقل الگ پکانا یہ مستقل ایک درد سر تھا، دوسرے اس میں یتیم کا بھی نقصان تھا، آپ ﷺ کے سامنے بعض صحابہ نے صورت حال بیان کر کے پریشانی اور دقت کا اظہار کیا تو مذکورہ آیت ”وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى“ نازل ہوئی۔

آپ سے یتیموں کی پرورش اور ان کے ساتھ معاشرت و معاملات کے بارے میں پوچھتے ہیں تو آپ بتا دیجئے کہ ان کی اصلاح اچھی بات ہے اگر مل جل کر بسر کرو تو تمہارے بھائی ہیں کچھ حرج نہیں، مگر اللہ مفسد کی بد نیتی اور مصلح کی نیک نیتی کو جانتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم کو یتیموں کے معاملہ میں ایسی وحمت اور سہولت نہ دیتا جس کی وجہ سے تم مشقت میں پڑ جاتے۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ آپ نے بیچ کی اور کلمہ کی انگلی ملا کر فرمایا: میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے، اور آپ ﷺ نے فرمایا: ”أَحَبُّ بُيُوتٍ إِلَى اللَّهِ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ مُكْرَمٌ“ اللہ کو زیادہ محبوب وہ گھر ہے کہ جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کی ناز برداری ہوتی ہو۔

یہاں اصلاح سے اگرچہ اصلاح مالی مراد ہے مگر اس میں اخلاقی اور جسمانی اصلاح بھی شامل ہے، ایسے تصرفات جن میں یتیم کا فائدہ ہی فائدہ ہے یا فائدہ مقصود ہے مگر نقصان کا بھی احتمال ہے جیسے تجارت وغیرہ، ایسے امور ولی کے اختیار میں ہیں اور ایسے امور کہ جن میں نقصان محض ہے جیسے صدقہ، غلام آزاد کرنا، ہبہ کرنا، یہ ولی کے اختیار میں نہیں ہیں۔

مُسْئَلَةٌ: فقہاء کرام نے بہ قاعدۃ اقتضاء النص اصلاح کے عموم سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ یتیم پر جو تہدید و تنبیہ تعلیم و تربیت کی ضرورت کی غرض سے ہو وہ بالکل جائز اور درست ہے، اسلام کی یتیم نوازی، یتیم پروری کا اعتراف اپنوں ہی کی طرح غیروں نے اور مخالفوں نے بھی کیا ہے برطانوی مصنف، باسور تھ اسمتھ نے لکھا ہے۔

پیغمبر کی خصوصی توجہ کے مرکز غلاموں کی طرح یتیم بھی رہے ہیں، وہ خود بھی یتیم رہ چکے تھے، اس لئے دل سے چاہتے تھے، کہ جو حسن سلوک خدا نے ان کے ساتھ کیا وہی وہ دوسروں کے ساتھ کریں۔ (محمد ابنہ محمد نزم، ص: ۲۵۱)

امریکی ماہر اجتماعیات ڈاکٹر رابرٹس لکھتے ہیں۔

”قرآن کے مطالعہ سے ایک خوشگوار ترین چیز معلوم ہوتی ہے کہ محمد ﷺ کو بچوں کا کس قدر خیال تھا، خصوصاً ان بچوں کا جو

والدین کی سرپرستی سے محروم ہو گئے ہوں، بار بار تاکید بچوں کے ساتھ حسن سلوک کی ملتی ہے“ اور پھر آگے کہتا ہے۔
 ”محمد ﷺ نے یتیموں کے باب میں اپنی خاص توجہ مبذول رکھی، یتیموں کے حقوق کا بکثرت ذکر کیا اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے والوں اور ان کے حقوق غصب کرنے والوں کے خلاف سخت سے سخت وعیدیں سیرت محمدی کے اس پہلو کو ظاہر کرتی ہیں جن پر مسلمان مصنفین کو بجا طور پر ناز ہے۔“
 (ص: ۴۱، ایضاً)

اسلام کی رواداری:

اِخْوَانُکُمْ، چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس مسلمان بچے ہی یتیم تھے، اس لئے اِخْوَانُکُمْ فرمایا، ورنہ اگر دوسرے مذہب کے بچے بھی اپنی تربیت میں ہوں، اس کا بھی بعینہ یہی حکم ہے اور اس کی تائید دوسری آیات اور احادیث میں جو الفاظ عام کے ساتھ وارد ہیں سے ہوتی ہے بلکہ ان کے ساتھ مذہبی رعایت اتنی اور زیادہ ہے کہ اس بچہ پر بلوغ کے بعد اسلام کے لئے جبر نہ کیا جائے، مذہبی آزادی دی جائے (تھانوی)

وَلَا تَنْکِحُوا الْمُشْرِکَاتِ حَتّٰی یُؤْمِنَ، تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، زن و شو کا رشتہ انتہائی الفت و رفق و محبت کا ہے جو آپس میں مناسبت و موافقت و موانست کا متقاضی ہے، عورت اور مرد کے درمیان نکاح کا تعلق محض ایک شہواتی تعلق نہیں ہے، بلکہ وہ ایک گہرا تمدنی، اخلاقی اور قلبی تعلق ہے، مومن اور مشرک کے درمیان اگر یہ قلبی تعلق ہو تو جہاں اس امر کا امکان ہے کہ مومن شوہر یا بیوی کے اثر سے مشرک شوہر یا بیوی پر اور اس کے خاندان اور آئندہ نسل پر اسلام کے عقائد اور طرز زندگی کا نقش ثبت ہوگا، وہیں اس امر کا بھی امکان ہے کہ مشرک شوہر یا بیوی کے خیالات اور طور طریقوں سے نہ صرف مومن شوہر یا بیوی بلکہ اس کا خاندان اور دونوں کی نسل تک متاثر ہو جائے گی اور غالب امکان اس امر کا ہے کہ ایسے ازدواج سے اسلام اور کفر و شرک کی ایک ایسی معجون مرکب اس خاندان اور اس گھر میں تیار ہوگی کہ غیر مسلم خواہ کتنا ہی پسند کریں مگر اسلام کسی طرح پسند کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔

المشرکات:

لفظ مشرکہ یہاں اپنے عام اور وسیع معنی میں ہے ہر قسم کی کافریا غیر مسلم عورت اس حکم ممانعت میں داخل ہے، اس کا بت پرست ہونا لازم نہیں قول محقق یہی ہے۔ (حصاص)

امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی اور امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اسی آیت کی بنا پر فرمایا کہ کسی قسم کی غیر مسلم عورت سے نکاح جائز نہیں، لَا یَجُوزُ الْعَقْدُ بِنِكَاحِ عَلٰی مُشْرِکَةٍ کَانَتْ کِتَابِیَّةً اَوْ غَیْرَ کِتَابِیَّةً، قَالَ عُمَرُ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فِی اَحَدِیْ رَوَاۤیَہُ وَہُوَ اَخْتِیَارُ مَالِکٍ وَ الشَّافِعِی۔ (ابن عربی)

لیکن فقہاء حنفیہ کی نگاہ مزید نکتہ نخی کے ساتھ قرآن مجید ہی کی ایک دوسری آیت کی طرف بھی گئی اور وہ آیت سورہ مائدہ کی

ہے ”وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الذِّیْنَ اَوْتُوا الْکِتَابَ مِنْ قَبْلُ کُمُ الْخ“ فقہاء حنفیہ نے پہلی آیت کے عموم میں اس آیت سے تخصیص کی، یعنی عام قاعدہ کے لحاظ سے تو ہر غیر مسلمہ سے نکاح ناجائز ہے لیکن کتابیہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور یہی مذہب ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور بعض تابعین سے مروی ہے۔

چند فقہی افادات:

① ہندو عورت یا آتش پرست عورت سے نکاح ناجائز ہے۔ ② کتابیہ سے نکاح جائز ہے لیکن بہتر نہیں، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ناپسند فرمایا ہے اور خود حدیث میں نکاح دیندار ہی عورت سے کرنے کا حکم ہے اور جب غیر متدین مسلمان عورت سے بھی نکاح پسند نہیں کیا گیا تو کسی غیر مسلم سے کیسے پسند کیا جاسکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جب خبر پہنچی کہ عراق و شام کے مسلمانوں میں کچھ ایسے ازدواج کی کثرت ہونے لگی ہے تو بذریعہ فرمان ان کو اس سے روک دیا گیا، اور اس پر توجہ دلائی گئی کہ یہ ازدواجی تعلق دینائے بھی مسلم گھرانوں کے لئے خرابی کا سبب ہے اور سیاست بھی، آج اس کا نقصان بالکل کھلی آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے کہ موجودہ دور میں کئی مسلمان سربراہ ہوں گے نکاح میں یہودی یا نصرانی عورتیں ہیں جن کے ذریعہ مملکت کے تمام راز ہائے پوشیدہ ان سے مخفی نہیں ان کے ذریعہ دشمن ملکوں کو مسلمانوں کے خفیہ راز معلوم ہو جاتے ہیں بلکہ مغربی ممالک کو شش کرتے ہیں کہ مسلمان سربراہوں کو یہودی حسیناؤں کے دام زلف میں گرفتار کر کے شکار کر لیا جائے اور آج یہی ہو رہا ہے۔

سُئِلَ: اہل کتاب کی عورتوں کا نکاح مسلمان مردوں سے جائز ہے تو اس کا عکس یعنی مسلمان عورتوں کا نکاح اہل کتاب مردوں سے کیوں جائز نہیں ہے؟

پُتِلَ: اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ عورت فطرۃ ضعیف ہوتی ہے اس کے علاوہ شوہر کو اس کا حاکم اور نگران بنایا گیا ہے، لہذا شوہر کے عقائد سے عورت کا متاثر ہونا قرین قیاس بلکہ اقرب الی القیاس ہے، اس لئے اگر مسلمان عورت اہل کتاب مرد کے نکاح میں رہے تو اس کے عقائد کے خراب ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے اس کے عکس میں اندیشہ نہیں ہے یا کم ہے۔

سُئِلَ: مسلمان چونکہ انبیاء سابقین پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ان کا نام بھی بصد احترام لیتے ہیں بخلاف اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے کہ وہ آنحضرت محمد ﷺ کی نبوت کے قائل نہیں ہے اور نہ وہ اپنے ذمہ محمد ﷺ کا اتم مبارک احترام سے لینا ضروری سمجھتے ہیں بخلاف مسلمانوں کے کہ ان پر انبیاء سابقین کا احترام لازم اور ضروری ہے نیز ان پر اجمالی ایمان لانا بھی فرض ہے اگر کوئی مسلمان کسی بھی نبی کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہو تو وہ دائرۃ اسلام سے خارج ہو جائے گا، لہذا کتابیہ خواہ یہودی ہو یا نصرانی وہ اپنے پیغمبر کا نام مسلمانوں کے گھر میں ادب اور احترام سے سنے گی، بخلاف مسلمان عورت کے کہ جو کسی اہل کتاب یہودی یا نصرانی کے نکاح میں ہو تو وہ اپنے نبی محمد ﷺ کا نام ادب اور احترام سے نہ سنے گی جس سے اس کو تکلیف ہوگی

جو آپس میں نا اتفاقی اور نا چاقی کا سبب بن سکتی ہے جس سے ازدواجی زندگی کے تباہ و برباد ہونے کا قوی امکان ہے، ان مصلحتوں کی بنا پر مسلمان عورت کا نکاح کسی اہل کتاب سے جائز نہیں رکھا گیا۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ أَى الْحَيْضِ اَوْ مَكَانِهِ مَاذَا يُفْعَلُ بِالنِّسَاءِ فِيهِ قُلْ هُوَ اَذَىٰ قَدَرًا اَوْ مَحَنَةً فَاَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ اَتْرُكُوا وَاَطِيعِي فِي الْمَحِيضِ اَى وَقْتِهِ اَوْ مَكَانِهِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ بِالْجَمَاعِ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ بِسُكُونِ الطَّاءِ وَتَشْدِيدِهَا وَالْهَاءِ وَفِيهِ اِذْغَامُ التَّاءِ فِي الْاَصْلِ فِي الطَّاءِ اَى يَغْتَسِلْنَ بَعْدَ اِنْقِطَاعِهِ فَاِذَا انْطَهَرْنَ فَاتَّوَهَّنَّ لِجَمَاعٍ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ بِتَجَنُّبِهِ فِي الْحَيْضِ وَبِوَالْقُبُلِ وَلَا تَعْدُوهُ اِلَىٰ غَيْرِهِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ يَتَّيْبُ وَيُكْرِمُ التَّوَابِيْنَ مِنَ الذُّنُوبِ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝۱۱۱ بِنِ الْاَقْدَارِ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ اَى مَحَلُّ زَرْعِكُمْ لِلْوَلَدِ فَاتَّوَاخَرْتُكُمْ اَى مَحَلَّهُ وَبِوَالْقُبُلِ اَتَىٰ كَيْفَ شِئْتُمْ مِنْ قِيَامٍ وَقُعُودٍ وَاضْطِجَاعٍ وَاِقْبَالٍ وَاِذْبَارٍ نَزَلَ رِذَا لِقَوْلِ الْيَهُودِ مَنْ اَتَىٰ اِمْرَاَتَهُ فِي قُبُلِهَا مِنْ جِهَةِ دُبُرِهَا جَاءَ الْوَلَدُ اُخْوَلُ وَقَدْ مَوَّالِ انْفُسِكُمْ الْعَمَلُ الصَّالِحُ كَالْتَّسْمِيَةِ عِنْدَ الْجَمَاعِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِيْ اَمْرِهِ وَنَهْيِهِ وَاَعْلَمُوا اَنَّكُمْ مُّلْقَوُهُ بِالْبَغْتِ فَيُجَازِيْكُمْ بِاَعْمَالِكُمْ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۱۲ الَّذِيْنَ اتَّقَوْهُ بِالْجَنَّةِ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ اَى الْحَلْفَ بِهِ عُرْضَةً لِاِيْمَانِكُمْ اَى نُحْبَالِهَا بِاَنْ تُكْثِرُوا الْحَلْفَ بِهِ اَنْ لَا تَبْرُوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ فَتَكْرَهُ الْيَمِيْنُ عَلَىٰ ذٰلِكَ وَيَسُنُّ فِيهِ الْجَنَّةُ وَيُكْتَفَرُ بِخِلَافِهَا عَلَىٰ فِعْلِ الْبِرِّ وَنَحْوِهِ فَهِيَ طَاعَةُ الْمَعْنَى لَا تَمْتَنِعُوا مِنْ فِعْلِ مَا ذَكَرَ مِنَ الْبِرِّ وَنَحْوِهِ اِذَا حَلَفْتُمْ عَلَيْهِ بَلِ اِتَّقُوهُ وَكُفِّرُوا لِاَنْ سَبَبَ نَزْوِلِهَا الْاِمْتِنَاعُ مِنْ ذٰلِكَ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لَا قُوَالِكُمْ عَلِيْمٌ ۝۱۱۳ بِاَحْوَالِكُمْ لَا يُؤَاخِذُكُمْ بِاللَّغْوِ الْكَائِنِ فِيْ اِيْمَانِكُمْ وَبُؤْمَا يَنْسَبِقُ اِلَيْهِ اللِّسَانُ مِنْ غَيْرِ قَصْدٍ الْحَلْفِ نَحْوًا وَاللّٰهُ وَبَلَىٰ وَاللّٰهُ فَلَا اِثْمَ فِيْهِ وَلَا كَفَارَةً وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ اَى قَصْدَتُهُ مِنْ الْاِيْمَانِ اِذَا حَيْثُمُ وَاللّٰهُ عَفُوْرٌ لِّمَا كَانَ مِنَ اللَّغْوِ حَلِيْمٌ ۝۱۱۴ بِتَاخِيْرِ الْعُقُوبَةِ عَنْ مُّسْتَحِقِّهَا.

ترجمہ: لوگ آپ سے حیض کے (حکم) کے بارے میں پوچھتے ہیں، یعنی حیض یا حائضہ کے بارے میں کہ اس حالت میں عورتوں سے (ازدواجی) تعلق کا کیا حکم ہے؟ آپ کہہ دیجئے کہ حیض گندگی ہے یا محل گندگی ہے، لہذا عورتوں کو حالت حیض میں یعنی وطی کو یا محل حیض کو چھوڑ دو اور جماع کے لئے ان کے قریب بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک صاف ہو جائیں (یَطْهَرْنَ) طاء کے سکون و تشدید کے ساتھ اور هاء کی تشدید کے ساتھ ہے اور اس میں اصل میں تاء کا طاء میں ادغام ہے یعنی حیض موقوف ہونے کے بعد غسل کر لیں، پھر جب پاک صاف ہو جائیں تو ان کے پاس جانے (وطی) کی اجازت ہے اس مقام میں جہاں سے اللہ نے تم کو حالت حیض میں وطی سے اجتناب کرنے کا حکم دیا اور وہ قُبُل ہے اور قُبُل سے غیر قُبُل

(دُبُر) کی طرف تجاوز نہ کرو اور اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے یعنی ان کو ثواب عطا کرتا ہے اور قدر دانی کرتا ہے اور گندگیوں سے پاک و صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے، تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں یعنی حصول ولد کے لئے تمہارے واسطے بمنزلہ کھیت کے ہیں، تو تم اپنے کھیت یعنی محل کاشت میں جس طرح چاہو آؤ کھڑے ہو کر، بیٹھ کر، لیٹ کر، اور آگے کی جانب سے یا پشت کی جانب سے، اور وہ محل زراعت قُبُل ہے (یہ آیت) یہود کے اس قول کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی کہ: جس شخص نے اپنی بیوی سے اس کی قبل میں پشت کی جانب سے وطی کی تو اس کے بھینچا بچہ پیدا ہوگا، اور اپنے لئے اعمال صالحہ آگے بھیجو (یعنی اپنے مستقبل کی فکر کرو) مثلاً بوقتِ جماع بسم اللہ پڑھنا وغیرہ اور اللہ سے اس کے امر و نہی میں ڈرتے رہو اور خوب جان لو کہ تمہیں بعد از مرگ زندہ ہونے کے بعد اس سے ملنا ہے تو وہ تمہارے اعمال کی تم کو جزاء دے گا، اور (اے نبی) مومنوں کو جو اللہ سے ڈرتے ہیں جنت کا مژدہ سنا دو اور تم اللہ (کے نام) کو اس کی قسم کھانے کے لئے بدف نہ بناؤ کہ اس کی قسم کثرت سے کھاؤ کہ نیکی کے اور تقویٰ کے اور اصلاح بین الناس کے کام نہ کرو گے اور ایسی باتوں پر قسم کھانا مکروہ ہے، اور اس قسم کی قسموں کو توڑ دینا اور کفارہ ادا کر دینا سنت ہے، اس کے برخلاف نیکی کرنے کی قسم کھانا طاعت ہے خلاصہ یہ کہ مذکورہ جیسے نیک کاموں کے کرنے سے باز نہ رہو جب کہ تم نے اس کے (نہ کرنے کی) قسم کھائی ہو، بلکہ وہ کام کر لو اور (قسم کا) کفارہ ادا کر دو، اس لئے کہ اس (آیت) کے نزول کا سبب نیک کام سے رک جانا تھا، اور اللہ تمہاری باتوں کو سننے والا اور تمہارے احوال کا جاننے والا ہے، اللہ تعالیٰ تمہاری لغو (بے مقصد) قسموں پر مؤاخذہ نہ کرے گا، اور وہ ایسی قسمیں ہیں جو بلا ارادہ سبقت لسانی سے تم کھا لیتے ہو، جیسے لَا وَاللّٰہ، اور بلی وَاللّٰہ، تو ان میں نہ گناہ ہے اور نہ کفارہ، مگر جو قسمیں تم سچے دل سے کھاتے ہو ان پر تم سے ضرور مؤاخذہ کرے گا، یعنی جن قسموں کو تم نے بامقصد کھایا ہے، جب تم حانث ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں کو معاف کرنے والا ہے اور مستحقِ سزا کی سزا کو مؤخر کرنے کی وجہ سے بردبار ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْلِ وَ تَفْسِيْرِ فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: الْمَحِيضُ، ظرفِ زمان (وقتِ حیض) ظرفِ مکان (مقامِ حیض) مصدر (حیض آنا، یا بمعنی حیض، وہ فاسد خون جو مخصوص زمانہ اور مخصوص حالت میں جو ان تندرست غیر حاملہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے)۔ (لغات القرآن)

المحيض هو الحيض، وهو مصدر، يقال حاضت المرأة حيضاً ومحيضاً فهي حائضٌ وحائضَةٌ.

(فتح القدیر شوکانی)

قَوْلُهُ: الْحَيْضُ او مکانہ، یہ حیض کی دو تفسیروں کی طرف اشارہ ہے، الحيض کہہ کر اشارہ کر دیا کہ حیض مصدر مہمی ہے، اس کے معنی ہیں سیلان الدم۔

قَوْلُهُ: قَدْرٌ او محلہ، یہ اذی کی دو تفسیریں ہیں اول تفسیر، حیض کی اول تفسیر کے اعتبار سے ہے اور ثانی، ثانی کے

اعتبار سے، اس میں لغت و شمر مرتب ہے۔

قَوْلًا: بالجماع، اس میں اشارہ ہے کہ حالت حیض میں جماع ممنوع ہے نہ کہ مطلقاً قربان و میل ملاپ۔
قَوْلًا: یشیب و یکرّم، یہ یحبّ کی تفسیر بالآزم ہے، اس لئے کہ حُبّ، کے معنی میلان القلب کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی شایان شان نہیں ہیں۔

قَوْلًا: وَ اتَّقُوا اللَّهَ اس کا عطف فأتوا سَرِ ثَکْبَر پر ہے، اور یہ اشارہ عام بعد الخاص کے قبیل سے ہے۔
قَوْلًا: بَشِّر، اس کا عطف قُلْ هُوَ اَدٰی پر ہے۔

قَوْلًا: الَّذِیْنَ اتَّقَوْهُ، الْمُؤْمِنِیْنَ کو الَّذِیْنَ اتَّقَوْا کی قید سے مقید کر کے ایک اشکال کو دفع کیا ہے۔
 اشکال: یہ ہے کہ سابق سے خطاب مومنین کو چل رہا ہے تو یہاں بَشِّر ہم کہنا کافی تھا یعنی ضمیر کافی تھی اسم ظاہر لانے میں کیا مصلحت ہے۔

جَوَاب: سابق میں مخاطب مطلق مومنین تھے اور یہاں مومنین متقین مراد ہے لہذا ثانی غیر سابق ہیں اسی لئے اسم ظاہر کی صراحت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔

قَوْلًا: عُرْضَةٌ نشانہ، ہدف، آر، ہتھکنڈہ ”لَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ“ (اللہ کو اپنی قسموں کے لئے آڑ نہ بناؤ) اس صورت میں عُرْضَةٌ کے معنی آر، یا بہانے کے ہیں دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ مطلب نکالنے کے لئے بات بات پر قسمیں نہ کھاؤ، اس لئے کہ اس طریقہ پر اللہ کا باعزت نام تمہاری قسموں کا نشانہ بن جائے گا، اس تفسیر کی صورت میں، عُرْضَةٌ، کا ترجمہ، ہتھکنڈہ، نشانہ کے ہوں گے، مطلب یہ کہ آیت شریفہ میں دونوں مطلبوں کی گنجائش ہے۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: نُصَبًا، یہ نَصَب کی جمع ہے بمعنی منصوب، نصب کی ہوئی چیز، ہدف، نشانہ، ای المنصوب للرماة، تیر اندازوں کے لئے بطور نشانہ کسی چیز کو گاڑ دینا، کہا جاتا ہے جَعَلْتُهُ عُرْضَةً لِلْبَيْعِ، میں نے اس کو فروخت کے لئے پیش کیا۔

قَوْلًا: لِأَنَّ سَبَبَ نَزْوِلِهَا، یہ اَنْ لَا تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا، کے حاصل معنی کا بیان ہے بعض نے کہا ہے کہ لا، محذوف نہ ماننا بہتر ہے۔

قَوْلًا: الْكَائِنِ، اس میں اشارہ ہے کہ ظرف یعنی فِی اَیْمَانِكُمْ، الْكَائِنِ مقدر کے متعلق ہو کر اللغو کی صفت ہے۔

قَوْلًا: إِذَا حِنْثْتُمْ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا دفعیہ ہے۔

اعتراض: یہ ہے کہ قسم بالذات موجب للمواخذة نہیں ہے لہذا مطلقاً یمن پر مواخذہ کا حکم لگانے کا کیا مطلب ہے؟

جَوَاب: امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک اگرچہ یمن ہی موجب کفارہ ہے مگر احناف کے نزدیک حانث ہونا موجب کفارہ ہے یعنی احناف کے نزدیک یمن موجب کفارہ نہیں ہے بلکہ حانث ہو جانا موجب کفارہ ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

یَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ، یہود کا یہ دستور تھا کہ عورت جب حائضہ ہو جاتی تھی تو اس کو گھر سے نکال دیتے تھے اور الگ کسی کوٹے یا گوشہ میں رہنے پر مجبور کرتے تھے اور اس کے ساتھ کھانا پینا بالکل بند کر دیتے تھے، ہنود کا بھی یہی طریقہ تھا کہ حائضہ عورت کے برتن اور بستر الگ کر دیتے تھے، غرضیکہ حالت حیض میں اس سے معاشرت بالکل منقطع کر دی جاتی تھی، اس کو جانور سے بھی بدتر سمجھا جاتا تھا اس کے برخلاف نصاریٰ کا یہ حال تھا کہ وہ حالت حیض میں بھی جماع کو جائز سمجھتے تھے، یہ دونوں جماعتیں افراط و تفریط میں مبتلا تھیں۔

ابوالد خداح اور بعض دیگر صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کی ایک جماعت نے حالت حیض میں عورت سے جماع کے بارے میں آپ ﷺ سے دریافت کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

قَدْ اَخْرَجَ مُسْلِمٌ وَاَهْلَ السَّنَنِ وَغَيْرُهُمْ عَنْ اَنَسٍ اَنْ اِلْيَهُودَ كَانُوا اِذَا حَاضَتِ الْمَرْأَةُ اَخْرَجُوْهَا مِنَ الْبَيْتِ وَلَمْ يُؤْكَلُوْهَا وَلَمْ يَشَارِبُوْهَا وَلَمْ يَجَامِعُوْهَا فِي الْبُيُوتِ ، فَسُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَلِكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ ” وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ “ (الآية) فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: جَامِعُوْهُنَّ فِي الْبُيُوتِ وَاصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ اِلَّا النِّكَاحَ .

مسلم اور اہل سنن وغیرہم نے حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ یہود کا یہ دستور تھا کہ جب عورت حائضہ ہو جاتی تھی تو اس کو گھر سے باہر کر دیتے تھے اور اس کے ساتھ کھانا پینا بند کر دیتے تھے اور اس کے ساتھ جماعت ترک کر دیتے تھے، غرضیکہ اس کے ساتھ بود و باش ختم کر دیتے تھے، اور صحابہ نے حالت حیض میں عورت کے ساتھ معاشرت و جماعت کے بارے میں سوال کیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی جس میں کہا گیا ہے کہ جماع کے علاوہ کوئی چیز منع نہیں ہے، ہندوستان میں بھی چند صدیوں قبل تک یہی طریقہ رہا ہے بستر برتن وغیرہ سب الگ کر دیئے جاتے تھے، خصوصاً اونچی ذات سمجھے جانے والی قوموں میں زمانہ قریب تک یہی صورت حال رہی ہے، اس کے علاوہ بھی اور بہت سے معاملات ان کے طور و طریقے یہود کے طور و طریقوں کے مطابق رہے ہیں، مال کی حرص، موت کا خوف، اپنے سے نیچے سمجھے جانے والی قوموں کو مذہبی کتابیں پڑھنے کا حق نہ ہونا، قلت تعداد کے باوجود اقتدار پر قابض رہنا، سود کو محبوب ترین ذریعہ آمدنی سمجھنا اور خود کو ہی اقتدار کا مستحق سمجھنا ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنود کا نسلی تعلق یہودی سے ہے۔

قرآن مجید نے حالت حیض میں جماع کے مسئلہ کو استعارہ کے طور پر بیان کیا ہے جیسا کہ قرآن کی عادت ہے کہ اس قسم کے مسائل استعاروں اور کنایوں میں بیان کرتا ہے، اسی کو ”وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ“ سے بیان کیا ہے، یعنی ان سے الگ رہو ان کے قریب نہ جاؤ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، مگر ان کا مطلب یہ نہیں کہ حائضہ عورت کے ساتھ بستر پر بیٹھنے یا ایک جگہ کھانے پینے سے بھی احتراز کیا جائے اور بالکل اچھوت بنا کر رکھ دیا جائے جیسا کہ یہود و ہنود اور بعض دوسری قوموں کا

دستور ہے، نبی ﷺ نے اس حکم کی توضیح فرمادی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت حیض میں صرف مباشرت سے پرہیز کرنا چاہئے، باقی تمام تعلقات بدستور برقرار رکھے جائیں۔

یہود اور بعض دیگر قوموں کا اس معاملہ میں تشدد:

بعض قوموں میں عورتیں اپنے حیض کے زمانہ میں نہ دوسروں کے ساتھ کچھ کھانی سکتی ہیں نہ لیٹ بیٹھ سکتی ہیں، بعض قوموں میں اس زمانہ میں عورت کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا ناپاک سمجھا جاتا ہے، اور بعض مشرک قوموں میں یہ دستور ہے کہ اس زمانہ میں عورت کو میلے کپڑے پہنا کر گھر کے ایک گوشہ میں اچھوت بنا کر بٹھا دیا جاتا ہے، غرضیکہ دوسری قوموں نے عام طور پر اس طبعی ناپاکی سے متعلق بہت مبالغہ آمیز تخیل قائم کر لیا ہے، شریعت اسلامی میں اس قسم کے کوئی امتناعی احکام موجود نہیں ہیں۔

حالت حیض میں تو ریت کا قانون:

مشرک قوموں نے اس بات میں جو سختیاں روارکھی ہیں ان سے قطع نظر خود محرف تورات کے قانون کا تشدد بھی اس باب میں اپنی مثال ہے، عورت ایام ماہواری کے زمانہ میں خود بھی ناپاک نہیں ہوتی بلکہ جو شخص یا جو چیز بھی اس سے چھو جاتی ہے وہ بھی ناپاک ہو جاتی ہے اور سلسلہ در سلسلہ یہ ناپاکی متعدی ہوتی جاتی ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

جو کوئی اسے چھوئے گا شام تک نجس رہے گا، اور جو کوئی اس کے بستر کو چھوئے وہ اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے غسل کرے اور شام تک ناپاک ہے اور جو کوئی اس چیز کو جس پر وہ بیٹھی ہے چھوئے، اپنے کپڑے دھوئے اور پانی سے نہائے اور شام تک ناپاک رہے، اگر مرد اس کے ساتھ سوتا ہے اور اس کی نجاست اس پر ہے تو وہ رات دن ناپاک رہے گا اور ہر ایک بستر جس پر مرد سوئے گا ناپاک ہو جائے گا۔ (احبار: ۱۵، ۱۹، ۲۴) (ماجدی)

مَسْئَلَةٌ: اگر حیض پورے دس دن گزرنے پر موقوف ہو تو بغیر غسل کئے بھی صحبت درست ہے۔

مَسْئَلَةٌ: اگر دس دن سے پہلے حیض موقوف ہو جائے مگر عادت کے موافق موقوف ہو تو صحبت جب درست ہوتی ہے کہ عورت یا تو غسل کرے یا ایک نماز کا وقت گزر جائے، اور اگر دس دن سے پہلے موقوف ہو اور ابھی عادت کے دن پورے نہیں ہوئے مثلاً سات دن کی عادت تھی اور حیض چھ ہی دن میں موقوف ہو گیا تو ایام عادت کے گزرنے بغیر صحبت درست نہیں ہے۔

مَسْئَلَةٌ: اگر غلبہ شہوت سے حالت حیض میں صحبت ہو گئی تو خوب توبہ واستغفار کرنا واجب ہے اور اگر کچھ صدقہ و خیرات بھی کر دے تو بہتر ہے۔

مَسْئَلَةٌ: پیچھے کے راستہ میں اپنی بیوی سے بھی صحبت حرام ہے بعض شیعہ حضرات اپنی بیوی سے وطی فی الدبر کو جائز ٹھہراتے ہیں جو بالکل غلط ہے اور انہی شتائم میں انہی بمعنی آئین لے کر استدلال کرتے ہیں حالانکہ حَرِّثُکُمْ، اس بات

کاقرینہ ہے کہ یہاں اُنہی بمعنی کَیْفَ ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ، عرب جاہلیت کے جاہلانہ دستوروں میں سے ایک دستور یہ بھی تھا کہ قسم کھا کر یہ کہہ دیتے تھے کہ ہم فلاں کام نیکی، تقویٰ، اصلاح ذات البین کا نہیں کریں گے اور جب کوئی ان سے کہتا تو یہ کہہ دیتے کہ ہم اس کام کے نہ کرنے کی قسم کھا چکے ہیں، ان اعمال خیر کا ترک یوں بھی صورتاً مذموم تھا چہ جائیکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے با عظمت نام کو قرب حق کے بجائے کار خیر سے دوری کا ذریعہ بنایا جائے۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے کسی بات کی قسم کھائی ہو اور بعد میں اس پر واضح ہو جائے کہ اس قسم کو توڑ دینے ہی میں خیر ہے تو اس کو قسم توڑ دینی چاہئے اور کفارہ ادا کرنا چاہئے، قسم توڑنے کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا یا انہیں کپڑے پہنانا، یا ایک غلام آزاد کرنا یا تین دن کے روزے رکھنا ہے، البتہ جو قسمیں بطور تکیہ کلام کے بلا ارادہ زبان سے نکل جاتی ہیں ایسی قسموں پر نہ مواخذہ ہے اور نہ کفارہ۔

عُرْضَةُ، کے عام اور متداول معنی ہدف یا نشانہ کے ہیں اور بعض نے یہی معنی مراد لئے ہیں لیکن ایک دوسرے معنی حجاب اور مانع کے بھی ہیں اور یہاں یہی معنی زیادہ چسپاں ہیں۔

فقہاء نے بلا ضرورت اور کثرت سے قسم کھانے کو یوں بھی ناپسند کیا ہے اس میں اللہ کے نام کی بے توقیری ہے، چہ جائیکہ قصد اچھوٹی قسمیں کھانا۔

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ اِي يَخْلِفُونَ اَنْ لَا يُجَامِعُوْنَ تَرَبُّصٌ اَنْتَظَارٌ اَرْبَعَةَ اشْهُرٍ فَاِنْ فَاَوْ رَجَعُوا فِيْهَا اَوْ بَعْدَ اَرْبَعَةِ اشْهُرٍ فَلْيُقَاسُوا لَهَا مَا آتَوْهُ مِنْ ضَرَرٍ الْمَرْأَةُ بِالْخَلْفِ رَحِيمٌ ۝۲۱ بِهَمْ
وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ اِي عَلَيْهِ بَاَنْ لَمْ يُفِيْتُوا فَلْيُوقِعُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۲ بَعَزَمَهُمُ الْمَعْنَى
لَيْسَ لَهُمْ بَعْدَ تَرَبُّصٍ مَا ذَكَرَ اِلَّا الْفَيْئَةُ اَوْ الطَّلَاقُ وَالْمُطَلَّقَةُ يَتَرَبَّصْنَ اِي لِيَنْتَظِرْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ عَنِ النِّكَاحِ
ثَلَاثَةَ قُرُوْۤا تَمْخِصِيْ بِنَ حِيْنَ الطَّلَاقِ جَمْعُ قَرَأَ بَفَتْحِ الْقَافِ وَهُوَ الطُّهْرُ اَوْ الْحَيْضُ قَوْلَانِ وَبِهَذَا فِي
الْمَدْخُولِ بِهِنَّ اَمَّا غَيْرُهُنَّ فَلَا عِدَّةَ لَهُنَّ لِقَوْلِهِ تَعَالٰی فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُوْنَهَا وَفِي غَيْرِ الْاِيسَةِ
وَالصَّغِيْرَةِ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اشْهُرٍ وَالْحَوَائِلُ فَعِدَّتُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ كَمَا فِي سُوْرَةِ الطَّلَاقِ وَالْاَسَاءِ
فَعِدَّتُهُنَّ قَرَانَ بِالسُّنَّةِ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْ اَرْحَامِهِنَّ مِنْ الْوَلَدِ وَالْحَيْضِ
اِنْ كُنَّ يُؤْمِنْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبَعُولَتُهُنَّ اَزْوَاجُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ اِي بِمُرَاجَعَتِهِنَّ وَلَوْ اَبَيْنَ فِيْ ذٰلِكَ اِي فِي
رَمَنِ التَّرَبُّصِ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا بَيْنَهُمَا لَا ضَرَارَ الْمَرْأَةِ وَهُوَ تَحْرِيطٌ عَلٰی قَصْدِهِ لَا شَرْطَ لِحَوَازِ الرَّجْعَةِ
وَبِهَذَا فِي الطَّلَاقِ الرَّجْعِيِّ وَاَحَقُّ لَا تَفْضِيْلَ فِيْهِ اِذْ لَا حَقَّ لِغَيْرِهِمْ فِي نِكَاحِهِنَّ فِي الْعِدَّةِ وَلَهُنَّ عَلٰی

الْأَزْوَاجِ مِثْلُ الَّذِي لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنَ الْخُتُوبِ بِالْمَعْرُوفِ شَرَعًا مِنْ حُسْنِ الْعِشْرَةِ وَتَرْكِ الْخِرَارِ وَنَحْوِ ذَلِكَ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ فَضِيلَةٌ فِي الْحَقِّ مِنْ وَجُوبِ طَاعَتِهِنَّ لَهُمْ لِمَا سَأَقُوهُ مِنَ الْمَهْرِ وَالْإِنْفَاقِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ فِي مُلْكِهِ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾ فِيمَا ذُبِرَ لِخَلْقِهِ.

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ازدواجی تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا لیتے ہیں، تو ان کے لئے چار ماہ انتظار

کی مدت ہے پس اگر اس مدت میں یا اس کے بعد وطی کی جانب قسم سے رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ عورت کے اس نقصان کو معاف کرنے والے ہیں، جو انہوں نے اس قسم کے ذریعہ پہنچایا ہے اور ان پر رحم کرنے والے ہیں، اور اگر طلاق کا ہی کا پختہ ارادہ ہو یا اس طور کہ وہ رجوع نہ کریں گے تو پھر طلاق ہی دیدیں، اللہ تعالیٰ ان کی بات کو سننے والا ہے اور ان کے عزم کو جاننے والا ہے مطلب یہ ہے کہ مذکورہ (مدت) انتظار کے بعد ان کے لئے صرف رجوع کرنے یا طلاق دینے کی صورت ہے اور مطلقہ عورتیں اپنے آپ کو طلاق کے وقت سے تین حیض تک نکاح سے روکے رکھیں (قُرُوء) قُرُوء کی جمع ہے، قاف کے فتح کے ساتھ، اس کے معنی طہر یا حیض کے ہیں، یہ دو قول ہیں اور یہ حکم مدخول بہا عورتوں کا ہے، لیکن غیر مدخول بہا تو ان کے لئے کوئی مدت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے قول ”فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا“ کی وجہ سے (اگر تم نے وطی نہ کی ہو تو ان پر تمہارے لئے کوئی مدت نہیں) اور یہ حکم آئہ (یعنی) حیض سے نا امید اور صغیرہ کے علاوہ کا ہے کہ ان کی عدت تین ماہ ہے اور حاملہ عورتیں، تو ان کی عدت وضع حمل ہے، جیسا کہ سورہ طلاق میں ہے اور رہیں باندیاں تو ان کی عدت دو قُرُوء (حیض یا طہر) ہیں سنت کی رو سے، اور ان کے لئے حلال نہیں کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو بچہ یا حیض پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں، اگر انہیں اللہ تعالیٰ پر اور رخصت قیامت پر ایمان ہو اور ان کے شوہر اس مدت انتظار میں ان کو لوٹانے کے پورے حق دار ہیں اگرچہ بیویاں انکار کریں، اگر ان کا آپسی اصلاح کا قصد ہو نہ کہ عورت کو نقصان پہنچانے کا، اور یہ کلام (إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا) اصلاح پر آمادہ کرنے کے لئے ہے نہ کہ جواز رجعت کی شرط کے طور پر اور یہ (حق رجعت) طلاق رجعی کی صورت میں ہے، اور لفظ (حق) میں تفصیل کے معنی نہیں ہیں، اس لئے کہ شوہروں کے علاوہ کسی کو عدت کی مدت میں ان سے نکاح کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اور عورتوں کے بھی مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے حقوق مردوں کے عورتوں پر ہیں شرعی دستور کے مطابق، حسن سلوک حسن معاشرت کے ساتھ اور نقصان رسانی وغیرہ کو ترک کر کے، البتہ مردوں کو حقوق میں عورتوں پر فضیلت حاصل ہے اور وہ عورتوں پر اطاعت کا وجوب ہے اس لئے کہ مردوں نے مہر اور نان نفقہ کا ذمہ لیا ہے، اور اللہ زبردست ہے اپنے ملک میں اور حکمت والا ہے ان چیزوں میں جو اس نے اپنی مخلوق کے لئے بطور تدبیر اختیار کی ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: يُؤْلَوْنَ، (إِيْلَاءٌ) سے جمع مذکر غائب، جو عورتوں سے ہم بستر نہ ہونے کی قسم کھالیں اِلْيَاءِ فِی اللُّغَةِ الْيَمِينِ. وَالْإِيْلَاءُ مِنَ الْمِرَاةِ اَنْ يَقُولَ وَاللّٰهُ لَا اَقْرُبُكَ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ فَصَاعِدًا. **قَوْلًا: اَنْ لَا يُجَامِعُوْهُنَّ** یہ عبارت اس سوال کا جواب ہے کہ حلف فعل پر ہوتی ہے نہ کہ ذات پر، یہاں نسا نے ہم پر حلف ہے جو کہ ذات ہے۔

جَوَابُ: عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے اِی یَخْلِفُوْنَ اَنْ لَا يُجَامِعُوْهُنَّ حذف مضاف کا مقصد مبالغہ ہے جیسا کہ حُرِّمَتْ عَلَیْكُمْ اَمْثَلُكُمْ مِّیْنِ ہے۔

قَوْلًا: تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ترکیب اضافی مبتداء مؤخر، مِنْ نِّسَاءٍ هُمْ خَبَرٌ مُّقَدَّمٌ۔

سُؤَالُ: یُؤْلَوْنَ، کا صلہ علی استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں مِنْ استعمال ہوا ہے۔

جَوَابُ: اِلْيَاءِ، بُعْدُ، کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے، مِنْ صِلَہ لانا درست ہے، چونکہ اِلْيَاءِ کرنے والا بھی اپنی بیوی سے دور رہتا ہے لہذا اِلْيَاءِ بمعنی بُعْدُ درست ہے۔

قَوْلًا: عَلَیْہِ۔

سُؤَالُ: عَلَیْہِ، مقدار ماننے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَابُ: اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ الطَّلَاق حذف جبر کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے اِنْ عَزَمُوا عَلَى الطَّلَاقِ۔

قَوْلًا: بَفَتْحِ الْقَافِ۔

سُؤَالُ: قَرَأَ کو فتح قاف کے ساتھ کیوں خاص کیا گیا ہے جب کہ ضمہ قاف بھی اس میں ایک لغت ہے۔

جَوَابُ: جمع جب قُرُوْءٌ ہو تو اس کا واحد قَرَأَ بَفَتْحِ الْقَافِ ہی ہوتا ہے چونکہ جمع مذکور قُرُوْءٌ ہے اس لئے واحد کا قاف کے فتح کے ساتھ ہونا ضروری ہے اگر ضمہ قاف کے ساتھ ہو تو اس کی جمع اقراء آتی ہے۔

جیسے قُل، کی جمع اقفال آتی ہے۔

قَوْلًا: هُوَ الطَّهْرُ وَالْحَيْضُ، اول امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا اور ثانی امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اور امام مالک رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کا ہے۔

قَوْلًا: اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَنَّ بِاللّٰهِ الْخ یہ شرط ہے اور اس کی جزاء، فَلَا یَجْتَرِئْنَ عَلَیْ ذٰلِكَ، محذوف ہے۔

قَوْلًا: بَعُولَتُهُنَّ، ان عورتوں کے شوہر بَعُولَةٌ، بَعْلُ کی جمع ہے جیسا کہ قَوْلَةٌ، فَعْلُ کی جمع ہے تاہم زائدہ اور امثله سوائے ہیں۔

قَوْلًا: أَحَقُّ لَا تَفْضِيلُ فِيهِ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے۔

اعتراض: أَحَقُّ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل مفضل علیہ کا تقاضہ کرتا ہے حالانکہ یہاں مفضل علیہ ممکن نہیں ہے اس لئے کہ شوہر کے علاوہ کسی کو رجعت کا حق نہیں ہے اعتراض کا ما حاصل یہ ہے کہ أَحَقُّ اسم تفضیل سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر رجعت کا زیادہ حق دار ہے اور غیر شوہر کم حق دار ہے حالانکہ غیر شوہر کو رجعت حق کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔

جواب: اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے یعنی أَحَقُّ بمعنی حقیق ہے، لہذا کوئی اعتراض نہیں ہے یہی مطلب ہے مفسر علام کے قول "إِذَا لَا حَقَّ لغيرهم في نكاحهم في العدة" کا گویا کہ یہ الشَّاءَ أَبْرَدُ مِنَ الصَّيْفِ کے قبیل سے ہے۔

قَوْلًا: لِمَا سَاقُوا مِنَ الْمَهْرِ وَالْإِنْفَاقِ، یہ ثبوت درجہ کی علت ہے اس لئے کہ لذت مباشرت اور طلب ولد میں دونوں برابر کے شریک ہیں اور امو خانہ داری کے انتظام میں بھی دونوں مساوی، شوہر کے ذمہ خارجی امور ہیں اور بیوی کے ذمہ داخلی اور مزید برآں شوہر کے ذمہ بیوی کے نان نفقہ اور مہر کی بھی ذمہ داری ہے اس اضافی ذمہ داری کی وجہ سے مرد کو عورت پر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ، چار ماہ یا اس سے زیادہ یا مطلقاً بیوی سے ازدواجی تعلق نہ کرنے کی قسم کھالینا شریعت کی اصطلاح میں ایلاء کہلاتا ہے، میاں بیوی کے درمیان کبھی ایسا وقت بھی آ سکتا ہے کہ تعلقات خوشگوار نہ رہ سکیں اور بگاڑ کے اسباب ظاہر ہو جائیں، لیکن ایسے بگاڑ کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کہ دونوں ایک دوسرے سے قانونی طور پر رشتہ ازدواج میں تو بند ہے رہے مگر عملاً ایک دوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں بیوی ہی نہیں ہیں، ایسے بگاڑ کے لئے اللہ تعالیٰ نے چار ماہ کی مدت مقرر کر دی ہے کہ یا تو اس دوران اپنے تعلقات درست کر لیں ورنہ ازدواجی رشتہ منقطع کر دیں، تاکہ دونوں ایک دوسرے سے آزاد ہو کر اپنی راہ اور اپنی منزل متعین کر سکیں۔

آیت میں چونکہ قسم کھالینے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اس لئے فقہاء حنفیہ اور شافعیہ نے اس آیت کا منشا یہ سمجھا ہے کہ جہاں شوہر نے بیوی سے تعلق زن و شوہر رکھنے کی قسم کھائی ہو، صرف وہیں اس حکم کا اطلاق ہوگا باقی رہا قسم کھائے بغیر تعلق منقطع کر لینا، تو یہ خواہ کتنی ہی طویل مدت کے لئے ہو، اس آیت کا حکم اس پر چسپاں نہ ہوگا۔ مگر فقہاء مالکیہ کی رائے یہ ہے کہ خواہ قسم کھائی گئی ہو یا نہ کھائی گئی ہو دونوں صورتوں میں ترک تعلق کے لئے بھی چار مہینے کی مدت ہے ایک قول امام احمد بن حنبل کا بھی اسی کی تائید میں ہے۔ (بدایۃ المحنہد جلد دوم)

حضرت عثمان رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، ابن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، زید بن ثابت رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہم کے نزدیک رجوع کا موقع چار ماہ کے اندر ہے اس مدت کا گزر جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ شوہر نے طلاق کا عزم کر لیا ہے اس لئے یہ مدت گزرتے ہی طلاق خود بخود واقع ہو جائے گی اور وہ ایک طلاق بائن ہوگی، یعنی دوران عدت شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا، البتہ اگر دونوں چاہیں تو

دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایک قول اسی معنی میں منقول ہے اور فقہاء حنفیہ نے اسی رائے کو قبول کیا ہے۔

سعید بن مسیب، مکحول، زہری یہاں تک تو متفق ہیں کہ چار مہینے کی مدت گزرنے کے بعد خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی مگر ان کے نزدیک وہ ایک طلاق رجعی ہوگی، یعنی دوران عدت میں شوہر کو رجوع کر لینے کا حق ہوگا اگر رجوع نہ کرے تو مدت گزر جانے کے بعد اگر دونوں چاہیں تو نکاح کر سکتے ہیں۔

بخلاف اس کے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اکثر فقہاء مدینہ کی رائے یہ ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد معاملہ عدالت میں پیش ہوگا، اور حاکم عدالت شوہر کو حکم دے گا کہ یا تو اس عورت سے رجوع کرے یا اسے طلاق دے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک قول اس کی تائید میں بھی ہے اور امام مالک وشافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے اسی کو قبول کیا ہے۔

خلاصہ کلام:

اگر شوہر قسم کھالے کہ اپنی بیوی سے صحبت نہ کروں گا، اس کی چار صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کوئی مدت متعین نہ کرے دوم یہ کہ چار مہینے کی قید لگا دے، سوم یہ کہ چار ماہ سے زیادہ کی قید لگا دے، چہارم یہ کہ چار ماہ سے کم کی مدت کا نام لے، صورت اول و دوم و سوم کو اصطلاح شرع میں ایلاء کہتے ہیں، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ دے اور بیوی کے پاس چلا جاوے تو قسم کا کفارہ دے اور نکاح باقی ہے اور اگر چار ماہ گزر گئے اور قسم نہ توڑی تو اس عورت پر قطعی طلاق پڑ گئی، یعنی بلا نکاح رجوع کرنا درست نہیں رہا البتہ اگر دونوں رضا مند ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی، اور چوتھی صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم توڑے تو کفارہ لازم ہوگا، اور اگر قسم پوری کی جب بھی نکاح باقی ہے۔

الطَّلَاقُ اِی التَّطْلِیْقِ الَّذِی یُرَاجَعُ بَعْدَهُ مَرَّتَیْنِ اِی اِثْنَتَیْنِ فَاِمَسَّاكَ اِی فَعَلِیْكُمْ اِمْسَاكُھُنَّ بَعْدَهُ بِاَنْ تُرَاجَعُوْھُنَّ اِمَّ مَعْرُوْفٍ بِنِ غَیْرِ خِرَارٍ اَوْ تَسْرِیْحٍ اَرْسَالٌ لَّھُنَّ بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَیُّھَا الْاَزْوَاجُ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اَتَیْتُمُوْھُنَّ بِنِ الْمُہُوْرِ شَیْئًا اِذَا طَلَقْتُمُوْھُنَّ اِلَّا اَنْ یَّخَافَا اِی الزَّوْجَانِ اَلَا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ اِی لَا یَاْتِیَا بِمَا حَدَّ لَھُمَا مِنْ الْحَقُوْقِ وَفِی قِرَاۃٍ یُّخَافَا بِالْبِنَاءِ لِلْمَفْعُوْلِ فَان لَا یُقِیْمَا بَدْلَ اِشْتِمَالٍ مِنْ الضَّمِیْرِ فِیْهِ وَفَرِئٌ بِالْفَوْقَانِیَّةِ فِی النِّعَلِیْنِ فَاِنْ حَفِظْتُمَا اَلَا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاَلْجُنَاحُ عَلَیْھُمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِہُ نَفْسُھَا مِنْ الْمَالِ لِیُطْلَقَھَا اِی لَا خَرَجَ عَلَی الزَّوْجِ فِی اَخْذِھِ وَلَا الزَّوْجَةُ فِی بَذْلِہِ تِلْكَ الْاَحْکَامُ الْمَذْکُوْرَةُ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا وَمَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ طَلَقَھَا الزَّوْجُ بَعْدَ

اِثْنَيْنِ فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ بَعْدَ الطَّلَاقِ الثَّلَاثَةِ حَتَّى تَنْكِحَ تَزْوِجَ زَوْجًا غَيْرَهُ وَيَطَاطَبَا كَمَا فِي الْحَدِيثِ رَوَاهُ الشَّيْخَانُ فَإِنْ طَلَّقَهَا الزَّوْجَ الثَّانِي فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَى الزَّوْجَةِ وَالزَّوْجِ الْأَوَّلِ أَنْ يَتَرَاجَعَا إِلَى النِّكَاحِ بَعْدَ انْقِضَاءِ الْعِدَّةِ إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ الْمَذْكُورَاتُ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَّغُنَّ أَجَلَهُنَّ فَأَرْبِنَ انْقِضَاءَ عِدَّتِهِنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِأَنْ تُرَاجِعُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ مِنْ غَيْرِ ضَرَارٍ أَوْ سَرَخُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَرْكُوهُنَّ حَتَّى تَنْتَضِيَ عِدَّتُهُنَّ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ بِالرَّجْعَةِ ضَرَارًا مَفْعُولٌ لَهُ لِيَتَعَدَّوْا عَلَيْهِنَ بِالْإِجَاءِ إِلَى الْإِفْتِدَاءِ أَوْ التَّطْلِيقِ وَتَطْوِيلِ الْخَبْسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ بِتَغْيِيرِ خِيَمَتِهَا إِلَى عَذَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوعًا نَسَبُوهَا بِمُخَالَفَتِهَا وَأَذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ بِالْإِسْلَامِ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ الثَّرَانِ وَالْحِكْمَةِ مَا فِيهِ مِنَ الْأَحْكَامِ يَعِظُكُمْ بِهِ بِأَنْ تَشْكُرُوا بِهَا بِالْعَمَلِ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ.

الْبَقَرَةِ

ترجمہ: ایسی طلاق جس کے بعد رجوع کیا جائے دوبارہ یعنی دو تک ہیں، پھر یا تو معروف طریقہ سے تمہارے ذمہ روک لینا ہے بعد اس کے کہ ان سے رجوع کر لو، یا بھلے طریقہ سے ان کا رخصت کر دینا ہے بغیر نقصان پہنچائے اور اسے شوہر! تمہارے لئے یہ بات جائز نہیں کہ جب تم ان کو طلاق دو تو جو مہر تم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس لو البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکے کا اندیشہ ہو کہ اللہ نے ان کے لئے جو حدود مقرر کئے ہیں ان کو ادا نہ کر سکیں گے اور ایک قراءت میں (يَخَافَا، يُقِيمَا) کو تاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں حدود الہی پر قائم نہ رہ سکیں گے تو ان دونوں کے درمیان معاملہ طے ہو جانے میں کہ عورت اپنے نفس کا مالی معاوضہ دیدے تاکہ شوہر اس کو طلاق دیدے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، یعنی نہ شوہر کے لئے اس معاوضہ کے لینے میں کوئی حرج ہے اور نہ عورت کے لئے اس کے دینے میں یہ مذکورہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود الہی سے تجاوز کریں وہی لوگ ظالم ہیں، پھر اگر شوہر دو طلاقوں کے بعد طلاق دیدے تو اس کے لئے تیسری طلاق کے بعد وہ عورت حلال نہیں الا یہ کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور وہ (دوسرا شوہر) اس سے وطی کرے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے (رواہ الشیخان) پھر اگر دوسرا شوہر اس کو طلاق دیدے تو بیوی اور شوہر اول پر کوئی حرج نہیں کہ عدت گزرنے کے بعد دوبارہ نکاح کر لیں، اگر دونوں یہ خیال کریں کہ وہ حدود الہی کو قائم رکھیں گے، یہ مذکورہ احکام اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں، اللہ ان لوگوں کے لئے بیان فرما رہا ہے جو سمجھ رکھتے ہیں غور و فکر کرتے ہیں، اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی مدت کو پہنچ جائیں یعنی ان کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو جائے تو ان سے رجوع کر کے بھلے طریقہ پر بغیر نقصان پہنچائے، ان کو روک لو، یا شریفانہ طریقہ سے ان کو رخصت

کردو، یعنی ان کو (اپنی حالت پر) چھوڑ دو تا آں کہ ان کی مدت پوری ہو جائے اور رجعت کے ذریعہ ستانے کے لئے نہ روکو (ضراراً) مفعول لہ ہے کہ ان کو فدیہ (معاوضہ خلع) دینے یا خلع کرنے پر مجبور کرنے اور مدت جس کو طویل کرنے کے لئے (نہ روکو) اور جو ایسا کرے گا تو اس نے درحقیقت خود ہی اپنے اوپر ظلم کیا، اللہ کے عذاب پر خود کو پیش کر کے اور اللہ کی آیات کو کھینچا نہ بناؤ یعنی ان کی مخالفت کر کے ان کا مذاق نہ بناؤ، اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت اسلام کو یاد رکھو اور اس کتاب (یعنی) قرآن اور حکمت کو اور اس میں جو احکام ہیں یاد رکھو جو تم پر نازل کی ہے وہ تم کو اس کی نصیحت کرتا ہے کہ اس پر عمل کر کے اس کی شکر گزاری کرو اور اللہ سے ڈرو اور خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر بات سے باخبر ہے اس سے کوئی شئی پوشیدہ نہیں۔

حَقِیْقِیْ وَ تَرْکِیْبِیْ تَسْبِیْلِیْ وَ تَفْسِیْرِیْ فَوَائِدُ

قَوْلٌ: التَّطْلِیقُ الْاِذْنِ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ کہ الطلاق اسم مصدر، تَطْلِیق مصدر کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ طلاق سے شوہر کا فعل تَطْلِیق مراد ہے اس لئے کہ فعل طلاق ہی متصف بالوحدة والتعدد ہوتا ہے نہ کہ وہ طلاق جو امرأة کی صفت ہوتی ہے اس کی تائید او تَسْرِیْح سے بھی ہوتی ہے اس لئے کہ تَسْرِیْح، بھی شوہر کا فعل ہے۔
قَوْلٌ: فَعَلِیْکُمْ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اِمْسَاک، مبتداء ہے اور اس کی خبر، فَعَلِیْکُمْ، محذوف ہے۔
سُؤَالٌ: اِمْسَاک، نکرہ ہے لہذا اس کا مبتداء بننا درست نہیں ہے۔
جَوَابٌ: اِمْسَاک کی صفت، بمعروف ہے لہذا نکرہ جب موصوف بالصفة ہو تو اس کا مبتداء بننا صحیح ہوتا ہے۔
قَوْلٌ: اِیْ اِثْنَانِ۔

سُؤَالٌ: مَرَّتَانِ، کی تفسیر اِثْنَانِ، سے کرنے میں کیا فائدہ ہے؟
جَوَابٌ: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مَرَّتَانِ، سے اس کے حقیقی معنی جو کہ تثنیہ ہیں، مراد ہیں، یعنی دو طلاقیں نہ کہ مجازی معنی جو کہ تکرار ہیں، گویا کہ یہ رد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے کہا ہے کہ مَرَّتَانِ، یہاں تکرار کے معنی میں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ تکرار معنی مجازی ہیں اور تثنیہ معنی حقیقی ہیں اور معنی مجازی سے حقیقی مراد لینا اولی ہوتا ہے دو مجازی معنی مراد لینے والوں کا مقصد یہ بتانا ہے ایک ساتھ دو طلاق درست نہیں ہے بلکہ دو مرتبہ میں دو طلاقیں ہونی چاہئیں اور جو لوگ مرتان کو اِثْنَانِ (تثنیہ) کے معنی میں لیتے ہیں ان کے نزدیک ایک لفظ سے دو طلاق دینا درست ہے۔

قَوْلٌ: بَعْدَ التَّطْلِیقِ الثَّلَاثَةِ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بَعْدُ، مبنی بر ضم ہے اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ محذوف ہے اور وہ بَعْدَ الطَّلَاقِ الثَّلَاثَةِ ہے، لہذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ اس کو حرف جر کی وجہ سے مجرور ہونا چاہئے۔

قَوْلٌ: تَتَزَوَّجُ، تَنكِح، کی تفسیر تَتَزَوَّج سے کر کے اشارہ کر دیا کہ تَنكِح، بمعنی عقد نکاح ہے نہ کہ وطی اس لئے کہ عقد نکاح مراد لینے کی صورت میں اسی کی اسناد مرد اور عورت دونوں کی طرف حقیقت ہوگی اور اگر بمعنی وطی ہو تو مرد کی طرف تو نسبت حقیقی ہوگی مگر عورت کی جانب وطی کی نسبت مجازی ہوگی۔

قَوْلًا: يَطَافُ اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو حلالہ کے لئے صرف عقد نکاح کو کافی سمجھتے ہیں، جیسا کہ سعید بن مسیب رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی اس لئے کہ یہ حدیث مشہور کے خلاف ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

شان نزول:

دَوٰی عروۃ بن الزبیر الخ، فرماتے ہیں کہ لوگ ابتداء اسلام میں اپنی بیویوں کو بے شمار طلاقیں دیدیا کرتے تھے اور بعض لوگ ایسا بھی کرتے تھے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیدیتے تھے اور جب اس کی عدت ختم ہونے کے قریب ہو جاتی تھی تو رجوع کر لیتے تھے اس کے بعد پھر طلاق دیدیتے تھے، ستانے اور تکلیف پہنچانے کی نیت سے اسی طرح بار بار کرتے رہتے تھے تو اس موقع پر الطلاق مَرَّتَانِ نازل ہوئی۔ (مظہری)

طلاق رجعی دو ہی تک ہیں:

طلاق رجعی دو ہی بار ہے پھر خواہ حسن معاشرت اور محبت سے اسے رکھ لے یا احسان اور شریفانہ طریقہ سے رخصت کروے "تَسْرِیْحٌ بِإِحْسَانٍ" اکثر روایتوں میں تیسری طلاق ہے مگر ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ تیسری طلاق ضرر خالص ہے احسان سے اس کیا واسطہ، بلکہ مراد یہ ہے کہ دوسری طلاق کے بعد اگر رجوع کرنا اور محبت سے بسر کرنا ہے تو بہتر، ورنہ خاموش بیٹھ رہے، جب عدت پوری ہو جائیگی عورت خود بخود بائنے ہو جائے گی اس کے بعد اگر دونوں کی مرضی ہو تو نکاح کر سکتے ہیں یہی ان کے حق میں احسان ہے۔

طلاق دینے کے تین طریقے:

طلاق دینے کے تین طریقے ہیں (اول) أَحْسَنُ، یعنی صرف ایک طلاق ایسے طہر میں دے جس میں عورت سے جماع نہ کیا ہو، (دوسری) حَسَنُ یعنی تین طلاقیں اس طرح دے کہ جب حیض سے پاکی حاصل ہو تو وٹل سے پہلے طلاق دے پھر دوسرے حیض کا انتظار کرے دوسرے حیض کے بعد دوسری طلاق اور تیسرے حیض کے بعد تیسری طلاق دے کر قصہ ختم کرے، اور اگر عورت کو حیض نہ آتا ہو یعنی صغیرہ ہو یا آئسہ (بہت بوڑھی) تو ہر ماہ بعد ایک طلاق دے، (تیسری) بدئی، ایک وقت یا ایک طہر میں تین طلاقیں دے یہ طلاقیں تو پڑ جائیں گی مگر مرد گنہگار ہوگا، اس طلاق کے واقع ہونے میں بعض حضرات کو کلام ہے مگر ابن عمر کی مرفوع حدیث ہماری شاہد ہے اور حیض میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے مگر رجوع کرنا

واجب ہے اگر حالت حیض میں طلاق واقع ہی نہ ہو تو ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حالت حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کے حکم کے کیا معنی؟ لہذا ارشاد باری تعالیٰ کہ طلاق دوبارہ ہے یعنی مسنون تو یہی ہے کہ ایک بار ایک طلاق دے پھر دوسری دے، بعد ازاں خواہ رجوع کرے یا تیسری طلاق بھی دیدے بیک وقت دو طلاقیں دینا چونکہ اچھا نہیں ہے اسی لئے مرتان، یعنی ”دوبار“ فرمایا تا کہ تعدد اور توقف پر اشارہ کرے۔

فَاِذَا بَلَغَ: اس مختصری آیت میں ایک بہت بڑی معاشرتی خرابی کی جو عرب جاہلیت میں رائج تھی اصلاح کی گئی ہے عرب میں قاعدہ یہ تھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو بے حد و بے حساب طلاق دینے کا مجاز تھا، جس عورت سے اس کا شوہر بگڑ جاتا تھا اس کو بار بار طلاق دے کر رجوع کرتا رہتا تھا، تا کہ نہ تو وہ غریب اس کے ساتھ بس ہی سکے اور نہ اس سے آزاد ہو سکے کہ کسی اور سے نکاح کر لے، قرآن مجید کی یہ آیت اسی ظلم کا دروازہ بند کرتی ہے، اس آیت کی رد سے ایک مرد رختہ نکاح میں اپنی بیوی پر زیادہ سے زیادہ دو ہی مرتبہ طلاق رجعی کا حق استعمال کر سکتا ہے جو شخص اپنی منکوحہ کو دو مرتبہ طلاق دے کر اس سے رجوع کر چکا ہو وہ اپنی عمر میں اس کو تیسری بار طلاق دے گا تو عورت اس سے مستقل طور پر جدا ہو جائے گی۔

اگر ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے ڈالی جائیں، جیسا کہ آج کل جہلاء کا عام طریقہ ہے تو یہ شریعت کی رو سے سخت گناہ ہے اس کی بڑی مذمت فرمائی گئی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہاں تک ثابت ہے کہ جو شخص بیک وقت اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدیتا تھا آپ اس کو دڑے لگاتے تھے، تاہم سخت گناہ ہونے کے باوجود ائمہ اربعہ کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور طلاق مغلط ہو جاتی ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا (الآیۃ) یعنی مہر اور ردہ زیورات اور کپڑے وغیرہ جو شوہر اپنی بیوی کو دے چکا ہے، ان میں سے کوئی چیز بھی واپس طلب کرنے کا اسے حق نہیں ہے، یہ بات ویسے بھی اسلامی اخلاقی اصولوں کی ضد ہے کہ کوئی شخص ایسی چیز کو جسے وہ دوسرے شخص کو ہبہ یا ہدیہ تحفہ کے طور پر دے چکا ہو واپس مانگے، اس ذلیل حرکت کو حدیث شریف میں اس کتے کے فعل سے تشبیہ دی گئی ہے جو اپنی ہی قے کو خود چاٹ لے، مگر خصوصیت کے ساتھ ایک شوہر کے لئے تو یہ بہت ہی شرمناک ہے کہ وہ طلاق دے کر رخصت کرتے وقت اپنی بیوی سے وہ کچھ رکھوا لیتا ہے جو اس نے کبھی اسے خود دیا تھا، اس کے برعکس اسلام نے یہ اخلاق سکھائے ہیں کہ آدمی جس عورت کو طلاق دے اسے رخصت کرتے وقت کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرے۔

شان نزول:

تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جمیلہ یا حبیبہ نامی خاتون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور اپنے شوہر ثابت بن قیس کی شکایت کی اور مار کے نشان جو منہ پر تھے دکھائے اور کہا میرا اور اس کا اب نبھاؤ نہ ہو سکے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن قیس کو بلا کر حالات معلوم کئے، ابن قیس نے عرض کیا یا رسول اللہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں اس عورت سے زیادہ دنیا میں کسی کو محبوب نہیں رکھتا سوائے آپ کی محبت کے، آپ کی محبت تو آپ کے

مشتاقوں کے لئے رگ و پے میں خون کی طرح داخل ہے بلکہ جو ہر روح اور لطف حیات ہے آپ نے جمیلہ سے فرمایا: اب تم کیا کہتی ہو؟ وہ بولیں کہ میں ایسی بات نہ کہوں گی جس کے خلاف حضور پر وحی نازل ہو جائے، بے شک ثابت اپنی بیوی سے سلوک کرنے میں تمام مردوں سے اچھا ہے مگر مجھے اس سے بالطبع نفرت ہے، اور بعض روایتوں میں بد صورتی کا بھی ذکر ہے آپ ﷺ نے فرمایا کیا وہ باغ جو تم نے مہر میں لیا ہے واپس کر دو گی؟ بولیں باغ اور مزید کچھ اور بھی، آپ نے فرمایا ”اَفْ الزَّيَادَةُ فَلَا“ مہر سے زائد نہ کیا جائے پھر آپ ﷺ نے ثابت سے فرمایا ”اَقْبِلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلَّقْهَا تَطْلِيفَةً“ باغ لو اور طلاق دو۔ (خلاصۃ التفاسیر، نائب لکھنوی)

مباحث احکام خلع:

خَلْع، (ف) خَلْعًا، اتارنا، خَلْعُ الْمَرْأَةِ، مال کے عوض عورت نے جدائی اختیار کی، اگر عورت کی جانب سے مال کے عوض طلاق کا مطالبہ ہو تو اس کو شریعت کی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں اور اگر شوہر کی جانب سے مال کے عوض طلاق کی پیش کش ہو تو طلاق علی مال کہتے ہیں۔

مَسْئَلَةٌ: اس بارے میں اگر شوہر اور بیوی کے درمیان آپس میں معاملہ طے ہو جائے، تو جو کچھ طے ہوا ہو وہی نافذ ہوگا، لیکن اگر عدالت میں معاملہ چلا جائے تو عدالت صرف اس امر کی تحقیق کرے گی کہ آیا فی الواقع یہ عورت اس حد تک متنفر ہے کہ اس کے ساتھ اس کا نباہ نہیں ہو سکتا، اس کی تحقیق ہو جانے پر عدالت کو اختیار ہے کہ حالات کے لحاظ سے جو فدیہ چاہے تجویز کرے اور اس فدیہ کو قبول کر کے شوہر کو اسے طلاق دینے کا حکم کرے، شوہر پر لازم ہوگا کہ فدیہ قبول کر کے طلاق دیدے بالعموم فقہاء نے اس کو پسند نہیں کیا کہ جو مال شوہر نے اس عورت کو دیا ہو، اس سے زائد کا فدیہ دوا یا جائے۔

مَسْئَلَةٌ: خلع کی صورت میں طلاق بائن ہوتی ہے شوہر اس سے رجوع نہیں کر سکتا البتہ یہی مرد اور عورت اگر راضی ہو جائیں تو دوبارہ نکاح جدید کر سکتے ہیں۔

مَسْئَلَةٌ: جمہور کے نزدیک خلع کی عدت وہی ہے جو طلاق کی ہے، مگر ابو داؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ وغیرہ کی کی متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے اس کی عدت ایک ہی حیض قرار دی تھی اور اس کے مطابق حضرت عثمان غنی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مقدمہ میں فیصلہ فرمایا تھا۔ (ابن کثیر جلد اول، ص: ۲۷۶)

فَائِدَةٌ: خلع کی چار صورتیں ممکن ہیں، ① شوہر کی طرف سے زیادتی ہو، ② عورت کی شرارت ہو، ③ دونوں کی خطا ہو، ④ کسی کی طرف سے بھی کوئی بے لطفی نہ ہو، یہ چوتھی صورت خلع سے متعلق نہیں ہے اور نہ اس سے کوئی حکم متعلق ہے۔

بحث: باقی رہی تین صورتیں، قرآن نے عورت کا مال لینا اس شرط پر حلال کیا ہے کہ جب دونوں کی طرف سے ظلم و تعدی کا خوف ہو جیسا کہ فرمایا: ”اَنْ يَّخَافَا اَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ“ لہذا وہ صورت کہ شوہر کی طرف سے زیادتی ہو آیت سے متعلق

نہیں ہے اور عورت کے مال کی حرمت بدستور باقی رہے گی، اسی کے متعلق دوسرے مقام پر یہ تصریح فرمائی، ”اِنْ اَرَدْتُمْ اَنْ تَنْبِذَ الْزَوْجَ مَكَانَ زَوْجٍ“ اگر ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری سے نکاح کرنا چاہتے ہو ”فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا“ تو عورت کو دیئے ہوئے مال میں سے کچھ بھی نہ لو، اس میں قصور مرد کا ہے اس لئے کہ یہی ایسے چھوڑنا چاہتا ہے مناسب اور لائق تو یہ تھا کہ مہر بھی واپس نہ لے، مگر اس وجہ سے کہ ہر حلال مال مالک کی اجازت سے لینا جائز ہے گو دینے والا کسی مصلحت یا مجبوری سے دے، یا خوشی سے یہاں عورت اپنے اختیار سے اپنے فائدہ کے لئے اپنا مال صرف کرتی ہے اور اس کے عوض میں آزادی کا فائدہ حاصل کرتی ہے مذکورہ دونوں شقوں پر نظر کرتے ہوئے لینا جائز مگر مکروہ قرار دیا گیا ہے۔

سُئَالٌ: عورت کی طرف سے مرد کو طلاق لینے کے عوض مال دینا رشوت ہے اور رشوت حرام ہے۔

جَوَابٌ: رشوت ایسے مال کے لینے کو کہتے ہیں جس سے کسی کا حق تلف کیا جائے یا رشوت دینے والے کا وہ حق دیا جائے جو بغیر کسی عوض کے رشوت لینے والے کے ذمہ واجب تھا اور یہاں طلاق دینا مرد کے ذمہ نہیں، البتہ دفع ظلم اور ترک تعدی اس کے ذمہ ہے، مگر بدل دفع ظلم اور ترک تعدی کا معاوضہ نہیں ہے جو واجب ہے بلکہ طلاق کا معاوضہ ہے جو واجب نہیں ہے دوسری صورت یعنی عورت کی شرارت ہو تو یہ بھی بظاہر یک طرفہ ہے اور آیت کے حکم سے خارج ہے، مگر مرد کو طلاق کا اختیار حاصل ہے، ایسی شریر عورت کو روکنے سے اس کی غرض خواہ ایذا رسانی اور انتقام ہے خواہ امید اصلاح، تو امید اصلاح تو قابل اعتماد نہیں البتہ قصد انتقام کے لحاظ سے دو طرفہ چھیڑ چھاڑ اور زیادتی ہو گئی اور یہ صورت بھی آیت: ”اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ“ (الایۃ) کی مصداق ہوئی لہذا آیت کی رو سے جو مال عورت دینا قبول کرے جائز ہے اور حدیث پیغمبر ”اَمَّا الزِّيَادَةُ فَلَا“ کی رو سے مہر سے زیادتی ممنوع ہے جیسا کہ ثابت بن قیس کے واقعہ میں اوپر مذکور ہوا، اگر زیادہ لینے میں کوئی کراہت نہ ہوتی تو آپ ثابت رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے حق کو ناقص نہ کرتے۔

جواز اور کراہت میں منافات نہیں:

کہ قرآن کے عموم کا بطلان لازم آئے، مثلاً نماز ایک درہم نجاست کے ساتھ جائز ہے مگر مکروہ تحریمی ہے (شامی) اور نماز بدون تعدیل ارکان جائز مگر واجب الاعادہ ہے (نور الانوار) ایسے ہی یہ زیادتی جائز مگر مکروہ ہے۔

عقلی دلیل:

خلع بمنزلہ اقالہ ہے، اس لئے کہ یہ دونوں کی رضا مندی پر موقوف ہے اقالہ میں ثابت شدہ ملک کو باطل کیا جاتا ہے، خلع میں بھی ثابت شدہ ملک بضع کو باطل کیا جاتا ہے پس جس طرح اقالہ میں بیع مستعمل ہو یا نہ ہو ثمن اول ہی پر اقالہ ہوگا، اسی طرح خلع میں بھی مہر جو کہ بمنزلہ ثمن ہے مہر کی مقدار پر ہی خلع کرنا چاہئے۔

تیسری صورت: یعنی دونوں کی خطا، ہو اس کا حکم بھی مثل دوم ہے (اگرچہ اس کا حکم کتب میں مذکور نہیں)۔

(خلاصۃ التفاسیر)

خلع طلاق ہے یا فسخ؟

امام ابو حنیفہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے نزدیک خلع طلاق ہے اور امام احمد رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے نزدیک فسخ ہے امام شافعی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی ایک قول میں امام احمد رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے ساتھ ہیں اور صحیح قول میں ابو حنیفہ رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی کے ساتھ ہیں حضرت ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی فسخ مروی ہے۔ (خلاصۃ التفاسیر)

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ (الآیۃ) اگر مرد نے تیسری طلاق دیدی تو اب نکاح جدید سے بھی حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے مرد سے وطی حلال نہ کرے، حلالہ کے بعد اگر یہ خیال کریں کہ آئندہ حقوق اللہ کی حفاظت کریں گے تو ان کے لئے نکاح جائز ہے، اِنْ ظَنَّا شَرْطَ نِكَاحٍ نَّهَيْمٌ بِشَرْطِ اُولٰٓئِیۡتِ ہے۔

مَسْکُوْلٌ: جب تک شوہر ثانی مباشرت نہ کرے عورت شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی، اور یہ قید خود قرآن سے مفہوم ہوتی ہے حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غٰیْرَہٗ، نکاح کے لغوی معنی وطی کے ہیں اور نکاح عرفی زوجاً غیرہ سے مفہوم ہے ورنہ تو شوہر سے عقد نکاح کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

اس کے علاوہ امرأۃ رفاعہ کی حدیث مشہور ہے جس سے کتاب اللہ پر زیادتی درست ہے امرأۃ رفاعہ کا واقعہ معروف ہے۔

مَسْکُوْلٌ: تحلیل کیلئے نفس جماع کافی ہے حالت حیض میں ہو یا طہر میں، انزال ہو یا نہ ہو، زوج مراہق ہو یا بالغ۔

مَسْکُوْلٌ: اس شرط پر نکاح کرنا کہ وطی کے بعد طلاق دیدی جائے گی، تاکہ زوج اول پر عورت حلال ہو جائے، گناہ ہے، ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم المحلل والمحلل لہٗ حلال کرنے اور کرانے والے دونوں پر آپ نے لعنت فرمائی، احناف کے نزدیک نکاح جائز اور گناہ لازم ہوگا، اور شوافع کے نزدیک ایسا نکاح درست ہی نہ ہوگا۔ (خلاصۃ التفاسیر)

وَلَا تَتَّخِذُوْا اٰیٰتِ اللّٰہِ هُزُوًا، اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو دل لگی اور ٹھٹھانہ بناؤ، خوب سوچ سمجھ کر عمل کیا کرو اور اللہ کی نعمتوں کو نہ بھولو، اور کتاب و حکمت جو تم پر نازل کی گئی ہے یہ بہت عظیم نعمتیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ تم کو نصیحت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی ہزار بانعمتیں ہیں خود ہدایت اور قرآن اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود محمود اپنی جگہ عظیم نعمتیں ہیں اور عورتوں کو حلال کر دینا بھی بذات خود نعمت ہے حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ "الدنیا حسنة" سے عورت صالحہ مراد ہے، عبد اللہ بن عمر نے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "خیر مَتَاعِ الدنیا الْمَرْأَةُ الصّالِحَةُ"۔

فَاٰیٰةٌ: آیات کا تفسیر و طریقہ سے ہوتا ہے (اول) صراحۃ (دوم) ایسی بات کرنا جس سے احکام الہی سے بے پرواہی اور اس کی کم وقعتی یا بے وقعتی ظاہر ہو۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبُغْنَ أَجَلَهُنَّ انْتَضَتْ عِدَّتُهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ خُطَابَ الْأَوْلِيَاءِ أَيْ لَا تَمْنَعُوهُنَّ
 أَنْ يَتَّكِحْنَ أَنْزَوَاجَهُنَّ الْمُطَلَّاقِينَ لَهُنَّ لِأَنْ سَبَبَ نَزْوَلِهَا أَنْ أُخْتُ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ طَلَّقَهَا زَوْجَهَا فَرَادَ
 أَنْ يُرَاجِعَهَا فَمَنَعَهَا مَعْقِلٌ كَمَا رَوَاهُ الْحَاكِمُ إِذَا تَرَاضُوا أَيْ الْأَزْوَاجُ وَالنِّسَاءُ بَيْنَهُمَا بِالْمَعْرُوفِ شَرْعًا
 ذَلِكَ النَّهْيُ عَنِ الْعَضْلِ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ لِأَنَّهُ الْمُنْتَفِعُ بِهِ
 ذَلِكَ أَيْ تَرَكَ الْعَضْلَ أَزْكَى لَكُمْ وَأَظْهَرُ لَكُمْ وَلَهُنَّ لَمَّا يُخْشَى عَلَى الزَّوْجَيْنِ مِنَ الزَّيْئَةِ بِسَبَبِ
 الْعِلَاقَةِ بَيْنَهُمَا وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِيهِ مِنَ الْمَصْلَحَةِ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٥﴾ ذَلِكَ فَاتَمَعُوا أَنْزَرَهُ
 وَالْوَالِدَاتُ يُرْضَعْنَ أَيْ يُرْضَعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ عَامَيْنِ كَامِلَيْنِ صِنْفٌ مَوْكِدَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ
 وَلَا زِيَادَةَ عَلَيْهِ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ أَيْ الْآبُ رِزْقُهُنَّ إِطْعَامُ الْوَالِدَاتِ وَكَسَوْتُهُنَّ عَلَى الْإِرْضَاعِ إِذَا كُنَّ مُطْلَقَاتٍ
 بِالْمَعْرُوفِ بِقَدْرِ طَاقَتِهِ لَا تُكَلِّفُ نَفْسٌ إِلَّا أَوْسَعَهَا طَاقَتُهَا لَا تُضَارُّ وَالِدَةٌ بَوْلِدَهَا بِسَبَبِهِ بَأَنْ تُكْرَهَ عَلَى إِرْضَاعِهِ إِذَا
 اسْتَنْعَتْ وَلَا يُضَارُّ مَوْلُودٌ لَهُ بَوْلِدَهُ أَيْ بِسَبَبِهِ بَأَنْ يُكَلَّفَ فَوْقَ طَاقَتِهِ وَاضْأَفَةُ الْوَلَدِ إِلَى كُلِّ مِنْهُمَا فِي
 الْمَوْضِعَيْنِ لِلِاسْتِغْطَابِ وَعَلَى الْوَارِثِ أَيْ وَارِثِ الْآبِ وَبَنُو الْحَسْبِيِّ أَيْ عَلَى وَلِيِّهِ فِي مَالِهِ مِثْلُ ذَلِكَ الَّذِي
 عَلَى الْآبِ لِلْوَالِدَةِ مِنَ الرِّزْقِ وَالْكِسْفَةِ فَإِنْ أَرَادَ أَيْ الْوَالِدَانِ فَصَالًا فَطَامًا لَهُ قَبْلَ الْخَوْتَيْنِ صَادِرًا
 عَنْ تَرَاضٍ اتِّفَاقٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ بَيْنَهُمَا لِيُظْهَرَ مَصْلَحَةُ الْحَسْبِيِّ فِيهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِي ذَلِكَ وَإِنْ أَرَدْتُمْ
 خُطَابَ الْأَبَاءِ أَنْ تَسْرُضُوا أَوْلَادَكُمْ مَرَاضِعَ غَيْرِ الْوَالِدَاتِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيهِ إِذَا سَلَّمْتُمْ إِلَيْهِنَّ مَا آتَيْتُمُ
 أَيْ أَرَدْتُمْ آيَاتُهُ لِهِنَّ مِنَ الْآخِرَةِ بِالْمَعْرُوفِ بِالْجَمِيلِ كَطِيبِ النَّفْسِ وَأَتَقُوا اللَّهَ وَعَالِمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٣٦﴾
 لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ يَتُوبُونَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ يَتْرُكُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ أَيْ لِيَتَرَخَّصَ
 بِأَنْفُسِهِنَّ بَعْدَ بَيْعِهِ عَنِ النِّكَاحِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا مِنَ الْمَالِ وَبِهَذَا يَبْذَى غَيْرَ الْحَوَامِلِ أَمَّا الْحَوَامِلُ فَعِدَّتُهُنَّ
 أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ بِأَيِّ الطَّلَاقِ وَالْإِمَةِ عَلَى الْبَيْتِ مِنْ ذَلِكَ بِالسَّنَةِ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ انْتَضَتْ مُدَّةُ
 تَرَبُّصِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَيْهَا الْأَوْلِيَاءُ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنَ التَّرَبُّصِ وَالتَّعَرُّضِ لِدُخْطَابِ الْمَعْرُوفِ شَرْعًا
 وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٣٧﴾ عَالِمٌ بِبَاطِنِهِ كَظَاهِرِهِ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ لَوْحَتِهِ بِهِ مِنْ خُطْبَةِ النِّسَاءِ الْمُتَوَفَّى
 عَنْهُنَّ أَزْوَاجَهُنَّ فِي الْعِدَّةِ كَقَوْلِ الْإِنْسَانِ مِثْلًا إِنَّكَ لَجَمِيلَةٌ وَمَنْ يَجِدْ بِمِثْلِكَ رَبًّا رَاعِبًا فَبِكِ أَوْ أَكْنَمْتُ
 أَضْمَرْتُهُ فِي أَنْفُسِكُمْ مِنْ قَصْدِ نِكَاحِهِنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ بِالْخُطْبَةِ وَلَا تُضَيِّرُونَ عَنْهُنَّ فَلَا جُنَاحَ لَكُمْ
 التَّغْرِيشَ وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا أَيْ نِكَاحًا إِلَّا لَكِنْ أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا ﴿٣٨﴾ أَيْ مَا عُرِفَ شَرْعًا مِنَ
 التَّعْرِيشِ فَلَكُمْ ذَلِكَ وَلَا تَعْرِضُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ أَيْ عَلَى غَنَدِهِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتْبُ أَيْ الْمَكْتُوبُ مِنَ الْعِدَّةِ

اَجَلُهُۥ اَنْ يَنْتَهِيَ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ مِّنَ الْعَزْمِ وَغَیْرِہٖ فَاَحْذَرُوْهُۥ اِنْ یُعَاقِبْکُمْ اِذَا عَزَمْتُمْ وَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۷﴾ بِتَاخِیْرِ الْعُقُوْبَةِ عَنْ مُّسْتَحَقِّہَا .

۲۰۸/۲

ترجمہ: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں، (یعنی) ان کی عدت کی مدت پوری ہو جائے تو تم ان کو ان کے، ان خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جنہوں نے ان کو طلاق دی ہے، خطاب اولیاء کو ہے، اس لئے کہ اس آیت کے نزول کا سبب یہ ہے کہ معقل بن یسار کی بہن جمیلہ بنت یسار کو ان کے شوہر (بداح بن عاصم بن عدی) نے طلاق دیدی تھی پھر انہوں نے معقل بن یسار کی بہن سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا تو معقل نے ان کو منع کر دیا۔

(کما رواہ الحاکم)

جب کہ خاوند اور بیوی شرعی قانون کے مطابق راضی ہوں، یہ یعنی روکنے سے ممانعت کی نصیحت اس شخص کو کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اس لئے کہ (در اصل) اس سے وہی شخص مستفید ہوتا ہے، یہ منع کرنے سے باز رہنا تمہارے اور ان کے لئے زیادہ شائستہ اور پاکیزہ تر ہے، اس لئے کہ زوجین پر ان کے (سابقہ) تعلق کی وجہ سے تہمت کا اندیشہ ہے اس کی مصلحت کو اللہ ہی خوب جانتا ہے اور تم اس کو نہیں جانتے لہذا اس حکم کی اتباع کرو، جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیئے نہ کہ اس سے زیادہ تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلائیں۔ کاملین۔ حَوْلِیْن، کی صفت مذکورہ ہے (اس صورت میں) بچے کے باپ کو معروف طریقہ سے گنجائش کے مطابق بچے کی ماؤں کو دودھ پلانے کے عوض کھانا کپڑا دینا ہوگا جب کہ وہ مطلقات ہوں، مگر کسی پر اس کی وسعت سے زیادہ بار نہ ڈالا جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے اس طریقہ پر کہ جب وہ دودھ نہ پلانا چاہے تو اس کو دودھ پلانے پر مجبور کیا جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے، اس طریقہ پر کہ وسعت سے زیادہ اس کو مکلف بنایا جائے، اور ولد کی اضافت والدین کی طرف دونوں جگہوں پر طلب شفقت کے لئے ہے اور وارث (یعنی) باپ کے وارث پر کہ وہ اس کا بچہ ہے، یعنی باپ کے مالی وارث پر بھی اسی جیسی ذمہ داری ہے یعنی جیسی والد پر والدہ کے لئے کھانے کپڑے کی ذمہ داری تھی (وہی ہی ذمہ داری مرنے والے باپ کے وارث پر ہے) پھر اگر دونوں (یعنی) والدین دو سال سے پہلے ہی آپسی رضامندی اور باہمی مشورہ سے تاکہ اس میں بچہ کی مصلحت ظاہر ہو بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں ان دونوں پر کوئی حرج نہیں، اور اگر تم خطاب آباء کو ہے، اپنی اولاد کو ان کی ماؤں کے علاوہ کسی دودھ پلانے والی سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں تم دونوں کے لئے کوئی مضائقہ نہیں جب تم ان کو جو اجرت دستور کے مطابق دینا چاہو خوش دلی سے دیدو، اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس بات کا یقین رکھو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے ان میں سے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں، اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں یعنی انتقال کر جائیں اور اپنے پیچھے بیوہ چھوڑ جائیں تو وہ اپنے آپ کو ان کے بعد نکاح سے چار مہینے دس راتیں روکے رکھیں اور یہ حکم

غیر حاملوں کے لئے ہے رہیں حاملہ تو ان کی عدت وضع حمل ہے آیت طلاق کی رو سے، اور باندی کی عدت از روئے سنت اس کی نصف ہے پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے یعنی جب ان کی عدت کی مدت ختم ہو جائے تو اے اولیاء وہ جو کچھ اپنی ذات کے بارے میں شرعی دستور کے مطابق کریں خواہ زیب و زینت ہو، یا رشتہ کے بارے میں پیش کش ہو، تو اس میں تمہارے اوپر کوئی گناہ نہیں، اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال سے باخبر ہے یعنی ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے بیوہ عورتوں سے ان کی عدت کے زمانہ میں اشارہ (کنایہ) سے منگنی کی باتیں کرنے میں تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں، مثلاً کسی شخص کا یہ کہنا کہ تم بہت حسین ہو، تمہاری جیسی کس کو ملے؟ (یعنی قسمت والے ہی کو مل سکتی ہے) اور تم کو تو چاہئے والے بہت ہیں، (وغیرہ وغیرہ) یا تم ان سے نکاح کے ارادہ کو اپنے دل میں پوشیدہ رکھو، اللہ کے علم میں ہے کہ تم ان کا منگنی کے بارے میں تذکرہ ضرور کرو گے اور تم ان کے بارے میں صبر نہ کر سکو گے تو اس نے تمہارے لئے اشارۃ ظاہر کرنا جائز کر دیا ہے، مگر (دیکھو) خفیہ عہد و پیمان مت کرنا اگر کوئی بات کرنی ہے تو دستور کے مطابق کرو، یعنی شرعی قانون کے مطابق اشارہ کر سکتے ہو، یہ تمہارے لئے جائز ہے اور نکاح کا پختہ ارادہ اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ فرض کردہ عدت پوری نہ ہو جائے، خوب سمجھ لو اللہ تمہارے دلوں کے حال کو یعنی پختہ اور غیر پختہ ارادہ کو خوب جانتا ہے لہذا اس سے ڈرو کہ اگر تم پختہ ارادہ کرو گے تو وہ اس پر تم کو سزا دے گا اور یہ بات بھی خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اس سے ڈرنے والے کو معاف کرنے والا بردبار ہے مستحق عذاب سے عذاب کو مؤخر کر کے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: اِنْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ، فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ کی تفسیر اِنْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ، سے کر کے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ یہاں بلوغ کے معنی حقیقی مراد ہیں یعنی مدت کا ختم ہو جانا، اس لئے کہ نکاح سے روکنے کا سوال عدت کے ختم ہونے کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے، بخلاف سابقہ آیت کے کہ اس میں بلوغ کے مجازی معنی، قُرْب، کے مراد ہیں، جیسا کہ مفسر علام نے بَلَغْنَ کے معنی قَارِبْنَ سے کیے ہیں، اس لئے کہ امساک فی النکاح اسی وقت تک ممکن ہے جب تک کہ عدت ختم نہ ہوئی ہو عدت ختم ہونے کے بعد امساک ممکن نہیں ہے۔

قَوْلٌ: لَا تَعْضُلُوهُنَّ، فعل نہیں جمع مذکر حاضر، هُنَّ، ضمیر جمع مؤنث غائب، تم ان کو نہ روکو، (ن) عَضْلًا سختی سے روکنا۔ قَوْلٌ: خُطَابٌ لِلاُولِيَاءِ اس اضافہ کا مقصد ان لوگوں کی تردید ہے جو لَا تَعْضُلُوْا، کا مخاطب طلاق دینے والے شوہروں کو قرار دیتے ہیں یعنی طلاق دینے والے شوہروں کو چاہئے کہ اپنی مطلقاؤں کو نکاح کرنے سے نہ روکیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں اَزْوَاجُهُنَّ کے معنی مجازی یعنی مایول (ہونے والے) کے اعتبار سے ازواج مراد لینا ہوگا، اور اگر فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ، کا مخاطب اولیاء کو قرار دیا جائے تو اَزْوَاجُهُنَّ کے معنی حقیقی یعنی ان کے سابقہ شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو، یہاں شوہر سے مراد ماکان، کے اعتبار سے ہوگا اور یہ حقیقی معنی ہیں۔

قَوْلًا: لَا سَبَبَ نَزُولِهَا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ فَلَا تَعْضُلُوا کے مخاطب اولیاء ہیں نہ کہ سابقہ شوہر اس لئے کہ سبب نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ روکنے والے اولیاء ہی تھے۔

قَوْلًا: شَرْعًا یعنی اگر مطلقہ عورتیں شریعت کے مطابق نکاح کریں تو ان کو نہیں روکنا چاہئے اور خلاف شرع نکاح کریں تو اولیاء کو روکنے کا حق۔

قَوْلًا: مَا فِيهِ مِنَ الْمَصْلَحَةِ، اس میں اشارہ ہے کہ يَعْلَمُ کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلًا: لِيُرِضَ غَضَنَ، يُرِضَ غَضَنَ، کی تفسیر لِيُرِضَ غَضَنَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ خبر بمعنی امر ہے اور ایسا مبالغہ کے طور پر کیا گیا ہے۔

قَوْلًا: بَعْدَهُم اس تقدیر کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ الَّذِينَ الْخِ مَبْتَدَاء ہے اور يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ، جملہ ہو کر اس کی خبر ہے خبر جب جملہ ہوتی ہے تو عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے یہاں عائد نہیں ہے اسی اشکال کا جواب دیا ہے کہ عائد محذوف ہے اور وہ بَعْدَهُم ہے ای بعد الازواج۔

قَوْلًا: مِنَ اللَّيَالِي.

سُؤَال: مِنَ اللَّيَالِي کی تخصیص کس وجہ سے کی گئی ہے جب کہ عام طور پر ایام کا ذکر کیا جاتا ہے، چار مہینے دس دن بولا جاتا ہے نہ کہ چار مہینے دس راتیں۔

جَوَاب: بعض احکام مثلاً حج، روزہ، عیدین، عدت کا تعلق قمری تاریخوں سے ہے اور قمری تاریخ کی ابتداء رات سے ہوتی ہے دن رات کے تابع ہوتا ہے، لہذا رات کے ضمن میں دن خود بخود شامل ہے، اگر اس کا عکس ہوتا تو قمری تاریخ ناقص ہوتی ہے اسی لئے مفسر علام نے مِنَ اللَّيَالِي کی قید کا اضافہ فرمایا، شمار اور گنتی کے اعتبار سے اسلامی کیلنڈر میں دن کو رات کے تابع مانا گیا ہے، سوائے یوم عرفہ کے کہ حکم کے اعتبار سے رات کو دن کے تابع مانا گیا ہے یعنی نویں ذی الحجہ کے بعد آنے والی رات وقوف عرفہ کے اعتبار سے دن کے حکم میں ہے۔

قَوْلًا: أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، عام ہونے کی وجہ سے وہ اس عورت کو بھی شامل ہے جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو، اس میں حاملہ اور غیر حاملہ نیز آزاد اور باندی سب داخل ہیں مگر آیت طلاق کی وجہ سے حاملہ کو اس سے خارج کر دیا گیا ہے، آیت طلاق یہ ہے: "وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" اور باندیاں حدیث، عِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ کی وجہ سے خارج ہو گئیں۔

قَوْلًا: عَالِمٌ بِبَاطِنِهِ، اس اضافہ کا مقصد شبہ تکرار کو دفع کرنا ہے۔

شبہ: یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اور یہاں فرمایا گیا وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے جو کہ بمنزلہ تکرار کے ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے دونوں میں فرق کو واضح کرنے کے لئے بباطنہ کے لفظ کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلًا: لَوْ خْتَمَ، یہ تلویح سے ماخوذ ہے اس کے معنی اشارہ سے کام لینا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

رابط آیات:

سابقہ دو آیتوں میں قانون طلاق کی اہم دفعات کو بیان فرمایا، اب مذکوۃ الصدر و آیتوں میں چند احکام و مسائل کا ذکر ہے۔
مَسْئَلَةٌ: جب مطلقہ رجعی کی عدت گزرنے کے قریب آئے تو شوہر کو دو اختیار حاصل ہیں ایک یہ کہ رجعت کر کے اپنی بیوی بنالے اور دوسرے یہ کہ رجعت نہ کرے اور عدت گزرنے دے تاکہ عورت آزاد ہو جائے، لیکن یہ دونوں کام خوش اسلوبی اور شرعی قاعدہ کے مطابق ہونے چاہئیں سورۃ طلاق کی آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رجعت پر دو عادل معتبر آدمیوں کو گواہ بنا لیا جائے ”وَأَشْهِدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ“۔

شان نزول:

فی لباب النقول روى البخارى و ابو داود و الترمذی و غیرہم، حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ معتقل بن یسار نے اپنی بہن جمیلہ بنت یسار کا نکاح بداح بن عاصم بن عدی سے کر دیا تھا، بعض روایتوں میں جمیلہ کے بجائے خولاء منقول ہے آپس میں کسی وقتی رنجش کی وجہ سے بداح بن عاصم نے جمیلہ کو طلاق رجعی دیدی، جس کی عدت بھی گزر گئی، بیوی نکاح سے خارج ہو گئی شوہر کو اپنی حرکت پر شرمندگی ہوئی اور دوبارہ نکاح کرنے کا ارادہ کیا تو معتقل بن یسار نے صاف اور سخت جواب دیا کہ میں نے اپنی بہن کا تجھ سے نکاح کر کے تیرا کرام کیا، اور تو نے اس کو طلاق دیدی واللہ اب وہ تیری طرف کبھی نہ لوٹے گی، اسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے ”فَلَا تَعْصِلُوهُنَّ اَنْ يَنْكِحْنَ“ (الایۃ) نازل فرمائی۔

اسی قسم کا ایک واقعہ جابر بن عبد اللہ کی چچا زاد بہن کا بھی پیش آیا تھا دونوں واقعے نزول کا سبب ہو سکتے ہیں، آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ تم مطلقہ عورتوں کو ان کے تجویز کردہ شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو، خواہ پہلے ہی شوہر ہوں جنہوں نے ان کو طلاق دی ہے یا دوسرے لوگ، نکاح میں دونوں کی رضامندی ضروری ہے بغیر رضامندی، زور و بردستی سے، نکاح درست نہیں ایسی صورت میں اولیاء کو روکنے کا حق نہیں ہے، اور فریقین کی رضامندی بھی شرعی قاعدے اور دستور کے مطابق ہو، اگر شرعی قاعدہ کے خلاف باہمی رضامندی سے نکاح کرنے لگیں تو اولیاء وغیرہ کو روکنے کا حق ہے۔

فَائِدَةٌ: وَالْوَالِدَاتُ سے صرف وہ عورتیں مراد ہیں جنہیں طلاق دی گئی ہو یا مطلقاً ہر ماں مراد ہے؟ بعض کے نزدیک مطلقہ عورتیں مراد ہیں اس لئے کہ سابق سے ان ہی کا ذکر چل رہا ہے اور بعضوں کے نزدیک سب مائیں مراد ہیں اس لئے کہ لفظ عام ہے اور غرض بھی مشترک ہے، مگر فقہ کی قید سے وہ عورتیں خارج ہو گئیں جو نکاح یا عدت میں ہوں، اس لئے کہ

ان کا نفقہ تو یوں ہی واجب ہے دودھ پلائیں یا نہ پلائیں۔

مَسْئَلَةٌ: وہ عورت جس کا نفقہ بطور نکاح یا عدت شوہر کے ذمہ ہے اگر اجرت پر اپنے بچہ کو دودھ پلائے تو معاملہ صحیح اور اجرت غیر لازم ہوگی اس لئے کہ عورت نے حق واجب ادا کیا ہے۔ (مدایہ)

مَسْئَلَةٌ: اگر ماں اپنے بچہ کو دودھ نہ پلائے اور باپ دایہ سے پلوا سکتا ہو تو ماں مجبور نہ کی جائے گی، اس لئے کہ بے ضرورت مستحب ہے واجب نہیں۔ (مدایہ)

فَائِدَةٌ: ماں اگر کسی وجہ سے معذور نہ ہو تو اس کے ذمہ دیا جائے یعنی عند اللہ واجب ہے کہ بچہ کو دودھ پلائے، جب کہ وہ منکوحہ یا عدت میں ہو، اجرت لینا درست نہیں: ”وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ“ میں یہی مسئلہ مذکور ہے، اور اگر طلاق کے بعد عدت گزر چکی ہو تو اس پر بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں۔

مَسْئَلَةٌ: اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو اس کو معذور سمجھنا چاہئے اس پر جبر نہ کیا جائے لَا تُضَارُّ وَالِدَةُ میں یہ صورت بھی شامل ہے، البتہ اگر بچہ کسی کا دودھ نہ لیتا ہو اور نہ اوپر کا دودھ پیتا ہو اور نہ کوئی دوسری غذا لیتا ہو تو ایسی صورت میں ماں کو دودھ پلانے کے لئے مجبور کیا جائے گا لَا مَوْلُودَ لَهُ بُولَدِهِ میں یہ مسئلہ بھی داخل ہے۔

مَسْئَلَةٌ: ماں دودھ پلانا چاہتی ہے اور اس کے دودھ میں کوئی خرابی بھی نہیں ہے تو باپ کو جائز نہیں کہ ماں کو دودھ پلانے سے روکے البتہ اگر اس کے دودھ میں خرابی ہے جو بچے کے لئے مضر ہے تو باپ کے لئے جائز ہے کہ ماں کو دودھ نہ پلانے دے اور کسی اتنا سے پلوائے وَإِنْ ارْتَمَى تَسْتَرْضِعُوهَا میں بھی یہ مسئلہ بیان ہوا ہے۔

مَسْئَلَةٌ: ماں دودھ پلانے کی اجرت طلب کرتی ہے سوا اگر وہ شوہر کے نکاح میں یا عدت میں ہے تو ان دونوں حالتوں میں اجرت لینا جائز نہیں، بلکہ قضاء بھی مجبور کی جائے گی کہ دودھ پلائے، وَلَا مَوْلُودَ لَهُ بُولَدِهِ، میں یہ صورت مسئلہ بھی داخل ہے۔ مَسْئَلَةٌ: اگر طلاق کے بعد عدت گزر جائے اور وہ اجرت طلب کرے اگر دوسری اتنا سے اتنی ہی اجرت پر پلواتا ہے تو تب تو ماں مقدم ہے، لَا تُضَارُّ وَالِدَةُ، میں یہ صورت مسئلہ بھی داخل ہے اور اگر دوسری اتنا ماں سے کم اجرت میں پلاتی ہے تو ماں کو یہ حق نہیں کہ خود پلائے اور زیادہ اجرت لے لَا مَوْلُودَ لَهُ میں یہ صورت مسئلہ بھی داخل ہے۔

مَسْئَلَةٌ: باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے اور جب باپ مر جائے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اسی کے مال میں اس کا خرچ ہوگا، اور اگر مال کا مالک نہیں ہے تو اس کا نفقہ مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں یعنی اس بچہ کا ان سے ایسا رشتہ ہے کہ اگر اس رشتہ دار اور بچہ میں سے ایک کو عورت فرض کیا جائے تو باہم نکاح درست نہ ہو اور محرم ہونے کے علاوہ شرعاً اس کے مستحق میراث بھی ہے یعنی اگر یہ بچہ مر جائے تو محرم رشتہ داروں میں دیکھا جائے کہ اس کے مال میراث میں کس کس کو کتنا کتنا پہنچتا ہے پس ایسے محرم رشتہ داروں کے ذمہ اس کا خرچ واجب ہے اور ان رشتہ داروں میں ماں بھی داخل ہے مثلاً ایسے بچہ کی ایک ماں ہے، ایک دادا ہے تو اس کا خرچ ایک ثلث ماں کے ذمہ ہے اور دو ثلث دادا کے ذمہ کیوں کہ دونوں محرم بھی ہیں اور بچہ کی میراث اسی نسبت سے پاتے بھی ہیں۔

تَمَامِ الْحَوْلِ مِنْ مَوْتِهِمُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِمْ تَرْبُصُهُ غَيْرَ اخْرَاجٍ حَالٍ اِیْ غَیْرِ مُخْرَجَاتٍ بَیْنَ مَسْكِنِهِمْ
فَاِنْ خَرَجْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ یَا اَوْلِیَاءَ الْمَیِّتِ فِی مَا فَعَلْنَ فِی اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ شَرْعًا
كَالتَزْوِیْنِ وَتَرَكِ الْاِحْدَادِ وَقَطَعَ النِّقْطَةَ عَنْهَا وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ فِی مُلْكِهِ حَكِیْمٌ ﴿۱۷﴾ فِی صُنْعِهِ وَالْوَصِیَّةُ الْمَذْكُورَةُ
مَنْسُوخَةٌ بِاِیَّةِ الْمِیْرَاثِ وَتَرْبُصُ الْحَوْلِ بِاِیَّةِ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ وَعِشْرًا السَّابِقَةِ الْمَتَّاجِرَةِ فِی النِّزُولِ وَالشُّكْنِ
ثَابِتَةٌ لَهَا عِنْدَ الشَّافِعِیِّ وَالْمُطَّلَقَاتِ مَتَاعٌ یُعْطِیْنَهُ بِالْمَعْرُوفِ بِقَدْرِ الْاِمْكَانِ حَقًّا نَحِیْبَ بِفَعْلِهِ الْمُقَدَّرِ
عَلَى الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۸﴾ اَللّٰهُ كَرَّرَهُ لِیَعْمَ الْمَمْسُوسَةَ اِیْضًا اِذِ الْاِیَّةُ السَّابِقَةُ فِی غَیْرِهَا كَذَلِكَ كَمَا بَیِّنَ لَكُمْ مَا
ذَكَرَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیَّتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۹﴾ تَتَذَكَّرُوْنَ.

ترجمہ: اور جب تک تم عورتوں سے نہ لگو، اور ایک قراءت میں تمّا سوہن ہے ای تجماعوہن (یعنی قبل اس
کے کہ تم ان سے جماع کرو) اور ان کا مہر مقرر نہ کیا ہوا اگر تم ان کو طلاق دیدو تو تم پر کوئی حرج نہیں، مّا مصدر یہ ظریفہ ہے یعنی ہاتھ
نہ لگانے اور مہر مقرر نہ کرنے کے زمانہ میں طلاق دینے میں تم پر کوئی مواخذہ نہیں اور نہ مہر واجب، اگر ان کو طلاق دو تو ان کو کچھ
فائدہ پہنچاؤ یعنی ان کو کچھ دو جس سے وہ فائدہ حاصل کریں، اور تم میں سے خوشحال لوگوں پر اپنی قدرت کے مطابق اور ناداروں
تنگ دستوں پر ان کی وسعت کے مطابق فائدہ پہنچانا ہے بمال معروف، متاعاً کی صفت (اول) ہے یہ حق ہے خوش اخلاق
لوگوں پر یعنی اطاعت گزاروں پر حقاً، متاعاً، کی صفت ثانیہ ہے یا مصدر مؤکد ہے اور اگر تم نے عورتوں سے لگنے سے پہلے
طلاق دیدی اور تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو مقررہ مہر کا نصف ان کے لئے واجب ہے اور نصف تمہارے لئے واپس ہوگا،
الا یہ کہ بیویاں معاف کر دیں اور چھوڑ دیں یا وہ شخص کہ جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے معاف کر دے اور وہ شخص شوہر ہے کہ
بیوی کے لئے پورا مہر چھوڑ دے اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ شخص (عورت) کا ولی ہے (جب کہ) عورت اس
معاملہ میں معذور ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور اگر تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے لئے زیادہ قریب ہے اَنْ تَغْفُوْا، مبتداء ہے
اور "اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" اس کی خبر ہے اور آپس میں معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو یعنی ایک دوسرے کے ساتھ فیاضی سے کام لو،
بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اللہ کی نظروں میں ہے سو وہ تم کو اس کی جزاء دے گا پنج وقتہ نمازوں کی ان کے اوقات میں ادا کر
کے حفاظت کرو بالخصوص درمیانی نماز کی اور وہ عصر کی نماز ہے جیسا کہ حدیث میں ہے (رواہ الشیخان) یا صبح کی یا ظہر کی نمازیں
مراد ہیں، یا ان کے علاوہ (کوئی اور نماز مراد ہے) یہ چند اقوال ہیں اور درمیانی نماز کا اس کی فضیلت کی وجہ سے مستقل طور پر ذکر
کیا ہے اور اللہ کے لئے نماز میں باادب کھڑے رہو کہا گیا ہے کہ اطاعت گزاروں کی طرح (کھڑے رہو) آپ ﷺ کے
فرمان کی وجہ سے (لفظ) قنوت جو قرآن میں مذکور ہے اس سے مراد اطاعت ہے، احمد وغیرہ نے اس کو روایت کیا ہے اور کہا گیا
ہے کہ خاموشی کے ساتھ کھڑا رہنا مراد ہے، زید بن ارقم کی حدیث کی وجہ سے فرمایا کہ ہم نماز میں باتیں کر لیا کرتے تھے تا ایں کہ

یہ آیت نازل ہوئی (جس میں) ہم کو سکوت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور باتیں کرنے سے منع کر دیا گیا، (رواہ الشیخان) اور اگر تم کو دشمن کا یا سیلاب کا یا درندے کا خوف ہو تو خواہ پیدل زمین پر، رَجَالًا، راجل کی جمع ہے یا سواری پر (جس طرح ممکن ہو) نماز پڑھ لیا کرو رُكْبَانٌ راکب کی جمع ہے (مطلب یہ کہ) جس طرح ممکن ہو مستقبل قبلہ ہو یا نہ ہو، اور رکوع سجدہ کے لئے اشارہ کر لیا کرو، اور جب تم خوف سے مامون ہو جاؤ تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح تم کو بتائی گئی ہے بتانے سے پہلے اس کے فرائض اور حقوق کو تم نہیں جانتے تھے، اور کاف بمعنی مثل ہے اور مآ، موصولہ، یا مصدر یہ ہے اور تم میں سے وہ لوگ جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو ان کو چاہئے کہ اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جائیں اور ایک قراءت میں وَصِيَّةٌ رفع کے ساتھ ہے ای وَصِيَّةٌ عَلَيْنَهُمْ اور ان کو کوئی کارآمد چیز دے جائیں جس سے وہ پورے سال تک ان کی موت کے وقت سے جس میں ان پر (عدت کے لئے) انتظار کرنا واجب ہے فائدہ اٹھائیں مثلاً نفقہ اور لباس حال یہ ہے کہ ان کو ان کی قیام گاہوں سے نکالنا جائے (غَيْرَ اخْرَاج) حال ہے البتہ اگر وہ از خود نکل جائیں تو اسے اس میت کے اولیاء، تم پر کوئی گناہ نہیں، تو وہ (حول کے بعد) اپنی ذات کے معاملہ میں شرعی دستور کے مطابق جو کچھ کریں مثلاً، سنگار، ترک سوگ، اور اپنا نان نفقہ از خود ترک کر دینا، اللہ اپنے ملک میں غالب ہے اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور مذکورہ وصیت، آیت میراث کی وجہ سے منسوخ ہے اور ایک سال کی عدت، اَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا، منسوخ ہے جو کہ نزول میں مؤخر ہے (اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے) اور عورت کے لئے سُكْنٰی (جائے سکونت) امام شافعی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک واجب ہے اور مطلقہ کو کچھ کارآمد چیزیں جن کو شوہر دستور کے مطابق بتدریج بخش دیں، یہ حق ہے اللہ سے ڈرنے والوں پر (حَقًّا) فعل مقدر کی وجہ سے منسوب ہے، اس کو مکرر لائے ہیں تاکہ موطونہ کو بھی شامل ہو جائے، اس لئے کہ سابقہ آیت غیر موطونہ کے بارے میں ہے جس طرح سابق میں بیان کیا گیا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيكِ تَسْهِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلًا: اَوْ لَمْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ، مفسر غلام نے لَمْ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ لَمْ کا دخول تَمْسُوهُنَّ، پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور اَوْ بمعنی واؤ ہے یعنی جب تک مسیس اور تفریض مہر نہ پائی جائے تو طلاق میں کوئی حرج نہیں، اس لئے کہ یہ بات طے ہے کہ اَوْ، جب سیاق نفی میں واقع ہو تو عموم کا فائدہ دیتا ہے، بعض حضرات نے کہا ہے کہ تَفْرِضُوا، اَنْ مضموم کی وجہ سے منصوب ہے مگر یہ درست نہیں ہے اس لئے کہ خلاف ظاہر ہے اور اس لئے کہ اس صورت میں اَنْ مقدر ماننا ہوگا اور اَوْ بمعنی اِلَّا یا اِلٰی، لینا ہوگا۔

قَوْلًا: فَرِيضَةٌ، فَرِيضَةٌ، بمعنی مفروضہ ہے نہ کہ مصدر اس لئے کہ فَعِيلَةٌ کے وزن پر مصدر نادر ہے فَرِيضَةٌ، تَفْرِضُونَ، کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مفروض سے مراد مہر ہے، فَرِيضَةٌ، میں تاء وصفیت سے اسمیت کی

طرف منتقل ہونے کی وجہ سے آتی ہے۔

قَوْلُنَّ: مَا لَمْ تَمْسُوْهُنَّ میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مَسِّ کی نسبت مرد کی جانب کی گئی ہے حالانکہ مَسِّ دونوں کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی عورت کی جانب سے بھی اقدام ہوتا ہے۔

جَوَابُ: مرد چونکہ اس معاملہ میں قوی تر ہے اور اکثر اسی کی طرف سے اقدام ہوتا ہے اس لئے مرد کی جانب فعل کی نسبت کر دی ہے ورنہ حکم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

قَوْلُنَّ: مَا مَصْدَرِيَّةٌ ظَرْفِيَّةٌ. اقرب یہ ہے کہ ما شرطیہ بمعنی اِنْ ہے نہ مصدریہ نہ ظرفیہ کما قال مفسر علام رحمہ اللہ تعالیٰ اس لئے کہ ظرفیت کے لئے اس جگہ ہوتا ہے جہاں امتداد ممکن ہو، جیسے "خَالِدِيْنَ فَيَنْفَا مَا دَامَتِ السَّمَوَاتُ وَالْاَرْضُ" اس لئے کہ خلود میں شان امتداد ہے بخلاف اِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوْهُنَّ، میں کہ طلاق میں امتداد نہیں ہے۔

قَوْلُنَّ: اِنِّیْ لَا تَبِعَةَ عَلَیْکُمْ، لَا جُنَاحَ، کی تفسیر، لَا تَبِعَةَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جُنَاحُ سے مراد طلاق مؤاخذہ ہے نہ کہ صرف مؤاخذہ آخری یا صرف مؤاخذہ دنیوی اول تو یہ تخصیص بلا دلیل ہے دوسرے یہ کہ اگر آخرت کا گناہ مراد لیا جائے تو اس میں لٹی مہر شامل نہیں ہو سکتی یہی لفظ لٹی پر بھی بالاتفاق دال ہے۔ (ترویج الارواح)

قَوْلُنَّ: وَالْفَرْضُ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ کہ اَوْ تَفْرِضُوْا لَیْنًا، میں اَوْ، بمعنی واؤ ہے اور طلاق دینے والے شوہر پر مہر واجب نہ ہونے کا تعلق عدم مہر اور عدم فرنی دونوں سے ہے نہ کہ ایک سے اس لئے کہ اگر مہر پایا گیا تو پورا مہر واجب ہوگا اور اگر فرنی مہر یعنی تعین مہر پائی گئی تو نصف مہر واجب ہوگا، مہر کا عدم وجوب تو اسی صورت میں ہوگا جب کہ مہر اور تعین دونوں معدوم ہوں۔

قَوْلُنَّ: فَطَلَّقُوْهُنَّ.

سِوَال: مفسر علام نے فَطَلَّقُوْهُنَّ، کس مقصد سے محذوف مانا ہے۔

جَوَابُ: اِنْ طَلَّقُوْهُنَّ، کو محذوف نہ مانا جائے تو مَتَّعُوْهُنَّ کا عطف تَفْرِضُوْا، پر ہوگا، اور یہ عطف اِنْشَاء عَلٰی الْخَبَرِ ہوگا، جو کہ مستحسن نہیں ہے اس سے بچنے کے لئے مفسر علام نے طَلَّقُوْهُنَّ، مقدّر مانا ہے تاکہ عطف اِنْشَاء عَلٰی الْاِنْشَاء ہو جائے۔

قَوْلُنَّ: يُفِيدُ اَنَّهُ لَا نَظَرَ اِلٰی قَدْرِ الزَّوْجَةِ. علی الموسع اور علی المقتر چونکہ دونوں مذکر کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اس لئے ان سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ متعہ میں شوہر کی حیثیت کا اعتبار ہوگا نہ کہ بیوی کی حیثیت کا یہی امام شافعی کے دو قواوں میں سے ایک ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی مفتی بہ ہے۔ (صاوی)

قَوْلُنَّ: صِفَةٌ مَّتَاعًا، یعنی بالمعروف محذوف کے متعلق ہو کر مَتَاعًا کی صفت اول ہے، اس عبارت کا مقصد ایک سوال مقدّر کا جواب ہے۔

سِوَال: مَّتَاعًا، موصوف ہے اور حَقًّا، اس کی صفت ہے اور درمیان میں بالمعروف کا فصل ہے جو فصل بالاجنبی ہے۔

جَوَابُ: یہ فصل بالاجنبی نہیں ہے بلکہ بالمعروف، مَتَاعًا، کی صفت اول ہے اور حَقًّا، مصدر مؤکَّد ہے جملہ سابقہ کے مضمون کے لئے اس کا عامل وجوباً محذوف ہے، اِی حَقُّ ذَالِکَ حَقًّا۔

قَوْلُ: وَيَرْجِعُ لَكُمْ النِّصْفَ۔

سُئِلَ: مذکورہ عبارت کو مقدر ماننے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَابُ: اِلَّا، استدراک کے لئے ہے جیسا کہ مفسر غلام نے اِلَّا، کی تفسیر لیکر، سے کر کے اشارہ کر دیا ہے حالانکہ ماقبل میں متدرک منہ بننے کی صلاحیت نہیں ہے اس لئے کہ نصف کا سقوط اور اس کا عنوان کے استحقاق کی جنس سے نہیں ہے اس لئے وَيَرْجِعُ لَكُمْ النِّصْفَ، کو محذوف مانا تا کہ استدراک صحیح ہو جائے۔

قَوْلُ: يَجِبُ لَهُنَّ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُئِلَ: فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ، شرط کی جزاء ہے اور جملہ ناقصہ ہے حالانکہ جزاء کے لئے جملہ تامہ ہونا ضروری ہے۔

جَوَابُ: مفسر غلام نے يَجِبُ لَهُنَّ، مقدر مان کر جملہ کو تامہ کر دیا تا کہ اس کا جزاء بنا درست ہو جائے۔

قَوْلُ: يَغْفُونَ، عَفْوٌ سے مضارع جمع مؤنث غائب، معاف کر دیں وہ عورتیں۔

قَوْلُ: يَغْفُو، مضارع واحد مذکر غائب منصوب، وہ معاف کر دے۔

قَوْلُ: عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ، الْوَلَى، اِذَا كَانَتْ مَجْجُورَةً، اس عبارت کا مقصد، الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ، میں اختلاف کو بیان کرنا ہے، اختلاف یہ ہے کہ ولی غفوکون ہے؟ شوہر یا عورت کا ولی؟ امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالَى اور بعض شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ مَنْ بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے مراد شوہر ہے اور ابن عباس کے نزدیک عورت کا ولی مراد ہے اگر عورت معذور یعنی نابالغ یا مجنونہ ہو امام ابو حنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالَى کے مذہب کو ترجیح دینے کے لئے مفسر غلام نے وَهُوَ الزَّوْجُ فرمایا قرینہ اس کا اقْرَبُ لِلتَّقْوَى ہے، اس لئے کہ عورت کے معذور ہونے کی صورت میں عورت کے ولی کا مہر کو معاف کرنا تقویٰ نہیں ہے اس لئے کہ اس میں نقصان محض ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

طلاق قبل الدخول کے احکام:

طلاق قبل الدخول کا مطلب یہ ہے کہ یکجائی اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق کی نوبت آجائے، اس کی دو صورتیں ہیں، یا تر بوقت نکاح مہر کی مقدار مقرر نہ کی گئی یا کی گئی، پہلی صورت کا حکم ”لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ“ (الآیۃ)

میں مذکور ہے طلاق کی مہر اور صحبت کے اعتبار سے چار صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے دو کا حکم ان آیات میں بیان کیا گیا اور دو کا بعد والی آیت میں مذکور ہے، ایک یہ کہ نہ مہر مقرر ہو نہ صحبت و خلوت ہوئی ہو، دوسری صورت یہ کہ مہر تو مقرر ہو لیکن صحبت و خلوت کی نوبت نہ آئی ہو، تیسری صورت یہ کہ مہر بھی مقرر ہو اور صحبت بھی ہوئی ہو، اس صورت میں مقررہ مہر پورا دینا ہوگا، یہ حکم قرآن مجید میں دوسری جگہ بیان کیا گیا ہے، چوتھی صورت یہ کہ مہر متعین نہ کیا ہو اور صحبت یا خلوت کے بعد طلاق دی ہو اس صورت میں مہر مثل پورا دینا ہوگا۔

مذکورہ آیت میں پہلی دو صورتوں کا حکم بیان کیا گیا ہے ان میں سے پہلی صورت کا حکم یہ ہے کہ مہر تو واجب نہیں مگر شوہر پر واجب ہے کہ اپنی طرف سے کچھ دیدے کم از کم ایک جوڑا ہی دیدے، دراصل قرآن کریم نے اس عطیہ کی کوئی مقدار معین نہیں کی البتہ یہ بتلادیا کہ مالدار کو اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب کو اپنی حیثیت کے مطابق دینا چاہئے جس میں اس بات کی ترغیب ہے کہ صاحب وسعت تنگی سے کام نہ لے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے ہی ایک واقعہ میں مطلقہ عورت کو بیس ہزار کا عطیہ دیا تھا، اور قاضی شریح نے پانچ سو درہم کا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ادنیٰ یہ ہے کہ ایک جوڑا کپڑے کا دیدے۔

سبب نزول:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ، کا شان نزول یہ ہے کہ ایک انصاری نے ایک عورت سے بلا تعین مہر نکاح کیا اور قبل الدخول اس کو طلاق دیدی عورت نے آپ ﷺ کی خدمت میں شکایت کی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، آپ نے فرمایا، اَمْتَعْنِيَا وَلَوْ بِقُلْنِ سَوْتِكَ، اس کو متعہ دو اگرچہ تیری ٹوپی ہی کیوں نہ ہو۔ (حاشیہ جلالین)

فَائِلًا: متعہ یعنی ایک جوڑا جس کی قیمت پانچ درہم سے کم اور نصف مہر سے زائد نہ ہو۔ (خلاصۃ التفاسیر)

بحث: متعہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مستحب ہے جیسا کہ کلمہ محسنین سے مفہوم ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ واجب کہتے ہیں جیسا کہ کلمہ حقاً سے سمجھا جاتا ہے اور محسن بمعنی مومن ہے۔

سُئِلَ: موطوء، کو متعہ دینا مستحب ہے یہ کیسے معلوم ہوا؟

جواب: یہ بات قرآن سے ثابت ہے کہ تحلیل فرج بغیر مال کے نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَنْ تَبْتَغُوا بِاَمْوَالِكُمْ، لِهَذَا جب مال مذکور ہو یا نکاح مع وطی حقیقہ یا مجاز اپائی جائے، تو مال جسے مہر کہتے ہیں واجب ہوگا، اور اگر صرف نکاح پایا جائے تو اس وجہ سے کہ تحلیل فرج حقیقہ نہیں ہوئی مہر واجب نہ ہوگا، اور اس لئے کہ صورت تحلیل ہو گئی ہے اس کے عوض کچھ مال جس کو متعہ کہا گیا ہے مقرر کیا گیا، پس متعہ کی اصل عدم مہر اور شرط عدم وطی ہے جب دونوں پائے جائیں گے تو متعہ واجب ہوگا، اور جب دونوں نہ پائے جائیں گے متعہ نہ ہوگا، جب ایک پایا جائے گا تو دونوں دلیلوں پر نظر کرتے ہوئے استحباب کا حکم دیا جائے گا۔

مقدار متعہ مختلف فیہ ہے:

مظہری میں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ اعلیٰ درجہ متعہ کا یہ ہے کہ غلام دے اور ادنیٰ درجہ ایک جوڑا بے اور امام احمد رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ و شافعی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے نزدیک حاکم کی رائے اور اجتہاد پر موقوف ہے، مگر حنفیہ نے اپنے اندازے کے دو شاہد قرار دیئے ہیں۔

۱ آثار منقولہ، جیسا کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور سعید سے تفسیر مظہری میں منقول ہے۔
۲ قیاس، اس لئے کہ متعہ مہر کی فرع ہے اور مہر قبل الوطی نصف ملتا ہے اور نصف مہر پانچ درہم سے کم نہیں ہو سکتا، اور یہی ادنیٰ درجہ متعہ کا ہے، اور جب مہر مذکور نہ ہو تو مہر مثل دیا جاتا ہے اور یہی اعلیٰ درجہ قرار پایا، بہر حال ادنیٰ درجہ سے کم نہ ہو، اور اعلیٰ درجہ مہر کے اعلیٰ درجہ سے زائد نہ ہو ”خیر الامور اوساطہا“۔

مُسْکَلٌ: قبل الوطی طلاق جائز ہے۔

مُسْکَلٌ: بغیر تعین مہر نکاح درست ہے حتیٰ کہ نفی مہر کے ساتھ بھی نکاح درست ہے مگر مہر مثل واجب ہوگا۔

مُسْکَلٌ: مہر صرف نکاح سے واجب نہیں ہوتا جب تک کہ وطی یا ذکر مہر نہ ہو، البتہ مال کی ایک مقدار واجب ہو جاتی ہے۔

مُسْکَلٌ: ادائے مال واجب ہو جاتا ہے، مہر ہو یا متعہ۔

مُسْکَلٌ: حق جس پر واجب ہو اس کی حالت استطاعت معتبر ہوگی صاحب حق کی استطاعت معتبر نہ ہوگی، موسع اور مقتر، دونوں مذکور کے صیغہ بیان فرمائے اس سے معلوم ہوا کہ مرد کی استطاعت مراد ہے۔ (خلاصہ، شرح وقابہ)

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ، (الآیۃ) اگر تم عورتوں کو چھونے (وطی یا خلوة صحیحہ) سے پہلے طلاق دو اور مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا ادا کرو، البتہ اگر عورتیں یہ آدھا مہر بھی چھوڑ دیں یا جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے وہ در گذر کرے تو نہ دو، فَرِیضَةٌ سے مراد مہر اور فرض کرنے سے مراد مہر کا ذکر کرنا ہے خواہ مقدار معین ہو یا نہ ہو پس اگر مقدار بھی معین ہے تو اس کا آدھا دینا آسان ہے اور اگر مقدار معین نہیں تو مہر مثل پر فیصلہ ہوگا سوال یہ ہے کہ مثل کس کا اور کن چیزوں میں معتبر ہے؟ اس شعر میں مذکور ہے۔

مثل ہیں اقربائے آبائی یہ زر و حسن و عمر و دانائی

الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ، کعب اور سعید نے کہا یہ زوج ہے اور ابن عباس اور طاؤس و مجاہد کی روایت میں عورت کا

باپ یا بھائی یا ولی ہے۔

فَائِدَةٌ: اگر اس سے شوہر مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ خواہ عورت معاف کر دے اور کچھ نہ لے، خواہ مرد پورا مہر دیدے، یا دیا ہوا

ہو تو نصف واپس نہ لے، اور اگر عورت کے اولیا، مراد ہیں تو یہ مطلب ہوگا کہ عورت بالغہ اپنا حق چھوڑ دے یا عورت نابالغہ یا مجنونہ

کا حق اس کے اولیا چھوڑ دیں۔

مَسْئَلَةٌ: اس صورت میں چھوڑنے والے عورت کے مہر کے ضامن ہوں گے۔

مَسْئَلَةٌ: اگر عورت اونڈی ہو تو اس کا مولیٰ معاف کر دے۔ (خلاصۃ التفاسیر)

صلوٰۃ وسطیٰ کی تفصیل:

صاحب تفسیر کبیر نے صلوٰۃ وسطیٰ میں چند مذاہب نقل کیے ہیں، ① پانچوں نمازیں وسطیٰ ہیں، اس لئے کہ عبادات اور حسنات کا متوسط درجہ نماز ہے حدیث میں وارد ہے ”الصلوٰۃ خیر موضوع“ یعنی نماز سب سے بہتر عبادت ہے، ② فجر کی نماز مراد ہے یہ قول حضرت علیؓ، و حضرت عمر و ابن عباس و جابر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وغیرہ کا ہے امام شافعی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی یہ قول منقول ہے، ③ صلوٰۃ وسطیٰ سے ظہر کی نماز مراد ہے یہ قول زید، عمر، ابوسعید خدری و اسامہ بن زید رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور ایک قول ابوحنیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ہے، ④ وسطیٰ نماز عصر ہے حضرت علیؓ و ابن مسعود و ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ وغیرہ اور امام ابوحنیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی یہ قول منقول ہے اور زیادہ تر اسی پر اعتماد کیا گیا ہے، ⑤ مغرب کی نماز مراد ہے ابو عبید سلمانی اور ابو قبیصہ سے بھی یہی قول منقول ہے، ⑥ بعض حضرات نے عشاء کی نماز کو صلوٰۃ وسطیٰ کہا ہے۔

وَالَّذِينَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ، زمانہ جاہلیت میں وفات زوج کی عدت ایک سال تھی اور اسلام میں چار ماہ اور دس دن مقرر ہوئی، مگر اس میں عورت کی اتنی رعایت رکھی گئی ہے کہ چونکہ اس وقت تک میراث کا حکم نازل نہ ہوا تھا، اور بیوی کا کوئی حصہ میراث میں مقرر نہ ہوا تھا، بلکہ اوروں کے حق کا مدار محض مردے کی وصیت پر تھا اس لئے یہ حکم دیا کہ اگر عورت اپنی مصلحت کے مطابق خاوند کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو ایک سال تک اس کو رہنے کا حق ہے اور اس کے ترکہ سے اس ایک سالہ مدت میں اس کو نان نفقہ بھی دیا جائے گا، مرنے والے شوہروں کو حکم تھا کہ اس قسم کی وصیت کر جایا کریں، چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس کو وصول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار عورت ہی کو تھا اس لئے وارثوں کو تو گھر سے نکالنے کا حق نہ تھا، لیکن خود عورت کے لئے جائز تھا کہ اس کے گھر نہ رہے اور اپنا حق ورثہ کو چھوڑ دے بشرطیکہ عدت پوری ہو چکے، اور نکاح وغیرہ سب درست تھا، معروف سے یہی مراد ہے البتہ عدت کے اندر نکاح اور نکاح کرنا وغیرہ سب گناہ تھا، جب آیت میراث نازل ہوئی تو عورت کو ترکہ میں سے اس کا حصہ مل گیا، لہذا اپنے حصہ میں رہے اور اپنے حصہ سے خرچ کرے، اور آیت وصیت منسوخ ہو گئی۔

وَلِلْمُطَلَّاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ، ان ہی الفاظ کے ساتھ ایک آیت سابق میں گذر چکی ہے مگر وہاں مطلقات سے وہ عورتیں مراد تھیں کہ جن کو قبل الدخول طلاق دیدی گئی ہو، اگر مہر متعین نہیں تھا تو متعہ کے ذریعہ فائدہ پہنچانا مراد ہے اور اگر مہر متعین تھا تو نصف مہر مراد ہے۔

اس آیت میں ان عورتوں کو فائدہ پہنچانا مراد ہے جن سے خلوت صحیحہ یا وطی ہو چکی ہے اس کے بعد طلاق دی ہے اگر مہر متعین تھا تو فائدہ کا مطلب ہوگا پورا مہر دینا اور جن کا مہر متعین نہیں ہے ان کو فائدہ پہنچانے کا مطلب ہے کہ مثل مہر دیا جائے۔

الْمَرَّتِ اسْتَفْهَامُ تَعْجِيبٍ وَتَشْوِيقٍ إِلَى اسْتِمَاعِ مَا بَعْدَهُ أَيْ لَمْ يَنْتَهَ عِلْمُكَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أَلُوفٌ أَرْبَعَةٌ أَوْ ثَمَانِيَةٌ أَوْ عَشْرَةٌ أَوْ ثَلَاثُونَ أَوْ أَرْبَعُونَ أَوْ سَبْعُونَ أَلْفًا حَذَرَ الْمَوْتِ مَنَعُولٌ لَهُ وَبِهِ قَوْمٌ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَقَعَ الطَّاعُونَ بِبِلَادِهِمْ فَفَرُّوا فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مَوْتُوا فَمَاتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ بَعْدَ ثَمَانِيَةِ أَيَّامٍ أَوْ أَكْثَرَ بَدْعَاءَ نَبِيِّهِمْ حَزَقِيلَ بِكُسْرِ الْمَهْمَلَةِ وَالْقَافِ وَسَكُنَ الزَّأَى فَعَاشُوا ذَبْرًا عَلَيْهِمْ أَثَرُ الْمَوْتِ لَا يَلْبَسُونَ ثَوْبًا إِلَّا عَادَ كَالْكَفَنِ وَاسْتَمَرَّتْ فِي أَنْبَاطِهِمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَبِهِ إِحْيَاءٌ بِؤْلَاءَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ وَبِهِ الْكِفَارُ لَا يَشْكُرُونَ^(١٦) وَالْقَضْدُ بَيْنَ ذِكْرِ خَيْرِ بؤْلَاءَ تَشْجِيعِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ وَلِذَا عُطِفَ عَلَيْهِ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَيْ لِإِغْلَاءِ دِينِهِ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ لَأَقْوَالِكُمْ عَلَيْهِ^(١٧) بِأَحْوَالِكُمْ فَيُجَازِيكُمْ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ بَانْتِاقَ مَالِهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَرْضًا حَسَنًا بَأَن يُنْفِقَهُ لِلَّهِ تَعَالَى عَنْ طَيِّبِ قَلْبٍ فَيُضْعِفُهُ وَفِي قِرَاءَةِ فَيُضْعِفُهُ بِالتَّشْدِيدِ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً مِنْ عَشْرِ إِلَى أَكْثَرِ مِنْ سَبْعِ مِائَةٍ كَمَا سَيَأْتِي وَاللَّهُ يَقْبِضُ يُمْسِكُ الرِّزْقَ عَمَّنْ يَشَاءُ ابْتِلَاءً وَيَبْطِطُ يُوسِّعُهُ لِمَنْ يَشَاءُ ابْتِحَانًا^(١٨) وَآلِيهِ تَرْجَعُونَ^(١٩) فِي الْآخِرَةِ بِالْبَغْثِ فَيُجَازِيكُمْ بِأَعْمَالِكُمْ الْمَرَّتِ إِلَى الْمَلَا الْجَمَاعَةِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى أَيْ إِلَى قِسْمَتِهِمْ وَخَبَرِهِمْ إِذْ قَالَ النَّبِيُّ لَهُمْ بُوْشَمُو بِلَ ابْعَثْ أَقْبَهُ لَنَا مَلِكًا نَقَاتِلْ مَعَهُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَنْظِمُ بِهِ كَلِمَتَنَا وَنَرْجِعُ إِلَيْهِ قَالَ النَّبِيُّ لَهُمْ هَلْ عَسَيْتُمْ بِالْفَتْحِ وَالْكَسْرِ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا خَبَرُ غُصْفَى وَالِاسْتِفْهَامُ لِتَقْرِيرِ التَّوَقُّعِ بِهَا قَالُوا وَمَالَنَا أَلَّا نَقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَانَا بِسَبِيلِهِ وَقَتْلِهِمْ وَقَدْ فَعَلَ بِهِمْ ذَلِكَ قَوْمٌ جَالُوتٌ أَيْ لَا تَنَافِعَ لَنَا مِنْهُ مَعَ وَجُودِ مُقْتَضِيهِ قَالَ تَعَالَى فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَجَبُّوا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَبِهِمُ الَّذِينَ عَبَرُوا النُّهْرَ مَعَ طَالُوتَ كَمَا سَيَأْتِي وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ^(٢٠) فَيُجَازِيهِمْ وَسَالِ النَّبِيُّ رَبَّهُ إِرْسَالًا مَلِكًا فَاجَابَهُ إِلَى إِرْسَالِ طَالُوتَ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى كَيْفَ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ سَبْطِ الْمَمْلَكَةِ وَلَا النَّبُوءَةِ وَكَانَ ذُبَابًا أَوْ رَاعِيًا وَلَمْ يَوْتِ سَعَةً مِنَ الْمَالِ يَنْتَعِينَ بِهَا عَلَى إِقَامَةِ الْمُلْكِ قَالَ النَّبِيُّ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ اخْتَارَهُ لِلْمُلْكِ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً سَعَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَكَانَ أَعْلَمَ بَنِي إِسْرَائِيلَ يَوْمَئِذٍ وَاجْمَلَهُمْ وَأَتَمَّهُمْ حَذَنًا وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُ إِيثَاءً لَا اعْتِرَاضَ عَلَيْهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ فَضْلُهُ عَلَيْهِ^(٢١) بِمَنْ بُوْأَنْبِلُ لَهُ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ لَمَّا طَلَبُوا مِنْهُ آيَةً عَلَى مُلْكِهِ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ خُزُنُ الْأَنْبِيَاءِ أَنْزَلَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى آدَمَ وَاسْتَمَرَ إِلَيْهِمْ فَغَلَبَتْهُمْ الْعَمَالِقَةُ عَلَيْهِ وَاخْذَوْهُ وَكَانُوا يَسْتَفْتَحُونَ بِهِ عَلَى غَدْوِهِمْ وَيُقَدِّمُونَهُ فِي الْقِتَالِ وَيَسْكُنُونَ إِلَيْهِ كَمَا قَالَ تَعَالَى فِيهِ سَكِينَةٌ لِمَنْ أَهْلَكَهُ لَقُولُكُمْ

مَنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ اِی تَرَكَاهُ وَبُؤْنَغَلًا مُّوسَىٰ وَعَصَاهُ وَعِمَامَةُ هَارُونَ وَفَقِيْرٌ مِّنَ
الْمَنْ الَّذِیْ كَانَ یَنْزِلُ عَلَیْهِمْ وَرِضَاضُ الْاَنْوَاحِ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ حَالٌ مِّنْ فَاْعِلٍ یَّاتِیْكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّكُمْ
عَلٰی مُلْكِهِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾ فَحَمَلَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَبِهِ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْهِ حَتّٰی وَضَعَتْهُ عِنْدَ
طَالُوْتٍ فَاَقْرَبُوا بِمُلْكِهِ وَنَسَاوَعُوْا اِلَی الْجَهَنَّمَ فَاخْتَارَ بَیْنُ شُبَّانِیْهِمْ سَبْعِیْنَ اَلْفًا .

تَرْجُمہ: کیا تم کو ان کے بارے میں معلوم نہیں استفہام تعجب دلانے اور مابعد کو سننے کا شوق دلانے کے لئے

ہے یعنی تم کو اس کا علم نہیں ہے جو ہزاروں کی تعداد میں موت سے ڈر کر اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، ان کی
تعداد چار ہزار، یا آٹھ ہزار، یا بارہ ہزار یا تیس ہزار یا چالیس ہزار یا ستر ہزار تھی، (حَذَرَ الْمَوْتِ) خَرَجُوا کا مفعول لہ
ہے، وہ بنی اسرائیل کی ایک قوم تھی کہ جن کے شہروں میں طاعون پھوٹ پڑا تھا، تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو اللہ نے ان
کو حکم دیا مر جاؤ تو سب کے سب مر گئے، پھر آٹھ یوم یا اس سے زیادہ کے بعد ان کے نبی حزقیل عَلَيْهِ السَّلَام کی دعاء سے
(اللہ تعالیٰ نے) ان کو زندہ کر دیا، حاء مہملہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ اور زاء کے سکون کے ساتھ، تو وہ لوگ ایک زمانہ
تک زندہ رہے لیکن ان کے (جسم پر) مردنی کا اثر (زردی) وغیرہ نمایاں تھی، اور جو لباس بھی پہنتے تھے وہ کفن کے مانند
ہو جاتا تھا، اور یہ صورت حال ان کی نسل میں مدتوں باقی رہی، بلاشبہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل والا ہے، اور اسی میں سے
ان لوگوں کو زندہ کرنا ہے لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں اور وہ کفار ہیں، اور مقصد ان لوگوں کا قصہ ذکر کرنے سے مومنین
کی جہاد پر ہمت افزائی ہے، اور اسی وجہ سے اس پر ”وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ“ کا عطف کیا گیا ہے اور جہاد کرو اللہ کے
راستہ میں یعنی اس کے دین کو سر بلند کرنے کے لئے، اور خوب یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں کو خوب سننے والا اور
تمہارے احوال کا جاننے والا ہے تو وہ تم کو اس کی جزاء دے گا، اور ایسا کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسن دے؟ اپنے مال کو اس
کے راستہ میں خرچ کر کے، اس طریقہ پر کہ مال کو اللہ کے راستہ میں خوش دلی سے خرچ کرے، پس اللہ اس کو خوب بڑھا
چڑھا کر عطا فرمانے والا ہے دس گنے سے لے کر سات سو گنے سے زیادہ تک جیسا کہ عنقریب آتا ہے اور ایک قراءت
میں تشدید کے ساتھ ہے اور اللہ جس کی چاہے آزمائش کے طور پر رزق کو روک کر تنگ کرتا ہے اور جس کی چاہے بطور
امتحان روزی وسیع کرتا ہے اور آخرت میں بعث کے ذریعہ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تم کو تمہارے اعمال کی
جزاء دے گا کیا تم نے موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کی وفات کے بعد والی بنی اسرائیل کی جماعت کو نہیں دیکھا؟ یعنی کیا تم کو ان کے
قصہ اور خبر کا علم نہیں ہوا، جب کہ انہوں نے اپنے پیغمبر سے جو کہ شمویل تھے کہا کہ کسی کو ہمارا بادشاہ بنادیتے تاکہ ہم اس
کے ساتھ اللہ کے راستہ میں جہاد کریں تاکہ اس کے ذریعہ ہماری بات پختہ ہو جائے اور اس کی طرف رجوع کریں ان
کے نبی نے ان سے کہا کہیں ایسا تو نہ ہو کہ تم پر قتال فرض کر دیا جائے اور تم نہ لڑو؟ عَسَيْتُمْ، میں سین کے فتنے اور کسرہ

کے ساتھ (اَلَّا تُقَاتِلُوْا) عسکی کی خبر ہے اور استغہام متوقع تقریر و تثبیت کے لئے ہے کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں حالانکہ ہم کو ہمارے گھروں سے نکالا گیا اور ہمارے بچوں سے جدا کیا گیا ان کے قتل و قید ہونے کی وجہ سے، اور یہ معاملہ ان کے ساتھ قوم جالوت نے کیا تھا، مطلب یہ کہ ہمیں اس کی معیت میں قتال کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، اور قتال کا مقتضی موجود ہے پھر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو ان میں ایک سے ایک قلیل تعداد کے سوا سب پیٹھ پھیر گئے اور بزدلی دکھا گئے، اور یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے طالوت کی معیت میں نہر عبور کی تھی جیسا کہ عنقریب آتا ہے، اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتے ہیں تو ان کو سزا دیں گے چنانچہ نبی (شمویل نے) اللہ تعالیٰ سے ایک بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے درخواست قبول فرمائی، اور طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا، تو ان سے ان کے نبی (شمویل) نے کہا اللہ تعالیٰ نے تمہارا بادشاہ طالوت کو بنا دیا ہے تو کہنے لگے اس کی ہمارے اوپر بادشاہت کیسے ہوگی اس سے تو ہم زیادہ حقدار ہیں بادشاہت کے اس لئے کہ وہ (ایک تو) شاہی خاندان سے نہیں ہے اور نہ خاندان نبوت سے ہے اور وہ دباغ (چرم ساز) یا چرواہے تھے، اور اس کو تو مالی خوشحالی بھی نہیں دی گئی کہ جس کے ذریعہ نظام سلطنت کو قائم کر سکے، تو نبی نے ان سے کہا (سنو) اللہ نے اسی کو تمہارا بادشاہ منتخب کیا ہے اور اس کو علمی اور بدنی برتری بھی عطا فرمائی ہے اور اس زمانہ میں وہ بنی اسرائیل میں بڑا عالم اور جسمانی طور پر نہایت جمیل اور مکمل تھا، (بات یہ ہے) کہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک اس کو عطا کر دیتا ہے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا فضل بڑا وسیع ہے اور اس سے بخوبی واقف ہے کہ کون اس کا اہل ہے؟

جب (بنی اسرائیل نے) شمول نبی سے اس کی بادشاہت کی نشانی طلب کی تو فرمایا اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں انبیاء کی تصویریں ہیں جس کو اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا اور وہ صندوق ان کی نسل میں باقی رہا، اس کے بعد ان پر قوم عمالقہ غالب آگئی اور اس صندوق کو چھین لیا اور وہ اسی صندوق کے ذریعہ اپنے دشمن پر فتح حاصل کیا کرتے تھے، اور قتال کے موقع پر اس کو آگے رکھتے تھے اور اس سے سکون حاصل کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس میں تمہارے قلوب کے لئے طمانینت ہے، تمہارے رب کی جانب سے، اور آل موسیٰ اور آل ہارون کا بقیہ ترکہ ہے یعنی جس کو انہوں نے چھوڑا تھا، اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نعلین شریفین تھے، اور آپ کا عصا تھا اور ہارون علیہ السلام کا عصا تھا، اور ایک قفیز مَنّ تھا جو کہ ان پر (آسمان) سے نازل ہوتا تھا، اور تورات کے کچھ اجزاء تھے، جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے، تحملہ، یاتیکم کے فاعل سے حال ہے بلاشبہ اس میں تمہارے لئے اس کی بادشاہت کی نشانی ہے اگر تم کو یقین ہو چنانچہ فرشتوں نے اس کو آسمان اور زمین کے درمیان اٹھایا اور یہ لوگ اسے دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ اس کو طالوت کے پاس رکھ دیا لہذا سب نے اس کی بادشاہت کا اقرار کر لیا اور جہاد کی طرف سبقت کی چنانچہ انہوں نے ان کے نو جوانوں میں سے ستر ہزار کو منتخب کیا۔

تَحْقِیقِ تَرْکِیْبِ تَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: اٰی لَمْ یَنْتَهِ.

سُؤَال: رُویت علمیہ کا صلہ الٰہی نہیں آتا، رُویت علمیہ متعدی بدو مفعول ہوتی ہے حالانکہ اَلْمَرْتَرِ اِلٰی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا، میں رُویت سے رُویت قلبی مراد ہے اور اس کے صلہ میں الٰہی واقع ہے۔

جَوَاب: رُویت علمیہ ہی مراد ہے مگر: انتہاء کے معنی کو متضمن ہے لہذا الٰہی صلہ لانا درست ہے اور اسی وجہ سے یہاں یہ متعدی بدو مفعول نہیں ہے مفسر علام نے، لَمْ یَنْتَهِ، کہہ کر اسی جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلًا: طَاعُونَ، طاعون ایک مہلک وبائی مرض ہے جس میں گلٹی نکلتی ہے خاص طور پر بغل میں اس مرض میں چند ہی روز میں انسان مر جاتا ہے بلادہم، بلاد سے مراد شہر یا قریہ ہے جو واسطہ کے علاقہ میں تھا اور اس کا نام ڈاوردان تھا۔

قَوْلًا: فَمَا تَوَا، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے، ثُمَّ اَحْیَاہُمْ کاعطف فَمَا تَوَا، مقدر پر ہے، جس کا مقام متقاضی ہے اس لئے کہ اَحْیَا کے لئے اول موت ضروری ہے ثُمَّ، کے ذریعہ عطف کر کے اشارہ کر دیا کہ مرنے کے کافی دن کے بعد ان کو زندہ کیا گیا۔

قَوْلًا: حَزَقِیْلَ، حَزَقِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو ذوالکفل بھی کہا جاتا ہے، یہ حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کے تیسرے خلیفہ ہیں۔

قَوْلًا: مِنْہُ، اٰی مِنَ الْفَضْلِ.

قَوْلًا: اَلَّا تُقَاتِلُوْا، خَبِرُ عَسٰی.

تَرْکِیْب: عَسِیْتُم، حرف ترجی فعل ماضی، اس کے اندر ضمیر جو اس کا اسم ہے اِنْ حرف شرط، کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِتَالُ، جملہ ہو کر شرط، فَلَا تَبَادُرُوْنَ اِلٰی الْقِتَالِ جواب شرط محذوف، شرط جزاء سے مل کر عَسٰی کے اسم و خبر کے درمیان جملہ معترضہ، اَلَّا تُقَاتِلُوْا، عَسٰی، کی خبر عَسِیْتُم اپنے اسم و خبر سے مل کر قَالَ، کا مقولہ۔

قَوْلًا: رُضَاضٌ، بِالضَّم تورات کے اجزاء، ٹکڑے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

اَلْمَرْتَرِ اِلٰی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِہُمْ، (الآیۃ) عربی زبان میں یہ طرز خطاب ایسے موقع پر آتا ہے کہ جب مخاطب کو کسی بڑے اہم اور معروف واقعہ کے طرف توجہ دلانی مقصود ہوتی ہے، اور رُویت سے ہمیشہ رُویت پنچشم سر ہی مراد نہیں ہوتی، بلکہ کبھی غور و فکر اور تامل و تخیل بھی مراد ہوتا ہے، اور جب اس فعل کا صلہ اِلٰی آتا ہے تو کوئی اہم نتیجہ نکالنا مقصود ہوتا ہے، اس قسم کی

رویت کو رویت قلبی کہا جاتا ہے وَإِذَا عُذِّیَ رَأِیْتَ بِالِّیِ اقْتَضٰی مَعْنٰی النَّظَرِ الْمُؤَدِّیِ اِلٰی الْاِعْتِبَارِ (راغب) اور کبھی اس کلام سے اظہار تعجب بھی ہوتا ہے، ہذا کلام جری مجری المثل فی مَعْنٰی الْعَجِیْبِ۔ (کناف)

مذکورہ تین آیتوں میں ایک عجیب انداز میں اللہ تعالیٰ نے راجح حق میں جانی و مالی قربانی پیش کرنے کی ہدایت کی ہے، اور ان احکام و ہدایات سے پہلے تاریخ عالم کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ موت و حیات تقدیر الہی کے تابع ہے جنگ و جہاد میں جانا موت کا سبب نہیں اور بزدلی سے جان چرانا موت سے بچنے کا ذریعہ نہیں تفسیر ابن کثیر میں سلف صحابہ اور تابعین کے حوالہ سے اس واقعہ کی تشریح یہ بیان کی گئی ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

بنی اسرائیل کی ایک جماعت ایک شہر میں یا بستی میں رہتی تھی، عاصم رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے قول کے مطابق یہ لوگ واسطہ کے قریب ایک فرسخ کے مسافت پر ذراوردان کے رہنے والے تھے ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ یہ دس ہزار کے قریب تھے ابن عباس کے قول کے مطابق چار ہزار تھے، چنانکہ ان کی بستی میں طاعون پھوٹ پڑا چنانچہ موت کے خوف سے بستی سے نقل ہو کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان میں مقیم ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ موت سے کسی کو فرار نہیں دو فرشتے بھیجے جو اس میدان کے کناروں پر آکھڑے ہوئے ایک بالائی کنارے پر اور دوسرا زیریں کنارے پر، ان دونوں نے اللہ کے حکم سے کہا ”مُوتُوا“ فرشتوں کا یہ کہنا تھا کہ سب کے سب مر گئے، اور جب تک اللہ نے چاہا یہ مردہ پڑے رہے ایک زمانہ کے بعد بنی اسرائیل کے پیغمبر جن کا نام حزقیل بتایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کو ان لوگوں کا واقعہ بتایا، حضرت حزقیل عَلَیْہِ السَّلَام نے ان کے لئے زندہ کرنے کی دعاء کی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو زندہ کر دیا۔

بنی اسرائیل کے بادشاہ نے جہاد کا حکم دیا تھا، لوگ عذر کرنے لگے کہ جہاں آپ ہم کو لے جاتے ہیں وہاں تو طاعون کی وبا پھیلی ہوئی ہے جب تک وبا ختم نہ ہوگی ہم نہ جائیں گے، اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اشارہ دیا کہ موت کا وقت مقرر ہے نہ ایک لمحہ آگے ہو سکتا ہے اور نہ ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکتا ہے اس لئے یہ حرکت فضول بھی ہے اور اللہ کی ناراضگی کا سبب بھی۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ یہ واقعہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ سے ہزاروں برس پہلے کا ہے اس کو دیکھنے کا آپ کو سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا لہذا اَلَمْ تَرَ، کا مطلب ہے اَلَمْ تَعْلَم۔

مَسْکِلُہُمْ: جہاں طاعون وغیرہ دیگر متعدی بیماری پھیلی ہوئی ہو تو اس خیال سے کہ یہاں سے بھاگ کر بچ جائیں گے، بھاگنا درست نہیں ہے، البتہ ضرورت جانے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے، حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسی حدیث کی وجہ سے سفر شام سے واپس کی خبر سن کر مراجعت فرمائی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے واقعہ مراجعت کی تفصیل:

تفسیر قرطبی میں ہے کہ حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے ایک مرتبہ ملک شام کا قصد فرمایا شام کی سرحد پر تبوک کے قریب ایک مقام، سَرِغ ہے وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں سخت طاعون پھیلا ہوا ہے یہ طاعون ملک شام کی تاریخ میں ایک سانحہ تھا یہ طاعون عمواس کے نام سے مشہور ہے کیونکہ یہ طاعون اول ایک عمواس نام کی بستی سے شروع ہوا تھا جو بیت المقدس کے قریب ہے، پھر پورے ملک میں پھیل گیا، اس میں ہزار ہا انسان جن میں بہت سے صحابہ و تابعین بھی تھے شہید ہو گئے عمر فاروق رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب طاعون کی شدت کی خبر سنی تو اسی مقام پر ٹھہر کر صحابہ کرام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے مشورہ کیا کہ ہمیں اس وقت ملک شام جانا چاہئے یا واپس ہونا مناسب ہے اس وقت جتنے حضرات مشورہ میں شریک تھے، ان میں کوئی ایسا نہ تھا کہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے اس کے متعلق کوئی حکم سنا ہو، بعد میں عبدالرحمن بن عوف نے اطلاع دی کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد اس معاملہ سے متعلق یہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے (طاعونی گلی) کا ذکر فرمایا کہ یہ ایک عذاب ہے جس سے بعض امتوں کو عذاب دیا گیا تھا، پھر اس کا کچھ بقیہ رہ گیا، اس کا یہ حال ہے کہ کبھی چلا جاتا ہے اور کبھی پھر آ جاتا ہے، تو جو شخص یہ سنے کہ فلاں خطہ میں یہ عذاب آیا ہوا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس علاقہ میں نہ جائے، اور جو شخص اس خطہ میں پہلے سے موجود ہے تو طاعون سے بھاگنے کے لئے وہاں سے نہ نکلے۔

(بخاری شریف)

حضرت فاروق اعظم رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جب یہ حدیث سنی تو رفقاء کو واپسی کا حکم دیدیا، حضرت ابو عبیدہ جو ملک شام کے امیر (گورنر) بھی تھے، اس مجلس میں موجود تھے، فاروق اعظم کا یہ حکم سن کر فرمانے لگے، اِفْرَارًا مِّنْ قَدْرِ اللّٰہِ، یعنی کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگنا چاہتے ہیں؟ تو فاروق اعظم نے جواب دیا نَعَمْ نَفَر مِّنْ قَدْرِ اللّٰہِ اِلٰی قَدْرِ اللّٰہِ، بیشک ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ ہی کی تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں مطلب یہ تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ سب اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔

حکمت:

رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ جس شہر یا بستی میں طاعون وغیرہ وبائی مرض پھیلا ہوا ہو باہر والوں کو وہاں جانا منع ہے اور وہاں کے باشندوں کو اس جگہ سے موت کے ڈر سے بھاگنا ممنوع ہے۔

عجیب واقعہ:

صحابہ کرام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے ایک بہت بڑے جنگی کمانڈر حضرت خالد بن ولید رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ جن کی ساری اسلامی عمر جہاد میں گذری وہ کسی جہاد میں شہید نہیں ہوئے بیمار ہو کر گھر میں بستر مرگ پر وفات پائی، وفات کے قریب بستر پر اپنے مرنے کا افسوس

کرتے ہوئے گھروالوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں فلاں فلاں عظیم الشان جنگوں اور جہادوں میں شریک ہوا، اور میرا کوئی عضو ایسا نہیں جس میں تیریا نیزے کے زخم کا نشان نہ ہو مگر افسوس کہ میں اب گدھے کی طرح بستر پر مر رہا ہوں، خدا تعالیٰ بزدلوں کو آرام نہ دے ان کو میری نصیحت پہنچاؤ!

اس آیت میں بنی اسرائیل کا واقعہ بطور تمہید لایا گیا ہے اگلی آیت میں جہاد و قتال کا حکم دیا گیا جو اس قصہ کے ذکر کرنے سے اصل مقصود تھا کہ جہاد میں جانے کو موت اور بھاگنے کو نجات نہ سمجھو، تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت کا ذکر ہے۔

قرض حسن سے کیا مراد ہے؟

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا، قرض حسن سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے یعنی جانی قربانی کی طرح مالی قربانی میں بھی تامل نہ کرو رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ دونوں طریقوں سے تمہاری آزمائش کرتا ہے کبھی رزق میں کمی کر کے اور کبھی فراوانی کر کے، پھر اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کمی نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ اس میں کئی کئی گنا اضافہ فرماتا ہے کبھی ظاہری طور پر اور کبھی باطنی طور پر۔

الْمُتَرِّ إِلَى الْمَلَاءِ، مَلَاءٌ، کسی قوم کے ان اشراف اور اہل حل و عقد کو کہا جاتا ہے جو خاص مشیر اور قائد ہوتے ہیں جن کے دیکھنے سے آنکھیں اور دل رعب سے بھر جاتے ہیں، مَلَاءٌ، کے لغوی معنی بھرنے کے ہیں۔ (آیسر التفاسیر)

جس پیغمبر کا یہاں ذکر ہے ان کا نام شمویل بتلایا جاتا ہے، ابن کثیر وغیرہ مفسرین نے جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ بعد تک تو ٹھیک رہے پھر ان میں انحراف آ گیا دین میں بدعات ایجاد کر لیں حتیٰ کہ بتوں کی پوجا شروع کر دی، انبیاء ان کو روکتے رہے، لیکن یہ معصیت اور شرک سے باز نہ آئے جس کے نتیجے میں بنی اسرائیل پر عذابِ غالب آ گئے تھے، اور انہوں نے اسرائیلیوں کے اکثر علاقے چھین لئے تھے، شمویل نے یہ ضرورت محسوس کی کہ کوئی اور شخص ان کا سربراہ ہو جس کی قیادت میں وہ جنگ کر سکیں، لیکن اس وقت بنی اسرائیل میں بہت زیادہ جاہلیت آچکی تھی اور وہ غیر مسلموں کے طور و طریقوں سے اتنے متاثر ہو چکے تھے، کہ خلافت اور بادشاہی کا فرق ان کے ذہنوں سے نکل گیا تھا، اس لئے انہوں نے خلیفہ کے تقرر کے بجائے بادشاہ کے تقرر کی درخواست کی تاکہ اس کی قیادت میں ہم دشمنوں سے لڑیں پیغمبر نے ان کے سابقہ کردار کے پیش نظر کہا کہ تم مطالبہ تو کر رہے ہو، لیکن میرا اندازہ یہ ہے کہ تم اپنی بات پر قائم نہ رہ سکو گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جیسا کہ قرآن نے بیان کیا۔

فَإِذْ قَالَ نَبِيُّكَ: نَبِيٌّ كِي مَوْجُودِي مِيں بادشاہ مقرر کرنے کا مطالبہ بادشاہت کے جواز کی دلیل ہے کیونکہ اگر بادشاہت جائز نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس مطالبہ کو رد فرمادیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مطالبہ کو رد نہیں فرمایا بلکہ طالوت کو ان کے لئے بادشاہ مقرر فرمایا۔

حضرت طالوت اس نسل سے نہیں تھے جس نسل سے بنی اسرائیل کے بادشاہوں کا سلسلہ چلا آ رہا تھا یہ ایک غریب اور عام

آدمی تھے، دباغی ان کا پیشہ تھا، بائبل میں ان کا نام ساؤل لکھا ہے یہ قبیلہ بن یمین کا ایک تیس سالہ خوبصورت نوجوان تھا، بنی اسرائیل میں اس سے زیادہ کوئی خوبصورت نہیں تھا، اور ایسا قد آور تھا کہ لوگ اس کے کندھے تک آتے تھے، اپنے باپ کے گمشدہ گدھے تلاش کرنے نکلا تھا، راستہ میں جب شمویل نبی کی قیام گاہ کے قریب پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے نبی کو اشارہ کر دیا کہ یہی وہ شخص ہے کہ جس کو ہم نے بنی اسرائیل کی بادشاہت کے لئے منتخب کیا ہے چنانچہ شمویل نبی اس کو اپنے گھولائے اور بنی اسرائیل کو جمع کر کے اس کی بادشاہی کا اعلان کر دیا مگر بنی اسرائیل نے اس پر اعتراض کیا پیغمبر نے کہا یہ میرا انتخاب نہیں ہے اللہ نے انہیں مقرر کیا ہے علاوہ ازیں قیادت و سیادت کے لئے مال سے زیادہ عقل و علم اور جسمانی قوت و طاقت کی ضرورت ہے اور طاوت ان باتوں میں تم سے ممتاز ہے، جب ان کو یہ بات بتائی گئی کہ ان کی تقرری اللہ کی طرف سے ہے تو انہوں نے اس پر نشان اور علامت کا مطالبہ کیا تا کہ وہ پوری طرح مطمئن ہو جائیں چنانچہ اگلی آیت میں اس نشانی کا بیان ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ. (الآية)

تابوت، جو توب سے مشتق ہے، تاء مجرورہ زائدہ ہے جیسے ملکوت میں، اس کے معنی رجوع کرنے کے ہیں کیونکہ بنی اسرائیل تبرک کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے تھے اسی لئے اس کو تابوت کہا گیا ہے۔ (فتح القدیر شوکانی)

اس تابوت میں حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، اس تابوت کو ان کے دشمن عمالقہ چھین کر لے گئے تھے اللہ تعالیٰ نے نشانی کے طور پر یہ تابوت فرشتوں کے ذریعہ حضرت طاوت کے دروازہ پر پہنچا دیا جسے دیکھ کر بنی اسرائیل بہت خوش ہوئے اور من جانب اللہ طاوت کی بادشاہت کی نشانی بھی سمجھا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس تابوت کو ان کی فتح و شکست کا سبب قرار دیا۔

فَائِدَةٌ: اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و صالحین کے تبرکات یقیناً باذن اللہ اہمیت اور افادیت رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ واقعی تبرکات ہوں جس طرح اس تابوت میں یقیناً حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے تبرکات تھے، لیکن محض جھوٹی نسبت سے کوئی چیز متبرک نہیں ہو جاتی، جس طرح آج کل، تبرکات کے نام پر کئی مقامات پر مختلف چیزیں رکھی ہوئی ہیں جن کا تاریخی طور پر پورا ثبوت نہیں ہے اسی طرح خود ساختہ چیزوں سے بھی کچھ حاصل نہیں ہو سکتا، جس طرح بعض لوگ نبی ﷺ کے نعلین مبارک کی تمثال بنا کر اپنے پاس رکھنے کو یا گھر میں لٹکانے کو قضائے حاجات اور دفع بلیات کے لئے اکسیر سمجھتے ہیں، اسی طرح قبروں پر بزرگوں کے ناموں کی نذر و نیاز کی چیزوں کو متبرک سمجھتے ہیں مزاروں کو غسل دیا جاتا ہے اور اس کے پانی کو متبرک سمجھا جاتا ہے، بہر حال یہ سب باتیں غلط ہیں جن کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔

فَائِدَةٌ: مِنْ بَعْدِ مُوسَى، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین صدی بعد اور حضرت داؤد علیہ السلام سے کچھ ہی پہلے، جب کہ سن عیسوی کے آغاز میں ابھی تقریباً ہزار گیارہ سو سال کی مدت باقی تھی حضرت شمویل علیہ السلام کا زمانہ ۱۰۰۰ تا ۱۰۲۰ ق م کا زمانہ ہے ملک شام قدیم میں ایک کوہستانی علاقہ افرانیم نام کا تھا، اس کے شہر رامہ میں آپ رہتے تھے، بنو اسرائیل اس دور میں خاص طور سے دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے اور جنگ میں ان سے عاجز آ چکے تھے،

تورات میں اس کی صراحت موجود ہے کہ حضرت شموئل اس وقت بہت بوڑھے ہو چکے تھے، اور آپ کے صاحبزادوں میں امارت و سرداری کی کوئی صلاحیت نہ تھی۔ (ماجدی)

تابوت سیکنہ:

اس تابوت کا خاص اصطلاحی نام، تابوت سیکنہ تھا، یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی اور قومی سرمایہ تھا، اس میں تورات کا اصل نسخہ مع انبیاء علیہم السلام کے تبرکات کے محفوظ تھا، اسرائیلی اس کو نہایت برکت و تقدیس کی چیز سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ انتہائی احترام کا برتاؤ کرتے تھے، جنگ و امن میں اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے سائز میں یہ کوئی بہت بڑا نہ تھا، موجودہ علماء یہود کی تحقیق کے مطابق اس کی پیمائش حسب ذیل تھی۔

طول ۲ ۱/۲ فٹ عرض ۱ ۱/۲ فٹ اونچائی ۱ ۱/۲ فٹ

بنی اسرائیل اپنی ساری خوش بخشی اسی کے ساتھ وابستہ سمجھتے تھے، ایک جنگ کے موقع پر فلسطینی مشرک اسے چھین کر لے گئے، اسرائیلی اس بات کو اپنے حق میں انتہائی نحوست اور بدشگونی سمجھتے تھے اس کی واپسی کے لئے نہایت بیتاب اور مضطرب رہتے تھے، لیکن یہ تابوت مشرکین کے جس شہر اور جس بستی میں رکھا گیا وہاں وہاں پھوٹ پڑیں آخر کار انہوں نے خوف کے مارے ایک بیل گاڑی پر رکھ کر گاڑی کو ہانک دیا، غالباً اسی صورت حال کو قرآن نے: ”تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ“ سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ صندوق فرشتوں کی حفاظت میں تھا کیونکہ وہ گاڑی بغیر کسی گاڑی بان کے ہانک دی گئی تھی اور اللہ کے حکم سے یہ فرشتوں ہی کا کام تھا کہ وہ اسے چلا کر بنی اسرائیل کی طرف لے آئے جب صندوق واپس آ گیا تو اس قوم کے لئے بڑی تقویت قلبی کا موجب بنا جس سے ان کی ٹوٹی ہمتیں پھر بندھ گئیں۔

تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت طالوت کے زمانہ میں یہ تابوت واپس آنے کے بعد بنی اسرائیل کے قبضہ میں حضرت سلیمان علیہ السلام متوفی ۹۳۳ ق م، تک رہا اور آپ نے ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اسی میں اس تابوت کو بھی رکھ دیا تھا اور اس کے بعد سے اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کہاں گیا؟ یہود کا عام خیال یہ ہے کہ یہ تابوت اب بھی ہیکل سلیمانی کی بنیادوں کے اندر دفن ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ خَرَجَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ مِّنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَكَانَ حَرًّا شَدِيدًا وَطَلَبُوا مِنْهُ الْمَاءَ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ فَمَنْ شَرِبَ لَيْسَ مِنِّي إِلَّا الَّذِينَ لَمْ يَطْعَمُوا مِنْهُ يَدْفَعُهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِالْفَتْحِ وَالضَّمِّ بِيَدِهِ فَانْكَنَىٰ بِهَا وَلَمْ يَزِدْ عَلَيْهَا فَإِنَّهُ مِنِّي فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَانْكَرُوا عَلَى الْغُرْفَةِ رُؤْيَ أَنَّهَا كَفَتْهُمْ لِشُرْبِهِمْ وَدَوَّابِهِمْ وَكَانُوا ثَلَاثُمِائَةٍ وَبَضْعَةَ عَشَرَ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِمِ الْذِينَ اقْتَصَرُوا

عَلَى الْغُرْفَةِ قَالُوا اَيَ الَّذِيْنَ شَرَبُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ اَيَ بَقِيَائِهِمْ وَجَبْنُوا وَلَمْ يُجَاوِزُوهُ
 قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ يُوقِنُوْنَ اَنَّهُمْ مُّلْقُوْا بِاللّٰهِ بِالْبَغْتِ وَبِهِمُ الَّذِيْنَ جَاوَزُوهُ كَمَ خَبْرِيَّةٍ بِمَعْنَى كَثِيْرٍ مِّنْ فِئَةٍ
 جَمَاعَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةٌ كَثِيْرَةٌ بِاِذْنِ اللّٰهِ بِاِرَادَتِهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۱ بِالنَّصْرِ وَالْعَوْنِ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ
 اَيَ ضَمُّوْا اِلَيْتَالِهِمْ وَتَصَافَوْا قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ اَصْبَابَ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبَّتْ اَقْدَامُنَا بِتَقْوِيَّةٍ قُلُوْبُنَا عَلٰى الْجَبَادِ
 وَاَنْصُرْنَا عَلٰى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝۱۵۲ فَهَزَمُوْهُمْ كَسَرُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ بِاِرَادَتِهِ وَقَتْلَ دَاوُدَ وَكَانَ فِيْ عَسْكَرِ طَالُوْتَ
 جَالُوْتَ وَآتَتْهُ اَيَ دَاوُدَ اللّٰهُ الْمَلِكُ فِيْ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ وَالْحِكْمَةُ النُّبُوَّةُ بَعْدَ مَوْتِ شَمُوِيْلَ وَطَالُوْتَ وَلَمْ يَجْتَمِعَا
 لِأَحَدٍ قَبْلَهُ وَعِلْمُهُ بِمَا يَشَاءُ كَخَسْنَةِ الذَّرْوَعِ وَمَنْطِقِ الطَّيْرِ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَدَلٍ بَعْضُ مِنَ النَّاسِ
 يَبْعَثُ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ بِغَلَبَةِ الْمُشْرِكِيْنَ وَقَتْلِ الْمُسْلِمِيْنَ وَتَخْرِيْبِ الْمَسَاجِدِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۵۳
 فَدَفَعَ بَعْضُهُمْ بِبَعْضٍ تِلْكَ بِهَذِهِ الْآيَاتِ اَيُّ اللّٰهِ نَتَلَوْهَا نَقُصُّهَا عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ
 وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۱۵۴ التَّكْوِيْدُ بَيَانٌ وَغَيْرُ بَيَانٍ رَّدٌ لِّقَوْلِ الْكُفَّارِ لَهُ، لَسْتُ مُرْسَلًا.

تَرْجُمہ: جب حضرت طالوت بیت المقدس سے لشکر لے کر نکلے تو اس وقت شدید گرمی تھی لشکریوں نے طالوت سے پانی کا مطالبہ کیا، تو حضرت طالوت نے فرمایا اللہ تعالیٰ تم کو ایک نہر کے ذریعہ آزمائے گا تاکہ تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان ممتاز ہو جائیں، اور یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان واقع ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا تو وہ میری اتباع کرنے والوں میں سے نہیں ہے، اور جو اسے نہ چکھے وہ میرا ہے الا یہ کہ اپنے ہاتھ سے ایک آوہ چلو بھر لے، غُرْفَةُ فَتْحِ اور ضَمُّہ کے ساتھ ہے، یعنی جس نے ایک چلو پر اکتفاء کیا، اور اس سے زیادہ نہ پیا تو وہ میرے متبعین میں سے ہے، جب نہر پر پہنچے تو خوب سیراب ہو کر پانی پیا، مگر بہت کم لوگ تھے کہ جنہوں نے ایک چلو پر اکتفاء کیا اور روایت کیا گیا ہے کہ ان کی اور ان کے جانوروں (گھوڑوں) کی سیرابی کے لئے ایک ہی چلو کافی ہو گیا، اور ان کی تعداد تین سو دس سے کچھ زیادہ تھی، چنانچہ جب حضرت طالوت اور ان کے ساتھی مومنین دریا عبور کر گئے اور یہ وہی تھے جنہوں نے ایک چلو پر اکتفاء کیا تھا تو جن لوگوں نے خوب سیراب ہو کر پیا تھا کہنے لگے کہ آج تو ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کی طاقت نہیں، یعنی ان سے قتال کرنے کی، اور بزدلی دکھا گئے اور نہر کو بھی پار نہیں کیا، اور ان لوگوں نے جو لوگ مرنے کے بعد اللہ سے ملنے پر یقین رکھتے تھے انہوں نے کہا اور یہ وہی لوگ تھے جو نہر کو پار کر گئے تھے کہ بارہا ایسا ہوا ہے، کَمَ، خبر یہ کثرت کے معنی میں ہے کہ ایک قلیل جماعت اللہ کی مشیت سے ایک بڑی جماعت پر غالب آگئی اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت اور مدد کے ذریعہ صابریں کا ساتھی ہے اور جب ان کا جالوت اور اور اس کے لشکریوں سے مقابلہ ہوا یعنی ان سے قتال کرنے کے لئے مقابل ہوئے اور صف بندی کی گئی تو انہوں نے دعاء مانگی اے ہمارے پروردگار تو ہمیں صبر اور ثبات قدمی عطا فرما جہاد پر ہمارے قلوب کو تقویت دے کر، اور کافر قوم پر ہم

کو غلبہ عطا فرما چنانچہ ان لوگوں نے اللہ کی مشیت سے جالوتیوں کو شکست دیدی، یعنی ان کو توڑ کر رکھ دیا، اور داؤد علیہ السلام نے جو کہ حضرت طالوت کے لشکر میں شریک تھے، جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو شمول اور طالوت کے انتقال کے بعد بادشاہت عطا فرمائی اور حکمت نبوت (عطا فرمائی) اور داؤد علیہ السلام سے پہلے کسی میں بادشاہت اور نبوت جمع نہیں ہوئیں، اور جو کچھ چاہا علم بھی عطا کیا مثلاً زرہ سازی کی صنعت اور پرندوں کی بولی سمجھنا، اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعہ دفع نہ کرتا، بعضہم، من الناس سے بدل البعض ہے تو مشرکین کے غلبہ سے مسلمانوں کو قتل کر کے اور مساجد کو ویران کر کے زمین میں فساد برپا ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل والا ہے کہ بعض کو بعض کے ذریعہ دفع کرتا ہے یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو ہم اے محمد آپ کو صحیح صحیح سنارہے ہیں، بالیقین آپ رسولوں میں سے ہیں اِنَّ وغیرہ کے ذریعہ تاکید، کافروں کے اس قول کو رد کرنے کے لئے ہے کہ: آپ ﷺ رسول نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: فَصَلَ، اِیْ اِنْفَصَلَ، لازم ہے فَصَلَ کا مفعول چونکہ اکثر محذوف رہتا ہے اس لئے بمنزلہ لازم ہو گیا یہی وجہ ہے کہ اس کے مفعول (بالجنود) پر باء داخل ہے اور اگر متعدی مانا جائے تو اس کا مفعول محذوف ماننا ہوگا، اِیْ فَصَلَ الْعَسْكَرَ عَنْ الْبَلَدِ فَصُولًا۔

قَوْلًا: طَالُوت، بنی اسرائیل کے ایک با اقبال اور صالح بادشاہ کا نام ہے، علم اور عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قَوْلًا: غُرْفَةً، غُیْن کے ضمہ کے ساتھ بمعنی معروف، ایک چلو پانی اور غُیْن کے فتح کے ساتھ مصدر برائے مَرَقَہ ہے۔

قَوْلًا: اِیْ مِنْ مَّاءٍ، یہ حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ نفس نہر کے پینے کا امکان نہیں ہے۔

قَوْلًا: لَمَّا وَاْفُوْهُ، من الموافات، اِیْ رسیدن۔

قَوْلًا: بِكَثْرَةٍ۔

سُؤَالٌ: بكَثْرَةٍ مقدار ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی۔

جَوَابٌ: اگر بكَثْرَةٍ، کو محذوف نہ مانیں تو اِلَّا قَلِيْلًا مِنْهُ کا مستثنیٰ درست نہ ہوگا، اس لئے کہ پینے والوں میں قلیل بھی شامل ہیں۔

تفسیر و تشریح

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ، قوم بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ دن بعد تک تو ٹھیک رہی اس کے بعد احکام شکنی اور تورات کی خلاف ورزی شروع کر دی یہاں تک کہ بعض نے ان میں سے بت پرستی بھی شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے

ان پر ایک ظالم و جابر قوم عمالقتہ کو مسلط کر دیا جو ان کا تابوت سیکھنے بھی لے کر چلا گیا، اس وقت بنی اسرائیل کو اصلاح کی فکر ہوئی تو اپنے زمانہ کے نبی سے جن کا نام شمویل تھا درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر فرمادیں ہم اس کی سرکردگی میں جہاد کریں گے، چنانچہ حضرت شمویل نے اللہ تعالیٰ سے دعاء کی اللہ تعالیٰ نے دعاء کو شرف قبولیت بخشا اور حضرت طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت طالوت کی سرکردگی میں جہاد کی تیاری شروع ہوئی۔

اس زمانہ میں فلسطین کا سربراہ جالوت نام کا ایک شخص تھا یہ شخص بڑا بہادر اور تن و توش کا مالک تھا اس کے ساتھ تقریباً ایک لاکھ لشکر جبار تھا اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھا، ایسی صورت میں طالوت نے چاہا کہ اپنی قوت کی آزمائش کر لی جائے تاکہ کم ہمت اور وہ لوگ جو جفاکش نہ ہوں ان کو الگ کر دیا جائے چنانچہ جس رخ پر اسرائیلیوں کو جانا تھا راستہ میں ایک دریا پڑتا تھا یہ وہی دریا ہے جو جو اردن اور فلسطین کے درمیان واقع ہے، اس دریا کو عبور کرنا تھا مگر چونکہ حضرت طالوت کو معلوم تھا کہ اس قوم میں انضباط اور ڈسپلن بہت کم رہ گیا ہے اس لئے اس نے کارآمد اور ناکارہ لوگوں کو ممیز کرنے کے لئے یہ آزمائش تجویز کی کہ کوئی شخص دریا سے پانی نہ پیئے جو پانی پیئے گا اس سے میرا کوئی تعلق نہیں اور جو پانی نہیں پیئے گا وہ میرا ہے اصل حکم تو یہی ہے کہ بالکل پانی کو ہاتھ بھی نہ لگایا جائے مگر رخصت کے طور پر اس کی اجازت ہے کہ ایک آدھ چلو گلا تر کرنے کے لئے پی لیا جائے تو مضائقہ نہیں چنانچہ اکثر لوگوں نے خوب سیراب ہو کر پانی پیا چونکہ گرمی کا موسم تھا گرمی شدید تھی یہ لوگ پانی پر بے تحاشا ٹوٹ پڑے ایک بہت چھوٹی سی جماعت جس کی تعداد تین سو تیرہ اصحاب بدر کے برابر بتائی جاتی ہے اپنے عزم پر قائم رہی چنانچہ جن لوگوں نے خوب پیٹ بھر کر پانی پی لیا تھا وہ دریا بھی عبور نہ کر سکے، صرف وہی لوگ دریا عبور کر کے دشمن کے مقابلہ پر پہنچے جنہوں نے پانی نہیں پیا تھا، یا کم پیا تھا۔

داؤد علیہ السلام اس وقت ایک کم سن جوان تھے، اتفاق سے طالوت کے لشکر میں عین اس وقت پہنچے کہ جب فلسطینیوں کی فوج کا گران ڈیل پہلوان جالوت بنی اسرائیل کی فوج کو دعوت مبارزت دے رہا تھا، اور اسرائیلیوں میں کسی کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ اس کے مقابلہ کے لئے نکلے، حضرت داؤد علیہ السلام جو ابھی کم سن ہی تھے، اور نبوت اور بادشاہت بھی انکو ابھی نہیں ملی تھی۔ موقع پر پہنچ گئے، داؤد بن ایشا اپنے بھائیوں میں کوتاہ قد اور کم رو تھے، بکریاں چرایا کرتے تھے، جب طالوت نے فوج کشی کی تو یہ بھی شریک جنگ ہونے کے لئے روانہ ہوئے ان کو راستہ میں ایک پتھر ملا پتھر بولا اے داؤد مجھے اٹھا لو میں حضرت بارون کا پتھر ہوں مجھ سے بہت سے بادشاہ قتل کئے گئے ہیں داؤد علیہ السلام نے اٹھا کر اس کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا پھر دوسرا پتھر ملا اس نے کہا میں حضرت موسیٰ کا پتھر ہوں فلاں فلاں بادشاہ مجھ سے مارے گئے اے بھی اپنی تھیلی میں اٹھا کر رکھ لیا پھر ایک تیسرا پتھر ملا اس نے کہا مجھے اٹھا لو جالوت کی موت مجھ سے ہی ہے چنانچہ حضرت داؤد نے تیسرا پتھر بھی اٹھا لیا۔

ادھر جالوت میدان میں آیا اور مبارز طلب کیا اس کی قوت اور ہیبت سے لوگ خائف تھے طالوت نے کہا جو اسے قتل کر دے گا میں اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دوں گا داؤد علیہ السلام مقابلہ کے لئے نکلے طالوت نے اپنا گھوڑا اور ساز و سامان دیا تھوڑی

دور چل کر داؤد علیہ السلام واپس آئے اور کہا اگر اللہ میری مدد نہ کرے تو یہ ساز و سامان کچھ کام نہیں آسکتا، میں اپنی اسی بے سامانی سے لڑوں گا، پھر داؤد اپنا تھیلا اور گوبچھن لے کر میدان میں آئے جالوت نے کہا تو مجھ سے اس پتھر سے لڑنے آیا ہے جیسے کوئی کتے کو مارتا ہے، داؤد علیہ السلام نے کہا تو کتے سے بھی زیادہ شریر اور خبیث ہے، جالوت غضبناک ہو کر بولا کہ میں یقیناً تیرا گوشت زمین کے درندوں اور آسمان کے پرندوں میں تقسیم کر دوں گا حضرت داؤد نے جواب دیا اللہ تیرا ہی گوشت بانٹے گا پتھر نکالا اور کہا بسم اللہ ابراہیم، اور گوبچھن میں رکھا پھر دوسرا پتھر نکالا اور کہا بسم اللہ اسحق اس کو بھی گوبچھن میں رکھا اس کے بعد تیسرا پتھر نکالا اور کہا بسم اللہ یعقوب اس کو بھی گوبچھن میں رکھا، پھر گوبچھن گھما کر مارا ایک پتھر جالوت کے مغز پر لگا جس کی وجہ سے اس کا بھیجا نکل پڑا تمیں آدمی اس کے ساتھ اور ہلاک ہوئے۔

حاصل یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کا سر کاٹا اور اس کی انگلی سے انگوٹھی نکالی اور طالوت کے سامنے پیش کی مومنین خوشی کے ساتھ فتحیاب ہو کر واپس ہوئے طالوت نے اپنی لڑکی کا نکاح داؤد علیہ السلام سے کر دیا، حق تعالیٰ نے بعد میں داؤد علیہ السلام کو خلافت اور نبوت عطا فرمائی۔

(فتح القدیر شوکانی ملخصاً، فوائد عثمانی خلاصۃ التفاسیر للنائب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تِلْكَ مَبْدَأُ الرُّسُلِ صِفَةُ وَالْخَيْرِ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ بِتَخْصِيصِهِ بِمَنْقَبِهِ لَيْسَتْ لغيره مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ كَمُوسَى وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ اِی سَلَامًا صَلَی اللہ علیہ وسلم دَرَجَتًا عَلٰی غَیْرِہ بِمَعْمُومِ الدَّعْوَةِ وَخَتَمَ النُّبُوَّةَ وَتَفَضَّلَ اُنْتَبَهَ عَلٰی سَائِرِ الْاَتَمِّ وَالْمَعْجَزَاتِ الْمُتَكَاثِرَةِ وَالْاَخْصَائِحِ الْعَدِيدَةِ وَاتَّيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتِ وَآيَدْنَاهُ قُوَيْنَاذُ بَرُوجِ الْقُدُسِ جِبْرِیْلَ یَسْبِرُ مَعَهُ حَيْثُ سَارَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ عَذَى النَّاسِ جَمِيعًا مَا اقْتُلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ بَعْدَ الرُّسُلِ اِی اَمْنُهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَیِّنَاتُ لِاِخْتِلَافِهِمْ وَتَضَلُّلِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَلَكِنْ اِخْتَلَفُوا لِمَشِیئَةِ ذَلِكِ فَمِنْهُمْ مَنْ اَمَنَ ثَبَتَ عَلٰی اِیْمَانِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ كَالنَّصَارَى بَعْدَ الْمَسِيحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتُلُوا تَوْكِيْدُ وَلَكِنَّ اللَّهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیدُ مِنْ تَوْفِیْقٍ مَنْ شَاءَ وَخُذْ لَانَ مَنْ شَاءَ.

ترجمہ: یہ حضرات مرسلین (کی جماعت) ایسی ہے کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت بخشی۔ تِلْكَ مَبْدَأُ الرُّسُلِ صِفَةُ وَالْخَيْرِ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ بِتَخْصِيصِهِ بِمَنْقَبِهِ لَيْسَتْ لغيره مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ كَمُوسَى وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ اِی سَلَامًا صَلَی اللہ علیہ وسلم دَرَجَتًا عَلٰی غَیْرِہ بِمَعْمُومِ الدَّعْوَةِ وَخَتَمَ النُّبُوَّةَ وَتَفَضَّلَ اُنْتَبَهَ عَلٰی سَائِرِ الْاَتَمِّ وَالْمَعْجَزَاتِ الْمُتَكَاثِرَةِ وَالْاَخْصَائِحِ الْعَدِيدَةِ وَاتَّيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتِ وَآيَدْنَاهُ قُوَيْنَاذُ بَرُوجِ الْقُدُسِ جِبْرِیْلَ یَسْبِرُ مَعَهُ حَيْثُ سَارَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ عَذَى النَّاسِ جَمِيعًا مَا اقْتُلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ بَعْدَ الرُّسُلِ اِی اَمْنُهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَیِّنَاتُ لِاِخْتِلَافِهِمْ وَتَضَلُّلِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَلَكِنْ اِخْتَلَفُوا لِمَشِیئَةِ ذَلِكِ فَمِنْهُمْ مَنْ اَمَنَ ثَبَتَ عَلٰی اِیْمَانِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ كَالنَّصَارَى بَعْدَ الْمَسِيحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتُلُوا تَوْكِيْدُ وَلَكِنَّ اللَّهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیدُ مِنْ تَوْفِیْقٍ مَنْ شَاءَ وَخُذْ لَانَ مَنْ شَاءَ.

تحقیق و ترکیب تسبیح و تفسیری فوائد

قَوْلًا: تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ اِی سَلَامًا صَلَی اللہ علیہ وسلم دَرَجَتًا عَلٰی غَیْرِہ بِمَعْمُومِ الدَّعْوَةِ وَخَتَمَ النُّبُوَّةَ وَتَفَضَّلَ اُنْتَبَهَ عَلٰی سَائِرِ الْاَتَمِّ وَالْمَعْجَزَاتِ الْمُتَكَاثِرَةِ وَالْاَخْصَائِحِ الْعَدِيدَةِ وَاتَّيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتِ وَآيَدْنَاهُ قُوَيْنَاذُ بَرُوجِ الْقُدُسِ جِبْرِیْلَ یَسْبِرُ مَعَهُ حَيْثُ سَارَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ عَذَى النَّاسِ جَمِيعًا مَا اقْتُلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ بَعْدَ الرُّسُلِ اِی اَمْنُهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَیِّنَاتُ لِاِخْتِلَافِهِمْ وَتَضَلُّلِ بَعْضِهِمْ بَعْضًا وَلَكِنْ اِخْتَلَفُوا لِمَشِیئَةِ ذَلِكِ فَمِنْهُمْ مَنْ اَمَنَ ثَبَتَ عَلٰی اِیْمَانِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ كَالنَّصَارَى بَعْدَ الْمَسِيحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتُلُوا تَوْكِيْدُ وَلَكِنَّ اللَّهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیدُ مِنْ تَوْفِیْقٍ مَنْ شَاءَ وَخُذْ لَانَ مَنْ شَاءَ.

لام استغراق کا ہوگا۔

سُئِلَ: تِلْكَ. اسم اشارہ بعید کا استعمال کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: یا تو بُعد زمانی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے یا پھر عند اللہ علو مراتب کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

قَوْلًا: صفة مفسر علام نے ”الرُّسُلُ“ کو ”تِلْكَ“ کی صفت قرار دیا ہے اور موصوف صفت سے مل کر مبتداء ہے ”الرسل“ سے عطف بیان اور بدل بھی ہو سکتا ہے اس لیے کہ مشار الیہ پر جب الف لام داخل ہوتا ہے تو اس کا صفت اور عطف بیان اور بدل تینوں واقع ہونا درست ہوتا ہے۔

قَوْلًا: فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ. تِلْكَ، مبتداء کی خبر ہے۔ جیسا کہ مفسر علام نے فرمایا ہے۔

سُئِلَ: الرُّسُلُ کو خبر اول اور فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ کو خبر ثانی قرار دینے کی میں کیا قباحت ہے؟

جواب: خبر میں اصل چونکہ تکمیل ہے اور الرُّسُلُ، معرفہ ہے اس لیے الرُّسُلُ کو خبر قرار نہیں دیا۔

سُئِلَ: دَرَجَاتٍ، کے منصوب ہونے کی کیا وجہ ہے؟

جواب: یا تو مصدریہ کی وجہ سے منصوب ہے اس لیے کہ درجات رفعة کے معنی میں ہے۔ ای رَفَعَ رَفْعَةً. یا رَفَعَ متعدی

بالی یا بعلی یا بفی تھا حرف جر کو حذف کر دیا جس کی وجہ سے منصوب بنزع الخافض ہو گیا۔

قَوْلًا: بِمَنْقَبَةٍ، مِم کے فتح کے ساتھ، مَا يُفْخَرُ بِهِ، (یعنی مفاخر و محاسن)۔

قَوْلًا: هَدَى النَّاسَ جَمِيعًا. اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ، لَوْ شَاءَ اللَّهُ فعل متعدی ہے اور مفعول اس کا

محذوف ہے۔

سُئِلَ: ظاہر اور متبادریہ ہے کہ مشیئة کا مفعول وہ ہوتا ہے جو جزاء سے مفہوم و مستفاد ہوتا ہے (کافی کتب المعانی) جیسا کہ

اللہ تعالیٰ کے قول ”لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَهَدَاكُمْ“ میں۔ اس کی تقدیر ”لَوْ شَاءَ اللَّهُ هَدَايَتَكُمْ لَهَدَاكُمْ“ ہے مفعول کو جزاء سے

مستفاد ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، اور وہ ”هدایتکم“ ہے، اس قاعدہ کی روشنی میں تقدیر عبارت یہ ہونی چاہئے، ”لَوْ

شَاءَ اللَّهُ عَدَمَ الْقِتَالِ مَا اقْتَتَلُوا“ مگر مفسر علام نے جزاء سے غیر مفہوم مفعول محذوف مانا ہے جو کہ هَدَى النَّاسَ

جمعاً ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مفسر علام مذکورہ قاعدہ سے اس جگہ متفق نہیں ہیں، اس میں کیا نکتہ ہے؟

نکتہ جواب: جزاء، جو کہ مَا اقْتَتَلْ ہے، سے جو مفعول مستفاد ہو رہا ہے وہ عدم القتال ہے، اور معدوم شئی سے مشیت

اور ارادہ متعلق نہیں ہوتے بلکہ عدم کے لیے ارادہ وجود کا عدم تعلق کافی ہوتا ہے اسی نکتہ کے پیش نظر مفسر علام نے جزاء سے مفہوم

کے علاوہ مفعول محذوف مانا ہے۔

قَوْلًا: بَعْدَ الرُّسُلِ، اس اضافہ کا مقصد، هُمْ، ضمیر کے مرجع کی وضاحت ہے۔

قَوْلًا: اِی اممهم یہ الذین کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا: مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَاتُ، مِنْ بَعْدِهِمْ سے بدل ہے۔

قَوْلًا: لَا خِلَافَ فِيهِمْ، اس کا تعلق اِقْتَتَلَ سے ہے۔

قَوْلًا: ثَبَّتَ عَلَى اِيْمَانِهِ، اَمَنَ کی تفسیر ثَبَّتَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ایمان تو اختلاف سے قبل ہی موجود تھا۔ اختلاف کے بعد اس پر قائم رہے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ، یہاں فن ابہام کا استعمال کیا گیا ہے، اس میں اشارہ جامع کمالات اور خاتم نبوت محمد ﷺ کی طرف ہے، شہرت اور تعین کی وجہ سے مبہم رکھا گیا ہے، الابهام ابلغ من الايضاح، زنجیری نے یہاں یہ نکتہ ادب و بلاغت خوب لکھا ہے کہ جہاں شناخت و تعین میں کوئی دقت نہ ہو وہاں کنایہ اور ابہام، صراحت و تفصیل سے بلیغ و مؤثر ہوتا ہے، سُلِّلَ الْحَاطِيَةُ: مَنْ اشعر الناس؟ فذكر زهيراً والنابعة، ثم قال: ولو شئت لذكرت الثالث، اراد نفسه، ولو صرح بذلك لم يكن بهذه المثابة من الفخمية. (اعراب القرآن للدرويش)

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيحُ

رابط:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ، وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ، آپ بھی منجملہ پیغمبروں کے ایک ہیں اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید آپ کی نبوت بھی گذشتہ پیغمبروں کی طرح وقتی اور علاقائی ہو اور مدارج و مراتب بھی ان کے مثل ہوں، اس شبہ کو دور کرنے کے لیے آپ کی فضیلت کو بڑے شد و مد کے ساتھ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ، سے بیان فرمایا۔

انبیاء علیہم السلام میں باہم تفاضل:

جن انبیاء اور رسولوں کا ذکر قرآن میں ہوا ہے سب ایک مرتبہ کے نہ تھے اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ"، ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی، قرآن میں سورہ بنی اسرائیل میں بھی اسی مضمون کو "وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَى بَعْضٍ" سے بیان فرمایا۔ اس لیے اس حقیقت میں تو کوئی شک نہیں کہ انبیاء میں بعض بعض سے افضل تھے، البتہ فضلنا کی ضمیر متکلم قابل لحاظ ہے کہ یہ فضیلت اور افضلیت محض عند اللہ ہے خلق کے لیے بحیثیت مطاع سب یکساں ہیں، اطاعت اور تعظیم سب کی واجب ہے، اسی مفہوم کو ایک دوسری آیت جو اسی سورت کے آخر میں اسی پارہ میں ادا کرتی ہے "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ" (ابن کثیر نے کہا ہے) لیس مقام التفضیل الیکم انما هو الی اللہ عز وجل وعلیکم الانقیاد والتسلیم له والایمان به. (ابن کثیر)

مدارج کے باب میں عوام کو بحث و گفتگو جائز نہیں، البتہ تقابل کے بغیر ان کے مقامات و احوال و واقعات و فضائل ذکر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

سُؤَال: نبی ﷺ نے فرمایا: ”لا تخيروني من بين الانبياء“ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ الاعراف، مسلم شریف کتاب الفضائل باب من فضائل موسیٰ) تم مجھے انبیاء علیہم السلام کے درمیان فضیلت مت دو۔ اس سے تقاضی کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔

پہلا جواب: اس سے فضیلت سے انکار لازم نہیں آتا، بلکہ اس سے امت کو انبیاء علیہم السلام کی بابت ادب و احترام سکھایا گیا ہے کہ تمہیں چونکہ تمام باتوں اور ان امتیازات کا جن کی بنا پر انھیں ایک دوسرے پر فضیلت حاصل ہے پورا علم نہیں ہے، اس لیے تم میری فضیلت بھی اس طرح بیان نہ کرنا کہ اس سے دوسرے انبیاء کی کسرِ شان ہو، ورنہ بعض انبیاء کی بعض پر اور تمام انبیاء پر نبی ﷺ کی فضیلت اور اشریت مسلم اور اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے جو نصوص کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

دوسرا جواب: فضل جزئی سے فضل کلی لازم نہیں آتا مثلاً سلیمان علیہ السلام کو ملک میں، ایوب علیہ السلام کو صبر میں، یوسف علیہ السلام کو حسن میں، عیسیٰ علیہ السلام کو تائید روح القدس میں، موسیٰ علیہ السلام کو کلام میں، ابراہیم علیہ السلام کو خلت میں فضیلت حاصل ہے، مگر بعض وہ ہیں کہ جن کو فضل کلی اور رفعت کامل حاصل ہے اور یہ مقام خاص ہمارے حضور ﷺ کے لیے ہے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ چند اصحاب آپس میں گفتگو کر رہے تھے ایک نے کہا ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں دوسرے نے کہا، آدم صفی اللہ ہیں، تیسرے نے کہا عیسیٰ کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، بعض نے کہا موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہیں، اچانک آپ ﷺ تشریف لائے، اور فرمایا میں نے تمہاری گفتگو سنی بے شک یہ حضرات ایسے ہی تھے ”آلَا وَاَنَا حَبِيبُ اللَّهِ وَلَا فُخْرٌ“ میں اللہ کا محبوب ہوں اور میں یہ فخر یہ نہیں کہتا۔ (مظہری، بحوالہ خلاصۃ التفسیر ملخصاً)

سُؤَال: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خصوصیت سے ذکر کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت اور یہود کی تردید ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبی نہیں مانتے بلکہ آپ کی شان میں ناشائستہ کلمات کہتے ہیں۔

سُؤَال: قرآن میں بہت سے انبیاء کا ذکر ہے مگر کسی کا فلاں ابن فلاں کہہ کر ذکر نہیں ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر عیسیٰ ابن مریم سے کیا ہے اس میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: اس میں نصاریٰ کے عقیدہ کی تردید ہے کہ عیسیٰ نہ خود اللہ ہیں اور نہ ابن اللہ بلکہ عیسیٰ ابن مریم ہیں جس طرح دیگر انسان اپنی ماؤں کے پیٹ سے پیدا ہوتے ہیں عیسیٰ بھی مریم عذراء کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔

خلاصہ تفسیر:

خلاصہ یہ ہے کہ رسولوں کے ذریعہ علم حاصل ہو جانے کے بعد جو اختلافات لوگوں کے درمیان رونما ہوئے اور اختلاف سے بڑھ کر لڑائیوں تک نوبتیں پہنچیں، تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ معاذ اللہ خدا بے بس تھا اور اس کے پاس ان اختلافات اور لڑائیوں کو روکنے کی طاقت نہیں تھی۔ اگر وہ چاہتا تو کسی کی مجال نہ تھی کہ انبیاء کی دعوت سے سرتابی کر سکتا، اور کفر و بغاوت کی راہ چل سکتا، اور اس کی زمین میں فساد برپا کر سکتا، مگر اس کی مشیت یہ تھی ہی نہیں کہ انسانوں سے ارادہ کی آزادی چھین لے اور انھیں ایک خاص روش پر چلنے کے لیے مجبور کر دے، اس نے انھیں امتحان کی غرض سے زمین پر پیدا کیا تھا، اس لیے اس نے ان کو اعتقاد و عمل کی راہوں میں انتخاب کی آزادی عطا کی اور انبیاء کو لوگوں پر کوتوال بنا کر نہیں بھیجا کہ زبردستی انھیں ایمان و طاعت کی طرف کھینچ لائیں، بلکہ اس لیے بھیجا کہ دلائل و بینات سے لوگوں کو راستی کی طرف بلانے کی کوشش کریں، پس جس قدر اختلافات اور لڑائیوں کے ہنگامے ہوئے وہ سب اس وجہ سے ہوئے کہ اللہ نے لوگوں کو ارادے کی جو آزادی عطاء کی تھی اس سے کام لے کر لوگوں نے یہ مختلف راہیں اختیار کیں نہ اس وجہ سے کہ اللہ ان کو راستی پر چلانا چاہتا تھا مگر معاذ اللہ اسے کامیابی نہیں ہوئی جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ زَكَاةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةً صَدَاقَةً تَنْفُ
وَلَا شَفَاعَةً بغيرِ إِذْنِهِ وَهِيَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَفِي قِرَاءِ قَبْرِ الثَّلَاثَةِ وَالْكَافِرُونَ بِاللَّهِ أَوْ بِمَا فَرَضَ عَلَيْهِمْ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝
لَوْضَعِهِمْ أَمَرَ اللَّهُ تَعَالَى فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَا مَعْبُودَ بَحَقِّ فِي الْوُجُودِ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الدَّائِمُ الْبَقَاءُ
الْقَيُّومُ الْمَبَالِغُ فِي الْقِيَامِ بِتَدْبِيرِ خَلْقِهِ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ بُلُوكَا وَخَلَقْنَا وَ
عَبِيداً مَنْ ذَا الَّذِي لَا أَحَدٌ يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ لَهُ فِيهَا يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ أَى الْخَلْقِ وَمَا خَلْفَهُمْ أَى
أَمَرَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئاً مِنْ مَغْلُومَاتِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ أَنْ يَعْلَمَهُ بِهِ مَنِهَا
بِأَخْبَارِ الرُّسُلِ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَبِيلَ أَحَاطَ بِعِلْمِهِ بِهَمَّا وَقِيلَ مُلْكُهُ وَقِيلَ الْكُرْسِيُّ بِغَيْنِهِ
مُشْتَمِلٌ عَلَيْهِمَا لِعَظَمَتِهِ لِخَدِيثِ مَا السَّمَوَاتِ السَّبْعُ فِي الْكُرْسِيِّ إِلَّا كَذَرَاهِمِ سَبْعَةِ الْقَيْتِ فِي تَرْسِ
وَلَا يَؤُودُهُ يَثْقُلُهُ حِفْظُهُمَا أَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَلِيُّ فَوْقَ خَلْقِهِ بِالْقَهْرِ الْعَظِيمِ ۝
لَا أَكْرَاهُ فِي الدِّينِ عَلَى الدُّخُولِ فِيهِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ أَى ظَهَرَ بِالْآيَاتِ الْبَيِّنَاتِ أَنَّ الْإِيمَانَ رُشْدٌ
وَالْكَفْرَ غَيٌّ نَزَلَتْ فِيْمَنْ كَانَ لَهُ مِنَ الْأَنْصَارِ أَوْلَادٌ أَرَادَ أَنْ يُكْرِهَهُمْ عَلَى الْإِسْلَامِ فَمَنْ يَكْفُرُ بِالطَّاغُوتِ
الشَّيْطَانِ أَوْ الْأَضْنَامِ وَهُوَ يُطْلَقُ عَلَى الْمُفْرَدِ وَالْجَمْعِ وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ تَمَسَّكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَى

بِالْعَقْدِ الْمُخْتَصِمِ لَا انْفِصَامَ انْتِطَاعَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۶﴾ نَمَا يُفْعَلُ اللَّهُ وَلِيٌّ نَاصِرٌ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُمْ مِنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ذِكْرُ الْاِخْرَاجِ اِنَّمَا فِي مُتَابَلِهِ قَوْلُهُ يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ اَوْ فِي كُلِّ مَنْ اَمَنَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ بَغْيَتِهِ مِنَ الْيَهُودِ ثُمَّ كَفَرَتْ بِهِ اُولَئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں بخشا ہے اس میں سے خرچ کرو (یعنی) اس کی زکوٰۃ ادا کرو، قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی، اور نہ نفع بخش دوستی اور نہ اس کی اجازت کے بغیر شفاعت، اور وہ قیامت کا دن ہے، اور ایک قراءت میں تینوں یعنی بَيْعٌ، خُلَّةٌ، شَفَاعَةٌ، کے رفع کے ساتھ ہے اور اللہ کے منکر یا ان (احکام) کے منکر جو ان پر فرض کئے ہیں، ہی تو ظالم ہیں ان کے اللہ کے حکم کو غیر محل میں رکھنے کی وجہ سے اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے کہ اس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں جو (تمام کائنات) کو سنبھالے ہوئے ہے، قیوم وہ ذات ہے جو اپنی مخلوق کے قیام کی تدبیر میں مبالغہ کرنے والا ہے، نہ اس کو اونگھ آتی ہے اور نہ وہ ہوتا ہے، زمین و آسمان میں جو کچھ ہے بادشاہت کے اعتبار سے اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے اور مملوک ہونے کے اعتبار سے سب اسی کا ہے کون ہے جو اس کے حضور میں شفاعت کے لیے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ یعنی کوئی نہیں ہے جو کچھ مخلوق کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور دنیا و آخرت کی جو بات ان سے اوجھل ہے (اس سے بھی واقف ہے) اور وہ اس کے معلومات میں سے کسی چیز کا بھی (علمی) احاطہ نہیں کر سکتے یعنی اس کی معلومات میں کسی کا ادراک نہیں کر سکتے سوائے اس چیز کے کہ جس کو وہ ان میں سے اپنے رسواں کو خبر دے کر بتانا چاہے اس کا حاکمانہ اقتدار آسمانوں اور زمین کا احاطہ کئے ہوئے ہے کہا گیا ہے کہ اس کے علم نے ان دونوں کا احاطہ کر رکھا ہے، کہا گیا ہے کہ اس کی بادشاہت نے احاطہ کر رکھا ہے اور کہا گیا ہے کہ بعینہ کرسی اپنی عظمت کی وجہ سے دونوں پر مشتمل ہے۔ اس حدیث کی رو سے: ساتوں آسمانوں کی حیثیت کرسی کے مقابلہ میں صرف ایسی ہے جیسے سات درہم ایک ڈھال میں ڈال دیئے گئے ہوں۔ اور اس پر زمین و آسمان کی نگرانی ذرا بھی گراں نہیں اور وہ عالی شان اور عظیم الشان ہے یعنی اپنی مخلوق پر قوت کے ذریعہ غالب ہے، دین میں داخلہ کے معاملہ میں کوئی زبردستی نہیں ہے ہدایت گمراہی سے بالکل الگ ہو چکی ہے، یعنی واضح آیات کے ذریعہ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ ایمان ہدایت ہے اور کفر گمراہی ہے (مذکورہ آیت) اس انصاری کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس کے بچے تھے اس نے چاہا کہ بچوں کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور کرے، اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے (طاغوت) شیطان یا اصنام ہیں (طاغوت) کا اطلاق مفرد اور جمع پر ہوتا ہے اللہ پر ایمان لے آیا تو اس نے عقد محکم کے ذریعہ ایسا مضبوط حلقہ تمام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں جو بات کہی جاتی ہے اللہ اس کا سننے والا، اور جو کام کیا جاتا ہے اس کا جاننے والا ہے اللہ ان لوگوں کا مددگار ہے جو ایمان لے آئے وہ ان کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لاتا ہے، اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے

حمایتی طاغوت ہیں وہ ان کو روشنی سے نکال کر تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، اخراج کا ذکر یا تو اس کے قول ”یخرجهن من الظلمات“ کے مقابلہ کے طور پر لایا گیا ہے یا ہر اس یہودی کے بارے میں جو آپ ﷺ کی بعثت سے قبل آپ ﷺ پر ایمان لایا تھا پھر آپ کا انکار کر دیا، یہی آگ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں یہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

تحقیق و تہذیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: زکوٰۃ، اس کلمہ سے اشارہ کر دیا کہ اتفاق سے مراد اتفاق واجب ہے اور آئندہ وعید اس کا قرینہ ہے اس لیے کہ غیر واجب پر وعید نہیں ہوا کرتی۔

قَوْلٌ: فداء، فدیہ کو بیع سے تعبیر کیا ہے اس لیے کہ فداء۔ اشتراء النفس من الهلاکۃ کو کہتے ہیں، فدیہ وہ قیمت جو قیدی ربانی کے عوض ادا کرتا ہے، سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے اس لیے کہ نفس بیع خلاصی عن العذاب کا فائدہ نہیں دیتی بلکہ فدیہ خلاصی کا فائدہ دیتا ہے۔

قَوْلٌ: تنفع، لفظ تنفع کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ مطلق دوستی کی نفی نہیں ہے بلکہ نافع دوستی کی نفی ہے۔

قَوْلٌ: اذنبہ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: شفاعت کی نفی علی سبیل الاستغراق کس طرح صحیح ہے؟ جب کہ احادیث سے انبیاء علیہم السلام کی شفاعت روز قیامت ثابت ہے۔

جَوَابٌ: یہاں اگرچہ مطلق شفاعت کی نفی ہے مگر دوسری آیت نے اس مطلق کو مقید کر دیا ہے، آیت یہ ہے، ”إِلَّا مَنْ أَدْنٰ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضٰی لَهُ قَوْلًا“، وفی قراءۃ برفع الثلاثۃ، تینوں میں لائے نفی جنس کا اسم ہونے کی وجہ سے اصل فتح ہے، جیسا کہ ابن کثیر اور ابو عمرو کی قراءت میں اصل کے مطابق فتح ہی ہے، مگر ان کے علاوہ کی قراءت میں رفع ہے، رفع کی وجہ یہ ہے کہ دراصل یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے اور سوال یہ ہے، ”هَلْ فِیْهِ بَیْعٌ أَوْ خُلَّةٌ أَوْ شَفَاعَةٌ؟“ جواب یہ ہے ”لَا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ“، سوال و جواب میں مطابقت پیدا کرنے کے لیے جواب کو بھی رفع دیدیا گیا، بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ لائے نفی جنس مکرر ہونے کی وجہ سے مہمل قرار دیدیا گیا اور بیع مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، مگر یہاں ایک سوال ہوگا کہ بیع، خُلَّة، شَفَاعَةٌ، نکرہ ہیں ان کا مبتداء بننا درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: نکرہ تحت النفی واقع ہونے کی وجہ سے اس کا مبتداء بننا صحیح ہو گیا۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قَوْلٌ: ”لَا تَأْخُذْهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ“ یہ صفات سلبیہ میں سے ہے، ”سِنَةٌ“ کا تعلق آنکھوں سے ہوتا ہے اور یہ انبیاء علیہم السلام کی نیند ہے اور نوم کا تعلق قلب سے ہوتا ہے یہ فترۃ طبعیہ ہے جو ہر حیوان پر جبراً طاری ہوتا ہے۔

قَوْلٌ: لا معبود بحق الخ اس میں اشارہ ہے کہ ”إِلَٰه“ سے مراد معبود حقیقی ہے نہ کہ مطلق معبود اس لیے کہ معبود مطلق غیر حقیقی کثیر ہیں، ورنہ مطلق معبود کی نفی سے کذب باری لازم آئے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اس سے وراء الوراء ہے ”تعالی اللہ عن

ذَالِكَ عَلَوًّا كَبِيرًا“، مگر اس صورت میں یہ سوال ہوگا کہ جب اِلٰہ سے مراد معبود حقیقی ہے جو کہ واحد ہے تو پھر اس سے اِلٰہو، کے ذریعہ استناد درست نہ ہوگا اس لیے کہ یہ استثناء الشیء عن نفسه ہوگا۔

جَوَابِ: معبود بالحق کا مفہوم چونکہ کلی ہے لہذا اس سے تصور میں مستثنیٰ منہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے استثناء درست ہوگا۔

قَوْلًا: ، فی الوجود اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لا کی خبر محذوف ہے اور وہ فی الوجود ہے۔

قَوْلًا: مُلْكَا وَخَلْقًا الخ اس سے اشارہ کر دیا کہ ”لَہ“، کلام نفع کے لیے نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اشیاء سے نفع کا محتاج نہیں ہے۔

قَوْلًا: فیہا ای فی الشفاعة۔

قَوْلًا: مِنْ مَعْلُومَاتِہ، اس میں اشارہ ہے کہ علم سے مراد معلومات ہیں اس لیے کہ علم صفت بسیط ہے جس میں تجزی نہیں ہو سکتی ہے البتہ معلومات میں تجزی ہو سکتی ہے۔

قَوْلًا: تُرْسٍ، بِالضَّمِّ، دُھال۔

قَوْلًا: تَمَسَّكَ، اِسْتَمَسَّكَ کی تفسیر تَمَسَّكَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اِسْتَمَسَّكَ میں سین زائدہ ہے۔

قَوْلًا: ذِکْرُ الْاِخْرَاجِ الخ مفسر علام کا مقصد اس اضافہ سے ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ کفار تو روشنی میں تھے ہی نہیں پھر ان کو روشنی سے تاریکی کی طرف نکالنے کا کیا مطلب ہے؟ مفسر علام نے اس کے دو جواب دیئے ہیں اول یہ کہ بطور مقابلہ اخراج کا ذکر کیا ہے یعنی مومنین کے لیے چونکہ اخراج کا لفظ استعمال کیا ہے تو کفار کے لیے بھی اخراج کا لفظ استعمال کیا ہے اس کو بلاغت کی اصطلاح میں صفت مقابلہ کہتے ہیں، یہ اطبخوا لہی جبة و قیصصا کے قبیل سے ہے، دوسرے جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی کتابوں کی بشارت کی روشنی میں آپ ﷺ پر ایمان لائے تھے مگر آپ کی بعثت کے بعد وہ ضد کی وجہ سے اس سے پھر گئے گویا کہ روشنی سے تاریکی میں چلے گئے۔

قَوْلًا: اَلْخُلَّةُ، بضم الخاء: المودَّة والصداقة (دوستی)۔

قَوْلًا: الْقَيُّومُ، قَائِمٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے، مَنْ قَامَ بِالْاَمْرِ، منتظم، مدبر، خود قائم رہنے والا، دوسروں کو قائم رکھنے والا، ”قَیُّوم“ اصل میں قَیُّوؤمٌ بروزن فِیْعُوْلٌ تھا، واو اور یاء جمع ہوئے پہلا ساکن واو کو یاء سے بدل دیا اور یاء کو یاء میں ادغام کر دیا، قَیُّوم ہو گیا۔

قَوْلًا: السِّنَّةُ سین کے کسرہ کے ساتھ، ما یتقدم من الفتور والاسترخاء مع بقاء الشعور، نیند سے پہلے کی غفلت جس میں شعور و احساس باقی رہتے ہیں، اسی کو نعاس کہتے ہیں یہ نوم الانبیاء کہلاتی ہے۔

قَوْلًا: الْکُرْسِی، معروف ہے، اس میں یاء نسبتی نہیں اصلی ہے عرف دارجہ میں، ما یجلس علیہ کو کہتے ہیں اس کے اصل معنی بعض شئی کو بعض کے ساتھ ترکیب دینا ہیں اسی سے کراستہ ہے اس لیے کہ اس میں بھی بعض اوراق کو بعض کے ساتھ ملا کر ترکیب دی جاتی ہے بولا جاتا ہے تَکْرَسَ فُلَانُ الْحَطَبِ فلاں نے لکڑیاں جمع کیں۔

قَوْلًا: يُوَدُّهُ، اذ. يُوَدُّ اَوْدًا (ن) سے مضارع واحد مذکر غائب بارؤ الناء، بوجھل کرنا، تھکانا۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

”وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ“ اس آیت میں استعارہ تصریحیہ ہے، استعارہ مصرحہ وہ استعارہ ہے جس میں لفظ مستعار منہ (مشبہ بہ) صراحت کے ساتھ مذکور ہو جیسے۔ ۱۔

فَامْطَرَتْ لَوْلَاءَ اَمِنْ نَرْجِسٍ وَسَقَتْ وَرَدًا وَعَصَّتْ عَلَى الْعَنَابِ بِالْبَرْدِ
معشوقہ نے نرگس سے موتی برسائے، گلاب کو سیراب کیا اور عناب کو اولوں سے کاٹا، اس میں موتی، نرگس، عناب، اولے مستعار منہ (مشبہ بہ) ہیں جو صراحتہ مذکور ہیں اور اسی ترتیب سے، آنسو، آنکھ، گال، انگلیوں کے پورے اور دانت مستعار لہ (مشبہ) ہیں جو مذکور نہیں ہیں، اردو کا یہ شعر بھی استعارہ مصرحہ کی مثال ہے!۔ ۲۔

رہا رہنے لگا اس شمع کو پروانوں سے آشنا کی حوصلہ بیگانوں سے
اس شعر میں شمع اور پروانے مستعار منہ (مشبہ بہ) ہیں جو صراحتہ مذکور ہیں اور عاشق و معشوق مستعار لہ (مشبہ) ہیں جو صراحتہ مذکور نہیں۔

اس آیت میں وَسِعَ كُرْسِيُّهُ الْخ، اللہ کے علم و قدرت سے مجاز ہیں، یہ کلمہ مستعار منہ (مشبہ بہ) ہے جو صراحتہ مذکور ہے اور مشبہ جو کہ علم، قدرت، عظمت ہے محذوف ہے، العروۃ، کڑا حلقہ، قبضہ و دستہ، (ج) عُرَى، الوثقیٰ بروزن فُعْلٰی اسم تفضیل اَوْثَقُ کا مؤنث ہے (ج) وَثُقُ۔

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی، اس میں استعارہ تصریحیہ تمثیلیہ ہے، اس میں دین اسلام کو عروۃ و وثقیٰ (مضبوط حلقہ) سے تشبیہ دی گئی ہے دین اسلام مستعار لہ (مشبہ) ہے اور عروۃ الوثقیٰ مستعار منہ ہے مشبہ محذوف اور مشبہ بہ مذکور ہے، اسی طرح دین اسلام کو اختیار کرنے والے کو مضبوط حلقہ پکڑنے والے سے تشبیہ دی ہے۔ ظلمات کو ضلال کے لیے اور نور کو ہدایت کے لیے مستعار لینا بھی استعارہ تصریحیہ ہے۔

سُؤَالٌ: ظلمات کو جمع اور نور کو مفرد لانے میں کیا مصلحت ہے؟
جَوَابٌ: نور سے مراد حق ہے جو کہ ایک ہی ہے اور ظلمات سے مراد باطل ہے جو کہ متعدد شکلوں میں ہوتا ہے اس لیے نور کو واحد اور ظلمات کو جمع لائے ہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ (الآية) مراد راہ خدا میں خرچ کرنا ہے، ارشاد ہو رہا ہے کہ جن لوگوں نے ایمان کی راہ اختیار کی ہے انھیں اس مقصد کے لیے جس پر وہ ایمان لائے ہیں مالی قربانی برداشت کرنی چاہئے، بعض حضرات نے

انفاق سے یہاں واجب مالی مراد لیا ہے مگر حضرت تھانوی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے روح المعانی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ انفاق واجب اور غیر واجب دونوں کو شامل ہے بعد میں آنے والی وعید کا اس سے تعلق نہیں ہے بلکہ وہ مستقل یوم قیامت کی ہولناکی کا بیان ہے۔
وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ : یہاں کافروں سے یا تو وہ لوگ مراد ہیں جو خدا کے حکم کی اطاعت کے منکر ہوں اور اپنے مال کو اس کی خوشنودی سے عزیز تر رکھیں، یا وہ لوگ مراد ہیں جو اس دن پر اعتقاد نہ رکھتے ہوں جس کے آنے کا خوف دلایا ہے یا پھر وہ لوگ مراد ہیں جو اس خیال خام میں مبتلا ہوں کہ آخرت میں انہیں کسی نہ کسی طرح نجات خرید لینے کا اور دوستی و سفارش سے کام نکال لے جانے کا موقع حاصل ہو ہی جائے گا۔

یہود و نصاریٰ اور کفار و شرکین اپنے اپنے پیشواؤں یعنی نبیوں، ولیوں، بزرگوں، پیروں، مرشدوں وغیرہ کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ پر ان کا اتنا اثر ہے کہ وہ اپنی شخصیت کے دباؤ سے اپنے پیروکاروں کے بارے میں جو بات چاہیں اللہ سے منوا سکتے ہیں اور منوا لیتے ہیں، اسی کو وہ شفاعت کہتے تھے، یعنی ان کا عقیدہ تقریباً وہی تھا جو آج کل کے جابلوں کا ہے کہ ہمارے بزرگ اللہ کے پاس اڑ کر بیٹھ جائیں گے اور بخشوا کر اٹھیں گے، اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یہاں ایسی کسی شفاعت کا وجود نہیں، پھر اس کے بعد آیت الکرسی اور دوسری متعدد آیات و احادیث میں بتایا گیا ہے کہ اللہ کے یہاں ایک دوسری قسم کی شفاعت بے شک ہوگی مگر یہ شفاعت وہی لوگ کر سکیں گے جنہیں اللہ اجازت دیگا، اور صرف اس بندے کے بارے میں کر سکیں گے جس کے لیے اللہ اجازت دے گا، اور اللہ صرف اور صرف اہل توحید کے بارے میں اجازت دے گا یہ شفاعت فرشتے بھی کریں گے اور انبیاء و رسل بھی اور شہداء و صالحین بھی، مگر اللہ پر ان میں سے کسی شخصیت کا کوئی دباؤ نہ ہوگا بلکہ اس کے برعکس یہ لوگ بھی اللہ کے خوف سے اس قدر ترساں اور لرزاں ہوں گے کہ ان کے چہروں کا رنگ فق ہوگا ”وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ“۔ (الانبیاء)

آیت الکرسی کی فضیلت:

آیت الکرسی کی بڑی فضیلت صحیح احادیث میں وارد ہوئی ہے اس کی برکتوں اور فضیلتوں سے شاید ہی کوئی مسلمان ناواقف ہو، اس کی جامعیت اور معنویت بھی اتنی نمایاں ہے کہ اپنے تو خیر اپنے ہیں بیگانے (جیسے سیل مترجم قرآن مجید) اور معاندین (جیسے میوہ اور ہیری) نے بھی بے ساختہ اس کی داد دی ہے۔

یہ آیت قرآن کریم کی عظیم آیت ہے، مسند احمد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو تمام آیات سے افضل فرمایا ہے ابی بن کعب رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ابوذر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے بھی اسی قسم کی روایت مروی ہے، حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام آیتوں کی سردار ہے وہ جس گھر میں پڑھی جائے شیطان اس سے نکل جاتا ہے۔

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھا کرے تو اس کو جنت

میں داخل ہونے کے لیے بجز موت کے کوئی مانع نہیں ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان ایک عجیب و غریب انداز میں کیا گیا ہے۔

آیت الکرسی میں اللہ کا نام اتم ظاہر اور ضمیر کے طور پر سترہ مرتبہ ذکر ہوا ہے۔

① اللہ ② ہو ③ الحی ④ القیوم ⑤ لاتاخذہ کی ضمیر ⑥ لہ کی ضمیر ⑦ عندہ کی ضمیر ⑧ باذنہ کی ضمیر ⑨ یعلم کی ضمیر ⑩ علمہ کی ضمیر ⑪ شاء کی ضمیر ⑫ کرسیئہ کی ضمیر ⑬ یئودہ کی ضمیر ⑭ وهو ⑮ العلیٰ ⑯ العظیم ⑰ ضمیر مستتر جس پر مصدر حفظہما شامل ہے یہ مصدر مضاف الی المفعول ہے اور وہ ضمیر بارز ہے اس کے لیے فاعل ضروری ہے اور وہ اللہ ہے اور مصدر کے جدا ہونے کے وقت ظاہر ہوتا ہے، يقال، وَلَا يَتَّوَدُّهُ أَنْ يُحْفَظَهُمَا هُوَ۔

یہ آیت، آیۃ الکرسی کے نام سے مشہور ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی ایسی مکمل معرفت بخشی گئی ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی، اسی بنا پر حدیث میں اس کو قرآن کی سب سے افضل آیت قرار دیا گیا ہے۔

اس آیت میں دس جملے ہیں:

① پہلا جملہ:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، اس میں لفظ اللہ اسم ذات ہے، یعنی وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے، لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ اس ذات کا بیان ہے کہ لائق عبادت اس ذات کے سوا کوئی نہیں۔

② دوسرا جملہ:

الْحَيُّ الْقَيُّومُ، وہ مستقلاً زندہ اور ازلی وابدی ہے صفت حیات اس کی جزء ذات ہے موت یا عدم نہ کبھی اس پر طاری ہوا اور نہ آئندہ کبھی طاری ہوگا، الْحَيُّ الَّذِي لَا يَمُوتُ ابَدًا۔ (ابن کثیر)

سُئِلَ: کیا دنیا میں کبھی کوئی ایسی قوم بھی گزری ہے کہ اس نے خدا کی صفت الْحَيُّ الْقَيُّومُ میں شبہ یا انکار کیا ہو؟

جواب: ایک نہیں متعدد قومیں بحر و مہل پر اس عقیدہ کی گزری ہیں کہ ہر سال فلاں تاریخ پر ان کا خدا وفات پاتا ہے اور دوسرے دن از سر نو وجود میں آتا ہے چنانچہ ہر سال اسی تاریخ کو خدا کی میت کا پتلا بنا کر جلایا جاتا تھا اور دوسرے دن اس کے جنم کی خوشی میں رنگ رلیاں شروع ہو جاتی تھیں۔

ہندوؤں کے یہاں اوتاروں کا مرنے اور پھر جنم لینا اسی عقیدہ کی مثالیں ہیں، اور خود مسیحیوں کا عقیدہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ خدا

پہلے تو انسانی شکل اختیار کر کے دنیا میں آتا ہے اور پھر صلیب پر جا کر موت قبول کر لیتا ہے۔

القیوم، مسیحیوں نے جس طرح اللہ کی صفت حیات کے بارے میں ٹھوکر کھائی ہے اسی طرح صفت قیومیت کے متعلق بھی عجیب گمراہی میں پڑ گئے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ جس طرح بیٹا بغیر باپ کی شرکت کے خدا نہیں ہو سکتا اسی طرح باپ پر بھی بغیر بیٹے کی شرکت کے خدا کا اطلاق نہیں ہو سکتا، یعنی جس طرح نعوذ باللہ، مسیح ابن اللہ خدا کے محتاج ہیں اسی طرح باپ بھی اپنی خدائی کے اثبات میں مسیح کا محتاج ہے، صفت قیومیت کا اثبات کر کے قرآن نے اسی مسیحی عقیدہ پر ضرب لگائی ہے۔

قیوم: وہ ذات ہے جو صرف اپنی ذات سے قائم ہے بلکہ دوسروں کے قیام کا باعث ہے اور سب کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے سب محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ (ماجدی)

بعض روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ جس کو اسم اعظم کہا جاتا ہے وہ یہی الحی القیوم، ہے۔ (فرطی)

۳. تیسرا جملہ:

لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ہے، اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اونگھ اور نیند سے بری ہے سابقہ جملہ میں لفظ قیوم سے معلوم ہوا کہ اللہ جل شانہ تمام آسمانوں اور زمینوں اور ان میں سمانے والی کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، تو کسی شخص کا اپنی جہالت اور فطرت کے مطابق اس طرف جانا ممکن ہے کہ جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے اس کو کسی وقت تھکان بھی ہونا چاہیے، کچھ وقت آرام اور نیند کے لیے بھی ہونا چاہیے، اس دوسرے جملہ میں انسان کو اسی خیال پر متنبہ کر دیا کہ اللہ جل شانہ کو اپنے یا دوسری مخلوق پر قیاس نہ کرے وہ مثل و مثال سے بالاتر ہے، اس کی قدرت کاملہ کے لیے یہ سارے کام کچھ مشکل نہیں ہیں اور نہ اس کے لیے تھکان کا سبب ہیں اور اس کی ذات پاک تمام تاثرات اور تکان و تعب اور اونگھ، نیند سے بالاتر ہے۔

جہاں مذہب کے دیوتا نیند سے جھوم بھی جاتے ہیں اور سونے بھی لگتے ہیں اور اسی غفلت کی حالت میں ان سے طرح طرح کی فروگزاشتیں ہو جاتی ہیں، مسیحیوں اور یہود کا بھی عقیدہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے چھ روز میں آسمانوں اور زمین کو بنا ڈالا تو ساتویں روز اس کو ستانے اور آرام کی ضرورت پیش آگئی، اسلام کا خدا دائم بیدار، ہمہ خبردار، غفلت و سستی اور تھکن سے ماوراء خدا ہے۔

۴. چوتھا جملہ:

لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ہے، لہ کلام تملیک کے لیے ہے نہ کہ انتفاع کے لیے یعنی آسمانوں اور زمینوں کی سب چیزیں اس کی مملوک ہیں۔

۵) پانچویں جملہ:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ، ہے یعنی ایسا کوئی نہیں کہ اس کی اذن و اجازت کے بغیر اس کے حضور شفاعت کے لیے لب کشائی کر سکے۔

مسیح کی شفاعت کبریٰ مسیحیوں کا ایک خصوصی عقیدہ ہے، قرآن مجید مسیحیوں کے مخصوص مرکزی عقائد کفارہ اور شفاعت وغیرہ پر ضرب کاری لگانا چاہتا ہے، مسیحیوں نے جہاں نجات کا دار و مدار شفاعت پر رکھا ہے، وہیں اس کے برعکس بعض مشرک قوموں نے خدا کو قانون مکافات (کرم) یعنی عمل کے ضابطوں میں ایسا جکڑا ہوا سمجھ لیا ہے کہ اس کے لیے معافی اور اس کے یہاں شفاعت کی گنجائش ہی نہیں ہے، اسلام نے تو سوا اور اعتدال کی راہ اختیار کر کے بتایا کہ نجات کا مدار کسی شفاعت پر ہرگز نہیں، البتہ اللہ نے اس کی گنجائش رکھی ہے اور اپنی اجازت کے بعد مقبول بندوں کو شفاعت کا موقع دے گا اور قبول کرے گا اور سب سے بڑے شافع محشر رسول اللہ ﷺ ہیں، اسی آیت سے اہل سنت والجماعت نے شفاعت کا استنباط کیا ہے۔

۶) چھٹا جملہ ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ یعنی حاضر و غائب، محسوس و معقول، مدرک و غیر مدرک، سب کا علم اسے پورا پورا حاصل ہے اس کا علم تمام چیزوں کو یکساں محیط ہے۔

۷) ساتواں جملہ ہے:

”وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ“ یعنی انسان بلکہ تمام مخلوق اللہ کے علم کے کسی حصہ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر اللہ جتنا علم ان کو عطا کرے اتنا ہی علم ہو سکتا ہے اس کو تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہے یہ اللہ جلّ شانہ کی مخصوص صفت ہے اس میں کوئی مخلوق اس کی شریک نہیں۔

۸) آٹھواں جملہ:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، لفظ کرسی بالعموم حکومت اور اقتدار کے لیے استعارہ کے طور پر بولا جاتا ہے اردو زبان میں بھی اکثر کرسی کا لفظ بول کر حاکمانہ اختیارات مراد لیتے ہیں، عرش و کرسی کی حقیقت و کیفیت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے، البتہ مستند روایات سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور کرسی بہت عظیم الشان جسم ہیں جو تمام زمین و آسمان سے

بدرجہ بڑے ہیں، ابن کثیر نے ابو ذر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا کہ کرسی کیا اور کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں کوئی حلقہ انگشتی ڈال دیا جائے۔

۹ نواں جملہ:

وَلَا يَسُوذُهُ حِفْظُهُمَا، یعنی اللہ تعالیٰ کو ان دونوں عظیم مخلوقات آسمان و زمین کی حفاظت کچھ گراں نہیں معلوم ہوتی کیونکہ اس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سب چیزیں نہایت آسان ہیں۔

۱۰ دسواں جملہ:

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ، یعنی وہ عالی شان اور عظیم الشان ہے ان دس جملوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کی توحید کا مضمون پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ آ گیا۔ (معارف القرآن، تفسیر ماجدی حذف و اضافہ کے ساتھ)۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ، حصین انصاری نامی ایک شخص کے دولہ کے یہودی یا نصرانی ہو گئے تھے، پھر جب انصار مسلمان ہو گئے تو انہوں نے اپنی نو جوان اولاد کو بھی جو یہودی یا نصرانی ہو گئے تھے زبردستی مسلمان بنانا چاہا جس پر یہ آیت نازل ہوئی، شان نزول کے اعتبار سے مفسرین نے اسے اہل کتاب کے لیے خاص مانا ہے یعنی اسلامی مملکت میں رہنے والے اہل کتاب اگر وہ جزیہ ادا کرتے ہوں تو انہیں قبول اسلام کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا لیکن یہ آیت حکم کے اعتبار سے عام ہے یعنی کسی پر بھی قبول اسلام کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں کو واضح کر دیا ہے کہ ہر شخص اپنی مرضی سے چاہے اپنے کفر پر قائم رہے اور چاہے اسلام میں داخل ہو جائے، تاہم کفر و شرک کے خاتمے اور باطل کا زور توڑنے کے لیے جہاد ایک الگ اور جبر و اکراہ سے مختلف چیز ہے، مقصد معاشرے سے اس قوت و طاقت کا زور توڑنا ہے جو اللہ کے دین پر عمل اور اس کی تبلیغ کی راہ میں روڑا بنا ہوا ہوتا ہے چونکہ روڑا بننے والی طاقتیں رہ رہ کر ابھرتی رہیں گی اس لیے جہاد کا حکم اور اس کی ضرورت بھی قیامت تک رہے گی جیسا کہ حدیث میں ہے، ”الجهاد ماضٍ الی یوم القیامة“، جہاد قیامت تک جاری رہے گا اسی طرح سزائے ارتداد سے بھی اس آیت کا کوئی ٹکراؤ نہیں ہے، کیونکہ ارتداد کی سزائے قتل سے مقصود جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ اسلامی ریاست کی نظریاتی حیثیت کا تحفظ ہے، ایک اسلامی ملک میں ایک کافر کو اپنے کفر پر قائم رہنے کی اجازت تو ہو سکتی ہے لیکن ایک بار جب وہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اس کو اس سے بغاوت اور انحراف کی اجازت نہیں دی جاسکتی لہذا وہ خوب سوچ سمجھ کر اسلام لائے کیونکہ اگر ارتداد کی اجازت دیدی جاتی تو نظریاتی اساس منہدم ہو سکتی تھی جس سے نظریاتی انتشار اور فکری انارکی پھیلتی ہے جو اسلامی معاشرہ کے امن کو اور ملک کے استحکام کو خطرے میں ڈال سکتی تھی اس لیے جس طرح انسانی حقوق کے نام پر قتل،

چوری، زنا، ڈاکہ وغیرہ جرائم کی اجازت نہیں دی جاسکتی اسی طرح آزادی رائے کے نام پر ایک اسلامی مملکت میں نظریاتی بغاوت (ارتداد) کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی یہ جبر و اکراہ نہیں ہے بلکہ مرتد کا قتل اسی طرح عین انصاف ہے جس طرح قتل و غارتگری اور اخلاقی جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزائیں دینا عین انصاف ہے ایک کا مقصد ملک کا نظریاتی تحفظ ہے اور دوسرے کا مقصد ملک کو شر و فساد سے بچانا ہے اور دونوں ہی مقصد ایک مملکت کے لیے ناگزیر ہیں، آج اکثر اسلامی ممالک ان دونوں مقاصد کو نظر انداز کر کے جن الجھنوں، دشواریوں اور پریشانیوں سے دوچار ہیں محتاج وضاحت نہیں۔

وَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ: ”طاغوت“ لغت کے اعتبار سے ہر اس شخص کو کہا جائے گا جو اپنی جانز حد سے تجاوز کر گیا ہو، قرآن کی اصطلاح میں طاغوت سے مراد وہ بندہ ہے جو بندگی کی حد سے تجاوز کر کے خود آقائی اور خداوندی کا دم بھرنے لگے اور خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائے، خدا کے مقابلہ میں ایک بندے کی سرکشی کے تین مرتبے ہیں، پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اصولاً خدا کی فرماں برداری ہی کو حق جانے مگر عملاً اس کے احکام کی خلاف ورزی کرے اس کا نام فسق ہے دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ اس کی فرمانبرداری سے اصولاً منحرف ہو کر خود مختار ہو جائے، یا اس کے سوا کسی اور کی بندگی کرنے لگے یہ کفر ہے، تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مالک سے باغی ہو کر اس کے ملک میں اور اس کی رعیت میں خود اپنا حکم چلانے لگے، اس آخری مرتبہ پر جو بندہ پہنچ جائے اسی کا نام ”طاغوت“ ہے۔

وَقَدْ لَاحِظْنَا

الْمَرْتَرَالِي الَّذِي حَاجَّ جَادِلَ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ أَتَاهُ اللَّهُ الْمَلَكُ أَي حَمَلَهُ بَطْرُهُ بِنِعْمَةِ اللَّهِ عَلَى ذَلِكَ الْبَطْرِ
وَهُوَ نَمْرُودُ إِذْ بَدَّلَ بَيْنَ حَاجَّ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لَمَّا قَالَ لَهُ مَنْ رَبُّكَ الَّذِي تَدْعُونَا إِلَيْهِ رَبِّي الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ أَي
يَخْلُقُ الْحَيَاةَ وَالْمَوْتَ فِي الْأَجْسَامِ قَالَ هُوَ أَنَا الْحَيُّ وَأُمِيتُ بِالْقَتْلِ وَالْعَفْوِ عَنِّي وَدَعَى بَرَجْلَيْنِ فَقَتَلَ أَخَذَهُمَا
وَتَرَكَ الْآخَرَ فَلَمَّا رَأَاهُ غَيْبًا قَالَ إِبْرَاهِيمُ مُنْتَقِلًا إِلَى حُجَّةٍ أَوْضَحَ مِنْهَا فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ
الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا أَنْتَ مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرُ تَحَيَّرَ وَدَهِشَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۵۸﴾ بِالْكَفْرِ
إِلَى مَحْجَّةِ الْإِخْتِجَاجِ أَوْ رَأَيْتَ كَالَّذِي الْكَافُ زَائِدَةٌ مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ هِيَ بَنِيَتُ الْمُقَدِّسِ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ
وَمَعَهُ نَسْلَةٌ تَيْنٍ وَقَدْ حُ غَصْبِيرٌ وَهُوَ غَزِيرٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهِيَ خَاوِيَةٌ سَاقِطَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا سُتُوفِيهَا لِمَا خَرَبَهَا
بُخْتُ نَصَّرَ قَالَ أَنَّى يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا اسْتَغْظَامًا لِقُدْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى فَأَمَاتَهُ اللَّهُ وَالْبَنَةُ مِائَةٌ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ
أَحْيَاهُ لِيُريَهُ كَيْفِيَّةَ ذَلِكَ قَالَ تَعَالَى لَهُ كَمْ لَبِثْتَ مَكَثْتَ هُنَا قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ لِأَنَّهُ نَامَ أَوَّلَ النَّهَارِ
فَنُبِشَ وَأُحْيِيَ عِنْدَ الْغُرُوبِ فَظَنَّ أَنَّهُ يَوْمُ النَّوْمِ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةً عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ الْيَمِينِ
وَشَرَابِكَ الْعَصِيرِ لَمْ يَتَّسَنَّهُ يَتَغَيَّرُ مَعَ طُولِ الزَّمَانِ وَالْهَاءُ قِيلَ أَضَلَّ بَيْنَ سَانَتَيْهِ وَقِيلَ لِلْمَسْكُتِ بَيْنَ
سَانَتَيْهِ وَفِي قِرَاءَةِ بِحَذْفِهَا وَانْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ كَيْفَ هُوَ فَرَأَاهُ مَيِّتًا وَعِظَامُهُ بَيْضٌ تَلَوُّحٌ فَعَلْنَا ذَلِكَ لِنَعْلَمَ
وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً عَلَى الْبَغِيِّ لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ بَيْنَ حِمَارِكَ كَيْفَ نُنْشِئُهَا نُخَيِّنُهَا بَضْمًا

النَّوْنِ وَقُرِئَ بِفَتْحِهَا مِنْ أَنْشَرٍ وَنَشَرَ لُغَتَانِ وَفِي قِرَاءَةِ بِضَمِّهَا وَالزَّايِ نُحَرَ كَيْفًا وَنَرَفَعُهَا تُمَكِّنُهَا الْحَمَّا
فَنَظَرَ إِلَيْهَا وَقَدْ تَرَكَبْتَ وَكُسِبَتْ لَحْمًا وَنُفِخَ فِيهِ الرُّوحُ وَنَمِقُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ذَلِكَ بِالشَّمَاخَةِ
قَالَ أَعْلَمُ عِلْمَهُ مُشَاعِدَةً أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَفِي قِرَاءَةِ إِغْلَمَ أَمْرٌ مِنَ اللَّهِ لَهُ وَ أَذْكَرُ
إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ تَعَالَى لَهُ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ بِشِدْرَتِي عَلَى الْإِحْيَاءِ سَأَلَهُ عَنْ عِلْمِهِ
بِإِيمَانِهِ بِذَلِكَ لِیُجِيبَ بِمَا قَالَ لَهُ فَيَعْلَمُ السَّابِعُونَ غَرَضَهُ قَالَ بَلَى أَمِنْتُ وَلَكِنْ سَأَلْتُكَ لِيُطْمَئِنَّ
يَسْكُنَ قَلْبِي بِالمَعَايِنَةِ الْمَضْمُونَةِ إِلَى الْإِسْتِدْلَالِ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ بِكُسْرِ
الْحَادِ وَضَمِّهَا أَبْلَهُنَّ إِلَيْكَ وَقَطِّعْنَهُنَّ وَاخْلُطْ لَحْمَهُنَّ وَرِيْسُهُنَّ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْ جِبَالِ أَرْضِكَ
قِمْنَهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ إِلَيْكَ يَأْتِيَنَّكَ سَعِيًّا ۝ وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ لَا يُعْجِزُهُ شَيْءٌ حَكِيمٌ ۝ فِي ضَنْعِهِ
فَأَخَذَ طَائِفًا مِنْهُمْ وَأَغْرَابَهُمْ وَفَعَلَ بِهِمْ مَا ذُكِرَ وَأَمْسَكَ رُءُوسَهُنَّ عِنْدَهُ وَدَعَا لَهُنَّ فَتَطَايَرَتْ
الْأَجْزَاءُ إِلَى بَعْضِهَا حَتَّى تَكْمُلَتْ ثُمَّ أَقْبَلَتْ إِلَى رُءُوسِهَا.

۲۵

ترجمہ: کیا تم نے اس شخص کے حال پر نظر نہیں کیا جس نے ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے بارے میں
مباحثہ کیا تھا؟ اس سبب سے کہ اللہ نے اس کو بادشاہت دے رکھی تھی، اللہ کی نعمتوں پر اترانے نے اس کو اس سرکشی (مباحثہ) پر
آمادہ کیا تھا اور وہ نمرود تھا، اس وقت جبکہ ابراہیم نے اس کے اس قول کے جواب میں کہ تیرا رب کون ہے؟ جس کی طرف دعوت
دیتا ہے؟ کہا تھا میرا رب تو وہی ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے یعنی موت و حیات کو جسموں میں پیدا کرتا ہے، وہ بولا
زندگی اور موت تو قتل اور معافی کے ذریعہ میں (بھی) دیتا ہوں اور اس نے دو آدمیوں کو بلایا ان میں سے ایک کو قتل کر دیا اور
دوسرے کو چھوڑ دیا۔ جب (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) اس کو بے وقوف پایا تو اس سے بھی زیادہ واضح حجت کی طرف انتقال
کرتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ (اچھا) اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس پر وہ
کافر و ننگ رہ گیا (یعنی) حیران و ششدر رہ گیا، اللہ تعالیٰ کفر کے ذریعہ ظلم کرنے والوں کو راہِ استدلال نہیں دکھاتا، یا (پھر) کیا
اس شخص (کے حال) پر نظر کی؟ کاف زائد ہے۔ جو ایک بستی پر کہ بستی وہ بیت المقدس تھی گدھے پر سوار ہو کر گزرا اور اس کے
ساتھ انجیر کی ایک ٹوکری تھی اور انگور کے شیرے کا ایک پیالہ تھا، اور وہ عزیر علیہ السلام تھے اور وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری ہوئی
تھی، اسلئے کہ اس کو بخت نصر نے برباد کر دیا تھا۔ تو اس نے کہا اس بستی (دالوں) کو ان کے مرنے کے بعد اللہ کس طرح زندہ
کرے گا؟ (حضرت عزیر نے) یہ بات اللہ کی قدرت کو عظیم سمجھتے ہوئے (تعجب کے طور پر) کہی تو اللہ نے اس کو موت دیدی
اور سو سال تک پڑا رکھا پھر اس کو زندہ کیا تا کہ اس کو احیاء کی کیفیت دکھائے، اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا تو (اس حالت میں)
کتنی مدت پڑا رہا تو اس نے کہا ایک دن یا اس کا کچھ حصہ رہا ہوں گا اسلئے کہ وہ بوقت صبح سویا تھا تو اس کی روح قبض کر لی گئی اور

غروب کے وقت زندہ کیا گیا تو اس نے سمجھا کہ یہ غروب سونے کے دن ہی کا ہے۔ فرمایا (نہیں) بلکہ تو سو سال تک رہا اب تو اپنے انجیر کو اور مشروب انگور کے رس کو دیکھ کہ وہ طولِ زمان کے باوجود خراب نہیں ہوا، کہا گیا ہے کہ (يَتَسَنَّه) میں (ہا) اصلی ہے، سَافَتْهُ سے مشتق ہے اور کہا گیا ہے کہ وقف کی ہے سَافَتْ سے ماخوذ ہے، اور ایک قراءت میں حذفِ ہا کے ساتھ ہے اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ کہ اس کی کیا حالت ہے تو اس کو مردہ دیکھا، اور اس کی ہڈیاں سفید چمکدار ہیں، ہم نے یہ اس وجہ سے کیا تا کہ تم کو (مشاہدہ) کے طور پر معلوم ہو جائے اور تا کہ ہم گھکھک لوگوں کے لئے بعثت پر نشانی بنادیں اور تو اپنے گدھے کی ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم ان کو کس طرح زندہ کر کے اٹھاتے ہیں (نُنشِزُهَا) نون کے ضمہ اور نون کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اَنْشَزَ اور نَشَزَ سے دو لغت ہیں اور ایک قراءت میں ضمہ نون اور زاء کے ساتھ ہے یعنی اس کو حرکت دیتے ہیں اور اٹھاتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں تو (حضرت عزیر علیہ السلام نے) ان ہڈیوں کو دیکھا دریاں حالیکہ وہ جڑ گئیں اور ان پر گوشت چڑھا دیا گیا اور ان میں روح پھونک دی گئی، اور وہ بولنے لگا، پھر جب یہ سب کچھ مشاہدہ کے طور پر ظاہر ہو گیا تو (حضرت عزیر علیہ السلام) کہہ اٹھے کہ مجھے (مشاہدہ سے) علم یقینی حاصل ہو گیا، کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے اور ایک قراءت میں اَعْلَمَ بِصِغَةِ امْرِی (یعنی) اللہ کی جانب سے ان کو دیکھ کر علم مشاہدہ حاصل کرنے کا حکم ہوا، اور اس واقعہ کو یاد کرو کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا؟ ان سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تم کو میری قدرت علیٰ الایہاء پر یقین نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے سوال کیا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کو ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کا علم تھا، تا کہ ابراہیم علیہ السلام اس کے سوال کا جواب دیں اور سامعین کو ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا مقصد معلوم ہو جائے، ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا ایمان تو ہے مگر میں نے آپ سے سوال کیا تا کہ مشاہدہ مع استدلال سے میرے قلب کو سکون ہو جائے، فرمایا چار پرندوں ان کے ٹکڑے کر ڈالو پھر ان کو اپنی طرف ہلاؤ صاد کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ یعنی ان کو اپنی طرف مائل کرو اور ان کے ٹکڑے کر کے ان کے گوشت اور پروں کو خَلَطَ مَلَطَ کر دو پھر اپنے علاقہ کے ہر پہاڑ پر ان میں سے تھوڑا تھوڑا رکھ دو پھر ان کو اپنی طرف آواز دو وہ تیری طرف تیزی سے آئیں گے اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے، اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور اپنی صنعت میں حکمتوں والا ہے چنانچہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام نے) ایک مور ایک کرگس ایک کوا ایک مرغالیا اور ان کے ساتھ مذکورہ معاملہ کیا اور ان کے سروں کو اپنے پاس رکھ لیا، پھر ان کو آواز دی تو بعض اجزاء بعض کی طرف اڑے حتیٰ کہ مکمل پرند ہو گئے پھر وہ اپنے سروں کی طرف متوجہ ہوئے۔

تَحْقِیْقِ شَرْکِیِّ لِسَمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: جَادَلْ، حَاجَّ کی تفسیر جَادَلْ سے کر کے بتا دیا کہ حَاجَّ بمعنی غَلَبَ فی الحجة نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے فَحَجَّ آدَمُ مُوسَى، آدَمُ علیہ السلام مُوسَى علیہ السلام پر غالب آ گئے۔ اس لئے کہ نمرود حجت میں ابراہیم پر غالب نہیں آیا تھا۔

قَوْلًا: اِنِّیْ حَمَلْتُهُ الْخ، اس میں اشارہ ہے کہ نمرود کی حجت بازی کا سبب اعطاء ملک تھا، اُنْ اَتَاهُ اللّٰهُ، الْمَلِکَ حَذَفَ لَام کے ساتھ مفعول لَا جَلَّہ ہے ای لَا نِ اَتَاہ اللّٰہ الْمَلِک۔

قَوْلًا: نُمِرُودُ، نَمِرُودُ بْنُ كِنَعَانَ، نُمِرُودُ نون اور ذال مجہم کے ضمہ کے ساتھ، (ترویح الارواح)، یہ ولد الزنا تھا سب سے پہلے تاج مکمل اپنے سر پر اسی نے رکھا تھا اور روئے زمین کا مالک ہوا نیز اس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا، دنیا میں چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جو روئے زمین کے مالک ہوئے ہیں ان میں سے دو مسلمان سلیمان و ذوالقرنین ۱؎ ہیں، اور دو کافر ہیں نمرود و بخت نصر۔

قَوْلًا: بَطَرُهُ، بَطَر کے معنی اترانے اور حد سے زیادہ بے جا فخر کرنے کے ہیں۔

قَوْلًا: اِذْ، بَدَلٌ مِنْ حَاجٍ، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: اِذْ ظَرْفِیۃ کا فعل سے بدل واقع ہونا درست نہیں ہے؟

جَوَاب: حَذَفَ فِعْلٌ مِثْلَ جَادَلٍ یَا خَاصَمَ سے بدلِ کل ہے اِذْ ظَرْفِیۃ کی طرف بدلیت کی نسبت فعل کے قائم مقام ہونے کی وجہ ہے۔

قَوْلًا: اِیْ یَخْلُقُ الْحَیَاةَ وَ الْمَوْتَ اس عبارت میں نمرود کے اعتراض کے فاسد ہونے کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ یُحْیِ وَ یُمِیْتُ سے مطلب اجسام میں موت و حیات کو پیدا کرنا ہے جو کہ نمرود سے ممکن نہیں تھا۔

قَوْلًا: تَحْیَیْرٌ وَ دَهْشٌ، بُهْتٌ، اِنْ اَفْعَالٌ مِیْنِ سَے ہے کہ جو مَنّی للمفعول استعمال ہوتے ہیں مگر معنی میں مَنّی للفاعل کے ہوتے ہیں، بُهْتٌ، کی تفسیر تَحْیَیْرٌ اور دَهْشٌ، سے کر کے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلًا: الْمَحْجَةُ، مِیْمٌ کے فتح کے ساتھ، کشادہ راستہ۔

قَوْلًا: مُنْتَقِلًا اِلَیْ حُجَّةٍ اَوْ ضَحٍ مِنْهَا، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال دو وجہ سے ہوا کرتا ہے اول دلیل میں فساد و نقص ہو حالانکہ نبی سے یہ ممکن نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اگر دلیل میں کوئی ابہام ہو تو اس کو واضح نہ کر سکے اور یہ بھی درست نہیں۔

جَوَاب: یہ انتقال مِنْ دَلِیْلِ اِلَیْ دَلِیْلِ آخِر، نہیں ہے بلکہ دلیل خفی سے دلیل جلی کی طرف انتقال ہے۔

قَوْلًا: اَوْ رَاَیْتَ کَالَّذِیْ، رَاَیْتَ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: اَوْ کَالَّذِیْ کا عطف کَالَّذِیْ حَاجٌّ پُر درست نہیں ہے اسلئے کہ جو عامل معطوف علیہ کا ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے معطوف علیہ کا عامل اِلَیْ، ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ کَالَّذِیْ کا عامل بھی، اِلَیْ، ہو، حالانکہ کاف پر الیٰ کا دخول جائز نہیں ہے کاف خواہ اسمیہ ہو یا حرفیہ۔

جَوَاب: یہ عطف مفرد علی المفرد نہیں ہے بلکہ عطف جملہ علی الجملہ ہے اور کَالَّذِیْ سے پہلے اَرَاَیْتَ محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے۔

قَوْلًا: بُخْت نَصْر، بُخْت بمعنی ابن اور نصر ایک بت کا نام ہے بُخْت نصر، کے معنی ہیں ابن الصنم اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب یہ پیدا ہوا تھا تو اس کی والدہ نے اس کو نصر بت کے پاس ڈال دیا تھا جس کی وجہ سے اس کا نام بُخْت نصر یعنی ابن الصنم مشہور ہو گیا۔ (صاوی)

قَوْلًا: لَمْ يَتَسَنَّه، ای لَمْ يَتَغَيَّرْ (تَفْعَل) سے مضارع واحد مذکر غائب، ساہا سال گزرنے کے باوجود خراب نہ ہوا، حمزہ اور کسائی نے ہاء کو ہاء سکتہ قرار دیتے ہوئے حالت وصل میں حذف ضروری قرار دیا ہے ان کے نزدیک اصل لفظ يَتَسَنَّہ ہے جس کی اصل يَتَسَنَّى تھی حالت جزم میں الف ساقط ہو کر يَتَسَنَّہ ہو گیا، اس قول کے مطابق یہ سَنَّة سے ماخوذ ہوگا، جس کی اصل سَنَوَة تھی ابو عمرو نے کہا تَسَنَّى (تَفْعَل) کی اصل تَسَنُّن تھی اور تَسَنُّن کے معنی ہیں تغیر۔ اسی مادہ سے حَمَا مَسْنُون ہے۔ بعض دیگر حضرات، ہاء کے اصل ہونے کے قائل ہیں جو کہ وقف اور وصل دونوں حالتوں میں باقی رہتی ہے اس قول پر بھی سَنَّة سے ماخوذ ہوگا مگر سَنَّة کی اصل سَنِيَّة تھی اسلئے کہ اس کی تصغیر سُنِيَّة آتی ہے۔

سُؤَال: لَمْ يَتَسَنَّه، کو مفرد لایا گیا ہے حالانکہ اس سے مراد طعام و شراب ہیں لہذا تثنیہ لانا چاہئے تھا۔

جَوَاب: طعام و شراب، بمنزلہ غذا، حکم میں مفرد کے ہیں اسلئے يَتَسَنَّه، کو مفرد لایا گیا ہے۔

قَوْلًا: فَعَلْنَا ذَلِكَ لِتَعْلَمَ.

سُؤَال: وَلِنَجْعَلَكَ، میں واؤ کیسا ہے؟ اگر عاطفہ ہے تو اس کا معطوف علیہ کیا ہے؟ حالانکہ ما قبل میں کوئی معطوف علیہ ایسا نہیں کہ اس کا اس پر عطف درست ہو۔

جَوَاب: بعض حضرات نے واؤ کو استینافیہ کہا ہے اور لام محذوف کے متعلق ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَعَلْنَا ذَلِكَ لِتَعْلَمَ اِيَّةٌ لِلنَّاسِ، لِتَعْلَمَكَ اصل میں لِأَنَّ نَجْعَلَكَ ہے جار اپنے مصدر تاویلی مجرور سے مل کر فعل محذوف کے متعلق ہے۔

سُؤَال: جَوَاب: جن حضرات نے واؤ عاطفہ مانا ہے تو انہوں نے فعل محذوف پر عطف کیا ہے جیسا کہ مفسر علام نے لِتَعْلَمَ معطوف علیہ مقدر مانا ہے اور وہ معطوف علیہ ایک دوسرے فعل مقدر سے جو کہ ماسبق سے مفہوم ہے، متعلق ہے اور وہ فَعَلْنَا ہے، تقدیر عبارت یہ ہے فَعَلْنَا ذَلِكَ لِتَعْلَمَ قَدَرْنَا عَلَى اَحْيَاءِ الْمَوْتَى.

قَوْلًا: نُنَشِّرُهَا، نون کے ضمہ اور راء مہملہ کے ساتھ انشاز (افعال) سے جمع متکلم، ہم کس طرح زندہ کر کے اٹھاتے ہیں اور راء مہملہ کی صورت میں نون کے فتح کے ساتھ (ن) سے بھی پڑھا گیا ہے۔ اور ایک قراءت میں نون کے ضمہ اور زائے مجمعہ کے ساتھ ہے ای نُحَرِّكُهَا وَنُفَعِّهَا، یعنی کس طرح حرکت دیتے ہیں اور اٹھاتے ہیں، مجازی معنی ہم کس طرح زندہ کرتے ہیں۔

حضرت عزیر علیہ السلام کو مشاہدہ اَحْيَاء سے قبل علم استدلالی حاصل تھا اور مشاہدہ کے بعد علم المشاہدہ حاصل ہوا، لہذا دونوں باتیں صحیح ہیں۔

قَوْلًا: فَيَعْلَمُ السَّامِعُونَ، حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سوال کی وجہ عدم یقین اور عدم ایمان نہیں تھا بلکہ مقصد یہ تھا کہ

۱۔ قدیم ترین زمانے سے آج تک تمام مشرک سوسائٹیوں کی مشترکہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو رب الارباب خدائے خداوندگان کی حیثیت سے تو مانتے ہیں مگر صرف اسی کو رب اور تنہا اسی کو خدا اور معبود نہیں مانتے۔

۲۔ خدائی کو مشرکین نے ہمیشہ دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک فوق الفطری خدائی جو سلسلہ اسباب پر حکمراں ہے اور جس کی طرف انسان اپنی حاجت اور مشکلات میں دستگیری کے لئے رجوع کرتا ہے، اس خدائی میں وہ اللہ کے ساتھ ارواح، فرشتوں اور جنوں اور سیاروں اور دوسری بہت سی ہستیوں کو شریک ٹھہراتے ہیں ان سے دعائیں مانگتے ہیں ان کے سامنے مراسم پرستش بجالاتے ہیں اور ان کے آستانوں پر نذر و نیاز پیش کرتے ہیں۔

دوسری تمدنی اور سیاسی معاملات کی خدائی (یعنی حاکمیت) ہے اس دوسری قسم کی خدائی کو دنیا کے تمام مشرکوں نے قریب قریب ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ سے سلب کر کے شاہی خاندانوں اور مذہبی پروہتوں اور سوسائٹی کے اگلے پچھلے بڑوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ اکثر شاہی خاندان اسی دوسرے معنی میں خدائی کے مدعی ہوئے ہیں اور اسے مستحکم کرنے کیلئے انہوں نے بالعموم پہلے معنی والے خداؤں کی اولاد ہونیکا دعویٰ کیا ہے اور مذہبی طبقے اس معاملہ میں ان کے ساتھ شریک سازش رہے ہیں مثلاً جاپان کا شاہی خاندان اسی معنی کے اعتبار سے خود کو خدا کا اوتار کہتا ہے اور جاپانی ان کو خدا کا نمائندہ سمجھتے ہیں۔

۳۔ نمرود کا دعوائے خدائی بھی اسی دوسری قسم کا تھا وہ خدا کے وجود کا منکر نہ تھا اس کا دعویٰ یہ نہ تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور پوری کائنات کا مدبر میں ہوں، بلکہ اس کا دعویٰ یہ تھا کہ ابن ملک عراق کا اور اس کے باشندوں کا حاکم مطلق میں ہوں میری زبان قانون ہے میرے اوپر کوئی بالاتر اقتدار نہیں ہے جس کے سامنے میں جواب دہ ہوں، اور عراق کا ہر وہ باشندہ باغی اور غدار ہے جو اس حیثیت سے مجھے اپنا رب نہ مانے یا میرے سوا کسی اور کو رب تسلیم کر لے۔ نمرود کو اس خداداد سلطنت کی وسعت ہی نے اتنا دلیر، سرکش اور برخود غلط بنا رکھا تھا کہ دعوائے خدائی کر بیٹھا روایات یہود میں یہاں تک تصریح ملتی ہے کہ اس نے اپنے لئے ایک عرش الہی بنا رکھا تھا جس پر بیٹھ کر اجلاس کرتا تھا (ملاحظہ ہو گینسر ہوگ کی حکایات یہود)۔

۴۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب کہا کہ میں صرف ایک رب العالمین کو خدا، معبود، اور رب مانتا ہوں اور اس کے سوا سب کی خدائی اور ربوبیت کا منکر ہوں تو سوال صرف یہی نہیں پیدا ہوا کہ قومی مذہب اور مذہبی معبودوں کے بارے میں ان کا یہ نیا عقیدہ کہاں تک قابل برداشت ہے بلکہ یہ سوال بھی اٹھ کھڑا ہوا کہ قومی ریاست اور اس کے مرکزی اقتدار پر اس عقیدے کی جو زد پڑی ہے اسے کیونکر نظر انداز کیا جاسکتا ہے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جرم بغاوت کے الزام میں نمرود کے سامنے پیش کئے گئے۔

نمرود نے داعی توحید (ابراہیم علیہ السلام) کو چیلنج دے کر پوچھا کہ وہ کونسا خدا ہے کہ جس کی طرف تم دعوت دے رہے ہو ذرا میں بھی تو اس کے اوصاف سنوں، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا ”رَبِّیَ الَّذِیْ یُحِیْیْ وَیُمِیْتُ“ یعنی حیات و موت کی ساری قوتیں اسی کے ہاتھ میں ہیں، وہ سارے نظام و ربوبیت کا سرچشمہ ہے کائنات حیاتی کی فنا اور بقا کے سارے قانون اور ضابطے آخر میں اسی پر جا کر ٹھہرتے ہیں۔ کسی بندے میں یہ طاقت نہیں کہ اس نظام حیاتی کو بدل سکے اس میں کوئی ادنیٰ تصرف کر

دکھائے، اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جواب کے اس پہلے ہی فقرے سے یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ اب، اللہ کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، تاہم نمرود اس کا جواب ڈھٹائی سے دے گیا اور دو واجب القتل مجرموں کو بلایا اور ایک کو معاف کر دیا اور دوسرے کو قتل کر دیا اور کہہ دیا ”اَنَا اُحْيِيْ وَ اُمِيْتُ“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے استدلال وہی قائم رکھا صرف مخاطب کی ذہنی سطح کا لحاظ رکھتے ہوئے دوسری مثال پیش کر دی اور فرمایا اچھا کائنات حیات نہ ہی کائنات طبعی ہی کے خدائی نظام میں ایک ادنیٰ تصرف کر کے دکھاؤ نمرود سورج دیوتا کا خود کو اوتار کہتا تھا اور سورج کے خدائے اعظم ہونے کا قائل تھا اس کے عقیدہ کے ابطال و تردید میں سورج ہی کی مثال پیش کی، ”قَالَ اِبْرَاهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يٰٓاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأَنْتَ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کس قدر بہترین گرفت فرمائی!!

اس استدلال کا نمرود ڈھٹائی سے بھی جواب نہ دے سکا، اس لیے کہ وہ خود ہی جانتا تھا کہ آفتاب و ماہتاب اسی خدا کے زیر فرمان ہیں جس کو ابراہیم علیہ السلام رب مانتا ہے، مگر اس طرح جو حقیقت اس کے سامنے بے بقائے ہو رہی تھی اس کو تسلیم کر لینے کے معنی اپنی مطلق العنان فرمانروائی سے دست بردار ہو جانے کے تھے، جس کے لیے اس کے نفس کا طاغوت تیار نہ تھا لہذا وہ ششدر ہی ہو کر رہ گیا، خود پرستی کی تاریکی سے حق پرستی کی روشنی میں نہ آیا۔

تلمود کا بیان ہے کہ اس کے بعد نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام قید کر دیئے گئے دس روز تک وہ جیل میں رہے، پھر بادشاہ کی کونسل نے ان کو زندہ جلانے کا فیصلہ کیا اور ان کو آگ میں پھینکے جانے کا واقعہ پیش آیا جو سورۃ انبیاء، عنکبوت اور سورۃ الصافات میں بیان ہوا ہے۔

اَوْ كَا الَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ اَيَّتْ كَالَّذِي حَاجَّ اِبْرَاهِيْمَ اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ اور زختری، بیضاوی وغیرہ نے تقدیر ”اَرَيْتَ مِثْلَ الَّذِي مَرَّ الْخ“ نکالی ہے اور اسی کو ترجیح دی ہے۔

قرآن عزیز اور حضرت عزیر علیہ السلام:

قرآن عزیز میں حضرت عزیر (علیہ السلام) کا نام صرف ایک جگہ سورۃ توبہ میں مذکور ہے، اور اس میں بھی صرف یہ کہا گیا ہے کہ یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں جس طرح کہ نصاریٰ عیسیٰ (علیہ السلام) کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، اس ایک جگہ کے سوا قرآن میں اور کسی مقام پر ان کا نام لے کر ان کے حالات و واقعات کا تذکرہ نہیں ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتِلْهُمْ اللّٰهُ اَنّٰی يُؤَفِّكُوْنَ. (سورۃ توبہ)

اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کی باتیں ہیں محض ان کی زبانوں سے نکالی ہوئی،

ان لوگوں نے بھی ان ہی کی سی بات کہی جو اس سے پہلے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں ان پر اللہ کی لعنت یہ کدھر بھٹکے جارہے ہیں۔

قرآن میں مذکور ایک واقعہ:

البتہ مذکورہ آیت میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک برگزیدہ بستی کا اپنے گدھے پر سوار ایک ایسی بستی سے گذر ہوا جو بالکل تباہ و برباد ہو کر کھنڈر ہو چکی تھی وہاں نہ کوئی مکان تھا اور نہ مکین، ان بزرگ نے جب یہ دیکھا تو تعجب اور حیرت سے کہا ایسا کھنڈر اور تباہ حال ویرانہ پھر کیسے آباد ہوگا؟ اور یہ مردہ بستی کس طرح دوبارہ زندگی اختیار کرے گی؟ یہاں تو بظاہر کوئی بھی ایسا سبب نظر نہیں آتا، یہ بزرگ ابھی اسی فکر میں غرق تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی جگہ ان کی روح قبض کر لی اور سو برس تک اسی حالت میں ڈالے رکھا، یہ مدت گذر جانے کے بعد ان کو دوبارہ زندگی بخشی، تب ان سے کہا بتاؤ! کتنے عرصہ اس حالت میں رہے؟ وہ جب موت کی آغوش میں سوئے تھے تو دن چڑھنے کا وقت تھا، اور جب دوبارہ زندگی پائی تو غروب آفتاب کا وقت تھا، اس لیے انہوں نے جواب دیا ایک دن یا چند گھنٹے۔ اللہ نے فرمایا ایسا نہیں ہے، بلکہ تم سو برس تک اسی حالت میں رہے، اور اب تمہارے تعجب اور حیرت کا یہ جواب ہے کہ تم ایک طرف اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ ان میں مطلق کوئی تغیر نہیں آیا، اور دوسری جانب اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کا جسم گل سٹر کر صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا ہے، اور پھر ہماری قدرت کا اندازہ کرو کہ جس چیز کو چاہا کہ محفوظ رہے تو سو برس کے اس طویل عرصہ میں کسی بھی اس پر موسمی تغیرات نے اثر نہ کیا اور محفوظ و سالم رہی اور جس کے بارے میں ارادہ کیا کہ گل سٹر جائے وہ گل سٹر گئی اور اب تمہاری آنکھوں کے دیکھتے ہی ہم اس کو دوبارہ زندگی بخش دیتے ہیں، اور یہ سب کچھ اس لیے کیا تا کہ ہم تم کو اور تمہارے واقعہ کو لوگوں کیلئے نشانِ قدرت بنادیں اور تم یقین کے ساتھ ساتھ عینی مشاہدہ بھی کر لو۔ تب انہوں نے اظہارِ عبودیت کے بعد یہ اقرار کیا کہ بلاشبہ تیری قدرت کاملہ کے لیے یہ سب کچھ آسان ہے اور مجھ کو علم یقین کے بعد عین یقین کا درجہ ہو حاصل ہو گیا۔

اَوْ كَا لَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ (الایہ) ان آیات کی تفسیر میں یہ سوال پیدا ہوتا کہ وہ بزرگ شخص کون تھا جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تو اس کے جواب میں مشہور قول یہ ہے کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا کہ تم یروشلم جاؤ۔ ہم اس کو دوبارہ آباد کر دیں گے جب یہ وہاں پہنچے اور شہر کو تباہ اور برباد پایا تو بر بنائے بشریت یہ کہہ اٹھے کہ اس مردہ بستی کو دوبارہ کیسے زندگی ملے گی؟ ان کا یہ قول بہ شکل انکار نہ تھا بلکہ تعجب اور حیرت کے ساتھ ان اسباب کے متلاشی تھے جن کے ذریعہ سے اللہ اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا تھا، لیکن اللہ کو اپنے برگزیدہ بندے اور نبی کی یہ بات بھی پسند نہیں آئی کیونکہ ان کے لیے یہ کافی تھا کہ خدا نے دوبارہ اس بستی کی زندگی کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ان کے ساتھ وہ معاملہ پیش آیا جو مذکورہ بالا سطور میں بیان ہوا، اور جب وہ زندہ کئے گئے تو یروشلم (بیت المقدس) آباد ہو چکا تھا۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس حضرت عبداللہ بن سلام اور قتادہ، سلیمان، حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا رجحان اسی جانب ہے کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام سے متعلق ہے۔

(تفسیر ابن کثیر)

اور وہب بن منبہ اور عبد اللہ بن عبید کا اور ایک روایت میں عبد اللہ بن سلام کا قول یہ ہے کہ یہ شخص حضرت ارمیاء (یرمیاہ) نبی تھے، ابن جریر طبری نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (تفسیر و تاریخ ابن کثیر)

تاریخی بحث:

اور یہ اس لیے کہ جب قرآن عزیز نے اس ہستی کا نام ذکر نہیں کیا اور نبی ﷺ سے بھی اس سلسلہ میں کوئی صحیح روایت موجود نہیں ہے اور صحابہ و تابعین سے جو آثار منقول ہیں ان کا ماخذ بھی وہ روایات و اقوال ہیں جو وہب بن منبہ، کعب احبار اور حضرت عبد اللہ بن سلام تک پہنچتے ہیں جو کہ اسرائیلی روایات و واقعات سے منقول ہیں۔ اب واقعہ سے متعلق شخصیت کی تحقیق کے لیے صرف ایک ہی راہ باقی رہ جاتی ہے کہ تورات اور تاریخی مصادر سے اس کو حل کیا جائے، مجموعہ تورات کے صحائف انبیاء اور تاریخی بیانات پر غور کرنے سے یہ تفصیلات سامنے آتی ہیں کہ یہ واقعہ حضرت یرمیاہ نبی سے متعلق ہے مزید تفصیل کے لیے نقص القرآن مصنفہ حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔

مَثَلُ صِنْفَةِ نَفَقَاتِ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَى طَاعَتِهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِي كُلِّ سَنَابِلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ فَكَذَلِكَ نَفَقَاتُهُمْ تَنْتَضِعُ بِسَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَاللَّهُ يُضَعِفُ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ فَضْلُهُ عَلِيمٌ ۝۱۱۱ بِمَنْ يَنْتَحِقُ الْمُضَاعَفَةُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يَتَّبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا عَلَى الْمُنْفِقِ عَلَيْهِ بِقَوْلِهِمْ مَثَلًا قَدْ أَحْسَنْتَ إِلَيْهِ وَجَبَرْتَ حَالَهُ وَلَا أَدْرِي لَهُ بِذِكْرِ ذَلِكَ إِلَى مَنْ لَا يُحِبُّ وَقُوفَهُ عَلَيْهِ وَنَحْوِ ذَلِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ ثَوَابُ إِنْفَائِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝۱۱۲ فِى الْآخِرَةِ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ كَلَامٌ حَسَنٌ وَرَدُّ عَلَى السَّائِلِ جَمِيلٌ وَمَغْفِرَةٌ لِمَنْ لَمْ يَحَاجْهِ خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذًى بِالْمَنْ وَتَغْيِيرُ لَهُ بِالسُّؤَالِ وَاللَّهُ غَنِيٌّ عَنِ صَدَقَةِ الْعِبَادِ حَلِيمٌ ۝۱۱۳ بِتَاخِيرِ الْعُقُوبَةِ عَنِ الْمَانَ وَالْمُؤَذَى يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ أَى أَجُورُهَا بِالْمَنْ وَالْأَذَى إِنْطِلَالًا كَالَّذِى أَى كَانِطَالِ نَفَقَةِ الَّذِى يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ مُرَائِيَالِهِمْ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَهُوَ الْمُنَافِقُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ خَجَرَ أَمْلَسَ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاصَابَهُ وَأَبْلٌ مَطَرٌ شَدِيدٌ فَتَرَكَهُ صُلْدًا صُلْبًا أَمْلَسَ لِأَشْيَاءٍ عَلَيْهِ لَا يَقْدِرُونَ اسْتِيفَاتٍ لِبَيَانِ مَثَلِ الْمُنَافِقِ الْمُنْفِقِ رِيَاءً وَجَمْعُ الضَّمِيرِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الَّذِى عَلَى شَيْءٍ مِمَّا كَسَبُوا عَمِلُوا أَى لَا يَجِدُونَ لَهُ ثَوَابًا فِى الْآخِرَةِ كَمَا لَا يُوجَدُ عَلَى الصَّفْوَانِ شَيْءٌ مِنَ التُّرَابِ الَّذِى كَانَ عَلَيْهِ لِإِذْهَابِ الْمَطَرِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝۱۱۴ وَمَثَلُ نَفَقَاتِ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ طَلَبِ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْيِئًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ أَى تَحْقِيقًا لِلثَّوَابِ عَلَيْهِ بِخِلَافِ الْمُنَافِقِينَ

الذین لا یزجونہ لانکارِہِمْ لَہُ وَمِنْ اِبْتِدَائِیَّةٍ کَمَثَلِ جَنَّةٍ بُسْتَانٍ بِرَبْوَةٍ بِحِثِّہِ الرِّاءِ وَفَتْحِہَا مَکَانَ مُرْتَفِعٍ
مَسْتَوٍ اَصَابَہَا وَاِبِلٌ فَاتَتْ اَعْطَتْ اُکْلَہَا بِحِثِّہِ الکافِ وَسُکُونِہَا ثَمَرُہَا ضِعْفِیْنِ بِشَلِّی مَّا یُثْمِرُ غَیْرِہَا
فَإِنْ لَمْ یُصِبْہَا وَاِبِلٌ قَطْلٌ مَطَرٌ خَفِیْتُ یُحْصِیْہَا وَیُکْفِیْہَا لِارْتِفَاعِہَا الْمَعْنٰی تُثْمِرُ وَتَزْکُو کَثْرَ الْمَطَرِ اَمْ قَلَّ
فَکَذٰلِکَ تَفَقَّاتُ مَنْ ذُکِرَ تَزْکُو عِنْدَ اللّٰہِ کَثُرَتْ اَمْ قَلَّتْ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝۱۵ فِیْجَازِیْکُمْ بِہِ اَیُّوْدُ اَیْجَبُ
اَحَدُکُمْ اَنْ تَکُوْنَ لَہُ جَنَّةٌ بُسْتَانٌ مِّنْ نَّحِیْلِ وَّاَعْنَابٍ تَجْرٰی مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْهٰرُ لَہُ فِیْہَا مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَہُ الْکِبَرُ
فَضَعُفٌ عَنِ الْکَسْبِ وَلَہُ ذُرِّیَّةٌ ضِعْفًا ۝۱۶ اَوْلَادٌ صِغَارٌ لَا یَقْدِرُوْنَ عَلَیْہِ فَاَصَابَہَا اَعْصَارٌ رِّیْحٌ شَدِیْدَةٌ
فِیْہِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ فَفَقَدَہَا اَحْوَجُ مَّا کَانَ اِلَیْہَا وَبَقِیَ هُوَ وَاَوْلَادُہُ عَجَزَةٌ مُّتَحِیْرِیْنَ لَا حِیْلَ لَہُمْ وَهٰذَا تَمَثِیْلٌ
لِلسَّفَقَةِ الْمُرَائِی وَالْمَنَانِ فِی ذِہَابِہَا وَعَدَمِ نَفْعِہَا اَحْوَجُ مَا یَکُوْنُ اِلَیْہَا فِی الْاٰخِرَةِ وَالِاسْتِفْہَامُ بِمَعْنٰی النَّفْیِ
وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ هُوَ لِرَجُلٍ عَمِلَ بِالطَّاعَاتِ ثُمَّ بُعِثَ لَہُ الشَّیْطَانُ فَعَمِلَ بِالْمَعَاصِی حَتّٰی اَغْرَقَ اَعْمَالُہُ
کَذٰلِکَ کَمَا بَیِّنَ مَا ذُکِرَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۷ فَتَعْتَبِرُوْنَ۔

۴۳۹

تَرْجُمہ: جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کے راستہ میں یعنی اس کی اطاعت میں صرف کرتے ہیں ان کے مال کی مثال
ایسی ہے جیسے ایک دانہ کہ اس سے سات بالیاں اُگیں اور ہر بالی میں سودا نے ہوں، اسی طرح ان کا (راہ خدا) میں صرف کیا ہوا
مال سات سو گنا افزوں ہوتا ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے اس سے بھی زیادہ دیتا ہے اور اللہ کا فضل بڑا وسیع ہے (اور) وہ اس بات
سے واقف بھی ہے کہ افزونی کا کون مستحق ہے؟ جو لوگ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد جس پر خرچ
کیا ہے مثلاً یہ کہہ کر احسان نہیں جتاتے کہ میں نے اس کے ساتھ احسان کیا اور میں نے اس کی (خستہ) حالت سدھار دی اور نہ
اس کو تکلیف پہنچاتے ہیں اس احسان کا اس شخص کے سامنے تذکرہ کر کے کہ جس کا واقف ہونا یہ شخص پسند نہیں کرتا، (علی ہذا
القیاس) ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے، یعنی ان کے خرچ کا ثواب اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ایک
میٹھا بول (اچھی بات) اور سائل کو اچھا جواب دینا اور اس کے اصرار کو نظر انداز کرنا اس خیرات سے بہتر ہے کہ جس کے پیچھے
احسان جتلا کر اور سوال پر عارہ اگر ایذا رسانی کی ہو، اور اللہ بندوں کے صدقے سے بے نیاز ہے اور احسان جتلانے والے اور
تکلیف پہنچانے والے کی سزا کو مؤخر کر کے بردبار ہے۔ اے ایمان والو تم اپنے صدقات کو یعنی ان کے ثواب کو احسان جتلا کر
اور تکلیف پہنچا کر اس شخص کے مانند ضائع نہ کرو۔ یعنی اس شخص کے صدقہ کے ضائع کرنے کے مانند کہ جو اپنے مال کو لوگوں کو
دکانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا حال یہ کہ وہ منافق ہے۔ اس کی مثال اس چکنے پتھر کی
ہے کہ جس پر مٹی پڑی ہو۔ اور اس پر زور کی بارش ہو سو اس کو بالکل صاف کر کے رکھ دے کہ اس پر کچھ باقی نہ رہے۔ (ایسے
لوگ) کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے اپنی کمائی (صدقات) سے، یہ جملہ مستانفہ ہے ریاکاری کے طور پر خرچ کرنے والے منافق

کی مثال بیان کرنے کے لیے۔ اور (لایققدرون) کو جمع لایا گیا ہے الٰذنی کے معنی کی رعایت کرتے ہوئے۔ یعنی آخرت میں عمل خیر کا ثواب نہ پائیں گے جیسا کہ چکنے پتھر پر اس مٹی میں سے کچھ باقی نہیں رہتا جو اس پر تھی، بارش کے اس مٹی کو بہا لے جانے کی وجہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ ہدایت نہ دکھائیگا اور ان لوگوں کے لیے (راہ خدا میں) خرچ کرنے کی مثال جو اپنے مالوں کو محض اللہ کی رضا جوئی کے لیے دل کے پورے ثبات (وقرار) کے ساتھ خرچ کرتے ہیں یعنی اس پر ثواب حاصل کرنے کے لیے، بخلاف منافقین کے کہ وہ ثواب کی توقع نہیں رکھتے ان کے ثواب کے منکر ہونے کی وجہ سے اور من ابتدائیہ ہے، اس باغ کی ہے جو بلند سطح پر ہو (رُبُوَّة) میں راء کے ضمہ اور فتح کے ساتھ۔ وہ جگہ جو مرتفع اور مستوی ہو۔ اور اس پر زور دار بارش ہوئی ہو جس کی وجہ سے اس (باغ) نے دوسرے باغوں کے پھل دینے کے مقابلہ میں دو گنا پھل دیا ہو۔ اُکُلُہا۔ میں کاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ۔ (مراد) اس کے پھل ہیں اور اگر اس پر زور دار بارش نہ بھی ہو تو ہلکی ہی کافی ہے۔ یعنی اگر ہلکی بارش بھی اس پر ہو جائے تو اس کے بلند مقام پر ہونے کی وجہ سے وہی کافی ہو جاتی ہے، مطلب یہ کہ اس میں پھل آتے ہیں اور بڑھتے ہیں بارش خواہ زیادہ ہو یا کم ہو۔ اسی طرح مذکورین کے صدقات عند اللہ زیادہ ہوتے ہیں اور بڑھتے ہیں خواہ وہ صدقات کم ہوں یا زیادہ۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس پر نظر رکھے ہوئے ہے، لہذا وہ تم کو اس کی جزاء دے گا۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں کا اور انگوروں کا ہو جس کے تحت نہریں بہتی ہوں اور اس کے لیے اس باغ میں اور بھی بر قسم کے میوے ہوں اور اس کا بڑھا پا آچکا ہو جس کی وجہ سے وہ کمانے میں کمزور پڑ گیا ہو۔ اور اس کے کمزور کم سن بچے ہوں جو کمانے پر قادر نہ ہوں۔ اس باغ پر ایک گولہ آئے (یعنی) شدید آندھی، کہ جس میں آگ ہو، جس کی وجہ سے وہ (باغ) جل جائے سو اس نے باغ کو اس وقت کھویا ہو کہ جب وہ آخرت میں اس کا سخت محتاج ہو۔ اور وہ اور اس کے بچے عاجز متحیر رہ گئے ہوں کہ ان کے لیے (گذر بسر کرنے کی) اور کوئی صورت نہ ہو۔ یہ ریاکار اور احسان جتلانے والے کی تمثیل ہے اس کے ضائع ہونے اور اس کے نفع نہ پہنچانے میں ایسے وقت میں جب کہ (وہ ریاکار) آخرت میں اس (کے ثواب) کا شدید محتاج ہو۔ اور استفہام نفی کے معنی میں ہے، اور ابن عباس رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے منقول ہے کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے نیک اعمال کئے۔ پھر اس پر شیطان مسلط کر دیا گیا تو اس نے معصیت کے عمل شروع کر دیئے یہاں تک کہ اس نے اپنے اعمال کو غرق (ضائع) کر دیا۔ اللہ تمہارے لیے اسی طرح جس طرح بیان کی گئیں کھول کر نشانیاں بیان کرتا ہے تاکہ تم اس میں غور و فکر کرو اور عبرت حاصل کرو۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْلِ تَفْسِيْرِي فَوَائِدِ

مَثَلُ مضاف الٰذِنِ موصول، يُنْفِقُوْنَ اَمَوَالَهُمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ جملہ ہو کر صلہ، صلہ موصول سے مل کر مثال کا مضاف الیہ، مضاف الیہ سے مل کر مبتداء (کَمَثَلِ حَبَّةٍ) حَبَّةٌ موصوف ہے اَنْبَتَتِ النخ جملہ ہو کر صفت ہے

موصوف صفت سے مل کر محذوف کے متعلق ہو کر مبتداء کی خبر ہے۔ مفسر علام نے صفة، کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ مثل بمعنی مثال نہیں ہے بلکہ بمعنی صفت ہے۔

سُؤَال: نفقات کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جَوَاب: الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ مشبہ ہے اور کاف حرف تشبیہ ہے اور مثل حبة الخ مشبہ بہ ہے مشبہ اور مشبہ بہ میں موافقت نہ ہونے کی وجہ سے تشبیہ درست نہیں ہے اس لیے کہ مشبہ بہ (الذین ینفقون) از قبیل حیوانات ہے اور مشبہ (حبة) از قبیل جمادات ہے لہذا تشبیہ مناسب نہیں ہے، اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مشبہ کی جانب حذف مانا جائے جیسا کہ مفسر علام نے لفظ نفقات محذوف مانا ہے، اب تقدیر عبارت یہ ہوگی، مَثَلُ نَفَقَةِ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ كَمَثَلِ حَبَّةِ أَنْبَتِ الْخ. دوسرا جواب یہ ہے کہ مشبہ بہ کی جانب حذف مانا جائے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، مَثَلُ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ الْخ كَمَثَلِ زَارِعِ حَبَّةٍ.

قَوْلُهُ: أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ اس حذف سے اشارہ کر دیا کہ يُضْعَفُ کا مفعول محذوف ہے۔

سُؤَال: مُضَاعَفَتِ تَوَابِلِ سے مفہوم ہو رہی ہے دوبارہ ذکر کرنے سے تکرار معلوم ہوتا ہے اس کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ کا اضافہ کر کے اس سوال کا جواب دیا ہے یعنی ماضی سے جو مفہوم ہو رہا ہے اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں گے۔

قَوْلُهُ: قَوْلٌ مَعْرُوفٌ، موصوف صفت سے ملکر معطوف علیہ اور مغفرة معطوف، معطوف معطوف علیہ سے ملکر مبتداء خَيْرٌ مِنْ صَدَقَةِ الْخ خبر۔

سُؤَال: خَيْرٌ نکرہ ہے اس کا مبتداء بننا کیسے درست ہے؟

جَوَاب: چونکہ اس کا معطوف علیہ معرفہ ہے جس کی وجہ سے معطوف کا مبتداء بننا درست ہو گیا۔

سُؤَال: معطوف علیہ قَوْلٌ ہے جو کہ نکرہ ہے اس کا خود مبتداء بننا صحیح نہیں ہے؟

جَوَاب: جب نکرہ موصوفہ بالصفة ہو تو اس کا مبتداء بننا صحیح ہوتا ہے، قَوْلٌ موصوف صفت ہے لہذا اس کا مبتداء واقع ہونا درست ہو گیا۔

قَوْلُهُ: اِیْ اُجُورَهَا.

سُؤَال: اُجُور مضاف محذوف ماننے کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: نفس صدقہ یعنی مال صدقہ کے باطل ہونے کا کوئی مفہوم نہیں ہے اس لیے کہ احسان جتانے یا اذیت پہنچانے سے مال صدقہ ضائع اور باطل نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا اجر و ثواب ضائع ہو جاتا ہے اسی شبہ کو رفع کرنے کے لیے اُجُورَهَا کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُهُ: جَمْعُ الضَّمِيرِ بِاعْتِبَارِ مَعْنَى الذِّی: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُئِلَ: یَقْدِرُونَ، کی ضمیر، الَّذِی یَنْفِقُ کی طرف راجع ہے جو کہ مفرد ہے اور یَقْدِرُونَ میں ضمیر جمع ہے۔
جَوَابُ: الَّذِی، اگرچہ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے مگر معنی کے اعتبار سے جمع ہے، کمافی قول الشاعر۔

وَإِنَّ الَّذِي حَانَتْ بَفْلَجٍ دِمَاؤُهُمْ هُمُ الْقَوْمُ كُلُّ الْقَوْمِ
 فُلَج، بصرہ میں ایک مقام کا نام ہے، وہ شخص جس کا خون مقام فُلَج میں ضائع ہو گیا درحقیقت وہی پوری قوم کے قائم مقام تھا،
 مقام استشہاد، ہُمْ ضمیر ہے جو کہ الَّذِی کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُهُ: نَفَقَاتٍ یہاں بھی حذف مضاف کی وجہ مشبہ اور مشبہ بہ میں موافقت پیدا کرنا ہے کما مرّ قریباً۔
قَوْلُهُ: اَعْطَتْ، اَتْت، کی تفسیر اعطت سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اتت ایتاء سے ہے نہ کہ ایتان سے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

السُّبْلَةُ، خوشہ، بالی، مشہور و معروف شئی ہے جو کہ گندم وغیرہ میں نکلتی ہے، اس کا وزن فُتْعَلَّةٌ، ہے، نون زائدہ ہے اَسْبَلُ الزَّرْعُ اس وقت بولتے ہیں جب کھیتی میں بال نکل آتی ہے اور بعض حضرات نے سنبل سے مشتق مان کی نون کو اصلی بھی کہا ہے۔
 مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ (الآیۃ) اس آیت میں تشبیہ تمثیل ہے (یعنی تشبیہ مرکب) اس میں مُنْفِقِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ کے نفقہ کو مضاعفت میں دانہ گندم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے، یعنی جس طرح ایک دانہ سے بہت سی بالیں اور ہر بال میں سینکڑوں دانے پیدا ہوتے ہیں اسی طرح اخلاص کے ساتھ راہ خدا میں خرچ کرنے والے کا اجر و ثواب اضعافاً مضاعفہ ہوتا ہے، وجہ تشبیہ مضاعفت ہے، تشبیہ تمثیلی یا تشبیہ مرکب میں وجہ تشبیہ متعدد چیزوں سے اخذ کی جاتی ہے، اخلاص و ایمان کے ساتھ راہ خدا میں خرچ کرنا مشبہ ہے جو کہ مرکب ہے اور خوشہ گندم جس میں دانے زیادہ ہوں مشبہ بہ ہے یہ بھی مرکب ہے لہذا مذکورہ آیت میں تشبیہ مرکب ہے جس میں تشبیہ کے چاروں رکن مذکور ہیں، مشبہ، مشبہ بہ، وجہ شبہ، اور حرف تشبیہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ (الآیۃ) اس آیت میں بھی تشبیہ مرکب ہے۔ ریا کاری کے طور پر خرچ کرنے والے کی کیفیت کو اس صاف اور چکنے پتھر کی کیفیت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جس پر ریت پڑا ہو اور زوردار بارش میں وہ ریت مٹی بہہ کر صاف ہو جائے جس طرح یہ پتھر بارش کی وجہ سے صاف ہو گیا اسی طرح اس شخص کے نفاق کی وجہ سے اس کے انفاق کا اجر و ثواب بھی ضائع ہو گیا۔

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ (الآیۃ) اس آیت میں بھی تشبیہ مرکب ہے اس لیے کہ اخلاص کیساتھ اور رضا الہی کے لیے راہ خدا میں خرچ کرنے والے کو اس باغ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو بلندی پر ہو اور جس میں ہر حال میں پھل بکثرت آئیں خواہ بارش زیادہ ہو یا کم۔

قَوْلُهُ: نَخِيلٌ کہا گیا ہے کہ یہ اسم جمع ہے اس کا واحد نخلة ہے، اور کہا گیا ہے کہ نخل کی جمع ہے اور نخل اسم جنس ہے۔

قَوْلًا: اِعْصَارًا، تیز آندھی، بگولہ، لُو یا پالے والی ہوا، جو درختوں کو اپنی سمیت کیوجہ سے جھلس دے۔

اَيُّوَدَ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيْلٍ (الآية) اس آیت میں تشبیہ تمثیل (تشبیہ مرکب) استعمال ہوئی، مشبہ بہ ایک ایسا شخص ہے کہ جس نے زندگی بھر آبیاری کر کے ایک عمدہ باغ تیار کیا ہو جس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اس کے پاس گنذر و بسر کرنے کا صرف وہی واحد ذریعہ ہو اور یہ شخص پڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا ہو ضعف و نقاہت کی وجہ سے کسب کرنے کی طاقت بھی نہ رہی ہو اور اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں وہ بچے اس کا سہارا تو کیا بنتے اٹھے اس کے لیے بوجھ بنے ہوئے ہوں، ایسی صورت میں اس باغ پر کوئی بلائے آسمانی آپڑے جو اس باغ کو جلا کر خاکستر کر دے تو اس شخص کو کس قدر حسرت و یاس ہوگی، یہی حال قیامت کے دن اس ریاکار خرچ کرنے والے کا ہوگا کہ نفاق و ریاکاری کی وجہ سے اس کے سارے اعمال اکارت ہو جائیں گے جب کہ وہاں نیکیوں کی شدید ضرورت ہوگی اور دوبارہ اعمال خیر کرنے کی مہلت و فرصت بھی نہ ہوگی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہارا بھی یہی حال ہو؟۔

باغ والے کے حالات سے جو کیفیت منترع ہوتی ہے وہ مشبہ بہ ہے اور قیامت کے دن ایک ریاکار کی جو حالت ہوگی اس سے جو کیفیت منترع ہوتی ہے وہ مشبہ ہے، اس تمثیل میں مشبہ بہ مذکور ہے اور مشبہ محذوف ہے، اَيُّوَدُ، میں استفہام نفی وقوع کے لیے ہے نہ کہ نفی واقع کے لیے۔

تَفْسِيْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ (الآية) یہ انفاق فی سبیل اللہ کی فضیلت کا بیان ہے۔
ثُمَّ لَا يُتَّبَعُوْنَ مَا اَنْفَقُوْا مِمَّا وَّلَا اَدٰی، یہ اس بات کا بیان ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کی مذکورہ فضیلت صرف اس شخص کو حاصل ہوگی جو مال خرچ کر کے احسان نہیں جتلاتا یعنی زبان سے ایسا کلمہ تحقیر ادا نہیں کرتا ہے جس سے کسی غریب ضرور تمند محتاج کی عزت نفس مجروح ہو اور وہ تکلیف محسوس کرے، حدیث شریف میں ہے آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تین آدمیوں سے کلام نہیں فرمائے گا ان میں سے ایک احسان جتلانے والا بھی ہے۔ (مسلم کتاب الایمان)

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ (الآية) سائل سے نرمی اور شفقت سے بولنا اور دعائیہ کلمات کہنا مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو اور ہم کو بھی اپنے فضل و کرم سے نوازے۔ یہ قول معروف ہے اور مغفرت کا مطلب ہے کہ اگر سائل کی زبان سے کوئی نازیبا کلمہ نکل جائے تو اس سے چشم پوشی کرتے ہوئے درگزر کرنا۔ یہ نرمی اور چشم پوشی اور درگزر اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد اس کو لوگوں میں رسوا و ذلیل کرے یا احسان جتائے۔ کسی سے کلمہ خیر کہنا اور خندہ پیشانی سے ماننا بھی صدقہ ہے۔ (مسلم کتاب الایمان)

فَمَثَلُهُ، كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهُ وَاِبْلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا یہ ایک تمثیل ہے جس میں ریاکار کے اعمال نیک کو بارش سے تشبیہ دے کر سمجھایا گیا ہے۔ تمثیل میں بارش سے مراد خیرات اور دیگر اعمال نیک ہیں اور چٹان سے مراد نیت اور جذبے کی خرابی ہے جس کے ساتھ خیرات یا کوئی بھی نیک کام کیا گیا ہے، ہلکی مٹی سے مراد نیکی کی وہ ظاہری سطح ہے

جس کے نیچے نیت کی خرابی پوشیدہ ہے۔

بارش کا فطری تقاضہ تو یہی ہے کہ اس سے روئیدگی ہو اور شادابی آئے، لیکن جب روئیدگی قبول کرنے والی زمین اوپر ہی اوپر برائے نام ہو اور اس کے نیچے نری پتھر کی چٹان ہو تو بارش مفید ہونے کے بجائے الٹی مضر ہوگی، اسی طرح خیرات بھی اگرچہ بھلائیوں کو نشوونما دینے کی صلاحیت رکھتی ہے مگر اس کے نافع ہونے کے لیے حقیقی نیک نیتی شرط ہے نیت نیک نہ ہو تو ابر کرم کا فیضان بھی بجز اس کے کہ محض ضیاع مال ہے اور کچھ نہیں۔

اَيُّوَدُ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ، یعنی اگر تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہاری عمر بھر کی کمائی ایک ایسے نازک موقع پر تباہ ہو جائے جب کہ تم اس سے فائدہ اٹھانے کے سب سے زیادہ محتاج ہو اور از سر نو کمائی کرنے کا موقع بھی باقی نہ رہا ہو تو تم یہ بات کیسے پسند کر رہے ہو کہ دنیا میں مدت العمر عمل کرنے کے بعد آخرت کی زندگی میں تم اس طرح قدم رکھو کہ وہاں پہنچ کر یکا یک تمہیں معلوم ہو کہ تمہارا پورا کارنامہ حیات یہاں کوئی قیمت نہیں رکھتا، جو کچھ تم نے دنیا کے لیے کمایا تھا وہ دنیا ہی میں رہ گیا آخرت کے لیے کچھ کم کر لائے ہی نہیں کہ یہاں اس کے پھل کھا سکو، آخرت میں تمہیں اس کا کوئی موقع نہ ملے گا کہ از سر نو آبِ آخرت کے لیے کمائی کرو۔ آخرت کے لیے جو کچھ بھی کمائی کرنے کا موقع ہے وہ اسی دنیا میں ہے یہاں اگر تم آخرت کی فکر کئے بغیر ساری عمر دنیا ہی کی دھن میں لگے رہے اور اپنی تمام قوتیں اور کوششیں دنیوی فائدے تلاش کرنے ہی میں کھیپاتے رہے تو آفتابِ زندگی غروب ہونے کے بعد تمہاری حالت بعینہ اس جڈھے کی طرح حسرت ناک ہوگی جس کی عمر بھر کی کمائی اور جس کی زندگی کا سہارا ایک باغ تھا اور وہ باغ عین عالم پیری میں اس وقت جل گیا جب کہ وہ نہ خود نئے سرے سے باغ لگا سکتا ہے اور نہ اسکی اولاد ہی اس قابل تھی کہ اس کی مدد کر سکے۔

حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُما اور حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے اس مثال کا مصداق ان لوگوں کو بھی قرار دیا ہے جو ساری عمر نیکیاں کرتے ہیں اور آخر عمر میں شیطان کے جال میں پھنس کر اللہ کے نافرمان ہو جاتے ہیں جس سے عمر بھر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

وفی رواية البخاری والحاکم وابن جریر وجماعة عن ابن عباس کہ حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے ایک روز اصحاب نبی ﷺ سے فرمایا تمہارا اس آیت کے بارے میں کیا خیال ہے، ”اَيُّوَدُ أَحَدُكُمْ“ الخ؟۔ لوگوں نے کہا: اللہ تعالیٰ اعلم، حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ غصہ ہو گئے اور فرمایا، ہاں کہو نا، کہو (یعنی یہ گول مول بات میرے سوال کا جواب نہیں ہے تو ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! اس آیت کے بارے میں میرے دل میں ایک بات ہے حضرت عمر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے فرمایا اے میرے برادر زادے کہو، اور اپنے آپ کو کم نہ سمجھو، تو حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے عرض کیا اس آیت میں اس مالدار آدمی کی مثال بیان کی گئی ہے جس نے اللہ کی اطاعت میں عمل کیا، پھر اللہ نے اس کی طرف شیطان بھیجا تو وہ معاصی میں مبتلا ہو گیا اور اپنے اعمال کو برباد کر لیا۔ (روح المعانی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا زَكَاةً مِمَّا كَسَبْتُمْ مِنَ الْمَالِ وَ مِنْ طَيِّبَاتِ مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ مِنَ الْخُبُوبِ وَالْثَمَارِ وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَبِيثَ الرَّدِّيَّ مِنْهُ أَيْ مِنَ الْمَذْكُورِ تُنْفِقُونَ فِي الزَّكَاةِ حَالُ مَنْ ضَمِيرٌ تَتِمُّوا وَلَسْتُمْ بِأَخْذِيهِ أَيْ الْخَبِيثِ لَوْ أُعْطِيتُمُوهُ فِي حُقُوقِكُمْ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ بِالتَّسَاهُلِ وَغَضَبِ الْبَصَرِ فَكَيْفَ تُؤْذُونَ مِنْهُ حَقَّ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْ نَفَقَاتِكُمْ حَمِيدٌ ۝۷۷

محمودٌ على كل حال الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ يُخَوِّفُكُم بِهِ إِنْ تَصَدَّقْتُمْ فَتَمَسَّكُوا وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ الْبَخْلِ وَمَنْعِ الزَّكَاةِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ عَلَى الْإِنْفَاقِ مَغْفِرَةً مِنْهُ لِدُنُوبِكُمْ وَفَضْلًا رِزْقًا خَلْفَ مَنْهُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ فَضْلُهُ عَلِيمٌ ۝۷۸ بِالْمُنْفِقِ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ الْعِلْمَ النَّافِعَ الْمُوْدِيَّ إِلَى الْعَمَلِ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا لِمَهْمُودٍ إِلَى السَّعَادَةِ الْآبِدِيَّةِ وَمَا يَذْكُرُ فِيهِ إِذْ غَامُ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الذَّالِ يَتَّعِظُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝۷۹ أَصْحَابُ الْعُتُورِ وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَدَيْتُمْ مِنْ زَكَاةٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَوَقِّتُمْ بِهِ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُكُمْ فَيُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ وَمَا لِلظَّالِمِينَ بِمَنْعِ الزَّكَاةِ وَالنَّذْرِ أَوْ بَوْضَعِ الْإِنْفَاقِ فِي غَيْرِ مَحَلِّهِ مِنْ مَعَاصِي اللَّهِ مِنْ أَنْصَارٍ ۝۸۰ مَا يَعْنِي لَهُمْ مِنْ عَذَابِهِ إِنْ تَبَدُّوا تُظْهِرُوا الصَّدَقَاتِ أَيْ النَّوَافِلَ فَنِعِمَّا هِيَ أَيْ نِعْمَ شَيْءٌ إِنْ دَاءُهَا وَإِنْ تُخْفُوها تُسِرُّوها وَتُؤْتُوها الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ مِنْ إِبْدَائِهَا وَإِتْيَائِهَا الْأَغْنِيَاءَ أَمَّا صَدَقَةُ الْفَرَضِ فَلَا فَضْلَ إِظْهَارِهَا لِيُسْتَدَى بِهِ وَلِئَلَّا يُتَّهَمَ وَإِتْيَاؤها الْفُقَرَاءَ مُتَعَيِّنٌ وَيُكْفَرُ بِالْبَاءِ وَالنُّونِ بِجَزْوِنَا بِالْعَطْفِ عَلَى مَحَلِّ فَهُوَ وَنَرْفُوعًا عَلَى الْاسْتِثْنَاءِ عَنْكُمْ مَنْ بَغَضَ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝۸۱ عَالِمٌ بِبَاطِنِهِ كَظَاهِرِهَا لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ وَلَمَّا مَنَعَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ التَّصَدَّقِ عَلَى الْمُشْرِكِينَ لِيُسَلِّمُوا نَزَلَ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ أَيْ النَّاسَ إِلَى الدُّخُولِ فِي الْإِسْلَامِ إِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ هِدَايَتَهُ إِلَى الدُّخُولِ فِيهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ نَالِ فَلَا نَنْفُسِكُمْ لِأَنَّ ثَوَابَهُ لَهَا وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ أَيْ ثَوَابِهِ لَا غَيْرِهِ مِنْ أَغْرَاضِ الدُّنْيَا خَيْرٌ بِمَعْنَى النَّهْيِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفِّ إِلَيْكُمْ جَزَاؤُهُ وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ ۝۸۲ تُنْقَضُونَ مِنْهُ شَيْئًا وَالْجُمْلَتَانِ تَاكِيدٌ لِلأُولَى لِلْفُقَرَاءِ خَيْرٌ مُبْتَدِءٌ مَحْذُوفٌ أَيْ الصَّدَقَاتُ الَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَيْ حَبَسُوا أَنْفُسَهُمْ عَلَى الْجِهَادِ وَنَزَلَتْ فِي أَهْلِ الشُّفَّةِ وَهُمْ أَرْبَعُمِائَةٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ أُرْصِدُوا لِتَغْلِيهِمُ الْقُرْآنَ أَوْ الْخُرُوجَ مَعَ السَّرَايَا لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا سَفَرًا فِي الْأَرْضِ لِلتَّجَارَةِ وَالْمَعَاشِ لِسُغْلِيهِمْ عَنْهُ بِالْجِهَادِ يُحَسِّبُهُمُ الْجَاهِلُ بِحَالِهِمْ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ أَيْ لَتَعَفُّفِهِمْ عَنِ السُّؤَالِ وَتَرْكِهِ تَعْرِفُهُمْ يَا مُخَاطَبًا بِسَيِّئَاتِهِمْ غَلَامَتِهِمْ مِنَ التَّوَاضُعِ وَآثَرِ الْجُهْدِ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ شَيْئًا فَيُلْجِفُونَ الْحَافًا أَيْ لَا

سُؤَالَ لِنِهْمَ اَصْلًا فَلَا يَتَّعُ بِنَهْمِهِ الْاَحَاخَ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهِ عَلِيْمٌ ﴿۳۷﴾
فَيُجَازِيكُمْ عَلَيْهِ.

ترجمہ: اے ایمان والو! جو مال تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ کرو زکوٰۃ دو اور اس سے بھی عمدہ

چیزیں جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔ (مثلاً) غلہ اور پھل اور مذکورہ چیزوں میں سے خراب چیز کا قصد بھی نہ کرو کہ اس میں سے زکوٰۃ میں خرچ کرو گے تنفقون، تیمموا کی ضمیر سے حال ہے، حالانکہ تم خود بھی اس خراب چیز کو لینے والے نہیں ہو اگر وہ چیز تمہارے حقوق میں دی جائے مگر نرمی اور چشم پوشی کرتے ہوئے، تم نظر انداز کر جاؤ تو پھر تم خراب چیز سے اللہ کا حق کس طرح ادا کرتے ہو اور سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے خرچے سے بے نیاز اور ہر حال میں ستودہ صفات ہے، شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے (یعنی) اگر تم صدقہ کرو گے تو محتاج ہو جاؤ گے سو تم خرچ نہ کرو، اور تم کو بخل اور زکوٰۃ نہ دینے کا حکم کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خرچ کرنے پر اپنی طرف سے تمہارے گناہوں کو معاف کرنے کا اور اس (خرچ کردہ) کے عوض رزق کا وعدہ کرتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے معاملہ میں بڑا کشادہ دست اور خرچ کرنے والے سے باخبر ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے حکمت یعنی ایسا علم نافع جو عمل تک پہنچانے والا ہو عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت مل گئی اس کو بڑی خیر کی چیز مل گئی، اس کے سعادت ابدیہ تک پہنچنے کی وجہ سے۔ اور نصیحت تو بس دانشمند ہی قبول کرتے ہیں اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو (یعنی) صدقہ و زکوٰۃ ادا کرتے ہو یا جو بھی نذر مانتے ہو پھر تم اس کو پوری کرتے ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔ تو وہ تم کو اس کا صلہ دے گا، اور زکوٰۃ کو روک کر اور نذر کو پورا کر کے یا اللہ کی معصیت میں بے محل خرچ کر کے ظلم کرنے والوں کا کوئی بھی حامی نہیں ہوگا۔ (یعنی) اس کے عذاب سے ان کو کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔ اگر تم انہی صدقات کو ظاہر کرو تب بھی اچھی بات ہے یعنی اس کا ظاہر کرنا اچھی بات ہے، اور اگر تم اسے پوشیدہ رکھو اور فقراء کو دو تو اس کے ظاہر کرنے اور مالداروں کو دینے سے تمہارے حق میں بہتر ہے، لیکن فرض صدقہ کہ اس کا اظہار افضل ہے تاکہ لوگ اس کی اقتداء کریں اور تاکہ یہ شخص محل تہمت میں نہ رہے اور اس کا فقراء کو دینا متعین ہے، اور اللہ تمہارے کچھ گناہ بھی دور کر دے گا، یُکْفِرُ، یا، اور نون کے ساتھ جزوم پڑھا جائے تَوْفَهُو، کے محل پر عطف ہوگا اور مرفوع پڑھا جائے تو مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے، یعنی اس کے باطن سے اسی طرح واقف ہے جس طرح اس کے ظاہر سے، اُس سے اس کی کوئی شئی مخفی نہیں ہے، اور جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین پر صدقہ کرتے ہوئے منع فرمادیا تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں تب یہ آیت نازل ہوئی، (لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ) ان کی ہدایت یعنی اسلام میں داخل کرنا آپ کے ذمہ نہیں، آپ کی ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے، بلکہ اللہ اسلام میں دخول کی جس کی ہدایت چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو سو اپنے لیے کرتے ہو، اس لیے کہ اس کا اجر تمہارے ہی لیے ہے، اور تم اللہ ہی کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرتے ہو یعنی اس کے ثواب کے لیے نہ کہ دنیا کی کسی اور غرض کے لیے، خبر بمعنی نہیں ہے، اور

مال میں سے تم جو کچھ خرچ کرتے ہو تم کو اس کی پوری پوری جزاء دی جائے گی، تم پر ذرا بھی زیادتی نہ کی جائے گی کہ اس کے اجر میں کچھ کمی کر دی جائے، یہ دونوں جملے پہلے جملے کی تاکید ہیں۔ صدقات کے (اصل) مستحق وہ فقراء ہیں (لِلْفُقَرَاءِ) مبتداء محذوف کی خبر ہے جو اللہ کی راہ میں کھر گئے ہیں، یعنی جنہوں نے خود کو جہاد میں محبوس کر لیا ہے (اور آئندہ آیت) اصحاب صفہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ مہاجرین میں سے چار سو تھے، جو قرآن کی تعلیم اور سرایا کے ساتھ نکلنے کے لیے مستعد رہتے تھے، وہ جہاد میں مشغول رہنے کی وجہ سے (طلب) معاش اور تجارت کے لیے سفر نہیں کر سکتے تھے، ان کے حال سے ناواقف انہیں غنی سمجھتا تھا سوال سے ان کے احتیاط کرنے اور ترک سوال کرنے کی وجہ سے اے مخاطب تو ان کی تواضع اور مشقت کے اثر کی علامت سے پہچان لے گا، وہ لوگوں سے لپٹ کر کسی چیز کا سوال نہیں کرتے، یعنی وہ بالکل سوال نہیں کرتے، لہذا چٹ کر سوال بھی ان کی طرف سے نہیں ہوتا اور الحاف کے معنی اصرار کے ہیں، اور تم مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے سو وہ تم کو اس کی جزاء دے گا۔

تَحْقِیْقِ وَتَرْکِیْبِ لِتَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلٌ: الجیاد، طیبیت کی تفسیر الجیاد سے کر کے اشارہ کر دیا کہ طیبیت کے معنی حلال کے نہیں ہیں جو کہ اکثر استعمال ہوتے ہیں بلکہ یہاں عمدہ کے معنی ہیں جو ردی کے مقابلہ میں مستعمل ہے۔
قَوْلٌ: تَغْمِضُوا۔ مضارع جمع مذکر حاضر آنکھیں بند کرنا، یہاں مجازی معنی، درگزر کرنا، چشم پوشی کرنا مراد ہیں۔
قَوْلٌ: البخل، فحشاء کی تفسیر بخل سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں فحشاء کے مشہور معنی جو کہ زنا کے ہیں مراد نہیں ہیں۔

قَوْلٌ: مجزوماً بالعطف علی محلّ فہو و مرفوعاً علی الاستیناف۔ اس عبارت کا مقصد یُکَفِّرُ کے اعراب کو بتانا ہے، اس کو مجزوم پڑھا جائے تو مجزوم فہو کے محل پر عطف ہونے کی وجہ سے ہوگا اس لیے کہ فہو، جواب شرط ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے، اور اگر مرفوع پڑھا جائے تو مرفوع جملہ متانفہ ہونے کی وجہ سے ہوگا شرط سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔
قَوْلٌ: ای الناس اس میں اشارہ ہے کہ ہڈھم کی ضمیر الناس کی طرف راجع ہے اگرچہ وہ ماقبل میں صراحۃً مذکور نہیں ہے مگر مضمون کلام سے مفہوم ہے فقراء کی طرف راجع نہیں جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس صورت میں معنی درست نہیں رہتے۔

قَوْلٌ: الی الدخول فی الاسلام، اس اضافہ سے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سُؤَالٌ: آپ ﷺ سے ہدایت کی نفی کا کیا مقصد ہے جب کہ آپ ﷺ کی بعثت ہدایت ہی کے لیے ہے۔

جَوَابٌ: نفی ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب کی نفی ہے نہ کہ اراء الطریق کی۔

قَوْلٌ: خبر بمعنى النہی یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُئِلَ: وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ فِي خَيْرِ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ۔
 لوگ ریاء و نمود کے لیے بھی خرچ کرتے ہیں۔ اس میں کذب باری لازم آتا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ خبر معنی نہیں ہے، کہ تم غیر رضاء کے لیے خرچ مت کرو۔

قَوْلُهُ: لَتَعْفَهُمْ اِس میں اشارہ ہے کہ مِّنَ التَّعْفِ، میں مِّنْ تعلیل یہ ہے نہ کہ تبعیضیہ۔ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ اِلْحَافًا، وہ اصرار کے ساتھ سوال نہیں کرتے، اس میں فن بیان کی ایک صنعت ہے جس کو ”نفی الشیء بايجابہ“ کہتے ہیں، اس میں بظاہر ایک شئی کی نفی اور دوسری شئی کا اثبات ہوتا ہے، مگر حقیقت میں دونوں کی نفی مقصود ہوتی ہے، مذکورہ آیت میں بظاہر الحاف (اصرار) کی نفی ہے، نفس سوال کی نفی نہیں ہے، مگر مقصود کلام ”مطلقاً“ کی نفی ہے یعنی بظاہر قید کی نفی ہے مگر باطن میں قید اور مقید دونوں کی نفی ہے۔

تَفْسِيرُوتَشْرِیْح

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ (الآية) صدقہ کی قبولیت کے لیے جس طرح ضروری ہے کہ
مَنْ وَاذَى اور ریاکاری سے خالی ہو جیسا کہ گذشتہ آیات میں بیان کیا گیا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ حلال اور
پاکیزہ اور عمدہ چیز ہو۔

شان نزول:

بعض انصارِ مدینہ جو کھجوروں کے باغات کے مالک تھے وہ بعض اوقات نکمی اور روی کھجوروں کا خوشہ مسجد میں لا کر لڑکا دیا کرتے تھے اور اصحابِ صفہ کا چونکہ کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا جب ان کو بھوک لگتی تو ان خوشوں میں سے جھاڑ کر کھجوریں کھا لیا کرتے تھے اسی پر یہ آیت نازل ہوئی۔
(فتح القدیر بحوالہ ترمذی)

طیبت، کا ترجمہ بعض حضرات نے جن میں مفسرِ علام بھی شامل ہیں، عمدہ چیز کیا ہے اور قرینہ ممّا آخرَ جُنَا لَکُمْ مِنَ الْأَرْضِ کو قرار دیا ہے اس لیے کہ زمین سے پیدا ہونے والی شی حلال تو ہوتی ہے البتہ جودت اور ردأت میں کافی مختلف ہوتی ہے اس لیے طیبّت، کا ترجمہ عمدہ شی سے کیا ہے شانِ نزول کے واقعہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، اور بعض حضرات نے حلال شی سے کیا ہے اس لیے کہ مکمل اور پوری طرح عمدہ شی وہی ہوتی ہے جو حلال بھی ہو۔ اگر دونوں ہی معنیٰ مراد لئے جائیں تو کوئی تضاد نہیں ہے۔ البتہ جس کے یاں اچھی چیز ہو ہی نہیں وہ اس ممانعت سے بری ہے۔

عشری اراضی کے احکام:

مِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ، لفظ اخر جذا سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ عشری زمین سے عشر واجب ہے، اس آیت کے عموم سے امام ابوحنیفہ رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے استدلال کیا ہے کہ عشری زمین کی ہر قلیل و کثیر پیداوار میں عشر واجب ہے، عشر اور خراج دونوں اسلامی حکومت کی جانب سے زمین پر عائد کردہ ٹیکس ہیں، ان میں فرق یہ ہے کہ عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں عبادت مالی کی حیثیت بھی ہے جیسا کہ زکوٰۃ میں ہے، اس لیے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کا کوئی پہلو نہیں ہے، مسلمان چونکہ عبادت کا اہل ہے لہذا عشری زمین سے جو ٹیکس لیا جاتا ہے اسے عشر کہتے ہیں اور غیر مسلم سے جو اراضی کا ٹیکس لیا جاتا ہے اس کو خراج کہتے ہیں، عشری اور خراجی زمین کا فرق اور عشر و خراج کے تفصیلی مسائل کتب فقہ سے معلوم کیے جاسکتے ہیں، یہاں اس کا موقع نہیں۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ، بھلے اور نیک کام میں اگر مال خرچ کرنا ہو تو شیطان ڈراتا ہے کہ مفلس اور قلاش ہو جاؤ گے اور تمہارا فلاں کام رک جائے گا البتہ اگر برے کام میں خرچ کرنا ہو تو بڑی سے بڑی رقم خرچ کروا دیتا ہے چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ مسجد مدرسہ یا کسی اور کار خیر کے لیے کوئی تعاون کے لیے پہنچ جائے تو صاحب خیر ایک معمولی رقم کے لیے بار بار حساب کی جانچ پڑتال کرتا ہے، اور چندہ والے کو بسا اوقات کئی کئی بار بلاتا ہے لیکن اگر سنیما، ٹیلی ویژن، شراب، بدکاری، اور مقدمہ بازی میں خرچ کرنا ہو تو یہی شخص بڑی سے بڑی رقم بے تحاشا خرچ کر ڈالتا ہے۔

”حکمت“ کے معنی اور تفسیر:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ، حکمت سے مراد صحیح بصیرت اور صحیح قوت فیصلہ ہے یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ جس شخص کے پاس حکمت کی دولت ہوگی وہ ہرگز شیطان کی بتائی ہوئی راہ پر نہ چلے گا، بلکہ اس کشادہ راہ کو اختیار کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہے، شیطان کے تنگ نظر مریدوں میں یہ بڑی ہوشیاری اور عقلمندی ہے کہ آدمی اپنی دولت کو سنبھال کر رکھے اور ہر وقت کمائی کی فکر میں لگا رہے لیکن جن کو اللہ کی جانب سے نور بصیرت کی دولت ملی ہے ان کی نظر میں یہ عین بے وقوفی ہے، حکمت اور دانائی ان کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اس سے اپنی متوسط ضروریات پوری کرنے کے بعد باقی کو دل کھول کر بھلائی کے کاموں میں خرچ کرے۔

نذر کا حکم:

نذر اسی عبادت کی صحیح ہے جو واجبات کی جنس سے ہو اور خود واجب نہ ہو، مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص عیادتِ مریض کی نذر مانے تو واجب نہ ہوگی۔ نذر اگر معصیت کی نہ ہو تو پورا کرنا واجب ہے اگر کسی نے

لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْحَافًا. اہل ایمان کی صفت یہ ہے کہ فقر و غربت کے باوجود وہ سوال سے بچتے ہیں اور الحاف یعنی اصرار سے سوال کرنے سے بچتے ہیں، بعض نے الحاف کے معنی کئے ہیں بالکل سوال نہ کرنا، اور بعض نے کہا ہے کہ وہ سوال میں الحاح و زاری نہیں کرتے، اس مضمون کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ مسکین وہ نہیں ہے جو ایک ایک دودھ کھجور یا ایک ایک دودھ لقمے کے لیے در در جا کر سوال کرتا ہے، مسکین تو وہ ہے جو سوال سے بچتا ہے، پھر آپ ﷺ نے لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ الْحَافًا کا حوالہ پیش فرمایا (صحیح بخاری) اس لیے پیشہ ور گدا گروں کے بجائے دین کے طلبہ علماء اور سفید پوش ضرورتمندوں کا پتہ چلا کر ان کی مدد کرنی چاہیے، کیونکہ ایسے لوگ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلا نا عزت نفس اور خوداری کے خلاف سمجھتے ہیں۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷۱﴾ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا أَيْ يَأْخُذُونَهُ وَهُوَ الزِّيَادَةُ فِي الْمَعَامَلَةِ بِالتَّقْوِدِ وَالْمَطْعُونَاتِ فِي التَّدْرِكِ وَالْأَجَلِ لَا يَقُومُونَ بِسُقُورِهِمْ إِلَّا قِيَامًا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ الْجُنُونِ بِهِمْ مُتَعَلِّقٌ بِيَتَّقُونَ ذَلِكَ الَّذِي نَزَلَ بِهِمْ بِأَنَّهُمْ بِسَبَبِ أَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا فِي الْجَوَازِ وَهَذَا مِنْ عَكْسِ التَّشْبِيهِ مُبَالِغَةٌ فَقَالَ تَعَالَى رَدًّا عَلَيْهِمْ وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا فَمَنْ جَاءَهُ بَلَاغُهُ مَوْعِظَةٌ وَغُظٌّ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى عَنْ أَكْلِهِ فَلَهُ مَا سَلَفَ قَبْلَ النِّهْيِ أَيْ لَا يُسْتَرَدُّ مِنْهُ وَأَمْرُهُ فِي الْعَنُوعِ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ إِلَى أَكْلِهِ مُشَبَّهًا لَهٗ بِالْبَيْعِ فِي الْحِلِّ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۷۲﴾ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُنْقِصُهُ وَيُذْغِبُ بَرَكَتَهُ وَيُرِي الصَّدَقَاتِ يَزِيدُهَا وَيُنْمِيهَا وَيُضَاعِفُ ثَوَابَهَا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ بِتَخْلِيلِ الرِّبَا أَتَيْمٌ ﴿۲۷۳﴾ فَاجِرٌ بِأَكْلِهِ أَيْ يُعَاقِبُهُ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷۴﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا أَتْرُكُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۷۵﴾ صَادِقِينَ فِي إِيمَانِكُمْ فَإِنَّ مِنْ شَأْنِ الْمُؤْمِنِ امْتِثَالُ أَمْرِ اللَّهِ نَزَلَتْ لِمَا طَالَبَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ بَعْدَ النِّهْيِ بِرَبِّوَا كَانَ لَهُ قَبْلُ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا مَا أَمَرْتُمْ بِهِ فَادْنُوا إِعْلَمُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ لَكُمْ فِيهِ تَهْدِيدٌ شَدِيدٌ لَهُمْ وَلَمَّا نَزَلَتْ قَالُوا لَا يَدَى لَنَا بِحَرْبِهِ وَإِنْ تَبَتُّمْ رَجَعْتُمْ عَنْهُ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَصُولِ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ بِزِيَادَةٍ وَلَا تَظْلِمُونَ ﴿۲۷۶﴾ بِنَقْصٍ وَإِنْ كَانَ وَقَعَ غَرِيمٌ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ لَهُ أَيْ عَلَيْكُمْ تَأْخِيرُهُ إِلَى مَيْسَرَةٍ بِفَتْحِ السِّينِ وَضَمِّهَا أَيْ وَقْتُ يُسْرِهِ وَأَنْ تَصَدَّقُوا بِالتَّشْدِيدِ عَلَى ادْغَامِ التَّاءِ فِي الْأَصْلِ فِي الصَّادِ وَبِالتَّخْفِيفِ عَلَى حَذْفِهَا أَيْ تَتَصَدَّقُوا عَلَى الْمُغْسِرِ بِالْإِبْرَاءِ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۷۷﴾ أَنَّهُ خَيْرٌ فافْعَلُوهُ فِي الْحَدِيثِ مَنْ أَنْظَرَ مُغْسِرًا أَوْ وَضَعَ عَنْهُ أَظْلَهُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ إِلَى اللَّهِ

لِلْمَفْعُولِ تُرَدُّونَ وَلِلْفَاعِلِ تَحْسِرُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ ثُمَّ تَوَفَّى فِيهِ كُلُّ نَفْسٍ جَزَاءً مَّا كَسَبَتْ عَمَلَتْ
بِئْسَ خَيْرٌ وَ شَرٌّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۸﴾ بِتَقْصِ حَسَنَةٍ أَوْ زِيَادَةِ سَيِّئَةٍ.

ترجمہ: جو لوگ اپنا مال رات اور دن، پوشیدہ اور آشکارا خرچ کرتے رہتے ہیں سو ان لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ وہ ٹمکن ہوں گے اور جو لوگ سود کھاتے ہیں یعنی سود لیتے ہیں اور وہ معاملات میں نقد کی زیادتی اور ماکولات میں مقدار یا مدت میں زیادتی ہے، وہ لوگ قبروں سے نہ کھڑے ہو سکیں گے مگر اس شخص کے مانند جس کو شیطان لپٹ کر خبطی بنا دیتا ہے (یعنی) جس کو شیطان پچھاڑ دیتا ہے، ان کو جنون ہونے کی وجہ سے (مِنْ الْمَسِّ) یقومون کے متعلق ہے۔ ان کی یہ حالت اس وجہ سے ہوگی کہ انہوں نے کہا تھا کہ بیع تو جواز میں سود کے مانند ہے اور یہ مبالغہ کے لیے الٹی تشبیہ ہے، ان کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے، پھر جس کے پاس اس کے پروردگار کی نصیحت پہنچ گئی اور وہ سود خوری سے باز آ گیا تو ممانعت سے پہلے جو کچھ ہو چکا ہے وہ اس کا ہے (یعنی) اس سے واپس نہ لیا جائے گا، اور اس کے معاف کرنے کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے اور جو شخص سود خوری کی طرف لوٹے سود کو حلت میں بیع کے مشابہ قرار دیتے ہوئے تو یہی لوگ دوزخی ہیں، سو اس میں یہ لوگ ہمیشہ پڑے رہیں گے، اور اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا ہے یعنی اس کو کم کرتا ہے اور اس کی برکت ختم کر دیتا ہے اور صدقات میں اضافہ کرتا ہے (یعنی) اس کو نشوونما دیتا ہے اور اس کا اجر دو گنا کر دیتا ہے، اور اللہ سود کو حلال قرار دے کر کسی کفر کرنے والے اور سود خوری کر کے گنہگار (فاجر) کو پسند نہیں کرتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ ٹمکن ہوں گے اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو (یعنی) اگر تم اپنے ایمان میں سچے ہو، اس لیے کہ مومن کی شان اللہ کا حکم بجالانا ہے، (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جب بعض صحابہ نے سود کی ممانعت کے بعد سابقہ سود کا مطالبہ کیا، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے ساتھ اعلان جنگ ہے، اس میں ان کے لیے شدید دھمکی ہے اور جب یہ آیت نازل ہوئی تو (صحابہ) نے کہا ہم میں اس کے ساتھ جنگ کی طاقت نہیں، اور اگر تم توبہ کر لو یعنی اس سے باز آ جاؤ تو (رَأْسُ الْمَالِ) اصل سرمایہ کا تم کو حق ہے نہ تم زیادتی کر کے ظلم کرو۔ اور نہ کمی کر کے تم پر ظلم کیا جائے اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو تمہارے اوپر اس کی کشادہ دستی تک اس کے لیے مہلت ہے، (یعنی وصول یا بی کو مؤخر کرنا ہے) (مَيْسَرَةٌ) سین کے فتح اور ضمہ کے ساتھ، یعنی اس کی خوشحالی تک اور اگر تم معاف کر دو (تَصَدَّقُوا) تشدید کے ساتھ تاء کو صا دیں ادغام کر کے اور تخفیف کے ساتھ تاء کو حذف کر کے، یعنی تنگ دست سے قرض معاف کر کے بری کر دو۔ تو تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم سمجھو کہ یہ بہتر ہے تو ایسا کر لو، حدیث میں ہے کہ جس نے تنگ دست کو مہلت دی یا اس سے اپنا قرض معاف کر دیا تو اللہ اس کو اپنے سایہ میں رکھیں گے جس دن کہ اس کے سایہ کے

علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا، (رواہ مسلم) اور اس دن سے ڈرو جس دن تم کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا مجہول کے صیغہ کے ساتھ۔
معنی لوٹائے جاؤ گے، اور معروف کے صیغہ کے ساتھ، یعنی تم لوٹو گے، وہ قیامت کا دن ہے پھر اس دن میں ہر شخص کو اس کے اعمال کا جو اس نے اچھے برے کئے ہوں گے، پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان کے اعمال حسد میں کمی کر کے یا اعمال سینہ میں اضافہ کر کے ان پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيبِ تَسْهِيلِ تَفْسِيرِ فَوَائِدِ

قَوْلُنَا: اِیْ یَا خُذُوْنَهٗ، اس اضافہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اکل (کھانے) سے مراد صرف کھانا ہی نہیں ہے بلکہ مطلقاً لینا ہے خواہ کھائے یا لباس بنائے یا جمع کر کے رکھے یا کسی دوسرے کام میں استعمال کرے، مگر کھانا چونکہ اہم مصارف میں سے ہے اس لیے صرف کھانے کا ذکر کیا ہے۔

قَوْلُنَا: الْمَطْعُوْمَاتِ، یہ قید مفسر علام نے امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے مذہب کے مطابق لگائی ہے اس لیے کہ ربوہ کے لیے ان کے نزدیک از قبیل مطعومات یا شمنیات ہونا ضروری ہے، امام ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک قدر و جنس میں اتحاد کافی ہے، از قبیل مطعوم ہونا ضروری نہیں۔

قَوْلُنَا: فِی الْقَدَرِ الْاَجَلِ یہ المعاملہ سے بدل ہے قدر کا تعلق ربوہ افضل سے ہے اور یہ اتحاد جنس کی صورت میں ہوگا اور الّا جل کا تعلق اتحاد کے ساتھ ہے، اگر جنس مختلف ہو اور قدر میں اتحاد ہو تو تفاضل جائز ہے اور ادھار ناجائز ہوگا۔

قَوْلُنَا: مِنْ قُبُوْرِهِمْ مفسر علام نے مِنْ قُبُوْرِهِمْ کی قید لگا کر اس شبہ کا جواب دیا کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کتنے ہی سود خور ہیں مگر ان کے قیام و قعود میں کسی قسم کا خبط و عدم توازن نہیں ہوتا یہ تو واقعہ کے خلاف معلوم ہوتا ہے حالانکہ کلام باری میں کذب نہیں ہو سکتا۔

جَوَابُ: قیام سے مراد روز محشر اپنی قبروں سے کھڑا ہونا ہے نہ کہ دنیا میں کھڑا ہونا اسی شبہ کے جواب کے لیے مِنْ قُبُوْرِهِمْ کی قید کا اضافہ کیا ہے۔

قَوْلُنَا: قِیَامًا۔

سُؤَال: لفظ قیام کے اضافہ کا کیا فائدہ؟

جَوَابُ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ اِلَّا کَمَا یَقُوْمُ، میں حرف استثناء حرف (کاف) پر داخل ہے حالانکہ حرف استثناء کا حرف پر داخل ہونا صحیح نہیں ہے "ما" خواہ موصولہ ہو یا مصدر یہ۔

جَوَابُ: مستثنیٰ محذوف ہے اور وہ قیامًا، ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلًا: يَتَخَبَّطُهُ (تَفْعَل) سے مضارع واحد مذکر غائب ”و“ ضمیر مفعول، اس کو پاگل بنا دیتا ہے، خبط کے اصل معنی غیر متوازن طریقہ پر چلنا کہ خبط العشواء ہے ڈھنگے پن سے چلنے والی اونٹنی یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی غیر متوازن طریقہ سے چلے۔

قَوْلًا: مِنَ الْجَنُونِ یہ الْمَسِّ کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا: مِنْ عَكْسِ التَّشْبِيهِ النِّحْ عَكْسِ اس لیے ہے کہ کلام ربوایں ہے نہ کہ بیچ میں الہذار ربوایں کے ساتھ تشبیہ دینا چاہیے تھا نہ کہ بیچ کو ربوایں کے ساتھ، ایسا مبالغہ کے طور پر کیا ہے، اس لیے کہ جواز ربوایں کے نزدیک اصل تھا اسی پر بیچ کو قیاس کیا۔

قَوْلًا: وَعَظْ، مَوْعِظَةٌ، کی تفسیر وعظ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مَوْعِظَةٌ مصدر میسی ہے نہ کہ ظرف۔

قَوْلًا: عَنْهُ، اِیْ عَنْ اَكْلِ الرَّبْوَا۔

قَوْلًا: اِلَى اَكْلِهِ مَشَبَهًا لَهُ بِالْبَيْعِ فِي الْحِلِّ اس عبارت سے ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ آیت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص ممانعت کے بعد اکل ربوایں کا اعادہ و ارتکاب کرے گا تو وہ دائمی طور پر دوزخ میں جائے گا، جو کہ معتزلہ کا نظریہ ہے۔

جَوَاب: کا خلاصہ یہ ہے کہ دائمی جہنم میں داخلہ اس صورت میں ہوگا کہ ربوایں کو بیچ کی مانند حلال سمجھ کر استعمال کرے۔

قَوْلًا: يُعَاقِبُهُ یہ لَا يُحِبُّ کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا: بِحَرْبٍ، حَرْب کی تکثیر تعظیم و شدت پر دلالت کرتی ہے، نیز اللہ اور انبیاء کے رسول کی جانب نسبت سے اس کی شدت میں مزید اضافہ ہوا ہے۔

قَوْلًا: لَا يَدِي لَنَا، اِیْ لَا طَاقَةَ لَنَا۔

قَوْلًا: وَقَعَ غَرِيمٌ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کان تائم ہے اس کو خبر کی ضرورت نہیں ہے یعنی کَانَ، بمعنی وَقَعَ ہے۔

قَوْلًا: اِیْ عَلَيْنُكُمْ تَاخِيرُهُ، فَنَظَرَةٌ، مبتداء ہے اس کی خبر عَلَيْنُكُمْ تَاخِيرُهُ محذوف ہے، خبر کے حذف کی ضرورت اس وجہ سے پیش آئی تاکہ فَنَظَرَةٌ جملہ ہو کر جواب شرط واقع ہو جائے، تاخیر کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ نَظَرَةٌ، انظار سے ہے جو بمعنی مہلت ہے نہ کہ نظر سے بمعنی رویت۔

قَوْلًا: وَقْتُ يَسْرِهِ اس سے اشارہ کر دیا کہ مَيْسَرَةٌ، ظرف ہے مصدر میسی نہیں ہے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

① اَلَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبْوَا (الآیۃ) اس آیت میں تشبیہ تمثیل (تشبیہ مرکب) استعمال ہوئی ہے سود خور کی جو حالت روز محشر قبر سے نکلنے کے وقت ہوگی اس کیفیت کو مشبہ بہ اور دنیا میں جو ایک سود خور کی کیفیت ہوتی ہے اس کو مشبہ قرار دے کر تشبیہ

مرکب منزع کی گئی ہے، اسی کا نام تشبیہ تمثیلی ہے۔

در اصل اس آیت میں روز قیامت سود خوروں کے قبروں سے نکلنے کی حالت کی منظر کشی کی گئی ہے، سود خور اپنی قبروں سے نکلنے سے وقت سیدھے کھڑے تک نہ ہو سکیں گے کھڑے ہوں گے بھی تو دیوانوں، متوالوں، خبیثوں اور شرابیوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے غیر متوازن طریقہ سے کھڑے ہوں گے، جیسا کہ اس حالت کی ایک ہلکی سی جھلک سود خور میں دنیا میں بھی پائی جاتی ہے، مہاجن، ساہوکار جو روپے کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے جن بھوت لپٹ گیا ہے اور اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے سوتے جاگتے بس اس پر ایک بی دھن سوار رہتی ہے اور وہ دھن ہوتی ہے سود کی، جس کی حرص و طمع اس قدر بڑھی ہوئی ہو لازم ہے کہ اس کا حشر بھی اسی مجبوط جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔

۲) اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا، اس میں تشبیہ قلب جس کو عکس بھی کہتے ہیں استعمال ہوئی ہے یعنی بیع کو مشبہ اور ربوا کو مشبہ بہ قرار دیا ہے بطور مبالغہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حلت میں اصل ربوا ہے اور بیع بھی حلت میں ربوا کے مانند ہے حالانکہ حلت میں اصل بیع ہے بیع کو مشبہ بہ اور ربوا کو مشبہ ہونا چاہیے تھا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ بِالْاَيْدِي وَاللِّسَانِ (الآیۃ) اس آیت میں ان لوگوں کے اجر عظیم اور فضیلت کا بیان ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے عادی ہیں، یعنی جس وقت، جس گھر میں، جب بھی ضرورت ہو خواہ دن ہو یا رات غرضیکہ ہمہ وقت فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

شان نزول:

صاحب روح المعانی نے بحوالہ ابن عساکر نقل کیا ہے کہ حضرت صدیق اکبر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کئے کہ دس ہزار دن میں دس ہزار رات میں، دس ہزار پوشیدہ طریقہ سے اور دس ہزار علانیہ طریقہ سے، توان کی فضیلت بیان کرنے کے لیے مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

عبدالرزاق اور عبد بن حمید وغیرہ نے عبد الوہاب ابن مجاہد عن ابیہ عن ابن عباس کے طریق سے اس آیت کا نزول حضرت علی کی شان میں نقل کیا ہے، کہ حضرت علی رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس چار درہم تھے انہوں نے ایک کورات میں اور ایک کو دن میں اور ایک کو پوشیدہ طریقہ سے اور ایک کو علانیہ طریقہ سے خرچ کیا، اس کے علاوہ بھی اور روایتیں مذکور ہیں۔ (فتح القدیر شوکانی)

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقْوَمُونَ اِلَّا كَمَا يَقْوَمُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ.

”ربوا“ کے معنی زیادتی اور اضافہ کے ہیں اور شریعت میں اس کا استعمال ربا الفضل اور ربا النسیئہ پر ہوتا ہے ربا الفضل اس کو

کہتے ہیں جو اشیاء میں بلا عوض حاصل ہوتا ہے اور رب النسیئہ اس فائدہ کو کہتے ہیں جو مدت کے عوض حاصل ہو۔ اصطلاح میں ربوا اس زائد رقم کے لیے استعمال کرتے ہیں جو ایک قرض خواہ اپنے قرض دار سے ایک طے شدہ شرح کے مطابق اصل کے علاوہ وصول کرتا ہے اسی کو ہماری زبان میں سود کہتے ہیں۔

نزول قرآن کے وقت سودی معاملات کی متعدد شکلیں رائج تھیں۔ اور وہ یہ تھیں مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرتا اور ادائے قیمت کے لیے ایک وقت مقرر کر دیتا اگر وہ مدت گزر جاتی اور قیمت ادا نہ ہوتی تو وہ مزید مہلت دیتا اور قیمت میں اضافہ کر دیتا، یا مثلاً ایک شخص دوسرے شخص کو قرض دیتا اور اس سے طے کر لیتا کہ اتنی مدت میں اتنی رقم اصل سے زائد ادا کرنی ہوگی، یا مثلاً قرض خواہ اور قرض دار کے درمیان ایک خاص مدت کے لیے ایک خاص شرح طے ہو جاتی تھی، اور اگر اس مدت میں اصل رقم مع اضافہ کے ادا نہ ہوتی تو مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی تھی اور اگر اس مدت میں اصل رقم مع اضافہ کے ادا نہ ہوتی تو پھر مزید مہلت پہلے سے زائد شرح پر دی جاتی تھی اسی نوعیت کے معاملات کا بیان یہاں کیا جا رہا ہے۔

یہ کل چھ آیتیں ہیں جن میں سود کی حرمت اور احکام کا بیان ہے، پہلی آیت کے جملہ میں سود خوروں کے انجام بد اور محشر میں ان کی رسوائی اور گمراہی کا ذکر ہے جس میں سود خور کی حالت کو ایک آسیب زدہ کی حالت سے تشبیہ دی ہے، ضمناً اس آیت سے یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ شیطان کے اثر سے انسان بیہوش یا مجنون ہو سکتا ہے، اور اہل تجربہ کے متواتر مشاہدات اس پر شاہد ہیں۔ اور حافظ ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ اطباء اور فلاسفہ نے بھی اس کو تسلیم کیا ہے کہ صرع، بیہوشی یا جنون مختلف اسباب سے ہوتا ہے ان میں بعض اوقات جنات و شیطاں کے اثر کا سبب بھی ہوتا ہے جن لوگوں نے اس کا انکار کیا ہے ان کے پاس بجز ظاہری استبعاد کے کوئی دلیل نہیں۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا اِن کا کہنا تھا کہ بیع اور ربوا میں کیا فرق ہے دونوں میں مقصد حصول نفع ہے پھر تجارت حلال اور ربوا کیوں حرام ہو؟ یہ نظریہ کی خرابی بلکہ عقل کا دیوالیہ پن نہیں تو او کو کیا ہے؟ کہ تجارت میں اصل لاگت پر جو نفع لیا جاتا ہے اس کی نوعیت اور سود کی نوعیت کا فرق وہ نہیں سمجھتے اور دونوں کو ایک ہی قسم کی چیز سمجھ کر یوں استدلال کرتے ہیں کہ جب تجارت میں لگے ہوئے روپے کا منافع جائز ہے تو قرض پر دیئے ہوئے روپے کا منافع کیوں ناجائز ہے؟ اسی قسم کے دلائل موجودہ زمانہ کے سود خور بھی سود کے حق میں پیش کرتے ہیں، مگر یہ لوگ اس بات پر غور نہیں کرتے کہ دنیا میں جتنے کاروبار ہیں خواہ وہ تجارت کے ہوں یا صنعت و حرفت کے یا زراعت کے، اور خواہ انھیں آدمی صرف اپنی محنت سے کرتا ہو یا اپنے سرمایہ اور محنت سے ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس میں آدمی نقصان کا خطرہ مول نہ لیتا ہو اور جس میں آدمی کے لیے لازماً ایک حقیر منافع کی ضمانت ہو، پھر آخر پوری کاروباری دنیا میں ایک قرض دینے والا سرمایہ دار ہی ایسا کیوں ہو جو نقصان کے خطرہ سے بچ کر ایک مقرر لازمی نفع کا حقدار قرار پائے؟

سوال یہ ہے کہ جو لوگ ایک کاروبار میں اپنا وقت، اپنی محنت، اپنی قابلیت اور اپنا سرمایہ رات دن کھپاتے رہے ہیں اور جن کی سعی و کوشش کے بل پر ہی اس کاروبار کا بار آور ہونا موقوف ہے ان کے لیے تو ایک مقرر منافع کی ضمانت نہ ہو بلکہ

نقصان کا سارا خطرہ ان ہی کے سر ہو مگر سرمایہ دار جس نے اپنا روپیہ انہیں قرض دیا ہو وہ بے خطر ایک طے شدہ منافع وصول کرتا چلا جائے یہ آخر کس عقل اور کس اصول انصاف اور کس اصول معاشیات کی رو سے درست ہیں؟ متجددین کو نہ معلوم اس کی قباحت کیوں نظر نہیں آتی؟ یہ ظلم کی ایک واضح صورت ہے جسے شریعت اسلامیہ کس طرح جائز قرار دے سکتی ہے؟ علاوہ ازیں شریعت تو اہل ایمان کو معاشرے کے ضرورت مندوں پر بغیر کسی دنیوی غرض اور منفعت کے خرچ کرنے کی ترغیب دیتی ہے جس کی وجہ سے معاشرہ میں اخوت، بھائی چارے، ہمدردی، تعاون اور شفقت و محبت کے جذبات فروغ پاتے ہیں، اس کے برعکس سودی نظام سے سنگ دلی خود غرضی نفرت، وحشت و عداوت کا جذبہ فروغ پاتا ہے، ایک سود خور سرمایہ دار کو اپنے سرمایہ سے غرض ہوتی ہے چاہے معاشرہ میں ضرورت مند بیماری و افلاس سے کراہ رہے ہوں شریعت اس سنگ دلی کو کس طرح پسند کر سکتی ہے؟ بہر حال سود مطلقاً حرام ہے خواہ ذاتی غرض کے لیے ہو یا تجارتی مقاصد کے لئے۔

تجارت اور سود میں اصولی فرق:

جس کی بنا پر دونوں کی معاشی اور اخلاقی حیثیت ایک نہیں ہو سکتی یہ ہے کہ۔

① تجارت میں بائع اور مشتری کے درمیان منافع کا مساویانہ تبادلہ ہوتا ہے، کیونکہ مشتری اس چیز سے نفع اٹھاتا ہے جسے اس نے بائع سے خریدا ہے اور بائع اپنی محنت، ذہانت اور وقت کی اجرت لیتا ہے، جس کو اس نے مشتری کے لیے وہ چیز مہیا کرنے میں صرف کیا ہے بخلاف اس کے سودی لین دین میں منافع کا تبادلہ برابری کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سود لینے والا تو مال کی ایک مقررہ مقدار لے لیتا ہے جو اس کے لیے یقیناً نفع بخش ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں سود دینے والے کو صرف مہلت ملتی ہے جس کا نفع بخش ہونا یقینی نہیں، اگر اس نے سرمایہ اپنی ذاتی ضرورت پر خرچ کرنے کے لیے لیا ہے تب تو ظاہر ہے کہ مہلت اس کے لیے قطعی نافع نہیں ہے، اور اگر وہ تجارت، زراعت یا صنعت و حرفت میں لگانے کے لیے سرمایہ لیتا ہے تب بھی مہلت میں جس طرح اس کے لیے نفع کا امکان ہے اسی طرح نقصان کا بھی امکان ہے، پس سود کا معاملہ یا تو ایک فریق کے فائدے اور دوسرے کے نقصان پر ہوتا ہے یا ایک کے یقینی اور متعین فائدے اور دوسرے کے غیر یقینی اور غیر متعین فائدے پر۔

② تجارت میں بائع، مشتری سے خواہ کتنا ہی زائد نفع لے بہر حال وہ جو کچھ لیتا ہے ایک ہی بار لیتا ہے، لیکن سود کے معاملہ میں مال دینے والا اپنے مال پر مسلسل منافع وصول کرتا رہتا ہے اور وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ اس کا منافع بڑھتا چلا جاتا ہے، مدیون نے اس کے مال سے خواہ کتنا ہی فائدہ حاصل کیا ہو بہر حال اس کا فائدہ ایک خاص حد تک ہی ہوگا، مگر دائن اس فائدے کے بدلے میں جو نفع اٹھاتا ہے اس کے لیے کوئی حد نہیں، ہو سکتا ہے کہ وہ مدیون کی پوری کمائی، اس کے تمام وسائل معیشت حتیٰ کہ اس کے تن کے کپڑے اور گھر کے برتن تک ہضم کر لے اور پھر بھی اس کا مطالبہ باقی رہے۔

③ تجارت میں شئی اور اس کی قیمت کا تبادلہ ہونے کے ساتھ ہی معاملہ ختم ہو جاتا ہے اس کے بعد مشتری کو کوئی چیز بائع کو واپس دینی نہیں ہوتی۔ مکان یا دکان یا زمین یا سامان کے کرایہ میں اصل شئی جس کے استعمال کا معاوضہ دیا جاتا ہے

صرف نہیں ہوتی بلکہ برقرار رہتی ہے اور کجسہ مالک جائیداد کو واپس دیدی جاتی ہے، لیکن سود کے معاملہ میں قرض دار سرمایہ کو صرف کر سکتا ہے اور پھر اس کو صرف شدہ مال دوبارہ پیدا کر کے اضافہ کے ساتھ واپس دینا ہوتا ہے، ان وجوہ کی بنا پر تجارت اور سود کی معاشی حیثیت میں اتنا عظیم فرق ہو جاتا ہے کہ تجارت انسانی تمدن کی تعمیر کرنے والی قوت بن جاتی ہے اور اس کے برعکس سود اس کی تخریب کرنے کا موجب بنتا ہے پھر اخلاقی حیثیت سے سود کی یہ عین فطرت ہے کہ وہ افراد میں بخل، خود غرضی، شقاوت، نفرت، بے رحمی اور زر پرستی جیسی صفات پیدا کرتا ہے۔ اور ہمدردی و امداد باہمی کی روح کو فنا کرتا ہے اس بنا پر سود معاشی اور اخلاقی دونوں حیثیت سے نوع انسانی کے لیے تباہ کن ہے۔

سود کا اخلاقی نقصان:

اخلاقی اور روحانی حیثیت سے آپ دیکھیں تو آپ کو یہ بات بالکل واضح طور پر نظر آئے گی کہ سود دراصل خود غرضی، بخل، تنگ دلی اور سنگ دلی جیسی صفات کا نتیجہ ہے اور وہ ان ہی صفات کو انسان میں نشوونما دیتا ہے۔ اس کے برعکس صدقات کے نتیجہ میں فیاضی، ہمدردی، فراخ دلی اور عالی ظرفی جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں، اور صدقات پر عمل کرتے رہنے سے یہی صفات انسان کے اندر پرورش پاتی ہیں، کون ہے جو اخلاقی صفات کے ان دونوں مجموعوں میں سے پہلے مجموعہ کو بدترین اور دوسرے کو بہترین نہ مانتا ہو۔

سود کا معاشی نقصان:

معاشیات کے نقطہ نظر سے سودی قرض دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ قرض جو اپنی ذاتی ضروریات پر خرچ کرنے کے لیے لیا جاتا ہے۔ دوسرا وہ قرض جو تجارت، صنعت و حرفت اور زراعت وغیرہ کے کاموں پر لگانے کے لیے پیشہ ور لوگ لیتے ہیں، پہلی قسم کے قرض کے بارے میں تو دنیا جانتی ہے کہ اس پر سود وصول کرنے کا طریقہ نہایت ہی تباہ کن ہے، دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں کہ جس میں مہاجرین اور مہاجرین کے ادارے اس ذریعہ سے غریب مزدوروں، کاشتکاروں، قلیل المعاش عوام کا خون نہ چوس رہے ہوں، سود کی وجہ سے اس قسم کا قرض لوگوں کے لیے ادا کرنا نہایت مشکل ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات ناممکن ہو جاتا ہے ایک قرض ادا کرنے کے لیے دوسرا اور تیسرا قرض لیتے چلے جاتے ہیں، اصل رقم سے کئی گنا سود دے چکنے کے باوجود بھی اصل رقم جوں کی توں باقی کھڑی رہتی ہے، محنت پیشہ کی آمدنی کا بیشتر حصہ مہاجرین لے جاتا ہے اور اس غریب کی اپنی کمائی میں سے اس کے پاس اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے بھی کافی روپیہ نہیں بچتا، یہ صورت حال رفتہ رفتہ کارکن کی اپنے کام سے دلچسپی ختم کر دیتی ہے جس کی وجہ سے ملکی پیداوار میں شدید نقصان ہوتا ہے، جس سے ملک کی معیشت زوال پذیر ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ سودی قرض کے جال میں پھنسے ہوئے لوگوں کو ہر وقت کی فکر و پریشانی گھلا دیتی ہے اور تنگدستی کی وجہ سے ان کے لیے صحیح غذا اور علاج اس قدر

مشکل ہو جاتا ہے کہ ان کی صحتیں کبھی درست نہیں رہ سکتیں، سودی قرض کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چند افراد تو لاکھوں آدمیوں کا خون چوس چوس کر موٹے ہوتے رہتے ہیں۔ مگر نادار اور کمزور اور زیادہ نادار اور کمزور ہوتا چلا جاتا ہے، اور انجام کار خود خون چوسنے والے افراد اس کے نقصانات سے نہیں بچ سکتے، کیونکہ ان کی اس خود غرضی سے غریب عوام کو جو تکلیف پہنچتی ہے اس کی بدولت مالداروں کے خلاف غصے اور نفرت کا ایک طوفان دلوں میں اٹھتا رہتا ہے اور کسی انقلاب کے موقع پر جب یہ آتش فشاں پھٹتا ہے تو ان ظالم مالداروں کو اپنے مال کے ساتھ اپنی جان اور آبرو سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جاتا ہے۔

فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ۔ اس جملہ میں یہ ارشاد ہے کہ سود حرام ہونے سے پہلے جس شخص نے کوئی رقم جمع کر لی تھی لیکن جب سود کو حرام قرار دیا گیا تو اگر آئندہ کے لیے اس نے توبہ کر لی اور باز آ گیا تو اس سے پہلے جمع شدہ رقم ظاہر شرع کے حکم سے اسی کی ہوگی اور باطنی معاملہ اس کا کہ وہ دل سے باز آیا یا منافقانہ توبہ کی اس کا یہ معاملہ خدا کے حوالہ رہا، عام لوگوں کو بدگمانی کرنے کا حق نہیں ہے، اور جو شخص نصیحت سُنکر بھی اسی قولِ دفعل کی طرف پھر عود کرے تو چونکہ سود خوری گناہ ہے جس کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور چونکہ ان کا یہ قول کہ ”سود مثل بیع کے حلال ہے“ کفر ہے، جس کی وجہ سے ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُزِيلُ الصَّدَقَاتِ، اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے یہاں سود کے ساتھ صدقات کا ذکر ایک خاص مناسبت سے کیا گیا ہے وہ یہ کہ سود اور صدقہ کی حقیقت میں تضاد ہے اور اس کے نتائج بھی مختلف ہیں اور عموماً ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی غرض اور نیت بھی متضاد ہوتی ہے۔

حقیقت کا تضاد تو یہ ہے کہ صدقہ میں تو بغیر کسی معاوضہ کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے اور سود میں بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے۔ ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اس لیے متضاد ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے اپنے مال کو کم یا ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے اور سود لینے والا اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہے، اور ان دونوں کا انجام بھی متضاد ہے صدقہ سے معاشرہ میں ہمدردی، الفت، محبت و شفقت جنم لیتی ہے اور سود سے غصہ، عداوت، نفرت اور خود غرضی فروغ پاتی ہیں۔

سود کو مٹانے اور صدقہ کو پڑھانے کے وعدہ و وعید کا مشاہدہ پوری طرح تو آخرت میں ہو کر ہی رہے گا لیکن دنیا میں بھی سود کھانے میں برکت و خیریت برائے نام بھی نظر نہ آئے گی۔ اس کے برعکس ایک شخص کو نبی ﷺ نے شبِ معراج میں خون کے بریا میں غوطہ کھاتے دیکھا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت فرمایا یہ کون شخص ہے؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ سود کھانے والا ہے۔ ایک سود خور مہاجن چونکہ عوام الناس قلیل المایہ لوگوں کا بے رحمی سے خون چوس چوس کر خود کو فرہ کرتا ہے اس لیے مثالی شکل کے طور پر سود خور کو خون کے دریا میں تیرتا ہوا دکھایا گیا، اس کے علاوہ دنیا میں بھی سود خور قوموں اور افراد کی بنا ہی و بربادی کا انجام بارہا دنیا نے دیکھا ہے سود خوری کی عادت بنیوں اور مہاجنوں کے دل میں روپیہ کو فی نفسہ محبوب بنا دیتی ہے۔ سود خور روپے پیسے سے محبت کی وجہ سے خرچ نہیں کرتا جس کی وجہ سے روپیہ خرچ کرنا اس کے لیے جان نکالنے کے برابر

ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ خود بھی اپنی دولت سے کما حقہ لطف و راحت حاصل نہیں کر پاتا۔ اس کے مقابلہ میں صدقہ کی برکتیں ملتی غنمخواری و ہمدردی، ایک دوسرے کی مشارکت و معاونت، قوم و افراد دونوں میں مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔ بینکوں کے آئے دن لوٹنے، مہاجنوں اور بنیوں کے دیوالیہ نکلتے رہنے اور پھر اس سے ہزاروں گھروں کی تباہی و بربادی کس نے نہیں دیکھی۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ، اس میں دونوں قسم کے نافرمان شامل ہیں سود کی حرمت کا عقیدہ رکھنے کے باوجود سودی کاروبار کرنے والے اور سود کی حرمت کا عقیدہ نہ رکھنے والے بھی یہ دونوں جہنم میں جائیں گے لیکن دائمی دخول ان سود خوروں کی سزا ہے جو سود کو حلال سمجھ کر سودی کاروبار کرتے ہیں۔

سامانِ راحت اور چیز ہے اور راحت اور چیز:

یہاں شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ آج تو سود خوروں کو بڑی سے بڑی راحت و عزت حاصل ہے وہ کوٹھیوں، بنگلوں کے مالک ہیں عیش و آرام کے سارے سامان مہیا ہیں، کھانے پینے پہننے اور رہنے سہنے کی ضروریات بلکہ فضولیات بھی سب ان کو حاصل ہیں، نوکر چاکر اور شان و شوکت کے تمام اسباب موجود ہیں، لیکن غور کیا جائے تو ہر شخص سمجھ لے گا کہ سامانِ راحت اور راحت میں بڑا فرق ہے، سامانِ راحت تو فیکٹریوں، کارخانوں میں بنتا ہے اور بازاروں میں بکتا ہے وہ سونے چاندی کے عوض حاصل ہو سکتا ہے، لیکن جس شے کا نام راحت ہے وہ نہ کسی فیکٹری میں بنتی ہے اور نہ کسی منڈی میں بکتی ہے وہ تو ایک ایسی رحمت ہے جو براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہے وہ بعض اوقات ہزاروں سامانِ راحت کے باوجود حاصل نہیں ہوتی، ایک نیند ہی کی راحت کو دیکھ لیجئے کہ اس کو حاصل کرنے کے لیے یہ تو کر سکتے ہیں کہ سونے کے لیے بہتر مکان بنائیں، ہوا، روشنی کا پورا اعتدال ہو، مکان کا فرنیچر دیدہ زیب و دل خوش کن ہو، مسہری اور گدے تکتے حسب منشا ہوں، لیکن کیا نیند کا آجانا ان سامانوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟ اگر آپ کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو ہزاروں انسان اس کا جواب نفی میں دیں گے جن کو کسی عارضہ کی وجہ سے نیند نہیں آتی امریکہ جیسے مالدار و متمول ملک کے متعلق بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں پچھتر فیصد آدمی خواب آور گولیوں کے بغیر سو ہی نہیں سکتے، اور بعض اوقات خواب آور گولیاں بھی جواب دے دیتی ہیں، نیند کا سامان تو آپ بازار سے خرید لائے مگر نیند آپ کسی بازار سے کسی قیمت پر نہیں لاسکتے، اسی طرح دوسری راحتوں اور لذتوں کا حال ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، زمانہ جاہلیت میں قرض کی ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں سود در سود کی وجہ سے اصل رقم میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا تھا جس سے وہ تھوڑی سی رقم ایک پہاڑ بن جاتی اور اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی، اس کے برعکس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ کوئی تنگ دست ہو تو (سود لینا تو درکنار اصل مال لینے میں بھی) آسانی تک مہلت دو، اور اگر قرض بالکل ہی معاف کر دو تو زیادہ بہتر ہے احادیث میں بھی اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، کتنا فرق ہے ان دونوں نظاموں میں؟ ایک سراسر ظلم، تنگدلی اور خود غرضی پر مبنی نظام اور دوسرا ہمدردی تعاون اور ایک دوسرے کو

سہارا دینے والا نظام ہے اگر مسلمان خود ہی اس بابرکت نظام الہی کو نہ اپنائیں تو اس میں اسلام کا کیا قصور اور اللہ پر کیا الزام؟ کاش مسلمان اپنے دین کی افادیت اور اہمیت کو سمجھ لیں اور اس پر اپنے نظام زندگی کو استوار کر سکیں۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ (الآیۃ) بعض آثار میں ہے کہ یہ قرآن کی آخری آیت ہے جو نبی ﷺ پر نازل ہوئی، اس کے چند دن بعد ہی آپ ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے۔ (ابن کثیر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ تَعَامَلْتُمْ بِدِينٍ كَسَلْتُمْ وَقَرْضٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى مَعْلُومٍ فَالْكَتْبَةُ اسْتِثْنَاءُ وَ دَفْعًا لِلزَّعَامِ وَلِيَكْتُبَ كِتَابَ الدِّينِ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ بِالْحَقِّ فِي كِتَابَتِهِ لَا يَزِيدُ فِي الْمَالِ وَالْأَجَلِ وَلَا يَنْقُصُ وَلَا يَأْبَىٰ يَمْتَنِعُ كَاتِبٌ مِنْ أَنْ يَكْتُبَ إِذَا دُعِيَ إِلَيْهَا كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ أَيْ فَضَّلَهُ بِالْكِتَابَةِ فَلَا يَبْخُلُ بِهَا وَالْكَافُ مُتَعَلِّقَةٌ بِبَابٍ فَلِيَكْتُبَ تَاكِيدٌ وَلِيُمْلِلَ عَلَى الْكَاتِبِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ الدِّينُ لِأَنَّهُ الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ فَيُقَرَّرُ لِيَعْلَمَ مَا عَلَيْهِ وَلِيَتَّقِيَ اللَّهَ رَبَّهُ فِي إِتْلَائِهِ وَلَا يَبْخُسُ يَنْقُصُ مِنْهُ أَيْ الْحَقِّ شَيْئًا فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا سُبْدَرًا أَوْ ضَعِيفًا عَنِ الْإِتْلَاءِ لِصِغَرِ أَوْ كِبَرِ أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمْلَ هُوَ لِحَزَسٍ أَوْ جَهْلٍ بِاللُّغَةِ أَوْ نَحْوِ ذَلِكَ فَلِيُمْلِلَ وَلِيَهُ مُتَوَلَّى أَمْرِهِ مِنْ وَالِدٍ وَوَصِيِّ وَقِيَمٍ وَمُتَرَجِمٍ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهَدُوا أَشْهَدُوا عَلَى الدِّينِ شَهِيدَيْنِ شَاهِدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ أَيْ بِالْغِيَةِ الْمُسْلِمِينَ الْآخِرَارِ فَإِنْ لَمْ يَكُنَا أَيْ الشَّاهِدَانِ رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ يَشْهَدُونَ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ لِدِينِهِ وَعَدَالَتِهِ وَتَعَدُّ النِّسَاءُ لِأَجْلِ أَنْ تَضِلَّ تَنْسَى أَحَدَهُمَا الشَّهَادَةَ لِنُقْصِ عَقْلِيَّتَهُنَّ وَضَبْطِيَّتَهُنَّ فَتُذَكَّرُ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ أَحَدُهُمَا الذَّاكِرَةُ الْآخَرَى النَّاسِيَّةَ وَجُمْلَةً إِذَا كَانَ مَحَلُّ الْعِلَّةِ أَيْ لِتَذَكُّرِ أَنْ ضَلَّتْ وَدَخَلَتْ عَلَى الضَّلَالِ لِأَنَّهُ سَبَبُهُ وَفِي قِرَاءَةِ بَكْسَرٍ أَنْ شَرْطِيَّةً وَرَفَعَ تَذَكُّرُ اسْتِثْنَاءٍ جَوَابُهُ وَلَا يَأْبَى الشَّهَادَةَ إِذَا مَا زَائِدَةٌ دُعُوا إِلَى تَحْمِلِ الشَّهَادَةِ وَإِذَا نَسُوا وَلَا تَسْمُوا تَمَلُّوا مِنْ أَنْ تَكْتُبُوهُ أَيْ مَا شَهِدْتُمْ عَلَيْهِ مِنَ الْحَقِّ لِكثَرَةِ وَقُوعِ ذَلِكَ صَغِيرًا كَانَ أَوْ كَبِيرًا قَلِيلًا أَوْ كَثِيرًا إِلَى أَجَلِهِ وَقُبْتُ حُلُولِهِ حَالٌ مِنَ الْهَاءِ فِي تَكْتُبُوهُ ذَلِكَ أَيْ الْكِتَابُ أَقْطُ أَغْدَلُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ أَيْ أَعُونَ عَلَى إِقَامَتِهَا لِأَنَّهُ يُذَكِّرُهَا وَلَدُنِّي أَقْرَبُ إِلَى الْاِتِّتَابِ تَشَكُّوا فِي قَدْرِ الْحَقِّ وَالْأَجَلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تَقَعَ تِجَارَةً حَاضِرَةً وَفِي قِرَاءَةِ بِالنَّسَبِ فَتَكُونُ نَاقِصَةً وَاسْمُهَا ضَمِيرُ التِّجَارَةِ تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ أَيْ تَقْبِضُونَهَا وَلَا أَجَلَ فِيهَا فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِي أَنْ تَكْتُبُوهَا وَالْمُرَادُ بِهَا الْمُتَجَرُّفُ فِيهِ وَأَشْهَدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ عَلَيْهِ فَانْهَ أَذْفَعُ لِلِاخْتِلَافِ وَهَذَا وَمَا قَبْلَهُ أَمْرٌ نَذْبٌ وَلَا يُضَامَرُ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ صَاحِبُ الْحَقِّ وَمَنْ عَلَيْهِ بِتَحْرِيفٍ أَوْ اِمْتِنَاعٍ مِنَ الشَّهَادَةِ أَوْ الْكِتَابَةِ أَوْ لَا يَضُرُّهُمَا صَاحِبُ الْحَقِّ بِتَكْلِيفِهِمَا مَا لَا يَلِيقُ فِي الْكِتَابَةِ وَالشَّهَادَةِ وَإِنْ تَفَعَّلُوا مَا نُهِيتُمْ

عَنْهُ فَإِنَّهُ فُسُوقٌ خُرُوجٌ عَنِ الطَّاعَةِ لَا حَقَّ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ فِي أَمْرِهِ وَنَهْيِهِ وَيُعَلِّمُكُمُ اللَّهُ مَصَاحِ
 أَنْزَلَ كُمْ حَالًا مُتَدَرِّجًا أَوْ مُسْتَأْنَفًا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (۸۷) وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ سَافِرِينَ وَتَدَانِيْتُمْ
 وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ فِي قِرَاءَةِ فَرُغْنِ مَقْبُوضَةً تَسْتَوْثِقُونَ بِهَا وَبَيَّنَّتِ السُّنَّةُ حَوَازِ الرَّغْنِ فِي الْحَضَرِ
 وَوُجُودِ الْكَاتِبِ فَالتَّيِيدُ بِمَا ذَكَرَ لِأَنَّ التَّوَثُّقَ فِيهِ أَشَدُّ وَأَفَادَ قَوْلُهُ مَقْبُوضَةً اشْتِرَاطَ الْقَبْضِ فِي الرَّغْنِ
 وَالْاِكْتِفَاءُ بِهِ مِنَ الْمُرْتَبِينَ وَوَكِيلِهِ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيْ الدَّائِنُ الْمَدِينُ عَلَى حَقِّهِ فَلَهُ يَرْتَبِنِ
 فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِمِنَ أَيْ الْمَدِينُ أَمَانَتَهُ دَيْنَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ فِي آدَائِهِ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ إِذَا دُعِيتُمْ لِإِقَامَتِهَا
 وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثَمُ قَلْبُهُ خُصَّ بِالذِّكْرِ لِأَنَّهُ مَحَلُّ الشَّهَادَةِ وَلِأَنَّهُ إِذَا آثَمَ تَبِعَهُ غَيْرُهُ فَيُعَاقَبُ مُعَاقَبَةُ الْآثِمِينَ
 وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ (۸۸) لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْهُ .

۲۹
ج ۷

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم ادھار کا مثلاً بیع سلم کا اور قرض کا معاملہ ایک مدت معلومہ کے لیے کرنے لگو تو
 اس کو دستاویز کے طور پر نزاع دفع کرنے کے لیے لکھ لیا کرو اور تمہارے درمیان قرض (کی تحریر) لکھنے والے کو چاہیے کہ
 حق (وانصاف) سے لکھے مال اور مدت میں نہ زیادتی کرے اور نہ کمی۔ اور لکھنے والے کو لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے۔
 جب اس سے لکھنے کے لیے کہا جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو لکھنا سکھلایا ہے۔ یعنی کتابت کے ذریعہ اس کو فضیلت
 بخشی ہے لہذا لکھنے میں بخیل نہ کرے۔ اور کاف، یاب ہے متعلق ہے پس چاہیے کہ وہ لکھ دے۔ یہ تاکید ہے۔ اور جس پر
 حق ہے (یعنی) مقروض کو چاہیے کہ کاتب کو لکھائے۔ اس لیے کہ وہی مشہود علیہ ہے تو اقرار کرے تاکہ معلوم ہو کہ اس پر کیا
 واجب ہے؟ اور کاتب کو لکھانے میں اپنے رب اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے اور حق میں سے کچھ بھی کم نہ کرے پس اگر
 مدیون کم عقل فضول خرچ ہو یا صغیر سنی یا کبر سنی کی وجہ سے (جسمانی طور) پر ضعیف ہو۔ یا گونگا ہو یا زبان نہ جاننے کی وجہ
 سے یا کسی اور وجہ سے لکھانے پر قادر نہ ہو تو اس کے کارندے کو چاہیے کہ ٹھیک ٹھیک لکھائے (کارندہ) خواہ والد ہو، یا وصی
 ہو، یا منجبر ہو، یا مترجم ہو، اور قرض پر بالغ، مسلمان آزاد مردوں میں سے دو مردوں کو گواہ بنالینا چاہیے۔ اور اگر دو مرد گواہ
 میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہو جائیں، ایسے گواہ جن کو تم ان کے دین اور عدالت کی وجہ سے پسند کرتے ہو اور
 عورتوں کے دو عدد ہونے میں مصلحت یہ ہے کہ اگر ان میں سے ایک شہادت بھول جائے ان کی عقل اور یادداشت کے
 ناقص ہونے کی وجہ سے تو ان میں سے ایک یعنی یاد رکھنے والی دوسری یعنی بھولنے والی کو یاد دلادے (فتذکر) تخفیف اور
 تشدید کے ساتھ ہے حقیقت میں اذکار لام علت کے داخلہ کا محل ہے، اِی لَتَذْکَرَنَّ اِنْ ضَلَّتْ، اگر بھول جائے تو یاد
 دلادے، اور لام علت ضلال پر اس لیے داخل ہوا ہے کہ وہی سبب تذکیر ہے اور ایک قراءت میں، اِنْ شَرَطِیْہ کسرہ اور
 تذکر رفع کے ساتھ جملہ مستانفہ اور جواب شرط ہے اور جب گواہ بننے یا گواہی دینے کے لیے گواہوں کو بلایا جائے، ”ما“

زائد ہے، تو انکار نہ کرنا چاہیے معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا ادائیگی کی میعاد کی تعیین کے ساتھ لکھانے میں تساہل نہیں برتنا چاہیے، یعنی جس پر تم نے حق کی شہادت دی ہے، اس کے کثرت سے واقع ہونے کی وجہ سے اکتانا نہیں چاہیے (السی اجلہ) تکتبوا کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ لکھ لینا اللہ کے نزدیک زیادہ قرین عدل ہے اور شہادت کو قائم کرنے پر زیادہ معاون ہے اس لیے کہ یہ تحریر شہادت کی یاد دلاتی ہے اور زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم حق کی مقدار اور مدت کے بارے میں شک میں نہ پڑو (اور) اگر لین دین دست بدست (نقد) ہو جس کا تم لین دین کرتے رہتے ہو (یعنی بیع اور ثمن پر) دست بدست قبضہ کرتے ہو اور اس کی کوئی مدت نہیں ہوتی (یعنی ادھار نہیں ہوتا) اور (تجارة حاضرة) ایک قراءت میں نصب کے ساتھ ہے اس صورت میں ”تکون“ ناقصہ ہوگا اور اس کا اسم، تجارة (کی طرف لوٹنے والی) ضمیر ہوگی تو تمہارے لیے اس صورت میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نہ لکھو، اور تجارت سے مراد سامان تجارت ہے (تب بھی تم اس پر) گواہ کر لیا کرو جب خرید و فروخت کرو اس لیے کہ یہ بات اختلاف کو زیادہ ختم کرنے والی ہے، اور (شہادت کا یہ حکم اور ماقبل میں کتابت کا حکم) استحبابی ہے۔ اور کاتب و گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے یعنی صاحب حق اور جس پر حق ہے نقصان نہ پہنچائیں۔ (تحریر) میں تحریف کر کے یا گواہ کو اور کاتب کو گواہی اور کتابت سے روک کر اور نہ صاحب حق کاتب اور گواہ کو تکلیف پہنچائے ان کو ایسی بات کے لیے مجبور کر کے جو شہادت اور کتابت کے لائق نہیں اور اگر تم ممنوعہ حکم کا ارتکاب کرو گے تو یہ تمہارے حق میں ایک گناہ ہے جو تم کو لاحق ہوگا یعنی طاعت سے خروج ہے، اس کی امر و نہی کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تم کو تمہارے معاملات کی مصلحتیں سکھاتا ہے اور (و یعلمکم، اتقوا کی ضمیر سے) حال مقدردہ ہے۔ یا کلام مستانفہ ہے اور اللہ ہر چیز کو بخوبی جاننے والا ہے اور اگر تم حالت سفر میں ہو یعنی مسافر ہو اور ادھار لینے دینے کی نوبت آجائے اور کسی لکھنے والے کو نہ پاؤ تو رہن رکھنے کی چیزیں ہی قبضہ میں دیدی جائیں کہ جن کے ذریعہ تم معاملہ مضبوط کر لو، اور ایک قراءت میں ”رُھن“ ہے اور حدیث میں حالت حضر اور کاتب دستیاب ہونے کی صورت میں بھی رہن کو بیان کیا گیا ہے، اس لیے کہ مذکورہ دونوں قیدی اس لیے ہیں کہ حالت سفر میں مضبوطی کی ضرورت زیادہ شدید ہوتی ہے۔ اور مقبوضۃ کے لفظ سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ رہن میں قبضہ شرط ہے، اور یہ کہ خود مرہن یا اس کا وکیل قبضہ کر لے تو کافی ہے اور اگر آپس میں ایک دوسرے پر دائن اور مدیون کو اپنے حق کے بارے میں اعتبار ہو تو رہن نہ رکھے۔ تو جس پر اعتبار کیا گیا ہے (یعنی مدیون) تو اس کو چاہیے کہ اس کا دین ادا کرے اور اللہ سے جو کہ اس کا رب ہے اداء دین کے بارے میں ڈرتا رہے اور جب تم کو ادائے شہادت کے لیے بلایا جائے تو تم شہادت کو نہ چھپاؤ اور جو کوئی اسے چھپائے گا تو اس کا قلب گنہگار ہوگا اور قلب کا مخصوص طور پر ذکر اس لیے کیا ہے کہ وہی محل شہادت ہے اور اس لیے بھی کہ جب قلب گنہگار ہوگا تو اس کی اتباع میں دیگر اعضاء بھی گنہگار ہوں گے تو گنہگاروں کے مانند ان کے ساتھ سزا کا معاملہ کیا جائے گا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے تمہارے اعمال میں سے اس سے کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: تَدَايَنْتُمْ (تَدَايُنٌ) تَفَاعُلٌ. ماضی جمع مذکر حاضر: تم نے قرض کا لین دین کیا۔

قَوْلُهُ: تَعَامَلْتُمْ اس کا اضافہ **تَدَايَنْتُمْ** کے بیان معنی کے لیے ہے۔ اس لیے کہ **تَدَايُنٌ** کے دو معنی آتے ہیں آپس میں قرض کا معاملہ کرنا۔ اور بدل دینا (کما یقال۔ کما تُدِیْنُ تُدَانُ) یہاں پہلے معنی مراد ہیں دوسری وجہ یہ ہے کہ **دِیْنٌ**، **تَدَايَنْتُمْ** کے لیے تائیس ہونہ کہ تاکید، اگر **تَدَايَنْتُمْ** کو **دِیْنٌ** کے معنی میں لیا جائے تو آگے **بِدِیْنٍ** کا لفظ **تَدَايَنْتُمْ** کی تاکید ہوگا حالانکہ تائید سے تائیس بہتر ہے اسی لیے **تَدَايَنْتُمْ** کو **تَعَامَلْتُمْ** کے معنی میں لیا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: اِسْتِیْنٰفٌ. یعنی **فَتُدْکِرْ** جملہ مستأنفہ ہے بایں معنی کہ ان شرطیہ اس میں عامل نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: کَانَ، کَانَ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ **صَغِيرًا** اور **کَبِيرًا**، کان محذوف کی خبر ہیں۔

قَوْلُهُ: تَقَعُ، کَانَ کی تفسیر **تَقَعُ** سے کر کے اشارہ کر دیا کہ کان تامہ ہے **تَجَارَةٌ** حاضِرہ اس کا اسم، اور ایک قراءت میں نصب کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں **تَکُونُ** ناقصہ ہوگا۔ تقدیر عبارت یہ ہوگی ”إِلَّا اِنْ تَکُوْنَ التَّجَارَةُ تَجَارَةً حَاضِرَةً“۔

قَوْلُهُ: حَالٌ مَّقْدَرَةٌ أَوْ مُسْتَأْنَفٌ. اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سِوَالٌ: يُعَلِّمُکُمُ اللّٰهُ. کا عطف و اتقوا اللہ پر درست نہیں ہے اس لیے کہ یہ جملہ خبریہ کا جملہ انشائیہ پر عطف ہوگا جو کہ درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: واؤ عاطفہ نہیں ہے بلکہ حالیہ یا استینافیہ ہے۔

قَوْلُهُ: تَسْتَوْتُمْ بھا، اس جملہ کو محذوف ماننے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ **فَرِهَانٌ** مقبوضۃ، موصوف صفت سے مل کر مبتداء ہے اور **تَسْتَوْتُمْ** جملہ ہو کر اس کی خبر ہے۔

اللَّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

تَدَايَنْتُمْ، آپس میں لین دین کا معاملہ کرنا، یقال **تَدَايَنْتُ الرَّجُلُ**، ای **عَامَلْتُهُ**، **يُمْلِلُ**، **مِنْ الْإِمْلَالِ**، لکھنا، املا کرانا، **الْإِمْلَالِ** اور **الْإِمْلَاءِ**، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، **فَرِهَانٌ**، راء کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے یا **رَهْنٌ**، کی جمع ہے بعض قراءتوں میں **رُهْنٌ** بضم تین، جمع کا صیغہ ہے۔ **عَلَى سَفَرٍ**، اس میں استعارہ تبعیہ ہے، اس میں مخاطب کو سوار سے اور سفر کو سواری کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ استعارہ تبعیہ وہ ہے کہ جس میں لفظ مستعار، فعل، یا حرف، یا اسم مشتق ہو جیسے **فلان ركب على كتفى غريمه** فلاں شخص اپنے قرض دار کے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ یعنی اپنے قرض دار کے بری طرح پیچھے پڑ گیا۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

رابط :

جب سابقہ آیات میں سودی نظام کی سختی سے ممانعت اور صدقہ و خیرات کی تاکید بیان کی گئی تو اب آپسی قرض کے لین دین کے احکام و مسائل کی ہدایات فرمائیں اس لیے کہ جب سودی لین دین کو حرام قرار دیدیا گیا اور ہر شخص صدقہ و خیرات کی استطاعت نہیں رکھتا، اس کے علاوہ بعض لوگ صدقہ و خیرات لینا پسند بھی نہیں کرتے، تو ایسی صورت میں ضروریات پوری کرنے کے لیے ایک طریقہ قرض ہی کا باقی رہ جاتا ہے، اسی لیے احادیث میں قرض دینے کا بڑا اجر و ثواب بیان فرمایا گیا ہے، تاہم قرض جس طرح ایک ناگزیر ضرورت ہے اس میں بے احتیاطی یا تساہل جھگڑوں کا سبب بھی ہو سکتی اسی لیے اس آیت میں جسے آیت دین کہتے ہیں اور جو قرآن کی طویل ترین آیت ہے اللہ تعالیٰ نے قرض کے سلسلہ میں ضروری ہدایات ارشاد فرمائی ہیں۔

ادھار معاملہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بیع (چیز) نقد وصول کی اور قیمت کے لیے مدت طے کر لی دوسرے یہ کہ بیع کی قیمت اسی وقت نقد دیدی اور بیع وصول کرنے کے لیے وقت مقرر کر دیا، اس کو اصطلاح میں بیع سلم کہتے ہیں یہ حدیث کی رو سے جائز ہے اگرچہ یہ معدوم کی بیع ہے۔ (تفصیلات قتب فقہ میں دیکھئے)۔

إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى، مفسرین نے اس سے یہ اشارہ سمجھا ہے کہ قرضہ کے معاملات میں مدت بالکل صاف اور غیر مبہم ہونی چاہیے، گول مول اور مبہم نہ رہے۔ مثلاً یہ کہ جاڑوں میں یا گرمیوں میں یا کبھی کتنے کے وقت دیدیں گے، اس لیے کہ ان مواعید میں نقدیم و تاخیر ہوتی ہے۔ اور ابہام کی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ہے۔ مدت ماہ و تاریخ کے ساتھ متعین ہونی چاہیے۔

إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ، یعنی جب تم آپس میں ادھار لین دین کا معاملہ کیا کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اس آیت میں ایک اصول اور ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ادھار لیتے دیتے وقت تحریر لکھ لیا کرو۔

عموماً دوستوں اور عزیزوں کے درمیان قرض کے معاملات میں تحریر (دستاویز) لکھنے اور گواہ مقرر کرنے کو معیوب اور بے اعتمادی کی دلیل سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ قرض اور تجارتی قراردادوں کو تحریر میں لانا چاہیے اور اس میں شہادت بھی ثبت کر لینی چاہیے، تاکہ آئندہ کوئی نزاع پیدا نہ ہو۔ اس آیت میں دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کی میعاد ضرور مقرر کر لی جائے۔ غیر معین مدت کے لیے ادھار لین دین جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس سے جھگڑے، فساد کے دروازے کھلتے ہیں۔ اسی وجہ سے فقہاء نے کہا ہے کہ میعاد بھی ایسی ہونی چاہیے کہ جس میں کوئی ابہام و اجمال نہ ہو۔

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ، چونکہ لکھنا اس زمانہ میں عام نہ تھا بمشکل ہی کوئی لکھنے والا دستیاب ہوتا تھا، آج بھی اس ترقی یافتہ دور میں دنیا کی بیشتر آبادی ناخواندہ ہے تو یہ ممکن تھا کہ لکھنے والا کچھ کا کچھ لکھ دے جس کی وجہ سے کسی کا نقصان اور کسی کا فائدہ ہو جائے اس لیے ارشاد فرمایا کہ لکھنے والے کو چاہیے کہ عدل و انصاف سے صحیح صحیح لکھے، اور دستاویز لکھنے کا ماحصل چونکہ اپنے ذمہ حق کا اقرار کرنا ہے لہذا لکھنے کا انتظام اسی کو کرنا چاہیے جس کے ذمہ حق واجب الاداء ہے، لکھنے والے اور لکھوانے والے

کودل میں خوف خدا رکھ کر لکھنا لکھانا چاہیے۔ (وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ) میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا (الآية) بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص پر حق عائد ہوتا ہے وہ خفیف العقل ہو یا سٹھیا ہوا ہو یا نابالغ بچہ یا گونگا، یا کوئی دوسری زبان بولنے والا ہو جس کی زبان کا تب نہیں سمجھتا، اس لیے دستاویز لکھوانے پر اس کو قدرت نہ ہو تو ان کی طرف سے ان کا ولی لکھائے یا کوئی وکیل اور کارمخار لکھائے یہاں ولی دونوں معنی میں ہو سکتا ہے۔

ضابطہ شہادت کے چند اہم اصول:

سابقہ آیت میں تحریر و دستاویز لکھنے اور لکھانے کا بیان تھا، اس آیت میں بتایا گیا کہ صرف تحریر و دستاویز کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اس پر گواہ بھی بنالیں تاکہ بوقت نزاع عدالت میں ان گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ صرف تحریر جتنے شرعیہ نہیں ہے، جب تک کہ اس پر شہادت شرعیہ موجود نہ ہو، آج کل کی عدالتیں بھی محض تحریر پر زبانی شہادت کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتیں۔

شہادت کے لیے دو عادل مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے، اَنْ تَصِلَ اِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدَاهُمَا الاْخْرٰى، یہ ایک مرد کے بجائے دو عورتوں کو گواہ بنانے کی حکمت کا بیان ہے، یعنی دو عورتوں کو بمنزلہ ایک مرد کے رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ عورت عام طور پر مرد کے مقابلہ میں ضعیف الخلق اور قلیل الفہم ہوتی ہے اس لیے اگر ایک عورت معاملہ کا کچھ حصہ بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلادے، رہا یہ شبہ کہ عورت کو مرد کے مقابلہ میں ضعیف کیوں تسلیم کیا گیا ہے اور نسیان کا احتمال مرد کی شہادت میں کیوں نہیں رکھا گیا؟ تو یہ سوالات ذہن و اخلاق کی دنیا میں ایسے ہی ہیں جیسے جسمانی ساخت و مادیات کی دنیا میں یہ دریافت کیا جائے کہ حمل و رضاعت کا تعلق صرف عورت ہی سے کیوں رکھا گیا؟ اور مرد کو باوجود اس کی قوت اور برداشت کے کیوں ناقابل سمجھا گیا؟ خالق کائنات جو کائنات کے ہر ایک ذرہ سے واقف ہے اس کے پیش نظر بھی ذہنیات اور اخلاقیات کی باریک سے باریک حقیقتیں ہیں۔ مغرب کے ماہر نسائیات ہیولاک ایلس HOOLOCK ELLIS نے یہاں تک لکھ دیا کہ عورت کے لیے دھوکا اور فریب بمنزلہ امر طبعی کے ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ماجدی، انگریزی)

ہاں اگر تجارتی لین دین دست بدست ہو اور اس کو نہ لکھا جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں، مطلب یہ ہے کہ روزمرہ کی خرید و فروخت کی تحریر ضروری نہیں ہے پھر بھی اگر لکھ لیا جائے تو بہتر ہے جس طرح آج کل کیش میمو دینے کا رواج ہے۔

وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ، اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ کسی شخص کو دستاویز لکھنے اور گواہ بننے پر مجبور نہ کیا جائے، اس سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ اگر کاتب اپنی کتابت کی اجرت طلب کرے یا گواہ اپنی آمد و رفت کا خرچہ طلب کرے تو اس کا حق ہے۔ اسلام نے اپنے نظام عدالت میں جس طرح گواہ کو گواہی دینے پر مجبور کیا ہے اور گواہی چھپانے کو سخت گناہ قرار دیا ہے

اسی طرح اس کا انتظام بھی کیا ہے کہ لوگ گواہی سے بچنے پر مجبور نہ ہوں۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ (الآیۃ) اس کا یہ مطلب نہیں کہ رہن کا معاملہ سفر ہی میں ہو سکتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایسی صورت چونکہ سفر میں زیادہ پیش آتی ہے اس لیے خاص طور پر سفر کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ جب کوئی محض دستاویز لکھنے کی صورت میں قرض دینے کے لیے تیار نہ ہو تو اسی صورت میں رہن رکھ کر قرض لے لے، بلکہ دستاویز اور رہن دونوں بھی جائز ہیں۔ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرض دینے والا اپنے اطمینان کے لیے رہن رکھ سکتا ہے مگر اس لفظ ”مقبوضہ“ سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے کہ شئی مرہونہ سے نفع نہ اٹھایا جائے یہ اس کے لیے جائز نہیں، مرہون کو صرف اتنا ہی حق ہے کہ اپنا قرض وصول ہونے تک مرہون شئی پر اپنا قبضہ رکھے۔

قَوْلِهِ: فَإِنَّهُ إِثْمٌ قَلْبُهُ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس شخص کو نزاعی معاملہ کا صحیح علم ہو تو اس کو شہادت نہ چھپانی چاہیے، اور اگر چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہو گا دل کو اس لیے گنہگار فرمایا کہ کوئی شخص اس کو صرف زبان کا گناہ نہ سمجھے اس لیے کہ ارادہ اول قلب ہی میں پیدا ہوتا ہے اس لیے اول گناہ قلب کا ہو گا۔ (واللہ اعلم)

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنْ تَبَدُّوْا تُظٰهِرُوْا مَا فِیْ اَنْفُسِكُمْ مِّنَ السُّوْءِ وَ الْعَزْمُ عَلَیْهِ اَوْ تَخْفُوْهُ تُسِرُّوْهُ یَحَاسِبُكُمْ یُخْبِرُكُمْ بِہِ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ فِیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ الْمَغْفِرَۃَ لَہٗ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ تَغْذِیْبَہٗ وَ الْفِغْلَانِ بِالْجَزْمِ عَطْفًا عَلٰی جَوَابِ الشَّرْطِ وَ الرَّفْعِ اِیْ فَہُوَ وَ اللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۸۸ وَ مِنْہٗ دُحَاسَبْتُکُمْ وَ جَزَآءُ کُمْ اَمِّنَ صَدَقَ الرَّسُوْلُ بِحَمْدٍ بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ بِسَنِ الْقُرْاٰنِ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ عَطْفٌ عَلَیْہِ کُلُّ تَنْوِیْنٍ عَوَضٌ عَنِ الْمَضَافِ اِلَیْہِ اَمِّنَ بِاللّٰهِ وَ مَلَائِکَتِہٖ وَ کُتُبِہٖ بِالْجَمْعِ وَ الْاِفْرَادِ وَ رُسُلِہٖ یَقُولُوْنَ لَا نُفْرِقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ فَنُوْمِنُ بِبَعْضٍ وَ نَکْفُرُ بِبَعْضٍ کَمَا فَعَلَا الْیَہُوْدُ وَ النَّصَارٰی وَ قَالُوْا سَمِعْنَا مَا اَمَرْتَنَا بِہٖ سِمَاعٌ قَبُوْلٌ وَ اطْعَافٌ نَسْأَلُکَ غُفْرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیْکَ الْمَصِیْرُ ۝۸۹ الْمَرْجِعُ بِالْبَعْثِ وَ لَمَّا نَزَلَتْ الْاٰیۃُ الَّتِی قَبْلَہَا شَکَا الْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ الْوَسْوَۃِ وَ شَقَّ عَلَیْہِمُ الْمُحَاسَبَةُ بِہَا فَنَزَلَ لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا الْاَوْسَعَهَا اِیْ مَا تَسْعُهُ قُدْرَتُہَا لَهَا مَا کَسَبَتْ مِنْ الْخَیْرِ اِیْ ثَوَابُہٗ وَ عَلَیْہَا مَا کَسَبَتْ مِنَ الشَّرِّ اِیْ وَزْرُہٗ وَ لَا یُؤَاخِذُ اَحَدٌ بِذَنْبِ اَحَدٍ وَ لَا بِمَا لَمْ یُکْسِبْہُ بِمَا وَبِعَتْ بِہٖ نَفْسُہٗ قُولُوا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا بِالْعِقَابِ اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا تَرٰکُنَا الصَّوَابَ لَا عَنْ عَمْدٍ کَمَا اَخَذْتَ بِہٖ مَنْ قَبْلَنَا وَ قَدْ رَفَعَ اللّٰهُ ذٰلِکَ عَنْ ہٰذِہِ الْاُمَّۃِ کَمَا وَرَدَ فِی الْحَدِیثِ فَسُوَالُہٗ اِغْتِرَافٌ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْرًا اَمْرًا یَثْقُلُ عَلَیْنَا حَمْلُہٗ کَمَا حَمَلْتَنَا عَلَی الدِّیْنِ مِنْ قَبْلِنَا اِیْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ مَنْ قَتَلَ النَّفْسَ فِی التَّوْبَةِ وَ اِخْرَاجِ رُبْعِ الْمَالِ فِی الزَّکٰوۃِ وَ قَرْضِ مَوْضِعِ النِّجَاسَةِ رَبَّنَا وَ لَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَۃَ لَنَا بِہٖ مِنَ التَّکَالِیْفِ وَ الْبَلَاءِ وَ اَعْفُ عَنَّا اِنَّہٗ اَنْحُ ذُنُوْبَنَا وَ اَغْفِرْ لَنَا اِنَّہٗ وَ اَرْحَمُنَا وَ

فِي الرَّحْمَةِ زِيَادَةٌ عَلَى الْمَغْفِرَةِ أَنْتَ مَوْلَانَا سَيِّدُنَا وَنَتَوَلَّى أُمُورَنَا فَأَنْصَرُنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۸۶﴾ باقائے
الْحُجَّةِ وَالْغَلْبَةِ فِي قِتَالِهِمْ فَإِنَّ مِنْ شَأْنِ الْمَوْلَى أَنْ يَنْصُرَ مَوَالِيَهُ عَلَى الْأَعْدَاءِ فِي الْحَدِيثِ لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ
الآيَةُ فَقَرَأَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِيلَ لَهُ عَقِبَ كُلِّ كَلِمَةٍ قَدْ فَعَلْتُ.

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے برے اعمال اور ان کا پختہ ارادہ جو تمہارے دلوں میں

ہے خواہ تم ان کو ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو اللہ ان کی تم کو قیامت کے دن سزا دے گا، پھر جس کی مغفرت چاہے گا مغفرت کر دے گا اور
جس کو عذاب دینا چاہے گا عذاب دیگا دونوں فعل (یغفر اور یعذب) جواب شرط (يُحَا سِبْكُم) پر عطف ہونے کی وجہ سے

مجزوم ہیں اور تقدیر ہو کی وجہ سے مرفوع بھی، اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور انہیں چیزوں میں سے تمہارا محاسبہ کرنا اور
تم کو جزاء دینا ہے رسول یعنی محمد ﷺ نے اس قرآن کی تصدیق کی جو ان پر ان کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا، اور

مومنین نے (بھی) اس کا عطف الرسول پر ہے، یہ سب (كُلُّ) کی تنوین مضاف الیہ کے عوض ہے (ای کلیھم) اللہ پر اور
اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر ایمان لائے (كُتُب. كِتَاب) جمع اور افراد کے ساتھ ہے، اور اس کے رسولوں پر وہ کہتے

ہیں کہ ہم اس کے رسولوں میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کریں، جیسا کہ یہود و نصاریٰ
نے کیا، اور انہوں نے کہا جس کا آپ نے ہم کو حکم دیا قبولیت کے کان سے ہم نے سن لیا، اور ہم نے اطاعت کی اے ہمارے

پروردگار ہم آپ سے خطا بخشی کا سوال کرتے ہیں اور تیری ہی طرف واپسی ہے، یعنی بعث کے ذریعہ لوٹنا ہے اور جب ماقبل کی
آیت نازل ہوئی تو مومنین نے وسوسوں کے بارے میں شکایت کی اور ان پر وسوسوں کے بارے میں حساب نہیں گراں گزری تو لا

يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا الْخ نازل ہوئی، اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بناتا یعنی جو اس کے بس میں ہو، جو نیکی جس نفس نے
کمائی اس کا ثواب اس کے لیے ہے اور جس نے جو بدی کمائی اس کا گناہ اس پر ہے کوئی کسی کے جرم میں ماخوذ نہ ہوگا اور

ناکردہ جرم یعنی نفس کے وسوسوں میں ماخوذ ہوگا کہو، اے ہمارے پروردگار ہماری عذاب کے ذریعہ گرفت نہ فرما اگر ہم سے بھول
ہو یا چوک ہو جائے (یعنی) بلا قصد ہم درستی کے تارک ہو جائیں جیسا کہ آپ نے اس پر ہم سے ماقبل والوں کی گرفت فرمائی، اور

اللہ تعالیٰ نے اس امت سے بھول چوک کو معاف فرمادیا، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، پھر (معافی) کی درخواست دراصل اللہ کی
نعمت کا اعتراف ہے اے ہمارے پروردگار، ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ان لوگوں پر ڈالا جو ہم سے پیشتر تھے بنی اسرائیل،

کہ وہ توبہ کے عوض قتل نفس ہے اور زکوٰۃ میں چوتھائی مال کی زکوٰۃ نکالنا، اور مقام نجاست کو کاٹنا، یعنی ایسا حکم جو ہمارے لیے
نا قابل برداشت ہو، تکالیف اور مصائب کے قبیل سے، اور ہم سے ہمارے گناہوں کو درگزر فرما اور ہم کو معاف فرما اور رحم فرما

رحمت میں مغفرت کے مقابلہ میں زیادتی ہے، تو ہی ہمارا آقا ہے یعنی ہمارے امور کا متولی ہے سو ہم کو کافروں پر غلبہ عطا فرما قیام
حجت میں اور ان سے قتال میں فتح کے ساتھ، اس لیے کہ آقا کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے غلاموں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد

کرتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی تلاوت فرمائی، تو ہر کلمہ کے بعد (رسول) سے کہا گیا۔ **قَدْ فَعَلْتُ**، یعنی میں نے منظور کیا۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْبِيْحٍ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلُهُ: **تُظْهِرُوْا، تُبْدُوْا**، کی تفسیر **تُظْهِرُوْا** سے کر کے اشارہ کر دیا کہ **تُبْدُوْا**، **اِبْدَاءُ** سے ہے نہ کہ **بَدْءُ** سے جس کے معنی شروع کرنے کے ہیں۔

قَوْلُهُ: **مِنْ سَوْءٍ**، **مِنْ** بیان ہے، ”ما“ کا بیان ہے۔

قَوْلُهُ: **يُحَاسِبُكُمْ** اس کی دو تفسیریں ہیں ایک **يُجْزِئُكُمْ** اور دوسری **يُخْبِرُكُمْ**، ہے مفسر علام نے **سَوْءٍ** کی تفسیر **وَالْعِزْمِ** علیہ سے پہلے لفظ کے اعتبار سے کی ہے، اور **وَالْعِزْمِ** علیہ میں **وَاوْ** تفسیری ہے مطلب یہ ہے کہ انسان کے دل میں جو پختہ خیالات آتے ہیں یعنی جن کو عملی جامہ پہنانے کا عزم مصمم ہوتا ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ فرمائیں گے اس لیے کہ محض وساوس قلبی پر مواخذہ نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: **وَالْعِزْمِ** علیہ، سے ایک اعتراض کا جواب بھی مقصود ہے۔

سُؤَالٌ: **وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللّٰهُ**، سے معلوم ہوتا ہے کہ وساوس قلبی پر بھی مواخذہ ہوگا حالانکہ وساوس قلبی پر بندے کا اختیار نہیں ہے نیز یہ تکلیف مالا یطاق بھی ہے۔ اس کا جواب دیا کہ **مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ** سے وہ وساوس مراد ہیں جن کو عملی جامہ پہنانے کا عزم مصمم کر لیا گیا ہو، اسی طرح مفسر علام نے **يُحَاسِبُكُمْ** کی تفسیر **يُخْبِرُكُمْ** سے کر کے بھی اس سوال کا جواب دیدیا کہ حدیث شریف میں فرمایا کہ وساوس قلبی پر کوئی مواخذہ نہیں جب کہ ان کو عملی جامہ نہ پہنائے۔ اس کا جواب دیا کہ **يُحَاسِبُكُمْ** کے معنی ہیں **يُخْبِرُكُمْ** یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قلبی وساوس سے بھی بندے کو آگاہ کر دے گا۔ اور جن نسخوں میں **يُجْزِئُكُمْ** ہے تو پھر نسخ **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا** سے ہوگا۔

سابقہ آیت **وَإِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللّٰهُ** کو اگر عام رکھا جائے جو قلبی وساوس اور معزومات کو بھی شامل ہو تو آئندہ آیت **لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا** الخ اس کی ناسخ ہوگی اور اگر سابقہ آیت کو عزم پر محمول کیا جائے تو پھر نسخ نہیں ہوگا بلکہ لاحقہ آیت سابقہ آیت کی توضیح ہوگی۔

قَوْلُهُ: **عُطْفًا** علی جواب الشرط، اگر **يَغْفِرُ** اور **يُعَذِّبُ** کو جزم کے ساتھ پڑھا جائے تو جواب شرط یعنی **يُحَاسِبُ** پر عطف ہوگا اور اگر دونوں کو مرفوع پڑھا جائے تو، **هُوَ** مبتداء محذوف کی خبر ہوگی اور جملہ استینافیہ ہوگا۔

قَوْلُهُ: **تَنْوِيْنُهُ** عوض عن المضاف الیہ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُئِلَ: جب المؤمنون کا عطف الرسول پر ہے، تو جملہ معطوفہ ہو کر خبر مقدم ہوگی اور کُلُّ مبتداء، موخر ہوگا، حالانکہ کُلُّ کا نکرہ ہونے کی وجہ سے مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَابُ: کُلُّ اضافت الی الغیر کی وجہ سے معرفہ ہے اس لیے کہ کُلُّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے تقدیر عبارت کلہم ہے اور عوض کا حکم معوض کا ہوتا ہے۔

قَوْلًا: یقولون، ایک سوال کا جواب ہے۔

سُئِلَ: یقولون کے مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَابُ: لَا نُفَرِّقُ، جمع متکلم کا صیغہ ہے اس میں جو ضمیر جمع متکلم ہے وہ الرسول اور المؤمنین کی طرف راجع ہے حالانکہ وہ اسم ظاہر ہونے کی وجہ سے بحکم غائب ہیں، اور غائب کی طرف کلام واحد میں متکلم کی ضمیر نہیں لوٹ سکتی، لہذا نفرق سے پہلے یقولون مقدر مان لیا تاکہ جمع اور ضمیر میں مطابقت ہو جائے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الطاقة، المجهود والقدرة، یہ مصدر خف زوائد کے ساتھ استعمال ہوا ہے اصل میں إِلَّا طَاقَةً تَهَا، الإصر بھاری بوجھ، تکالیف شراقہ، سخت دشوار امور (ض) مقابلہ: لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ، اس میں صفت مقابلہ ہے۔ صفت مقابلہ کی تعریف یہ ہے کہ دو یا زیادہ متوافقی معنی لائے جائیں پھر علی الترتیب ہر لفظ کا متقابل لایا جائے، جیسے فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا یہاں يضحكوا اور قَلِيلًا متوافقی لفظ ہیں اس کے بعد اسی ترتیب سے يَبْكُوا اور كَثِيرًا لایا گیا ہے مذکورہ آیت میں لَهَا، اور عَلَيْهَا، ان دونوں میں مقابلہ ہے اسی طرح، كَسَبَتْ اور مَا اكْتَسَبَتْ میں بھی مقابلہ ہے اول فعل عمل خیر کے ساتھ خاص ہے اور دوسرا فعل عمل شر کے ساتھ خاص ہے۔ (اعراب القرآن للدرویش)

حسن الختام، یہ ہے کہ تفصیلی طور پر جن امور کو پورے مضمون میں بیان کیا گیا، اس پورے مضمون کے ایجاز و اختصار کے ساتھ خاتمہ کلام میں اعادہ کر دینا۔

سورت کا آغاز دین کی بنیادی تعلیمات سے کیا گیا تھا، سورت کو ختم کرتے وقت بھی ان تمام بنیادی اصولوں کو بیان کر دیا گیا ہے جن پر دین اسلام کی اساس قائم ہے تقابل کے لیے اس سورت کے پہلے رکوع کو پیش نظر رکھا جائے تو زیادہ مفید ہوگا۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِيحٌ

لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ قرآن مجید کی طویل ترین سورت کا یہ آخری رکوع ہے اس میں عقیدہ تو حید کا پھر اعادہ ہے، سورت کا آغاز اصول دین سے متعلق جامع تعلیم سے ہوا تھا، سورت کا خاتمہ بھی اسی جامعیت کے ساتھ بنیادی عقائد پر ہو رہا ہے۔ اسی کو بلاغت کی اصطلاح میں حسن الختام کہا جاتا ہے۔

احادیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ بڑے پریشان ہوئے، دربار رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا، یا رسول اللہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج و جہاد وغیرہ یہ سارے اعمال جن کا ہمیں حکم دیا گیا ہے ہم بجالاتے ہیں، کیونکہ یہ ہماری طاقت سے بالا نہیں ہیں، لیکن دل میں پیدا ہونے والے خیالات اور وسوسوں پر تو ہمارا اختیار ہی نہیں ہے اور وہ تو انسانی طاقت سے باہر ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر بھی محاسبہ کا اعلان فرمایا ہے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فی الحال تم سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ہی کہو، صحابہ کے جذبہ سمع و اطاعت کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے اس کو، آیت لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا، سے منسوخ فرمادیا۔ (فتح القدیر)

صحیحین اور سنن اربعہ کی یہ حدیث بھی اس کی تائید کرتی ہے، اِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِیْ عَنْ اَمْتِیْ مَا وَسَّوَسْتَ بِهٖ صَدْرُهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ اَوْ تَتَكَلَّمْ، اللہ تعالیٰ نے میری امت سے جی میں آنے والی باتوں کو معاف کر دیا ہے، البتہ ان باتوں پر گرفت ہوگی جن پر عمل کیا جائے یا جن کا اظہار کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ وساوس اور خیالات پر ہمیشہ مؤاخذہ نہیں ہوگا، صرف اس وقت مؤاخذہ ہوگا جب وہ عمل کے قالب میں ڈھل جائیں اور ان کے کرنے کا پختہ عزم ہو جائے۔

امام ابن جریر طبری کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے اس لیے کہ محاسبہ کو معاقبہ لازم نہیں ہے، یعنی ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کا محاسبہ فرمائیں تو لازمی طور پر اس کو سزا بھی دیں، بلکہ اللہ تعالیٰ محاسبہ تو ہر ایک کا فرمائیں گے، لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کو محاسبہ کے باوجود اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔

اَمِّنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ (الایۃ) اس آیت میں پھر ان ایمانیات کا ذکر ہے، جن پر اہل ایمان کو ایمان رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، اور اس سے اگلی آیت "لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ" میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت اور اس کے فضل و کرم کا تذکرہ ہے ان دونوں آیات کی احادیث میں بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں رات کو پڑھ لیتا ہے تو اس کو کافی ہو جاتی ہیں اس کے علاوہ اور بھی بہت سی فضیلتیں وارد ہوئی ہیں۔

سورہ بقرہ تمام ہوئی وللہ الحمد اولہ و آخرہ و ظاہرہ و باطنہ و هو المستعان.

بندہ محمد جمال استاذ دارالعلوم دیوبند

یعد نماز مغرب بروز پیر

۲۱/شوال ۱۴۲۴ھ

۱۵/۱۲/۲۰۰۳ء

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مَائَتَا رُكُوعًا

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مَائَتَا آيَةٍ.

سورہ آل عمران مدنی ہے اور وہ دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ۝ الْقَمْرُ ۝ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمُرَادِهِ بِذَلِكَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝
نَزَلَ عَلَيْكَ يَا مُحَمَّدُ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ مَثَلِّسًا بِالْحَقِّ بِالصِّدْقِ فِي إخبارِهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ قَبْلَهُ مِنَ الْكِتَابِ
وَأَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝ مِنْ قَبْلُ أَيْ قَبْلَ تَنْزِيلِهِ هُدًى حَالٍ بِمَعْنَى هَادِيَيْنِ مِنَ الضَّلَالَةِ لِلنَّاسِ مِمَّنْ
تَبِعْنَاهُمَا وَغَبَرَ فِيهِمَا بِأَنْزَلٍ وَفِي الْقُرْآنِ بِنَزْلِ الْمُقْتَضَى لِلتَّكْرِيرِ لِأَنَّهُمَا أَنْزَلَا دَفْعَةً وَاحِدَةً بِخِلَافِهِ
وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ بِمَعْنَى الْكِتَابِ الْفَارِقَةِ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَ ذَكَرَ بَعْدَ ذِكْرِ الثَّلَاثَةِ لِيَعْلَمَ مَا عَدَاهَا
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ الْقُرْآنِ وَغَيْرِهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ عَلِيمٌ أَمْرُهُ فَلَا يَمْنَعُهُ شَيْءٌ مِنْ أَنْجَازِ
وَعِيدِهِ وَوَعْدِهِ ذُو أَنْتِقَامٍ ۝ عَقُوبَةُ شَدِيدَةٍ مِمَّنْ عَصَاؤُهُ لَا يَقْدِرُ عَلَى مِثْلِهَا أَحَدٌ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ كُنْ
فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ لِعِلْمِهِ بِمَا يَقَعُ فِي الْعَالَمِ مِنْ كُلِّ وَجْزٍ يَ وَخَصَّهُمَا بِالذِّكْرِ لِأَنَّ الْجِسَّ لَا يَتَجَاوَزُهُمَا
هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۝ مِنْ ذُكُورٍ وَأُنثَى وَبَيَاضٍ وَسَوَادٍ وَغَيْرِ ذَلِكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ
مُنْكَرُ الْحَكِيمِ ۝ فِي صُنْعِهِ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ وَاضِحَاتٌ الْبَدَلَةُ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ أَصْدُ
الْمُعْتَمَدُ عَلَيْهِ فِي الْأَحْكَامِ وَأُخْرَمَتْ تَشْبِيهَاتُ لَا يُفْهَمُ مَعَانِيهَا كَأَوَائِلِ السُّورِ وَجَعَلَهُ كُلَّهُ مُحْكَمًا فِي قَوْلِهِ
تَعَالَى أَحْكَمْتَ آيَاتِهِ بِمَعْنَى أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ غَيْبٌ وَتَشَابُهَاتُ فِي قَوْلِهِ كِتَابًا مُتَشَابِهَاتُ بِمَعْنَى أَنَّهُ يَشَبَّهُ بَعْضُهُ
بَعْضًا فِي الْحُسْنِ وَالصِّدْقِ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ سَمِلُ عَنْ الْحَقِّ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ طَبِ
الْفِتْنَةِ لِحُبِّهِمْ لَوْ قُوعِيهِمْ فِي الشُّبُهَاتِ وَالنَّبَسِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلَةٍ تَفْسِيرِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ
وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ سَبْتَدَا خَبْرُهُ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ أَيْ بِالْمُتَشَابِهِ أَنَّهُ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَلَا
نَعْلَمُ مَعْنَاهُ كُلُّ مَنْ الْمُحْكَمِ وَالْمُتَشَابِهِ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ بِإِذْغَامِ الثَّأِ فِي الْأَضَلِّ فِي الذَّالِ أَيْ

يَتَّبِعُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝ أَصْحَابُ الْعِثْوَلِ و يَقُولُونَ اِيضًا اِذَا رَأَوْا مَن يَتَّبِعُهُ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا تَمْلِكُنَا عَنِ الْحَقِّ بِاِتِّغَاءِ تَاوِيلِهِ الَّذِي لَا يَلِيْقُ بِنَا كَمَا اَزْغَتْ قُلُوبَ اُولَئِكَ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا اَرْشَدْتَنَا اِلَيْهِ وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ مِنْ عِنْدِكَ رَحْمَةً تَشْبِيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ تَجْمَعُهُمْ لِيَوْمٍ اِى فِى يَوْمٍ لَا رَيْبَ شَكَّ فِيْهِ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ فَتُجَازِيْنُهُمْ بِاَعْمَالِهِمْ كَمَا وَعَدْتَ بِذَلِكَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝
 مَوْعِدُهُ بِالْبَغْثِ فِيهِ التَّفَاتُ عَنِ الْخَطَابِ وَ يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُونَ مِنْ كَلَامِهِ تَعَالٰى وَالْغَرَضُ مِنْ الدَّعَاءِ بِذَلِكَ بَيَانُ اَنْ عَمَلُهُمْ اَمْرًا اٰخِرَةً و لِذَلِكَ سَالُوا الشَّابَّ عَلَى الْهِدَايَةِ لِيَنَالُوا ثَوَابَهَا رَوٰى الشَّيْخَانِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَذِهِ الْاَيَةُ هُوَ الَّذِي اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيَاتٌ مُّخَكَّمَتٌ اِلٰى اٰخِرِهَا و قَالَ فَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ فَاُولَئِكَ الَّذِيْنَ سَمٰى اللّٰهُ تَعَالٰى فَاَحْذَرُوْهُمْ وَ رَوٰى الطَّبْرَانِيُّ فِى الْكَبِيْرِ عَنْ اَبِي مَالِكٍ نِ الْاَشْعَرِيِّ اَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا اَخَافُ عَلَى اُمَّتِيْ اِلَّا ثَلَاثَ خِلَالٍ وَ ذَكَرَ مِنْهَا اَنْ يُفْتَحَ لَهُمُ الْكِتٰبُ فَيَاْخُذُوْهُ الْمُؤْمِنُوْنَ يَنْتَبِغُوْنَ تَاوِيلَهُ وَ لَيْسَ يَعْلَمُ تَاوِيلَهُ اِلَّا اللّٰهُ وَ الرَّابِسَخُوْنَ فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اَمَّنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَ مَا يَذْكُرُ اِلَّا اُولُوا الْأَلْبَابِ الْحَدِيثُ .

تَرْجُمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے اللہ اللہ ہی اپنی مراد کو اس سے بہتر جانتا ہے۔ اللہ

وہ زندہ جاوید ہستی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جو (نظام کائنات کو) سنبھالے ہوئے ہے اس نے اے محمد آپ پر قرآن کو جو کہ خبر دینے میں صداقت پر مشتمل ہے بتدریج نازل فرمایا اپنے سے سابق کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس کے نازل کرنے سے پہلے تورات اور انجیل نازل کیں حال یہ ہے کہ وہ رہ نما ہیں (ہُدٰی) التوراة والا انجیل سے حال ہے، یعنی یہ دونوں کتابیں ان لوگوں کو گمراہی سے ہدایت کی جانب رہنمائی کرنے والی ہے جنہوں نے ان کی اتباع کی اور ان دونوں میں انزل کی تعبیر اختیار کی اور قرآن میں نزل کی جو تکرار کا مقتضی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ایک وقت نازل کی گئیں بخلاف قرآن کے (کہ یہ بتدریج نازل کیا گیا) اور نازل کیا فرقان کو، مراد وہ کتابیں ہیں جو حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی ہیں، تینوں کے ذکر کے بعد فرقان کا ذکر کیا تا کہ مذکورہ تینوں (کتابوں) کے علاوہ کو بھی شامل ہو جائے، بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں (یعنی) قرآن وغیرہ سے کفر کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ اپنے امر میں غالب ہے، لہذا کوئی شئی اس کو اس کے وعدہ وعید کو پورا کرنے سے نہیں روک سکتی، اور اپنے نافرمانوں سے سخت بدلہ لینے والا ہے کہ اس جیسی عقوبت پر کوئی قائل نہیں، بلاشبہ اللہ ایسا ہے کہ اس سے کوئی شئی مخفی نہیں خواہ زمین میں ہو یا آسمان میں اس کے عالم میں واقع ہونے والی کلی و جزئی چیز سے واقف ہونے کی وجہ سے، اور زمین و آسمان کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جس ان دونوں سے تجاوز نہیں کرتی۔ وہ ایسا ہے کہ رمہوں میں تمہاری

صورتیں بناتا ہے جیسی چاہتا ہے، لڑکا یا لڑکی اور سفید اور کالی وغیرہ بجز اس کے کوئی معبود نہیں جو اپنے ملک میں بڑا زبردست اور اپنی صنعت میں بڑی حکمت والا ہے وہ وہی خدا ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی اس میں محکم آیتیں ہیں (یعنی) واضح، جو واضح الدلالت ہیں اور وہی کتاب کا اصل مدار ہیں، یعنی اصل کتاب ہیں جو احکام میں معتمد علیہ ہیں اور دیگر متشابہ ہیں جن کے معانی مفہوم نہیں ہوتے جیسا کہ سورتوں کے اوائل، اور اللہ تعالیٰ کے قول ”اُنْحِكِمْتَ آيَاتُهُ“ میں پورے قرآن کو محکم قرار دیا گیا ہے، یہ اس معنی کر ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں، اور اللہ تعالیٰ کے قول ”كِتَابًا مُتَشَابِهًا“ میں پورے قرآن کو متشابہ قرار دیا گیا ہے، یہ اس معنی کر ہے کہ اس کا بعض بعض سے حسن وصدق میں مشابہ ہے، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی یعنی حق سے انحراف ہے وہ اپنے حامیوں کے لیے ان کے شہادت اور التباس میں واقع ہونے کی وجہ سے فتنہ کی تلاش میں پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے، اور اس کی غلط تفسیر کی تلاش میں دریاں حالیکہ اللہ وحدہ کے علاوہ اس کی حقیقی مراد کوئی نہیں جانتا اور پختہ کار اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ ہم متشابہ پر ایمان لا چکے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے اور ہم اس کی (حقیقی) مراد سے واقف نہیں ہیں (والسراسخون فی العلم) مبتداء ہے اور (يقولون آمنا به) اس کی خبر ہے، محکم اور متشابہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نصیحت غفلت مند ہی حاصل کرتے ہیں (يَذَكِّرُ) اصل میں تاء کو ذال میں ادغام کر کے بنا ہے، یعنی نصیحت حاصل کرتے ہیں، اور جب کسی کو متشابہ کے پیچھے پڑتا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار تو ہمارے قلوب کو حق سے نہ پھیر اس حق کی ایسی تاویل کی جستجو کے ذریعہ جو ہمارے لیے لائق نہیں ہے جیسا کہ تو نے ان لوگوں کے قلوب کو کج کر دیا بعد اس کے کہ تو ہم کو راہ حق دکھا چکا، اور ہم کو اپنے پاس سے استقامت بخش کر خصوصی رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے، اے ہمارے رب یقیناً تو لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے یعنی ایسے دن میں کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں وہ قیامت کا دن ہے تو ان کو اپنے وعدہ کے مطابق ان کے اعمال کا صلہ دے گا، یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا یعنی بعث بعد الموت کے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرے گا۔ اس میں خطاب سے (غیبت) کی جانب التفات ہے، اور احتمال یہ بھی ہے کہ (اننا اللہ لا يخلف الميعاد) اللہ تعالیٰ کا کلام ہو، اور (رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا) سے دعاء کرنے کی غرض یہ ہے کہ ان کا مقصد امر آخرت ہے، اور اسی وجہ سے ہدایت پر استقامت کا سوال کیا تاکہ اس کا ثواب حاصل کریں۔

مسلم و بخاری نے حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے روایت کیا ہے، حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا! آپ ﷺ نے یہ آیت (هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ أَلِيَّةٌ) تلاوت فرمائی اور آپ ﷺ نے فرمایا! (اے عائشہ) جب تو دیکھے کہ لوگ قرآن کے مشابہات کے پیچھے پڑے ہیں (تو سمجھ لو) یہی ہیں وہ لوگ جن کی اللہ تعالیٰ نے نشاندہی فرمائی ہے۔ تو تم اس سے بچتی رہنا۔

طبرانی نے کبیر میں ابومالک اشعری رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے میری امت پر صرف تین باتوں کا خوف ہے اور ان باتوں میں سے ایک بات یہ ذکر فرمائی، کہ لوگوں کے سامنے

کتاب (قرآن) کھولی جائے گی تو مومن اس کی تاویل کی جستجو میں لگ جائے گا حالانکہ اس کی تاویل کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور راسخین فی العلم کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے کہ کل کا کل (قرآن) ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ (الحدیث)

تَحْقِیْقِ وَتَرْکِیْبِ لِتَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِیْ فَوَائِدِ

قَوْلًا: آل. کنبہ، اہل خانہ، اولاد، عمران، کہا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے والد مراد ہیں اور کہا گیا ہے کہ عمران حضرت مریم کے والد کا نام ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد عمران اور حضرت مریم کے والد عمران کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔

قَوْلًا: متلبسًا اس میں اشارہ ہے کہ باء الصاق کے لیے ہے، اور یہ کہ بالحق، متلبسًا سے متعلق ہو کر حال ہے۔

قَوْلًا: قبل تنزیلہ اس میں اشارہ ہے کہ قبل قطع اضافت کی وجہ سے منی علی الضم ہے۔

قَوْلًا: حال بمعنی ہا دینے اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: هُدًى، مصدر ہے اس کا حمل آسانیں (یعنی توریث و انجیل) پر جائز نہیں ہے ورنہ تو مصدر کا حمل ذات پر لازم آئے گا۔

جَوَابُ: هُدًى مصدر ہے یہ ہادیین کے معنی میں ہو کر حال ہے اور حال کا ذات پر حمل درست ہے۔

قَوْلًا: بمعنى الكتب، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ فرقان قرآن کا نام ہے لہذا تکرار لازم آگیا اس لیے کہ سابقہ میں بھی قرآن کا ذکر ہو چکا ہے اور فرقان سے بھی قرآن ہی مراد ہے۔

جَوَابُ: فرقان کے یہاں لنوی معنی مراد ہیں لہذا یہ ہر اسمانی کتاب کو شامل ہے۔

قَوْلًا: من انجاز وعده، ای اتمام وعده۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

قَوْلًا: التوراة والانجیل، یہ دونوں عجمی لفظ ہیں، اور بعض حضرات نے کہا کہ عربی ہیں، عربی ہونے کی صورت میں بعض عربی لفظوں کے ذریعہ بھی گمراہی کی تاریکی سے ہدایت کی روشنی کی طرف نکلتے تھے ان لیے وری الزند سے مشتق مانا ہے، چقماق سے چونکہ روشنی نکلتی ہے، رتورات کے ذریعہ بھی گمراہی کی تاریکی سے ہدایت کی روشنی کی طرف نکلتے تھے ان لیے وری الزند سے مشتق مانا ہے، زند، چقماق کو کہتے ہیں اور بعض نے وریست فی کلامی سے مشتق مانا ہے، اس وقت توریث سے مشتق ہوگا جس کے معنی اشارہ کنایہ کرنا ہے، توریث اس لیے کہا گیا اس میں تلویحات اور ایجازات اشارات و کنایات ہیں۔

قَوْلًا: انجیل جو لوگ اس کو عربی کہتے ہیں وہ اس کو انجیل سے مشتق مانتے ہیں اس کے معنی توسع کے ہیں، اسے ان کا قول

عین نجلاء، وسیع چشمہ اور انجیل میں تورات کی بہ نسبت چونکہ توسع ہے اس لیے اس کو انجیل کہا گیا۔

المجاز: اللہ تعالیٰ کے قول ”لِما بینَ یَدَیْهِ“ میں صنعتِ مجاز ہے، بمعنی اَمَامَہُ۔

الطباق: الارض والسماء، اس میں صنعتِ طباق ہے۔

الایجاز بال حذف: یشاء اس کا مفعول اظہار قدرت و غرابت کے لیے محذوف ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

یہ سورت مدنی ہے اس کی تمام آیتیں ہجرت کے بعد مختلف اوقات میں نازل ہوئی ہیں اس سورت کا ابتدائی حصہ آیت ۸۳ تک نصاریٰ کے وفد نجران کے بارے میں نازل ہوا ہے۔ عرب کا اگر نقشہ سامنے ہو تو جنوب مشرق میں جو علاقہ یمن کے نام سے موسوم ہے اس کے شمالی حصہ میں ایک مقام نجران ہے، عہد نبوت میں یہاں مسیحیوں کی آبادی تھی ۹ یا ۱۰ ہجری میں ان کے چودہ اکابر کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا، آنحضور ﷺ نے گفتگو کے دوران ان کے عقائد تثلیث اور ابنیت کی لغویات ان پر پوری طرح واضح فرمادی۔ اسی واقعہ کے دوران مباہلہ کا معاملہ بھی پیش آیا جس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ آئے گی، سورہ بقرہ میں جس طرح خطاب خاص طور پر یہود کی جانب تھا، اسی طرح اس سورت میں مسیحیوں کی جانب ہے، سورہ آل عمران کے فضائل بھی احادیث میں بکثرت وارد ہوئے ہیں۔

اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں، یعنی اس خدائے واحد کا شریک کوئی نہ ذات میں ہے اور نہ صفات میں اور نہ افعال میں بکثرت ایسے مشرک مذہبوں کا وجود رہ چکا ہے اور اب بھی ہے جو کہتے ہیں کہ بے شک خدائے اعظم تو ایک ہی ہے لیکن اس کے ماتحت شعبہ وار چھوٹے چھوٹے خدایو تا اور دیویاں بہت سی ہیں قرآن مجید اس کی تردید کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نفس وجود ہی اس کے علاوہ کسی دوسرے خدا کا نہیں نہ چھوٹے کا اور نہ بڑے کا، الوہیت و ربوبیت تمام تر ایک ہی ذات میں ہے، آیت میں علاوہ ان جاہلی مذاہب کے خاص طور پر مسیحی عقائد کے بھی رد میں ہے۔

اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ، حَیّ، القیوم، اللہ کی خاص صفات ہیں، حَیّ کا مطلب ہے کہ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا اسے موت اور فنا نہیں۔ قَیُّوْم کا مطلب ہے ساری کائنات کا قائم رکھنے والا محافظ و نگران۔ عیسائی حضرات عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ یا ابن اللہ یا تین میں کا ایک مانتے ہیں، ان کو بتایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ بھی اللہ کی مخلوق ہیں وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کا زمانہ ولادت بھی تخلیق کائنات سے بہت بعد کا ہے تو پھر اللہ، یا اللہ کا بیٹا کس طرح ہو سکتے ہیں، اگر تمہارا عقیدہ صحیح ہے تو ان کو الوہیت کی صفات کا حامل اور قدیم ہونا چاہیے تھا۔ اور ان پر موت بھی نہیں آنی چاہیے لیکن ایک وقت آئے گا کہ وہ موت سے ہم کنار ہوں گے۔ اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق ہم کنار ہو چکے۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنجِيلَ یعنی قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں کوئی شک نہیں، اس سے پہلے انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں نازل ہوئیں۔ یہ کتاب ان کی تصدیق کرتی ہے یعنی جو باتیں ان میں درج تھیں ان کی صداقت اور ان میں بیان کردہ پیش گوئیوں کا اعتراف کرتی ہے، جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم بھی اسی ذات کا نازل کردہ ہے جس نے پہلی بہت سی کتابیں نازل فرمائیں۔



سُئِلَ: کیا موجودہ بائبل، تورات و انجیل میں جو کچھ ہے قرآن ان سب کی تائید و تصدیق کرتا ہے؟
جواب: اس سوال کے جواب کو سمجھنے کے لیے تورات و انجیل کا تاریخی پس منظر سمجھنا ضروری ہے۔

تورات و انجیل کا تاریخی پس منظر:

تورات سے دراصل وہ احکام مراد ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت سے لے کر ان کی وفات تک تقریباً چالیس سال میں ان پر نازل ہوئے، ان میں سے دس احکام تو وہ تھے جو اللہ نے پتھر کی لوحوں پر کندہ کر کے ان کو دیئے تھے، باقی ماندہ احکام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے لکھ کر اس کی بارہ نقلیں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کو دیدی تھیں، اور ایک نقل بنی لاوی کے حوالہ کی تھی تاکہ وہ اس کی حفاظت کریں، اسی کتاب کا نام تورات تھا، یہ ایک مستقل کتاب کی حیثیت سے بیت المقدس کی پہلی تباہی تک محفوظ رہی، اس کی ایک کاپی جو بنی لاوی کے حوالہ کی گئی تھی پتھر کی لوحوں سمیت عہد کے صندوقوں میں رکھ دی گئی تھی اور بنی اسرائیل اس کو تورات ہی کے نام سے جانتے تھے، لیکن اس سے ان کی غفلت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ یہودیہ کے بادشاہ یوسیاہ بن آمون کے عہد میں اس کی تخت نشینی کے اٹھارہ سال بعد جب بیکل سلیمان کی صفائی و مرمت ہوئی تو اتفاق سے سردار کاہن خلقیہ کو ایک جگہ تورات رکھی ہوئی مل گئی اور اس نے ایک عجب کی طرح شاہی منشی کو دیدی اور شاہی منشی نے اسے بادشاہ کے سامنے اس طرح پیش کیا جیسے ایک نیا انکشاف ہوا ہے، (ملاحظہ ہو ۲ باب ملاطین ۲۲ آیت ۸ تا ۱۳) یہی وجہ ہے کہ جب بخت نصر (بنوکد نصر) نے یروشلم فتح کیا اور بیکل سمیت شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تو بنی اسرائیل نے تورات کے وہ اصل نسخے جو ان کے یہاں طاق نسیان پر رکھے ہوئے تھے اور بہت تھوڑی تعداد میں تھے ہمیشہ کے لیے گم کر دیئے پھر عزراء کاہن (عزیر علیہ السلام) کے زمانہ میں بنی اسرائیل کے بچے کچھے لوگ بابل کی اسیری سے واپس یروشلم آئے اور دوبارہ بیت المقدس تعمیر ہوا تو عزیر علیہ السلام نے اپنی قوم کے چند دوسرے بزرگوں کی مدد سے بنی اسرائیل کی پوری تاریخ مرتب کی جواب بائبل کی پہلی سات کتابوں پر مشتمل ہے، اس کتاب کے چار باب یعنی خروج، احبار، گنتی اور استثناء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت پر مشتمل ہے اور اس سیرت ہی میں تاریخ نزول کی ترتیب کے مطابق تورات کی وہ آیات بھی حسب موقع درج کر دی گئیں ہیں جو عزراء اور ان کے بزرگوں کی مدد سے دستیاب ہوئی تھیں، پس اب دراصل تورات ان منتشر اجزاء کا نام ہے جو سیرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر بکھرے ہوئے ہیں، ہم انہیں صرف اس علامت سے پہچان سکتے ہیں کہ اس تاریخی بیان کے دوران میں جہاں کہیں سیرت موسیٰ علیہ السلام کا مصنف کہتا ہے کہ خدا نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ فرمایا۔ یا موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ خداوند ہمارا خدا یہ کہتا ہے وہاں سے تورات کا ایک جز شروع ہوتا ہے اور جہاں سے پھر سیرت شروع ہوتی ہے وہاں وہ جز ختم ہو جاتا ہے۔

قرآن ان ہی منتشر اجزاء کو تورات کہتا ہے اور ان ہی کی وہ تصدیق کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان اجزاء کو جمع کر کے جب قرآن سے ان کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو بجز اس کے کہ بعض مقامات پر جزوی احکام میں اختلاف ہے اصولی تعلیمات میں دونوں کتابوں کے درمیان سرسری فرق نہیں۔

اسی طرح انجیل دراصل نام ہے الھامی خطبات اور اقوال کا جو مسیح علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری ڈھائی تین برس میں بحیثیت نبی ارشاد فرمائے وہ کلمات طیبات آپ کی زندگی میں لکھے اور مرتب کئے گئے تھے یا نہیں اس کے متعلق اب ہمارے پاس کوئی ذریعہ معلومات نہیں ہے، بہر حال ایک مدت کے بعد جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت مرتب ہوئی اور مختلف رسالے لکھے گئے تو ان میں تاریخی بیان کے ساتھ ساتھ وہ خطبات اور ارشادات بھی جگہ جگہ حسب موقع درج کر دیئے گئے جو ان رسالوں کے مصنفین تک زبانی روایات اور تحریری یادداشتوں کے ذریعہ پہنچے تھے، آج، متی، مرقس، لوقا، یوحنا، کی جن کتابوں کو انانجیل کہا جاتا ہے دراصل انجیل وہ نہیں ہیں بلکہ انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ ارشادات ہیں جو ان کے اندر درج ہیں ہمارے پاس ان کے پہنچانے اور مصنفین کے اپنے کلام سے ممتاز کرنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ جہاں سیرت نگار کہتا ہے کہ مسیح نے یہ فرمایا، یا لوگوں کو یہ تعلیم دی صرف وہی مقامات اصل انجیل کے اجزاء ہیں، قرآن ان ہی اجزاء کے مجموعہ کو انجیل کہتا ہے اور انھیں کی وہ تصدیق کرتا ہے، آج کوئی ان کے بکھرے ہوئے اجزاء کو مرتب کر کے قرآن سے ان کا مقابلہ کر کے دیکھے تو وہ دونوں میں بہت کم فرق پائے گا۔

خلاصہ کلام:

موجودہ اصطلاح میں تورات متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا نام ہے جن میں ہر صحیفہ کسی نہ کسی نبی کے نام کی جانب منسوب ہے لیکن ان میں کسی صحیفہ کی تنزیل لفظی کا دعویٰ کسی یہودی کو بھی نہیں اسی طرح انجیل بھی متعدد صحیفوں کے مجموعہ کا نام ہے جن میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق مجہول الحال لوگوں کی جمع کی ہوئی حکایتیں اور ملفوظات ہیں لیکن ان میں سے کوئی صحیفہ بھی مسیحیوں کے عقیدہ میں آسانی نہیں بلکہ مسیحی صاف صاف کہتے ہیں کہ یہ مجموعہ حواریوں کے دور میں بلا ارادہ اور توقع تیار ہو گیا۔ (تفسیر ماجدی بحوالہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۳: ص ۵۱۳) ایسے بے سند مقدس صحیفوں کی تصدیق کی ذمہ داری قرآن ہرگز نہیں لیتا اور موجودہ بائبل یعنی عہد عتیق اور عہد جدید کا کوئی جزء بھی قرآن کے ماننے والوں پر حجت نہیں۔

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ، یعنی اپنے اپنے وقت میں تورات اور انجیل بھی یقیناً لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ تھیں وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ، کو دوبارہ لا کر اشارہ کر دیا کہ مگر اب تورات اور انجیل کا دور ختم ہو گیا، اب قرآن نازل ہو چکا ہے اب وہی فرقان اور حق و باطل کی پہچان ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ، (الآیۃ) محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں اوامر و نواہی، احکام و مسائل اور قصص و حکایات ہیں جن کا مفہوم واضح اور اٹل ہے اور ان کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس آیات متشابہات ہیں مثلاً اللہ کی ہستی، قضا و قدر کے مسائل، جنت و دوزخ، ملائکہ وغیرہ یعنی ماوراء العقل حقائق جن کی حقیقت سمجھنے سے عقل انسانی قاصر ہو یا ان میں ایسی تاویل کی گنجائش ہو یا کم از کم ایسا ابہام ہو جس سے عوام کو گمراہی میں ڈالنا ممکن ہو، اس لیے آگے کہا جا رہا ہے جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ آیات متشابہات کے پیچھے پڑے

رہتے ہیں اور ان کے ذریعہ فتنہ برپا کرتے ہیں جیسے عیسائی ہیں، قرآن نے حضرت عیسیٰ کو عبد اللہ اور نبی کہا ہے یہ واضح اور محکم بات ہے لیکن عیسائی اسے چھوڑ کر قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ جو کہا گیا ہے اس سے اپنے گمراہ کن عقائد پر غلط استدلال کرتے ہیں یہی حال اہل بدعت کا ہے قرآن کے واضح عقائد کے برعکس اہل بدعت نے جو غلط عقائد گھڑے ہیں، وہ ان ہی متشابہات کو بنیاد بناتے ہیں۔

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ، ”تاویل“ کے ایک معنی تو ہیں کسی چیز کی اصل حقیقت جاننا اس معنی کے اعتبار سے ”الا اللہ“ پر وقف ضروری ہے کیونکہ ہر چیز کی اصل حقیقت صرف اللہ ہی جانتے ہیں اور ”تاویل“ کے دوسرے معنی میں کسی چیز کی تفسیر اور تعبیر و بیان و توضیح، اس اعتبار سے وقف الا کے بجائے والراسخون فی العلم پر بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ راخین فی العلم بھی صحیح تفسیر و توضیح کا علم رکھتے ہیں تاویل کے یہ دونوں معنی قرآن کریم کے استعمال سے ثابت ہیں۔ (ملخص از تفسیر ابن کثیر)

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ تَدْفِعَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ إِيْ عَذَابِهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ هُمُ وَقُودُ النَّارِ ۝۱۱ بفتح الواو نأ يؤقذ به ذابهم كذاب كَعَادَةِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ بِنِ الْأُمَمِ كَعَادِ وَثمود كَذَبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ أَهْلَكُهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۝۱۲ وَ الْجَمْلَةُ مَفْسِرَةٌ لِمَا قَبْلَهَا وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۱۳ وَ نَزَلَ لَنَا أَمَرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَهُودَ بِالْإِسْلَامِ فِي مَرْجِعِهِ مِنْ بَدْرٍ فَقَالُوا لَهُ لَا يَغُرُّكَ أَنْ قَتَلْتَ نَفَرًا مِنْ قُرَيْشٍ أَغْمَارًا لَا يَعْرِفُونَ الْقِتَالَ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ الْيَهُودِ سَتُغْلَبُونَ، بِالتَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الدُّنْيَا بِالْقِتْلِ وَالْأَسْرِ وَضَرْبِ الْجَزْيَةِ وَقَذْوَقِ ذَلِكَ وَتُحْشَرُونَ بِالْوُجْهِينِ فِي الْأَجَرَةِ إِلَى جَهَنَّمَ فَتَدْخُلُونَهَا وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۱۴ الْفِرَاشُ هِيَ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ غِبْرَةٌ وَ ذَكَرَ الْفِعْلُ لِلْفَضْلِ فِي فِتْنَتَيْنِ فِرْقَتَيْنِ الْقِتَا يَوْمَ بَدْرٍ لِلْقِتَالِ فِتْنَةٌ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِي طَاعَتِهِ وَغَمُّ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَضْحَايَهُ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَكَانُوا ثَلَاثَ مِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا مَعَهُمْ فَرَسَانِ وَبِئْسَ أَذْرُعُ وَثَمَانِيَةُ سَيْوِفٍ وَ أَكْثَرُهُمْ رِجَالَةٌ وَأُخْرَى كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ بِالْيَاءِ وَالتَّاءِ إِي الْكُفَّارَ مِثْلِهِمْ إِي الْمُسْلِمِينَ إِي أَكْثَرِ مِنْهُمْ كَانُوا نَحْوَ أَلْفٍ رَأَى الْعَيْنُ إِي رُؤْيَا ظَاهِرَةً مَعَايِنَةً وَقَدْ نَصَرَهُمُ اللَّهُ تَعَالَى مَعَ قَلَّتِيهِمْ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ الْيَقْوَى بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ نَصْرُهُ إِنْ فِي ذَلِكَ الْمَذْكَورِ لَعِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَبْصَارِ ۝۱۵ لَذَوِي الْبَحْصَائِرِ أَفَلَا تَعْتَبِرُونَ بِذَلِكَ فَتُؤْمِنُونَ زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مَا تَشْتَهِيهِ النَّفْسُ وَتَدْعُو إِلَيْهِ زَيْنَهَا اللَّهُ تَعَالَى ابْتِلَاءً أَوِ الشَّيْطَانُ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَيْنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْأَنْوَالِ الْكَثِيرَةِ الْمُقَنْطَرَةِ الْمُجْمَعَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ الْحِسَانِ وَالْأَنْعَامِ إِي الْأَبِلَ وَالْبَقَرِ وَالْغَنَمِ وَالْحَرْثِ الزَّرْعِ ذَلِكَ الْمَذْكَورُ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا يَتَمَتَّعُ بِهِ فِيهَا ثُمَّ يَفْنَى وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاِبِ ۝۱۶ الْمَرْجِعُ وَهُوَ الْجَنَّةُ فَيَنْبَغِي الرُّغْبَةُ فِيهِ دُونَ غَيْرِهِ قُلْ يَا مُحَمَّدُ لِقَوْمِكَ

أَوْثَبَكُمْ أَخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ مَنْ ذَلِكُمْ الْمَذْكُورِ مِنَ الشَّهَوَاتِ اسْتَفْهَامُ تَقْرِيرٍ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا الشِّرْكَ عِنْدَ رَبِّهِمْ خَيْرٌ مِمَّا يَدْعُونَ جَنَّتْ تَجَرَّى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِدِينَ أَيْ مُتَدَرِّجِينَ الْخُلُودَ فِيهَا إِذَا دَخَلُونَهَا وَأَمْرًا بِمُطَهَّرَةٍ مِنَ الْحَيْضِ وَغَيْرِهِ مِمَّا يُسْتَقْدَرُ وَرِضْوَانٌ بِكَمَرِ أَوَّلِهِ وَضَمِّهِ لِعَتَانِ أَيْ رَضَى كَثِيرٌ مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصِيرٌ عَالِمٌ بِالْعِبَادِ ⑤ فَيُجَازِي كُلًّا مِنْهُمْ بِعَمَلِهِ الَّذِينَ نَعَتْ أَوْ بَدَّلَ مِنَ الَّذِينَ قَبْلَهُ يَقُولُونَ يَا رَبَّنَا إِنَّا أَمَّا صَدَقْنَا بِكَ وَبِرَسُولِكَ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ⑥ الصَّابِرِينَ عَلَى الطَّاعَةِ وَعَنِ الْمَعْصِيَةِ نَعَتْ وَالصَّادِقِينَ فِي الْإِيمَانِ وَالْقَنِينَ الْمُطِيعِينَ لِلَّهِ وَالْمُنْفِقِينَ الْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُسْتَغْفِرِينَ اللَّهَ بَانَ يَقُولُوا اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَنَا بِالْأَسْحَارِ ⑦ أَوَاخِرِ اللَّيْلِ خُصَّتْ بِالذِّكْرِ لَأَنَّهَا وَقْتُ الْغَفْلَةِ وَلَذَلِكَ النُّومُ شَهِدَ اللَّهُ بَيْنَ لِيَخْلُقَهُ بِالذَّلَائِلِ وَالْآيَاتِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ بِحَقِّ نَبِيِّ الْوُجُودِ ⑧ الْأَهْوَى شَهِدَ بِذَلِكَ الْمَلَكَةُ بِالْإِفْرَارِ وَأَوَّلُوا الْعِلْمَ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْمُؤْمِنِينَ بِالْإِغْتِقَادِ وَاللُّفْظِ قَائِمًا بِتَذْوِيرِ مَضْنُوعَاتِهِ وَنُضْبِهِ عَلَى الْحَالِ وَالْعَامِلِ فِيهَا مَعْنَى الْجُمْلَةِ أَيْ تَقَرَّرَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ كَرَّرَهُ تَاكِيدًا الْعَزِيزُ فِي مُلْكِهِ الْحَكِيمُ ⑨ فِي صُنْعِهِ إِنَّ الدِّينَ الْمَرْضِيُّ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ الْإِسْلَامُ أَيْ الشَّرْعُ الْمَبْعُوثُ بِهِ الرُّسُلُ الْمَنْبِيُّ عَلَى التَّوْحِيدِ وَفِي قِرَاءَةِ وَبَفَتْحِ أَنْ بَدَّلَ مِنْ أَنَّهُ الْخَبْرُ بِدَلِّ اشْتِمَالٍ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى فِي الدِّينِ بَانَ وَحَّدَ بَعْثُ وَكَفَرُ بَعْثُ ⑩ الْأَمِنْ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِالتَّوْحِيدِ بَغِيًّا مِنَ الْكَافِرِينَ بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ⑪ أَيْ الْمَجَازَاةُ لَهُ فَإِنْ حَاجَّكَ خَاصَمُكَ الْكُفَّارُ يَا مُحَمَّدُ فِي الدِّينِ فَقُلْ لَهُمْ أَسَلَّمْتُ وَجْهِي لِلَّهِ أَنْقَذْتُ لَكَ أَنَا وَمَنْ أَتَّبَعَنِي وَخُصَّ الْوَجْهَ بِالذِّكْرِ لِشَرَفِهِ فَغَيْرُهُ أَوْلَى وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ الْيَهُودَ النَّصَارَى وَالْأَمِّيَّةَ مُشْرِكِي الْعَرَبِ أَسَلَّمْتُمْ أَيْ أَسْلِمُوا فَإِنْ أَسَلَّمُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا بَيْنَ الضَّلَالِ وَإِنْ تَوَلَّوْا عَنِ الْإِسْلَامِ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ التَّبْلِيغُ لِلرِّسَالَةِ وَاللَّهُ بِصِيرٌ بِالْعِبَادِ ⑫ فَيُجَازِيهِمْ بِأَعْمَالِهِمْ وَهَذَا قَبْلَ الْأَمْرِ بِالْقِتَالِ.

ترجمہ: یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں ہرگز ان کے کچھ کام نہ آئیں گے (یعنی عذاب کو) رفع نہ کریں گے، اور وہی لوگ آگ کے ایندھن ہوں گے، واؤ کے فتح کے ساتھ، جس کے ذریعہ آگ جلائی جاتی ہے جیسا کہ معاملہ آل فرعون اور ان سے قبل والوں کے ساتھ ہوا، (یعنی) سابقہ امتوں کے ساتھ جیسا کہ عاد و ثمود (کے ساتھ) انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو اللہ نے ان کے گناہوں کے باعث ان کی گرفت کی یعنی ان کو ہلاک کر دیا اور جملہ ”کذَّبُوا“ الخ ماقبل کے جملہ ”کذاب ال فرعون الخ“ کی تفسیر ہے، اور اللہ بڑا سخت عذاب دینے والا ہے، اور جب آپ ﷺ غزوہ بدر سے واپس ہوئے اور یہود کو اسلام کی دعوت دی تو یہود نے آپ سے کہا کہ نا تجربہ کار اور فن قتال سے

ناواقف چند قریش کو قتل کر دینا آپ کو دھوکے میں نہ ڈال دے، اے محمد آپ کفر کرنے والے یہودیوں سے کہہ دیجئے کہ تم غنقریب مغلوب کئے جاؤ گے، سیغلبون، یاء اور تاء کے ساتھ دنیا میں قتل و قید اور جزیہ عائد کر کے، اور ایسا ہی ہوا اور آخرت میں جہنم کی طرف جمع کئے جاؤ گے (يُنْحَشِرُونَ) یاء اور تاء کے ساتھ تو تم اس میں داخل ہو گے، اور وہ برا ٹھکانہ، فرش ہے، بے شک تمہارے لیے یوم بدر میں دونوں فریقوں کے قتال کے لیے مقابل ہونے میں عبرت ہے (کسان) فعل کو دز میان میں فصل کی وجہ سے مذکر لایا گیا ہے، ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی یعنی اس کی اطاعت میں، اور وہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب تھے، جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی ان کے ساتھ (صرف) دو گھوڑے اور چھ زردہ اور آٹھ تلواریں تھیں ان میں سے اکثر لوگ پایادہ تھے۔ اور دوسری جماعت کافروں کی تھی جو ان (مسلمانوں) کو اپنے سے کئی گنا زیادہ کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، یعنی اپنے سے زیادہ ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی، (يَسْرُونَ) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی قلت کے باوجود مدد فرمائی، اور اللہ جس کی نصرت چاہتا ہے اپنی نصرت سے مدد کرتا ہے بلاشبہ اس مذکورہ (واقعہ) میں اہل بصیرت کے لیے بڑا سبق ہے تو تم اس سے سبق نہیں لیتے کہ ایمان لے آؤ۔ اور خوشنما کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے مرغوبات کی محبت یعنی قلب جس کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس کی طرف بلاتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان مرغوبات کو بطور آزمائش خوشنما بنا دیا ہے یا شیطان نے (خوشنما بنا دیا ہے) خواہ (وہ مرغوبات) عورتیں ہوں اور بیٹے اور اموال کثیرہ یا سونے چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے عمدہ گھوڑے اور مویشی یعنی اونٹ گائے اور بکری اور زراعت یہ سب دنیوی زندگی کے سامان ہیں، دنیا ہی میں ان سے نفع حاصل کیا جاتا ہے، پھر ختم ہو جاتا ہے۔ اور خُسن انجام تو اللہ کے پاس ہے اور وہ جنت ہے چنانچہ وہی رغبت کے لائق ہے نہ کہ اس کے علاوہ اور کچھ۔ اے محمد آپ اپنی قوم سے کہئے کیا میں ان مذکورہ (مرغوبات) سے بھی بہتر چیزیں نہ بتلاؤں؟ ان (لوگوں) کے لیے جو کہ شرک سے ڈرتے رہتے ہیں، استفہام تقریر کے لیے ہے، ان کے پروردگار کے پاس باغات ہیں جن کے نیچے بڑی نہریں بہہ رہی ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یعنی ان کے لیے ہمیشہ رہنا مقدر کر دیا گیا ہے، اور وہ ہے جنت اس میں داخل ہو جائیں گے (عند ربہم) مبتداء ہے، اور (جنت تجری) اس کی خبر ہے، اور حیض وغیرہ (مثلاً بول و براز) سے کراہت ہوتی ہے صاف ستھری بیویاں ہوں گی، اور اللہ کی خوشنودی ہوگی، (رُضْوَانٌ) راء کے کسرہ اور ضمہ کے ساتھ۔ یہ ذولغت ہیں، یعنی بڑی رضامندی، اللہ اپنے بندوں پر نظر رکھے ہوئے ہے، ان میں سے ہر ایک کو ان کی جزاء دے گا، (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے رہتے ہیں (الَّذِينَ) یہ سابق الذین کی صفت یا بدل ہے، اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے یعنی ہم نے تیری اور تیرے رسول کی تصدیق کی، سو تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا، یہ طاعت پر اور معصیت سے صبر کرنے والے ہیں۔ (یہ بھی) صفت ہے، اور ایمان میں سچے ہیں اور اللہ کے لیے عاجزی کرنے والے ہیں، اور صدقہ کرنے والے ہیں اور صبح کے وقت، یا پچھلے پہر رات میں ”اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَنَا“ کہتے ہوئے اللہ سے مغفرت مانگنے والے ہیں اور وقت سحر کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ وہ غفلت اور نیند کی لذت کا وقت ہے، اللہ نے اپنی مخلوق کے لیے دلائل اور آیات کے ذریعہ (عقلی و نقلی دلائل کے ذریعہ)

بیان فرمادیا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں یعنی کوئی معبود برحق موجود نہیں، اور ملائکہ نے بھی اقرار کر کے یہی گواہی دی ہے اور اہل علم نے کہ وہ انبیاء اور مومنین ہیں جنہوں نے اعتقاد کے ذریعہ (دل سے) گواہی دی ہے اور زبان سے تلفظ (اقرار) کر کے۔ اور وہ عدل سے انصاف قائم رکھنے والا ہے، یعنی اپنی مخلوقات کی تدبیر کرنے والا ہے (اور) قائما، حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، اور عامل اس میں جملہ کے معنی ہیں۔ اِی تَفَرَّدَ (یعنی لا الہ الا هو، تَفَرَّدَ کے معنی میں ہے)۔ بجز اس کے کوئی معبود نہیں تا کیداً اس کو مکرر لایا گیا ہے، وہ اپنے ملک میں زبردست ہے، اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے یقیناً پسندیدہ دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے یعنی وہ شریعت کہ جس کو لیکر رسول مبعوث ہوئے جن کا مدار توحید پر ہے، اور ایک قراءت میں اَنَّ کے فتح کے ساتھ اِنَّہ الخ سے بدل الاشتمال ہے اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ نے توحید کا علم آ جانے کے بعد جو اختلاف کیا کہ بعض توحید کے قائل ہوئے اور بعض منکر محض کافروں کی جانب سے آپسی ضد کی وجہ سے کیا، اور جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا اللہ بلاشبہ جلدی حساب لینے والا ہے، یعنی اس کو جزاء دینے والا ہے سوائے محمد ﷺ اگر یہ کافر آپ سے دین میں حجت کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں اور جس نے میری اتباع کی تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر چکا ہوں (یعنی) اس کا فرمانبردار ہو چکا ہوں، اور چہرہ کی تخصیص اس کے افضل ہونے کی وجہ سے ہے۔ تو اس کا غیر تو بطریق اولیٰ فرمانبردار ہوگا، اور آپ اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور ناخواندہ مشرکین عرب سے دریافت کیجئے کہ کیا تم اسلام لاتے ہو؟ یعنی اسلام لے آؤ، سوا اگر اسلام لے آئے تو وہ گمراہی سے راہ ہدایت پر آگئے اور اگر انہوں نے اسلام سے اعراض کیا تو آپ کے ذمہ صرف پیغام پہنچا دینا ہے، اور اللہ اپنے بندوں پر نظر رکھنے والا ہے لہذا وہ ان کو ان کے اعمال کی جزاء دے گا، اور یہ حکم جہاد کے حکم سے پہلے کا ہے۔

تَحْقِیْقُ شُرْکِیَّةٍ لِتَسْہِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: وَقُوْدُ، واو کے فتح کے ساتھ ایندھن اسم ہے واو کے ضم کے ساتھ مصدر ہے، مصدر کا حمل ذوات پر چونکہ درست نہیں ہے اس لیے مفتوح الواو کو اسم قرار دیا گیا تا کہ حمل درست ہو سکے۔

قَوْلًا: دَابُّهُمْ، یہ لفظ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ کَذَابٍ فرعون مبتداء محذوف کی خبر ہو کر جملہ متانفہ ہے اس کا تعلق نہ لن تغنی سے ہے اور نہ وَقُوْدُ النار، سے جیسا کہ کہا گیا ہے۔ دَابُّ بمعنی عادت، حال دَابُّ (ف) سے مصدر ہے لگاتار کسی کام میں لگنا اسی وجہ سے اس کے معنی عادت کے ہیں۔

قَوْلًا: الْجُمْلَةُ مَفْسُورَةٌ مفسر علام نے مذکورہ عبارت مقدار مان کر اشارہ کر دیا کہ کَذَّبُوا بِآیَاتِنَا، جملہ حالیہ نہیں ہے اس لیے کہ ماضی کے حال واقع ہونے کے لیے ”تذ“ ضروری ہوتا ہے بلکہ یہ جملہ، سابقہ جملہ کی تفسیر ہے یہی وجہ ہے کہ دونوں جملوں کے درمیان واو نہیں لائے۔

قَوْلًا: اَعْمَارُ، غمر کی جمع ہے نا تجربہ کار جاہل۔

قَوْلًا: ذِكْرُ الْفِعْلِ لِلْفَصْلِ يَهْ أَيْ سَوَالِ مُقَدَّرِ كَا جَوَابِ هِ۔

سُؤَالٌ: آيَةُ، كَانِ كَا اِسْمِ هِ اَوْرِ فِعْلِ كُوْنِ كَر لَا يَا كِيَا هِ اَلَا اَنَكْه كَانَتْ لَا نَا چَا هِ تَهَا تَا كْه فِعْلِ اَوْر اِسْمِ مِیْ مَوَافَقَتْ هُو جَاتِي۔

جَوَابٌ: فِعْلِ اَوْر اِسْ كِ اِسْمِ مِیْ جِبْ فِصْلِ وَاَقْعِ هُو جَا ئِ تُو مَوَافَقَتْ ضَرْوَرِي نِهِيں هُوْتِي، يِهَاں لُكْمْ، كَا فِصْلِ وَاَقْعِ هِ۔

قَوْلًا: اَلْفِئَةُ جَمَاعَتِ لَفْظُوں مِیْ اِسْ كَا وَاَحِدِ مُسْتَعْمَلِ نِهِيں هِ اِسْ كِي جَمْعِ فِئَاتِ هِ۔

قَوْلًا: الْمَذْكُورِ، اَيْ سَوَالِ كَا جَوَابِ هِ۔

سُؤَالٌ: ذَلِكَ كَا مِثَالٌ اِلَيْهِ التَّقْلِيلِ وَالتَّكْثِيرِ هِ، اِسْمِ اِشَارَةِ اَوْر مَرْجِعِ مِیْ مِطَابَقَتْ نِهِيں هِ۔

جَوَابٌ: التَّقْلِيلِ وَالتَّكْثِيرِ بِمَعْنَى الْمَذْكُورِ هِ لِهَذَا مِطَابَقَتْ مَوْجُودِ هِ۔

قَوْلًا: مَا تَشْتَهِيهِ اِسْ مِیْ اِشَارَةِ هِ كِ شَهْوَاتِ، مَصْدَرِ مَبَالِغَةٍ بِمَعْنَى مَفْعُولِ كِ هِ، كَقَوْلِهِ اَحْبَبْتُ حُبَّ

الْخَيْرِ مِیْ۔

قَوْلًا: نَعْتُ اَوْ بَدَلٌ مِّنَ الَّذِيْنَ قَبْلَهُ اِسْ اِضَافَةِ كَا مَقْصِدِ اِسْ اِعْتِرَاضِ كَا دِفَاحِ هِ كِ الْعِبَادِ جُو كِ قَرِیْبِ هِ، سِ بَدَلِ يَا

نَعْتُ هُو اِسْ كُو دِفْعِ كَر دِيَا كِ يِه اِتَّقُوا سِ بَدَلِ يَا نَعْتُ هِ نَه كِ الْعِبَادِ سِ۔

قَوْلًا: يَا رَبَّنَا، يَا مُقَدَّرَ مَا نِ كِر اِشَارَةِ كَر دِيَا كِ رَبَّنَا، يَا كِ مُقَدَّرِ هُوْنِ كِي وَجْهِ سِ مَنْسُوبِ هِ۔

قَوْلًا: نَعْتُ لَيْعْنِي جِسْ طَرَحِ الَّذِيْنَ اِتَّقُوا سِ نَعْتُ هِ يِه اِتَّقُوا بَهِي نَعْتُ هِ۔

قَوْلًا: نَصْبُهُ عَلَى الْحَالِ، لَيْعْنِي قَائِمًا هُوَ سِ حَالِ هِ نَه كِ اِلَهِ، كِي صِفْتِ هُوْنِ كِي وَجْهِ سِ اِسْ لَئِي كِ صِفْتِ اَوْر

مَوْصُوفِ كِ دَرْمِیَانِ فِصْلِ بَا اِلَا جَنْبِي وَاَقْعِ هِ۔

قَوْلًا: وَالْفَاعِلُ فِيهَا مَعْنَى الْجُمْلَةِ، اِي تَفَرَّدَ۔ يِه دَرِاصِلِ سَوَالِ مُقَدَّرِ كَا جَوَابِ هِ۔

سُؤَالٌ: سَوَالِ يِه هِ كِ قَائِمًا اِگَر مَعْطُوفِ اَوْر مَعْطُوفِ عَلَيْهِ كِ مَجْمُوعَةٍ سِ حَالِ هِ تُو اِسْ صَوْرَتِ مِیْ حَمْلِ دَرِصَتِ نَه هُو كَا اَوْر اِگَر

فَقَطْ، لَفْظِ اللّٰهِ، سِ حَالِ هُو تُو يِه بَهِي جَائِزِ نِهِيں هِ جِيَا كِ جَاءِ زَيْدٌ وَعَمْرُو رَا كِبَا اِسْ وَاقْتِ حَالِ كَا كُوْنِي عَامِلِ نَه رِ هِ كَا۔

جَوَابٌ: يِه دِيَا كِ جُمْلَةِ "لَا اِلَٰهَ اِلَّا هُو" مَعْنَى مِیْ تَفَرَّدَ كِ هِ، اِسْ لَئِي كِ اِسْتِثْنَائِي كِ بَعْدِ تَفَرُّدِ كَا فَائِدَهُ دِيَا هِ۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الاحتباك، دو کلاموں میں حذف ہو اور اول کلام سے وہ حذف کر دیا جائے جو ثانی سے مفہوم ہو اور ثانی سے وہ حذف کر دیا

جائے جو اول سے مفہوم ہو۔ فِتْنَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَآخَرَى كَافِرَةٌ۔ اِسْ مِیْ صَنْعَتِ اِحْتِبَاكِ هِ، تَقْدِيرِ عِبَارَتِ يِه هِ،

فِتْنَةٌ مُؤْمِنَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَفِتْنَةٌ أُخْرَى كَافِرَةٌ فِي سَبِيلِ الشَّيْطَانِ، فِتْنَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يِه اَوَّلِ کَلَامِ

هِ اَوْر اُخْرَى كَافِرَةٌ يِه ثَانِي کَلَامِ هِ ثَانِي کَلَامِ مِیْ كَافِرَةٌ كِ لَفْظِ سِ مُؤْمِنَةٌ مَفْهُومِ هِ لِهَذَا اِسْ كُو اَوَّلِ کَلَامِ سِ حَذْفِ كَر دِيَا

اور اول کلام میں تقاتل فی سبیل اللہ مذکور ہے اسی سے تقاتل فی سبیل الشیطان مفہوم ہے لہذا اس کو ثانی کلام میں حذف کر دیا گیا۔

قَوْلًا: الْقَنْطَرَةُ، یہ قنطار کی جمع ہے مال کثیر، ڈھیر کو کہتے ہیں۔

قَوْلًا: الْمُسَوِّمَةُ عَمْدٌ گھوڑا، علامت لگایا ہوا گھوڑا۔

قَوْلًا: مَابٍ مصدر بھی ہو سکتا ہے اور اسم مکان و اسم زمان بھی، یہ اصل میں (ن) مَنَابٌ بروزن مَفْعَلٌ تھا، واو کی حرکت نقل کر کے ہمزہ کو دیدی واو کو الف سے بدل دیا مَابٌ ہو گیا لوٹنے کی جگہ یا زمانہ۔

قَوْلًا: زَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّيْوَآتِ مِنَ النِّسَاءِ، (الآیہ) اس آیت میں صنعتِ مراعاة النظیر ہے۔

مَرَاعَاةُ النِّظِيرِ: اس کو صنعتِ تناسب اور توفیق بھی کہتے ہیں۔

مَرَاعَاةُ النِّظِيرِ: یہ ہے کہ ایسے دو یا زیادہ امور کو ایک جگہ جمع کر دیں جو ایک دوسرے کے مناسب ہوں، لیکن یہ مناسبت تضاد کی نہ ہو، ورنہ یہ صنعتِ طباق ہو جائے گی مذکورہ آیت میں متعدد ایسی چیزوں کو جمع کر دیا ہے جن میں مناسبت ہے، مگر یہ مناسبت تضاد نہیں ہے، اردو میں جیسے اس شعر میں ہے۔

چمن کے تحت پر جس دن شہ گل کا شجّل تھا ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی اور شور تھا غل تھا

خزاں کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار، گلشن میں بتاتا باغباں رو رو کے یاں غنچہ یہاں گل تھا

ان دو شعروں میں چمن کے مناسب بہت سے الفاظ شاعر نے جمع کر دیے ہیں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا (الآیہ) ممکن ہے کہ کوئی اس آیت میں یہ شبہ کرے کہ آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفار مغلوب ہوں گے، حالانکہ دنیا کے سب کفار مغلوب نہیں ہیں لیکن یہ شبہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ یہاں کفار سے تمام دنیا کے کفار مراد نہیں ہیں بلکہ اس وقت کے مشرکین اور یہود مراد ہیں، چنانچہ مشرکین کو قتل و قید اور یہود کو قتل و قید اور جزیرہ اور جلاوطنی کے ذریعہ مغلوب کر دیا گیا تھا، چنانچہ بنو قینقاع اور بنو نضیر جلاوطن کئے گئے، بنو قریظہ قتل کئے گئے اور فتح خیبر کے بعد تمام یہودیوں پر جزیرہ عائد کر دیا گیا۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ (الآیہ) اس آیت میں جنگ بدر کی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے جس میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے، اور دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ زائد تھے جن کے پاس ستر اونٹ اور دو گھوڑے اور چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں، اور تماشہ یہ تھا کہ ہر فریق کو حریف مقابل اپنے سے دو گنا نظر آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار دل میں مسلمانوں کی کثرت کا تصور کر کے مرعوب ہو رہے تھے، اور مسلمان اپنے سے دو گنی تعداد دیکھ کر اور

زیادہ حق کی طرف متوجہ ہو رہے تھے، کافروں کی پوری تعداد جو مسلمانوں کی تعداد کی تین گنی تھی منکشف ہو جاتی تو ممکن تھا کہ مسلمانوں پر خوف طاری ہو جاتا اس لیے کہ مسلمانوں کو دو گنوں پر تو ”اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ“ میں غلبہ کی پیش گوئی کر دی گئی تھی اور خدا کا وعدہ تھا مگر تین گنے پر فتح کا وعدہ نہیں تھا، اور فریقین کا دو گنی تعداد دیکھنا بعض احوال میں تھا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ (الآیۃ) ان ہی چیزوں کی محبت اکثر افراد میں حدود جائز سے تجاوز کر کے معصیت کا سبب بن جاتی ہے شہوات سے یہاں مراد مشہات ہیں یعنی وہ چیزیں جو طبعی طور پر انسان کو مرغوب اور پسندیدہ ہیں اس لیے انکی رغبت و محبت ناپسندیدہ نہیں بشرطیکہ اعتدال کے اندر اور شریعت کے دائرے میں رہے ان کی تزیین بھی اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔
وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ، آخر شب کی خصوصیت اس لیے ہے کہ وہ وقت خاص طور پر دل جمعی اور روحانی قوی کی بیداری و بالیدگی کا ہوتا ہے اور نفس پر اس وقت کا اٹھنا شاق بھی گذرتا ہے یہ مطلب نہیں کہ استغفار بجز سحر کے وقت کے دوسرے وقت میں نہیں ہو سکتا۔

الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ یعنی صبر کرنے والے، امام رازی نے لکھا ہے کہ فعل کے صیغے کے بجائے اسم فاعل کا صیغہ اس لیے لائے ہیں کہ ان سے اشخاص کی یہ غلام اور مستقل عادت ظاہر ہو۔

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (الآیۃ) شہادت کے معنی بیان کرنے اور آگاہ کرنے کے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا اور بیان کیا اس کے ذریعہ سے اس نے اپنی وحدانیت کی طرف ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ فرشتہ اور اہل علم بھی اس کی توحید کی گواہی دیتے ہیں اس میں اہل علم کی بڑی فضیلت اور عظمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اور فرشتوں کے ناموں کے ساتھ اہل علم کا بھی ذکر فرمایا ہے تاہم اس سے مراد صرف وہ اہل علم ہیں جو کتاب و سنت کے علم سے بہرہ ور ہوں۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ، اسلام وہی دین ہے جس کی دعوت و تعلیم ہر پیغمبر اپنے اپنے دور میں دیتے رہے ہیں اور اب اس کی کامل ترین شکل وہ ہے جسے پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے دنیا کے سامنے پیش کیا، جس میں توحید، رسالت اور آخرت پر اسی طرح یقین و ایمان رکھنا ضروری ہے جس طرح نبی کریم ﷺ نے بتلایا ہے۔ اب محض یہ عقیدہ رکھ لینا کہ اللہ ایک ہے اور کچھ نیک اعمال کر لینا اسلام نہیں نہ اس سے نجات حاصل ہوگی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ فِي قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ الَّذِينَ يَغْيِرُونَ النَّاسَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ بِالْعَدْلِ مِنَ النَّاسِ وَهُمْ الْيَهُودُ رَوَى أَنَّهُمْ قَتَلُوا ثَلَاثَةً وَأَرْبَعِينَ نَبِيًّا فَهَذَا هُمْ سَبْعُونَ مِنْ عِبَادِهِمْ قَتَلُوهُمْ فِي يَوْمِهِمْ فَبَشِّرْهُمْ أَغْلِبَتْهُمْ بِعَذَابِ الْيَمِّ ① مُؤْلِمٌ وَذِكْرُ الْبَشَارَةِ تَهْكُمُهُ لَهُمْ وَ دَخَلَتِ الْغَاءُ فِي خَيْرٍ إِنْ لَيْسَ اسْمُهَا الْمَوْضُولُ بِالْشَرْطِ أُولَئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ مَا عَمِلُوهُ مِنْ خَيْرٍ كَصَدَقَةٍ وَصِلَةٍ رَجِمَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلَا إِغْتِدَادَ بِهَا لَعَدَمِ شَرْطِهَا وَمَا لَهُمْ مِنْ نَصِيرِينَ ② مَا نَعِينُ لَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ أَلَمْ تَرَ تَنْظُرُ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا خَطًا مِنَ الْكِتَابِ التَّوْرَةِ يُدْعَوْنَ حَالًا إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فِرْعَوْنُ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۳۱﴾ عَنْ قَبُولِ حُكْمِهِ نَزَلَ فِي الْيَهُودِ زَلْنِي مِنْهُمْ اِثْنَانِ فَتَحَاكَمُوا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَكَمَ عَلَيْهِمَا بِالرَّجْمِ فَابْتَوَا فَجِيءَ بِالتَّوْرَةِ فَوُجِدَ فِيهَا فَرْجَمًا فَغَضِبُوا ذَلِكَ التَّوَلَّى وَالْاِعْرَاضُ بِاَنَّهُمْ قَالُوا اَيُّ سَبَبٍ قَوْلِيهِ لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ اَرْبَعِينَ يَوْمًا مُدَّةَ عَمَلَةِ اِبَائِهِمُ الْعَجَلُ ثُمَّ تَزُولُ عَنْهُمْ وَغَرَّمُ فِي دِينِهِمْ مُتَعَلِّقٌ بِقَوْلِهِ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۳۲﴾ مِنْ قَوْلِيهِ ذَلِكَ فَكَيْفَ خَالِيهِ اِذَا جَمَعْتَهُمْ لِيَوْمٍ اَيُّ فِي يَوْمٍ لَا رَيْبَ شَكٍّ فِيهِ هُوَ يَوْمُ الْقِيَمَةِ وَوُفِيَتْ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا اَعْمَلَتْ مِنْ اَعْمَالِ الْكِتَابِ وَغَيْرِهِمْ جَزَاءُ مَا كَسَبَتْ عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ وَشَرٍّ وَهُمْ اَيُّ النَّاسِ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۳۳﴾ بِتَقْصِيرِ حَسَنَةٍ اَوْ زِيَادَةِ سَيِّئَةٍ وَنَزَلَ لِمَا وَعَدَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمَّتُهُ مُلْكُ فَارَسَ وَ الرُّومَ فَقَالَ الْمُنَافِقُونَ خِيَبَاتٍ قُلِ اللّٰهُمَّ يَا اللّٰهُ مُلْكُ الْمَلِكِ تَوَلَّى تُعْطِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ مِنْ خَلْقِكَ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ بِاِيَّتَانِهِ اِيَّاهُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِنَزْعِهِ مِنْهُ بِيَدِكَ بِقُدْرَتِكَ الْخَيْرُ اَيُّ وَالشَّرُّ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۴﴾ تُولِجُ تَدْخُلُ اللَّيْلُ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارُ تَدْخُلُ فِي اللَّيْلِ فَيَزِيدُ كُلَّ مَنْ فِيهَا بِمَا نَفَسَ مِنَ الْاٰخِرِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ كَالْاِنْسَانِ وَ الطَّائِرِ مِنَ الطُّفَّةِ وَالتَّبِيضَةِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ كَالطُّفَّةِ وَالتَّبِيضَةِ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۵﴾ اَيُّ رِزْقًا وَاسِعًا لَا يَخْذُ الْمُؤْمِنُونَ الْكُفْرِينَ اَوْلِيَاءَ يَوْمَئِذٍ اَيُّ غَيْرِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ اَيُّ يُوَالِيهِمْ فَلَيْسَ مِنْ دِينِ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَّةً مَخْذَرُ تَقِيَّةٍ اَيُّ تَخَافُوا مَخَافَةً فَلَكُمْ مَوَالِيَهُمْ بِاللِّسَانِ دُونَ الْقَلْبِ وَهَذَا قَبْلَ عِزَّةِ الْاِسْلَامِ وَ يَجْرِي فِي مَنْ فِي بَلَدٍ لَيْسَ قُوِيًا فِيهَا وَيُحَذِّرُكُمْ يُخَوِّفُكُمْ اللّٰهُ نَفْسَهُ اَيُّ اَنْ يَغْضَبَ عَلَيْكُمْ اِنْ وَالْيَتُمُوسُكُمْ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿۳۶﴾ الْمَرْجُ فَيُجَارِيكُمْ قُلْ لَهُمْ اِنْ تُخَفُّوْا مَا فِي صُدُورِكُمْ قُلُوبِكُمْ بَيْنَ مَوَالِيَتِهِمْ اَوْ تَبَدُّوهُ تَخَيَّرُوهُ يَعْلَمُهُ اللّٰهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۷﴾ وَبَيْنَهُ تَغْذِيْبُ مَنْ وَالَاخُفُّ وَاِذَا كُرِيَ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ مُّبْتَدَأُ خَيْرُهُ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ اَمَدًا اَبْعَدًا غَايَةً فِي نِهَآيَةِ الْبُعْدِ فَلَا يُعْجِلُ اِلَيْهَا وَيُحَذِّرُكُمْ اللّٰهُ نَفْسَهُ كَرَّرَهُ لِمَا كَرَّرَ اللّٰهُ رَعَوْفًا بِالْعِبَادِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں اور ایک قراءت میں "يُقَاتِلُونَ"

ترجمہ: جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں اور ایک قراءت میں "يُقَاتِلُونَ" ہے اور ان لوگوں کو جو انصاف کا حکم دیتے ہیں مار ڈالتے ہیں، اور وہ یہود ہیں، روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے تینتالیس نبیوں کا قتل کیا ہے، ان کو ایک سو ستر بنی اسرائیل کے عابدوں نے منع کیا تو ان کو بھی اسی دن قتل کر دیا، انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیدیجئے (بجائے خبر کے) خوشخبری کا ذکر ان کے ساتھ مذاق کے طور پر ہے اور ان کی خبر پر فساء داخل ہوئی ہے اس کے اسم موصول کے شرط کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے، یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال دنیا و آخرت میں (یعنی) صدق

اور صلہ رحمی کے طور پر انہوں نے جو اعمال کئے وہ سب اکارت ہو گئے لہذا شرط نہ پائی جانے کی وجہ سے وہ کسی شمار میں نہیں اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا (یعنی) ان کو عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب تورات کا ایک حصہ دیا گیا تھا ان کو بلایا جاتا ہے (يُذَعَوْنَ، الَّذِينَ) سے حال ہے تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق بے رخی کرتے ہوئے اس کا حکم قبول کرنے سے منہ پھیر لیتا ہے۔ (آئندہ آیت) یہود کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ ان میں سے دو شخصوں نے زنا کیا تو وہ اپنا مقدمہ آپ ﷺ کی خدمت میں لے گئے تو آپ نے ان پر رجم کا فیصلہ فرمایا، تو انہوں نے ماننے سے انکار کر دیا، تو تورات لائی گئی تو اس میں رجم کا حکم پایا گیا۔ چنانچہ ان دونوں کو رجم کر دیا گیا، تو یہود ناراض ہو گئے، یہ اعراض اور روگردانی اس وجہ سے تھی کہ ان کا کہنا تھا کہ ہم کو آگ چند دن چھوئے گی جو کہ چالیس دن ہیں اور یہ وہ مدت ہے کہ جس میں ان کے آباء نے گائے پرستی کی تھی، پھر ان سے زائل ہو جائے گی (یعنی نجات پا جائیں گے) اور ان کو ان کے دین کے بارے میں ان کے تراشے ہوئے قول ”لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ“ نے دھوکے میں ڈال دیا تھا، فی دینہم کا تعلق ما کسانوا یفترون سے ہے، تو ان کا کیا حال ہوگا؟ جب ہم ان کو اس دن میں جمع کریں گے کہ جس کے آنے میں ذرا شک نہیں ہے، وہ قیامت کا دن ہے۔ اور ہر شخص کو خواہ اہل کتاب سے ہو یا غیر اہل کتاب سے، ان کے اچھے برے اعمال کی پوری پوری جزاء دی جائے گی اور لوگوں پر ظلم نہ کیا جائے گا نیکیوں میں کمی کر کے اور برائیوں میں اضافہ کر کے۔ اور جب آپ ﷺ نے اپنی امت سے ملک فارس اور روم کے فتح ہونے کی پیشین گوئی فرمائی تو منافقوں نے کہا یہ بات بہت بعید ہے آپ کہیے اے سارے جہانوں کے مالک اللہم بمعنی یا اللہ تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے ملک عطاء کرے اور جس سے چاہے چھین لے اور جس کو چاہے ملک دے کر عزت دے اور جس کو چاہے چھین کر ذلت دے تیرے ہی قبضہ قدرت میں خیر و شر ہے، بلا شبہ تو ہی ہر شئی پر قادر ہے، رات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے ہر ایک میں سے جو مقدار کم ہوتی ہے وہ دوسرے میں زائد ہو جاتی ہے اور تو جاندار کو بے جان سے مثلاً انسان اور پرندے کو نطفہ اور انڈے سے اور بے جان کو مثلاً نطفہ اور انڈے کو جاندار سے نکالتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے یعنی وسعت کے ساتھ رزق دیتا ہے، مومنوں کو چاہیے کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں کہ مومنین کو چھوڑ کر ان سے محبت کرنے لگیں۔ اور جو شخص ایسا کرے گا یعنی ان سے (دلی) دوستی کرے گا تو وہ اللہ کے دین کے بارے میں کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے اندیشہ (ضرر) رکھتے ہو ثقہ، تقیہ، کا مصدر ہے، یعنی اگر تم ان سے کسی قسم کے ضرر کا خوف رکھتے ہو تو تم کو ان سے زبانی دوستی کی اجازت ہے نہ کہ دلی دوستی کی، اور یہ حکم اسلام کے غلبہ سے قبل کا ہے، اور مذکورہ حکم اس کے لیے بھی ہے جو کسی ایسے شہر میں ہو کہ اسلام اس میں قوی نہیں ہے۔ اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے یہ کہ وہ تم سے ناراض ہوگا اگر تم ان سے (دلی) دوستی کرو گے اور اللہ کی طرف آنا ہے، تو وہ تم کو جزا دے گا، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ ان کی دوستی جو تمہارے دلوں میں ہے خواہ اس کو چھپاؤ یا اس کو ظاہر کرو اللہ اس کو جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے (سب کو) جانتا ہے، اور اللہ ہر شئی پر قادر ہے، اور ان ہی میں سے کافروں سے دوستی کرنے والے

کو سزا دینا بھی ہے، جس دن ہر شخص اپنے نیک و بد اعمال کو موجود پائے گا (ما عملت من سوء) مبتداء خبر ہیں۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس (قیامت کے) دن کے درمیان مسافت بعید ہوتی کہ وہ اس تک نہ پہنچ سکتا، اور اللہ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے تاکہ اس کے لیے مکرر لائے ہیں اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا شفقت کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَ فِي قِرَاءَةِ يُقَاتِلُونَ، بہتر ہوتا کہ مفسر غلام اس اختلاف کو بعد والے یَقْتُلُونَ الَّذِينَ کے بعد، ذکر کرتے، اس لیے کہ مذکورہ اختلاف ثانی یَقْتُلُونَ میں ہے نہ کہ اول میں۔ (حمل)

قَوْلُهُ: يُذْعَوْنَ، حَالٌ، يُذْعَوْنَ، الَّذِينَ سے حال ہے نہ کہ صفت اس لیے کہ جملہ، معرفہ کی صفت نہیں ہو سکتا۔

قَوْلُهُ: اِی النَّاسِ النَّاسِ کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: هُمْ، ضمیر نفس، کی طرف راجع ہے جو کہ مونث سماعی ہے لہذا مرجع و ضمیر میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَابٌ: هُمْ ضمیر الناس کی طرف راجع ہے جو کہ نفس سے مفہوم ہے۔

قَوْلُهُ: يَا اللّٰه، اللّٰهُمَّ کی تفسیر یا اللہ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ اللّٰهُمَّ میں الف لام، یا حرفِ ندا کے عوض میں ہے، یہی وجہ ہے کہ لفظ اللہ پر دونوں بیک وقت داخل نہیں ہوتے۔

قَوْلُهُ: رِزْقًا وَّاسِعًا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ کوئی بھی رزق غیر معلوم الحساب (بے شمار) نہیں ہے خاص طور پر اس لیے کہ اللہ کے علم میں ہر چیز معلوم و محسوس ہے، تو اس کا جواب دیا ہے بغیر حساب سے مراد وسیع اور کثیر ہے۔

قَوْلُهُ: يُوَالُوْنَهُمْ اس میں اشارہ کہ اُولِیَاءَ، ولی بمعنی محبت سے ماخوذ ہے نہ کہ بمعنی استعانت سے۔

قَوْلُهُ: تُقَّةٌ (تَقَاةٌ) یہ تَقِيَّةٌ کا مصدر مفعول مطلق ہے بچنا حفاظت کرنا۔ تَقَّةٌ اصل میں وَقِيَّةٌ وَاوْكَوْتَاءُ سے بدلا اور یاء کو الف سے اور تاء کو حذف و او پر دلالت کرنے کے لیے ضمہ دیدیا۔ (اعراب القرآن متصرفاً)

قَوْلُهُ: اَنْ يَغْضَبَ عَلَيْنُكُمْ اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے یُحَذِّرُكُمْ اللّٰهُ نَفْسَهُ اِی غَضَبَ نَفْسِهِ یہ ان لوگوں پر رد ہے جنہوں نے تَقَّةٌ کو مفعول قرار دیا ہے، اس لیے کہ مفعول مجاز ہے اور مجاز بلا ضرورت جائز نہیں اور یہاں کوئی ضرورت نہیں۔

قَوْلُهُ: مَبْتَدَاءٌ خَبَرُهُ تَوَدُّ، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وَ مَا عَمِلْتَ كَا عَطْفِ تَجَدُّ کے معمول پر نہیں ہے بلکہ مبتداء ہے اور اس کی خبر یَوَدُّ ہے اس لیے کہ اس صورت میں تَوَدُّ عملت کی ضمیر سے حال ہوگا اور عدم معاونت کی وجہ سے حال واقع ہونا صحیح نہیں ہے۔

اللَّغَةِ وَالْبَلَاغَةِ

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، اس میں استعارہ تبعیہ ہے، اخبار بالعذاب کو بشارت سے تشبیہ دی ہے مشبہ بہ کو مشبہ کے لیے مستعار لیا ہے پھر بشارۃ سے بَشِّرْ مشتق کیا۔ تخرج الحیّ مِنَ المیتِ وتخرج المیتَ مِنَ الحیّ۔ اس آیت میں استعارہ تصریحیہ ہے جب کہ حی و میت سے مسلم و کافر مراد ہوں، مشبہ کو حذف کر دیا اور مشبہ بہ کو باقی رکھا، اور اگر نطفہ اور بیضہ مراد ہوں تو کلام اپنی حقیقت پر ہوگا۔ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوا، اس میں التفات من الغیبة الی الخطاب ہے اگر سابقہ طریقہ پر کلام ہوتا تو اِلَّا اَنْ یَتَّقُوا ہوتا۔

تَفْسِیْرٌ وَتَشْرِیْحٌ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِآیَاتِ اللّٰهِ وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیِّیْنَ بِغَیْرِ حَقٍّ۔ یعنی ان کی سرکشی اور بغاوت اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ صرف نبیوں کو ہی ناحق قتل نہیں کیا بلکہ ان کو بھی قتل کر ڈالا جو حق و انصاف کی بات کرتے تھے۔ یعنی وہ مومنین و مخلصین اور داعیان حق جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے تھے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ، یہ طنزیہ انداز بیان ہے مطلب یہ ہے کہ اپنے جن کرتوتوں پر وہ آج بہت خوش ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے کام کر رہے ہیں انھیں بتادو کہ تمہارے ان اعمال کا انجام یہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلٰی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتَابِ (الآیۃ) ان اہل کتاب سے مراد مدینہ کے وہ یہودی ہیں جن کی اکثریت قبول اسلام سے محروم رہی اور وہ اسلام اور مسلمانوں اور نبی کے خلاف مکر و سازش میں مصروف رہے حتیٰ کہ ان کے دو قبیلے جلاوطن اور ایک قبیلہ قتل کر دیا گیا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمْسَنَا النَّارُ اِلَّا اٰیٰمًا مَّعْدُوْدٰتٍ، یعنی اس کتاب کے ماننے سے گریز اور روگردانی کی وجہ سے ان کا یہ زعم باطل ہے کہ اول تو وہ جہنم میں جائیں گے ہی نہیں اور اگر گئے بھی تو صرف چند دن کے لیے جائیں گے، ان من گھڑت باتوں نے ان کو دھوکے اور فریب میں ڈال رکھا ہے، یعنی یہ لوگ اپنے آپ کو خدا چھیتا سمجھ بیٹھے ہیں جس کی وجہ سے یہ اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ ہم خواہ کچھ بھی کریں بہر حال جنت ہماری ہے ہم اہل ایمان ہیں اور ہم فلاں کی اولاد ہیں اور فلاں کی امت ہیں آگ کی کیا مجال کہ ہم کو چھو بھی جائے اور اگر بالفرض چھوئے گی بھی تو بس چند روز کے لیے گناہوں کی آلائشوں سے پاک صاف کرنے کے لیے اس کے بعد پھر سیدھے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے، ان ہی خیالات نے ان کو اتنا جری اور بے باک بنا دیا ہے کہ وہ سخت سے سخت جرم کا ارتکاب کر جاتے ہیں اور ذرا بھر بھی خدا کا خوف نہیں کرتے۔

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكَافِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ (الآیۃ) اولیاء ولی کی جمع ہے ولی ایسے دوست کو کہتے ہیں جس سے دلی محبت اور

خصوصی تعلق ہو۔ مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کو آپس میں ایک دوسرے سے خصوصی تعلق اور قلبی لگاؤ ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل ایمان کو اس بات سے سختی سے منع فرمایا ہے کہ وہ کافروں کو اپنا دلی دوست بنائیں، کیونکہ کافر اللہ کے بھی دشمن ہیں اور اہل ایمان کے بھی، تو پھر ان کو دوست بنانے کا جواز کس طرح ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو قرآن کریم میں کئی جگہ بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ تاکہ اہل ایمان کافروں کی موالات اور ان سے خصوصی دوستی اور خصوصی تعلق سے گریز کریں۔ البتہ حسب ضرورت و مصلحت ان سے صلح و معاہدہ بھی ہو سکتا ہے اور تجارتی لین دین بھی، اسی طرح جو کافر مسلمانوں کے دشمن نہ ہوں ان سے حسن سلوک اور مدارات کا معاملہ بھی جائز ہے۔

إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَةً. یہ اجازت ان مسلمانوں کے لیے ہے جو دار الحرب میں رہتے ہوں کہ ان کے لیے اگر کسی وقت اظہار دوستی کے بغیر ان کے شر سے بچنا ممکن نہ ہو تو زبان سے ظاہری طور پر دوستی کا اظہار کر سکتے ہیں۔

وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوا مَا نَعْبُدُ إِلَّا حُبًّا لِلَّهِ لِيُقَرَّبُونَا إِلَيْهِ قُلْ لَهُمْ يَا مُحَمَّدُ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ بِمَعْنَى أَنَّهُ يُشِيبُكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۳۱ قُلْ لَهُمْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فِيمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ مِنَ التَّوْحِيدِ فَإِنْ تَوَلَّوْا أَعْرَضُوا عَنِ الطَّاعَةِ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ۝۳۲ فِيهِ إِقَامَةُ الظَّاهِرِ مَقَامِ الْمُضْمَرِ أَيْ لَا يُحِبُّهُمْ بِمَعْنَى أَنَّهُ يُعَاقِبُهُمْ إِنْ اللَّهُ أَصْطَفَى اخْتَارَ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ بِمَعْنَى أَنْفُسِهِمَا عَلَى الْعَالَمِينَ ۝۳۳ بِجَعْلِ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ نَسْلِهِمْ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ وَلَدِ بَعْضٍ مِنْهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۳۴ أَذْكَرُ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ حَنَّهٌ لَمَّا اسْنَتْ وَاشْتَاقَتْ لِلْوَلَدِ فَدَعَتْ اللَّهَ وَاحْسَنَتْ بِالْحَمْلِ يَا رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ أَنْ أَجْعَلَ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا عَتِيقًا خَالصًا مِنْ شَوَاعِلِ الدُّنْيَا لِخِدْمَةِ بَيْتِكَ الْمُقَدَّسِ فَتَقَبَّلَ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ۝۳۵ الْعَلِيمُ بِالنِّيَّاتِ وَهَلَكَ عِمْرَانُ وَهِيَ حَامِلٌ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا وَلَدَتْهَا جَارِيَةً وَكَانَتْ تَرْجُو أَنْ يَكُونَ غُلَامًا إِذْ لَمْ يَكُنْ يُحَرَّرُ إِلَّا الْغُلَامَانُ قَالَتْ مُعْتَذِرَةً رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ جَمَلَةٌ اغْتِرَاضٍ مِنْ كَلَامِهِ تَعَالَىٰ وَفِي قِرَاءَةِ بَعْضِ التَّاءِ وَلَيْسَ الذَّكَرُ الَّذِي طَلَبْتُ كَالْأُنْثَىٰ الَّتِي وَهَبْتُ لِأَنَّهُ يُقْصَدُ لِلْخِدْمَةِ وَهِيَ لَا تَضِلُّ لَهَا لِضَعْفِهَا وَعَوْرَتِهَا وَمَا يَغْتَرِبُهَا مِنَ الْحَيْضِ وَنَحْوِهِ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذَرِّيَّتُهَا أَوْ لَدَعْتُهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۝۳۶ الْمَطْرُودُ فِي الْحَدِيثِ مَا مِنْ مَوْلُودٍ يُوَلَّدُ إِلَّا مَسَّهُ الشَّيْطَانُ حِينَ يُوَلَّدُ فَيَسْتَهْلُ صَارِخًا إِلَّا مَرْيَمَ وَابْنَهَا رَوَاهُ الشَّيْخَانُ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا أَيْ قَبَلَ مَرْيَمَ مِنْ أُمِّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا أَنْشَأَهَا بِخَلْقٍ حَسَنٍ فَكَانَتْ تَنْبُتُ فِي الْيَوْمِ كَمَا يَنْبُتُ الْمَوْلُودُ فِي الْعَامِ وَأَتَتْ بِهَا أُمُّهَا الْأَخْبَارَ سَدَنَةً بَيْتِ الْمَقْدَسِ فَقَالَتْ دُونَكُمْ هَذِهِ النَّذِيرَةُ فَتَنَافَسُوا فِيهَا لِأَنَّهَا بِنْتُ إِمَامِهِمْ فَقَالَ زَكَرِيَّا أَنَا أَحَقُّ بِهَا لِأَنَّ خَالَتَهَا عِنْدِي فَقَالُوا لَا حَتَّى تَقْرَعَ فَاَنْطَلَقُوا

وَحُمُ تِسْعَةً وَعِشْرُونَ إِلَى نَهْرِ الْأَرْدَنِ وَالتَّقْوَا أَقْلَانَهُمْ عَلَى أَنْ مَنْ ثَبَّتَ قَلْمَهُ فِي الْمَاءِ وَصَعِدَ فَلَهُ أُولَىٰ بِهَا فَثَبَّتَ قَلَمُ زَكْرِيَّا فَأَخَذَهَا وَبَنَىٰ لَهَا غُرْفَةً فِي الْمَسْجِدِ بِسَلَمٍ لَا يَضَعُ إِلَيْهَا غَيْرُهُ وَكَانَ يَأْتِيهَا بِأَكْلِهَا وَشُرْبِهَا وَدَهْنِهَا فَيَجِدُ عِنْدَهَا فَكِهِةَ الشِّتَاءِ فِي الصَّيْفِ وَفَاكِهَةَ الصَّيْفِ فِي الشِّتَاءِ كَمَا قَالَ اللَّهُ تَعَالَىٰ وَكَلَّمَهَا زَكْرِيَّا ضَمًّا إِلَيْهِ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّشْدِيدِ وَنَحَبِ زَكْرِيَّا سَمْدُودًا وَمَقْصُورًا وَالْفَاعِلُ اللَّهُ كَلَّمَادَخَلَ عَلَيْهَا زَكْرِيَّا الْمِحْرَابَ الْغُرْفَةَ وَهِيَ أَشْرَفُ الْمَجَالِسِ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ لِمَرِيَمُ أَنْتِ بِنْتُ لَكَ هَذَا قَالَتْ وَهِيَ صَغِيرَةٌ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ يَأْتِينِي بِهِ مِنَ الْجَنَّةِ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ رِزْقًا وَاسِعًا بِلَا تَبِغَةٍ هُنَالِكَ أَيْ لَمَّا رَأَى زَكْرِيَّا ذَلِكَ وَعَلِمَ أَنَّ الْقَادِرَ عَلَى الْإِثْيَانِ بِالشَّيْءِ فِي غَيْرِ حِينِهِ قَادِرٌ عَلَى الْإِثْيَانِ بِالْوَلَدِ عَلَى الْكِبَرِ وَكَانَ أَهْلُ بَيْتِهِ انْتَرَضُوا دَعَا زَكْرِيَّا رَبَّهُ لَمَّا دَخَلَ الْمِحْرَابَ لِلصَّلَاةِ جَوْفَ اللَّيْلِ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ بِنًى لَدُنْكَ بِنًى عِنْدَكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً وَلَدًا صَالِحًا إِنَّكَ سَمِيعٌ مُجِيبُ الدُّعَاءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلَكَةُ أَيْ جِبْرِئِيلُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَيْ الْمَسْجِدِ أَنَّ أَيْ بِأَنَّ وَفِي قِرَاءَةِ بِالتَّكْسِيرِ بِتَقْدِيرِ الْقَوْلِ اللَّهُ يُبَشِّرُكَ مُثَقَّلًا وَمُخَفَّفًا بِيَحْيَى مُصَدِّقًا لِكَلِمَةٍ كَانَتْ مِنْ اللَّهِ أَيْ بِعِيسَى أَنَّهُ رُوحُ اللَّهِ وَسُمِّيَ كَلِمَةً لِأَنَّهُ خُلِقَ بِكَلِمَةٍ كُنْ وَسَيِّدًا مَتَّبِعًا وَحَصُورًا مَتَّبِعًا عَنِ النِّسَاءِ ۝ وَنَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ رَوَى أَنَّهُ لَمْ يَعْمَلْ خَطِيئَةً وَلَمْ يَهُمَّ بِهَا قَالَ رَبِّ أَنْتَ يَكُونُ لِي عِلْمٌ وَلَدٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ أَيْ بَلَغَتْ بِنَايَةَ السِّنِّ مِائَةً وَعِشْرِينَ سَنَةً وَأَمْرًا قِيَّاسًا بَلَغَتْ ثَمَانِينَ وَتِسْعِينَ قَالَ أَلَا أَمْرٌ كَذَلِكَ مِنْ خَلْقِ اللَّهِ غُلَامًا بِنْتِكُمَا اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۝ لَا يُعْجِزُهُ عَنْهُ شَيْءٌ وَلَا ظَهَارُ هَذِهِ الْقُدْرَةِ الْعَظِيمَةِ أَلْهَمَهُ اللَّهُ السُّوَالَ لِجَبَابِهَا وَلَمَّا تَأَقَّتْ نَفْسُهُ إِلَى سُرْعَةِ الْمُبَشِّرِ بِهِ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً أَيْ عِلَامَةً عَلَى حَمْلِ امْرَأَتِي قَالَ آيَتُكَ عَلَيْهِ الْأَتَكَلُّمُ النَّاسَ أَيْ تَمْتَنِعُ مِنْ كَلَامِهِمْ بِخِلَافِ ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ أَيْ بَلَايَئِهَا الْآرَمُزُ إِشَارَةٌ وَأَذْكَرُ رَبِّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ صَلِّ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝ أَوْ آخِرَ النَّهَارِ وَأَوَّلَهُ .

ترجمہ: جب مشرکین نے کہا ہم (ان بتوں کی) اللہ کی محبت میں پوجا کرتے ہیں تاکہ یہ ہم کو اس کا مقرب بنادیں

آیت نازل ہوئی۔ اے محمد ﷺ ان سے کہہ دو اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔ یعنی تم

کو اس کا ثواب دے گا۔ اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ اس شخص کے جس نے میری پیروی کی ان تمام گناہوں کو معاف

کرنے والا ہے جو اس سے سابق میں ہو چکے ہیں اور اس پر رحم کرنے والا ہے، آپ ان سے کہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی

پیروی کرو تو حید و غیرہ میں جس کا وہ حکم کرتا ہے، اس پر بھی اگر وہ روگرداں رہیں یعنی طاعت سے اعراض کریں۔ تو اللہ کافروں

سے محبت نہیں کرتا اس میں اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ لایا گیا ہے، یعنی ان سے محبت نہیں کرتا اس معنی کر کہ ان کو سزا دے گا بیشک اللہ

تعالیٰ نے آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور آل ابراہیم اور آل عمران کو یعنی خود ان کو سارے جہان پر انبیاء کو ان کی نسل سے کر کے برگزیدہ کیا ہے، یہ بعض بعض کی ذریت ہیں اور اللہ خوب سننے والا ہے اور خوب جاننے والا ہے اس وقت کو یاد کرو جب عمران کی بیوی حنہ نے جب کہ وہ بوڑھی ہو گئیں اور بچہ کی خواہشمند ہوئیں، اور حمل محسوس کیا عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے اس بچہ کی جو میرے پیٹ میں ہے تیرے لیے نذر مانی ہے کہ اس کو دنیوی مشاغل سے بالکل الگ رکھ کر بیت المقدس کی خدمت کے لیے آزاد رکھا جائے گا یعنی میں اس کو آزاد کر دوں گی، سو تو (یہ) مجھ سے قبول کر تو دعاء سننے والا اور نیتوں کا جاننے والا ہے۔ اور عمران کا انتقال ہو گیا، جس وقت (ان کی بیوی حنہ) حاملہ تھیں، پھر جب اس نے لڑکی کو جنم دیا حالانکہ اس کو لڑکے کی امید تھی اس لیے کہ (بیت المقدس کی خدمت کے لیے) لڑکے ہی آزاد کئے جاتے تھے۔ تو عذر بیان کرتے ہوئے انہوں نے کہا اے میرے پروردگار میں نے تو لڑکی جنی ہے حالانکہ اللہ کو معلوم ہے کہ اس نے کیا جنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام میں یہ جملہ معترضہ ہے اور ایک قراءت میں وَضَعْتُ، ضمہ کے ساتھ ہے، جو لڑکا میں نے طلب کیا تھا وہ اس لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا ہے جو مجھے دی گئی اس لیے کہ اس سے ایک خاص خدمت مقصود ہے جس کی یہ لڑکی اپنے ضعف اور اس کے عورت ہونے کی وجہ سے اور ان اعذار یعنی مثلاً حیض و نفاس وغیرہ پیش آنے کی وجہ سے صلاحیت نہیں رکھتی (خیر) میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں، حدیث میں ہے کہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے پیدائش کے وقت شیطان اس کو چونکے لگاتا ہے جس کی وجہ سے وہ زور زور سے چلاتا ہے، البتہ مریم اور اس کا بیٹا اس سے مستثنیٰ ہیں، (رواہ الشیخان) پھر اس کے پروردگار نے بدرجہ احسن اس کی ماں مریم سے قبول کر لیا۔ اور اس کو اچھا نشوونما دیا، یعنی اچھی تخلیق کے ساتھ اس کو پروان چڑھایا تو وہ ایک دن میں اتنی بڑھتی تھی کہ جتنا بچہ ایک سال میں بڑھتا ہے۔ تو اس کو اس کی والدہ بیت المقدس میں (بیت المقدس کے) خدمتگار احبار کے پاس لائی اور ان سے کہا اس نذر مانی ہوئی کو لو۔ تو سب نے اس میں رغبت کی اس لیے کہ یہ ان کے امام کی بیٹی تھی، زکریا علیہ السلام نے فرمایا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں، اس لیے کہ اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے تو لوگوں نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ ہم تو قرعہ اندازی کریں گے تو وہ نہر اردن کی طرف چلے ان کی تعداد انتیس تھی انہوں نے اپنے قلم (دریا) میں ڈال دیے۔ یہ بات طے کر کے کہ جس کا قلم پانی میں کھڑا ہو جائے گا اور سطح آب پر چڑھ آئے گا، تو وہی شخص مریم کا زیادہ مستحق ہوگا۔ چنانچہ (حضرت) زکریا علیہ السلام کا قلم کھڑا ہو گیا لہذا زکریا علیہ السلام نے مریم کو لے لیا اور اس کے لیے مسجد میں ایک زینہ و بالا خانہ بنوایا، اس پر سوائے زکریا علیہ السلام کے کوئی نہیں چڑھتا تھا۔ اور حضرت زکریا علیہ السلام ان کے پاس کھانا پانی اور تیل (وغیرہ) لے جاتے تھے تو مریم کے پاس موسم سرما کے پھل موسم گرما کے پھل موسم سرما میں پاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور ان کا سر پرست زکریا علیہ السلام کو بنا دیا یعنی اس کو ان کے ساتھ ملا دیا اور ایک قراءت میں تشدید کے ساتھ اور زکریا کے نصب کے ساتھ ہے۔ مدودہ اور مقصورہ دونوں ہیں اور اللہ اس کا فاعل ہے، جب بھی زکریا ان کے پاس حجرہ میں آتے اور وہ سب سے افضل جگہ تھی، تو ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں پاتے (ایک روز) پوچھا اے مریم تیرے

پاس یہ چیزیں کہاں سے آتی ہیں؟ وہ بولیں یہ اللہ کی طرف سے آ جاتی ہیں، اس وقت وہ کم سن ہی تھیں، وہ ان کو میرے پاس جنت سے لاتا ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے یعنی بلا مشقت کے کافی رزق، (بس) وہیں یعنی جب زکریا علیہ السلام نے یہ صورت حال دیکھی تو سمجھ گئے کہ جو ذات بے موسم کی چیز کو لانے پر قادر ہے تو وہ بڑھاپے میں اولاد دینے پر بھی قادر ہے، اور زکریا علیہ السلام کے اہل خانہ وفات پا چکے تھے، زکریا علیہ السلام نے جب وہ رات کے وقت مسجد میں نماز کے لیے گئے دعاء کی، عرض کی اے میرے پروردگار مجھے اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد یعنی نیک اولاد عطا فرما بے شک آپ دعاء کے قبول کرنے والے ہیں۔ سو ان کو فرشتوں یعنی جبرائیل علیہ السلام نے آواز دی حال یہ کہ وہ مسجد میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ اللہ تم کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے۔ اُنّ اصل میں بَآنّ ہے، اور ایک قراءت میں کسرہ کے ساتھ ہے، قول کی تقدیر کے ساتھ (یُبَشِّرُ) مشدّد اور غیر مشدّد دونوں قراءتیں ہیں۔ جو کلمۃ اللہ کی کہ جو من جانب اللہ ہوگا یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کرنے والا ہوگا، کہ وہ روح اللہ ہیں، اور اس کا نام ”کلمہ“ رکھا گیا، اس لیے کہ وہ کلمہ ”کن“ کے ذریعہ سے پیدا کیا گیا اور مقتدا ہوگا اور بہت زیادہ ضبط نفس کرنے والا ہوگا۔ اور غورتوں سے بہت کنارہ کش رہنے والا ہوگا اور نبوت سے سرفراز ہوگا صالحین میں شمار ہوگا۔ روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے نہ کبھی خطا کا ارتکاب کیا اور نہ کبھی اس کا قصد کیا۔ (زکریا) بولے اے میرے پروردگار میرے لیے لڑکا کیسے ہوگا؟ میں بوڑھا ہو چکا ہوں یعنی ایک سو بیس سال کی انتہائی عمر کو پہنچ چکا ہوں۔ اور میری بیوی بانجھ ہے، جو کہ اٹھانوے سال کو پہنچ چکی ہے۔ جواب ملا تم دونوں سے لڑکے کی تخلیق کا معاملہ اسی طرح ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے کوئی شئی اس کو عاجز نہیں کر سکتی۔ اور اس قدرتِ عظیمہ کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو سوال الہام فرمایا تا کہ قدرتِ عظیمہ کے ذریعہ جواب دے، اور جب حضرت زکریا علیہ السلام کا نفس مبشر بہ کی غلبت کے لیے آرزو مند ہوا تو عرض کیا اے میرے رب تو میرے لیے میری عورت کے حاملہ ہونے کی کوئی نشانی مقرر فرما دے فرمایا اس پر تیری نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دنوں تک مع ان کی راتوں کے اشارہ کے سو بات نہ کر سکو گے۔ یعنی لوگوں سے کلام کرنے پر قادر نہ ہو گے بخلاف ذکر اللہ کے، اور اپنے پروردگار کو بکثرت یاد کرتے رہو اور صبح و شام یعنی آخر دن اور اول دن میں تسبیح کرتے رہو۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: بِمَعْنَى أَنَّهُ يُثَبِّتُكُمْ، يُحْبِبُكُمْ اللَّهُ کی تفسیر یُثَبِّتُكُمْ سے کر کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سُؤَال: اللہ کی جانب محبت کی نسبت کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ محبت میلان القلب الی الشئی کو کہتے ہیں، یہ ذات خداوندی کے لیے محال ہے۔

جَوَاب: محبت کرنے سے مراد اجر و ثواب عطا کرنا ہے۔

قَوْلًا: اَعْرَضُوا اس میں اشارہ ہے کہ تَوَلَّوْا، ماضی کا صیغہ ہے نہ کہ مضارع کا جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اسلئے کہ

مضارع کی صورت میں ایک تاء کا حذف لازم آئے گا۔ عموم کے قصد سے اور اس بات پر دلالت کرنے کے لیے کہ اعراض سبب کفر ہے، ”ہم“ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر الکافرین لائے ہیں، یعنی لَا يُحِبُّهُمْ کے بجائے الْكَافِرِينَ کہا ہے۔

قَوْلُنَا: مِنَ التَّوْحِيدِ، یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُئِلَ: اَعْمَالُ فِرْعَوْنِ مِمَّا اَعْرَضَ عَنْهُ مُوجِبٌ لِكُفْرِهِمْ، ہوتا، حالانکہ یہاں فرمایا لَیَا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِیْنَ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعراض عن الاعمال الفرعیہ مرکب موجب کفر ہے۔

جَوَابُ: یہاں اعراض سے مراد اعراض عن التوحید ہے جو کہ موجب کفر ہے۔

قَوْلُنَا: بِمَعْنٰی اَنْفُسَهُمَا، آل ابراہیم اور آل عمران سے مراد خود ابراہیم اور عمران ہیں اس لیے کہ ان کی آل میں کافر اور مومن سب ہوئے ہیں، حالانکہ کافر مراد نہیں ہیں، عمران حضرت موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کے والد کا نام ہے۔ موسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کا نسب نامہ اس طرح ہے موسیٰ بن عمران بن یصھر بن قابث بن لاوی بن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام۔ اور حضرت مریم کے والد کا نام بھی عمران ہے ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ حضرت مریم بنت عمران بن ماشان بن یہوذ ابن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام۔ دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو سال کا فاصلہ ہے۔

قَوْلُنَا: اَنْ اَجْعَلَ، نَذْرُتُ کی تفسیر اَنْ اَجْعَلَ سے کر کے ایک سوال کا جواب مقصود ہے۔

سُئِلَ: نَذْرُ فِعْلِ کی مانی جاتی ہے نہ کہ شئی اور ذات کی، مافی بطنی ذات ہے نہ کہ فعل۔

پہلے جَوَابُ: اَنْ اَجْعَلَ کہہ کر اسی سوال کا جواب دیا ہے، اور نَذْرُ ماننا فعل ہے نہ کہ عین، اس میں اس سوال کا جواب بھی ہے کہ، نَذْرُتُ متعدی بیک مفعول ہے حالانکہ یہاں دو مفعول کی طرف متعدی ہے ایک مافی بطنی اور دوسرا محرراً۔

دوسرے جَوَابُ: نَذْرُتُ بمعنی میں جَعَلَ کے ہے، اور جَعَلَ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔

قَوْلُنَا: اِیْ جِبْرِیْلَ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ نَادَتْ کَا فاعل ملائکہ ہیں حالانکہ نَادَتْ نے والے تنہا، حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام ہیں۔

جَوَابُ: الْاَلَامُ جِنْس کا ہے اور یہاں اقل جنس مراد ہے یعنی فرد واحد اور وہ حضرت جبرائیل عَلَیْہِ السَّلَام ہیں۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰهُ۔ اس میں مجاز مرسل ہے۔

مجاز مرسل:

مجاز مرسل وہ مجاز ہے جس میں علاقہ تشبیہ کے علاوہ کوئی دوسرا علاقہ ہو، (مثلاً علاقہ سبیت و مسبیت)، یا جزئیت و کلیت وغیرہ یہاں اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان رضا مندی کا علاقہ ہے بندے اللہ سے راضی اور اللہ بندہ سے راضی۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا (الآیة) اس آیت میں فن توشیح ہے۔

فن توشیح:

وہ ہے کہ جس کلام کا اول کلام قافیہ پر، اگر نظم ہو اور جمع پر، اگر نثر ہو دلالت کرے۔ یعنی اول کلام ہی سے قافیہ یا جمع سمجھ میں آجائے۔ آیت مذکورہ میں اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی ہی سے فاصلہ (آخر آیت) سمجھ میں آگیا کہ فاصلہ الْعَلَمِیْنَ آئے گا اس لیے کہ مذکورین مندرج فی الْعَلَمِیْنَ ہی کی صفت سے ہیں۔

اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اَنْثٰی، یہ جملہ خبریہ ہے، جملہ خبریہ کے دو مقصد ہوتے ہیں، فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر۔

فائدۃ الخبر مخاطب کو اس حکم کی خبر دینا جس پر وہ کلام مشتمل ہے۔

لازم فائدۃ الخبر، مخاطب کو یہ بتانا کہ متکلم اس حکم سے واقف ہے، مذکورہ جملے میں مذکورہ دونوں فائدے مقصود نہیں ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر دونوں سے واقف ہے۔

تَنْبِیْہٌ: کبھی مذکورہ دونوں فائدوں کے علاوہ کے لیے بھی جملہ خبریہ لایا جاتا ہے، مثلاً اظہار حسرت و افسوس کے لیے یہاں جملہ خبریہ اسی مقصد کے لیے لایا گیا ہے، یعنی مجھے لڑکے کی امید تھی مگر افسوس کہ لڑکی ہوئی۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ . (الآیة) یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ہمیں اللہ سے اور اللہ کو ہم سے محبت ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان دعویوں سے اور خود ساختہ طریقوں سے اللہ کی محبت اور رضا حاصل نہیں ہو سکتی یہ محض دعویٰ ہے جو بغیر دلیل مقبول نہیں۔ اس لیے کہ محبت ایک مخفی چیز ہے کسی کو کسی سے محبت ہے یا نہیں، کم ہے یا زیادہ اس کا کوئی پیمانہ نہیں۔ جزا اس کے کہ حالات اور معاملات سے اندازہ کیا جائے محبت کی کچھ علامات و آثار ہوتے ہیں ان سے پہچانا جاتا ہے یہ لوگ اللہ کی محبت کے دعویدار اور محبوبیت کے متمنی ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آیت میں اپنی محبت کا معیار بتلادیا ہے یعنی دنیا میں اگر کسی کو اپنے مالک سے حقیقی محبت کا دعویٰ ہے تو اس کے لیے یہ لازم ہے کہ اس کو اتباع محمدی ﷺ کی کسوٹی پر آزما کر دیکھ لیا جائے سب کھرا کھوتا معلوم ہو جائے گا۔

قُلْ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ، (الآیة) اس آیت میں اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعت رسول کی بھی تاکید کر کے واضح کر دیا کہ اب نجات اگر ہے تو صرف اطاعت محمدی میں ہے اور اس سے انحراف کفر ہے اور ایسے کافروں کو اللہ پسند نہیں فرماتا چاہے وہ اللہ کی محبت اور قرب کے کتنے ہی دعویدار کیوں نہ ہوں۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهٖمَ وَّ اٰلَ عِمْرَانَ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ . انبیاء علیہم السلام کے خاندانوں میں دو

عمران ہوئے ہیں ایک حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے والد اور دوسرے حضرت مریم کے والد۔ اس آیت میں اکثر مفسرین نے دوسرے عمران مراد لیے ہیں اس خاندان کو حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے بلند مرتبہ عطا فرمایا۔ حضرت مریم کی والدہ کا نام مفسرین نے حَنَّة بنت فاقوذ لکھا ہے اس خاندان کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے مزید تین خاندانوں کا تذکرہ فرمایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اپنے وقت میں جہان والوں پر فضیلت عطا فرمائی۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی . اس جملہ سے حسرت کا اظہار بھی مقصود ہے اور عذر بھی، حسرت اس وجہ سے کہ میری امید کے برخلاف لڑکی ہوئی ہے اور عذر اس طرح کہ نذر سے مقصود تو تیری رضا کے لیے ایک خدمتگار وقف کرنا تھا یہ کام ایک مرد ہی زیادہ بہتر طریقہ سے انجام دے سکتا ہے اب جو کچھ بھی ہے تو اسے جانتا ہے۔

بچہ کا نام کب رکھا جائے:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے احادیث نبوی سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بچہ کا نام ولادت کے پہلے ہی روز رکھنا چاہیے اور ساتویں روز نام رکھنے والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن حافظ ابن قیم نے تمام احادیث پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پہلے روز تیسرے روز ساتویں روز رکھنے کی گنجائش ہے۔

وَ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ، (الآیة) حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے خالو ہوتے تھے، اس طرح کہ زکریا علیہ السلام کی بیوی حَنَّة اور عمران کی بیوی اشاع دونوں حقیقی بہنیں تھیں۔ مریم عمران کی بیٹی تھیں اور یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام کے مریم اور یحییٰ علیہ السلام، خالہ زاد بھائی بہن ہیں اور زکریا علیہ السلام مریم کے خالو اور یحییٰ علیہ السلام کے عمران خالو تھے۔ اس رشتہ کے علاوہ حضرت زکریا علیہ السلام اپنے وقت کے پیغمبر بھی تھے اس لحاظ سے وہ بہتر کفیل ہو سکتے تھے مگر بیت المقدس کے دیگر خدام بھی حضرت مریم کی کفالت کے دعویدار تھے جس کی وجہ سے آپس میں نزاع پیدا ہوا آخر فیصلہ اس پر ہوا کہ قرعہ اندازی کر لی جائے جس کے حق میں قرعہ نکلے وہ کفالت کا حقدار قرار دیا جائے چنانچہ یہ سب حضرات ایک دریا کے کنارے گئے اور یہ طے کیا کہ اپنے قلم سب دریا میں ڈال دیں جس کا قلم کھڑا ہو جائے پس وہی حقدار ہوگا جب ایسا کیا گیا تو حضرت زکریا علیہ السلام کے نام قرعہ نکل آیا اور وہی ان کی کفالت کے ذمہ دار مقرر ہوئے۔

محراب سے مراد وہ حجرہ ہے جس میں حضرت مریم رہائش پذیر تھیں، رزق سے مراد پھل ہے یہ پھل ایک تو غیر موسمی ہوتے تھے گرمی کے پھل سردی کے موسم میں اور سردی کے گرمی میں ان کے کمرہ میں موجود ہوتے تھے۔ دوسری بات یہ کہ حضرت زکریا اور دوسرا کوئی شخص لا کر دینے والا نہیں تھا اس لیے حضرت زکریا علیہ السلام نے ازراہ تعجب و حیرت پوچھا کہ یہ کہاں سے آئے ہیں؟ انہوں نے کہا اللہ کی طرف سے۔ یہ گویا کہ حضرت مریم کی کرامت تھی، معجزہ اور کرامت خرق عادت امور کو کہا جاتا ہے یعنی جو ظاہری اور عادی اسباب کے خلاف ہو پھر اگر کسی نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اسے معجزہ اور اگر کسی ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہو تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں برحق ہیں تاہم ان کا صدور اللہ کے حکم اور اس کی مشیت سے ہوتا

ہے نبی یا ولی کے اختیار میں یہ بات نہیں ہے کہ وہ معجزہ اور کرامت جب چاہے صادر کر دے، اس لیے معجزہ اور کرامت اس بات کی دلیل تو ہوتی ہے کہ یہ حضرات اللہ کی بارگاہ میں خاص مقام رکھتے ہیں لیکن اس سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ ان مقبولین بارگاہ کے پاس کائنات میں تصرف کرنے کا اختیار ہے جیسا کہ اہل بدعت اولیاء کی کرامتوں سے عوام کو یہی کچھ باور کرا کے انہیں شرکیہ عقیدوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا، بے موسمی پھل دیکھ کر حضرت زکریا عَلَيْهِ السَّلَام کے دل میں بھی (بڑھاپے اور بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود) یہ آرزو پیدا ہوئی کاش اللہ تعالیٰ انہیں بھی اسی طرح اولاد سے نواز دے اور وہ اس پر پوری طرح قادر ہے جو ذات بے موسم پھل دے سکتی ہے وہ بے وقت اولاد بھی دے سکتی ہے چنانچہ بے اختیار بارگاہِ الہی میں دعاء کے لیے ہاتھ اٹھ گئے جس کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا۔ چنانچہ فرشتے نے پکار کر کہا اللہ تجھے یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو کلمۃ اللہ (عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَام) کی تصدیق کرنے والا سردار اور ضابطہ النفس اور نبی ہے اور نیک لوگوں میں سے ہے۔ حضرت یحییٰ عَلَيْهِ السَّلَام کی صفت ”حضور“ فرمائی ہے جس کے معنی ضابطہ الناس گناہوں کے قریب نہ پھٹکنے والے یعنی حضور بمعنی محصور ہے بعض حضرات نے حضور کے معنی نامرد کے کیے ہیں یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ حضور یہاں مقام مدح و فضیلت میں واقع ہوا ہے اور نامردی صفت مدح نہیں ہے اس لیے کہ یہ ایک عیب ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنْیَ یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِی الْکِبَرُ وَاْمْرَاَتِیْ عَاقِرٌ، حضرت زکریا عَلَيْهِ السَّلَام کا سوال شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ کیفیت معلوم کرنے کے لیے تھا۔ آیا ہم دونوں کی جوانی لوٹا دی جائے گی یا بڑھاپا بدستور رہنے کے باوجود اولاد ہوگی یا کیا صورت ہوگی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسی حالت میں اولاد ہوگی۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ آیَةً، بڑھاپے میں معجزانہ طور پر اولاد کی خوشخبری سن کر اشتیاق میں اضافہ ہوا اور نشانی معلوم کرنی چاہی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن کے لیے تیری زبان بند ہو جائے گی، جو ہماری طرف سے بطور نشانی ہوگی لیکن تم اس خاموشی میں صبح و شام اللہ کی تسبیح بیان کرنا۔

وَ اذْکُرْ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ اٰی جِبْرِیْلُ یَمْرِیْمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰکَ اِخْتَارَکَ وَ طَهَّرَکَ مِنْ نِّسَیْسِ الرِّجَالِ وَ اصْطَفٰکَ عَلٰی نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ^(۱۱) اٰی اَہْلَ زَمٰنِکَ یَمْرِیْمُ اَقْنِیْ لِرَبِّکَ اَطِیْعِیْہِ وَ اسْجُدْ وَ ارْکَعْ مَعَ الرُّکْعِیْنَ^(۱۲) اٰی صَلَّی مَعَ الْمُصَلِّیْنَ ذٰلِکَ الْمَذْکُوْرُ مِنْ اَنْرَزَ کَرِیْمًا وَ مَرِیْمَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ اَخْبَارَ مَا غَابَ عَنْکَ نُوْحِیْہِ اِلَیْکَ یَا مُحَمَّدٌ وَ مَا کُنْتَ لَدِیْہُمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَہُمْ فِی الْمَآءِ یَقْتَرَعُوْنَ لِیَظْہَرَ لَہُمْ اَلِیْہُمْ یَکْفُلُ یُرَبِّیْ مَرِیْمَ وَ مَا کُنْتَ لَدِیْہُمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ^(۱۳) فِی کَفَالَتِہَا فَتَعْرِفُ ذٰلِکَ فَتُخْبِرْہِ وَ اِنَّمَا عَرَفْتِہُ مِنْ جِہَةِ الْوَحٰی اذْکُرْ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ اٰی جِبْرِیْلُ یَمْرِیْمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُکَ بِکَلِمَۃٍ مِّنْہٗ اٰی وَ لَدِ اسْمَہُ الْمَسِیْحُ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ

خَاطَبَهَا بِنِسْبَةِ نَبِيِّهَا عَلَى أَنَّهَا تَلِدُهُ بِلَا أَبَ إِذْ عَادَةُ الرِّجَالِ نِسْبَتُهُمْ إِلَى آبَائِهِمْ وَجِهًا ذَا حَاءَ فِي الدُّنْيَا بِالنُّبُوَّةِ وَالْآخِرَةِ بِالشَّفَاعَةِ وَالذَّرَجَاتِ الْعُلَى وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ٥٤ عِنْدَ اللَّهِ وَيَكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ أَيْ طِفْلًا قَبْلَ وَقْتِ الْكَلَامِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ٥٥ قَالَتْ رَبِّ أَنَّى كَيْفَ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمَسِّنِي بَشَرٌ بَتَزْوِجٍ وَلَا غَيْرِهِ قَالَ الْأَنْزَرُ كَذَلِكَ مِنْ خَلْقِي وَلَدٌ مِنْكَ بِلَا أَبَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَى أَمْرًا أَرَادَ خَلْقَهُ فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ٥٦ أَيْ فَهُوَ يَكُونُ وَيَعْلَمُهُ بِالنُّونِ وَالْيَاءِ الْكُتْبُ الْخَطُّ وَالْحِكْمَةُ وَالتَّوْرَةُ وَالْإِنْجِيلُ ٥٧ وَنَجَعَلَهُ رَسُولًا إِلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الصَّبَا أَوْ بَعْدَ الْبُلُوغِ فَتَفَخَّ جِبْرِئِيلُ فِي جَنِبِ دِرْعِهَا فَحَمَلَتْ وَكَانَ مِنْ أَمْرِهَا مَا ذَكَرَ فِي سُورَةِ مَرْيَمَ فَلَمَّا بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى إِلَى بَنِي إِسْرَءِيلَ قَالَ لَهُمْ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ أَنِّي أَيْ بَأَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ عَلامَةٍ عَلَى صِدْقِي مَنْ رَبِّكُمْ هِيَ أَنِّي ٥٨ وَفِي قِرَاءَةٍ بِالْكَسْرِ اسْتِيفَانًا أَخْلَقُ أَصْوَرَ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِمِثْلِ صُورَتِهِ وَالْكَافُ اسْمُهُ مَفْعُولٌ فَأَنْفُخُ فِيهِ الضَّمِيرُ لِلْكَافِ فَيَكُونُ طَيْرًا ٥٩ وَفِي قِرَاءَةٍ طَائِرًا بِإِذْنِ اللَّهِ بَارَادَتِهِ فَخَلَقَ لَهُمُ الْخَنَاشَ لِأَنَّهُ اكْمَلُ الطَّيْرِ خَلْقًا فَكَانَ يَطِيرُ وَهُمْ يَنْظُرُونَهُ فَإِذَا غَابَ عَنْ أَغْيُنِهِمْ سَقَطَ مَيِّتًا وَأَبْرَأُ أَشْنَى الْأَكْمَةِ الَّذِي وَلَدَ أَعْمَى وَالْأَبْرَصَ وَخُصًّا لِأَنَّهُمَا دَاءٌ أَنْ أَغْيَا الْأَطْبَاءَ وَكَانَ بَعَثُهُ فِي زَمَنِ الطَّبِّ فَأَبْرَأُنِي يَوْمَ خَمْسِينَ النَّفْسَ بِالْذِّعَاءِ بِشَرْطِ الْإِيمَانِ وَأُحْيِ الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللَّهِ بَارَادَتِهِ كَرَّرَهُ لِنَفْسِي تَوْحِيدَ الْأُلُوهِيَّةِ فِيهِ فَأَخِيَا عَازِرًا صَدِيقًا وَإِنِّي الْعَجُوزُ وَابْنَةُ الْعَاشِرِ فَعَاشُوا وَوَلَدَ لَهُمْ وَسَامُ بْنُ نُوحٍ وَمَاتَ فِي الْحَالِ وَأَنْبِئَكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ خَبِيرًا ٦٠ فِي بُيُوتِكُمْ بِمِثْلِهِ أَعْيُنُهُ فَكَانَ يُخْبِرُ الشَّخْصَ بِمَا أَكَلَ وَمَا يَأْكُلُ بَعْدَ إِنْ فِي ذَلِكَ الْمَذْكُورِ لآيَةٌ لَكُمْ أَنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ٦١ وَجِئْتُكُمْ بِمُصَدِّقَاتِ مَا بَيْنَ يَدَيَّ قَبْلِي مِنَ التَّوْرَةِ وَلِأَجْلِ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ فِيهَا فَاحْلُلْ لَهُمْ مِنَ السَّمَكِ وَالطَّيْرِ مَا لَا صِحْصِيَّةَ لَهُ وَقِيلَ أَحَلَّ الْجَمِيعَ فَبَعْضُ بِمَعْنَى كُلِّ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ كَرَّرَهُ تَاكِيدًا أَوَّلِيْنِي عَلَيْهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ ٦٢ فِيمَا أَمَرَكُمْ بِهِ مِنْ تَوْحِيدِ اللَّهِ وَطَاعَتِهِ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا الَّذِي أَمَرَكُمْ بِهِ صِرَاطٌ صَرِيقٌ مُسْتَقِيمٌ ٦٣ فَكَذَّبُوهُ وَلَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ فَلَمَّا أَحَسَّ عَلَيْهِ عِيسَى مِنْهُمْ الْكُفْرَ وَارَادُوا قَتْلَهُ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي أَغْوَانِي ذَاهِبًا إِلَى اللَّهِ لَأَنْصُرَ دِينَهُ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ أَغْوَانُ دِينِهِ وَهُمُ أَصْفِيَاءُ عِيسَى أَوَّلُ مَنْ آمَنَ بِهِ وَكَانُوا اثْنَيْ عَشَرَ رَجُلًا مِنَ الْحَوَارِ وَهُوَ النَّبِيَّاضُ الْخَالِصُ وَقِيلَ كَانُوا قَصَّارِينَ يُحَوِّرُونَ الثِّيَابَ أَيْ يُبَيِّضُونَهَا أَمَّا صَدَقْنَا بِاللَّهِ وَاشْهَدْ يَا عِيسَى بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ٦٤ رَبَّنَا أَمَّا بِمَا أَنْزَلْتَ مِنَ الْإِنْجِيلِ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ عِيسَى فَالْكَتَبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ٦٥ لَكَ بِالْوَحْدَانِيَّةِ وَإِرْسُولِكَ بِالْحَقِّ قَالَ تَعَالَى وَمَكْرُوهًا أَيْ كُفَارًا بِبَنِي إِسْرَءِيلَ بِعِيسَى إِذْ وَكَلَّوْا بِهِ مَنْ يَقْتُلُهُ غِيلَةً وَمَكَرَ اللَّهُ بِهِمْ بَأَنَّ الْقِيَامَ بِهِمْ عِيسَى عَلَى مَنْ قَتَلَهُ قَتَلَهُ وَرَفَعَ عِيسَى وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينَ ٦٦ أَعْلَمَهُمْ بِهِ.

تَرْجُمہ:

اور وہ وقت یاد کرو جب فرشتوں یعنی جبریل نے کہا اے مریم بے شک اللہ نے تجھ کو برگزیدہ کیا ہے اور مردوں کے مس کرنے سے تجھے پاک کر دیا ہے، اور تجھ کو دنیا جہان کی عورتوں کے مقابلہ میں اپنے زمانہ کی عورتوں کے مقابلہ میں برگزیدہ کر لیا ہے۔ اے مریم تو اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہیے اور سجدہ کرتی رہیے۔ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہیے یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھتی رہیے۔ یہ مذکورہ واقعات (یعنی) زکریا علیہ السلام اور مریم علیہا السلام کا واقعہ غیب کی خبروں میں سے ہیں یعنی ان خبروں میں سے جو تم سے پردہ غیب میں ہیں ہم آپ کے اوپر اے محمد ﷺ وحی کر رہے ہیں اور جب وہ اپنے قلموں کو قریب اندازی کے لیے پانی میں ڈال رہے تھے تاکہ ان پر یہ بات ظاہر ہو جائے کہ مریم کی کون سرپرستی کرے؟ اور ان کی سرپرستی کے بارے میں جب وہ اختلاف کر رہے تھے تو آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے کہ آپ اس واقعہ کو جانتے ہوں جس کی بنا پر آپ اس کی خبر دے رہے ہوں، آپ کو تو علم بذریعہ وحی ہوا ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب فرشتوں یعنی جبریل نے کہا اے مریم اللہ آپ کو خوشخبری دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ یعنی لڑکے کی کہ اس کا نام (ولقب) مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا بچے کی، مریم کی جانب نسبت کر کے مریم سے خطاب اس بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کیا کہ وہ اس کو بغیر باپ کے جنے گی، جب کہ لوگوں کی عادت ان کے آباء کی جانب نسبت کرنے کی ہے، دنیا میں نبوت کی وجہ سے اور آخرت میں شفاعت اور اعلیٰ درجات کی وجہ سے عند اللہ معزز اور مقربین میں سے ہوں گے۔ اور وہ لوگوں سے گہوارہ میں یعنی بچپن میں کلام کرنے کی عمر سے پہلے کلام کریں گے اور پختہ عمر میں بھی، اور صالحین میں سے ہوں گے۔ وہ بولیں اے میرے پروردگار میرے لڑکے کا کس طرح ہوگا درحالیکہ مجھے کسی مرد نے نہ نکاح کر کے اور نہ بغیر نکاح کے ہاتھ تک نہیں لگایا ارشاد ہوا بغیر باپ کے تجھ سے لڑکا پیدا ہونے کا معاملہ ایسا ہی ہوگا۔ اللہ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے جب کسی شے کے پیدا کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے لیے کن کہتا ہے تو وہ ہو جاتی ہے اور وہ اسے نعلمہ، یعلمہ نون اور یاء کے ساتھ ہے لکھنا سکھائے گا اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا اور ہم اس کو بچپن اور بالغ ہونے کے بعد بنی اسرائیل کا پیغمبر بنائیں گے۔ چنانچہ جبریل علیہ السلام نے ان کی قمیص کے گریبان میں پھونک مار دی تو وہ حاملہ ہو گئیں۔ اور اس کا قصہ اس طرح ہوا کہ جو سورۃ مریم میں مذکور ہوا ہے۔ چنانچہ جب ان کو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث فرمایا۔ تو انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں (اور کہے گا) میں تمہارے پاس اپنی صداقت پر تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ میں اور ایک قراءت میں بصورتِ انبی، کسرہ کے ساتھ ہے استیناف کے لیے۔ تمہارے لیے مٹی سے پرندوں کے مانند صورت بنا دیتا ہوں یعنی پرندہ جیسی صورت اور گھنڈہ کا کاف اسم مفعول ہے، پھر اس میں دم کر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور ایک قراءت میں طائر ہے، تو ان کے لیے چمگاڑ پیدا کی اس لیے کہ وہ پرندوں میں تخلیق کے اعتبار سے کامل ترین ہے چنانچہ وہ اڑتی تھی اور وہ اسے دیکھتے تھے، اور جب وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہو جاتی تھی تو وہ مردہ ہو کر گر جاتی تھی، اور میں اللہ

کے حکم سے مادرزاد اندھے کو اور کوڑھی کو، ان دونوں مرضوں کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں نے اطباء کو عاجز کر دیا تھا اور آپ کی بعثت طب کے زمانہ میں ہوئی چنانچہ ایک دن میں ایمان کی شرط کے ساتھ دعاء کے ذریعہ پچاس ہزار کو تندرست کیا اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں باذن اللہ کو مکرر ذکر کیا ہے آپ میں الوہیت کے وہم کی نفی کرنے کے لیے۔ چنانچہ آپ نے اپنے دوست عاذر اور بڑھیا کے بیٹے کو اور عشر وصول کرنے والے کی بیٹی کو زندہ کیا چنانچہ یہ لوگ (ایک مدت تک) زندہ رہے اور صاحب اولاد ہوئے۔ اور سام بن نوح کو زندہ کیا (مگر) وہ اسی وقت انتقال کر گئے، اور میں تم کو بتا دیتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو تم چھپا کر رکھتے ہو اپنے گھروں میں۔ ان چیزوں کو کہ جن کو میں نے دیکھا بھی نہیں ہے چنانچہ آپ آدمی کو بتا دیتے تھے کہ اس نے کیا کھایا ہے؟ اور آئندہ کیا کھائے گا؟ بے شک ان مذکورہ واقعات میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم ایمان رکھتے ہو اور میں تمہارے پاس اپنے سے پہلی (کتاب) تورات اور انجیل کی تصدیق کرنے والا ہو کر آیا ہوں۔ (اور اس لیے آیا ہوں) کہ جو کچھ تمہارے اوپر تورات میں حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں چنانچہ ان کے لیے مچھلی اور وہ پرندہ کہ جس کے خار نہ ہو حلال کر دیا۔ اور کہا گیا ہے کہ سب کو حلال کر دیا گیا (اس صورت میں) بعض بمعنی کل ہوگا اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں اس کو تاکید کے لیے مکرر لایا گیا ہے یا اس لیے کہ اس پر (فَاتَقُوا اللَّهَ وَاطِيعُونَ) کی بنا ہو سکے۔ لہذا اللہ سے ڈرتے ہو اور جس کا میں تم کو حکم دوں اس میں میری اطاعت کرو، اور وہ اللہ کی توحید اور اس کی اطاعت ہے، بلاشبہ اللہ میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، بس اس کی عبادت کرو، یہی ہے وہ سیدھی راہ ہے جس کا میں تم کو حکم کرتا ہوں مگر انہوں نے (عیسیٰ علیہ السلام) کی تکذیب کی اور ان پر ایمان نہ لائے۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف سے انکار کو محسوس کیا اور انہوں نے ان کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ تو آپ نے فرمایا اللہ کے لیے میرا کون مددگار ہوگا؟ حال یہ کہ میں اللہ کی طرف جا رہا ہوں تاکہ میں اس کے دین کی مدد کروں تو حواریوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے مددگار یعنی اس کے دین کے مددگار۔ اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منتخب کردہ لوگ تھے، اور آپ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے۔ اور وہ بارہ آدمی تھے، (حواریوں) کوڑ سے مشتق ہے اس کے معنی خالص سفیدی کے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ وہ دھوبی تھے جو کہ کپڑوں کو سفید (صاف) کرتے تھے۔ ہم اللہ کی تصدیق کرتے ہیں اور اے عیسیٰ تم گواہ رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے انجیل پر جو تو نے نازل فرمائی ہے اور ہم نے رسول کی اتباع کی جو کہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں تو ہم کو بھی اپنی توجید کے گواہوں کے ساتھ اور اپنے رسول کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ لکھ لے اللہ تعالیٰ نے فرمایا بنی اسرائیل کے کافروں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تدبیر کی جب کہ ان کو ان لوگوں کے حوالہ کر دیا جو ان کو اچانک قتل کرنا چاہتے تھے اور اللہ نے بھی ان کے ساتھ خفیہ تدبیر کی اسی طریقہ پر کہ اس شخص پر جو آپ کو قتل کرنا چاہتا تھا آپ کی شبیہ ڈال دی چنانچہ لوگوں نے اسی کو قتل کر دیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھا لیا گیا۔ اور اللہ خفیہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہیں۔ یعنی خفیہ تدبیر کو ان سے زیادہ جاننے والا ہے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْہِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَانِکَةُ، یہ سابقہ قَالَتْ پر عطف قصہ علی القصہ ہے قصہ بنت کا قصہ ام پر عطف کیا گیا ہے مناسبت ظاہر ہے۔ اور بعض حضرات نے اذ کو فعل مقدر کی وجہ سے منصوب کہا ہے مفسر علام کی بھی یہی رائے ہے۔

قَوْلًا: اِی جبرئیل، اس میں اشارہ ہے کہ الملائکۃ اسم جنس ہے مراد ادنیٰ فرد یعنی واحد ہے، یا الملائکۃ کو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی تعظیم کے طور پر جمع لایا گیا ہے۔

قَوْلًا: اِصْطَفٰی اِصْطَفَاءً سے ماضی واحد مذکر غائب، اس نے چن لیا، اس نے برگزیدہ بنایا، اس نے منتخب کیا۔

قَوْلًا: اِی وَلَدٍ یہ کلمۃ کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا: الْمَسِیْحُ عِیْسٰی، عیسیٰ المسیح سے بدل ہے، آپ کا لقب مسیح ہے اور مسیح عبرانی زبان میں مبارک کو بھی کہتے ہیں مسیح کو مسیح یا تو اس لیے کہتے تھے کہ آپ سفر و سیاحت زیادہ کرتے تھے یا اس لیے کہ آپ جس مریض کو مسیح کر دیتے تھے وہ تندرست ہو جاتا تھا۔

قَوْلًا: عِیْسٰی یہ ایسوع سے ماخوذ ہے اور کہا گیا ہے کہ العیسٰی سے ماخوذ ہے اس سفیدی کو کہتے ہیں جس میں سرخی غالب ہو، چونکہ آپ گندم گوں تھے اس لیے آپ کو عیسیٰ کہا گیا۔

قَوْلًا: اِبْنِ مَرْیَمَ، یہ مبتداء محذوف، ہو، کی خبر ہے۔

قَوْلًا: وَجِئْہَا یہ کلمۃ سے حال ہے اگرچہ کلمۃ مکرر ہے مگر موصوفہ ہے اِی کلمۃ کائِنَہ منہ۔

قَوْلًا: اِی طِفْلًا النخ اس میں اشارہ ہے کہ المہد سے مراد محض گہوارہ ہی نہیں بلکہ حالت طفولیت ہے خواہ کلام کرتے وقت گہوارہ میں ہوں یا ماں کی گود میں یا بستر پر۔

قَوْلًا: وَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ اس کا عطف وَجِئْہَا پر ہے۔

قَوْلًا: فَہُوَ یَکُوْنُ اس میں اشارہ ہے کہ یکنون، ہو مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

قَوْلًا: النّٰخِطَ الْکُتُبِ کی تفسیر الخط سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: التوراة اور انجیل کا عطف الکتاب پر صحیح نہیں ہے اس لیے کہ کتاب میں انجیل و تورات دونوں شامل ہیں لہذا یہ عطف اشنی علی نفسہ کے قبیل سے ہوگا۔

جَوَاب: الْکِتَاب سے مراد الکتابۃ ہے، اسی کی طرف الخط سے اشارہ فرمایا ہے۔

قَوْلًا: هِیَ اَنّٰی، هِیَ محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ اَنّٰی مع اپنے مابعد کے مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ نہ کہ اَنّٰی قَدْ جِئْتُکُمْ سے بدل ہونے کی وجہ سے منصوب۔

قَوْلٌ: الکاف اسم مفعول، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔
یَسْأَلُ: فَانْفُخْ فِيهِ، فِيهِ کی ضمیر كَهَيْئَةِ الطير میں کاف کی طرف راجع ہے اور کاف حرف ہے اور حرف کی طرف ضمیر راجع نہیں ہو سکتی۔

جَوَابٌ: کاف بمعنی مثل ہے جو کہ اسم مفعول ہے، مماثل هَيْئَةِ الطير، لهذا اب کوئی اشکال نہیں۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

قَوْلٌ: الْكِنَايَةُ، يُلْقَوْنَ أَقْلَامَهُمْ یہ کنایہ ہے قرعہ اندازی سے چند قلم جن سے تورات لکھی جاتی تھی وہ بیگل میں محفوظ رہتے تھے اور جب قرعہ اندازی کرنی ہوتی تھی تو ہر امیدوار ان میں سے ایک قلم لے لیتا تھا اور اس کو نشان زدہ کر دیتا تھا اور دریا کے کنارے جا کر سب کو دریا میں ڈال دیا جاتا تھا جس کا قلم پانی کے رخ کے خلاف اوپر کی طرف چڑھتا تھا قرعہ اسی کے نام سمجھا جاتا تھا۔

قَوْلٌ: الصِّصِيَّةُ (مَا يُدَحَّصُّ بِهَا) وہ آلہ جس کے ذریعہ حفاظت کی جائے اسی وجہ سے نیل اور ہرن کے سینگوں اور مرغ کے خار کو بھی کہتے ہیں جسے شوکہ الذیک کہتے ہیں مرغ کی ایک ساق میں اکثر اور بعض اوقات دونوں میں پنچہ سے اوپر ایک نوکیلا ناخن ہوتا ہے، جسے شوک الذیک کہتے ہیں، اس شوک کے ذریعہ مرغ اپنا دفاع کرتا ہے اور اسی سے حملہ آور بھی ہوتا ہے، قاضی نے صیصیہ، اس مچھلی کو بھی کہا ہے جس کے اوپر فلوس اور اندر کانٹے نہ ہوں۔

قَوْلٌ: ذَاهِبًا، ذَاهِبًا کو مفرد لا کر اشارہ کر دیا کہ متکلم سے حال ہے۔

استعارہ تمثیلیہ: فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمْ الْكُفْرَ، میں استعارہ تمثیلیہ ہے۔

أَحَسَّ سے مراد عَلِمَ وَأَذْرَكَ ہے اس لیے کہ احساس حواس خمسہ ظاہرہ سے مجسم شئی کا ہوتا ہے نہ کہ عقلی شئی کا اور کفر عقلی ہے لہذا أَحَسَّ سے مراد عَلِمَ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا کفر اس قدر واضح اور ظاہر تھا گویا کہ مجسم شئی کے درجہ میں آ گیا تھا۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ (الآیۃ) حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَامُ کو کلمۃ اللہ اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ آپ کی ولادت اعجازی شان کی مظہر اور عام انسانی اصول کے برعکس بغیر باپ کے اللہ کی قدرت خاصہ اور اس کے کلمہ کُن سے ہوئی تھی، پہلے اصطفا کا تعلق مریم کے بچپن سے ہے یعنی اللہ نے آپ کو شروع ہی سے بزرگی دے رکھی تھی۔ آپ کی والدہ کی دعاؤں کو سن کر آپ کو خلعت وجود بخشا گیا، اس کے علاوہ بیگل کی خدمت کا کام لڑکوں کے لیے مخصوص تھا آپ کو لڑکی ہونے کے باوجود اس کا موقع

عنایت کیا گیا۔ پھر آپ کو آپ کے حجرے میں بے موسمی پھل جس اعجازی طریقہ پر پہنچائے اس نے زکریا علیہ السلام کو متخیر کر دیا، یہ سب شواہد آپ کی برگزیدگی ہی کے تو ہیں۔

وَطَهَّرَكَ وَاصْطَفٰكَ عَلَى نِسَاءِ الْعٰلَمِیْنَ، یہ آیت خصوصیت سے یہود کی رد میں ہے جو گندے الزامات حضرت مریم کو لگائے ہوئے تھے اور آج تک لگاتے چلے آ رہے ہیں۔ اس اصطافی کا تعلق بلوغ کے بعد سے ہے مثلاً مواصلت صنفی کے بغیر مَسِّ ملکی سے انہیں ماں بنا دیا گیا، انجیل میں بھی فضیلت مریم کا ذکر ہے مگر بہت ہلکے الفاظ میں۔

اس کنواری کا نام مریم تھا اور فرشتے نے اس کے پاس اندر آ کر کہا سلام تجھ کو، جس پر فضل ہوا ہے خداوند تیرے ساتھ ہے۔

(لوقا، ۱: ۲۷، ۲۸)

حضرت مریم کا یہ شرف و فضل ان کے اپنے زمانہ کے اعتبار سے ہے کیونکہ صحیح احادیث میں حضرت مریم کے ساتھ حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو بھی خیرِ نِسائِہا (سب عورتوں سے بہتر کہا گیا ہے) اور بعض عورتوں کو کامل قرار دیا گیا ہے، حضرت مریم، حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) حضرت خدیجہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا اور حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا۔ حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فوقیت حاصل ہے۔ (ابن کثیر) ترمذی کی روایت میں حضرت فاطمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کو بھی فضیلت والی عورتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ (ابن کثیر)

یُبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دی جا رہی ہے وہ بیٹا جس کو بن باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے کلمۃ اللہ کہا گیا ہے مریم اس وقت تک یہودی رسم و رواج کے لحاظ سے ناکندہ تھیں (غیر شادی شدہ) البتہ آپ کی منگنی آپ کے کفو آل داؤد کے ایک نوجوان یوسف نامی لڑکے سے ہوئی تھی، جن کے یہاں لکڑی کا کام ہوتا تھا، انجیل کا بیان ہے۔

جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک شخص یوسف نامی سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ (لوقا، ۱: ۲۶، ۲۷)

یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی کہ جب آپ کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے رکھنا ہوئے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔ (متی ۱: ۸۱)

وَجَنِّہَا فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ، یہ فقرہ یہود کے رد میں ہے کہ تم جس کے حق میں ہر قسم کی توہین و افتراء روا رکھتے ہو وہ صاحب عزت و اکرام ہیں۔

یہود کی قدیم کتابوں میں کوئی دقیقہ حضرت مسیح علیہ السلام کی تحقیر توہین کا اٹھا نہیں رکھا گیا۔ یہ قرآن کی برکت و اعجاز ہے کہ اس کے نزول کے بعد سے رفتہ رفتہ اب یہود کے لہجہ کی تلخی نرمی میں تبدیل ہوتی جا رہی ہے اور تالمود کے الزامات دہراتے ہوئے یہود کو شرم آنے لگی ہے آخرت کا اعزاز تو خیر جب ہوگا، ہوگا مگر دنیا کا اعزاز اس سے ظاہر ہے کہ روئے زمین کے سو کروڑ سے زیادہ مسلمان آج بھی انہیں اللہ کا پیغمبر برحق مان رہے ہیں۔ ان کا نام ”عَلِیْہِ السَّلَام“ کے بغیر نہیں

لیتے اور کروڑوں کی تعداد میں نصاریٰ ہیں جو انھیں رسول کے مرتبہ سے بھی بلند تر سمجھ رہے ہیں، یہ عقیدہ گویا باطل و احمقانہ ہے لیکن بہر حال آپ کی تعظیم و احترام کا ہی نتیجہ ہے۔

يُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ. مہد (گہوارہ) میں کلام کرنے کا مقصد تو صاف ہے کہ شیر خوارگی کے زمانہ میں اعجازی طور پر بامعنی کلام کریں گے۔ کہولت (ادھیڑ عمر) میں بات کرنے کا کیا مطلب ہے؟ ادھیڑ عمر میں تو سب ہی بات کرتے ہیں۔

اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مقصد تو حالت شیر خوارگی کے کلام کا بیان کرنا ہے اس کے ساتھ بڑی عمر میں کلام کرنے کو اس لئے لایا گیا ہے کہ جس طرح انسان بڑی عمر میں عاقلانہ و دانشمندانہ کلام کرتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں ہی ایسا کلام کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب آسمانوں پر اٹھایا گیا تھا تو اس وقت آپ کی عمر ۳۳ سال تھی، جو عین جوانی کی عمر ہوتی ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے آپ پر کہولت کا زمانہ نہیں آیا جب آپ نزول فرمائیں گے تب آپ پر کہولت کا زمانہ آئے گا۔ گویا کہ اس میں آپ کے نزول کی طرف اشارہ ہے اس طریقہ سے ان کے بچپن کے کلام ہی کی طرح زمانہ کہولت کا کلام بھی معجزانہ ہوگا۔

قَالَتْ رَبِّ اَنۡتِ یَکُونُ لِیْ وَلَدٌ وَلَمْ یَمَسِّنِیْ بَشَرٌ. تیرا تعجب بجا، لیکن قدرت الہی کے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ وہ تو جب چاہے اسباب عادیہ ظاہریہ کا سلسلہ ختم کر کے حکم کن سے پلک جھپکنے میں جو چاہے کر دے۔

اِنۡنِیْ اَخْلَقُ لَکُمۡ مِّنَ الطَّیۡنِ کَهَیۡئَةِ الطَّیۡرِ، (الآیۃ) یہاں ”خلق“ پیدائش کے معنی میں نہیں ہے اس پر تو صرف اللہ ہی قادر ہے کیونکہ وہی خالق ہے یہاں اس کے معنی ظاہری شکل و صورت گھڑنے اور بنانے کے ہیں۔ مفسر علام نے اخلاق کی تفسیر اُصور سے کر کے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے حضرت عیسیٰ نے خفاش (چمگاڈر) کی مٹی کی صورت بنائی مشہور ہے کہ چمگاڈر اکمل طیور میں سے ہے۔ اسلئے کہ اس کے دانت بھی ہوتے ہیں اور پستان بھی ہوتی ہیں نیز بغیر پروں کے اڑتی ہے اس کو صرف مغرب کے بعد اور صبح کے بعد نظر آتا ہے۔ (صاوی)

بِاِذۡنِ اللّٰهِ، دوبارہ بِاِذۡنِ اللّٰهِ کہنے کا مقصد یہی ہے کہ کوئی شخص اس غلط فہمی کا شکار نہ ہو جائے کہ میں خدائی صفات یا اختیارات کا حامل ہوں، میں تو اس کا عاجز بندہ اور رسول ہوں، یہ جو کچھ میرے ہاتھ پر ظاہر ہو رہا ہے معجزہ ہے جو محض اللہ کے حکم سے صادر ہو رہا ہے۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانہ کے حالات کے مطابق معجزے عطا فرمائے تاکہ اس کی صداقت اور بالائری نمایاں ہو سکے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا انہیں ایسا ہی معجزہ عطا کیا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرتب دکھانے میں ناکام رہے جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح ہو گئی اور وہ ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انہیں مردہ زندہ کرنے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا کیا گیا۔ جو کوئی بھی بڑا طبیب اپنے فن کے ذریعہ سے کرنے پر قادر نہیں تھا، ہمارے

نبی ﷺ کے دور میں شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت کا بڑا زور تھا، چنانچہ انہیں قرآن جیسا فصیح و بلیغ اور پُر اعجاز کلام عطا فرمایا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے فصحاء و بلغاء و ادباء و شعراء عاجز رہے۔ اور یہ چیلنج آج بھی موجود ہے۔

مَسْئَلَةٌ: پرند کی شکل بنانا تصویر ہے جو شریعت عیسیٰ ﷺ میں جائز تھا، آپ ﷺ کی شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا۔

قَوْلٌ: وَلَا حِلَّ لَكُمْ، یہ فعل محذوف کا معمول ہے، تقدیر عبارت یہ ہے جئتکم لاجل التحلیل، مصداقاً، پر عطف نہیں ہے اس لیے کہ مصداقاً حال ہے اور یہ علت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ، رَبِّي وَرَبُّكُمْ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ کی مخلوق مربوب اور مخلوق ہونے کے اعتبار سے پیغمبر اور امتی سب برابر ہیں۔

فَاعْبُدُوهُ، یعنی اس کی بندگی کرو، آج جو انجیلیں روئے زمین پر موجود ہیں، ان میں ایک انجیل برنابا ہی ہے اس کے انگریزی۔ عربی ترجمے موجود ہیں اور وہ حضرت برنابا سنانامی حضرت عیسیٰ ﷺ کے ایک حواری کی جانب منسوب ہے، اس میں ظہور اسلام کی خبریں اور آپ ﷺ کے ختم رسل ہونے کی بابت پیش گوئیاں ایسے صاف اور صریح الفاظوں میں موجود ہیں کہ مسیحیوں کو مفراسی میں نظر آیا کہ اسے جعلی کہہ کر الگ کر دیں اور اس کی تصنیف کو کسی مسلمان کی طرف منسوب کر دیں، جب کہ ظہور اسلام سے صدیوں پہلے اس کو غیر معتبر کتابوں کی فہرست میں شامل کیا جا چکا تھا، انجیل برنابا بس تو ہر سچے خدائی کلام کے سفیر کی طرح تو حید کی تعلیم و تاکید سے بھری پڑی ہے۔ لیکن دوسری انجیلیں بھی جو خود کلیسا کے نزدیک مستند ہیں وہ بھی اس تو حید کی تعلیم سے خالی نہیں۔

یہود کی عدالت میں عیسیٰ ﷺ کو سزائے موت:

وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرَ اللَّهِ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ، اللہ کی طرف جو مکر کی نسبت کی گئی ہے یہ فن مشاکلت کے طور پر ہے۔ پہلے مکروا کے فاعل یہود ہیں، یہود کے اکابر اور سرداروں نے مخالفت اور ایذا کے بہت سے درجے طے کرنے کے بعد بالآخر یہ طے کیا کہ یسوع نامی اسرائیلی مدعی نبوت کو ختم ہی کر دینا چاہیے، چنانچہ پہلے اپنی مذہبی عدالت میں الحاد کا الزام لگا کر آپ کو واجب القتل قرار دیا، پھر رومی حاکموں کی ملکی عدالت میں لا کر آپ پر بغاوت کا مقدمہ چلایا۔

حضرت عیسیٰ ﷺ اور آپ کے مخالفین کا یہ معرکہ ملک شام کے صوبہ فلسطین میں پیش آیا تھا شام اس وقت رومی سلطنت کا ایک جزو تھا، اور یہاں کے یہودی باشندوں کو اپنے معاملات میں نیم آزادی اور نیم خود مختاری حاصل تھی شہنشاہ رومہ کی طرف سے ایک نائب السلطنت (وائسرائے) سارے ملک شام کا تھا، اور اس کے ماتحت ایک والی یا امیر صوبہ فلسطین کا تھا، رومیوں کا مذہب شرک و بت پرستی تھا، یہود کو اتنا اختیار حاصل تھا کہ اپنے لوگوں کے مقدمات اپنی مذہبی عدالت میں چلائیں، لیکن سزاؤں

فِي اَنْرِنَاثُمَّ نَاتِيكَ فَقَالَ ذُوْرَايِيْهِمْ لَقَدْ عَرَفْتُمْ نُبُوَّتَهُ وَاَنَّهُ مَا بَابِلَ قَوْمٌ نَّبِيًّا اِلَّا غَلَكُوا فَنَوَا دَعُوْا الرَّجُلَ وَاَنْصَرَفُوْا فَاَتَوْهُ وَقَدْ خَرَجَ وَمَعَهُ الْحَسَنُ وَالحُسَيْنُ وَفَاطِمَةُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَقَالَ لَهُمْ اِذَا دَعَوْتُ فَاَسْتَوْا فَاَبَوْا اَنْ يُلَاعِنُوْا وَصَالَحُوْهُ عَلٰى الْجِزْيَةِ رَوَاهُ ابُوْنُعَيْنٍ وَرَوٰى ابُوْدَاوُدَ اَنَّهُمْ صَالَحُوْهُ عَلٰى الثَّغْنِ حُلَّةٍ اَلَا نَخْشَفُ فِيْ صَنْتِرٍ وَالبَقِيَّةُ فِيْ رَجَبٍ وَثَلَاثِيْنَ ذِرْعًا وَثَلَاثِيْنَ فَرْسًا وَثَلَاثِيْنَ مِنْ كُلِّ صَنْتَبٍ مِنْ اَصْنَافِ السَّلَاحِ وَرَوٰى اَحْمَدُ فِيْ مُسْنَدِهِ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا قَالَ لَوْ خَرَجَ الَّذِيْنَ يُبَاہِلُوْنَهُ رَجَعُوْا لَا يَجِدُوْنَ مَسَالًا وَلَا اَخْلًا وَرَوٰى الطَّبْرَانِيُّ مَرْفُوعًا لَوْ خَرَجُوا لَا خَرَقُوا اِنَّ هَذَا الْمَذْكُوْرَ لَهُوَ الْقَصَصُ الْخَبْرُ الْحَقُّ الَّذِي لَا شَكَّ فِيْهِ وَمَا مِنْ زَائِدَةٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ فِيْ مُلْكِهِ الْحَكِيْمُ ⑩

فِيْ صُنْعِهِ اِنْ تَوَلَّوْا اَغْرَضُوْا عَنِ الْاِيْمَانِ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ ⑪ فَيُجَازِيْهِمْ فِيْهِ وَضَحُّ الظَّاهِرِ مُوَضَّعٌ

ترجمہ: (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے عیسیٰ میں تم کو وفات دینے والا (یعنی تم کو) اپنے قبضہ میں لینے والا ہوں اور دنیا سے بغیر موت کے اپنی طرف اٹھائیوا ہوں اور ان لوگوں سے تم کو پاک الگ کرنے والا ہوں جو منکر ہوئے اور ان لوگوں کو جنہوں نے تیری پیروی کی (یعنی) مسلمانوں اور نصاریٰ میں سے جس نے تیری تصدیق کی ان لوگوں پر جو تیرے منکر ہوئے قیامت تک کے لیے غلبہ دینے والا ہوں اور وہ (منکرین) یہود ہیں، وہ (یہود پر) دلیل اور تلوار کے ذریعہ غالب رہیں گے۔ پھر تم سب کی واپسی میری طرف ہوگی سو میں تمہارے درمیان دینی معاملہ میں فیصلہ کروں گا سو جن لوگوں نے کفر کیا تو میں ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں قتل و قید اور جزیہ کے ذریعہ اور آخرت میں آگ کے ذریعہ اور ان کو کوئی اس عذاب سے بچائیوا نہیں ہوگا، اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو میں ان کو پورا پورا صلہ دوں گا یا، اور ان کے ساتھ۔ اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی ان کو سزا دے گا۔ روایت کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک بادل بھیجا تو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھالیا تو ان کو ان کی والدہ نے پکڑ لیا اور رونے لگیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: قیامت ہم کو جمع کرے گی، اور یہ واقعہ لیلۃ القدر میں بیت المقدس میں پیش آیا اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تینتیس سال تھی اور آپ کی والدہ اس کے بعد چھ سال بقید حیات رہیں اور ایک حدیث کو شیخین نے روایت کیا کہ آپ قیامت کے قریب نزول فرمائیں گے، اور ہمارے محمد ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے اور دجال اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ اور صلیب کو توڑ دیں گے اور جزیہ مقرر کریں گے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام (دنیا میں) سات سال قیام فرمائیں گے۔ اور ابوداؤد طیالسی کی حدیث میں ہے کہ چالیس سال قیام فرمائیں گے۔ اور ان کو وفات دیجائے گی اور ان پر نماز پڑھی جائے گی اور یہ بھی

احتمال ہے کہ قبل الرفع اور بعد الرفع دنیا میں قیام کی مجموعی مدت مراد ہو۔ اے محمد (ﷺ) عیسیٰ علیہ السلام کا یہ مذکورہ واقعہ جو ہم آپ کو سنا رہے ہیں نشانہوں میں سے ہے (من الآیات) (نقلوہ) کی ”ہاء“ سے حال ہے، اور عامل اس میں ذالک کے معنی (یعنی) ”اُشیر“ ہیں۔ اور ذکرِ محکم یعنی قرآن کریم ہے۔ بلاشبہ عیسیٰ علیہ السلام کی شانِ عجیب بغیر باپ کے ان کی تخلیق میں اللہ کے نزدیک آدم علیہ السلام کی شانِ عجیب کے مانند ہے اور یہ عجیب کی اعجب کے ساتھ تشبیہ کے قبیل سے ہے تاکہ مخالف کے لیے مسکت، اور واقع فی النفس ہو۔ آدم یعنی ان کے جسم کو مٹی سے پیدا فرمایا پھر ان سے کہا بشر ہو جاؤ تو وہ (بشر) ہو گئے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ بغیر باپ کے پیدا ہو جاؤ وہ ہو گئے۔ یہ امر حق تیرے رب کی طرف سے ہے، (یہ) مبتداء محذوف کی خبر ہے، ای امر عیسیٰ علیہ السلام۔ لہذا اس میں آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔ پھر جو کوئی نصاریٰ میں سے آپ سے اس باب میں حجت کرے بعد اس کے کہ آپ کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں علم پہنچ چکا ہے۔ تو ان سے کہو (اچھا) آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور خود ہم تم بھی (آئیں) ان سب کو جمع کریں پھر عاجزی سے دعاء کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ اس طرح کہیں، اے اللہ عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں جھوٹے پر لعنت فرما، اور نبی ﷺ نے جب انہوں نے اس معاملہ میں آپ ﷺ سے جھگڑا کیا، تو نبی ﷺ نے وفدِ نجران کو مباہلہ کی دعوت دی، تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم اپنے معاملہ میں غور کر لیں۔ پھر ہم آپ کے پاس آئیں گے، تو ان کے صاحبِ الرائے نے ان سے کہا: تم ان کی نبوت کو پہچان چکے ہو اور واقعہ یہ ہے کہ کسی قوم نے اپنے نبی سے مباہلہ نہیں کیا مگر یہ کہ وہ ہلاک ہو گئی۔ لہذا تم اس شخص سے صلح کر لو اور واپس چلو (مشورہ کے بعد) وہ لوگ آپ کے پاس آئے، اور حال یہ ہے کہ آپ (مباہلہ) کے لیے نکل چکے تھے، اور آپ کے ساتھ حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور آپ نے ان سے فرمایا جب میں بددعا کروں تو تم آمین کہنا، تو انہوں نے مباہلہ سے انکار کر کے صلح کر لی۔ روایت کیا ہے اس کو ابو نعیم نے اور روایت کیا ابو داؤد نے کہ انہوں نے دوسو خطوں (جوڑوں) پر صلح کر لی۔ آدھے ماہ صفر میں اور بقیہ ماہِ رجب میں۔ اور تیس زرہوں اور تیس گھوڑوں اور تیس اونٹوں اور ہر قسم کے ہتھیاروں میں سے تیس (تیس) پر (صلح کر لی) اور احمد نے اپنی مسند میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ آپ ﷺ نے فرمایا اگر یہ مباہلہ کرنے والے نکلتے تو اس حال میں لوٹتے کہ نہ مال (باقی) پاتے اور نہ اہل (زندہ) اور طبرانی نے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ اگر نکلتے تو جل جاتے۔ بے شک یہ مذکور ہی سچی خبر ہے کہ جس میں شک نہیں ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ ”مِنْ“، زائدہ ہے۔ بے شک اللہ ہی زبردست ہے اپنے ملک میں حکمت والا ہے۔ اپنی صنعت میں۔ سوا اگر یہ (اب بھی) سرتابی کریں۔ (یعنی) ایمان سے اعراض کریں۔ تو بے شک اللہ خوب جانتا ہے مفسدوں کو تو ان کو سزا دے گا اس میں ضمیر کو اسم ظاہر کی جگہ رکھا ہے۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: مُتَوَفِّیْكَ، مُتَوَفِّی، تَوَفَّی (تَفْعُلْ) سے اسم فاعل واحد کرمضاف ك مضاف الیه، میں تجھے وفات دینے والا ہوں۔ میں تجھے اپنی گرفت میں لے کر اٹھالینے والا ہوں۔ میں تجھے سلانے والا ہوں۔ تَوَفَّی کے معنی پورا پورا لینا، علما، سلف نے اس کی تشریح میں لفظ قبض استعمال کیا ہے۔ یعنی گرفت میں لے لینا، لیکن قبضہ میں اور گرفت میں لینے سے کیا مراد ہے؟ قبض روح مع البدن یا صرف قبض روح، یعنی مارڈالنا یا نیند مسلط کرنا مراد ہے، یعنی میں تجھ کو سلا دوں گا پھر نیند کی حالت میں آسمان کی طرف اٹھا لوں گا۔ اس معنی کا مستدل اللہ تعالیٰ کا قول ”هُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ“ ہے اللہ تم کو رات کو سلاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تَوَفَّی، کا معنی سلا دینے کا آتا ہے، واقعہ بھی اسی طرح ہوا، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سلا کر اٹھالیا (معالم) ابوالبقاء نے کلیات میں کہا ہے مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ، یہ دونوں اگرچہ اسم فاعل کے صیغہ ہیں مگر معنی میں استقبال کے ہیں اور کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اصل میں رَافِعُكَ وَ مُتَوَفِّیْكَ ہے۔ اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے آسمان پر اٹھایا گیا پھر آئندہ ان کی موت ہوگی، تفسیر عباسی میں بھی اسی کی تائید ہے۔

حضرت امام رازی نے نفس اور دقیق تفسیر کی ہے، اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ کے معنی اِنِّیْ مُتَمِّمُ عَمْرِكَ فَحِیْنُذِ اتَوَفَّاكَ فَلَا اَتْرُکُھُمْ حَتّٰی یَقْتُلُوْكَ، بل انا رافعک الی سماءِی و مقرک بملائکتی و اصونک عن ان یتمکنوا من قتلیک (کبیر) یعنی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ، کا مطلب یہ ہے کہ میں تمہاری عمر پوری کروں گا اور پوری عمر کرنے کے بعد تم کو وفات دوں گا کافروں کے ہاتھوں تمہیں قتل نہ ہونے دوں گا، بلکہ اپنے آسمان کی طرف تم کو اٹھا لوں گا اور فرشتوں کے پاس تمہاری قیام گاہ ہے، وہاں تم کو پہنچا دوں گا۔ اور کافروں کے قتل سے تم کو محفوظ رکھوں گا۔

قَوْلًا: مُبْعِدُكَ، مُطَهِّرُكَ، کی تفسیر مُبْعِدُكَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ملزوم بول کر لازم مراد ہے اس لیے کہ تطہیر کے لیے ابعاد نجاست مستلزم ہے۔ لہذا یہ اعتراض بھی دفع ہو گیا کہ تطہیر کے لیے تلویث لازم ہے اور وہ یہاں مقصود نہیں، جواب کا حاصل یہ کہ مُطَهِّرُكَ بِمَعْنٰی مُبْعِدُكَ ہے۔

قَوْلًا: ذَٰلِکَ نَتْلُوْهُ، ذَٰلِکَ مَبْتَدَءٌ نَّتْلُوْهُ عَلَیْكَ یَا مُحَمَّدٌ ﷺ اس کی خبر مِنْ الْآیَاتِ، نَتْلُوْهُ کی ضمیر سے حال ہے، اور اس کا عامل ذَٰلِکَ کے معنی یعنی اُشِیْرُ ہے۔

قَوْلًا: فِکَانَ سے اشارہ کر دیا کہ یکون، کان کے معنی میں ہے۔

قَوْلًا: فَوَادِعُوْا اِیْ صَالِحُوْا، یعنی مبالغہ مت کرو بلکہ ان سے صلح کرلو۔

قَوْلًا: فَاتُوْهُ تُوْهُ لوگ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور صلح کی۔

قَوْلًا: وَضَعَ الظَّاهِرَ مَوْضِعَ الْمَضْمَرِ، یعنی اللہ علیم بہم کے بجائے اللہ علیم بالمفسدین فرمایا۔ تاکہ ان کی صفت فساد کی صراحت ہو جائے۔

قَوْلًا: نَبْتَهْلُ از (اِبْتِهَال) ہم گڑا گڑا کر دعاء کریں گے۔ زنجیری نے لکھا ہے کہ بَهْلَہ کی اصل دعاء لعنت ہے، پھر مطلقاً دعاء کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ (لغات القرآن)

قَوْلًا: القصص، اسم معنی مصدری استعمال ہوتا ہے۔

اللَّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

التقديم والتاخير: اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ.

اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے جو کہ فن بلاغت کا ایک جزء ہے۔

اصل تقدیر اِنِّیْ رَافِعُكَ اِلَیَّ وَ مُتَوَفِّیْكَ بِمَعْنٰی بَعْد ذٰلِكَ.

قَوْلًا: حَاجُّكَ، اِیْ خَاصَمُكَ وَ جَادَلُكَ (مفاعلة) لَا تَقَعُ اِلَّا مِنْ اِثْنَيْنِ فَصَاعِدًا.

قَوْلًا: تَعَالَوْا امر جمع مذکر حاضر، تم آؤ، اس کا مطلب ہے بلند مقام کی طرف بلانا مطلق بلانے کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔ اب مطلقاً هَلُمَّ کے معنی میں ہے۔

تَفْسِیْرُ وَ تَشْرِیْحُ

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَیَّ، لفظ مُتَوَفِّیْكَ کی تحقیق سابق میں گزر چکی ہے، روح قبض کرنا اس کا مجازی استعمال ہے نہ کہ اصل لغوی معنی۔ یہاں یہ لفظ انگریزی لفظ Torecall کے معنی میں مستعمل ہے، یعنی کسی عہدے دار کو اس کے منصب سے واپس بلا لینا چونکہ بنی اسرائیل صدیوں سے مسلسل نافرمانی کر رہے تھے اور بار بار کی تنبیہوں اور فہمائشوں کے باوجود ان کی قومی روش بگڑتی ہی چلی جا رہی تھی پے درپے کئی انبیاء کو قتل کر چکے تھے، ہر اس بندۂ صالح کے خون کے پیاسے ہو جاتے تھے جو نیکی اور راستی کی طرف ان کو دعوت دیتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر حجت تمام کرنے اور انہیں ایک آخری موقع دینے کے لیے حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام جیسے دو جلیل القدر پیغمبروں کو بیک وقت مبعوث کیا، جن کے ساتھ مامور من اللہ ہونے کی ایسی کھلی کھلی نشانیاں تھیں کہ ان سے انکار صرف وہی لوگ کر سکتے تھے جو حق و صداقت سے انتہا درجہ کا عناد رکھتے ہوں اور حق کے مقابلہ میں جن کی جسارت و بے باکی حد کو پہنچ چکی ہو، مگر بنی اسرائیل نے اس آخری موقع کو بھی ہاتھ سے کھو دیا، اور صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ ان دونوں پیغمبروں کی دعوت رد کر دی بلکہ ان کے ایک رئیس نے علی الاعلان حضرت یحییٰ علیہ السلام جیسے بلند پایہ انسان کا سر ایک رقاصہ کی فرمائش پر قلم کر دیا، اور ان کے علماء اور فقہاء نے سازش کر کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رومی سلطنت سے سزائے موت دلانے کی کوشش کی، اس لیے بنی اسرائیل کی فہمائش پر مزید اور قوت صرف کرنا بالکل فضول تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو واپس بلا لیا اور اعلان کر دیا کہ اب بنی اسرائیل کی سرداری اور ریاست کا دور

ختم ہو کر بنی اسماعیل کا دور شروع ہونے والا ہے، اور قیامت تک کے لیے بنی اسرائیل پر ذلت کی زندگی کا فیصلہ لکھ دیا۔
واقعات اور حالات کی رفتار کے اعتبار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا یہ انجام صاف نظر آ رہا تھا کہ یہود انہیں گرفتار کئے اور ان پر مقدمہ چلائے بغیر نہ رہیں گے، اور پھر رومیوں کی عدالت میں لے جا کر مزائے موت دلوائیں گے، یہ ارشاد الہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تسکین کے لیے اسی گرفتاری کے موقع پر ہو رہا ہے۔

لفظ مُتَوَفِّیْكَ، سے یہ لازم نہیں آتا کہ موت اسی وقت اور فی الفور واقع ہوگی ہمارے اکابر مفسرین اسی طرف گئے ہیں بلکہ امام رازی نے اسی کو بہتر تفسیر قرار دیا ہے۔ یعنی تمہاری موت تو وقت مقررہ پر جب ہوگی، ہوگی، تمہارے دشمن تمہاری ہلاکت کے منصوبہ میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ سر دست اس کا انتظام یوں کیا جا رہا ہے کہ تمہیں ان کے درمیان سے اٹھالیا جائے گا۔

حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کی صراحت گو قرآن مجید میں موجود نہیں ہے لیکن قریب بصراحت ہونے کے یہ عقیدہ قرآن مجید کی اسی آیت میں موجود ہے اور احادیث نے اسے صاف اور مؤکد کر دیا ہے، ابن جریر کی عبارت میں ”لتواتر الاخبار عن رسول اللہ“ کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں اس لیے اب جمہور اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی جب پیدائش عام انسانی قاعدہ تو والد و تناسل سے الگ یعنی بغیر باپ کے توسط کے محض نختہ جبرائیل سے ہو گئی تو اب رفع جسمانی میں آخر اس قدر استبعاد کیا ہے؟ بلکہ یہ تو بالکل قرین قیاس ہے کہ آپ کا انجام ظاہری بھی معمول عام سے ہٹ کر ہوا ہے۔

اور یہ دلیل تو بالکل ہی بودی ہے کہ رفع آسمانی سے آپ کی افضلیت خصوصاً سید الانبیاء پر لازم آتی ہے، آخر خدا کو معلوم کتنے فرشتے رات دن آسمان پر جاتے رہتے ہیں تو کیا اس بنا پر وہ سب سید الانبیاء سے افضل ہو گئے؟ ایک مسیحی یورپین فاضل DE BUNSEN ڈی بنسن نے پچھلی صدی عیسوی میں ایک مختصر لیکن فاضلانہ کتاب ”اسلام یا حقیقی مسیحیت“ کے نام سے لکھی تھی اس نے اس کے ص: ۱۴۳، کے حاشیہ پر اس سے قدیم مسیحی فرقوں میں سے متعدد کے نام لے لے کر لکھا ہے کہ فلاں فلاں فرقہ کا عقیدہ مسیح کے رفع جسمانی کا تھا نہ کہ وفات مسیح کا جس پر اب عیسائی صدیوں سے جے چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح سیل Sale نے بھی اپنے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ پر اس عقیدہ کے مسیحی فرقوں کے نام گنائے ہیں۔ حیرت ہے کہ کلمہ گو یوں کے ایک جدید فرقہ نے وفات مسیح کا عقیدہ مسیحیوں سے لے لیا ہے اور اسے اپنی خوش فہمی سے ”وثن خیالی“ سمجھ رہا ہے۔ (ماجدی)

مسئلہ حیات عیسیٰ علیہ السلام:

دنیا میں صرف یہودیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول اور مصلوب ہو کر دفن ہو گئے اور پھر زندہ نہیں ہوئے۔ ان کے اس خیال کی حقیقت قرآن کریم نے سورہ نساء میں واضح کر دی ہے۔ اور اس آیت ”وَمَكْرُؤًا وَمَكْرًا لِّلَّهِ“ میں بھی اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہیں کی طرف لوٹا دیا کہ جو یہودی حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لیے مکان کے اندر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان ہی میں سے ایک شخص کی شکل و صورت تبدیل کر کے بالکل عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ڈھال دی، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا آیت کے الفاظ یہ ہیں، وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ زَاهِدٌ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈال دیا کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوش ہو لیے۔

نصاری کا یہ کہنا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول مصلوب تو ہو گئے تھے مگر پھر دوبارہ زندہ کر کے آسمانوں پر اٹھا لیے گئے، مذکورہ آیت نے ان کے اس غلط خیال کی بھی تردید کر دی اور بتلادیا کہ جیسے یہودی اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوشیاں منا رہے تھے اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس لیے شُبِّهَ لَهُمْ کے مصداق یہودی طرح نصاریٰ بھی ہو گئے۔

ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا وہ عقیدہ ہے جو اس آیت اور دوسری کئی آیتوں میں وضاحت و صراحت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لیے آسمان پر زندہ اٹھالیا نہ ان کو قتل کیا جا سکا نہ سولی چڑھایا جا سکا۔ وہ زندہ آسمانوں پر موجود ہیں اور قرب قیامت میں آسمان سے نزول فرما کر یہودیوں پر فتح حاصل کریں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پائیں گے۔

اسی پر تمام امت مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے حافظ ابن حجر نے تلخیص الخیر ص: ۳۱۹، میں یہ اجماع نقل کیا ہے، قرآن مجید کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے یہ عقیدہ اور اس پر اجماع امت سے ثابت ہے۔ (معارف القرآن)

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ (الآیہ) یہ آیت مباہلہ کہلاتی ہے مباہلہ کے معنی ہیں دو فریق کا ایک دوسرے پر لعنت یعنی بددعا کرنا، مطلب یہ کہ جب دو فریقوں میں کسی معاملے کے حق و باطل ہونے میں اختلاف و نزاع پیدا ہو جائے اور دلائل سے وہ ختم ہوتا نظر نہ آتا ہو تو دونوں فریق بارگاہ الہی میں یہ دعاء کریں کہ یا اللہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو اس پر لعنت فرما، اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ۹ھ میں نصاریٰ نجران کے چودہ اکابر کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا گفتگو الوہیت مسیح کے مسئلہ پر رہی اسلامی عقیدہ بالکل صاف اور واضح تھا، لیکن مسیحی نمائندے اپنی بات پر اڑے رہے آخر کار آپ نے وہی کیا جو ایک سچا مخلص دیندار ایسے موقع پر کرتا ہے۔ آپ نے فرمان خداوندی کے ماتحت مسیحیوں کو مباہلہ کی دعوت دی کہ زبانی گفتگو تو بہت ہو چکی اب آؤ ہم تم اپنے اپنے فرزندوں اور خاص اقرباء کو لیکر اپنے پروردگار سے یہ تضرع و الحاح عرض کریں کہ جو فریق ناحق پر ہو اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو اور آپ اپنی حقیقی اور حکمی اولاد یعنی سیدہ فاطمہ سیدنا علی سیدنا حسن سیدنا حسین رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو ہمراہ لے کر تشریف لے آئے لیکن تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ مسیحیوں کی ہمت عین وقت پر جواب دے گئی اور بجائے اس آزمائش میں پڑنے کے عافیت اسی میں سمجھی کہ جزیہ دے کر ذمی رعایا بن کر اسلامی حکومت میں رہنا گوارا کر لیا جائے۔

سرولیم میور، مسلمان نہیں انیسویں صدی کے مسیحی تھے ان کے قلم سے ملاحظہ ہو

سارے واقعہ میں محمد کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے نیز ان کے اس عقیدہ کی شہادت ہے کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لیے حق تمام تر ان ہی کے ساتھ ہے۔ ان کے خیال میں مسیحیوں کے پاس بجز تخمین کے اور کچھ نہ تھا (میور، لائف آف محمد ﷺ)۔

إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ (الآیہ) یعنی سارا سلسلہ واقعات جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح اور مادرِ مسیح دونوں بشر محض تھے، کوئی بھی شریک الوہیت نہیں۔ نہ بلحاظ ذات اور نہ بلحاظ صفات اور اقنوم وغیرہ کے قصے تو سب وابیات ہیں، مِنْ تَاكِيْدِ كَلَامِ كِے لیے زائد ہے۔

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ، ہر ارادہ پر غالب، قادر مطلق، اس صفت میں مسیح وغیرہ کوئی بھی باری تعالیٰ کا شریک نہیں۔ حکیم مطلق ہے اس صفت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ اپنے اسی علم کا مل محیط کے ذریعہ ہر ایک کو سزا دینے والا ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا یعنی اتنی توضیحات کے بعد بھی اگر اپنی سرتابی جاری رکھیں اور دین و اعتقاد میں فساد برپا کرتے رہیں اور بجائے توحید کے شرک کی جانب ہلاتے ہیں تو اللہ کے علم سے کوئی کلمی یا جزئی بات خارج نہیں ہے وہ ان کو اپنے علم محیط کے اعتبار سے سزا دیگا۔

قُلْ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ مَّخْرُجٍ بِمَعْنَىٰ مُسْتَوٍ أَوْ مُتَوَاظِعٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ هِيَ
الَّا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ كَمَا اتَّخَذْتُمُ الْاَخْبَارَ
وَالرُّبَبَانَ فَاِنْ تَوَلَّوْا اَعْرَضُوْا عَنِ التَّوْحِيْدِ فَقُوْلُوْا اَنْتُمْ لِهٖمْ اَشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿١٤﴾ مُوَحَّدُوْنَ وَنَزَلَ لِمَا
قَالَتِ الْيَهُودُ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيٌّ وَنَحْنُ عَلٰى دِيْنِهٖ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ كَذٰلِكَ يَٰ اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ
تَخٰصِمُوْنَ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ بِيْزْعِمِكُمْ اِنَّهٗ عَلٰى دِيْنِكُمْ وَمَا اُنْزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ بِرَمَزٍ طَوِيْلٍ
وَبَعْدٍ نُّزُوْلِهٖمَنَا حَدَّثَتِ الْيَهُودِيَّةُ وَالنَّصْرَانِيَّةُ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥﴾ بَطْلَانٌ قَوْلِكُمْ هَا الْمَتْنِيَّةُ اَنْتُمْ مُبْتَدِئُوْا
هٰؤُلَاءِ وَالْخَبْرُ حَاجَجْتُمْ فَيَمَّا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ مِنْ اَنْرِ مُوسٰى وَعِيسٰى وَرَعَفْتُمْ اَنَّكُمْ عَلٰى دِيْنِهِمَا
فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فَيَمَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ مِنْ شَانِ اِبْرٰهِيْمَ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ شَانَهُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦﴾ قَالَ تَعَالٰى
تَبَرُّؤُةً لِاِبْرٰهِيْمَ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مَّا بَلَغَ اَنَّ الْاٰدِيَانَ كَلَّمَهَا اِلَى الْاَنْدِيْنِ الْقِيَمِ
مُسْلِمًا مُّوَحَّدًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّ اَوَّلَى النَّاسِ اَحَقُّ بِاِبْرٰهِيْمَ لِلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ زَمَانِهٖ

وَهَذَا النَّبِيُّ مُحَمَّدٌ لِمُؤَافَقَتِهِ فِي أَكْثَرِ شَرْعِهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِرَأْسِ أَمَّتِهِ فَهُمْ مِنَ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ أَن يَقُولُوا نَحْنُ عَلَى دِينِهِ لَا أَنتُمْ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾ نَاصِرِينَ وَحَافِظِينَ وَنَزَلَ لَمَّا دَعَا الْيَهُودَ مَعَاذًا وَحَذِيفَةً وَعَمَارًا إِلَى دِينِهِمْ وَدَتِ ظَلِيفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوكُمْ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ لَآ أَتَاهُمْ إِضْلَالُهُمْ عَلَيْهِمْ وَالْمُؤْمِنُونَ لَا يُطِيعُونَ فِيهِ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٦٩﴾ بِذَلِكَ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ الْقُرْآنَ الْمُسْتَمِيلَ عَلَى نَعْتِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿٧٠﴾ تَعْلَمُونَ أَنَّهُ حَقٌّ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ بِالتَّخْرِيفِ وَالتَّزْوِيرِ وَتَكْتُمُونَ الْحَقَّ إِي نَعْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٧١﴾ أَنَّهُ حَقٌّ.

ترجمہ:

آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب یہودیو! اور نصرا نیو! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، (سواء) مصدر بمعنی مُسْتَوٍ امرہا (اسم فاعل) اور وہ یہ ہے کہ ہم بجز اللہ کے کسی کی بندگی نہ کریں۔ اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوارب ٹھہرائے۔ جیسا کہ تم نے اخبار اور رُہبان کو ٹھہرا رکھا ہے پھر بھی اگر وہ روگردانی کریں یعنی توحید سے اعراض کریں۔ تو تم ان سے کہدو، گواہ رہنا ہم تو فرمانبردار ہیں، مَوْحِدٌ ہیں (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور ہم ان ہی کے دین پر ہیں اور ایسا ہی نصاریٰ نے کہا۔ اے اہل کتاب تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو اپنے اس گمان کی وجہ سے کہ وہ تمہارے دین پر تھے۔ تو ریت اور انجیل تو ان کے طویل زمانہ کے بعد نازل ہوئیں ہیں اور ان کے نزول کے بعد ہی یہودیت اور نصرا نیت پیدا ہوئی ہے۔ تو تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے؟ یعنی تم اپنے قول کے بطلان کو کیوں نہیں سمجھتے؟ ہاں تم لوگ وہی تو ہو "ہاء" تنبیہ کے لیے ہے، اَنْتُمْ، مبتداء ہے۔ (یا ہنؤ لاء۔ جملہ ندائیہ معترضہ) حَاجِجْتُمْ، خبر، کہ اس امر میں جھگڑ چکے ہو، جس کا تمہیں کچھ تو علم تھا (اور) وہ موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ ہے اور تم نے دعویٰ کیا کہ تم ان کے دین پر ہو۔ سو (اب) تم ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں؟ (اور) وہ ابراہیم علیہ السلام کا معاملہ ہے اللہ ان کے حال کو جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی براءت کرتے ہوئے فرمایا۔ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے اور نہ نصرا نی لیکن وہ تو راہِ راست والے مسلمان موحّد تھے۔ تمام باطل ادیان سے اعراض کر کے دین حق کی جانب مائل ہونے والے اور شرکوں میں سے بھی نہ تھے۔ بے شک لوگوں میں ابراہیم سے سب سے قریب یعنی ان میں سے زیادہ حقدار وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کے زمانے میں ان کی پیروی کی تھی اور یہ نبی محمد ﷺ ہیں ان کے اُن کے اکثر شرع احکام میں موافق ہونے کی وجہ سے۔ اور وہ لوگ ہیں جو آپ ﷺ کی امت میں سے ایمان لائے یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کو حق ہے کہ کہیں ہم ابراہیم علیہ السلام کے

دین پر ہیں اور اللہ ایمان لانے والوں کا حامی ہے (یعنی) مددگار اور محافظ ہے۔ اور جب یہود نے معاذ اور حذیفہ اور عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اپنے دین کی طرف دعوت دی تو (یہ آیت) وَدَّتْ طَائِفَةٌ نَازِلٌ ہوئی۔ اہل کتاب کی ایک جماعت تو یہ چاہتی ہے کہ تمہیں گمراہ کر کے رہیں حالانکہ وہ بجز اپنے کسی کو گمراہ نہیں کرتے اس لیے کہ ان کے گمراہ کرنے کا گناہ انہیں پر ہے اور مومن اس معاملہ میں ان کی اطاعت نہ کریں گے۔ مگر ان کو اس کا شعور نہیں۔ اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں قرآن کا جو محمد ﷺ کی صفات پر مشتمل ہے کیوں انکار کیے جاتے ہو؟ حالانکہ تم گواہ ہو یعنی تم جانتے ہو کہ وہ حق ہے۔ اے اہل کتاب تم حق کی تکلیس، تحریف، تکذیب کے ذریعہ باطل کے ساتھ کیوں کرتے ہو؟ اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو، کہ حق یہی ہے۔

تَحْقِيقُ وَتَرْكِيبُ تَسْمِيْلٍ وَتَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلًا: تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَاءٍ، تَعَالَوْا، امر جمع مذکر حاضر، تم آؤ، یہی ہے حذفِ نون پر اور واؤ فاعل ہے، تَعَالَوْا اصل میں تَعَالَيْوُا تھا، یاء کے متحرک اور ماقبل مفتوح ہونے کی وجہ سے یاء کو الف سے بدل دیا، پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے الف حذف ہو گیا۔ (جمل)

سُؤَال: یہاں تَعَالَوْا کا مفعول اِلٰی کلمۃ مذکور ہے اور ماقبل میں تَعَالَوْا کا مفعول مذکور نہیں ہے اس میں کیا حکمت ہے؟

جَوَاب: اول تَعَالَوْا سے صرف متوجہ کرنا مقصود ہے اور ثانی سے متحدہ کلمہ کی طرف بلانا مقصود ہے۔

سُؤَال: سَوَاءٍ کو مُسْتَوٍ کے معنی میں لینے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: سَوَاءٍ چونکہ مصدر ہے اس کا کلمۃ پر حمل درست نہیں اس لیے سَوَاءٍ بمعنی مُسْتَوٍ اسم فاعل لیا تا کہ حمل درست ہو جائے۔

سُؤَال: امرِ محذوف ماننے کی کیا وجہ ہے؟

جَوَاب: چونکہ مُسْتَوٍ، مذکر ہے جس کا حمل کلمۃ پر درست نہیں اس لیے کہ کلمۃ مؤنث ہے، اس لیے کلمہ سے پہلے امر محذوف مانا تا کہ حمل درست ہو جائے۔ (ترویج الارواح)

قَوْلًا: هِيَ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ کلمۃ کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا: طَوِيلٌ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیانی مدت ایک ہزار سال اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیانی مدت دو ہزار آٹھ سو سال ہے تو پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی اور نصرانی کس طرح ہو سکتے ہیں۔ یہ دونوں مذاہب تو ابراہیم علیہ السلام کے بہت بعد کی پیداوار ہیں۔

قَوْلًا: هُوَ لَا يَحَاجُّكُمْ۔ ہا، حرف تنبیہ ہے، اَنْتُمْ مبتداء، یا حرف نداء محذوف هُوَ لَا يَحَاجُّكُمْ، مناد کی مل کر جملہ معترضہ، حَاجُّكُمْ، مبتداء کی خبر۔ یہ بھی احتمال ہے کہ هُوَ لَا يَحَاجُّكُمْ، خبر ہو اور حَاجُّكُمْ دوسرا جملہ پہلے جملہ کے بیان کے

لیے ہو ای انتم ہوں لاءِ الحُمَقٰی حَا جَجْتُمْ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِہِ عِلْمٌ۔
قَوْلًا: مُوَحَّدًا۔

سُؤَال: مُسْلِمًا، کی تفسیر مُوَحَّدًا، سے کرنے سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: مُسْلِمًا سے ظاہری اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں ورنہ جو اعتراض یہودیت اور نصرانیت پر ہوا تھا وہی اعتراض اسلام پر بھی ہوگا اس لیے کہ اسلام اصطلاحی تو آپ ﷺ کے زمانہ سے وجود میں آیا ہے آپ کی بعثت حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے بھی ہزاروں سال بعد ہے۔ اس لیے مُسْلِمًا کی تفسیر مُوَحَّدًا، سے کر دی تاکہ مذکورہ اعتراض نہ ہو۔

قَوْلًا: تَعْلَمُونَ، تشہدوں کی تفسیر تَعْلَمُونَ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ شہادت الزام علی الغیر کو کہتے ہیں اور یہاں کوئی الزام علی الغیر نہیں ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

قُلْ یَا اَهْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ، اہل کتاب کا لفظ اگرچہ یہود و نصاریٰ دونوں کے لیے عام ہے مگر کلام کا تسلسل یہ بتا رہا ہے کہ یہ گفتگو بھی نجرانی وفد سے ہوئی تھی اور بعض مفسرین نے یہود کو مخاطب قرار دیا ہے، مگر دونوں کو مخاطب قرار دینا اولیٰ ہے، اس لیے کہ جس کلمہ کی طرف دعوت دی جا رہی ہے وہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں تینوں کے درمیان مشترک ہے۔ یعنی ایک ایسے عقیدے پر ہم سے اتفاق کر لو جس پر ہم بھی ایمان رکھتے ہیں اور جس کے صحیح ہونے سے تم بھی انکار نہیں کر سکتے، تمہارے اپنے انبیاء سے یہی عقیدہ منقول ہے، تمہاری اپنی کتب مقدسہ میں بھی اس کی تعلیم موجود ہے۔

دعوت کا ایک اہم اصول:

اس آیت سے دعوت کا ایک اہم اصول یہ معلوم ہوا کہ اگر کسی ایسی جماعت کو دعوت دی جائے جو کہ عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف ایسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ کی طرف دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر۔

فَقُولُوا اَشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ اس آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ تم گواہ رہو، اس سے یہ تعلیم دی گئی کہ جب دلائل واضح ہونے کے بعد کوئی حق کو نہ مانے تو اتمام حجت کے لیے اپنا مسلک ظاہر کر کے بات ختم کر دینی چاہئے۔ مزید بحث و تکرار مناسب نہیں۔

یَا اَهْلَ الْکِتَابِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِیْ اِبْرَہِیْمَ۔ اے اہل کتاب تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کیوں

جھگڑا کرتے ہو؟ تورات اور انجیل تو ابراہیم علیہ السلام کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ یعنی تمہاری یہودیت اور نصرانیت بہر حال تورات اور انجیل کے نازل ہونے کے بعد پیدا ہوئی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کے نزول سے ہزاروں سال پہلے گزرے ہیں ایک معمولی عقل کا آدمی بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جس مذہب پر تھے وہ بہر حال موجودہ یہودیت اور نصرانیت نہیں تھا۔

هَآ اَنْتُمْ هَؤُلَاءِ۔ یہاں پر ہا کلمہ تحقیر کے لیے ہے یعنی تم ایسے احمق ہو کہ جس بارے میں تمہیں علم تھا مثلاً تم کہتے ہو کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین پر یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر ہیں اس باب میں تمہارے پاس جیسا تیسرا ہی علم موجود ہے گو تم حد سے بڑھ گئے ہو اور اس کے بہت سے احکام بدل دیئے تاہم ایک تعلق ضرور ہے مگر جس کا علم تمہارے پاس ہے ہی نہیں اس میں کیوں دخل اندازی کرتے ہو اللہ کو ہر چیز کا علم ہے تمہیں نہیں۔

مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا۔ اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرمادیا کہ ابراہیم علیہ السلام کا دین حنیف تھا یعنی تمام باطلوں سے رخ موڑ کر دین حق کی طرف مائل ہونے والا۔ اور ابراہیم علیہ السلام خود باطل سے نافر اور دین حق کی طرف مائل اور فرمانبردار تھے، نہ یہودی تھے نہ نصرانی، نہ اہل مکہ کے مانند مشرک۔

تمہارے خیالات اور عقائد ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں غلط اور باطل ہیں تمام انسانوں میں ابراہیم علیہ السلام کے دین کے وہ لوگ قریب تر ہیں جنہوں نے ان کے زمانہ میں ان کے دین اور ان کی سنت کی پیروی کی اور وہ محمد ﷺ ہیں اور ان پر ایمان لانے والے ساتھی ہیں، چونکہ دین اسلام دین ابراہیمی ہے اور اکثر احکام شریعت ابراہیمی کے اس میں ہیں لہذا وہی دین ابراہیمی پر ہونے کے دعوے کا زیادہ حق دار ہے، اللہ صرف انہی کا حامی اور مددگار ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔

وَدَّثَ طَائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ یہود کے حوصلے اتنے بڑھے ہوئے تھے، اور انہیں باطل پر اتنا غرہ تھا کہ خود تو اسلام قبول کرنا الگ ہے مسلمانوں کو بھی ان کے عقائد سے برگشتہ کر دینے کی فکر میں لگے رہتے تھے، آج بھی کتنے ہی مسیحیوں کے دل میں یہ تمنا موجود ہے کہ مسلمان خود مسیحیت قبول کر لیں یا اگر مسیحیت قبول نہ کریں تو کم از کم صحیح اسلام پر باقی نہ رہیں۔

يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ (الآیۃ) اے اہل کتاب! کیوں حق پر باطل کا رنگ چڑھا کر حق کو مشتبہ بناتے ہو؟ کیوں جانتے بوجھتے حق کو چھپاتے ہو؟ اس میں یہودیوں کے دو بڑے جرائم کی نشاندہی کر کے انہیں ان سے باز رہنے کی تلقین کی جا رہی ہے پہلا جرم حق و باطل اور سچ اور جھوٹ کو خلط ملط کرنا تاکہ لوگوں پر حق و باطل واضح نہ ہو سکے، دوسرا کتمان حق، یعنی نبی کریم ﷺ کے جو اوصاف تورات میں لکھے ہوئے تھے انہیں لوگوں سے چھپانا تاکہ نبی کی صداقت کم از کم اس اعتبار سے نمایاں نہ ہو سکے، اور یہ دونوں جرم جانتے بوجھتے کرتے تھے جس سے ان کی بد بختی دو چند ہو گئی تھی۔

وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اَنِيْهِمْ سُوْدٌ لِّبَغْضِهِمْ اِمْنُوْا بِالَّذِيْ اُنْزِلَ عَلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِی الْقُرْآنَ وَجْهَ النَّهَارِ اَوَّلًا

وَاَكْفُرُوا بِهِ اٰخِرَهُ لَعَلَّهُمْ اٰی الْمُؤْمِنِيْنَ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٦﴾ عَنْ دِيْنِهِمْ اِذْ يَقُوْلُوْنَ مَا رَجَعَ بِنُوْلَا عَنْهُ يَغْدُوْا دُخُوْلَهُمْ فِيْهِ وَبَنُوْا اَوْلَادُ عَلَيْهِ اِلَّا لِيُعْلِمُوْهُمْ بِطُلَاٰنِهِ وَقَالُوْا اَيْضًا وَلَا تُؤْمِنُوْا تُحْصِدُوْا اِلَّا لِمَنْ اِلَآلَمِنْ اِلَآلَمِ زَائِدَةٌ تَبِيْعٌ وَافَقٌ دِيْنَكُمْ قَالَ تَعَالٰى قُلْ لِّسْمِ يٰۤاَحْمَدُ اِنَّ الْهُدٰى هُدٰى اللّٰهِ الَّذِىْ يُّوْىِٔ اِسْلَامٌ وَمَا غَدَاةٌ ضَلَالٍ وَالْجُمْلَةُ اَعْتَرَا ضَ اَنْ اٰى بِاَنْ يُؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ مِنْ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ وَالْمُضٰتِّلِ وَاَنْ مَفْعُوْلٌ تُوْمِنُوْا وَالْمُسْتَشْنٰى مِنْهُ اَحَدٌ قَدْ مَ عَلَيْهِ الْمُسْتَشْنٰى الْمَعْنٰى لَا تَقْرُوْا بِاَنْ اَحَدًا يُؤْتٰى ذٰلِكَ اِلَّا مَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ اَوْ بِاَنْ يُحَاجُّوْكُمْ اٰى الْمُؤْمِنُوْنَ يَغْلِبُوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَآنَكُمْ اَصْحٰ دِيْنًا وَفِيْ قِرَآءَةٍ اَنْ بِمِهْمَزَةٍ التَّوْبِيْخِ اٰى اِيْتَاءٌ اَحَدٌ مِّثْلَهُ تَقْرُوْنَ بِهٖ قَالَ تَعَالٰى قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيْدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ فَمِنْ اَيْنَ لَكُمْ اَنْهٗ لَا يُؤْتٰى اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ كَثِيْرُ الْفَضْلِ عَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾ بِمَنْ بُوَابُهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٨﴾ وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَامَنَّهُ بِقِنطَارٍ اٰى بِمَالٍ كَثِيْرٍ يُؤْذِيْهِ اِلَيْكَ لَا مَانَتَهُ كَعَبْدِ اللّٰهِ بِنِ سَلَامٍ اَوْ ذَعُوْهُ رَجُلٌ اَلْفَاوِ بِاَتٰى اَوْ قِيَّةٌ ذَهَبًا صَادِبًا اِلَيْهِ وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَامَنَّهُ بِدِيْنَارٍ لَا يُؤْذِيْهِ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآبِمًا لَا تُفَارِقُهُ فَمَتٰى فَارَقَتْهُ اَنْكَرُهُ كَكُغْبَنِ الْاَشْرَفِ اِسْتَوْدَعَهُ قُرَيْشِيْ دِيْنَارًا فَجَحَدَهُ ذٰلِكَ اٰى تَرَكَ اِلَّا دَآءٍ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا بِسَبَبِ قَوْلِهِمْ لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاٰمِيْنَ اٰى الْعَرَبِ سَبِيْلٌ اٰى اِنَّهُ لَا يَسْتَبِيْخُ اِلَيْهِمْ ظُلْمٌ مَنْ خَالَفَ دِيْنَهُمْ وَنَسَبُوْهُ اِلَيْهِ تَعَالٰى قَالَ تَعَالٰى وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبُ فِى نِسْبَةِ ذٰلِكَ اِلَيْهِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٩﴾ اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ بَلٰى عَلَيْهِمْ فِيْهِ سَبِيْلٌ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهِ الَّذِىْ عٰبَدَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اَوْ بِعَهْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ بِنِ اَدَآءِ الْاٰمَانَةِ وَغَيْرِهِ وَاتَّقٰى اللّٰهُ بِتَرَكَ الْمَعَاصِيْ وَعَمَلِ الطَّاعَاتِ فَاِنَّ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٨٠﴾ فِيْهِ وَضَعَ الظَّاهِرِ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ اٰى يُجِبُّهُمْ بِمَعْنٰى يُثَبِّتُهُمْ وَنَزَلَ فِى الْيَهُودِ اَلَمَّا بَدَلُوْا نِعْمَتَ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَهْدَ اللّٰهِ اِلَيْهِمْ فِى التَّوْرَةِ اَوْ فِيمَنْ حَلَفَ كَاذِبًا فِى دَعْوٰى اَوْ فِى بَيْعِ سِلْعَةٍ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ يَسْتَبَدِلُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اِلَيْهِمْ فِى الْاِيْمَانِ بِالنَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَدَآءِ الْاٰمَانَةِ وَاِيْمَانِهِمْ حَلْفِهِمْ بِهٖ تَعَالٰى كَاذِبًا ثَمَنًا قَلِيْلًا مِنَ الدُّنْيَا اُولٰٓئِكَ اِلِخْلَاقٌ نَّصِيْبٌ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يَكْلَمُهُمُ اللّٰهُ غَضَبًا عَلَيْهِمْ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ بِرَحْمَتِهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُرَكِّبُهُمْ يُظَهِّرُهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٨١﴾ مُؤْلِمٌ وَاِنْ مِنْهُمْ اٰى اَهْلِ الْكِتٰبِ لَفَرِيْقًا طَائِفَةٌ كَكُغْبَنِ بِنِ الْاَشْرَفِ يَلُوْنَ اَلَسْنَتَهُم بِالْكِتٰبِ اٰى يَعْطِفُوْنَهَا بِقِرَآءَتِهِ عَنْ الْمُنْزَلِ اِلَى مَا حَرَفُوْهُ مِنْ نِعْمَتِ النَّبِىِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْوِهِ لِتَحْسَبُوْهُ اٰى الْمُخَرَفُ مِنَ الْكِتٰبِ الَّذِىْ اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٨٢﴾ اَنَّهُمْ كَاذِبُوْنَ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ نَحَارَى نَجْرَانَ اَنْ عِيْسٰى اَمَرَ بِهِ اَنْ يَتَّخِذُوْهُ رَبًّا اَوْ لَمَّا طَلَبَ نَعَضُ الْمُسْلِمِيْنَ

السُّجُودَ لَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ اِی الْفَتْهَ لِلشَّرِیْعَةِ
وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلُ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَكِنْ یَقُوْلُ كُوْنُوْا رَبِّیْنَ عُلَمَاءُ غَابِلِیْنَ مِّنْ سُوْبِ اِلٰی
الرَّبِّ بِزِیَادَةِ الْغِبِّ وَنَوْنٍ تَنْخِیْمًا بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ بِالتَّخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝۷
اِی بِسَبَبِ ذٰلِكَ فَاِنْ فَاِذَتْهُ اَنْ تَعْمَلُوْا وَلَا یَاْمُرْكُمْ بِالرَّفْعِ اسْتِیْنَاوْ اِی اللّٰهُ وَالنَّصِبِ عَطْفًا عَلٰی یَقُوْلُ
اِی الْبَشَرَ اَنْ تَتَّخِذُوْا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِیْنَ اَرْبَابًا كَمَا اتَّخَذَتِ الصَّابِئَةُ الْمَلَائِكَةَ وَالْیَهُودُ غُزَیْرًا وَالنَّصْرَی
عِیْسٰی اَیَاْمُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۸ اِیَنْبَغِیْ لَهٗ بِذٰلِكَ

تَرْجُمہ

ترجمہ: اہل کتاب کا ایک گروہ اپنے بعض لوگوں کو مشورہ دیتا ہے کہ جو قرآن (بواسطہ نبی) مومنین پر نازل کیا گیا

ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو انکار کر دو، کیا عجب کہ وہ (مومنین) اس (ترکیب سے اپنے دین سے) پھر جائیں۔ اس لیے
کہ وہ کہیں گے کہ اہل کتاب کا اہل علم ہونے کے باوجود، دین اسلام میں داخل ہونے کے بعد پھر جانا (اس دین) کے بطلان
سے واقف ہونے ہی کی وجہ سے ہو سکتا ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا، اور تم اس کی تصدیق کرو جو تمہارے دین کی موافقت
کرے، لِمَنْ مِّنْ لَّامِ زَائِدَہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ تم کہہ دو کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور) وہ اسلام
ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے گمراہی ہے۔ اور (فعل، تَوْمَنُوا، اور مفعول اَنْ یُّؤْتِیَ کے درمیان) (اِنَّ الْهُدٰی هُدٰی اللّٰهِ)
جملہ معترضہ ہے۔ اور یہ اسی کی دین ہے کہ کسی کو وہی کچھ دیدیا جائے جو بھی تم کو دیا گیا تھا، کہ وہ کتاب، حکمت، اور فضائل ہیں۔
اور اَنْ یُّؤْتِیَ الْخ. تَوْمَنُوا کا مفعول ہے۔ اور مستثنیٰ منہ احد ہے جس پر مستثنیٰ کو مقدم کر دیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ تم اس بات
کا اقرار نہ کرو کہ کسی کو یہ دیا جاسکتا ہے۔ مگر اس کو جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔ یا پھر مومنین تمہارے رب کے سامنے
قیامت کے دن غالب آجائیں اس لیے کہ تم صحیح ترین دین پر ہو اور ایک قراءت میں، اَنْ، ہمزہ تونی کی ساتھ ہے۔ یعنی کیا تم
اس جیسا کسی کو ملنے کا اقرار کرو گے؟ (یعنی اقرار نہ کرنا) آپ کہہ دیجئے کہ فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے عطا کرے
تو پھر تم یہ کہاں سے کہتے ہو کہ تمہارے جیسا (فضل) کسی کو نہیں دیا جاسکتا۔ اللہ بڑی وسعت والا بڑے علم والا ہے وہ اس بات کو
جانتا ہے کہ کون اس کا اہل ہے؟ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے اور اللہ بڑا فضل والا ہے اور اہل کتاب میں
بعض ایسے بھی ہیں اگر تم ان کے پاس ایک ڈھیر یعنی مال کثیر امانت رکھ دو تو وہ اس کو واپس کر دیں اپنی امانت داری کی وجہ سے
جیسا کہ عبد اللہ بن سلام۔ کہ ایک شخص نے ان کے پاس بارہ سو اوقیہ سونا (امانت) رکھ دیا تو وہ سونا انہوں نے مالک
کو ادا کر دیا۔ اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ اپنی خیانت کی وجہ سے تجھے
واپس نہ کریں مگر یہ کہ تم ان کے سروں پر ہمیشہ سوار رہو کہ ان کا پیچھا نہ چھوڑو اور اگر تم ان کا پیچھا چھوڑ دو تو وہ اس کا انکار
کر دیں۔ جیسا کہ کعب بن اشرف، کہ اس کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھ دیا تو اس نے اس کا انکار کر دیا اور یہ

ادانہ کرنا ان کے اس اعتقاد کی وجہ سے ہے کہ ہمارے اوپر ناخواندہ عرب کے بارے میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اپنے دین کے مخالفین پر ظلم روار کھنے کے (عقیدہ) کی وجہ سے، اور اس جواز کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔ اور اس بات کی اللہ کی طرف نسبت کر کے اللہ پر بہتان تراشتے ہیں حالانکہ وہ (خود) سمجھ رہے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں۔ ہاں کیوں نہیں؟۔ ان پر (اُمیین) کے بارے میں مواخذہ ہے۔ جس نے اپنے عہد کو پورا کیا وہ کہ جو اللہ نے ان سے لیا۔ یا اللہ کے عہد کو جو اداء امانت وغیرہ کا ہے (پورا کیا) اور ترک معصیت کر کے اللہ سے ڈرا۔ اور اطاعت گزار بنا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے، اس میں اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے۔ یُحِبُّهُمْ، معنی میں یُثَبِّتُہُمْ کے ہے، اور (آئندہ آیت) یہود کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے تورات میں مذکور آپ ﷺ کی صفات کو یا ان سے اللہ کے عہد کو بدل دیا، یا اس شخص کے بارے میں جس نے دعوے میں جھوٹی قسم کھائی یا سامان فروخت کرنے کے معاملہ میں (جھوٹی قسم کھائی) بلاشبہ وہ لوگ جو نبی ﷺ پر ایمان لانے اور اداء امانت کے بارے میں اللہ کے عہد کو اور اللہ کی جھوٹی قسموں کو دنیوی قلیل معاوضہ کے عوض بدل دیتے ہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ روز قیامت ناراضگی کی وجہ سے نہ ان سے کلام کرے گا اور نہ رحمت کی نظر سے ان کو دیکھے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا۔ اور ان کے لیے تو دردناک عذاب ہے اور کچھ لوگ ان میں سے ایسے بھی ہیں جیسا کہ کعب بن اشرف جو کتاب (تورات) پڑھتے ہوئے اپنی زبان کو منزل سے گھما دیتے ہیں۔ یعنی نبی ﷺ کی صفات وغیرہ کو حُرَف کی جانب گھما دیتے ہیں، تاکہ تم اللہ کی نازل کردہ کتاب کے اس محرف جزء کو بھی (منزل) کتاب کا جزء سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا جزء نہیں ہے، اور کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے اور وہ اللہ پر بہتان لگاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں، (اور آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب نجران کے نصاریٰ نے کہا کہ عیسیٰ ﷺ نے ان کو حکم دیا ہے کہ اس کو اپنا رب بنالیں (یا اس وقت نازل ہوئی) کہ جب بعض مسلمانوں نے آپ ﷺ سے آپ کو سجدہ کرنے کی اجازت چاہی، کسی بشر سے کہ جس کو اللہ نے کتاب اور حکمت یعنی فہم شریعت اور نبوت عطا کی ہو اس سے یہ نہیں ہو سکتا کہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے بن جاؤ (وہ تو یہی کہے گا) اللہ والے بن جاؤ، یعنی عالم بائمل بن جاؤ، (ربانیین) الف و نون کی زیادتی کے ساتھ رب کی طرف منسوب ہے۔ اس لیے کہ تم (آسمانی) کتاب کو پڑھاتے ہو اور خود بھی پڑھتے ہو (تعلمون) لام کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ تو اس کا فائدہ یہ ہونا چاہئے کہ تم غفل کرو۔ اور وہ یعنی اللہ تم کو اس بات کا حکم نہیں دیتا (لا یامُرکم) بطور استیناف مرفوع ہے (ای اللہ لا یامُرکم) اور یقول پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے (ای ان یقول البشر) اور وہ تمہیں اس بات کا حکم نہ دے گا کہ فرشتوں کو اور نبیوں کو رب بناؤ، جیسا کہ فرقہ صابیہ نے ملائکہ کو اور یہود نے عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو (رب بنا لیا) کیا وہ تمہیں کفر کا حکم دے گا، بعد اس کے کہ تم اسلام لے چکے ہو۔ یہ ہرگز اس سے نہ ہوگا۔

تحقیق و ترکیب و تفسیری فوائد

قَالَ: وَقَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، یہ بملہ مستانفہ ہے اس کا مقصد یہودی ایک دوسری قسم کی تلپیس کو بیان رنا ہے۔

قَالَ: أَوَّلُهُ، اول نہار کو وَجْهٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ جس طرح چہرہ حسین اور خوبصورت ہوتا ہے اول نہار بھی حسین اور سہانا تا ہے۔ اور وَجْهٌ کی تفسیر اول سے اس لیے کی ہے کہ جس طرح ملاقات کے وقت چہرہ سب سے پہلے سامنے آتا ہے اسی طرح نہار بھی اختتام شب کے بعد سب سے پہلے نمودار ہوتا ہے۔

قَالَ: وَالْجُمْلَةُ اعْتَرَاضٌ، فعل لا تُؤْمِنُوا اور اس کے مفعول، اَنْ يُؤْتِيَ الْخ کے درمیان ”اِنَّ الْهُدٰى هُدٰى اللّٰہِ“ مقررہ ہے۔

قَالَ: اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ، مستثنیٰ مقدم ہے، اَنْ يُؤْتِيَ اَحَدٌ، مستثنیٰ منہ مؤخر ہے۔

قَالَ: بِاَنْ يُحَاجُّوْكُمْ اَنْ مَقْدَرِ مَا نَعْنِ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ اس کا عطف بَاَنْ یُوتِی پر ہے نہ کہ اَنْ فِی، اَوْ، اس لیے کہ یہ مجاز ہونے کی وجہ سے خلاف ظاہر ہے۔

قَالَ: وَفِی قِرَاءَةٍ اَنَّ بِهَمْزَةِ التَّوْبِیْخِ، یہ اَنْ یُوتِی اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اَوْ تَبِیْتُمْ میں دوسری قراءت کے مطابق ہمزہ غبام تو نی ہوگا، یعنی کیا تم اپنے جیسی حکمت اور فضیلت دوسروں کو دیئے جانے کا اقرار کرتے ہو، نہیں کرنا چاہتے۔

قَالَ: اِیْتَاءَ اَحَدٍ، اس میں اشارہ ہے کہ اَنْ یُوتِی میں ان مصدر یہ ہے۔

قَالَ: قِنْطَارًا، واحد، جمع قِنْطَارِیْنِ، مال کثیر۔

قَالَ: وَلَا تُؤْمِنُوا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ۔ یہ آیت ترکیب کے اعتبار سے مشکل ترین آیتوں میں شمار ہوتی ہے، بعض ایت نے اس آیت کی نو ترکیبیں کی ہیں، مگر ان میں سے صرف ایک جو آسان ترین ہے ذیل میں درج کی جاتی ہے اور علامہ رِی رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی نے بھی اپنی کتاب ”کشاف“ میں تحریر کی ہے۔

یَبِ: وَاَوْعَاطِفْہ، لاناہیہ، تُوْمِنُوا فعل مضارع مجزوم بلا، اور وَاَوْفَاعِلْ، اور اِلَّا، حرف استثناء، اور لِمَنْ میں لام حرف سن، اسم موصول لام کی وجہ سے مجرور جار اور مجرور محذوف سے مل کر استثناء کی وجہ سے محل میں نصب کے، تقدیر عبارت یہ ہوئی 'تُوْمِنُوا، وتظہروا بان یوتی اَحَدٌ بِمِثْلِ مَا اوتیتکم لَا اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ اِلَّا لِاشیاءِ عکم دون غیر کم۔

تبع، فعل ماضی ہو اس میں ضمیر فاعل، جماعہ فعلیہ صلہ اور دِیْنَكُمْ مفعول بہ درمیان میں قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدٰى اللّٰہِ مقررہ ”اَنْ یُوتِی مِثْلَ مَا اَوْ تَبِیْتُمْ“ ان اپنے ماتحت سے مل کر بتاویل مصدر ہو کر مجرور بنزع الخافض، اور جار مجرور کر تُوْمِنُوا کے متعلق اور، اَحَدٌ، یُوتِی، کا نائب فاعل، اور مِثْلَ، مفعول بہ ثانی، ما، اسم موصول اضافت کی وجہ

سے محلاً مجرور اور جملہ اُوتیتُم، صلا مضارع۔

قَوْلٌ: الامتین، مراد جوابل کتاب نہ ہوں۔

قَوْلٌ: یلَوْن مضارع جمع مذکر غائب، لَیْ، مصدر (ن) وہ گھماتے ہیں، وہ موڑتے ہیں۔

قَوْلٌ: الْبَشَر، انسان، مذکر ہوا مونث واحد ہوا جمع، لفظوں میں واحد نہیں ہے۔

اللَّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ. اس میں استعارہ مکنیہ ہے۔

استعارہ بالکنایہ:

استعارہ بالکنایہ وہ لفظ ہے جس کے لازم معنی مراد لیے جائیں۔ اس کے ساتھ اس کا معنی ملزوم (اصلی معنی) مراد لینا بھی درست ہو یہاں یَشْتَرُوْنَ، بول کر یَسْتَبْدِلُوْنَ مراد ہے۔

قَوْلٌ: وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یہ شدت غضب سے کنایہ ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

یہودیوں کے ایک اور مکر کا ذکر:

وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ، اِی الْیَهُودِ لِبَعْضِهِمْ، یہ یہودیوں کے ایک اور مکر کا ذکر ہے، جس سے وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے، قالت طائفة میں اطراف مدینہ کے یہودیوں کی طرف اشارہ ہے، یہ ان چالوں میں سے ایک چال تھی جو اطراف مدینہ کے رہنے والے یہود کے لیڈر اور احبار، اسلام کی دعوت کو کمزور کرنے کے لیے چلاتے رہتے تھے یہودیوں نے مسلمانوں کو بدل کرنے اور عام لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے بدگمان کرنے کے لیے خفیہ طور پر آدمیوں کو تیار کر کے بھیجنا شروع کیا کہ پہلے علانیہ اسلام قبول کریں اور جلد ہی مرتد ہو جائیں پھر جگہ جگہ لوگوں میں یہ مشہور کرتے پھریں کہ ہم نے اسلام میں اندر گھس کر دیکھ لیا سب دھکوسلہ ہے اسلام کے اندر کچھ نہیں ہے ہم تو سمجھتے تھے کہ اسلام کی کچھ حقیقت ہوگی مگر جب ہم نے اسلام قبول کیا تو اندر سے بالکل خالی پایا جس کی وجہ سے ہم نے اسلام کو خیر باد کہہ دیا اور یہ کہ اسلام میں یہ خامی او مسلمانوں میں یہ خرابی اور رسول میں یہ کمی وغیرہ وغیرہ ہے ان ہی اسباب کی وجہ سے ہم اسلام سے الگ ہو گئے۔

تاریخ یہود میں منافقت کی یہی ایک مثال نہیں، خود ان کی کتابوں میں یہ واقعہ بصراحت درج ہے کہ بارہویں صدی عیسوی میں جب اسپین میں اسلامی حکومت تھی تو حکومت کی جانب سے فرضی یا واقعی مظالم کی بناء پر بہت سے یہود نے اپنے ربیوں کی اجازت اور فتوے کے مطابق اسلام کا اظہار کرنا شروع کر دیا اور ان حالیکہ دل سے ایک بھی مسلمان نہیں ہوا تھا۔

(حیون انسانی کلو پیڈیا جلد اول ص ۴۳۲/۴۳۳)

موجودہ زمانہ میں جو بڑے بڑے فرنگی محققین، یہود و مسیحی مستشرقین نے فرنگی زبانوں میں سیرۃ النبی لکھنے کا طریقہ یہ اختیار کیا ہے کہ علم و تحقیق، وسعت مشرب اور بے تعصبی کی وھاک بٹھا کر تمہید بڑے زور کی اٹھاتے ہیں معلوم ہونے لگتا ہے کہ پیغمبر عرب مصلح عالم کی تعریف اور مقنن اعظم، مثیل موسیٰ کی منقبت میں دریا بہا دیں گے، لیکن آگے چل کر نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) انہیں کچھ خلل دماغ تھا یا یہود و نصاریٰ کی کتابوں کے کچھ مضامین کہیں سے سن سنا کر ترتیب دے لیتے تھے (علیٰ بذالقیاس) یہ بھی ٹھیک اسی قدیم یہودیانہ دجل و مکر کا ایک جدید فرنگی طریقہ ہے اور بس۔

یہ محض یہودی عوام ہی کا جاہلانہ خیال نہ تھا بلکہ ان کے یہاں ان کی مذہبی تعلیم بھی یہی تھی اور ان کے بڑے بڑے مذہبی پیشواؤں کے فقہی احکام ایسے ہی تھے۔ بائبل، قرآن اور سوو کے احکام میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان صاف تفریق کرتی ہے۔ (استثناء ۱۵: ۳۱-۲۳: ۲۰)

تلمود میں کہا گیا ہے کہ اگر اسرائیلی کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر کوئی تاوان نہیں، مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر کسی اسرائیلی کے بیل کو زخمی کر دے تو اس پر تاوان ہے، اگر کسی شخص کو کوئی گری پڑی چیز ملے تو اسے دیکھنا چاہئے کہ گرد و پیش آبادی کن لوگوں کی ہے؟ اگر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے اعلان کرنا چاہئے، اور اگر غیر اسرائیلیوں کی ہو تو اسے بلا اعلان وہ چیز رکھ لینی چاہئے۔ ربی شموئیل کہتا ہے کہ اگر ارمی اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے بھائی کو جتوا سکتا ہو تو اس کے تحت جتوا دے اور کہے کہ ہمارا قانون ہے اور اگر ارمیوں کے قانون کے مطابق جتوا سکتا ہو تو اس کے تحت جتوا دے اور کہے کہ یہ تمہارا ہی قانون ہے، اور اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس فیصلہ سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کر سکتا ہے کرے۔ ربی شموئیل کہتا ہے کہ غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

(تالمودک مسنلنی، بال ۱۸۸۰ء)

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبَعَ دِينُكُمْ، یعنی یہ بھی انہوں نے آپس میں کہا کہ تم ظاہری طور پر تو اسلام کا اظہار ضرور کرو لیکن اپنے ہم مذہب یہودی کے سوا کسی اور کی بات پر یقین مت کرو۔

قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ، یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس کا ماقبل و مابعد سے کوئی تعلق نہیں ہے صرف ان کے مکرو حیلے کی اصل حقیقت واضح کرنا مقصود ہے کہ ان کے ان حیلوں سے کچھ نہیں ہوگا کیوں کہ ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو ہدایت دینا چاہے تمہارے حیلے اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتے۔

اَنْ یُّؤْتِیَ اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اَوْتِیْتُمْ (الایہ) یہ بھی یہود کا قول ہے اور اس کا عطف وَلَا تَوْمَنُوا پر ہے۔ یعنی یہ بھی تسلیم مت کرو کہ جس طرح تمہارے اندر نبوت وغیرہ رہی ہے یہ کسی اور کو بھی مل سکتی ہے اور یہودیت کے سوا کوئی اور دین بھی حق ہو سکتا ہے۔

وَاللّٰهُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ اس آیت کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں، ایک یہ کہ یہود کے بڑے بڑے علماء جب اپنے شاگردوں کو یہ سکھاتے کہ دن چڑھے ایمان لاؤ اور دن اترتے مرتد ہو جاؤ تا کہ جو لوگ فی الواقع مسلمان ہیں وہ بھی مذذب ہو کر مرتد ہو جائیں، تو ان شاگردوں کو مزید تاکید کرتے تھے کہ دیکھو صرف ظاہراً مسلمان ہونا حقیقتہً اور واقعہً مسلمان نہ ہو جانا، بلکہ یہودی رہنا اور یہ نہ سمجھ بیٹھنا کہ جیسا دین، جیسی وحی و شریعت اور جیسا علم و فضل تمہیں دیا گیا ہے ویسا ہی کسی اور کو بھی دیا جاسکتا ہے، یا تمہارے بجائے کوئی اور بھی حق پر ہے جو تمہارے خلاف اللہ کے نزدیک حجت قائم کر سکتا ہے، اور تمہیں غلط ٹھہرا سکتا ہے، اس معنی کی رو سے جملہ معترضہ کو چھوڑ کر عند ربکم تک کل کا کل یہود کا قول ہوگا۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اے یہودیو! تم حق کو دبانے اور مٹانے کی یہ ساری حرکتیں اور سازشیں اس لیے کر رہے ہو کہ ایک تمہیں اس بات کا غم ہے کہ جیسا علم و فضل، وحی اور شریعت اور دین تمہیں دیا گیا تھا اب ویسا ہی علم و فضل اور دین کسی اور کو کیوں دے دیا گیا؟ دوسرا تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر حق کی یہ دعوت پنپ گئی اور اس نے اپنی جڑیں مضبوط کر لیں تو نہ صرف یہ کہ تمہیں دنیا میں جو جاہ اور وقار حاصل ہے وہ جاتا رہے گا بلکہ تم نے جو حق چھپا رکھا ہے اس کا بھی پردہ فاش ہو جائے گا، اور اس پر یہ لوگ اللہ کے نزدیک بھی تمہارے خلاف حجت قائم کر بیٹھیں گے، حالانکہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ دین و شریعت اللہ کا فضل ہے، اور یہ کسی کی میراث نہیں بلکہ وہ اپنا فضل جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اسے معلوم ہے کہ یہ فضل کس کو دینا چاہئے؟

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ اِنْ تَامَنَهُ بِقِنطَارٍ (الایہ) یہ یہود کی خیانت فی الدین کے بعد خیانت فی المال کا ذکر ہے اور اس کا بھی ذکر ہے کہ بعض ان میں متدین بھی ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر ایمان کی توفیق نصیب فرمادی۔ جیسا کہ عبد اللہ بن سلام ان کے پاس ایک شخص نے بارہ سو اوقیہ سونا (ایک اوقیہ ساڑھے دس تولہ کا) امانت رکھ دیا، بوقت مطالبہ بلاتا خیر ادا کر دیا، اس کے برخلاف کعب بن اشرف کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار امانت رکھ دیا تھا، بوقت مطالبہ صاف انکار کر دیا۔ اور یہ کوئی ایک یا دو فرد کا معاملہ نہیں تھا بلکہ یہود کی یہ عام عادت تھی کہ غیر یہود کے مال کو حلال و حرام ہر طریقہ سے ہڑپ کرنا جائز سمجھتے تھے بلکہ ان کا یہ دینی عقیدہ تھا کہ غیر یہود کا مال ناجائز طریقہ سے کھانا جائز ہے اور اس حکم کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہوئے کہتے تھے کہ تورات میں یہ حکم لکھا ہوا ہے کہ ہم پر اس میں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ حالانکہ وہ خوب جانتے تھے کہ یہ بات غلط ہے۔ ایسے ایسے اخلاقی جرم کرنے کے بعد بھی سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے مقرب اور چہیتے ہیں۔

بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَهْدِهِ (الایہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیوں نہیں ضرور مواخذہ ہوگا، جو وعدہ وفا کرے اور اللہ سے ڈرے وہ متقی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ زابدی کے حوالہ سے صاحب خلاصۃ التفسیر نے لکھا ہے کہ ایک بار مدینہ میں قحط پڑا بعض یہود مسلمان ہو گئے تھے وہ کعب بن اشرف کے پاس گئے جو کہ یہود کا سردار تھا، اور مدد کی درخواست کی کعب بن اشرف نے کہا اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، انہوں نے جواب دیا اللہ کا نبی اور اس کا بندہ ہے، کعب نے کہا تم مجھ سے کچھ نہیں پاسکتے، نو مسلم یہود بولے ہم نے یہ بات یوں ہی کہہ دی تھی مہلت دیجئے کہ سوچ سمجھ کر جواب دیں۔ پھر تھوڑی دیر بعد آئے اور کہنے لگے یہ خاتم الانبیاء نہیں ہیں تو اُس نے ان کو قسم دلائی وہ قسم کھا گئے کعب نے ہر شخص کو پانچ صاع جو اور آٹھ گز کپڑا دیا، مذکورہ آیت ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

ابو امامہ باہلی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کا حق جھوٹی قسم کھا کر مار لیا اللہ اس پر دوزخ واجب اور جنت حرام کر دے گا۔ کسی نے عرض کیا اگر حقیر و قلیل چیز بھی ہو فرمایا: اگر چہ پیلو کی ٹہنی بھی ہو۔

(مسلم شریف)

وَ اِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِیقًا یَلُوْنَ اَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کتاب الہی کے معانی میں تحریف کرتے ہیں یا الفاظ کا الٹ پھیر کر کے کچھ کا کچھ مطلب نکالتے ہیں، لیکن اس کا اصلی مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب کو پڑھتے ہوئے کسی خاص لفظ یا کسی خاص فقرے کو جو ان کے مفاد یا خود ساختہ عقائد کے خلاف ہو زبان کی گردش سے کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں۔ اس کی نظیریں قرآن کے ماننے والوں میں بھی مفقود نہیں ہیں مثلاً بعض لوگ جو نبی کے بشریت کے منکر ہیں آیت قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں اِنَّمَا کو اِنّ ما پڑھتے ہیں اور اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، اے نبی! کہہ دو کہ تحقیق نہیں ہوں میں بشر تم جیسا، اور پھر محرف کے بارے میں کہہ دیتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے وہ جان بوجھ کر اللہ پر بہتان تراشتے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّوْتِیْهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ (الایۃ) یہودیوں کے یہاں جو علما عہد یدار ہوتے تھے اور جن کا کام مذہبی امور میں لوگوں کی رہنمائی کرنا اور عبادت کے قیام اور احکام دین کا اجرا کرنا ہوتا تھا ان کے لیے رَبَّانِی کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا جیسا کہ خود قرآن میں ارشاد ہوا ہے "لَوْلَا یَنْفَعُهُمُ الرَّبَّانِیُّوْنَ وَ الْاَخْبَارُ" (الایۃ)

سلسلہ کلام کے درمیان یہود کا تذکرہ آگیا تھا اب پھر دوبارہ نصاریٰ کا ذکر شروع ہوتا ہے، مذکورہ آیت مسیحیوں سے متعلق ہے، مسیحیوں نے حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو خدا بنایا ہوا ہے حالانکہ وہ ایک انسان تھے جنہیں کتاب و حکمت اور نبوت سے سرفراز کیا گیا تھا، اور ایسا کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے پیجاری اور بندے بن جاؤ بلکہ وہ تو یہی کہتا ہے کہ رب والے بن جاؤ، رَبَّانِی رب کی طرف منسوب ہے الف اور نون کا اضافہ مبالغہ کے لیے ہے۔ (فتح القدیر)

وَلَا یَأْمُرْکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِکَۃَ وَالنَّبِیِّیْنَ (الایۃ) بعض مفسرین نے اس آیت کے شان نزول میں بیان کیا ہے کہ: ابن الحنفی اور ابن جریر اور ابن منذر وغیرہ نے حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے

یہود اور نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی، تو ان لوگوں نے کہا۔ اے محمد ﷺ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس طرح بندگی کریں جیسے نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی کرتے ہیں فقال رسول اللہ ﷺ معاذ اللہ آپ نے فرمایا اللہ کی پناہ کہ ہم غیر اللہ کی بندگی کریں یا غیر اللہ کی بندگی کا حکم کریں۔ نہ اللہ نے مجھے اس کے لیے مبعوث کیا اور نہ مجھے اس کا حکم دیا تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

عبد بن حمید نے حسن سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ نُسَلِمَ عَلَیْكَ کَمَا یُسَلِّمُ بَعْضُنَا عَلٰی بَعْضٍ أَفَلَا نَسْجُدُ لَكَ، ہم جس طرح آپس میں سلام کرتے ہیں، اسی طرح آپ کو بھی سلام کرتے ہیں، کیا ہم آپ کو سجدہ نہ کریں قال: لَا، فرمایا نہیں، مگر یہ کہ اپنے نبی کا اکرام کرو اور اس کے اہل کا حق پہچانو کسی کے لیے ہرگز مناسب نہیں کہ غیر اللہ کو سجدہ کرے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اذْکُرْ اِذْ جِئْنَا بِالنَّبِیِّ اِذْ جِئْنَا بِاللّٰهِ مِیثَاقَ النَّبِیِّ عَنْهُمْ لَمَّا بَفْتَحَ اللّٰمِ لِابْتِداءٍ وَتَوْکِیدٍ مَعْنٰی الْقَسْمِ الَّذِیْ فِیْ اَخْذِ الْمِیثَاقِ وَ کَسْرِهَا مُتَعَلِّقَةً بِاَخْذِ وَمَا مَوْصُولَةٌ عَلٰی الْوَجْهَیْنِ اِیْ لِّلَّذِیْ اَتٰیْتُمْ اٰیَآةَ وَفِیْ قِرَآءَةِ اَتٰیْتُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَحِکْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ وَالْحِکْمَةِ وَبِیَوْمِ مُحَمَّدٍ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَتُوْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ جَوَابُ الْقَسْمِ اِنْ اَدْرَکْتُمْوْہُ وَاَمَمْتُمْہٗ تَبِعَ لَہُمْ فِیْ ذٰلِکَ قَالَ تَعَالٰی لَہُمْ ؕ اَقْرَرْتُمْ بِذٰلِکَ وَاَخَذْتُمْ قَبْلَتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اَصْرٰی قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاَشْہَدُوْۤا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ وَاتَّبَاعِکُمْ بِذٰلِکَ وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰہِدِیْنَ ۝۸۱ عَلَیْکُمْ وَ عَلَیْہُمْ فَمَنْ تَوَلّٰی اَعْرَضَ بَعْدَ ذٰلِکَ الْمِیثَاقِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲ اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ بِالْاِیَّآءِ اِی الْمُتَوَلِّیْنَ وَالتَّآءِ وَلَہٗ اَسْلَمَ اِنْقَادَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًاۢۤ اَوْ اِیَّآءًا وَکَرْہًاۢۤ بِالسَّیْفِ وَنُعَیْنُہٗ مَا یُلْجِیْ اِلَیْہِ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُوْنَ ۝۸۳ بِالْاِیَّآءِ وَالنَّہْزَةِ لِاِنْکَارِ قُلِّ لَہُمْ یَا مُحَمَّدُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلَ عَلَیْنَا وَمَا اَنْزَلَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَاسْمٰعِیْلَ وَاسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ اَوْلَادِہٖ وَمَا اُوْتِیَ مُوسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِّنْ رَّبِّہُمْ لَا تَفْرِقْ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ بِالْتَّضَدِّیْقِ وَالتَّکْذِیْبِ وَتَحْنٌ لَّہٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۸۴ مُخْلِصُوْنَ فِی الْعِبَادَةِ وَنَزَلَ فِیْمَنْ اَزْتَدَ وَلِجِقَ بِالْکُفَّارِ وَمَنْ یَّتَّبِعْ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہٗ وَہُوْۤا فِی الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۸۵ لِمَصِیْرِہٖ اِلَی النَّارِ الْمُؤَبَّدَةِ عَلَیْہِ کَیْفَ اِیْ یَهْدِی اللّٰهُ قَوْمًا کَفَرُوْۤا بَعْدَ اِیْمَانِہُمْ وَشَہَدُوْۤا اِیْ وَشَہَادَتِہُمْ اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَجَآءَہُمْ الْبَیِّنٰتُ الْحُجُجُ الظَّاہِرٰتُ عَلٰی صِدْقِ النَّبِیِّ صَلٰی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۸۶ الْکَافِرِیْنَ اُولٰٓئِکَ جَزَآؤُہُمْ اَنَّ عَلَیْہُمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِکَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۝۸۷ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا اِی اللّٰغَةِ اَوْ النَّارِ الْمَذْلُوْلِ بِہَا عَلَیْہَا لَا یُخَفَّفُ عَنْہُمْ الْعَذَابُ وَلَا ہُمْ یُنْظَرُوْنَ ۝۸۸ یُنْمَلُوْنَ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْۤا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاصْلَحُوْۤا عَمَلُہُمْ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۸۹ بِہُمْ وَنَزَلَ فِی الْیَہُوْدِ

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعِیْسٰی بَعْدَ اٰیْمَانِهِمْ بِمُوسٰی ثُمَّ اَزْدَادُوْا كُفْرًا بِمُحَمَّدٍ لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ اِذَا غَرَضُوا اَوْ نَاسُوا كُفْرًا ۝۱۰ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّالُّوْنَ ۝۱۱ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَاٰمَنُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ قَوْلٌ اَلَمْ يَرْضَ بِمَا اٰمَنَّا بِهَا ذَهَبًا وَّلَوْ اَفْتَدٰی بِهٖۤ اِذْ خَلَّ النِّفَاۤءُ فِیْ خَبْرٍ اِنْ لِّیْشَبِیْهِ الَّذِیْنَ بِالْشَّرْطِ وَاِیْذَا نَا بِتَسْبِیْهِ عَدَمِ الْقَبُوْلِ عَنِ الْمَوْتِ عَلٰی الْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ تَصْرِیْنٍ ۝۱۲ مَا یَنْعِنِیْنَ مِنْهُ

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب انبیاء سے عالم ارواح میں اللہ نے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب و حکمت (کی قسم) سے دوں۔ لَمَّا۔ لام کے فتح کے ساتھ لام ابتداء ہے اور اس معنی قسم کی تاکید کے لیے ہے جو اخذ الميثاق سے منہوم ہیں اور کسرہ لام کے ساتھ اخذ کے متعلق ہے، اور مَآدُوْنَ صورتوں میں موصولہ ہے، ای الذی، اور ایک قرأت میں اَتَيْنٰكُمْ ہے پھر تمہارے پاس اس کتاب و حکمت کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے اور وہ (رسول) محمد ﷺ ہیں۔ تو تم ضرور اس رسول پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنا۔ (لَتُوْمِنَنَّ الْخ) جواب قسم ہے (یعنی) اگر تم اس کو پاؤ، اس حکم میں انبیاء کی امتیں ان کے تابع ہیں (پھر) اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا۔ کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو؟ اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے ہم اقرار کرتے ہیں فرمایا تو اپنے اوپر اور اپنے متبعین پر اس بات کے گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے اور ان کے اوپر گواہوں میں سے ہوں تو اب جو کوئی اس عہد کے بعد وگردانی کرے گا تو وہی نافرمانوں میں شمار ہوگا سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا (کسی اور دین) کو تلاش کر رہے ہیں (يَبْغُوْنَ) یا، کے ساتھ، بمعنی متولون، ای معرضون، اورتاء، کے ساتھ (ای تَبْغُوْنَ) ای تعرضون، درانحالیکہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اس کی فرمانبرداری ہے خوشی سے بغیر انکار کے اور ناخوشی سے تلو اور اس چیز کے مشاہدہ کی وجہ سے جو فرمانبرداری کے لیے مجبور کر دے (مثلاً قوت وغیرہ) اور سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے (تَرْجِعُوْنَ) یا، اورتاء کے ساتھ (اَفْغِيْرَ) میں ہمزہ استفہام انکاریہ ہے اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے اوپر اتارا گیا ہے اور جو براہیم علیہ السلام پر اور اسماعیل علیہ السلام پر اور اسحاق علیہ السلام پر اور یعقوب علیہ السلام پر اور اولاد (یعقوب) پر اتارا گیا ہے اور اس پر جو موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام اور (دیگر) نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا۔ ہم ان میں باہم تصدیق و تکذیب کے اعتبار سے کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم تو عبادت میں اسی کے لیے مخصوص ہیں اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو مرتد ہو کر کفار میں شامل ہو گیا اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔ اور وہ شخص آخرت میں دائمی عذاب کی طرف لوٹنے کی وجہ سے زیاں کاروں میں سے ہوگا۔ اور اللہ کیسے ایسے لوگوں کو ہدایت دے گا (یعنی) نہیں دے گا۔ جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا (اور اس کے بعد کہ وہ) شہادت دے چکے کہ رسول برحق ہیں (اور بعد اس کے) کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکی تھیں یعنی آپ ﷺ کی صداقت پر واضح نشانیاں آچکی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں

کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور سب انسانوں کی لعنت ہوتی ہے اور اس لعنت یا آگ میں جس پر لعنت دلالت کرتی ہے ہمیشہ رہیں گے نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی البتہ وہ لوگ جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرنے والے رحم کرنے والے ہیں اور یہود کے بارے میں (آئندہ آیت نازل ہوئی) بے شک جن لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے محمد ﷺ کا انکار کر کے۔ تو ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی جب حالت نزع (غرغره) میں پہنچ گئے یا حالت کفر میں مر گئے، یہی لوگ تو گمراہ ہیں بلاشبہ جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے ان میں سے کسی سے بھی ہرگز قبول نہ کیا جائے گا زمین بھر سونا یعنی اتنی مقدار کہ جوزمین کو بھر دے، اگر وہ اسے معاوضہ میں دینا چاہے اِن کی خبر پر فاء داخل کی گئی، الذین، کے شرط کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور اس بات پر آگاہ کرنے کے لیے کہ عدم قبول کا سبب موت علی الکفر ہے (نہ کہ محض کفر) یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے دردناک عذاب ہے جن کے لیے کوئی بھی مددگار عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

وَ اِذْ كَرِاْذٍ حَیْنٍ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیْنَ۔

قَوْلًا: حَیْنٌ، لفظ حَیْنٌ سے اشارہ کر دیا کہ اِذْ ظرفیہ ہے اور اِذْ کر فعل محذوف سے متعلق ہے۔ اس آیت کی متعدد ترکیبیں کی گئی ہیں یہ آیت بھی مشکل ترکیبی مقامات میں شمار ہوتی ہے۔

صاحب جلالین کی اختیار کردہ ترکیب: وَ اِذْ ظَرْفِیہِ اِذْ ظَرْفِیہِ متعلق فعل محذوف اِذْ کر کے، لَمَّا، لام کے فتح کے ساتھ برائے ابتداء اور معنی قسم جو کہ اخذ میثاق سے مفہوم ہیں، کی تاکید کے لیے لام کو بالکسر بھی پڑھا گیا ہے اِخْذَ کے متعلق، دونوں صورتوں میں مَّا، موصولہ ہے اَتِیْتُكُمْ اَیَّاهُ، اور ایک قراءت میں۔ اَتِیْتُكُمْ، لَتُؤْمِنُنَّ جواب قسم اَیَّاهُ عائد محذوف جو کہ موصول کی طرف راجع ہے۔

مَّا موصولہ ہے جائز ہے کہ متضمن بمعنی شرط ہو اور لَتُؤْمِنُنَّ قائم مقام جواب قسم اور جواب شرط ہو۔

قَوْلًا: اَفَرَرْتُمْ استفہام بمعنی امر ہے، استفہام تقریری بھی ہو سکتا ہے، اَفْغِیْرَ، میں ہمزہ انکار کا ہے، لہذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ اللہ کو سوال کرنے کے کیا معنی؟

قَوْلًا: بالتصدیق والتکذیب اس اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: اللہ تعالیٰ کے قول، لانفرق کا مطلب ہے کہ ہم انبیاء میں فرق نہیں کرتے بلکہ سب کو مساوی سمجھتے ہیں حالانکہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام فضیلت و درجات میں مختلف ہیں اور یہی بات تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ سے معلوم ہوتی ہے۔

جَوَاب: تفریق نہ کرنا تصدیق و تکذیب کے اعتبار سے ہے نہ کہ فضیلت و درجات کے اعتبار سے، یعنی ہم یہود کی طرح بعض کی تصدیق اور بعض کی تکذیب نہیں کرتے۔

قَوْلًا: مخلصون۔

سُؤَال: مسلمون کی تفسیر مخلصون سے کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: مسلمون بمعنی مخلصون اس لیے کیا گیا ہے کہ نفس ایمان تو آمنا سے مفہوم ہے۔

قَوْلًا: وَشَهِادَتِهِمْ۔ اس میں اشارہ ہے کہ اس کا عطف بتقدیر بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ پر ہے اور فعل معطوف تاویل میں اسم کے ہے۔

قَوْلًا: قَدْ۔ حذف قد میں اشارہ ہے کہ واو حالیہ ہے نہ کہ عاطفہ۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

مِثَاق۔ اسم، عہد و پیمان اِضْر۔ بھاری بوجھ، سخت و دشوار اور محنت شاقہ، الاسباط، سبط، کی جمع ہے ولد الولد، ولد البنت پر بھی تغلیباً اطلاق ہوتا ہے، حفید یعنی ولد الابن پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، والاسباط من الیہود، القبیلۃ من العرب کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

مِثَاق کہاں ہوا؟

مِثَاق کا لفظ قرآن کریم میں متعدد جگہ استعمال ہوا ہے اور اس کے معنی عہد و پیمان کے ہیں۔ اب یہ مِثَاق کہاں ہوا ہے؟ یا تو عالم ارواح میں یا دنیا میں بذریعہ وحی، دونوں احتمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے تین طرح کے عہد لیے ہیں۔

پہلے میثاق کا ذکر:

سورہ اعراف میں ”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کے تحت کیا گیا۔ اس عہد کا مقصد یہ تھا کہ تمام بنی نوع انسان خدا کی نستی اور ربوبیت عامہ پر اعتقاد رکھے۔

دوسرے میثاق کا ذکر:

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ الْخِ يَ عہد صرف اہل کتاب کے علماء سے لیا گیا تھا کہ وہ حق کو نہ چھپائیں۔

تیسرے عہد کا بیان:

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لِمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ سَ کیا گیا۔

یہ میثاق کس چیز کے بارے میں لیا گیا؟

اس میں اقوال مختلف ہیں، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد نبی ﷺ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ عہد تمام انبیاء سے صرف محمد ﷺ کے بارے میں لیا تھا کہ اگر وہ خود ان کا زمانہ پائیں تو ان پر ایمان لائیں اور ان کی تائید و نصرت کریں اور اپنی اپنی امتوں کو بھی ہدایت کر جائیں۔

حضرت طاؤس، حسن بصری اور قتادہ رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میثاق انبیاء سے اس لیے لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کی تائید و نصرت کریں۔ (ابن کثیر، معارف)

فائدہ: یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے پہلے ہر نبی سے یہی عہد لیا جاتا رہا ہے اور اسی عہد کی بنا پر ہر نبی نے اپنی امت کو بعد میں آنے والے نبی کی خبر دی ہے اور اس کا ساتھ دینے کی ہدایت و تاکید کی ہے، لیکن قرآن میں اور حدیث میں کہیں بھی اس امر کا پتہ نہیں چلتا ہے کہ حضرت محمد ﷺ سے ایسا عہد لیا گیا ہو یا آپ ﷺ نے اپنی امت کو کسی بعد میں آنے والے نبی کی خبر دے کر اس پر ایمان لانے کی ہدایت فرمائی ہو۔

فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ، اس ارشاد کا مقصود اہل کتاب کو تنبیہ کرنا ہے کہ تم اللہ کے عہد کو توڑ رہے ہو محمد ﷺ کا انکار اور ان کی مخالفت کر کے اس میثاق کی خلاف ورزی کر رہے ہو جو تمہارے انبیاء سے لیا گیا تھا لہذا

اب تم ایمان کی حدود سے نکل چکے۔ یعنی اللہ کی اطاعت سے خارج ہو گئے۔

اگر نبی ﷺ کی بعثت انبیاء کے زمانہ میں ہوتی تو ان سب کے نبی آپ ہی ہوتے اور وہ تمام انبیاء آپ کی امت میں شمار ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی شان محض نبی امت کی نہیں بلکہ نبی الانبیاء کی بھی ہے، چنانچہ ایک حدیث میں آپ خود ارشاد فرماتے ہیں۔ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو وہ بھی قرآن حکیم اور تمہارے نبی ہی کے احکام پر عمل کریں گے۔ (معارف، ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی نبوت عامہ اور شاملہ ہے اور آپ ﷺ کی شریعت میں سابقہ تمام شریعتیں مدغم ہیں اس کی تائید آپ کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے آپ کا ارشاد ہے۔ بُعِثْتُ اِلٰی النَّاسِ كَافَّةً۔ لہذا یہ سمجھنا کہ آپ کی نبوت آپ کے زمانہ سے قیامت تک کے لیے ہے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی نبوت کا زمانہ اتنا وسیع ہے کہ آدم علیہ السلام کی نبوت سے پہلے شروع ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں ”كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمَ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ“ محشر میں شفاعت کبریٰ کے لیے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدم کا آپ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت کرنا حضور ﷺ کی اسی سیادت عامہ اور امامت عظمیٰ کے آثار ہیں۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ (الآية) یہاں پھر اسی بات کا اعادہ کیا جا رہا ہے جو اس سے پہلے بارہا بیان کی جا چکی ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں عرب کے یہودی علماء جان چکے تھے اور ان کی زبانوں تک سے اس امر کی شہادت ادا ہو چکی تھی کہ آپ ﷺ نبی برحق ہیں اور جو تعظیم آپ لائے ہیں وہ وہی تعلیم ہے جو پچھلے انبیاء لاتے رہے ہیں اس کے بعد انہوں نے جو کچھ کیا وہ محض تعصب، ضد اور حق کی دشمنی، اس پرانی عادت کا نتیجہ تھا جس کے وہ صدیوں سے مجرم چلے آ رہے تھے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ (الآية) لیکن جو مرتد ہونے کے بعد شرمندہ ہوئے اور توبہ کی اور اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح بھی کر لی تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرمانے والا اور انہیں دنیا میں عمل خیر کی طرف اور آخرت میں جنت کی طرف رہنمائی کرنے والا ہے۔

مرتد کی بھی توبہ قبول ہے:

کوئی بھی گناہ کیوں نہ ہو، توبہ کرنے سے معاف ہو جاتا ہے، توبہ میں شرط یہ ہے کہ جس قسم کا گناہ ہو ویسی ہی توبہ کرے ظلم سے توبہ یہ ہے کہ مظلوم سے معاف کرائے سود خوری سے توبہ یہ ہے کہ پچھلا لیا ہوا واپس کرے اور اگر ایسا نہ کیا مگر توبہ سچی بکمال ندامت کی تو حقوق اللہ معاف اور حقوق العباد باقی رہیں گے۔ (معالم)

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اٰیْمَانِهِمْ ثُمَّ اِذَا دُوْا كُفْرًا (الآیة) مطلب یہ ہے کہ مرتد ہونے کے بعد اس ارتداد پر اڑے رہے اور توبہ نہ کی اور اسی حالت میں غرہ کی حالت آگئی تو ان کی توبہ قبول نہ ہوگی۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایک جہنمی سے کہے گا کہ اگر تیرے پاس دنیا بھر کا سامان ہو تو کیا اس عذابِ نار کے بدلے اسے دینا پسند کرے گا؟ وہ کہے گا ”ہاں“ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے دنیا میں تجھ سے اس سے کہیں زیادہ آسان بات کا مطالبہ کیا تھا کہ میرے ساتھ شرک نہ کرنا، مگر تو شرک سے باز نہیں آیا۔

(مسند احمد، ہکذا اخرجہ البخاری و مسلم، ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ کافر کے لیے دائمی عذاب ہے اس دنیا میں اگر کچھ کارِ خیر بھی کیے ہوں گے تو وہ بھی کفر کی وجہ سے ضائع ہو جائیں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ عبد اللہ بن جدعان کے بابت پوچھا گیا کہ وہ مہمان نواز، غریب پرور تھا اور غلاموں کو آزاد کرنے والا تھا کیا یہ اعمال اسے نفع دیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، کیوں کہ اس نے ایک دن بھی اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی نہیں مانگی۔ (مسلم)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ اِىْ ثَوَابَهُ وَبِوَالْجَنَّةِ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ ؕ بَيْنَ اَنْوَالِكُمْ
وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۙ ۱۱ فَيَجْزِيْكُمْ عَلَيْهِ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْيَهُودُ اِنَّكَ تَزْعُمُ اَنَّكَ عَلَى بِلَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَكَانَ
لَا يَأْكُلُ لَحْمَ الْاِبِلِ وَاَلْبَانَهَا كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا خَالِدًا لِبَنِيْ اِسْرٰءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرٰءِيْلُ يَعْتُوبُ عَلَى نَفْسِهِ
وَبِوَالْاِبِلِ لَمَّا حَصَلَ لَهُ عِزُّ النَّسَبِ بَالْفَتْحِ وَالتَّحْرِيقِ فَتَذَرُ اِنْ شَفِيَ لَا يَأْكُلُهَا فَحَرَّمَ عَلَيْهِ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَلَ التَّوْرَةُ
وَذَلِكَ بَعْدَ اِبْرٰهِيْمَ وَلَمْ تَكُنْ عَلَى عَهْدِهِ حَرَامًا كَمَا زَعَمُوا قُلْ فَاتَّوَابَ التَّوْرَةِ فَاتَّلَوْهَا لِيَتَبَيَّنَ حَقُّ قَوْلِكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ ۱۲ فِيْهِ فَبَيَّهْتُمْ اَلَمْ يَأْتِ اِبْرٰهِيْمَ قَالَ تَعَالٰى فَمِنْ اَفْتَرٰى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ اِىْ
ظُهُورِ الْحُجَّةِ بِاَنَّ التَّحْرِيمَ اِنَّمَا كَانَ مِنْ جِهَةِ يَعْتُوبَ لَا عَلَى عَهْدِ اِبْرٰهِيْمَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ۙ ۱۳
الْمُتَجَاوِزُونَ الْحَقَّ اِلَى الْبَاطِلِ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فِىْ هٰذَا كَجَمِيْعٍ مَّا اَخْبَرَنِيْ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ الَّتِيْ اَنَا عَلَيْهَا
حَنِيفًا مَّسٰلًا عَنْ كُلِّ دِيْنٍ اِلَى دِيْنِ الْاِسْلَامِ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ ۱۴ وَنَزَلَ لَمَّا قَالُوا قَبِلْتُمْ قَبْلَ قَبْلَتِكُمْ
اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ فِى الْاَرْضِ لِلَّذِىْ بَكَتْ عَلَيْهِ اَلْعَرَّةُ فِىْ مَكَّةَ سُمِّيَتْ بِذَلِكَ لِاَنَّهَا تَبْكُ
اَغْنٰقَ الْجَبَابِرَةِ اِىْ تَذْقُهَا بِنَاؤُ الْمَلِكَةِ قَبْلَ خَلْقِ اَدَمَ وَوُضِعَ بَعْدَهُ الْاَقْصٰى وَبَيْنَهُمَا اَرْبَعُونَ سَنَةً كَمَا فِى
حَدِيثِ الصَّحِيْحِيْنَ وَفِىْ حَدِيثٍ اَنَّهُ اَوَّلُ مَا ظَهَرَ عَلَى وَجْهِ الْمَاءِ عِنْدَ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ زُبْدَةٌ
يَتَخَسَّاءُ فَذَجِيَتْ الْاَرْضُ مِنْ تَحْتِهِ مُبْرَكًا حَالٌ مِنْ اَلَّذِىْ اِىْ ذَا بَرَكَتِهِ وَهَدٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ۙ ۱۵ لِاَنَّهُ قَبِلَتْهُمْ
فِيْهِ اَيْتُ بَيَّنَّتْ مِنْهَا مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ اِىْ الْحَجَرُ الَّذِىْ قَامَ عَلَيْهِ عِنْدَ بِنَاءِ الْبَيْتِ فَاتَّرَقَدَ مَاهُ فِيْهِ وَبَقِيَ اِلَى الْاَنِّ
مَعَ تَطَاوُلِ الزَّمٰنِ وَتَدَاوُلِ الْاَيْدِىِ عَلَيْهِ وَبَيْنَهَا تَضَعِيْفُ الْحَسَنٰتِ فِيْهِ وَاَنَّ الطَّيْرَ لَا يَغْلُوهُ
وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اِمْنًا لَا يُتَعَرَّضُ لَهُ بِقَتْلِ اَوْ ظُلْمٍ اَوْ غَيْرِ ذَلِكَ وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ وَاجِبٌ بِكُسْرِ
الْحَاءِ وَفَتْحِهَا اَلْعَتَانِ فِى مَضَرٍّ حِجٍّ بِمَعْنٰى قَعْدٍ وَيُبَدَّلُ مِنَ النَّاسِ مَنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا طَرِيقًا فَسَّرَهُ
صَلٰى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالزَّادِ وَالرَّاجِلَةِ رَوَاةُ الْحَاكِمِ وَغَيْرُهُ وَمَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ اَوْ بِمَا فَرَضَهُ مِنَ الْحَجِّ
فَاِنَّ اللَّهَ غَنٰى عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۙ ۱۶ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَعَنِ عِبَادَتِهِمْ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ
الْقُرْآنِ وَاللّٰهُ شَهِدٌ عَلَى مَا تَعْمَلُونَ ۙ ۱۷ فَيَجْزِيْكُمْ عَلَيْهِ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصَدُّونَ تَخْرِفُونَ عَنْ سَبِيْلِ اللَّهِ اِىْ
دِيْنِهِ مِنْ اَمْنٍ بِتَكْذِيبِكُمْ النَّبِىَّ وَكُتْمِ نَعْيِهِ تَبْغُوْنَهَا اِىْ تَطْلُبُوْنَ السَّبِيْلَ عَوَجًا مَّصْدَرٌ بِمَعْنٰى مُّعْوَجَةً اِىْ
مَسٰلَةً عَنْ الْحَقِّ وَاَنْتُمْ شُهَدَآءُ غَالِمُونَ بِاَنَّ الدِّیْنَ الْمَرْضِىَّ بِوَالْقِيَمَةِ دِيْنُ الْاِسْلَامِ كَمَا فِىْ كِتَابِكُمْ
وَمَا لِلّٰهِ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۙ ۱۸ مِنَ الْكُفْرِ وَالتَّكْذِیْبِ وَاِنَّمَا يُؤَخِّرُكُمْ اِلَى وَقْتِكُمْ فَيَجْزِيْكُمْ وَنَزَلَ لَمَّا مَرَّ

بَغَضُ الْيَهُودِ عَلَى الْاَوْسِ وَالْخَزْرَجِ فَعَاظَهُ تَالُفُهُمْ فَذَكَرْتَهُ بِمَا كَانَ بَيْنَهُمْ فِي الْجَابِلِيَّةِ مِنَ النَّسْرِ فَتَسَاجَرُوا وَكَادُوا يَنْتَحِلُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفْرِينَ ۝
وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ إِسْتَنْهَامُ تَعْجِيبٌ وَتَوْبِيخٌ وَأَنْتُمْ تُثَلِّىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ وَمَنْ يَعْتَصِمْ يَتَسَلَّ بِاللهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

ترجمہ: جب تک اپنے محبوب مالوں کو خرچ نہ کرو گے (صدقہ نہ کرو گے) ہرگز نیکی کا اجر جو کہ جنت ہے حاصل نہ کر سکو گے اور جو چیز بھی تم خرچ کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے لہذا وہ اس کی جزاء دے گا، اور نازل ہوئی جب یہودیوں نے یہ بات کہی، کہ تم اس بات کا دعویٰ کرتے ہو کہ تم ملت ابراہیمی پر ہو حالانکہ وہ تو اونٹ کا گوشت اور دودھ کھاتے پیتے نہیں تھے۔ (اور تم کھاتے پیتے ہو) ہرکھانا بنی اسرائیل کے لیے حلال تھا۔ جزا اس کے کہ جس واسطہ انیل (یعقوب) نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور وہ اونٹ تھا، ایسا اس وقت کیا تھا کہ جب ان کو عرق النساء کا مرض لاحق ہو گیا تھا (نساء) فتحہ نون کے ساتھ اور قصر الف کے ساتھ (بروزن عصا) ہے، (حضرت یعقوب علیہ السلام) نے نذر مانی تھی کہ اگر میں شفاء یاب ہو گیا تو اس کو میں نہ کھاؤں گا، چنانچہ انہوں نے اس کو اپنے اوپر ممنوع قرار دے لیا، ایسا تورات نازل ہونے سے قبل کیا تھا اور یہ (واقعہ) ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوا، اور یہ حرمت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نہیں تھی جیسا کہ تم سمجھتے ہو۔ تو آپ ان سے کہئے کہ تورات بلاؤ اور اس کو پڑھو تاکہ تمہارے قول کی صداقت ظاہر ہو جائے اگر تم اس دعوے میں سچے ہو تو وہ بکے بکے رہ گئے اور تورات نہ لائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سو جو شخص اس کے یعنی حجت کے ظاہر ہونے کے بعد بھی اللہ پر بہتان تراشی کرے کہ تحریم یعقوب علیہ السلام کی جانب سے تھی نہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں تو یہی لوگ ہیں ظالم (یعنی) حق سے باطل کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ دیگر باتوں کی طرح اللہ نے یہ بات بھی سچ فرمادی تو تم سیدھی راہ والے ابراہیم علیہ السلام کے دین کی جس پر میں ہوں پیروی کرو یعنی بردین سے (اعراض کر کے) دین اسلام کی جانب رخ کر کے اور (حضرت ابراہیم علیہ السلام) مشرکوں میں سے نہ تھے، اور آئندہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب یہود نے کہا تھا کہ ہمارا قبلہ تمہارے قبلے سے قدیم ہے، سب سے پہلا گھر جو معبد کے طور پر لوگوں کے لیے مبارک بنا کر وضع کیا گیا، وہ ہے جو مکہ میں ہے، مکہ، میں ایک لغت بکے بھی ہے باء کے ساتھ، بکے کو بکے اس لیے کہتے ہیں کہ بکے کے معنی توڑنے، پھوڑنے کے ہیں چونکہ یہ بڑے بڑے جباروں (ظالموں) کی گردنوں کو جو اس کے انہدام کا قصد کریں توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اس کی تعمیر فرشتوں نے کی تھی اس کے بعد مسجد قصی تعمیر کی گئی اور ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں وارد ہے، اور ایک حدیث میں ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کے وقت سطح آب پر سفید جھاگ کی شکل میں جو چیز نمودار ہوئی تھی وہ کعبہ تھا

اس کے بعد زمین کو اسکے نیچے سے پھیلا یا گیا، (مُبْرَكًا) اَلْذِی سے حال ہے ای ذابِرِ کَہ، اور اہل عالم کے لیے ہدایت والا ہے اس لیے کہ یہ ان کا قبلہ ہے۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں ان ہی میں سے مقام ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام ہے یعنی وہ پتھر کہ تعمیر بیت اللہ کے وقت جس پر (حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَام) کھڑے ہوتے تھے۔ آپ کے قدموں کے اس میں نشان پڑ گئے اور زمانہ دراز کے باوجود اور لوگوں کے بار بار مس کرنے کے باوجود آج تک باقی ہیں۔ اور ان ہی نشانیوں میں سے اس میں نیکیوں کے اجر کا دو گنا ہونا ہے۔ اور کوئی پرندہ اس کے اوپر سے نہیں گزر سکتا۔ اور جو کوئی اس میں داخل ہو جاتا ہے وہ مامون ہو جاتا ہے قتل یا ظلم وغیرہ کے لیے اس سے تعرض نہیں کیا جاتا تھا۔ اور لوگوں پر اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج واجب ہے (حج) کے مصدر میں حاء کا فتح اور کسرہ دو لغت ہیں۔ حَجٌّ، بمعنی قَصْدًا، اور (مَنْ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا) النَّاسُ، سے بدل ہے جو وہاں تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو، (استطاعت) کی تفسیر آپ ﷺ نے زاد و راہ (سواری اور سفر خرچ) سے فرمائی۔ روایت کیا اس کو حاکم وغیرہ نے اور جو کوئی اللہ کا کفر کرے اور جو اس پر حج فرض کیا ہے (اس کا منکر ہو) تو اللہ تعالیٰ عالم والوں سے یعنی جن و انس اور ملائکہ اور ان کی عبادت سے بے نیاز ہے۔ آپ کہتے کہ اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو؟ در انحالیکہ اللہ تمہارے اعمال پر شاہد ہے تم کو اس کی جزا دے گا۔ آپ کہتے اے اہل کتاب تم اس شخص کو جو ایمان لا چکا ہے اللہ کے دین سے نبی ﷺ کی تکذیب اور ان کی علامات کو چھپا کر کیوں روکتے ہو؟ اس راہ (دین) میں لجی نکالتے ہو (عِوَجًا) مصدر ہے مُعَوَّجَةً، کے معنی میں ہے، یعنی حق سے انحراف کر کے، حالانکہ تم جانتے ہو کہ پسندیدہ اور صحیح دین اسلام ہی ہے جیسا کہ تمہاری کتاب میں موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کفر و تکذیب وغیرہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے اور اس نے تم کو محض ایک وقت تک مہلت دے رکھی ہے پھر تم کو اس کی سزا دے گا (آئندہ آیت اس وقت نازل ہوئی) کہ جب بعض یہودیوں کا گزر اؤس و خزرج پر ہوا تو ان کی آپسی الفت و محبت نے ان کو غضب ناک کر دیا، چنانچہ ان یہودیوں نے ان کے زمانہ جاہلیت کی (آپسی) فتنہ کی باتوں کا ذکر چھیڑ دیا جس کی وجہ سے وہ آپس میں جھگڑنے لگے قریب تھا کہ آپس میں خون ریزی ہو جائے۔ اے ایمان والو اگر اہل کتاب کے کسی فریق کی بات مانو گے تو وہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے باوجود کافر بنا کر چھوڑیں گے اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو استفہام تعجب اور تونخ کے لیے ہے، حالانکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے اور جو اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے تو وہ سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے۔

تَحْقِيقُ تَرْكِيْبِ تَسْمِيْلٍ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

قَوْلًا: تَنَالُوا، تم حاصل کرو گے، تم پاؤ گے (س) مضارع جمع مذکر حاضر، نَالَ يَنَالُ نَيْلًا پہنچنا، حاصل کرنا۔
قَوْلًا: اِی ثَوَابُهُ مفسر غلام نے مضاف کو مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ نفس

بڑ تو نیک عمل کرنے کو کہتے ہیں جس کا وجود عمل نیک کرنے سے ہو جاتا ہے البتہ عمل نیک کا اجر و ثواب محبوب و پسندیدہ چیز خرچ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: تَصَدَّقُوا. تَنْفِقُوا کی تفسیر تَصَدَّقُوا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مطلق انفاق خواہ اپنی ذات پر ہو یا برے کاموں میں ہو مراد نہیں ہے بلکہ فی سبیل اللہ صدقہ کرنا مراد ہے۔

قَوْلُهُ: مِمَّا تُحِبُّونَ، مَا تَبْعِيضِيہ ہے، اس لیے کہ ایک قراءت میں بَعْضَ مَا تُحِبُّونَ ہے۔

قَوْلُهُ: كُلُّ الطَّعَامِ الْفَلَامِ عِبْرًا ہے اِی كُلُّ الْاَطْعِمَةِ الَّتِي كَانَتْ تَدْعِي الْيَهُودَ حُرْمَتِهَا عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ۔

قَوْلُهُ: عِرْقُ النِّسَاءِ، عِرْقُ النِّسَاءِ اکثر بایمیں سرین سے شروع ہو کر گھٹنے اور بعض اوقات ٹخنے تک اتر آتا ہے اگر یہ مرض زیادہ دنوں تک رہے تو مریض لنگڑا ہو جاتا ہے۔ (شرح موجز، اقرانی)

قَوْلُهُ: اَنَا عَلَيَّهَا اِتِّبَاعُ مِلَّةِ اِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ سے مراد ملت اسلام کی اتباع ہے اس لیے کہ ملت ابراہیمی ملت اسلامی ہی تھی، اور آپ ﷺ بھی اسی ملت ابراہیمی پر تھے۔

قَوْلُهُ: مَتَعَبَّدًا، یہ لفظ بڑھا کر اشارہ کر دیا کہ اول بیت سے مطلق اول بیت مراد نہیں بلکہ عبادت گاہ کے طور پر اول بیت مراد ہے۔

قَوْلُهُ: لِّلَّذِي بَنَیْہَا میں لام تاکید ہے اس کو لام مُزْحَلَقَہ بھی کہتے ہیں۔ دراصل یہ لام مبتداء پر اس کی تاکید کے لیے داخل ہوتا ہے مگر جب مبتداء پر ان داخل ہو جاتا ہے تو ان اپنی صدارت کی خاطر اس لام کو خبر کی طرف دھکیل دیتا ہے اس لیے اس لام کو لام مُزْحَلَقَہ کہتے ہیں۔

مکہ اور بکۃ بلد حرام کے نام ہیں، یہ دونوں لغت ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بکۃ، مقام بیت اللہ کا نام ہے اور مکہ بلد حرام کا نام ہے، اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ مسجد حرام کا نام بکۃ ہے اور مکہ پورے حرم کا نام ہے اور بکۃ کو بکۃ اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے معنی ازدحام الناس کے ہیں طواف کے وقت چونکہ ازدحام ہوتا ہے اسی لیے اس کو بکۃ کہتے ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ بکۃ کے معنی 'دَق' کے معنی ہیں کوٹنا، توڑنا، مروڑنا، اس لیے کہ جس ظالم و جابر نے بھی اس کو ترچھی نگاہ سے دیکھا اور اس کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اس کی گردن مروڑ دی گئی، اور مکہ، تسمیہ کی وجہ کے بارے میں بعض حضرات نے کہا ہے کہ قلت ماء کی وجہ سے مکہ کہا جاتا ہے، عرب بولتے ہیں مَلِكُ الْفَصِيلِ ضَرْعُ اُمِّہ جب کہ بچہ ماں کا دودھ پی کر ختم کر دے اور قاموس میں ہے چونکہ مکہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور یہ تَمَلُّکُ الذُّنُوبِ سے مشتق ہے اِی تَمَحُّوہَا وَتُزِيلُہَا۔

مکہ کے بہت سے نام ہیں:

۱ مکہ	۲ بکہ	۳ البيت العتيق	۴ البيت الحرام
۵ البلد الامين	۶ المامون	۷ ام الرحيم	۸ ام القرى
۹ صلاح	۱۰ العرش	۱۱ القادس	۱۲ المقدسه
۱۳ البناسة	۱۴ نون اور باء کے ساتھ	۱۵ الحاطمه	۱۶ الرأس
۱۷ کوئٹہ	۱۸ البلدة	۱۹ البنية	۲۰ الكعبه

(اعراب القرآن)

مجاہد نے کہا کہ، باء میم سے بدل گئی ہے جیسے سَبَد اور سَمَد، اور لازِب و لازم میں۔

قَوْلُهُ: تَطْلُبُونَ السَّبِيلَ، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ سبیل مذکر ہے لہذا تَبْغُوْنَهَا کے بجائے تَبْغُوْنَهُ ہونا چاہئے۔

جَوَابُهُ: سبیل چونکہ مذکر اور مؤنث دونوں استعمال ہوتا ہے لہذا تَبْغُوْنَهَا درست ہے۔

قَوْلُهُ: مَصْدَرٌ مُّعْوَجَةٌ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ عَوَجًا، السبیل سے حال ہے حالانکہ اس کا حمل السبیل پر صحیح نہیں ہے۔

جَوَابُهُ: عَوَجًا، مُّعْوَجًا کے معنی میں ہے۔ عَوَج عین کے کسرہ کے ساتھ غیر مجسم اشیاء کی کجی کے لیے استعمال ہوتا ہے مثل عقل فہم اور عَوَج عین کے فتح کے ساتھ مجسم اشیاء مثلاً دیوار وغیرہ کی کجی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

قَوْلُهُ: جَلًّا، (ض) جَلًّا و حَلَالًا، دونوں مصدر ہیں بمعنی حلال ہونا۔

قَوْلُهُ: بَكَّةً، میم اور باء، چونکہ قریب الخرج ہیں اس لیے میم کو باء سے بدل دیا جیسا کہ لازم کو لازب کر لیا جاتا ہے۔

قَوْلُهُ: لِلذِّیْ بَبَكَّةً، یہ لام تاکید مزحلقة ہے، دراصل یہ ان کی خبر پر داخل ہونے والا وہ لام ہے جس کو ان نے اپنی صدارت کی وجہ سے اپنی خبر کی طرف دھکیل دیا ہے، مزحلقة کے معنی ہیں دھکیلا ہوا۔

استخدام: مَنْ دَخَلَ كَانْ آمِنًا مِّنْ صُنْعِ اسْتِخْدَامِ بَ اس لَیْ كَ مَقَامِ اِبْرَاهِیْمَ سَ جَائِ قَدَمِ مَرَادِ بَ۔ اور اس كی طرف اُونُے والی دَخْلَہ كی ضمیر سے مطلق حرم مَرَادِ بَ، اسی كواستخدام كہتے ہيں كہ مرجع سے ايك معنی مَرَادِ ہوں اور اس كی طرف اُونُے والی ضمیر سے دوسرے معنی مَرَادِ ہوں۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

رَبط: سابق میں صدقہ كافر كا ذكر تھا كہ صدقہ اور كسی بھی كار خیر سے ایمان كے بغیر كوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہاں مومن كے صدقہ اور كار خیر كا ذكر ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ (بِرّ) نیکی، بھلائی، یہاں مطلقاً عمل صالح یا جنت مراد ہے۔

آیت مذکورہ اور صحابہ کرام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ كا جذبہ عمل:

صحابہ کرام رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ جو كہ قرآن کریم كے اولین مخاطب تھے اور آپ ﷺ كے بلا واسطہ شاگرد اور احكام قرآنی پر عمل كرنے سے عاشق، اس آیت كے نازل ہونے پر ہر ايك نے اپنی اپنی محبوب چیزوں پر نظر ڈالی اور ان كو اللہ كی راہ میں خرچ كرنے كے لیے اللہ كے رسول ﷺ كے سامنے درخواست پیش كرنے لگے، انصار مدینہ میں ايك صحابی ابو طلحہ جو كہ با حیثیت تھے مسجد نبوی كے بالكل قریب بالمقابل ايك بہت عمدہ باغ تھا اس میں ايك كنواں بھی تھا جو كہ بیرحاء كے نام سے مشہور تھا اس كا پانی نہایت عمدہ اور نہایت شیریں تھا، اب اس باغ كی جگہ باب مجیدی كے سامنے اصطفیٰ منزل كے نام سے عمارت بنی ہوئی ہے جس میں زائرین مدینہ قیام كرتے ہيں اس كے شمال مشرق كے گوشہ میں یہ بیرحاء اب تك اسی نام سے موجود ہے آپ ﷺ كبھی كبھی اس باغ میں تشریف لے جاتے اور بیرحاء كا پانی نوش فرماتے، آپ كو اس كنویں كا پانی پسند تھا، حضرت طلحہ كا یہ باغ بڑا قیمتی اور زرخیز اور اپنی جائداد میں سب سے زیادہ محبوب تھا، اس آیت كے نازل ہونے كے بعد حضرت ابو طلحہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ ﷺ كی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض كیا میرے تمام اموال میں بیرحاء مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے میں اس كو اللہ كی راہ میں خرچ كرنا چاہتا ہوں، آپ جس كام میں پسند فرمائیں اس كو صرف فرمادیں، آپ نے فرمایا وہ تو عظیم الشان منافع كا باغ ہے، میں یہ مناسب سمجھتا ہوں كہ تم اس كو اپنے اقرباء میں تقسیم كردو، حضرت ابو طلحہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ ﷺ كے اس مشورہ كو قبول فرما كر اپنے اقرباء میں تقسیم كر دیا یہ حدیث بخاری اور مسلم میں مذکور ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا كہ خیرات صرف وہ نہیں یہ جو عام فقراء كو دی جائے، اپنے اہل و عیال اور عزیز واقارب پر خرچ كرنا بھی بڑی خیرات اور موجب ثواب ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اپنا ايك گھوڑا لیے ہوئے حاضر ہوئے اور عرض كیا مجھے اپنی املاك میں یہ گھوڑا سب سے

زیادہ محبوب ہے اس کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے اس کو قبول فرمایا۔ لیکن ان سے لے کر ان ہی کے صاحبزادے اسامہ کو دے دیا، حضرت زید اس پر کچھ دگیر ہوئے کہ میرا صدقہ میرے ہی گھر واپس آ گیا تو آپ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ صدقہ قبول فرمایا۔ (مظہری بحوالہ ابن جریر، معارف)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں جو صدقہ خیرات بھی ہو خواہ فرض خواہ نفل ان سب میں مکمل فضیلت اور ثواب جب ہی ہے کہ اپنی محبوب اور پیاری چیز کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ نہیں کہ صدقہ کوتاواں کی طرح سر سے ٹالنے کے لیے فالتو اور بے کار یا خراب چیزوں کا انتخاب کرو۔

فالتو اور حاجت سے زائد چیز بھی خرچ کرنے میں ثواب ہے:

اگرچہ اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ خیر کامل اور ثواب عظیم اس پر موقوف ہے کہ اپنی محبوب چیز کو راہِ خدا میں صرف کریں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ضرورت سے زائد اور فالتو مال خرچ کرنے میں کوئی اجر و ثواب ہی نہیں ہے بلکہ آیت کے آخر میں جو یہ ارشاد ہے ”وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ“ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگرچہ خیر کامل اور صفِ ابراہیم میں داخلہ محبوب چیز کے خرچ کرنے پر موقوف ہے لیکن مطلق ثواب سے کوئی صدقہ خالی نہیں خواہ محبوب چیز خرچ کریں یا زائد اور فالتو ہوں جو چیز مکروہ اور ممنوع ہے وہ یہ کہ کوئی شخص راہِ خدا میں خرچ کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرے کہ جب خرچ کرے فالتو اور ناکارہ چیز کا انتخاب کرے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَآئِيلَ۔ اہل کتاب سے بحث و مباحثہ کا سلسلہ چل رہا ہے، اسی سلسلہ کی ایک بحث اس آیت میں بھی ہے۔ یہود نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ بتاؤ اسرائیل (یعقوب) نے اپنے اوپر کیا چیز حرام کی تھی؟ (قَدْ أَخْرَجَ التِّرْمِذِيُّ وَحَسَّنَهُ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُمَا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا حضرت یعقوب دیہات میں رہتے تھے ان کو عرق النساء کا مرض لاحق ہو گیا تھا تو احتیاط کے طور پر اونٹ کے گوشت اور دودھ کا استعمال موقوف کر دیا تھا، یہود نے کہا، صدقت آپ نے سچ فرمایا۔

روح المعانی میں بروایت واقدی کلبی سے منقول ہے کہ جب حضور ﷺ نے اپنا ملتِ ابراہیمی پر ہونا بیان فرمایا تو یہود نے اعتراض کیا کہ آپ اونٹ کا گوشت اور دودھ کھاتے پیتے ہیں حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھا آپ نے جواب دیا کہ حرام نہیں تھا بلکہ حلال تھا، یہود نے کہا جتنی چیزیں ہم حرام سمجھتے ہیں یہ سب حضرت نوح علیہ السلام و حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے حرام چلی آرہی ہیں تو اللہ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی جس میں یہود کی تکذیب کی گئی ہے، جس میں ارشاد فرمایا: کہ نزولِ تورات کے قبل باستثناء اونٹ کے گوشت کے جس کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خاص وجہ سے خود اپنے لیے حرام کر لیا تھا اور وہ ان کی اولاد میں حرام چلا آیا، باقی سب چیزیں بنی اسرائیل پر حلال تھیں۔

در اصل واقعہ یہ تھا کہ حضرت یعقوب (اسرائیل علیہ السلام) کو عرق النساء کا درد تھا، آپ نے نذر مانی تھی کہ اللہ اس سے شفاء عطا فرمائے تو میں اس کھانے کو جو مجھے سب سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے چھوڑ دوں گا، ان کو شفاء ہو گئی اور سب سے زیادہ محبوب آپ کو اونٹ کا گوشت تھا اس کو ترک فرمادیا۔ (اخرجه المحاکم وغیرہ بسند صحیح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما)

ہو سکتا ہے کہ ان کی شریعت میں نذر سے تحریم بھی ہو جاتی ہو جس طرح ہمارے یہاں نذر سے وجوب ہو جاتا ہے، البتہ ہمارے یہاں تحریم کی نذر جائز نہیں ہے بلکہ اگر قسم کے طور پر نذر مانی ہو تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کرنا واجب ہے کمال قال اللہ تعالیٰ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ. (الآیہ)

فضائل اور تاریخ تعمیر بیت اللہ:

إِنَّ أَوَّلَ بَنِي وَضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا. (الآیہ)

یہ یہود کے اس اعتراض کے جواب میں ہے کہ وہ کہتے تھے کہ بیت المقدس سب سے پہلا عبادت خانہ ہے محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے اپنا قبلہ کیوں بدل دیا؟ اس کے جواب میں کہا گیا تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے پہلا گھر جو اللہ کی عبادت کے لیے تعمیر کیا گیا وہ مکہ میں ہے۔

مذکورہ آیت میں پوری دنیا کے مکانات یہاں تک کہ تمام مساجد کے مقابلہ میں بیت اللہ (کعبہ) کے شرف اور فضیلت کا بیان ہے، اور یہ شرف اور فضیلت کئی وجہ سے ہے اول اس لیے کہ وہ دنیا کی تمام عبادت گاہوں میں سب سے پہلی عبادت گاہ ہے دوسرے یہ کہ وہ برکت والا ہے، تیسرے یہ کہ وہ پورے جہان کے لیے ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہے آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے من جانب اللہ بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے عبادت خانہ مکہ میں تعمیر ہوا، اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کے گھروں میں سب سے پہلا گھر عبادت ہی کے لیے بنایا گیا اور وہ بیت اللہ ہے اس سے پہلے نہ کوئی عبادت خانہ تھا اور نہ دولت خانہ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر، مجاہد، قتادہ، سدی، وغیرہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اس کے قائل ہیں کہ زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلا گھر کعبہ عبادت خانہ کے طور پر تعمیر کیا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے گھر اور بھی بن چکے ہوں مگر عبادت خانہ کے طور پر یہ پہلا گھر بنا ہو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہی منقول ہے۔

نبیہی نے اپنی کتاب دلائل النبوة میں بروایت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں آنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم ملا کہ وہ بیت اللہ بنائیں، حضرت آدم علیہ السلام نے حکم کی تعمیل فرمائی تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں۔ اور ان سے کہا گیا کہ آپ اول الناس ہیں اور یہ گھر اول بیت وضع للناس ہے۔

(معارف)

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی یہ تعمیر حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ تک باقی تھی، طوفان نوح علیہ السلام میں منہدم ہو گئی، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان ہی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا، پھر ایک بار کسی حادثہ میں اس کی عمارت منہدم ہو گئی تو قبیلہ جرہم کی ایک جماعت نے اس کی تعمیر کی، پھر ایک بار منہدم ہوئی تو عمالقہ نے تعمیر کی اور پھر منہدم ہوئی تو قریش نے رسول اللہ ﷺ کے ابتدائی دور میں تعمیر کی، جس میں آنحضرت ﷺ بھی بذات خود شریک ہوئے اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے قائم فرمایا۔ لیکن قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی سے کسی قدر مختلف تعمیر کی سرمایہ کی کمی کی وجہ سے بیت اللہ کا ایک حصہ الگ کر دیا جس کو حطیم کہا جاتا ہے اور خلیل اللہ علیہ السلام کی بناء میں دو دروازے تھے ایک داخل ہونے کا اور دوسرا پشت کی جانب نکلنے کا۔ قریش نے صرف مشرقی دروازے کو باقی رکھا، تیسرا تغیر یہ کیا کہ دروازہ سطح زمین سے کافی بلند کر دیا کہ ہر شخص آسانی سے اندر نہ جاسکے بلکہ جس کو وہ اجازت دیں وہی جاسکے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اس کو بالکل بناء ابراہیمی پر بنادوں۔ لیکن نو مسلم ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے اسی لیے سر دست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں۔ اس ارشاد کے بعد آپ ﷺ اس دنیا میں زیادہ دن نہیں رہے۔

لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنے ہوئے تھے، خلفاء راشدین کے بعد جس وقت مکہ مکرمہ میں ان کی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ منہدم کر کے ارشاد نبوی ﷺ اور بناء ابراہیمی کے مطابق بنادیا۔ مگر عبداللہ بن زبیر کی حکومت مکہ مکرمہ پر چند روزہ تھی، حجاج بن یوسف نے مکہ پر فوج کشی کر کے ان کو شہید کر دیا، اور حکومت پر قبضہ کر کے اس کو گوارا نہ کیا کہ عبداللہ بن زبیر کا یہ کارنامہ رستی دنیا تک ان کی مدح و ثنا کا ذریعہ بنا رہا ہے اس لیے لوگوں میں یہ مشہور کر دیا کہ عبداللہ بن زبیر کا یہ فعل غلط تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو جس حالت پر چھوڑا تھا اسی حالت پر رکھنا چاہئے۔ اس بہانے سے بیت اللہ کو پھر منہدم کر کے اسی طرح تعمیر کر دی جو زمانہ جاہلیت میں قریش نے بنائی تھی حجاج بن یوسف کے بعد آنے والے بعض مسلم بادشاہوں نے پھر حدیث مذکور کی بناء پر چاہا کہ بیت اللہ کو پھر از سر نو حدیث رسول اکرم ﷺ کے مطابق بنادیں۔ لیکن اس زمانہ کے امام حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فتویٰ دیا کہ اب بار بار بیت اللہ کو منہدم کرنا اور بنانا آگے آنے والے بادشاہوں کے لیے بیت اللہ کو ایک کھلونا بنادے گا۔ ہر آنے والا بادشاہ اپنی نام آوری کے لیے یہی کام کرے گا۔ لہذا اب جس حالت پر ہے اسی حالت پر چھوڑ دینا مناسب ہے۔ تمام امت نے اس کو قبول کیا اسی وجہ سے آج تک اسی حجاج بن یوسف کا تعمیر کیا ہوا بیت اللہ باقی ہے۔ البتہ شکست و ریخت اور مرمت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

ان روایات سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے اور یا کم از کم سب سے پہلا عبادت خانہ ہے قرآن کریم میں جہاں کعبہ کی تعمیر کی نسبت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان بزرگوں نے سابقہ بنیادوں پر اسی کے مطابق تعمیر فرمائی اور کعبہ کی اصل بنیاد پہلے ہی سے موجود تھی۔

بائبل میں وادی بکہ کا ذکر موجود ہے:

تمام تر تحریفات کے باوجود بائبل میں بھی ایک جگہ وادی بکہ کا ذکر کیا گیا ہے، وہ بکا کی وادی میں گزر کرتے ہوئے اسے ایک کنواں بتاتے۔ (زبور ۸۴-۶) بائبل کے قدیم مترجموں نے اپنی بے احتیاطی کے عادت کے مطابق ترجموں میں اسے بجائے علم کے اسم نکرہ قرار دے کر اس کا ترجمہ رونے کی وادی کر ڈالا، صدیوں کے بعد اب غلطی کا احساس ہوا اور اب جیوش انسائیکلو پیڈیا میں اقرار ہے کہ یہ ایک مخصوص بے آب وادی کا نام ہے۔ (جلد ۲ ص ۴۲۵)

اللہ ان کو اتنا سمجھنے کی توفیق دے کہ یہی بے آب وادی مکہ معظمہ ہے۔ (ماجدی)

مَقَامُ اِبْرَاهِيْمَ۔ یہ یا تو مبتدا محذوف الخبر ہے۔ ای منها مقام ابراہیم، یا مبتدا محذوف کی خبر ہے، ای اخذھا مقام ابراہیم، اور بعض نے آیات بَیِّنَات سے بدل البعض اور بعض نے عطف بیان قرار دیا ہے۔

ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی مقام ابراہیم ہے اسی لیے قرآن کریم نے اس کو مستقل علیحدہ طور پر بیان فرمایا۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ یہ پتھر تعمیر کی بلندی کے ساتھ ساتھ خود بخود بلند ہو جاتا تھا اور نیچے اترنے کے وقت نیچا ہو جاتا تھا، اس کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا گہرا نشان آج تک موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب آیات قدرت ہیں، جو بیت اللہ کی فضیلت ہی سے متعلق ہیں یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا۔ جب قرآن کا یہ حکم نازل ہوا کہ مقام ابراہیم علیہ السلام پر نماز پڑھو وَاَتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّی اس وقت طواف کرنے والوں کی سہولت کے لیے اس کو اٹھا کر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلہ پر مطاف سے باہر زمزم کے قریب رکھ دیا گیا۔ اور آج کل اس کو اسی جگہ ایک محفوظ مکان میں مقفل کیا ہوا ہے، طواف کے بعد دو رکعت اسی مکان کے پیچھے پڑھی جاتی ہے، فی الحال یہ پتھر ایک بلوری خول کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے، مقام ابراہیم علیہ السلام اصل میں اس خاص پتھر کا نام ہے۔ لیکن مقام ابراہیم اپنے لفظی معنی کے اعتبار سے تمام مسجد حرام کو حاوی ہے، اسی لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ مسجد حرام کے اندر جس جگہ بھی طواف کی رکعتیں پڑھ لے واجب ادا ہو جاتا ہے۔

بیت اللہ کی دوسری خصوصیت اور فضیلت یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے وہ مامون و محفوظ ہو جاتا ہے یعنی اللہ کا یہ حکم ہے کہ جو شخص بیت اللہ (حرم) میں داخل ہو جائے تو اس کو بھی اس جگہ سزا دی جائے بلکہ اس کو حرم سے باہر نکلنے پر مختلف طریقوں سے مجبور کیا جائے باہر آنے پر سزا دی جائے، جاہلیت کے تاریک دور میں بھی اس گھر کا یہ احترام تھا کہ خون کے پیاسے دشمن ایک دوسرے کو وہاں دیکھتے تھے اور ایک دوسرے پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ فتح مکہ میں صرف رسول اللہ ﷺ کے لیے دین کی اہم مصلحت اور بیت اللہ کی تطہیر کی خاطر صرف چند گھنٹوں کے لیے حرم میں

قتال کی اجازت اللہ کی طرف سے نازل ہوئی تھی پھر اس کی حرمت لوٹادی گئی۔

حج فرض ہونے کے شرائط:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا یہ بیت اللہ کی تیسری خصوصیت کا بیان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے بشرطیکہ وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت اور استطاعت رکھتے ہوں، استطاعت کی تفصیل یہ ہے کہ ضرورتِ اصلیہ سے فاضل اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آمد و رفت اور وہاں قیام کا خرچ برداشت کر سکے اور اپنی واپسی تک اپنے ان اہل و عیال کا بھی انتظام کر سکے کہ جن کا نفقہ اس کے ذمہ واجب ہے نیز ہاتھ پاؤں اور آنکھوں سے معذور نہ ہو۔

اسی طرح عورت کے لیے چونکہ بغیر محرم کے سفر ممنوع ہے اس لیے وہ حج پر قادر اس وقت سمجھی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ کوئی محرم حج کرنے والا ہو خواہ محرم اپنے مال سے حج کر رہا ہو یا عورت اس کا خرچ برداشت کرے، اسی طرح راستوں کا مامون ہونا بھی استطاعت میں داخل ہے، اگر راستہ میں بد امنی ہو جان و مال کا قوی خطرہ ہو تو حج کی استطاعت نہیں سمجھی جائے گی۔

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ جَابِق میں اہل کتاب کے عقائد فاسدہ کا بیان چل رہا تھا۔ درمیان میں حج کا ذکر آگیا، اب پھر سابق عنوان کی طرف عود کیا اس آیت میں اہل کتاب سے خطاب ہے اور اس کا تعلق ایک واقعہ سے ہے۔

ابن احنق نے اور زید بن اسلم سے ایک جماعت نے بیان کیا کہ ایک یہودی جس کا نام شماس بن قیس تھا جو اسلام اور مسلمانوں سے نہایت بغض اور کینہ رکھتا تھا ایک روز اس کا گزر ایک مجلس پر ہوا جس میں انصار کے دو قبیلہ اوس اور خزرج ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے شماس نے جب ان کی محبت اور الفت کو دیکھا تو حسد کی آگ سے جل بھن گیا، زمانہ جاہلیت میں ان دونوں قبیلوں میں شدید عداوت اور دشمنی رہتی تھی جنگ بعاث جو عرب کی مشہور لڑائی ہوئی ہے وہ انہی دونوں قبیلوں کے درمیان ہوئی تھی اور اس جنگ میں کامیابی اوس کو حاصل ہوئی تھی شماس بن قیس کو اوس اور خزرج کی محبت اور یگانگت ایک آنکھ نہ بھائی اور ان میں تفریق ڈالنے کی فکر میں لگا، آخر یہ تجویز کی کہ ان کے درمیان جنگ بعاث کا ذکر چھیڑا جائے اور اس موقع پر جو اشعار دونوں طرف سے اپنی مدح اور ثانی فریق کی بھومیں پڑھے گئے تھے ان کو پڑھا جائے، چنانچہ ایک یہودی نو جوان جو اس کے ساتھ تھا اس سے کہا تو جا کر ان کے پاس بیٹھ جا پھر ان میں جنگ بعاث کا ذکر چھیڑ دے، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اس موقع پر جو اشعار پڑھے گئے تھے وہ پڑھے۔ ان اشعار کا پڑھنا تھا کہ ایک آگ سی بھڑک اٹھی، اور تو تو میں میں سے بات بڑھ کر ہاتھ پائی اور پھر لاٹھی ڈنڈوں تک نوبت پہنچ گئی، حتیٰ کہ دونوں قبیلوں میں سے ایک ایک شخص میدان میں مبارزت کرتے ہوئے اتر پڑے، اوس بن قینطی بنی حارثہ کا ایک نو جوان اوس کی جانب سے اور ہبار بن صخر بنی سلمہ کا ایک نو جوان خزرج کی جانب سے، دونوں

قبیلوں کے دیگر افراد بھی شامل ہو گئے یہاں تک کہ لڑائی کا وقت اور محل طے ہو گیا، آنحضرت ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا: کیا اندھیر ہے میرے رہتے ہوئے، اور مسلمان ہونے اور آپس میں میل ملاپ اور محبت کے بعد یہ کیا جہالت ہے کیا تم اسی حالت میں کفر کی طرف عود کرنا چاہتے ہو، تب سب متنبہ ہوئے اور سمجھ گئے یہ سب شیطانی حرکت تھی، آپس میں ایک دوسرے کو گلے لگ کر بہت روئے اور تو بہ کی اسی واقعہ میں مذکورہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (روح المعانی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ بَأَن يُطَاعَ فَلَا يُغْضَى وَيُشْكَرْ فَلَا يُكْفَرُ وَيُذَكَّرُ فَلَا يُنْسَى فَمَا لِيَ إِذَا
رَسُولَ اللَّهِ وَنَن يَتَّقُوا عَلَىٰ بِنْدَا فَنُصِخَ بِقَوْلِهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٧﴾
نُوحِدُونَ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ إِنِّي دِينَهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا بَعْدَ الْإِسْلَامِ وَازْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
يَا مَعْشَرَ الْأَوْسِ وَالْخَزْرَجِ لَأَكُنَّ قَبْلَ الْإِسْلَامِ أَعْدَاءُ فَالْفَ جَمْعُ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ بِالْإِسْلَامِ فَاصْبَحْتُمْ
فَصِرتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا فِي الدِّينِ وَالْوَلَايَةِ وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ لَنْ نَبْنِيَنَّ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الرُّفُوعِ
فِيمَهَا إِلَّا أَنْ تَمُوتُوا كَفَارًا فَانْقَضَتْكُمْ مِنْهَا بِالْإِيمَانِ كَذَلِكَ كَمَا بَيَّنَّ لَكُمْ مَا ذَكَرَ بَيْنَ اللَّهِ لَكُمْ آيَتِهِ لَعَلَّكُمْ
تَهْتَدُونَ ﴿١٨﴾ وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ الْإِسْلَامِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ السَّاعُونَ
الْأَمْرَ مِنَ النَّابُؤِينَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٩﴾ الْفَائِزُونَ وَبَيْنَ السَّاعِينَ لَأَنْ مَا ذَكَرَ قَرَضَ كِفَايَةً لَا يَلْزَمُ كُلَّ الْأُمَّةِ
وَلَا يَلِيقُ بِكُلِّ أَحَدٍ كَالْجَابِلِ وَقِيلَ زَائِدَةٌ أَيْ لِيَكُونُوا أُمَّةً وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا عَنْ دِينِهِمْ وَاخْتَلَفُوا
فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَلْجَاءِ هُمُ الْبَيْتِ وَبَيْنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٢٠﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ
أَي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ وَبِهِ الْكَافِرُونَ فَيَلْتَمِسُونَ فِي النَّارِ وَيَقَالُ لَهُمْ تَوْبِيخُ
أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ يَوْمَ أَخَذَ الْمِيثَاقَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٢١﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ أَبْيَضَتْ وُجُوهُهُمْ وَبِهِ
الْمُؤْمِنُونَ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ أَيْ جَنَّتِهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٢﴾ يَلِكْ أَيْ هَذِهِ آيَاتُ آيَتِ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ
يَا مُحَمَّدُ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿٢٣﴾ بَأَن يَأْخُذَهُمْ بِغَيْرِ جُزْمٍ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ بَلَدًا
وَخَلْقًا وَعَبِيدًا وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے بایں طور کہ اس کی اطاعت کی جائے اس کی نافرمانی نہ کی جائے اس کا شکر ادا کیا جائے ناشکری نہ کی جائے اور اس کو یاد رکھا جائے بھلا یا نہ جائے تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس کی کس کو قدرت ہے۔ تو اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قول فاتقوا اللہ ما استطعتم سے منسوخ کر دیا۔ اور تم جان نہ دینا بجز اس حال کے کہ تم مسلم موحد ہو اور اللہ کی رسی یعنی اس کے دین کو سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو اور اسلام

کے بعد باہم نا اتفاقی نہ کرو اور اے اؤس اور خزرج کے لوگو! اپنے اوپر اللہ کے انعام کو یاد کرو جب کہ تم اسلام سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے قلوب میں اسلام کی وجہ سے الفت ڈال دی تو تم اس کے انعام کی بدولت دین میں اور نصرت میں بھائی بھائی بن گئے اور تم دوزخ کے کنارے پر تھے اور تمہارے دوزخ میں گرنے میں صرف اتنی دیر تھی کہ تم کفر کی حالت میں مرو تو تم کو دوزخ سے ایمان کے ذریعہ بچا لیا اسی طرح جیسا کہ تمہارے لیے مذکورہ احکام بیان کیے اللہ تمہارے لیے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم راہ یاب ہو جاؤ اور ضروری ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو خیر یعنی اسلام کی دعوت دیا کرے اور نیک کام کا حکم کیا کرے اور برائی سے روکا کرے یہی دعوت دینے والے حکم کرنے والے (برائی) سے روکنے والے لوگ کامیاب ہیں اور (مِنْكُمْ) میں مِنْ تبعیضیہ ہے اس لیے کہ مذکورہ حکم فرض کفایہ ہے امت کے ہر فرد پر لازم نہیں ہے اور نہ ہر شخص کے لائق ہے جیسا کہ مثلاً جاہل کے۔ اور کہا گیا ہے کہ مِنْ، زائدہ ہے یعنی تاکہ تم ایک امت ہو جاؤ اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا کہ جنہوں نے بعد اس کے کہ ان کے پاس شواہد پہنچ چکے اپنے دین میں تفریق کر لی اور وہ یہود و نصاریٰ ہیں انہیں کو عذاب عظیم ہونا ہے روز قیامت کچھ چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور کچھ چہرے سیاہ ہوں گے پھر جن کے چہرے سیاہ ہوں گے اور وہ کافر ہوں گے تو ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اور بطور توحیح ان سے کہا جائے گا کیا تم ہی نے کفر کیا؟ یوم السبت میں ایمان لانے کے بعد سوا اپنے کفر کی پاداش میں عذاب چکھو۔ اور جن کے چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور وہ مومن ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت جنت میں ہوں گے اور اسی میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی آیتیں ہیں جن کو اے محمد ہم تم کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ مخلوقات پر ظلم نہیں چاہتا کہ بغیر جرم کے ان سے مواخذہ کرے۔ اور ملک اور خلق اور مملوک ہونے کے اعتبار سے سب جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ ہی کیلئے ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: بَانَ يُطَاعَ فَلَا يُعْصَى (الخ) یہ کما حقہ تقویٰ کا بیان اور اس کی صورت کی وضاحت ہے۔

قَوْلُهُ: مُوَحَّدُونَ۔

سُئِلَ: مُسْلِمُونَ، کی تفسیر مُوَحَّدُونَ، سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جواب: مرتے وقت چونکہ سوائے توحید کے جو قلبی ارادہ کا نام ہے دوسری کوئی عملی نیکی نہیں ہو سکتی مثلاً نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے اور نہ روزہ رکھا جاسکتا ہے اور نہ حج کیا جاسکتا ہے علیٰ ہذا القیاس اسی مصلحت و حکمت کے پیش نظر مُسْلِمُونَ کی تفسیر مُوَحَّدُونَ سے کی ہے عمل توحید آخر وقت میں بھی ہو سکتا ہے۔

قَوْلُهُ: اِغْتَصِمُوا، اِغْتَصَام سے ہے جمع مذکر حاضر، تم مضبوط پکڑ لو۔

قَوْلًا: الاوس والخزرج حارثہ یا ثعلبہ کے بیٹے دونوں حقیقی بھائی تھے، ان کی والدہ کا نام قیلہ تھا۔ یہ دراصل یمن کے ایک شہر مارب کے باشندے تھے جو کہ ایک بہت سرسبز و شاداب علاقہ تھا جو یمن کے دارالسلطنت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر واقع تھا مشہور سد مارب یہیں واقع تھا، جس کی وجہ سے اہل مارب بڑی خوش حالی و فراخی کی زندگی گزارتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں کے نتیجے میں اسی بند (ڈیم) کے ذریعہ ان کو اور ان کی معیشت کو تباہ کر دیا۔ اس بند کے ٹوٹنے کی وجہ سے یہ اطراف میں منتشر ہو گئے ان میں سے کچھ مدینہ آ کر آباد ہو گئے اور کچھ شام وغیرہ کی طرف نکل گئے۔ یہ واقعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد آنحضرت ﷺ کی بعثت سے قبل پیش آیا۔

قَوْلًا: یَوْمَ اخَذَ الْمِيثَاقَ، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔
سُئِلَ: یہود و نصاریٰ کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے ”كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ“ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اول ایمان لائے اس کے بعد وہ کافر ہوئے، حالانکہ وہ سرے سے ایمان نہیں لائے تھے۔
جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ ایمان سے مراد یوم ميثاق کا ایمان ہے جو کہ ”اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ“ کے جواب میں بلی کہہ کر لائے تھے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

قَوْلًا: شَفَا، گڑھے کا کنارہ، اس میں تذکیر و تانیث مساوی ہیں، شفا دراصل مذکر ہے مگر آیت میں اس کی طرف مونث کی ضمیر لوٹ رہی ہے اس لیے کہ اس نے اپنے مضاف الیہ حفرة کے تانیث کا اکتساب کر لیا ہے، اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے۔ (اعراب القرآن للدرویش)

استعارۃ تمثیلیہ۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ، میں استعارۃ تمثیلیہ ہے، دین یا قرآن کو مضبوط رستی سے تشبیہ دی ہے، جس طرح انسان مضبوط رسی کو تھامنے کے بعد گرنے سے مامون و محفوظ رہتا ہے، اسی طرح دین صحیح اور قرآن کو تھامنے سے آخری ہلاکت سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔

اور رستی کو پکڑنے سے مراد ہے قرآن اور دین پر اعتماد اور بھروسہ کرنا، یہ استعارۃ ترشیحیہ ہے، اس لیے کہ استعارۃ ترشیحیہ مشبہ بہ کے لیے اس کے مناسب کو ثابت کرنے کو کہتے ہیں، رستی کے لیے مناسب ہے کہ اس کو تھاما جائے اسی طرح قرآن کے لیے مناسب ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے۔

صنعت طباق، اَعْدَاءُ وَاِخْوَانَا، میں صنعت طباق ہے اور اسی کو صنعت مقابلہ بھی کہتے ہیں۔
 يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، اس میں بھی صنعت طباق ہے امر اور نہی مقابل ہیں اسی طرح المعروف والمنکر مقابل ہیں۔ (اعراب القرآن)

استعارہ مکنیہ تبعیہ ”فَذُوقُوا الْعَذَابَ“ اس میں عذاب کو کسی کڑوی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے عذاب مشبہ ہے اور تلخ چیز مشبہ بہ ہے یہ استعارہ مکنیہ ہوا اور مشبہ بہ کے لازم ”ذوق“ کو باقی رکھا یہ استعارہ تبعیہ کے طور پر ہے۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ اس کا مطلب ہے کہ اسلام کے احکام و فرائض پورے طور پر بجالائے جائیں اور منہیات کے قریب نہ جایا جائے۔

سعید بن جبیر سے ابن ابی حاتم نے روایت کیا کہ جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ پریشان ہوئے اور اس پر عمل کرنا دشوار معلوم ہوا، حتیٰ کہ ان کے پیر و رم کر گئے اور پیشانیاں زخمی ہو گئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے تخفیف کرتے ہوئے ”فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ نازل فرمائی۔ جس سے حق تقاتہ، منسوخ ہو گئی۔ لیکن اگر اسے ناسخ کے بجائے مبین (وضاحت کرنے والی) قرار دیا جائے تو زیادہ صحیح ہے، اس لیے کہ نسخ وہیں ماننا چاہئے کہ جہاں دونوں آیتوں میں جمع و تطبیق ممکن نہ ہو، اور یہاں تطبیق ممکن ہے، معنی یہ ہوں گے ”اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ“ اللہ سے اس طرح ڈور کہ جس طرح اپنی طاقت کے مطابق اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ (فتح القدیر)

حَقَّ تَقَاتِهِ کیا ہے؟

اس کی تفسیر حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یہ فرمائی ہے جو مرفوعاً خود رسول اللہ ﷺ سے بھی منقول ہے، حَقَّ تَقَاتِهِ هُوَ اَنْ يُطَاعَ فَلَا يُعْصَى وَيُذَكَّرُ فَلَا يُنْسَى وَيُشْكَرُ وَلَا يُكْفَرُ. حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے، کوئی کام اطاعت کے خلاف نہ ہو اور اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے کبھی فراموش نہ کیا جائے اور ہمیشہ اس کا شکر ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔

حضرت ابن عباس اور طاؤس نے فرمایا کہ درحقیقت حق تقاتہ کی ہی تفسیر و تشریح ہے اتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ اور مطلب یہ ہے کہ معاصی اور گناہوں سے بچنے میں اپنی پوری توانائی اور طاقت صرف کر دے تو حق تقویٰ ادا ہو گیا، اگر کوئی شخص اپنی پوری توانائی صرف کرنے کے بعد کسی ناجائز کام میں مبتلا ہو ہی گیا ہے تو وہ حقوق تقویٰ کے خلاف نہیں۔

وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَانْتُمْ مُسْلِمُونَ، یعنی مرتے دم تک اللہ کی فرماں برداری اور وفاداری پر قائم رہو۔
وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ، اللہ کی رسی سے مراد اس کا دین ہے اور اس کو رسی سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ یہی وہ رشتہ ہے

جو ایک اہل ایمان کا تعلق اللہ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے، اس رستی کو مضبوطی سے پکڑنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں اصل اہمیت دین کی ہو اسی سے ان کو دلچسپی ہو، اسی کی اقامت میں وہ کوشاں رہیں اور اس کی خدمت کے لیے آپس میں تعاون کرتے رہیں، جہاں دین کی اساسی تعلیمات اور اس کی اقامت کے نصب العین سے مسلمان ہٹے اور ان کی دلچسپیاں جزئیات اور فروع کی طرف منعطف ہوئیں پھر ان میں لازماً تفرقہ و اختلاف رونما ہو جائے گا۔ قرآن و حدیث کے فہم اور اس کی توضیح و تعبیر میں اختلاف یہ فرقہ بندی نہیں یہ اختلاف تو صحابہ اور تابعین کے عہد میں بھی تھا کیوں کہ اس اختلاف کے باوجود سب کا مرکز اطاعت اور محور عقیدت ایک ہی تھا قرآن اور حدیث۔ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا** اتحاد و اتفاق ایک ایسی چیز ہے جس کے محمود و مطلوب ہونے پر دنیا کے تمام انسانوں کا اتفاق ہے خواہ کسی ملک اور کسی زمانہ کے ہوں، کسی مذہب و مشرب سے تعلق رکھتے ہوں، اس میں دورائیں ہونے کا امکان ہی نہیں ہے۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ (الآیۃ) یہ اشارہ اس حالت کی طرف ہے جس میں اسلام سے پہلے عرب بتلاتھے، قبائل کی باہمی عداوتیں، بات بات پر ان کی لڑائیاں اور شب و روز کے کشت و خون جس کی وجہ سے قریب تھا کہ پوری عرب قوم نیست و نابود ہو جائے۔ زمانہ جاہلیت کی جو لڑائیاں تاریخی روایات میں محفوظ ہو گئی ہیں ان کی تعداد (۱۷۰۰) ہے اس جنگ و جدال کی آگ میں جل مرنے سے اگر کسی چیز نے انہیں بچایا تو وہ یہی نعمت اسلام تھی۔ یہ آیات جس وقت نازل ہوئی ہیں اس سے تین چار سال پہلے ہی مدینہ کے لوگ مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کی یہ جیتی جاگتی نعمت سب دیکھ رہے تھے، کہ اوس اور خزرج کے وہ قبیلے جو سالہا سال سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے باہم مل کر شیر و شکر ہو چکے تھے اور یہ دونوں قبیلے مکہ سے آنے والے مہاجرین کے ساتھ ایسے بے نظیر ایثار و محبت کا برتاؤ کر رہے تھے جو ایک خاندان کے لوگ بھی آپس میں نہیں کرتے۔

فرنگی مصنفین کا اعتراف:

اپنی نوعیت کے انقلاب عظیم کا اعتراف آج فرنگی محققین بھی کر رہے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی) جس طرح عرب قبل اسلام کی عداوتیں جو ضرب المثل تک پہنچی ہوئی تھیں اسی طرح بعد اسلام عرب کی آپس کی محبت، یگانگت، اخلاص بھی بے نظیر رہا، جہاں مکہ کی اور مدنی مدنی کا دشمن تھا وہاں اسلام نے مکہ کے مہاجرین اور مدینہ کے انصار کو ایسا شیر و شکر کر دیا کہ دونوں واقعی بھائی بھائی معلوم ہونے لگے (انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا)۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ (الآیۃ) سابقہ آیت میں ہر فرد کو ایک خاص انداز سے اپنی اصلاح کرنے کی ہدایت دی گئی کہ ہر شخص تقویٰ اختیار کرے اور اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں (اسلام) سے مربوط ہو جائے۔ مذکورہ دو آیتوں میں ہدایت دی جا رہی ہے کہ صرف اپنے اعمال و افعال کی اصلاح پر بس نہ کریں بلکہ اپنے دوسرے بھائیوں کی اصلاح کی فکر بھی ساتھ ساتھ رکھیں اسی صورت سے پوری قوم کی اصلاح بھی ہوگی اور ربط و اتحاد کو بقاء و قیام بھی ہوگا۔

مسلمانوں کی قومی اور اجتماعی فلاح دو چیزوں پر موقوف ہے:

پہلے تقویٰ اور اعتصام بحبل اللہ کے ذریعہ اپنی اصلاح اور دوسرے دعوت و تبلیغ کے ذریعہ دوسروں کی اصلاح کی فکر۔
وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ رِجَالٌ بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ) میں اسی دوسری ہدایت کا بیان ہے۔ سورۃ (والعصر) کی آیت (إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ) میں اسی مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے۔

قومی اجتماعی زندگی کے لیے جس طرح جبل متین اور اس کا اعتصام ضروری ہے اسی طرح اس رشتہ کے قیام و بقا کے لیے ضروری ہے کہ دوسرے بھائیوں کو احکام قرآن و سنت کے مطابق اچھے کاموں کی ہدایت اور برے کاموں سے روکنے کو ہر شخص اپنا فریضہ سمجھے تاکہ یہ رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ نہ جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی یہ رسی ٹوٹ نہیں سکتی ہاں البتہ چھوٹ سکتی ہے۔ اس لیے قرآن کریم نے اس رسی کے چھوٹنے کے خطرہ کے پیش نظر یہ ہدایت جاری فرمائی کہ ہر مسلمان جس طرح خود نیک عمل کرنے کو اور گناہ سے بچنے کو اپنا فرض سمجھتا ہے اس کو بھی ضروری سمجھے کہ دوسرے لوگوں کو بھی نیک عمل کی ہدایت اور برے عمل سے روکنے کی کوشش کرتا رہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سب مل کر مضبوطی کے ساتھ اللہ کی رسی کو تھامے رہیں گے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، کسی نہ کسی درجہ میں چھوٹے پیمانہ پر تو ہر فرد امت پر فرض ہے، لیکن یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک مستقل جماعت خاص اسی کام کے لیے ہونی چاہئے کہ مخلوق کو دعوت خیر دے اور برے کاموں سے روکے، کام کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ امت کا ہر فرد دعوت الی الخیر اور نہی عن المنکر کی پوری پوری ذمہ داری ادا کرے مگر اللہ تعالیٰ نے کمال رحمت اور ضعف بشری کی رعایت کرتے ہوئے تمام مخلوق کے بجائے اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے ایک مخصوص جماعت مقرر فرمادی اور یہ اس لیے کیا کہ جن اوصاف اور شرائط کی ضرورت ہے کیا عجب کہ بہت سوں کے لیے دشوار ہو۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا (الآیۃ) اس سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے باہمی اختلاف اور تفرقہ کی وجہ یہ نہ تھی کہ انہیں حق کا پتہ نہ تھا اور اس کے دلائل سے بے خبر تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سب کچھ جانتے ہوئے محض اپنے دنیاوی مفاد اور نفسانی اغراض کے لیے اختلاف و تفرقہ کی راہ اختیار کی تھی، قرآن مجید نے مختلف اسلوب اور پیرائے میں اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے اور اس سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

سیاہ چہرے والے اور سفید چہرے والے کون ہوں گے؟

ان کی تعین میں مفسرین کے مختلف اقوال مذکور ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ مہاجرین و انصار کے چہرے

سفید ہوں گے اور بنی قریظہ اور بنی نضیر کے چہرے سیاہ ہوں گے۔ (قرطبی)

امام ترمذی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے حضرت ابو امامہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ اس سے مراد خوارج ہیں یعنی سیاہ چہرے خوارج کے ہوں گے اور سفید چہرے ان لوگوں کے ہوں گے جن کو وہ قتل کریں گے۔ جب حضرت ابو امامہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے پوچھا گیا کہ کیا تم نے یہ حدیث آپ ﷺ سے سنی ہے تو حضرت ابو امامہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے شمار کر کے بتایا کہ اگر میں نے یہ حدیث سات مرتبہ نہ سنی ہوتی تو میں بیان نہ کرتا۔ (ترمذی)

كُنْتُمْ يَٰٓأَيُّهَا دُخَمْدُ فِي عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ اُصْهَرَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اَمَّنْ اَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ الْاِيْمَانُ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ كَعَبْدِ اللّٰهِ بِنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهِ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ ۝۱۳ الْكَافِرُونَ لَنْ يَصْرُوكُمْ اَيُّ الْيَهُودِ يَأْمُرُ غَشَرَ الْمُسْلِمِينَ بِشَيْءٍ اِلَّا اَذَىٰ بِاللِّسَانِ بِنِ سَبِّ وَوَعِيدٍ وَاِنْ يَّقَاتِلُوكُمْ يُولُوكُمُ الْاَدْبَارُ مِنْهُمْ زَيْنٌ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ۝۱۴ عَلَيْكُمْ بَلِ الْكُفْرُ النَّظَرُ عَلَيْهِمْ صُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الدَّلٰلَةُ اَيُّ مَا تَقِفُوا حَيْثُمَا وُجِدُوا فَلَا عِزَّ لَهُمْ وَلَا اِغْتِصَامٌ اِلَّا كَاشِنِينَ يَحْبِلُ مِنَ اللّٰهِ وَحَبْلٌ مِنَ النَّاسِ الْمُؤْمِنِينَ وَبُيُوْا عَنْهُمْ اَلَيْهِمْ بِالْاِيْمَانِ عَلٰى اَدَاءِ الْجَزِيَّةِ اَيُّ لَا عِصْمَةَ لَهُمْ غَيْرَ ذَلِكَ وَبَاءُ وَرَجَعُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللّٰهِ وَصُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ اَيُّ بِسَبِّ اَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِاٰيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُونَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا اَمْرًا اللّٰهِ وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ۝۱۵ يَتَجَاوَزُونَ الْحِلَالَ اِلَى الْاِحْرَامِ لَيْسُوا اَيُّ اَهْلِ الْكِتَابِ سَوَاءٌ مُّسْتَوِينَ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ مُّسْتَقِيْمَةٌ ثَابِتَةٌ عَلٰى الْحَقِّ كَعَبْدِ اللّٰهِ بِنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهِ يَتْلُونَ اٰيَاتِ اللّٰهِ اِنَّهُ الْبَلِ اَيُّ فِي سَاعَاتِهِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ۝۱۶ يُصَلُّونَ حَالِ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَبِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَاُولٰٓئِكَ الْمُوصِفُونَ بِمَا ذَكَرَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۷ وَمِنْهُمْ مَنْ لَّيْسُوا كَذَلِكَ وَلَيْسُوا مِنَ الصّٰلِحِيْنَ وَمَا يَفْعَلُوا بِاَلْتَّاءِ اَيُّهَا الْاٰتَةُ وَبِالْاِيَاءِ اَيُّ الْقَائِمَةِ مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوْهُ بِالْاَوْجِهِيْنَ اَيُّ تُغْدُوْا ثَوَابَهُ بَلِ تَجَاوَزُونَ عَلَيْهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۱۸ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ تَدْفِعَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ اَيُّ عَذَابِهِ شَيْئًا وَخَسِمُهُمَ بِالذِّكْرِ لَانَ الْاِنْسَانَ يَدْفَعُ عَنْ نَفْسِهِ تَارَةً بَغْدَاءِ الْمَالِ وَتَارَةً بِالْاِسْتِعَانَةِ بِالْاَوْلَادِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُونَ ۝۱۹ مَثَلُ صِفَةٍ مَا يَنْفِقُونَ اَيُّ الْكُفَرِ فِيْ هَذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِيْ عِدَاوَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْ صِدْقَةٍ وَنَحْوِهِ كَمَثَلِ مَرِيْجٍ فِيْهَا صَرْ حَرٌّ اَوْ بَرْدٌ شَدِيْدٌ اَصَابَتْ حَرٌّ زَرْعَ قَوْمٍ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ بِالْكَفْرِ وَالْمَعْصِيَةِ فَاهْلَكَتْ فَلَمْ يَنْتَفِعُوْا بِهِ فَكَذٰلِكَ نَفَقَاتُهُمْ ذٰبِبَةٌ لَا يَنْتَفِعُونَ بِهَا وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ بِخِسِيَاعٍ نَّفَقَاتِهِمْ وَلٰكِنْ اَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۲۰ بِالْكَفْرِ الْمُؤَحَّبِ لِمُصَاحِبِهَا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَاطِلًا نُصُبًا يُنسَـجَ الْخَافِضُ أَى لَا يَقْصُرُونَ لَكُمْ جُنُودُهُمْ فِي الْفَسَادِ وَدُّوا تَمْنُوا مَا عِنْتُمْ أَى عِنْتِكُمْ وَهُوَ شِدَّةُ الْخُرَرِ قَدْ بَدَتْ ظَهَرَتِ الْبَغْضَاءُ الْعَدَاوَةُ لَكُمْ مِنْ أَقْوَاهِمُ بِالْوَقِيعَةِ فِيكُمْ وَإِطْلَاعِ الْمُشْرِكِينَ عَلَى سِرِّكُمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ مِنَ الْعَدَاوَةِ الْكَبْرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ عَلَى عَدَاوَتِهِمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ ذَلِكَ فَلَا تَوَالُوهُمْ هَا لِلتَّنْبِيهِ أَنْتُمْ يَا أُولَئِ الْمُؤْمِنِينَ تُحِبُّونَهُمْ لِإِقْرَابَتِهِمْ بَيْنَكُمْ وَصِدَائِقِهِمْ وَلَا تُحِبُّونَهُمْ لِمُخَالَفَتِكُمْ لَكُمْ فِي الدِّينِ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ أَى بِالْكِتَابِ كُلِّهَا وَلَا يُؤْمِنُونَ بِكِتَابِكُمْ وَإِذَا الْقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ أَطْرَافَ الْأَصَابِعِ مِنَ الْغَيْظِ شِدَّةُ الْغَضَبِ لِمَا يَرَوْنَ مِنْ إِيْتِلَافِكُمْ وَيُعْتَبِرُ عَنْ شِدَّةِ الْغَضَبِ بَعْضُ الْأَنَامِلِ مَجَازًا وَإِنْ لَمْ يَكُنْ ثُمَّ عَضُّ قُلُومُ تَوَابِغِظِكُمْ أَى انْبَقُوا عَلَيْهِ إِلَى الْمَوْتِ فَلَنْ تَرَوْا مَا يَسُرُّكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ بِمَا فِي الْقُلُوبِ وَبَيْنَهُ مَا يَضْمُرُهُ بَوْلَاؤُهُ إِنْ تَمَسَّكُمْ تُصَبِّحُكُمْ حَسَنَةً نِعْمَةٌ كُنْزٌ وَغَنِيمَةٌ تَسُوهُمْ تَحْزُنُهُمْ وَإِنْ تُصَبِّحُكُمْ سَيِّئَةً كَهَزِيمَةٍ وَجَذْبٍ يَقْرِحُوهَا وَجُمْلَةُ الشَّرْطِيَّةِ مُتَّحِلَةٌ بِالْشَّرْطِ قَبْلُ وَمَا بَيْنَهُمَا اغْتِرَاضٌ وَالْمَعْنَى أَنَّهُمْ مُتَنَابِئُونَ فِي عَدَاوَتِكُمْ فَلَمَّ تَوَالَوْهُمْ فَاجْتَنَبُوهُمْ وَإِنْ تَصَبَّرُوا عَلَى آذَانِهِ وَتَتَّقُوا اللَّهَ فِي دُؤَالَتِهِمْ وَغَيْرِهَا لَا يَضُرُّكُمْ بِكُسْرِ الْخَضَادِ وَسُكُونِ الرَّاءِ وَضَمِّهَا وَتَشْدِيدِهَا كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَالِيَاءٌ وَالتَّاءُ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾ غَالِبٌ فَيُجَازِيهِمْ بِهِ.

ترجمہ: اے امت محمد ﷺ تم اللہ کے علم میں بہترین جماعت ہو جن کو لوگوں کے لیے نکالا گیا تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی اللہ پر ایمان لے آتے تو ایمان لانا ان کے حق میں خوب ہوتا ان میں سے کچھ تو مومن ہیں جیسا کہ عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ مگر اکثر ان میں سے نافرمان (یعنی کافر) ہیں۔ اے مسلمانو! یہ یہود زبانی گالی گلوچ اور دھمکی کی خفیف سی اذیت کے سوا تم کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر وہ تم سے مقابلہ کریں گے تو تمہیں پیٹھ دکھا کر شکست خوردہ ہو کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو تمہارے خلاف مدد بھی نہ پہنچ سکے گی بلکہ تم کو ان کے خلاف مدد پہنچے گی، ان پر ذلت مسلط کر دی گئی ہے خواہ وہ کہیں بھی پائے جائیں۔ ان کو عزت و استحکام حاصل نہ ہوگا۔ سوا اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں مسلمانوں کی طرف سے کوئی عہد ہو اور وہ جزئیہ ادا کرنے کی صورت میں امن کا معاہدہ ہے۔ یعنی مذکورہ صورت کے علاوہ ان کو تحفظ حاصل نہ ہوگا۔ اور وہ اللہ کے غضب کو لے کر لوٹے اور ان پر خواری ڈال دی گئی۔ یہ (سب) اس وجہ سے ہوا کہ وہ اللہ کی آیتوں کے منکر ہو جایا کرتے تھے اور نبیوں کو بلا وجہ قتل کر ڈالتے تھے۔ اور یہ (سب) اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرتے تھے سب اہل کتاب یکساں نہیں، ان ہی اہل کتاب میں سے ایک جماعت ایسی بھی ہے جو راہِ راست پر قائم

ہے اور حق پر ثابت قدم ہے جیسا کہ عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی۔ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو شب کے اوقات میں بحالت نماز پڑھتے ہیں، یہ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اور برائی سے روکتے ہیں۔ اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں۔ یہ (یعنی) مذکورہ اوصاف کے حاملین ہی نیک لوگوں میں سے ہیں اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو ان صفات کے حامل نہیں ہیں اور نہ نیک لوگوں میں سے ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم یا وہ یعنی امت قائمہ نیکی کرو گے اس کی ہرگز ناقدری نہ کی جائے گی دونوں صورتوں میں بایں طور کہ اس کے ثواب سے محروم کر دیئے جائیں بلکہ ان کو اس کا صلہ دیا جائے گا اور اللہ پر ہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہرگز ان سے اللہ کے عذاب کو ذرا بھی ان کے مال اور ان کی اولاد دفع نہ کر سکیں گے اور ان دونوں کا ذکر خاص طور پر اس لیے کیا کہ انسان کبھی اپنی ذات کا دفاع مال دے کر کرتا ہے اور کبھی اولاد سے مدد طلب کر کے (کرتا ہے)۔ یہی لوگ تو دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ اور یہ کفار اس دنیوی زندگی میں نبی ﷺ کی عداوت میں صدقہ وغیرہ کے طور پر جو خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی ہے جس میں شدید سردی یا شدید گرمی ہو کسی قوم کی فصل کو لگ جائے جنہوں نے کفر و معصیت کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کیا ہو پھر وہ ہوا اس کھیتی کو برباد کر دے کہ جس سے وہ مستفید نہ ہو سکیں اسی طرح ان کے صدقات ہیں کہ ان کو ان صدقات سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ ان کے صدقات کو ضائع کر کے اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے کفر کے ذریعہ جو کہ نفقات کی بربادی کا سبب ہے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ اے ایمان والو! تم اپنوں کے علاوہ یہود و منافقین میں سے کسی کو گہرا دوست نہ بناؤ کہ وہ تمہارے رازوں سے واقف ہو جائیں وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، خبلاً، حذف جار کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی تمہارے ساتھ فساد میں کوئی کمی کوتاہی نہیں کریں گے۔ اور تم کو تکلیف پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ یعنی تمہارے دکھ کی اور وہ شدید نقصان ہے۔ اور تمہاری دشمنی تو ان کی زبان سے تمہاری غیبت کر کے اور مشرکوں کو تمہارے راز کی اطلاع کر کے ظاہر ہو چکی ہے اور جو عداوت وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ تو اور بھی بڑی ہے ہم تو تمہارے ساتھ ان کی عداوت کی نشانیاں کھول کھول کر بیان کر چکے ہیں اگر تم اس بات کو سمجھو گے تو ان کے ساتھ گہری دوستی نہ کرو گے، اے مومنو! تم تو ایسے ہو کہ ”ہا“ تنبیہ کے لیے ہے۔ ان کی تم سے رشتہ داری اور دوستی کی وجہ سے ان سے محبت رکھتے ہو۔ اور وہ دین میں تمہارے ساتھ مخالفت کی وجہ سے تم سے محبت نہیں رکھتے۔ اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور وہ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں رکھتے، اور یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر شدید غیظ سے انگلیاں (یعنی پوروے) کاٹ کاٹ کھاتے ہیں اس لیے کہ وہ تمہاری باہمی الفت کو دیکھتے ہیں، اور شدت غضب کو غصّ انا مل سے مجازاً تعبیر کیا ہے اگرچہ اس موقع پر (حقیقت) میں انگلیاں کاٹنا نہ ہو۔ آپ کہہ دیجئے کہ تم غصہ میں مرجاؤ۔ یعنی تم تا مرگ غصہ میں مبتلا رہو، اور تم ہرگز خوش کن چیز نہ دیکھو گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے اور انہی باتوں میں سے وہ باتیں بھی ہیں جن کو یہ لوگ چھپائے ہوئے ہیں، اگر تمہیں کوئی اچھی حالت پیش آ جاتی ہے مثلاً نصرت اور غنیمت تو ان کو یہ بات غمزہ کرتی ہے۔ اور اگر تم

پر کوئی بری حالت پڑتی ہے مثلاً شکست اور قحط سالی تو اس سے یہ خوش ہوتے ہیں اور جملہ شرطیہ (اِنْ تَمَسَّنْکُمْ الْخ) ماقبل شرط (وَ اِذَا الْقُوْکُمْ الْخ) سے متصل ہے اور ان دونوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ (اور وہ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ الْخ) ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمہاری دشمنی میں انتہا کو پہنچے ہوئے ہیں۔ تو پھر تم ان سے (گہری) دوستی کیوں کرتے ہو؟ تم کو تو ان سے محتاط رہنا چاہئے۔ اور اگر تم ان کی ایذا رسانی پر صبر و تقویٰ اختیار کیے رہو اور ان سے دوستی وغیرہ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو تو ان کی چالیں تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی (لَا یَضُرُّکُمْ) ضاد کے کسرہ اور راء کے سکون اور ضاد کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ (بھی قراءت ہے) بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کا پورا علمی احاطہ کیے ہوئے ہے (یعملون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے۔ لہذا وہ تم کو (اور) ان کو جزاء دے گا۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

کُنْتُمْ خَیْرَ أُمَّةٍ. أُمَّة. کالفظ چونکہ عام ہے لہذا اصحابہ اور غیر صحابہ سب کو شامل ہے۔

قَوْلٌ: فِی عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی.

سُؤَالٌ: فِی عِلْمِ اللّٰهِ، کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: 'کُنْتُمْ' ماضی کا صیغہ ایسے حدوث پر دلالت کرتا ہے جو مسبوق بالعدم اور منقطع بطریان العدم ہو اس لیے فِی عِلْمِ اللّٰهِ کے لفظ کا اضافہ کر دیتا کہ مذکورہ شبہ دور ہو جائے اس لیے کہ اللہ کے علم کو نہ عدم سابق صحیح ہے اور نہ عدم لاحق۔

قَوْلٌ: کَانِنِیْنِ، یہ لفظ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ کھل من اللہ حال ہے۔

قَوْلٌ: لَا عَصْمَةَ لَهُمْ غَیْرِ ذٰلِکَ. اس میں مستثنیٰ منہ محذوف کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلٌ: بَاءٌ، بَوَّءٌ، سے ماضی جمع مذکر غائب، وہ لوٹے۔

قَوْلٌ: یُصَلُّوْنَ، حالِ یسجدون کی تفسیر یصلون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یسجدون بمعنی یصلون ہے اس لیے کہ

سجدہ میں تلاوت نہیں ہوتی اور ہم مقدر مان کر حال ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ لہذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ او جزا اور مختصر یہ تھا کہ وَ یَسْجُدُوْنَ کہتے۔

قَوْلٌ: بَطَانَةٌ. اَستَر۔ بدن سے لگا ہوا کپڑا۔ یہ جگری دوست سے کنایہ ہے۔ جاء فی الحدیث. اَلْاَنْصَارُ شَعَارُ

وَالنَّاسِ دِثَارُ. الشَّعَارُ ثَوْبٌ عَلٰی الْجَسَدِ وَالدِّثَارُ فَوْقَهُ.

قَوْلٌ: الْوَقِیْعَةُ جَمْعُ وَقَاعٍ، فتنہ، غیبت۔

قَوْلٌ: ذٰلِکَ اس میں اشارہ ہے کہ تفعّلون کا مفعول محذوف ہے۔

قَوْلٌ: فَلَا تُؤَاوِیْهِمْ، اس میں اشارہ ہے کہ شرط کی جزاء محذوف ہے۔

قَوْلٌ: وجملہ الشرط متصلہ بالشرط قبل. مطلب یہ ہے کہ شرط اور جملہ شرطیہ کے درمیان فصل بالاجنبی نہیں ہے اس لیے کہ درمیان میں جملہ معترضہ ہے اور جملہ معترضہ کا درمیان میں آنا عام بات ہے۔

اللَّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

صنعت طباق (مقابلہ) مذکورہ آیت میں متعدد طباق ہیں (تَأْمُرُونَ، تَنْهَوْنَ) (المعروف والمنکر) (المؤمنون والفسقون)۔

استعارہ تصریحیہ:

لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ۔ اس میں استعارہ تصریحیہ ہے بَطَانَةُ کے اصل معنی استر، وہ کپڑا جو اندر کی جانب لگایا جاتا ہے۔ یہاں بَطَانَةُ سے جگری دوست، رازدار کے معنی مراد ہیں، جگری دوست کو بَطَانَةُ سے تشبیہ دی ہے۔

استعارہ تمثیلیہ:

وَإِذَا أَخْلَوْا عَصُورًا عَلَيْكُمْ أَلَانَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ۔
دشمن کی حالت غیظ و غضب کو نادم و متحیر کی انگشت بدنداں کیفیت سے تشبیہ دی گئی ہے۔
خَبَالًا: الخَبَالُ بفتح الخاء، الفساد يقال خَبَلَهُ وَخَبَلَهُ بالتخفيف والتشديد خَبَلَهُ الشَّيْطَانُ، شَيْطَانُ نے اس کو باؤلا، مجنون بنا دیا۔

عَنِتْمٌ: العَنْتُ بفتح العين والنون. شدة الضرر والمشقة.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (الآية) اس آیت میں امت مسلمہ کو خیر امت قرار دیا گیا ہے، اور اس کی علت بھی بیان کر دی گئی ہے جو ایمان باللہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے، مطلب یہ کہ اگر یہ امت، دعوت کی ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو یہ خیر امت کے لقب کی مستحق ہے بصورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پا سکتی ہے۔ اس کے بعد اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت معلوم ہوتی ہے یعنی جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے گا وہ اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا، اہل کتاب کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ”كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ“ وہ ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے۔

امر بالمعروف فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟

اکثر علماء کے نزدیک فرض کفایہ ہے یعنی علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ یہ فرض ادا کرتے رہیں کیوں کہ معروف اور منکر شرعی کا صحیح علم علماء ہی رکھتے ہیں۔ ان کے فریضہ تبلیغ و دعوت کی ادائیگی سے دیگر افراد امت کی طرف سے یہ فرض ساقط ہو جائے گا جیسے جہاد بھی عام حالات میں فرض کفایہ ہے، یعنی ایک جماعت کی طرف سے اس فرض کی ادائیگی امت کی جانب سے ادائیگی ہو جائے گی۔

یہ وہی مضمون ہے جو سورہ بقرہ کے سترہویں رکوع میں بیان ہو چکا ہے، آپ ﷺ کے متبعین کو بتایا جا رہا ہے کہ دنیا میں امامت و رہنمائی کے جس منصب سے بنی اسرائیل کو ان کی نابلی کی وجہ سے معزول کر دیا گیا۔ اس پر اب تم فائز کیے گئے ہو، اس لیے اخلاق و اعمال کے لحاظ سے اب تم دنیا میں سب سے بہتر جماعت بن گئے ہو اور تم میں وہ صفات پیدا ہو گئی ہیں جو امامت عادلہ کے لیے ضروری ہیں یعنی نیکی کو قائم کرنے اور بدی کو مٹانے کا جذبہ، لہذا اب یہ کام تمہارے سپرد ہے اور تمہارے اوپر لازم ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو اور ان غلطیوں سے بچو جو تمہارے پیش رو کر چکے ہیں۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا تُلْقُوا إِلَّا بِحَبْلٍ مِنَ اللَّهِ (الآیۃ) بنی اسرائیل کی مغضوبیت اور پستی و ذلت، ان کی جانوں اور مالوں اور ان کی بے وقعتی اور ناقدری خلق اللہ کے دلوں میں پیدا ہو گئی ہے اور تاریخ کی شہادت ہے کہ یہود کی یہ ذلت اور پست حالی زمانہ نزول قرآن تک رہی بلکہ اس کے بعد بھی صد ہا سال اسی طرح قائم رہی، چنانچہ بیسویں صدی کے ثلث اول تک یہود کی جوگت جرمنی میں، ہنگری میں، اٹلی میں، زیکوسلواکیہ میں اور دیگر ملکوں میں باوجود ان کی خوشحالی اور زرداری کے بن چکی ہے وہ بجائے خود اس آیت کی تفسیر ہے اس کی مفصل تشریح سورہ بقرہ کے رکوع ۶ میں گزر چکی ہے قذکر کے طور پر یہاں اتنا غرض ہے کہ اگر دنیا میں کہیں ان کو تھوڑا بہت امن چین نصیب ہوا بھی ہے تو وہ ان کے اپنے بل بوتے پر نہیں ہوا، بلکہ دوسروں کی حمایت اور مہربانی کا نتیجہ ہے قرآن کا فیصلہ ہے کہ یہود پر ذلت و خواری لگی رہے گی مگر دو صورتوں میں وہ اس ذلت سے بچ سکتے ہیں ایک اللہ کا عہد مثلاً نابالغ بچہ یا عورت یا گوشہ نشین راہب ہونے کی بنا پر بحکم خداوندی وہ قتل وغیرہ سے مامون ہیں، دوسرے بحبل من الناس لوگوں سے معاہدہ صلح کی بنا پر ان کی ذلت و خواری کا ظہور نہ ہو اس جگہ قرآن کے الفاظ بحبل من الناس جو مومن اور کافر سب کو شامل ہیں اس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے معاہدہ صلح کر کے بے فکر ہو جائیں، جیسا کہ حکومت اسرائیل کی موجودہ صورت حال ہے جو کہ کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں کہ اسرائیل کی حکومت امریکہ و برطانیہ وغیرہ کی ایک مشترکہ چھاؤنی ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں اس کی جو قوت نظر آتی ہے وہ سب دوسروں کے بل بوتے پر ہے، اگر امریکہ برطانیہ روس وغیرہ آج اس سے دست بردار ہو جائیں تو ایک دن بھی اس کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔

ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ۔ یہ ان کے کړتوت ہیں جن کی پاداش میں ان پر ذلت مسلط کی گئی۔

لَیْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ (الآیۃ) یعنی سارے اہل کتاب ایسے نہیں کہ جن کی مذمت کچھلی آیات میں بیان کی گئی ہے بلکہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جیسے عبداللہ بن سلام اسد بن عبید اللہ، ثعلبہ بن سعید، اُسید بن سعید وغیرہ۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرف اسلام سے نوازا۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِیْ هَذِهِ الْحَیَاةِ الدُّنْیَا (الآیۃ) ایک عام فہم اور ظاہر مثال سے یہ سمجھایا گیا ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے نہ کچھ مال کام آئے گا اور نہ اولاد حتیٰ کہ رفاہی اور ظاہری بھلائی کے کاموں پر جو خرچ کرتے ہیں وہ بھی بے کار ہو جائیں گے اور ان کی مثال اس سخت پالے کی سی ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا کر خاکستر کر دیتا ہے ظالم اس کھیتی کو دیکھ کر خوش ہو رہے ہوتے ہیں اور اس سے نفع کی امید رکھتے ہیں کہ اچانک ان کی امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ اس مثال میں کھیتی سے مراد کشتِ حیات ہے جس کی فصل آدمی کو آخرت میں کاٹنی ہے۔ (الدنیا مزرعة الآخرة)۔

”ہوا“ سے مراد اوپر کی جذبہ خیر ہے جس کی بنا پر کفار رفاہ عام کے کاموں اور خیرات وغیرہ میں دولت صرف کرتے ہیں، اور ”پالے“ سے مراد صحیح ایمان اور ضابطہ خداوندی کی پیروی کا فقدان ہے جس کی وجہ سے اس کی پوری زندگی غلط رخ پر پڑ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تمثیل سے یہ بتانا چاہتا ہے کہ جس طرح ہوا کھیتوں کی پرورش اور نشوونما کے لیے مفید ہے لیکن اگر اسی ہوا میں پالا ہو تو وہ کھیتی کو پرورش کرنے کے بجائے اسے تباہ کر ڈالتی ہے اسی طرح خیرات بھی اگرچہ انسان کی کشتِ آخرت کو پرورش کرنے والی چیز ہے مگر جب اس کے اندر کفر و ریاض و نمود کا زہر ملا ہو تو یہی خیرات مفید ہونے کے بجائے الٹی مہلک بن جاتی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطٰغٰنَةٍ مِّنْ دُّوْنِکُمْ (الآیۃ) اے ایمان والو! مسلمانوں کے علاوہ کسی کو اپنا راز دار دوست نہ بناؤ۔

مدینہ کے اطراف میں جو یہودی آباد تھے ان کے ساتھ اُس اور خزرج کے لوگوں کے قدیم تعلقات تھے انفرادی طور پر بھی بعض کے بعض سے ذاتی تعلقات تھے اور اجتماعی بھی، جب اُس اور خزرج کے دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے تو اس کے بعد بھی اُس اور خزرج کے تعلقات کو نبھاتے رہے لیکن یہودیوں کو حضرت خاتم الانبیاء ﷺ سے اور آپ کے لائے ہوئے دین سے جو عداوت تھی اس کی بناء پر انہوں نے انصار کے ساتھ تو بظاہر وہی تعلقات رکھے جو پہلے سے چلے آ رہے تھے مگر دل میں اب وہ ان کے دشمن ہو چکے تھے۔ اور اسی ظاہری دوستی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے کہ کس طرح مسلمانوں کی جماعت میں اندرونی فتنہ و فساد برپا کر دیں اور ان کے جماعتی راز معلوم کر کے ان کے دشمنوں تک پہنچائیں، اللہ یہاں ان کی منافقانہ روش سے مسلمانوں کو محتاط رہنے کی ہدایت فرما رہے ہیں اور ایک نہایت ہی اہم ضابطہ بیان فرماتے ہیں کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطٰغٰنَةٍ مِّنْ دُّوْنِکُمْ۔ یعنی ایمان والو! اپنے یعنی مسلمانوں کے علاوہ کسی کو گہرا دوست نہ بناؤ۔

اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ملت والوں کے سوا کسی کو اپنا معتمد اور مشیر نہ بناؤ کہ اس سے اپنے اور اپنی ملت و حکومت کے راز کھول دو، افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اس آیت کے حکم پر عمل میں سستی اور مدہدہنت شروع کر دی

اور ابھی رسول اللہ ﷺ کو چند صدیاں بھی نہیں گزرنے پائی تھیں کہ سلطنت کے کاروبار میں کھلم کھلا مسیحیوں، مجوسیوں وغیرہ کو شریک کیا جانے لگا۔ امام قرطبی کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کا ہے حسرت، قلق اور درد کے لہجے میں لکھتے ہیں۔

وَقَدْ انْقَلَبَتِ الْاَحْوَالُ فِي هَذِهِ الْاَزْمَانِ بِاتِّخَاذِ اَهْلِ الْكِتَابِ كُتُبَهُ وَامْنَاءِ وَتَسْوُدِ وَابْذَلِكْ عِنْدَ الْجَهْلَةِ الْاَغْنِيَاءِ مِنَ الْوَلَاةِ وَالْاَمْرَاءِ. (قرطبی)

یہ حال اس زمانہ کا تھا، تو آج پندرہویں صدی ہجری میں جب کہ زندگی کے ہر شعبہ میں منکروں کا غلبہ اور تسلط مسلمانوں پر نمایاں ہے کیا حال ہوگا، اللہ تعالیٰ مسلمان حکمرانوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَ اِذْ كَرِيَامُ حَمْدٍ اِذْ عَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ بِنَ الْمَدِينَةِ تَبَوَّئُ تُنَزِلُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ سَرَكَزٍ يَقْفُونَ فِيهَا لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ لَا قُوَا لَكُمْ عَلِيمٌ ۝۱۲۱ بِاُخْوَالِكُمْ وَبَوَ يَوْمَ اُحُدٍ خَرَجَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْفِ اَوْ اِلَا خَمْسِينَ رَجُلًا وَالْمُشْرِكُونَ ثَلَاثَةُ اَلْفٍ وَنَزَلَ بِالشَّعْبِ يَوْمَ السَّبْتِ سَابِعِ شَوَّالِ سَنَةِ ثَلَاثٍ مِنَ الْهَجْرَةِ وَجَعَلَ ظَهْرَهُ وَعَسْكَرَهُ اِلَى اُحُدٍ وَكَسَى صُفُوفَهُمْ وَاجْلَسَ جَيْشًا مِنَ الرُّمَاءِ وَامَرَ عَلَيْهِمْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ جُبَيْرٍ بِسَفْحِ الْجَبَلِ وَقَالَ انْضَحُوا عَنَّا بِالنَّبْلِ لَا يَأْتُونَنَا مِنْ وَرَائِنَا وَلَا تَبْرَحُوا غَلِبْنَا اَوْ نُصِرْنَا اِذْ بَدَلُ مِنْ اِذْ قَبْلَهُ هَمَّتْ طَائِفَتَيْنِ مِنْكُمْ بِنُفُوسَلْمَةٍ وَبَنُو حَارِثَةَ جَنَاحَا الْعَسْكَرِ اَنْ تَفْشَلَا تَجْبِنَا عَنِ الْقِتَالِ وَتَرْجِعَا لَمَّا رَجَعَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِي الْمُنَافِقِ وَاصْحَابُهُ وَقَالَ عَلَامُ تَقْتُلُ اَنْفُسَنَا وَاَوْلَادَنَا وَقَالَ لَا بِي حَاتِمُ السَّلْمِيِّ الْقَائِلُ لَهُ اُنْشِدْ كُمْ اللّٰهُ فِي نَبِيِّكُمْ وَانْفُسَكُمْ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعُنَا كُمْ فَثَبَّتَهُمَا اللّٰهُ تَعَالَى وَلَمْ يَنْصَرِفَا وَاللّٰهُ وَلِيَّهُمَا نَاصِرُيَهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝۱۲۲ لِيَشْفُوا بِهِ دُونَ غَيْرِهِ وَنَزَلَ لَمَّا بَزُمُوْا تَدْكِرًا لِّهِنَّ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرِ مَوْضِعٍ بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِينَةِ وَاَنْتُمْ اِذْ لَكُمْ بِقَلَّةٍ الْعَدُوِّ وَالسَّلَاحِ فَاتَّقُوا اللّٰهُ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۱۲۳ نِعْمَةً اِذْ ظَرَفْتَ لِنَصْرِكُمْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ تُوْعِدُهُمْ تَطْمِينًا لِّقُلُوبِهِمْ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُمِدَّكُمْ يُعِينَكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِينَ ۝۱۲۴ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ بَلَى يَكْفِيكُمْ ذٰلِكَ وَفِي الْاَنْفَالِ بِالْفِ لَآ اَمَدٌ لَهُمْ اَوْ لَا بِمَهَاتَةٍ صَارَتْ ثَلَاثَةٌ ثُمَّ صَارَتْ خَمْسَةٌ كَمَا قَالَ تَعَالَى اِنْ تَصَبَرُوا عَلَى لِقَاءِ الْعَدُوِّ وَتَتَّقُوا اللّٰهَ فِي الْمُخَالَفَةِ وَيَا تُؤَكِّرُ اَيَ الْمُشْرِكُونَ مَنْ فَوْرِهِمْ وَقَتِيهِمْ هَذَا اِيْمَدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِينَ ۝۱۲۵ بِكَسْرِ الْوَاوِ وَفَتْحِهَا اَيَ مُعْلِمِينَ وَقَدْ صَبَرُوا وَانْجَزَ اللّٰهُ وَعْدَهُ اَنْ قَاتَلَتْ مَعَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلَى خَيْلٍ بُلِقَ عَلَيْهِمْ عَمَائِمُ صُفْرًا وَبَيْضُ ارْسُلُوْا بَيْنَ اَكْتَاْفِيهِمْ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اَيَ الْاِنْدَادِ الْاَبْشَرَى لَكُمْ بِالنَّصْرِ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ فَلَا تَجْزَعُ مِنْ كَثْرَةِ الْعَدُوِّ وَ قَلَّتِكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ۝۱۲۶ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَلَيْسَ بِكَثْرَةِ الْجُنْدِ لِيَقْطَعَ مُتَعَلِّقٌ بِنَصْرِكُمْ

ای لَیْسَ لَکَ مِنْ الْأَمْرِ شَیْءٌ ۚ بَلْ الْأَمْرُ لِلَّهِ فَاضِرٌ أَوْ بِمَعْنَى إلی ان یَتُوبَ عَلَیْهِمْ
بِالْإِسْلَامِ أَوْ یُعَذِّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۲۸﴾ بِالنَّكَرِ وَلِلَّهِ مَا فِی السَّمَوَاتِ وَمَا فِی الْأَرْضِ بِسُوءِ خَلْقٍ وَعَقْدٍ
یَغْفِرُ لِمَنْ یَشَاءُ الْمَغْفِرَۃَ لَهُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَشَاءُ ۚ تَغْذِیْبُهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ ۙ لِأَوْلِیَائِهِ رَحِیمٌ ﴿۲۹﴾ بِأَبْلِ طَاعَتِهِ.

ترجمہ: اور اے محمد ﷺ وہ وقت یاد کرو جب آپ مدینہ سے اپنے اہل کے پاس سے نکلے تھے، مسلمانوں کو قتال کے مناسب مراکز پر کھڑے کرتے ہوئے اور اللہ ان کے اقوال کو بڑا سننے والا اور ان کے احوال کو بڑا جاننے والا ہے اور یہ اُحد کا دن تھا۔ آپ ﷺ ہزار یا پچاس کم ہزار افراد کے ساتھ نکلے تھے، اور مشرکوں کی تعداد تین ہزار تھی ۳ھ کے ماہ شوال کی ساتویں تاریخ بروز شنبہ گھائی میں نزول فرمایا، اور اُحد پہاڑ کی جانب اپنی اور لشکر کی پشت رکھی، اور آپ ﷺ نے لشکر کی صفوں کو درست فرمایا، اور تیر اندازوں کا ایک دستہ جس پر عبداللہ بن جبیر کو سالار نام زد فرمایا تھا پہاڑ کی ایک گھائی پر متعین فرمایا۔ اور فرمایا کہ تیر اندازی کے ذریعہ (دشمن کو) منتشر کر کے تم ہمارا دفاع کرتے رہنا، تاکہ دشمن ہماری پشت کی جانب سے نہ آسکے، اور اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنا خواہ ہم مغلوب ہوں یا غالب۔ جب تم میں سے دو جماعتیں، یہ اذ، سابقہ اذ، سے بدل ہے، بنو سلمہ اور بنو حارثہ جو کہ لشکر کے دو بازو تھے، یہ خیال کر بیٹھی تھیں کہ ہمت ہار دیں۔ یعنی قتال سے بزدلی دکھائیں اور واپس چلی جائیں۔ جب کہ عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ ہم کیوں اپنی جانوں کو اور اپنی اولادوں کو قتل کرائیں؟ اور (عبداللہ بن ابی) نے ابو حاتم سلمی سے کہا تھا کہ میں تم کو تمہاری جانوں اور تمہارے نبی کے بارے میں حفاظت کی قسم دیتا ہوں، کہا اگر ہم (اس کو) قتال سمجھتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ (یعنی یہ قتال نہیں ہلاکت ہے) تو اللہ تعالیٰ نے دونوں جماعتوں کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور یہ لوگ واپس نہیں ہوئے، دراصل ایک اللہ دونوں کا مددگار تھا اور مسلمانوں کو تو اللہ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے نہ کہ کسی اور پر، (آئندہ آیت) اللہ کی نعمتوں کو یاد دلانے کے لیے اس وقت نازل ہوئی جب مسلمان شکست کھا گئے۔ اور یقیناً بدر میں جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی، حالانکہ تم تعداد میں اور آلات کے اعتبار سے کم تھے۔ اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم اس کی نعمتوں کے شکر گزار بن جاؤ۔ اس وقت کو یاد کیجئے کہ جب آپ مومنین کے قلوب کو مطمئن کرنے کے لیے مومنین سے وعدہ کر رہے تھے، کیا تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار نازل کردہ فرشتوں سے تمہاری مدد کرے (منزلین) میں تخفیف اور تشدید دونوں قراءتیں ہیں۔ بے شک یہ مقدار تمہارے لیے کافی ہوگی۔ اور سورۃ انفال میں ہزار کا ذکر ہے۔ اس لیے کہ ابتداءً ان کی مدد ایک ہزار سے فرمائی تھی، پھر تین ہزار ہو گئے پھر پانچ ہزار، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم دشمن سے مقابلہ کے وقت صبر کرو اور اللہ کی مخالفت سے ڈرتے رہو اور مشرکین جب تمہارے اوپر اچانک

آپؐ میں تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار نشان زدہ (منتخب) فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔ واؤ۔ کے کسرہ اور فتح کے ساتھ۔ یعنی آداب حرب سیکھے ہوئے (پہلی صورت میں) یا تربیت یافتہ (دوسری صورت میں) اور ان لوگوں نے صبر کیا، اور اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔ بایں طور کہ فرشتوں نے اُبُلُق گھوڑوں پر سوار ہو کر مشرکوں سے قتال کیا جو کہ زرد یا سفید عمامے باندھے ہوئے تھے۔ اور ان کے شملے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکے ہوئے تھے۔ اور یہ مدد تو اللہ نے اس لیے کی تاکہ تم خوش ہو جاؤ اور تاکہ تمہارے قلوب اس سے مطمئن ہو جائیں اور تم دشمن کی کثرت اور اپنی قلت کی وجہ سے نہ گھبراؤ۔ اور نصرت تو بس زبردست اور حکمت والے اللہ ہی کی طرف سے ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور وہ لشکر کی کثرت پر موقوف نہیں ہے۔ (اور یہ نصرت اس لیے تھی) تاکہ کفر کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو قتل و قید کے ذریعہ ہلاک کر دے (لیقطع) نصر کم کے متعلق ہے یا شکست کے ذریعہ ان کو ذلیل کر دے اور وہ ناکام ہو کر واپس جائے اور وہ اپنے مطلوب کو نہ پاسکے۔ اور جب اُحد کے دن آپ ﷺ کی رباعی مبارک شہید ہو گئیں اور آپ کا چہرہ انور زخمی ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا وہ قوم کس طرح فلاح یاب ہوگی کہ جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون آلود کر دیا۔ آپ کو اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں بلکہ معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ پس آپ تو صبر کریں۔ خواہ ان کو اسلام کی توفیق دے کر ان کی توبہ قبول کرے یا انہیں عذاب دے۔ ’او‘ بمعنی الیٰ ان ہے۔ اس لیے کہ وہ کفر کی وجہ سے ظالم ہیں اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی ملک ہے۔ ملکیت کے اعتبار سے اور تخلیق کے اعتبار سے اور ملکیت کے اعتبار سے۔ وہ جس کی مغفرت چاہتا ہے اس کی مغفرت کرتا ہے اور جس کو عذاب دینا چاہتا ہے اس کو عذاب دیتا ہے۔ اور اللہ اپنے دوستوں کو بڑا معاف کرنے والا اور اطاعت گزاروں پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: غَدَوْتُ، غَدَوْتُ، سے ماضی واحد مذکر حاضر معروف۔ الغدو صبح کے وقت نکلنا۔
 قَوْلٌ: تَبَوَّئْتُ، تَبَوَّئْتُ سے مضارع واحد مذکر حاضر، تَوَجَّه دیتا ہے، اتارتا ہے، جاتا ہے، اس کا تعدیہ مفعول ثانی کی طرف بنفسہ بھی ہوتا ہے اور بالام بھی۔
 قَوْلٌ: اِذْهَمَّتْ طَّائِفَتَانِ، یہ اِذْ سابق اِذْ غَدَوْتُ سے بدل ہے نہ کہ سمیع علیم سے جیسا کہ بعض حضرات نے کہا ہے اس لیے کہ سمیع و علیم ہونا کسی زمان کے ساتھ متعین نہیں ہے۔
 قَوْلٌ: بَدْر، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک کنویں کا نام ہے۔ یہ کنواں بدر نامی ایک شخص کا تھا اسی کے نام سے یہ جگہ موسوم ہو گئی۔

قَوْلٌ: مُسَوِّمِينَ۔ واؤ کے کسرہ کے ساتھ، یعنی فرشتوں نے اپنے گھوڑوں کی دموں اور پیشانیوں پر اور اپنے اوپر لباس کے ذریعہ علامت لگائی ہوئی تھی، اور اگر واؤ کے فتح کے ساتھ ہو تو مطلب ہوگا کہ وہ گھوڑے نشان زدہ تھے۔

قَوْلًا: اِی مُعَلِّمِیْنَ یَہ مُسَوِّمِیْنَ کی تفسیر ہے۔

قَوْلًا: بَلَقٌ، اَبْلَقٌ کی جمع ہے، چتکرا۔

قَوْلًا: اَرْسَلُوْهُ هَابِیْنَ اِکْتَاْفِہِمُ یعنی اپنے عماموں کے شملے کمر پر لٹکائے ہوئے تھے۔

قَوْلًا: اَوْ بِمَعْنٰی اِلٰی اُنْ، اَوْ، کُو الٰی اُنْ، کے معنی میں لینے کی وجہ یہ ہے کہ یَتُوْبَ، فَعْل ہے اور مَاقَبْل میں اَلَا مَر اور شٰی، دونوں اسم ہیں لہذا فَعْل کا غطف اسم پر درست نہیں ہے اور معنی کے درست نہ ہونے کی وجہ سے لَیْسَ پر بھی عطف درست نہیں ہے۔ اور اَوْ بِمَعْنٰی اِلٰی اُنْ بکثرت مستعمل ہے۔

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْح

غزوہٴ اُحد:

وَ اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِکَ، جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے جنگ اُحد کا واقعہ مراد ہے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ شوال ۳ھ کے شروع میں کفار مکہ تقریباً تین ہزار مسلح لشکر جرار لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، تعداد کی کثرت کے علاوہ ان کے پاس ساز و سامان بھی مسلمانوں کی بہ نسبت بہت زیادہ تھا اور اسکے علاوہ جنگ بدر کی ذلت آمیز شکست کے انتقام کا شدید جوش اور جذبہ بھی رکھتے تھے۔ خود نبی ﷺ اور تجربہ کار صحابہ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ ہی میں رہ کر مدافعت کی جائے عبداللہ بن ابی منافق کی رائے بھی یہی تھی۔ مگر چند نو جوانوں نے جو شہادت کے شوق سے بے تاب تھے اور جنہیں بدر کی جنگ میں شریک ہونے کا موقع نہیں ملا تھا۔ باہر نکل کر لڑنے پر اصرار کیا آخر کار آپ ﷺ نے ان کے اصرار کی وجہ سے باہر نکل کر دفاع کرنے ہی کا فیصلہ فرمایا اور جنگی لباس زرہ وغیرہ پہن کر آپ تیار ہو گئے اس وقت صحابہ کو احساس ہوا کہ آپ مجبوراً اپنی رائے کے برخلاف مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے پر تیار ہوئے ہیں، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ مدینہ میں رہ کر دفاع کرنا پسند فرماتے ہیں تو ایسا ہی کیجئے۔ مگر آپ ﷺ نے جواب دیا کہ نبی جب حربی لباس پہن لیتا ہے تو اس کے لیے لائق نہیں کہ وہ اللہ کے فیصلہ کے بغیر واپس ہو یا لباس اتارے۔

ایک ہزار مجاہد آپ کے ساتھ نکلے، مگر مقام شوط پر پہنچ کر عبداللہ بن ابی اپنے تین سوسا تھیوں کو لے کر عین اس وقت جب کہ دونوں لشکر آمنے سامنے تھے، یہ کہہ کر الگ ہو گیا کہ جب ہماری بات ہی نہیں مانی گئی تو خواہ مخواہ ہم اپنی جان کیوں گنوائیں؟ عبداللہ منافق کی بروقت اس حرکت سے اضطراب کا پھیل جانا ایک فطری بات تھی، حتیٰ کہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کے لوگ ایسے دل شکستہ ہوئے کہ انہوں نے بھی واپس جانے کا ارادہ کر لیا تھا، پھر اکابر صحابہ کی کوششوں سے یہ اضطراب رفع ہو گیا، ان باقی ماندہ سات سو افراد کے ساتھ نبی ﷺ آگے بڑھے اور اُحد کی پہاڑی کے دامن میں مدینہ منورہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر اپنی فوج کو اس طرح صف آرا کیا کہ اُحد پہاڑ پشت پر تھا، اور قریش کا لشکر سامنے پہلو میں صرف ایک درّہ تھا جس سے اچانک

حملہ کا خطرہ ہو سکتا تھا، وہاں آپ نے عبداللہ بن جبیر کی زیر قیادت پچاس تیر انداز بٹھادیے اور ان کو تاکید کر دی کہ ہمارا خواہ کچھ بھی انجام ہو ہم ہاں یا جیتیں تم اپنی جگہ مت چھوڑنا اس کے بعد جنگ شروع ہوئی۔

قریش بڑے اہتمام کے ساتھ میدان میں اترے، ان کی تین ہزار کی جمعیت تھی جن میں سات سوزرہ پوش تھے دوسو گھوڑ سوار باقی شتر سوار تھے قبیلوں کے بڑے بڑے سردار تھے، ہمت بڑھانے اور جوش دلانے کے لیے عورتیں بھی شریک لشکر تھیں، ہاتھوں میں باجے لیے پر جوش ترانے گاتی جاتی تھیں، اور مقتولین بدر کے انتقام پر عزیزوں، قریبوں کو ابھارتی تھیں۔ اسلامی فوج اس کے مقابلہ میں کل ایک ہزار سے بھی کم تھی اور سامان کی کیفیت یہ تھی کہ علاوہ آپ ﷺ کی سواری کے فوج میں صرف ایک گھوڑا اور تھا۔

ابتداءً مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں ابتری پھیل گئی، لیکن اس ابتدائی کامیابی کو کامل فتح تک پہنچانے کے بجائے مسلمان مال غنیمت حاصل کرنے کی فکر میں لگ گئے، ادھر جن تیر اندازوں کو آپ ﷺ نے عقب کی حفاظت کے لیے بٹھایا تھا انہوں نے جو دیکھا کہ دشمن کے پیر اکھڑ گئے اور وہ بھاگ نکلا ہے اور غنیمت لٹ رہی ہے۔ تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف لپکے، حضرت عبداللہ بن جبیر نے ان کو نبی ﷺ کا تاکید حکم یاد دلایا، بہت روکا مگر چند آدمیوں کے سوا کوئی نہ رکا، اس موقع سے خالد بن ولید نے جو اس وقت لشکر کفار کے رسالہ کی کمان کر رہے تھے بروقت فائدہ اٹھالیا اور پہاڑ کا چکر کاٹ کر پہلو کے درہ سے حملہ کر دیا عبداللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں نے اس حملہ کو روکنے کی کوشش کی مگر مدافعت نہ کر سکے، اور یہ سیلاب یکا یک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا دوسری طرف بھاگا ہوا دشمن بھی پلٹ آیا اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا، اور مسلمان غیر متوقع صورت حال سے اس قدر سرا سیمہ ہوئے کہ ایک بڑا حصہ پراگندہ ہو کر بھاگ نکلا تاہم چند بہادر صحابہ ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے، اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اڑ گئی کہ نبی ﷺ شہید ہو گئے، اس خبر نے صحابہ کے رہے سبے حواس بھی گم کر دیئے اور باقی ماندہ لوگ بھی بہت کم رہ گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کے گرد صرف دس جاں نثار صحابہ رہ گئے تھے، اور آپ ﷺ خود زخمی ہو چکے تھے، شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی، لیکن عین وقت پر صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کو معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ زندہ سلامت ہیں چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کو سلامت پہاڑ کی طرف لے آئے۔ لیکن اس موقع پر یہ معمہ باقی رہا اور آج تک معمہ ہی ہے جو حل طلب ہے کہ وہ کیا چیز تھی کہ کفار مکہ خود بخود واپس ہو گئے؟ مسلمان اس قدر پراگندہ ہو چکے تھے کہ ان کا دوبارہ مجتمع ہو کر جنگ کرنا مشکل تھا اگر کفار اس فتح کو کمال تک پہنچانے پر اصرار کرتے تو بظاہر ان کی کامیابی بعید نہ تھی۔ مگر نہ معلوم وہ کس طرح آپ ہی آپ میدان چھوڑ کر بھاگے اور واپس چلے گئے؟

اِذْ هَمَّتْ طَافِئَتَانِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔ اس آیت میں اشارہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ کی طرف ہے ان دونوں قبیلوں کا تعلق اوس اور خزرج سے تھا۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ ایک طرف تین ہزار ہیں اور ہمارے صرف سات سو ہیں اور اسلحہ کے اعتبار سے بھی مسلمان، اہل مکہ کے مقابلہ میں نہتے جیسے تھے تو

مسلمانوں کے دل ٹوٹنے لگے تو اس وقت اللہ کے رسول ﷺ نے بذریعہ وحی یہ کلمات ارشاد فرمائے: مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا۔ حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہذا تم کو چاہئے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ (الایہ) مسلمان بدر کی جانب محض قریش کے قافلہ پر جو غیر مسلح تھا چھاپہ مارنے نکلا تھا اس لیے کہ قریش مکہ نے یہ طے کیا تھا کہ اس قافلہ کی تجارت سے جو آمدنی ہوگی وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری میں صرف کی جائے گی اسی غرض کے پیش نظر اہل مکہ نے اس قافلہ کی تجارت میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ لگانے کی کوشش کی تھی، اسی لیے مسلمانوں نے اس قافلہ پر چھاپہ مار کر پورا مال ضبط کرنے کی کوشش کی اور یہ جنگی اصول کے عین مطابق ہے اور موجودہ دور میں بھی یہی سب کچھ ہوتا ہے، بلکہ صرف بہانہ بنا کر لوگوں اور حکومتوں کے غیر جنگی سامان کو جنگی سامان بتا کر ضبط کر لیا جاتا ہے۔

غزوہ بدر کا خلاصہ اور اس کی اہمیت:

بدر، مدینہ منورہ سے جنوب مغرب میں تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر ایک کنویں کا نام ہے دراصل یہ کنواں بدر نامی ایک شخص کی ملکیت تھا اسی شخص کے نام سے اس کنویں کا نام بھی بدر ہو گیا، اس وقت اس کو اہمیت اس لیے حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی ساحل بحر احمر سے ایک منزل پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے یہ مقام شام، مدینہ اور مکہ کی سڑکوں کا ترابا تھا اور قریش کے تجارتی قافلے اسی راستہ سے آمد و رفت کرتے تھے۔ توحید اور شرک کے درمیان یہیں سے پہلا معرکہ ۱۷ رمضان بروز جمعہ ۲ھ مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۴ء کو پیش آیا تھا۔ اس غزوہ نے دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا۔ فرنگی مورخوں نے بھی اس کی اہمیت کا اقرار کیا ہے۔ ہسٹورینس ہسٹری آف دی ورلڈ میں ہے ”فتوحات اسلامی کے سلسلہ میں جنگ بدر انتہائی اہمیت رکھتی ہے“ جلد ۸ ص ۱۲۲ (ماجدی) اور امریکی پروفیسر ہٹی (HATTI) کی ”ہسٹری آف دی عربس“ میں ہے، یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مبین تھی۔ (ص ۱۱۷)

مشرکین مکہ کے لشکر کی تعداد اور ان کے مسلح ہونے کی صورت حال کو سکر مسلمانوں کی صفوں میں گھبراہٹ اور تشویش اور جوش کا ملا جلا رد عمل ہونا ایک قدرتی بات تھی اور ہوا بھی، اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعاء اور فریاد کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک ہزار فرشتے اتارے اور مزید کا یہ وعدہ کیا کہ اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہے تو فرشتوں کی یہ تعداد پانچ ہزار کر دی جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مشرکین کا جوش و غضب برقرار نہ رہ سکا اس لیے حسب بشارت تین ہزار فرشتے اتارے گئے اور پانچ ہزار کی تعداد پوری کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ مقدار پوری کی گئی فرشتوں کو نازل کرنے کا مقصد براہ راست لڑائی میں حصہ لینا نہیں تھا بلکہ محض حوصلہ افزائی مقصود تھی ورنہ اگر فرشتوں کے ذریعہ مشرکوں کو ہلاک کرانا ہوتا تو اتنے فرشتے نازل

کرنے کی ضرورت نہیں تھی ایک فرشتہ ہی سب کو ختم کر دیتا۔ ایک فرشتہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی پوری بستی کو تپس نہیں کر کے ہلاک کر دیا تھا، چونکہ یہ جہاد کا مسئلہ تھا اور جہاد انسانوں ہی کو کرنا ہوتا ہے کہ وہ اجر و ثواب کے مستحق ہو سکیں فرشتوں کا کام صرف ہمت افزائی اور حوصلہ بڑھانا تھا جو پورا ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً ۚ بِالْبَیِّنِ وَدُونِهَا بَانَ تَزِيدُوا فِي الْمَالِ عِنْدَ حُلُولِ الْأَجَلِ وَتُؤَخَّرُوا
الطَّلَبِ وَاتَّقُوا اللَّهَ يَتَزَكَّى لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۰﴾ تَفُوزُونَ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۳۱﴾ أَنْ تُعَذِّبُوا بِهَا
وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۲﴾ وَسَارِعُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ
أَي كَعَرْضِهَا لَوْ وَصَلَتْ إِحْدَاهُمَا بِالْآخَرَى وَالْعَرْضُ الْمُسْتَقِيمَةُ ﴿۳۳﴾ اللَّهُ بِعَمَلِ الطَّاعَاتِ وَتَرْكِ
الْمَعَاصِي الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي طَاعَةِ اللَّهِ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ أَي الْيُسْرِ وَالْعُسْرِ وَالْكُظُمِينَ الْغِيْظِ الْكَافِرِينَ عَنْ
ابْتِغَائِهِ مَعَ التُّدْرَةِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ بِمَنْ ظَلَمَهُمْ أَي التَّارِكِينَ عِقَابَهُ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۴﴾ بِمَهْدِهِ
الْأَفْعَالِ أَي يُشَبِّهُهُ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً ذَنَبًا فَبَيَّحًا كَالزَّنَا أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ بِمَادُونَهُ كَالْقُبْلَةِ ذَكَرُوا اللَّهَ أَي
وَعَيْنَهُ فَاسْتَغْفَرُوا وَإِلَهُهُمْ وَمَنْ أَى لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ثُمَّ يَصِرُوا لَا يُدِيمُوا عَلَى مَا فَعَلُوا بَلْ
أَقْلَعُوا عَنْهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۳۵﴾ أَنَّ الَّذِي اتَّوَعَّدُ بِغَضَبِهِ أُولَئِكَ جَزَاءُ هُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّةٌ
تَجْرَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلِدِينَ حَالٍ مُّقْدَرَةٍ أَي مُقَدَّرِينَ الْخُلُودَ فِيهَا إِذَا دَخَلُوهُ وَيَعْمَرُ أَجْرُ الْعَمَلِينَ ﴿۳۶﴾
بِالطَّاعَةِ بِذَا الْأَجْرِ وَنَزَلَ فِي بَزِيْمَةٍ أُحِدٍ قَدْ خَلَّتْ مَضَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ طَرَائِقُ فِي الْكُفَّارِ بِأَنَّهُمْ لَمْ يَكُنْ
أَخَذِيهِمْ فَيَسِيرُوا أَتَيْهَا الْمُؤْمِنُونَ فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۳۷﴾ الرُّسُلُ أَى الْخُرَافَاتِ بِهِنَّ
مِنَ الْهَلَاكِ فَلَا تَحْزَنُوا لِعَلَّتِيهِنَّ فَأَنَا أَنَاهِلُهُمْ لِيُوقِتِيهِنَّ هَذَا الْقُرْآنُ بَيَانٌ لِلنَّاسِ كُلِّهِمْ وَهُدًى بَيْنَ
الضَّلَالَةِ وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳۸﴾ مِنْهُمْ وَلَا تَهِنُوا تَضَعُوا عَنْ قِتَالِ الْكُفَّارِ وَلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا أَصَابَكُمْ بِأَحَدٍ
وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ بِالْغَلَبَةِ عَلَيْهِمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۳۹﴾ حَقًّا وَجَوَابًا دَلَّ عَلَيْهِ نَجْمُوعُ مَا قَبْلَهُ إِنْ يَتَمَسَّكُمْ
يُصِيبُكُمْ بِأَحَدٍ قَرَحٍ يَنْتَحِ الْقَافِ وَضَمَّهَا جَهْدٌ مِنْ جَرْحٍ وَنَحْوِهِ فَقَدِمَسَ الْقَوْمَ الْكُفَّارَ قَرَحٌ مِّثْلُهُ بِبَذَرٍ
وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا نَعْرِفُهَا بَيْنَ النَّاسِ يَوْمًا لِلْفِرْقَةِ وَيَوْمًا لِآخَرَى لِيَتَّبِعُوا وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ ظُهُورُ الَّذِينَ آمَنُوا
أَخْلَصُوا فِي إِيْمَانِهِمْ مِنْ غَيْرِهِمْ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ يُكْرِمُهُمْ بِالشَّهَادَةِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۴۰﴾
الْكَافِرِينَ أَى يُعَاقِبُهُمْ وَمَا يُنْعِمُ بِهِ عَلَيْهِمْ اسْتِزْرَاجٌ وَلِيُمَخِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا يُطَهِّرُكُمْ مِنَ الذُّنُوبِ
بِمَا يُحْسِنُ بِهِمْ وَيَمْحَقُ إِلَيْكَ الْكَافِرِينَ ﴿۴۱﴾ أَمْ بَلْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا لَمْ يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ
جَاهَدُوا مِنْكُمْ عَلَيْهِ ظُهُورٌ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۴۲﴾ فِي الشَّدَائِدِ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ فِيهِ حَذْفَ أَحَدٍ التَّائِينَ

فِی الْاٰخِلِ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۚ حَیْثُ قُلْتُمْ لَیْسَ لَنَا یَوْمَئِذٍ کَیْفُ مَبَدْرٍ لِّنَّالِ مَا نَالِ شَہِدَانَا ۚ فَقَدْ رَآیْتُمُوهُ اِی سَبَبُهُ وَبُؤِ الْحَرْبِ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِی بُصْرَاءُ تَتَّامِلُوْنَ الْحَالَ کَیْفَ ہِیَ اَنۡہِیۡزۡنَتۡہُ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ بڑھتا چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو (مُضَعَفَةً) الف اور بغیر الف دونوں طریقوں پر ہے۔ اس طور پر کہ مدت پوری ہونے پر مالی مطالبہ بڑھا دو۔ اور مطالبہ میں مہلت دے دو۔ (اکل ربا) کو ترک کر کے اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اس آگ سے ڈرو جو (اصالتہ) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے کہ تم کو اس میں عذاب دیا جائے اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو کہ جس کی وسعت زمین و آسمان ہیں (سَارِعُوا) میں قبل السین واو اور بدون واو دونوں (قراءتیں) ہیں۔ یعنی (جنت کی وسعت) ان دونوں کی وسعت کے مانند ہے اگر ایک دوسرے کے ساتھ ملا لیے جائیں، اور ”عرض“ کے معنی وسعت کے ہیں، عمل اطاعت اور ترک معاصی کر کے جو اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے یہ وہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگی (دونوں حالتوں) میں اللہ کی اطاعت میں خرچ کرتے ہیں، (یعنی فراخ دستی اور تنگ دستی میں خرچ کرتے ہیں) اور غصہ کو پی جانیوالے ہیں یعنی قدرت کے باوجود غصہ کو ضبط کرنے والے ہیں اور جن لوگوں نے ان پر ظلم کیا ہے ان کو درگزر کرنے والے ہیں یعنی اس کی سزا کو ترک کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان اعمال کے ذریعہ نیکوکاروں سے محبت کرنے والا ہے یعنی ان کو ثواب عطا کرنے والا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی ناشائستہ حرکت یعنی ناپسندیدہ برائی کر بیٹھتے ہیں، مثلاً زنا یا زنا سے کم مثلاً بوسہ کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یعنی اس کی وعید کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو معاف کر سکتا ہے؟ اور یہ لوگ اپنے کیے پر اڑ نہیں جاتے بلکہ اس سے باز آ جاتے ہیں حال یہ ہے کہ وہ اس کی (قباحت) کو جانتے ہیں کہ ان سے جو حرکت سرزد ہوئی ہے وہ گناہ ہے ایسے لوگوں کی جزاء ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے اور ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے جب ان میں داخل ہو جائیں گے (خلدین) حال مقدور ہے یعنی ان کے لیے ان باغوں میں رہنا مقدر کر دیا گیا ہے، اطاعت گزاروں کے لیے یہ بہترین اجر ہے اور شکست احد کے بارے میں (آئندہ آیت) نازل ہوئی، تم سے پہلے بھی کفار کو مہلت دینے اور پھر گرفت کرنے کے واقعات گزر چکے ہیں تو اے مومنو! زمین میں چلو پھرو اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کے انجام میں غور کرو یعنی ان کا انجام ہلاکت ہی ہوا۔ لہذا تم ان کے (وقتی) غلبہ سے کبیدہ خاطر نہ ہو میں ان کو (ان کی ہلاکت) کے وقت تک مہلت دے رہا ہوں۔ یہ قرآن تمام لوگوں کے لیے بیان ہے۔ اور ان میں سے پرہیزگاروں کے لیے گمراہی سے ہدایت اور نصیحت ہے اور نہ ہمت بارو یعنی کفار کے مقابلہ میں قتال میں کمزور نہ پڑو۔ اور احد میں جو کچھ تم کو پیش آیا اس سے غم زدہ نہ ہو اور اگر تم صحیح معنی میں مومن رہے تو ان پر فتح حاصل

کر کے تم ہی غالب رہو گے اور جواب شرط پر مجموعہ ماقبل یعنی (فسیروا ولا تنہنوا الخ) دلالت کرتا ہے یعنی اگر تم احد میں زخمی ہوئے (فَرَح) میں قاف کے فتح کے ساتھ اور اس کے ضمہ کے ساتھ۔ زخم وغیرہ کی تکلیف۔ تو بدر میں کفار کو بھی اسی قسم کا زخم لگ چکا ہے اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان الٹ پھیر کرتے رہتے ہیں (یعنی) اول بدل کرتے رہتے ہیں، ایک دن ایک فریق کے حق میں اور دوسرے دن دوسرے فریق کے حق میں، تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں۔ (شکست احد) اس لیے تھی کہ مخلص مومنوں کو دوسروں (غیر مخلصوں) سے ممتاز کر کے ظاہر کر دے اور تم میں سے بعض کو شہادت عطا فرمائے اور بذریعہ شہادت ان کو اعزاز بخشے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں یعنی کافروں سے محبت نہیں کرتا یعنی ان کو سزا دے گا۔ اور ان پر جو کچھ انعام کیا جاتا ہے وہ ڈھیل ہے۔ اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس تکلیف کے ذریعہ جو ان کو پہنچی گناہوں سے پاک و صاف کر دے اور کافروں کو ہلاک کر دے شاید تم اس خیال میں ہو کہ جنت میں داخل ہو گے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے تم میں سے علم ظہور کے طور پر ان لوگوں کو جانا نہیں کہ تم میں سے جہاد کرنے والے کون ہیں؟ اور تکالیف میں صبر کرنے والے کون ہیں؟ جنگ سے پہلے تو تم موت کی آرزو کر رہے تھے، اصل میں ایک تاء کو حذف کر کے۔ جب تم نے کہا تھا کہ کاش ہمارے لیے بھی یوم بدر کے مانند ہوتا تاکہ ہم بھی وہ حاصل کرتے جو شہداء بدر نے حاصل کیا سو تم موت کو یعنی اس کے سبب کو کہ وہ حرب ہے کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے یعنی شکست کے اسباب میں غور و فکر کر رہے تھے کہ یہ شکست کن اسباب کی وجہ سے ہوئی، یعنی تم کیوں شکست کھا گئے؟

تحقیق و ترکیب تسبیل و تفسیری فوائد

قَوْلًا: كَعَرَضِهِمَا، اس میں اشارہ ہے کہ حرف تشبیہ اور مضاف محذوف ہے۔

سُؤَالٌ: مضاف محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَابٌ: تاکہ جنت کی وسعت کی تشبیہ ارض و سموات کے ساتھ صحیح ہو جائے، اس لیے کہ عرض جنت مقولہ کم متصل یعنی مقدار سے ہے اور ارض و سموات مقولہ جو ہر سے ہے حالانکہ جواز تشبیہ کے لیے مقولہ کا متحد ہونا ضروری ہے، اور جب عرض محذوف مان لیا تو دونوں یعنی مشبہ اور مشبہ بہ مقولہ کم متصل سے ہو گئے۔ لہذا تشبیہ درست ہو گئی۔

قَوْلًا: بِمَادُونِهِ. اس حذف کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ عطف درست ہو جائے کیونکہ عطف کے لیے مغایرت ضروری ہے۔

قَوْلًا: اِی وَعِیْدِهِ اس اضافہ کا مقصد اس شبہ کا جواب ہے کہ اللہ کے ذکر سے استغفار ہی مراد لینا ضروری نہیں ہے۔

جَوَابٌ: ذکر سے مراد اس کی وعید کا ذکر ہے۔

قَوْلًا: حَال مَقْدَرَةٍ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ، حال کے لیے مقارنت یعنی حال اور ذوالحال کا زمانہ متحد ہونا ضروری ہے،

حالانکہ خلود نفس جزاء کے ثبوت کے بعد ہوگا۔

جواب: ان کے لیے خلود مقدر کر دیا گیا ہے۔

قَوْلٌ: وَجوابہ دَلَّ علیہ مجموع ماقبلہ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤال: اِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ شَرَطَ اِسْ كِیْ جِزَاءٍ اِگْ رَاقِبِلْ كَاجْمَلِہ فَسِیْرُوا فِی الْاَرْضِ الْخِ ہِے تَوِیہ دَرَسْتِ نِہِیْس ہِے اِس لَیْہِ كَ رَاقِبِلْ كَاجْمَلِہ فَسِیْرُوا فِی الْاَرْضِ سَے مَنہُوم ہِے۔

قَوْلٌ: لِيَتَّعِظُوا، یہ لفظ محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ لِيَتَّعِظُوا کا عطف محذوف پر ہے۔

قَوْلٌ: يَكْرِمُهُم بِالشَّهَادَةِ اِس میں اشارہ ہے کہ شہداء شہید کی جمع ہے نہ کہ شاہد کی،

قَوْلٌ: بَلْ، یعنی ام، بمعنی بل ہے۔ اِس میں اشارہ ہے کہ یہ اَمْ مَنقُطَع ہِے نہ کہ مَتَصِل کہ اِس کو عَدِیل (مَقَابِل) کی ضرورت ہو۔

قَوْلٌ: اِیْ بُصْرَاءُ۔

سُؤال: فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ كَے بَعْدِ اَنْتُمْ تَنْظُرُونَ كَہْنِے كَایَا مَطْلَب ہِے؟

جواب: پہلی رویت سے مراد رویت بصیری ہے، رَأَيْتُمُوهُ کی ضمیر مفعولی موت کی طرف راجع ہے مگر موت چونکہ نظر آنے والی چیز نہیں اس لیے سبب مضاف، محذوف مانا یعنی سبب موت، یعنی حرب کو دیکھ لیا اور اَنْتُمْ تَنْظُرُونَ سے صاحب بصیرت و علم و دانش ہونا مراد ہے لہذا معلوم ہو گیا کہ دونوں معنی الگ الگ ہیں۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا اِیْہِے كَلَامِ مَسْتَنَف ہِے بَیَانِ رِبَا كَے لَیْہِے لایَا گیا ہِے۔

قَوْلٌ: الْكَاطِمِينَ، یہ كَظَمَ کا اسم فاعل ہے، اِس كَے اَصْلِ مَعْنٰی مَشْكٌ وَغِیرِہ بَہْرُ كَر اِس كَا مَنہِ بِنْد كَرْنِے كَے ہِیں تَا كَہ اَنْدَر كِیْ جِزِہ بَاہْر نہ آسكے، یہ كَظَمَ الْقَرْبَہ سے ماخوذ ہے۔

التَّنْكِيتُ فِي التَّشْبِيهِ: اَنْ يَقْصِدَ الْمُتَكَلِّمُ اِلٰی شَيْءٍ بِالذِّكْرِ دُونَ غَيْرِهِ مِمَّا يَسُدُّ مَسَدَهُ لِأَجْلِ نُكْتَةٍ، وَإِذَا وَقَعَ فِي التَّشْبِيهِ فَقَدْ بَلَغَ الْغَايَةَ، وَهِيَ هُنَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: عَرْضَهَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ "فَقَدْ أَرَادَ وَصَفَهَا بِالسَّعَةِ فَحَصَّ عَرْضَهَا بِالذِّكْرِ دُونَ الطُّوْلِ، وَإِنَّمَا عَدَلَ عَنْ ذِكْرِ الطُّوْلِ لِأَنَّهُ مُسْتَقَرٌّ فِي الْأَذْهَانِ أَنَّ الطُّوْلَ، أَدَلُّ عَلَى السَّعَةِ فَإِذَا كَانَ عَرْضُهَا مِمَّا يَسَعُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ، فَمَا بِالْكَ بَطُولُهَا.

قَوْلٌ: لَا تَهِنُوا، تَمَّ سِتْ مَت ہُو جَاؤ، تَمَّ كَمْرُور مَت پڑ جَاؤ۔ وَهْنٌ، سَے فَعْل ہِے جَمْعِ مَذْكُور حَاضِر۔

قَوْلٌ: نُدَاوْ لَهَا، مُدَاوَلَتْ، سَے مُضَارِع جَمْعِ مُتَكَلِّم، ہِم اِس كَوَادِلْتِے بَدَلْتِے رَہْتِے ہِیں مَادِہ، دَوْلَہ۔

تَفْسِیْر و تَشْرِیْح

رابط : چونکہ غزوہٴ احد میں ناکامی کا بڑا سبب رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی اور عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو جانا تھا۔ اس لیے اللہ رب العزت نے اس حالت کی اصلاح کے لیے زر پرستی اور ناجائز طریقہ سے زراںدوزی کے سرچشمہ پر بند باندھنا ضروری سمجھا۔ اور حکم دیا کہ سود خوری سے باز آ جاؤ جس میں انسان رات دن اپنے نفع کے بڑھنے اور چڑھنے کا حساب لگا رہتا ہے اور جس کی وجہ سے انسان کے اندر مال کی حرص بے حد بڑھ جاتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا الرِّبَّوْا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً . اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً کی قید حرمت کے لیے بطور شرط کے نہیں ہے، بلکہ واقع کی رعایت کے طور پر ہے یعنی زمانہ جاہلیت میں ایسا کرتے تھے اس لیے اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً کی قید بیان واقعہ کے لیے ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ طریقہ رائج تھا کہ جب ادائیگی کی مدت آ جاتی اور ادائیگی ممکن نہ ہوتی تو مدت میں مزید اضافہ کے ساتھ سود میں بھی اضافہ ہوتا چلا جاتا۔ جس سے سود کی رقم بڑھ کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتی اور ایک عام آدمی کے لیے اس کی ادائیگی ناممکن ہو جاتی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس آگ سے ڈرو کہ جو درحقیقت کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے، اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ اگر تم سود خوری سے باز نہ آئے تو یہ سود خوری تم کو کفر تک پہنچا سکتی ہے کیوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محاربہ ہے۔

سود خوری کے نقصانات :

سود خوری جس سوسائٹی میں موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں ① سود لینے والوں میں حرص و طمع، بخل و خود غرضی اور ② سود دینے والوں میں نفرت اور غصہ اور بغض و حسد۔

انفاق فی سبیل اللہ کے فوائد :

سود خوری سے جو اوصاف فریقین میں پیدا ہوتے ہیں اس کے بالکل برعکس انفاق فی سبیل اللہ سے فیاضی، ہمدردی، فراخ دلی اور عالی ظرفی جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں، کون نہیں جانتا کہ ان دونوں صفات کے مجموعوں میں سے پہلا مجموعہ بدترین اور دوسرا مجموعہ بہترین ہے۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ (الآیۃ) مطلب یہ ہے کہ محض خوشحالی میں ہی نہیں، تنگ دستی کی حالت میں بھی خرچ کرتے ہیں یعنی ہر حال اور ہر موقع پر خرچ کرتے ہیں، اور انتقام پر قدرت ہونے کے باوجود زیادتی کو معاف کر دیتے ہیں اور غصہ کو ضبط کر جاتے ہیں۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً: یعنی جب ان سے بتقاضائے بشریت کسی غلطی یا گناہ کا صدور ہو جاتا ہے تو وہ فوراً استغفار کا اہتمام کرتے ہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ: یہ آیت غزوہ احد میں شکست کے بارے میں نازل ہوئی، غزوہ کی تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ: جب نبی کریم ﷺ کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی تو اکثر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمتیں جواب دے گئیں اس حالت میں منافقین نے (جو مسلمانوں کے ساتھ لگے ہوئے تھے) کہنا شروع کر دیا کہ چلو عبداللہ بن ابی کے پاس چلیں تاکہ وہ ہمارے لئے ابوسفیان سے امان دلادے، اور بعض نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ محمد (ﷺ) اگر خدا کے رسول ہوتے تو قتل کیسے ہوتے؟ چلو اب دین آبائی کی طرف لوٹ چلیں، ان ہی باتوں کے جواب میں ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم باری حق پرستی محض محمد ﷺ کی شخصیت سے وابستہ ہے تو اللہ کے دین کو تم باری ضرورت نہیں ہے۔

وَنَزَلَ فِي بُرَيْمَتِهِمْ لَمَّا اشْبَهَ أَنْ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُتِلَ وَقَالَ لَهُمُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ كَانَ قُتِلَ فَارْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ كُنْتُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ أَغْلَابًا رَجَعْتُمْ إِلَى الْكُفْرِ وَالْجَفَلَةِ الْأَخِيرَةِ مَحَلُ الْإِسْتِفْهَامِ الْإِنْكَارِ أَيْ مَا كَانَ مَعْبُودًا فَتَرْجِعُوا وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَى عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَإِنَّمَا يَضُرُّ نَفْسَهُ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّكِرِينَ ۝ نَعْمَ بِالْثَبَاتِ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ بِقَضَائِهِ كِتَابًا مَحْذُورًا أَيْ كَتَبَ اللَّهُ مُوَجَّلًا مُؤَقَّتًا لَا يَتَنَدَّمُ وَلَا يَتَأَخَّرُ فَلَمَّا انْهَزِمْتُمْ وَالْهَزِيمَةُ لَا تَدْفَعُ الْمَوْتَ وَالْثَبَاتُ لَا يَنْقُطُ الْحَيَاةُ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا أَيْ حِرَاءَ مِنْهَا نُؤْتِيهِ مِنْهَا مَا قَسَمَ لَكُمْ وَلَا حَظَّ لَكُمْ فِي الْآخِرَةِ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِيهِ مِنْهَا أَيْ بِسِوَاهَا وَسَنَجْزِي الشَّكِرِينَ ۝ وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيِّ قُتِلَ وَفِي قِرَاءَةِ قَاتِلٍ وَالْفَاعِلُ ضَمِيرُهُ مَعَهُ خَبَرٌ مُبْتَدَأٌ بِرَبِّيُونَ كَثِيرٌ جَمْعٌ كَثِيرَةٌ فَمَا وَهَنُوا جَبَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِنِ الْجِرَاحِ وَقَتْلِ أَنْبِيَائِهِمْ وَأَصْحَابِهِمْ وَمَا ضَعُفُوا عَنِ الْجِهَادِ وَمَا اسْتَكَانُوا خَضَعُوا لِإِعْدُوهُمْ كَمَا فَعَلْتُمْ حِينَ قُتِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ۝ عَلَى الْبَلَاءِ أَيْ يَنْشِبُهُمْ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ عِنْدَ قَتْلِ نَبِيِّهِمْ مَعَ ثَبَاتِهِمْ وَصَبْرِهِمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا تَجَاوَزْنَا الْحَدَّ فِي أَمْرِنَا إِذَا نَابَانَا مَا أَصَابَهُمْ لِنُسُوبِ فَعَلِيهِمْ وَبَعْضًا لِنَفْسِهِمْ وَثَبَّتْ أقدامنا بِالثَّوَّةِ عَلَى الْجِهَادِ وَأَنْصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ فَاتَّهَمُوا اللَّهَ ثَوَابَ الدُّنْيَا النُّخْرَ وَالْغَنِيمَةَ وَحَسَنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ أَيْ الْجَزَاءَ وَحَسَنَ التَّخْصُلِ فَوْقَ الْإِسْتِخْتِاقِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝

ترجمہ: اور آئندہ آیت صحابہ کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی جب یہ بات مشہور ہو گئی کہ محمد ﷺ شہید کر دیئے گئے، اور صحابہ (مخلصین) سے منافقین نے کہا اب جب کہ محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے تو اپنے (سابق) دین کی طرف پلٹ جاؤ۔ تو (وَمَا مُحَمَّدًا إِلَّا رَسُولُ الْخ) نازل ہوئی۔ اور محمد تو بس ایک رسول ہیں، اور ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں سو اگر یہ وفات پا جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اٹے پاؤں واپس چلے جاؤ گے؟ یعنی کفر کی طرف پلٹ جاؤ گے؟ اور آخری جملہ استفہام انکاری کے محل میں ہے۔ یعنی وہ معبود نہیں تھے (کہ اس کی موت کی وجہ سے) تم پلٹ جاؤ اور جو کوئی اٹے پاؤں (کفر کی طرف) پلٹ جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ بھی نقصان نہ کرے گا بلکہ خود اپنا نقصان کرے گا۔ اور اللہ عنقریب اس کی نعمتوں کے شکر گزاروں کو ثواب کی صورت میں اچھا صلہ دے گا۔ اور ممکن نہیں کہ کوئی جاندار مقررہ وقت پر قضائے الہی کے بغیر مر جائے (کتاباً) مصدر ہے یعنی اللہ نے موت کا وقت مقرر رکھ دیا ہے۔ موت نہ مقدم ہوتی ہے اور نہ مؤخر پھر تم کیوں ہمت ہار گئے؟ ہمت کا بارنا موت کو نہیں ٹال سکتا، اور ثابت قدمی حیات کو ختم نہیں کر سکتی، اور جو شخص اپنے عمل سے دنیا کا فائدہ چاہتا ہے۔ یعنی دنیا کا صلہ چاہتا ہے تو ہم اس میں سے جو اس کی قسمت میں ہوتا ہے اس کو دیدیتے ہیں اور جو آخرت کا نفع چاہتا ہے تو ہم اس کو اس کا ثواب دیں گے اور ہم عنقریب شکر گزاروں کو صلہ دیں گے اور کتنے ہی نبی قتل کیے جا چکے ہیں اور ایک قراءت قاتل ہے اور فاعل اس کی ضمیر ہے، کہ ان کے ہاتھ میں بہت سے اللہ والے تھے۔ مَعَهُ، خبر ہے اور ربیون کثیر، اس کا مبتدا ہے۔ بڑی جماعت۔

دوسرا ترجمہ: اور بہت سے نبیوں کے ہم رکاب ہو کر بہت سے اللہ والے جہاد کر چکے ہیں۔ جو کچھ انہیں زخم اور ان کے انبیاء و اصحاب کا قتل اللہ کی راہ میں پیش آیا۔ اس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ جہاد میں کمزور پڑے اور نہ وہ اپنے دشمن سے دبے جیسا کہ تم نے کیا جب مشہور ہو گیا کہ آپ ﷺ شہید کر دیئے گئے۔ اور اللہ تعالیٰ مصیبتوں پر صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے یعنی ان کو اجر دیتا ہے ان کے نبی کے قتل کے وقت ان کی ثابت قدمی اور صبر کے باوجود ان کی دعاء تو بس اتنی تھی کہ وہ دعاء کرتے رہے کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے معاملہ میں ہماری زیادتیوں یعنی ہمارے حد سے تجاوز کرنے کو معاف کر دے یہ ظاہر کرنے کے لیے جو کچھ ان کو پیش آیا ہے وہ ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ہے اور اپنی کس نفسی کو ظاہر کرنے کے لیے تھا۔ اور جہاد میں قوت دے کر ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر غلبہ عطا فرما سو اللہ نے ان کی دنیا کا بھی عوض دیا یعنی نصرت اور غنیمت، اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دیا۔ اور وہ جنت ہے، اور ثواب کا حسن، استحقاق سے بڑھ کر عطا کرنا ہے، اور اللہ نیکو کاروں سے محبت رکھتا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُنَا: الجملة الاخيرة محل الاستفهام الانكاري. مطلب یہ ہے کہ اَفَان مَاتَ، پر جو ہمزہ استفہام داخل ہے وہ دراصل اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ۔ پر داخل ہے اور یہی محل استفہام ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے ”اِنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ اِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ الْخ“ ای لا ینبغی منکم الانقلاب والارتداد لان محمداً ﷺ مبلّغ لا معبود۔ لہذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہوگا کہ موت اور قتل سے سوال کے کیا معنی؟

قَوْلُنَا: بقضائه، اذن کی تفسیر قضاء سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔
سُؤَال: مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ، سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی موت اس کے اختیار میں ہے اس لیے کہ موت کی نسبت نفس کی طرف کی گئی ہے۔

جَوَاب: اذن بمعنی قضاء ہے۔
قَوْلُنَا: مصدر، یعنی کتاباً مفعول کہ نہیں ہے اس لیے کہ مفعول لہ کی صورت میں معنی درست نہیں۔ کتاباً مفعول مطلق برائے تاکید ہونے کی وجہ سے منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ”كَتَبَ الْمَوْتُ كِتَاباً مُّؤَجَّلًا“ مؤجلاً کتاباً کی صفت ہے اور ابن عطیہ نے منصوب علی التمییز کہا ہے۔
قَوْلُنَا: جزاء۔ یہ ایک شبہ کا جواب ہے۔

شبہ: اس شبہ کا جواب ہے کہ ثواب کا اطلاق اجر دنیا پر نہیں ہوتا ثواب کا اطلاق تو آخرت پر ہوتا ہے۔
جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ ثواب بمعنی جزاء ہے جس کا اطلاق اجر آخرت اور صلہ دنیا دونوں پر ہوتا ہے۔ خاص بول کر عام مراد ہے۔

قَوْلُنَا: فیہا، کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ ثواب کی اضافت دنیا کی طرف اضافت مظروف الی الظرف ہے۔ لہذا یہ اعتراض ختم ہو گیا ہے کہ دنیا ثواب کا نہ فاعل ہے اور نہ مفعول لہذا ثواب کی اضافت دنیا کی طرف کیا معنی؟
نُوی: بعض نسخوں میں جزاء منہا کے بجائے جزاء فیہا ہے جو زیادہ صحیح ہے مذکورہ تشریح جزاء فیہا کے نسخہ کے مطابق کی گئی ہے۔

قَوْلُنَا: کَآئِنَ یہ دراصل اِیُّ تھا، اس پر کاف تشبیہ داخل کیا نون، نون تنوین ہے خلاف قیاس اس کو باقی رکھا ہے، کَآئِنَ بمعنی گم خبر یہ برائے تکثیر ہے۔

قَوْلُنَا: مَعَهُ، خبر مقدم ہے اور ربیون، مبتداء موخر ہے، مبتداء خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے۔

قَوْلُنَا: وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ اِلَّا اَنْ قَالُوا الْخ، قَوْلُهُمْ، کَانَ کی خبر مقدم اور اَنْ قَالُوا بتاویل مصدر ہو کر کَانَ کا اسم مؤخر

ہے، ابن کثیر اور عاصم رَحِمَهُمَا اللہُ تَعَالٰی نے ”قَوْلُهُمْ“ کو کان کے اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں ”اِنْ قَالُوا“ کان کی خبر ہوگی۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الْأَعْقَابُ: جمعُ عَقَبٍ، ایرٹھی، اُلٹے پاؤں واپس ہونا، راہِ فرار اختیار کرنا، قصر موصوف علی الصفت۔ فی اللغة: الحبس، وفی الاصلاح تخصیص احد الامرین علی الآخر ونفیہ عما عداہ۔ وهو یقع للموصوف علی الصفة وبالعکس، والآیة من النوع الاول، ای قصر الموصوف علی الصفة بالاضافة۔ یعنی محمد ﷺ صفت رسالت پر ہی مقصور ہیں موت کی طرف متعدی نہیں۔ صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ آپ کو بعید عن الہلاک سمجھتے تھے اور آپ کی جدائی کو امر عظیم سمجھتے تھے تو گویا کہ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ نے آپ کے لیے دو وصف ثابت کیے، الرسالة، وعدم الہلاک، پھر تخصیص کے ذریعہ وصف رسالت پر مقصور کر دیا۔

قَوْلُهُ: رَبِّیُّونَ۔ اللہ والے۔ خدا پرست، ہزاروں، جماعتیں، یہ ربی کی جمع ہے امام بخاری رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے اس کے معنی جماعتوں کے کیے ہیں۔ بقول قاضی بیضاوی رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی ربیۃ کی طرف بطور مبالغہ منسوب ہے جس کے معنی جماعت کے ہیں، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، مجاہد اور قتادہ نے ربیون کثیر، کے معنی جماعت کثیر، بیان کیے ہیں، صاحب جلالین نے بھی جموع کثیر، کہہ کر اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، کبھی کا قول ہے کہ ربیۃ دس ہزار کا ہوتا ہے۔

(لغات القرآن، ملخصاً)

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْح

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، محمد (ﷺ)، نام مبارک قرآن میں پہلی مرتبہ آیا ہے، اس کے لفظی معنی ہیں وہ شخص جس کی مدح بہت زیادہ یا بار بار کی جائے۔ یا جو صفات حسنہ کا مجموعہ ہو۔ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل اس نام کا رواج بہت کم تھا۔ علامہ ابو جعفر محمد بن حبیب بغدادی المتوفی ۲۴۵ھ نے کل سات آدمیوں کے نام گنائے ہیں۔ (کتاب المعبر، بحوالہ ماجدی) ان میں سے ایک شخص محمد بن سفیان بن مجاشع کی بابت لکھا ہے کہ اس کے والد نے ایک شامی راہب سے یہ سن کر کہ آئندہ پیغمبر کا نام محمد ہوگا یہ نام اپنے لڑکے کا رکھ دیا۔

کان سفیان اتی الشام فنزل علی راہب فاعحبته فصاحته وعقله فسأل الراہب عن نسبہ فانتسب له الی مُضَرَ فقال له أما انه یُبْعَثُ فی العرب نبی یقال له محمد فسمی سفیان ابنہ محمدًا۔ (ماجدی) محمد ﷺ صرف رسول ہیں، یعنی ان کا امتیاز یہی وصف رسالت ہی ہے یہ نہیں کہ وہ بشری خصائص سے بالاتر اور خدائی صفات سے متصف ہوں کہ انہیں موت سے دو چار ہونا نہ پڑے۔

جنگ احد کی شکست کے اسباب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کافروں نے یہ افواہ اڑادی کہ محمد قتل کر دیئے گئے۔ اس کی صورت یہ ہوئی کہ ابن قمیہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک پتھر مارا جس کی وجہ سے آپ کی رباعی مبارک (آگے کے چار دانت) شہید ہو گئے۔ اور قتل کرنے کے لیے آگے بڑھا تو مصعب بن عمیر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ کا دفاع کیا اور وہی صاحب الراہ (پرچم بردار) تھے ابن قمیہ نے حضرت مصعب بن عمیر کو شہید کر دیا اور وہ سمجھا کہ رسول اللہ ﷺ مقتول ہو گئے تو اس نے شور مچا دیا "قَتَلْتُ مُحَمَّدًا" اور کہا گیا ہے کہ شیطان نے شور مچا دیا کہ محمد قتل کر دیئے گئے۔ یہ خبر آنا فانا مشہور ہو گئی۔ اس خبر کو سن کر مسلمانوں میں بددلی اور کم ہمتی پیدا ہو گئی اور لڑائی سے پیچھے ہٹنے لگے۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی ﷺ کا کافروں کے ہاتھوں قتل ہو جانا یا ان کا موت سے دو چار ہو جانا کوئی نئی بات نہیں ہے پچھلے انبیاء بھی موت اور قتل سے دو چار ہو چکے ہیں، آپ ﷺ بھی بالفرض اگر اس سے دو چار ہو جائیں تو کیا تم اس دین ہی سے پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو جو پھر جائے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ نبی کریم ﷺ کے سانحہ وفات کے وقت جب حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ شدت جذبات میں وفات نبوی کا انکار کر رہے تھے تو حضرت ابو بکر صدیق رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے نہایت حکمت سے کام لے کر منبر رسول ﷺ کے پہلو میں کھڑے ہو کر انہی آیات کی تلاوت کی جس سے حضرت عمر رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ متاثر بھی ہوئے اور انہیں محسوس ہوا کہ یہ آیات ابھی ابھی نازل ہوئی ہیں۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (الآیۃ) یہ کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنے والوں کے حوصلوں میں اضافہ کرنے کے لیے کہا جاتا ہے کہ موت تو اپنے وقت پر آ کر ہی رہے گی، پھر بھاگنے یا بزدلی دکھانے سے کیا فائدہ؟ اسی طرح دنیا طلب کرنے سے بقدر قسمت تو دنیا مل جاتی ہے لیکن آخرت میں کچھ نہیں ملے گا، اس کے برعکس آخرت کے طالبوں کو آخرت میں اخروی نعمتیں تو ملیں گی ہی دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ انہیں نعمتیں عطا فرمائے گا۔ آگے مزید حوصلہ افزائی کے لیے پچھلے انبیاء رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور ان کے پیروکاروں کے صبر و استقامت کی مثالیں بیان فرمائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَمَآ يَأْمُرُوكُمْ بِهٖ يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ إِلَى الْكُفْرِ فَتَقْتُلُوا خَيْرِينَ ﴿١٩﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلَاكُمْ نَاصِرٌ كَمَا هُوَ خَيْرُ النَّصِيرِينَ ﴿٢٠﴾ فَاطِيعُوا ذُنُوبَهُمْ سَلَقَىٰ فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِسُكُونِ الْعَيْنِ وَضَمِّهَا الْخَوْفَ وَقَدْ عَزَمُوا بَعْدَ إِزْتِحَالِهِمْ مِنْ أَحَدٍ عَلَى الْعَوْدِ وَإِسْتِيْعَالِ الْمُسْلِمِينَ فَرُعِبُوا وَلَمْ يَزْجِعُوا بِمَا أَشْرَكُوا بِسَبَبِ إِشْرَاكِهِمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنْزَلْ بِهِ سُلْطَانٌ حُجَّةٌ عَلَىٰ عِبَادَتِهِ وَبُؤْسَ الْأَضْمَامِ وَمَا وَهُمْ النَّاسُ وَبُؤْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾ الْكَافِرِينَ هِيَ وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهُ أَيَّاكُمْ بِالنَّصْرِ إِذْ تَحْسَبُونَهُمْ تَقْتُلُونَهُمْ بِإِذْنِهِ يَارَادَهُ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ خَبِثَتْهُ عَنِ الْقِتَالِ وَتَنَازَعْتُمْ اخْتَلَفْتُمْ فِي الْأَمْرِ أَيْ أَمَرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَصَيْتُمْ أَمْرَهُ فَتَرَكْتُمْ الْمَرْكَزَ لِطَلَبِ الْغَنِيمَةِ مِنْ بَعْدِ مَا آرَاكُمْ اللّٰهُ مَا تَحِبُّونَ طِبْنَ النَّصْرِ

وَجَوَابُ إِذَا دَلَّ عَلَيْهِ نَاقِبَلَهُ أَيْ مَنَعَكَ نَصْرَهُ مِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا فَتَرَكَ الْمَرْكَزَ لِلْعَنِيْمَةِ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ فَثَبَّتَ بِهِ حَتَّى قُتِلَ كَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ جُبَيْرٍ وَأَصْحَابِهِ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَطْفًا عَلَى جَوَابِ إِذَا الْمُتَدَرِّدُ رَدَّكُمْ بِالْمَهْزِيْمَةِ عَنْهُمْ أَيْ الْكَفَّارَ لِيَبْتَلِيَكُمْ لِيَسْتَحْكَمَكُمْ فَيُظْهِرُ الْمُخْلِصَ بَيْنَ غَيْرِهِ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ مَا زِلْتُمْ تَكْتُمُوهُ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۷﴾ بِالْعَفْوِ أَذْكَرُوا إِذَا تَصْعَدُونَ تُبْعَدُونَ فِي الْأَرْضِ بِأَرْبَعِينَ وَلَا تَلَوْنَ تُعْرَجُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوَكُمْ فِي أَخْرَاكُمْ أَيْ بَيْنَ وَرَائِكُمْ يَقُولُ أَلَيْسَ عِبَادَ اللَّهِ إِلَى عِبَادِ اللَّهِ فَأَتَابَكُمْ فَجَارَاكُمْ غَمًّا بِالْمَهْزِيْمَةِ بِغَمٍّ بِسَبَبِ غَمِّكُمْ الرَّسُولُ بِالْمُخَالَفَةِ وَقِيلَ الْبَاءُ بِمَعْنَى عَلَى أَيْ مُضَاعَفًا عَلَى غَمٍّ فَوَيْتَ الْغَنِيْمَةِ لِكَيْلَا تُتَعَلَّقَ بِعَفَا أَوْ بِأَتَابِكُمْ فَلَا زَائِدَةَ تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ مِنَ الْغَنِيْمَةِ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ مِنَ الْقَتْلِ وَالْمَهْزِيْمَةِ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۵۸﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نَاعِلًا يَغْشَى الْبُلْبُلَ وَالشَّاءَ طَائِفَةً مِنْكُمْ وَبِهِ الْمُؤْمِنُونَ فَكَانُوا يَمِيدُونَ تَحْتَ الْخَجَفِ وَتَسْتَقُ السُّيُوفُ بَيْنَهُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَيْ حَمَلَتْهُمْ عَلَى السَّيْرِ فَلَا رَغْبَةَ لَهُمْ إِلَّا أَنْجَاتَهُمُ اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهِ فَلَمَّا يَنَامُوا وَابِهِ الْمُتَنَفِّثُونَ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ ظَنًّا غَيْرَ الظَّنِّ الْحَقِّ ظَنَّ أَيْ كَظَنِ الْجَاهِلِيَّةِ حَيْثُ اغْتَفَدُوا أَنَّ النَّبِيَّ قُتِلَ أَوْ لَا يُنْصَرُ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ أَيْ النَّصْرِ الَّذِي وَعَدَنَا مِنْ زَائِدَةٍ شَيْءٌ قُلْ لَهُمْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ بِالنَّصْبِ تَوْكِيدٌ أَوْ الِزْفِ مُبْتَدَأٌ خَبَرُهُ لِلَّهِ أَيْ التَّضَاءُّ لَهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ يُظْهِرُونَ لَكَ يَقُولُونَ بَيِّنَا لِمَا قَبْلَهُ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قَتَلْنَا هُنَا أَيْ لَوْ كَانَ الْإِخْتِيَارُ لِلنَّاسِ لَمَّا نَخْرُجْ فَلَمَّا قُتِلَ لَكِنْ أَخْرَجْنَا كَرْبًا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ وَفِينَكُمْ مَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْقَتْلَ لَبَرَزَ خَرَجَ الَّذِينَ كُتِبَ قُضِيَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ مِنْكُمْ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ مَحَارِبِهِمْ فَيَقْتُلُوا وَلَمْ يَنْجِهِمْ فَعُودُ بِيْهِ لِأَنَّ قَضَاءَ دُعَايِ كَائِنٍ لَا دُجَالَةَ وَفَعَلَ مَا فَعَلَ بِأَحَدٍ وَلِيَبْتَلِيَ يَخْتَبِرُ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ فِي قُلُوبِكُمْ مِنَ الْإِخْلَاصِ وَالنِّفَاقِ وَلِيَمَحِّصَ يَمَيِّرُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۵۹﴾ مَا فِي الْقُلُوبِ لَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ وَإِنَّمَا يَبْتَلِي لِيُظْهِرَ لِلنَّاسِ أَنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ عَنِ النَّيَالِ يَوْمَ التَّقَى الْجَمْعُ جَمْعُ الْكَافِرِينَ بِأَحَدٍ وَبِهِ الْمُتَسَلِّمُونَ الْآثَنِي عَشَرَ رَجُلًا إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِوَسْوَاسَةٍ بَعْضُ مَا كَسَبُوا مِنَ الذُّنُوبِ وَبِهِ مُخَالَفَةُ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۶۰﴾ لَا يَعْجَلْ عَلَى الْعُقَاةِ

تَرْجِمَةٌ: اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی باتیں مانو گے تو وہ تم کو تمہاری ایڑیوں کے بل کٹری طرف پٹا دیں گے

(یعنی مرتد بنادیں گے) اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے بلکہ اللہ ہی تمہارا مددگار ہے اور وہی تمہارا بہترین مددگار ہے لہذا اسی کی

اطاعت کرو نہ کہ دوسروں کی۔ ہم غنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے (رعب) عین کے سکون اور ضمہ کے ساتھ ہے یعنی خوف۔ اُحد سے پلٹنے کے بعد انہوں نے (احد) واپس آنے اور مسلمانوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا عزم کیا تھا مگر مرعوب ہو گئے جس کی وجہ سے واپس نہیں آئے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک کرنے کی وجہ سے جن کے بارے میں ان کی عبادت پر (اللہ نے) کوئی دلیل نہیں اتاری اور وہ بت ہیں۔ ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ اور ظالموں کافروں کا یہ برا ٹھکانہ ہے اور یقیناً اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جب کہ تم انہیں اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم نے قتال سے پست ہمتی دکھائی اور معاملہ میں اختلاف کرنے لگے یعنی پہاڑ کی گھاٹی میں نبی کریم ﷺ کے حکم کے مطابق تیر اندازی کے لیے رہنے کے بارے میں اختلاف کرنے لگے۔ چنانچہ بعض لوگوں نے کہا ہم جاتے ہیں اس لیے کہ ہمارے ساتھی کامیاب ہو گئے، اور بعض نے کہا ہم نبی کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اور تم نے نافرمانی کی، مال غنیمت کی طلب میں مرکز کو چھوڑ دیا۔ بعد اس کے کہ اللہ نے تم کو تمہاری محبوب چیز (یعنی) نصرت دکھادی اور جواب اذا (محذوف ہے) جس پر اس کا ماقبل دلالت کرتا ہے (اور وہ جواب) مَنَعَكُمْ نَصْرَهُ ہے تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے تو انہوں نے مال غنیمت کے لیے مرکز کو چھوڑ دیا۔ اور بعض کا ارادہ آخرت کا تھا تو وہ اس مقام پر ڈٹے رہے حتیٰ کہ شہید کر دیئے گئے جیسا کہ عبد اللہ بن جبیر اور ان کے ساتھی پھر تم کو کافروں سے شکست کے ساتھ پھیر دیا اذا کے جواب مقدّر (مَنَعَكُمْ نَصْرَهُ) پر عطف ہے، تاکہ تمہیں آزمائے جس کے نتیجے میں مخلص غیر مخلص سے ممتاز ہو جائے۔ اور بلاشبہ اللہ نے تمہارے جرم کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنین پر عفو و درگزر کے ذریعہ فضل کرنے والا ہے اس وقت کو یاد کرو کہ جب تم میدان سے بھاگے چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور (اللہ کے) رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے آواز دے رہے تھے فرما رہے تھے۔ اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ تو تمہیں غم پر غم پہنچا ایک غم ہزیمت کی وجہ سے (اور دوسرا) غم تمہارے رسول کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے اور کہا گیا ہے کہ باء، بمعنی علی، ہے یعنی فوت غنیمت پر مزید غم تاکہ تم رنجیدہ نہ ہو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی اور وہ مال غنیمت ہے اور نہ اس پر جو تم کو قتل و ہزیمت پیش آئی۔ (اس صورت میں) لَکِنَّا لَا تَعْلُقُ عَفَا عَنكُمْ، سے ہوگا۔ یا اس کا تعلق اَنَّا بَكْمُ سے ہے۔ تو اس صورت میں، لا، زائد ہوگا۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔ پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر راحت کی نیند نازل کی نَعَا سًا اَمْنَةً سے بدل ہے جو تم میں سے ایک جماعت پر چھا گئی یغشی یاء اور تاء کے ساتھ ہے اور وہ مومن تھے۔ کہ وہ (اپنی) ڈھالوں کے نیچے (نیند کے) جھونکے مار رہے تھے اور تلواریں (ان کے ہاتھوں) سے گر گر پڑتی تھیں۔ اور ایک جماعت وہ تھی کہ اسے اپنی جانوں کی پڑی تھی یعنی وہ غم میں مبتلا تھے انہیں تو صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی نہ نبی ﷺ کی پڑی تھی اور نہ اصحاب نبی کی، چنانچہ ان کو نیند نہیں آئی اور وہ منافق تھے، وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے بایں طور کہ انہوں نے یقین کر لیا تھا کہ نبی قتل کر دیئے گئے یا ان کی مدد نہ کی جائے گی۔ (اور) کہہ رہے تھے کہ جس نصرت کا ہم سے وعدہ کیا گیا تھا اس میں سے کچھ نہیں ہے (دوسرا ترجمہ) کہ ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے؟، من، زائد

ہے آپ کہہ دیجئے ان سے کہ اختیار تو سارا کا سارا اللہ کا ہے، کُلاً، نصب کے ساتھ تاکید کے لیے ہے اور رفع کے ساتھ مبتدا ہے جس کی خبر للہ ہے، یعنی حکم تو صرف اللہ کا ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید آپ کو نہیں بتاتے کہتے ہیں کہ یہ ماقبل کا بیان ہے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے۔ یعنی اگر ہم کو اختیار ہوتا (یعنی اگر ہماری بات چلتی) تو ہم (مدینہ) سے نہ نکلتے تو قتل بھی نہ کیے جاتے، لیکن ہم کو زبردستی یہاں لایا گیا، آپ ان سے کہہ دیجئے اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو تم میں سے جس کی قسمت میں قتل ہونا لکھا ہوا تھا تو وہ قتل کی طرف نکل کھڑے ہوتے، اور قتل کیے جاتے، (یعنی) تم میں سے اللہ نے جس کے قتل کا منصوبہ کر دیا، ان کا (گھروں) میں بیٹھ رہنا ان کو نہ بچا سکتا اس لیے کہ تقدیر الہی لا محالہ نافذ ہو کر رہتی ہے۔ اور اُحد میں اس کو جو کرنا تھا وہ کیا۔ (اور یہ سب اسی لیے ہوا) کہ اللہ تمہارے سینوں میں جو اخلاص و نفاق ہے اس کی آزمائش کرے اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے صاف کرے (ممتاز کرے) اور اللہ سینوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی دلوں میں جو کچھ ہے وہ اس سے مخفی نہیں۔ اور آزمائش تو صرف اس لیے ہے کہ لوگوں پر ظاہر کرے۔ یقیناً تم میں سے جو لوگ دونوں جماعتوں کے مقابلہ کے وقت اُحد میں قتال سے پھر گئے تھے (دونوں جماعتوں سے مراد) مسلمانوں اور کافروں کی جماعتیں ہیں اور بارہ افراد کے علاوہ سب مسلمان پلٹ گئے تھے۔ ان لوگوں کو ان کے بعض کرتوتوں کی وجہ سے شیطان نے وسوسے کے ذریعہ پھسلا دیا اور (وہ کرتوت) آپ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں یقیناً معاف کر دیا بلاشبہ اللہ تعالیٰ مومنین کو معاف کرنے والے اور حلیم ہیں (یعنی) نافرمانوں سے مواخذہ میں جلدی نہ کرنے والے ہیں۔

تَحْقِیْقُ وَتَرْکِیْبُ لِتَسْهِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: بسبب اشراکھم، اس میں اشارہ ہے کہ، بما، میں باسببہ اور ما مصدر یہ ہے، لہذا اس کو عائد کی ضرورت نہیں ہے۔

قَوْلًا: هِیَ، مخصوص بالذم ہے۔

قَوْلًا: تَحْسُوْنَهُمْ اِی تَقْتُلُوْنَهُمْ یَیْه حَسَّ یَحْسُّ (ن) سے مشتق ہے اس وقت بولتے ہیں جب حس کو باطل کر دے۔ اور حس قتل سے باطل ہوتی ہے ملزوم بول کر لازم مراد ہے۔ قال جریر۔

تَحْسُوْنَهُمُ السِّیُوفُ کَمَا تَسَامِی عَرِیْقُ النَّارِ فِی الْاَجْمِ الْحَصِیْدِ

قَوْلًا: جواب اذا، دل علیہ ماقبلہ، یعنی اذا کا جواب ماقبل میں مذکور نہیں ہے کہ جزا کا شرط پر مقدم ہونا لازم آئے بلکہ مقدر ہے جس پر ماقبل دلالت کرتا ہے اور وہ دال "لَقَدْ صَدَقَکُمُ اللّٰهُ" ہے اور مدلول جو کہ مقدر ہے ہے "مَنْعَکُمْ نَصْرًا" ہے جیسا کہ صاحب جلالین نے ظاہر فرما دیا ہے۔

قَوْلًا: عطف علی جواب اذا المقدر، اس عبارت کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ صَرَفَکُمْ، کا عطف اذا کے جواب مقدر پر ہے اس لیے کہ اس کا ماقبل مضارع ہے اور صَرَفَکُمْ، ماضی ہے لہذا ماقبل پر عطف نہیں ہو سکتا۔

قَوْلًا: مِنْ وَرَائِکُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ فی بمعنى مِنْ ہے۔

قَوْلًا: متعلق بعفا و باثابکم فلا زائدة اگر لکیلا کا تعلق عفا سے مانا جائے تو لانا ہیہ غیر زائدہ ہوگا۔ یعنی تم کو ہزیمت کے ذریعہ غم دیا تا کہ تم مال غنیمت کے فوت ہونے پر رنجیدہ نہ ہو۔

قَوْلًا: وَلَا مَا أَصَابَکُمْ، لازائدہ ہے۔ (جمل)

قَوْلًا: أَمَنَةً مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور نَعَّاسًا اس سے بدل ہے۔

قَوْلًا: الْجَحْفَ، بفتح حین، جُحْفَةً، کی جمع ہے، بمعنى ڈھال (سپر)۔

قَوْلًا: ظَنَّا غَيْرَ الظَّنِّ الْحَقِّ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ”غیر الحق“ محذوف کی صفت ہے جو کہ یُظَنُّ کا مفعول مطلق ہے۔ الظَّنُّ کو مقدر ماننے کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ غیر مفعول بہ نہیں ہے اس لیے کہ اگر اس سے مفعول بہ مراد ہوتا تو الظن کے بجائے الأمر یا الشئ مقدر مانا جاتا۔

قَوْلًا: اِیْ كَظَنِّ اس میں اشارہ ہے کہ ظن منصوب بنزع الخافض ہے۔

قَوْلًا: اَزَلَّہُمْ اس سے اشارہ کر دیا کہ استفعال بمعنى افعال ہے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

تُصْعِدُونَ، بضم التاء، (افعال) مضارع جمع مذکر حاضر۔ تم چڑھے چلے جا رہے تھے، تم دور جا رہے تھے، تَلَوْنَ، لئی، سے جمع مذکر حاضر اس کے صلہ میں جب علی، آتا ہے تو اس کے معنی دوسرے کی طرف مڑنا، متوجہ ہونا۔ فَلَانٌ لَا يَلْوِي عَلَى أَحَدٍ (فلاں کسی کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتا) سخت ہزیمت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ اِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلَوْنَ عَلَى أَحَدٍ۔ جب تم بھاگم بھاگ چلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے۔ یہ اسی سخت ہزیمت کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔

الکناية: فقد کنی بالمضاجع عن المصارع۔ یعنی خوابگاہ سے مقتل کی طرف کنایہ ہے۔

تَفْسِيرٌ وَتَشْرِیْحٌ

غزوہٴ اُحد میں مسلمانوں کو عارضی شکست اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کی افواہ گرم ہونے پر منافقین نے جب جنگ کا پانسہ پلٹتے دیکھا تو ان کو شرارت کا موقع مل گیا، مسلمانوں سے کہنے لگے کہ محمد اگر واقعی نبی ہوتے تو شکست کیوں کھاتے؟ یہ تو

دوسرے انسانوں کی طرح ایک معمولی انسان ہیں آج فتح ہے تو کل شکست، خدا کی جس نصرت و حمایت کا انہوں نے یقین دلارکھا تھا وہ محض ایک ڈھونگ تھا اور جب آپ ہی نہ رہے تو ہم اپنا دین ہی کیوں نہ اختیار کر لیں جس سے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں، ان باتوں سے منافقین کی خباثت اور ان کا مسلمانوں کا بدخواہ ہونا ظاہر ہے۔ اس لیے اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ ان دشمنوں کی بات پر کان نہ لگائیں ان کو اپنے کسی مشورہ میں شریک نہ کریں۔

پچھلی آیت میں اللہ والوں کا اتباع کرنے کی ہدایت تھی اس میں منافقین اور مخالفین اسلام کے مشورہ پر عمل نہ کرنے اور ان سے بچتے رہنے کی ہدایت ہے۔

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (الآية) دشمنانِ دین کے دلوں میں القاءِ رعب کی یہ واضح مثال تاریخ کے صفحات میں یوں محفوظ ہے کہ معرکہ اُحد میں جب آخری فتح بظاہر مشرکین مکہ کو ہو گئی تھی۔ اب قدرتی نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ وہ لوگ وہیں سے شہر مدینہ پر چڑھ دوڑتے، لیکن انہیں اس کی ہمت نہ پڑی، اور بلا کسی ظاہری سبب کے مکہ کی طرف واپس لوٹ گئے، پھر جب کچھ راستہ طے کر چکے تو اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگے کہ جب مسلمانوں کو شکست ہو ہی چکی تھی تو اس وقت وہاں سے واپس آنا کوئی دانشمندی نہیں تھی۔ اور پھر مدینہ منورہ کی طرف واپسی کا ارادہ کیا تو اللہ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ مدینہ کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔ کسی راہ گیر کو کچھ مال دے کر اس بات پر راضی کر لیا کہ تم مدینہ جا کر مسلمانوں کو ڈرا دو کہ وہ پھر لوٹ کر واپس آ رہے ہیں، یہاں یہ سارا واقعہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے تعاقب کے لیے مقام حراء الاسد تک پہنچے مگر وہ بھاگ چکے تھے یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا أَيُّ الْمُنَافِقِينَ وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ أَيُّ فِئَةٍ فِي شَأْنِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا سَفَرًا فِي الْأَرْضِ فَمَاتُوا أَوْ كَانُوا غَزَى جَمْع غَارَفْتُمْ لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا أَي لَا تَقُولُوا كَقَوْلِهِمْ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ الْقَوْلُ فِي عَاقِبَةِ أَمْرِهِمْ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَلَا يَمْنَعُ عَنِ الْمَوْتِ قُعُودُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَالٍ الْيَاءُ بَصِيرٌ ۝ فَيُجَازِيكُمْ بِهِ وَلَئِنْ لَمْ قَسِمَ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَي الْجِهَادِ أَوْ مِتُّمُ بِخَسَمِ الْجَنِيمِ وَكَسَرِ بَابِ مَاتَ يَمُوتُ أَي أَتَاكُمْ الْمَوْتُ فِيهِ لَمَغْفِرَةٌ كَائِنَةً مِّنَ اللَّهِ لِذُنُوبِكُمْ وَرَحْمَةٌ بِّنَهُ لَكُمْ عَلَى ذَلِكَ وَاللَّامُ وَمَدْخُولُهَا جَوَابُ التَّسْمِ وَيُسَوِّفِي مَوْضِعِ الْفِعْلِ مُبْتَدَأُ خَبَرِهِ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ بِنِ الدُّنْيَا بَالٍ الْيَاءُ وَلَئِنْ لَمْ قَسِمَ مُتُّمُ بِالْوَجْهِينِ أَوْ قُتِلْتُمْ فِي الْجِهَادِ أَوْ غَيْرِهِ لَا إِلَى اللَّهِ لَا إِلَهَ غَيْرُهُ تَحْشُرُونَ ۝ فِي الْآخِرَةِ فَيُجَازِيكُمْ فِيمَا مَازَانِدَةُ رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لَنْتَ يَا مُحَمَّدُ لَهُمْ أَي سَهِّلْتَ أَخْلَاقَكَ إِذَا خَالَفُوكَ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا سَيِّئَ الْخُلُقِ عَلِيْظُ الْقَلْبِ جَافِيًا فَاعْلَظْتَ لَهُمْ لِأَنْفُسُوا تَفَرَّقُوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ تَجَاوَزْ عَنْهُمْ مَا اتَّوَدَّ وَاسْتَغْفِرَ لَهُمْ ذُنُوبَهُمْ حَتَّى أَغْفِرَ لَهُمْ وَشَاوَرَهُمْ اسْتَخْرَجَ آراءَهُمْ فِي الْأَمْرِ أَي شَأْنِكَ مِنَ الْحَرْبِ وَغَيْرِهِ تَطْيِينًا لِّقُلُوبِهِمْ وَلَيْسَتْ بَكَ وَكَانَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

كثير المشاورة لهنه فَاذَاعَزَمْتَ عَلَىٰ انشاء ما تريد بعد المشاورة فتوكل على الله ثقی به لا بالمُشاورة
 إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿٥٨﴾ عَلَيْهِ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ عَلَىٰ عَدُوِّكُمْ كَيْفَ يَذِرَ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَأَنْ يَخْذُكُمْ يَتْرُكْ
 نَصْرَكُمْ كَيْفَ يَوْمَ أَحَدٍ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ إِي بَعْدَ خُذْ لَا يَهْدِي إِي لَا نَاصِرَ لَكُمْ وَعَلَى اللَّهِ لَا غَيْرُهُ
 فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾ وَنَزَلَ لِمَا فَتَدَتْ قُصَيْفَةُ حَمْرَاءُ يَوْمَ يَذِرُ فَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَعَلَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَنَا وَمَا كَانَ يَنْبَغِي لِنَبِيِّ أَنْ يَغْلَّ يَخُونُ فِي الْغَنِيمَةِ فَلَا تَطْنُوَاهُ ذَلِكَ وَفِي قِرَاءَةِ بِالْجَنَاءِ
 الْمَنْعُولِ إِي يُنسَبُ إِلَى الْمَنْعُولِ وَمَنْ يَغْلُ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ حَابِلًا لَهُ عَلَىٰ عُنْتِهِ ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ
 الْغَالِ وَغَيْرُهُ جَزَاءً مَا كَسَبَتْ عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٠﴾ شَيْئًا أَفَمِنْ اتَّبَعَ رِضْوَانُ اللَّهِ فَاسْطَاعَ وَلَمْ يَغْلِ
 كَمْ بَاءَ رَجَعَ بِسَخَطٍ مِنَ اللَّهِ بِمَعْصِيَتِهِ وَغُلُوِّهِ وَمَا وَهْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٦١﴾ الْمَرْجِعُ بِي لَا هُمْ دَرَجَتٌ
 إِي أَصْحَابُ دَرَجَتٍ عِنْدَ اللَّهِ إِي مُخْتَلِفُوا الْمَنَازِلَ فَلِمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ الثَّوَابُ وَلِمَنْ بَاءَ بِسَخَطِهِ الْعِقَابُ
 وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ فَيُجَازِيهِمْ بِهِ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ إِي غَرِيبٌ
 بِثَلَاثَةِ لَيْفَةٍ مَوَافَقُهُ وَيُشْرَفُوا بِهِ لَدُنْكَ وَلَا عَجَبًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ الْقُرْآنَ وَيُزَكِّيهِمْ يُطَهِّرُهُمْ مِنَ الذُّنُوبِ
 وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ الْقُرْآنَ وَالْحِكْمَةَ السُّنَّةَ وَإِنْ يُخَفِّفْهُ إِي أَنْهُمْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ إِي قَبْلَ بَعْثِهِ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿٦٣﴾
 بَيْنَ أَوْلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ بِأَحَدٍ بِقَتْلِ سَبْعِينَ مِنْكُمْ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَهَا بِبَذْرِ سَبْعِينَ وَأَسْرَ سَبْعِينَ
 مِنْهُمْ قُلْتُمْ مُتَعَجِّبِينَ إِي مَنْ آتَيْنَا هَذَا الْخُذْلَانَ وَنَحْنُ مُسْلِمُونَ وَرَسُولُ اللَّهِ فِينَا وَالْجُمْلَةُ الْآخِرَةُ فِي
 مَحَلِّ الْأَسْتِفْهَامِ الْإِنْكَارِ قُلْ لَهُمْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ لَا تَكُنْ تَرَكْتُمُ الْمَرْكَزَ فَخَدَلْتُمْ
 إِنْ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٦٤﴾ وَمِنْهُ النَّصْرُ وَمَنْعُهُ وَقَدْ جَازَاكُمْ بِخِلَافِكُمْ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقَى الْجَمْعُ
 بِأَحَدٍ فَيَاذَنْ اللَّهَ بِإِرَادَتِهِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ ظُهُورُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٥﴾ حَقًّا وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا الَّذِينَ وَقِيلَ لَهُمْ لِمَا
 انْصَرَفُوا عَنِ الْقِتَالِ وَبِهِ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي وَأَصْحَابُهُ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَغْدَاءُ أَوْادِفَعُوا عَنْ الْقَوْمِ
 بِكَثِيرٍ سَوَادِكُمْ أَنْ لَمْ تَقَاتِلُوا قَالُوا لَوْ عَلِمْنَا نَجَسٌ قِتَالًا لَا تَبْعَنَكُمْ قَالَ تَعَالَى تَكْذِيبًا لَهُ
 هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمٌ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ بِمَا أَظْهَرُوا مِنْ خُذْلَانِهِ لِلْمُؤْمِنِينَ وَكَانُوا قَبْلَ اقْرَبَ إِلَى الْإِيمَانِ
 مِنْ حَيْثُ الظَّاهِرِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَلَوْ عَلِمُوا قِتَالًا لَمْ يَتَّبِعُوا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿٦٦﴾
 مِنَ النِّفَاقِ الَّذِينَ بَدَلُوا مِنَ الَّذِينَ قَبْلَهُ أَوْ نَعَتْ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ فِي الدِّينِ وَ قَدْ قَعَدُوا عَنْ
 الْجِهَادِ لَوَاطِعُونَا إِي شُهَدَاءُ أَحَدٍ أَوْ إِخْوَانُنَا فِي الشُّعُودِ مَا قَاتِلُوا قُلْ لَهُمْ فَادْرَعُوا أَدْفَعُوا عَنْ
 أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿٦٧﴾ فِي أَنَّ الشُّعُودَ يُنْجِي مِنْهُ وَنَزَلَ فِي الشُّهَدَاءِ وَالْأَحْسَبِينَ الَّذِينَ قَاتِلُوا
 بِالتَّخَفُّيفِ وَالتَّشْدِيدِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِي لِأَجْلِ دِينِهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ أَرْوَاحُهُمْ فِي حَوَاصِلِ

صُيُورٍ خُضِرٍ تَسْرُخُ فِي الْجَنَّةِ حَيْثُ شَاءَتْ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ يُرْمَى قُوْنٌ ﴿٧٦﴾ يَأْكُلُونَ مِنْ ثَمَارِ الْجَنَّةِ فَرِحِينَ حَالٍ مِنْ ضَمِيرٍ يُرْزَقُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَبِهِ يَسْتَبْشِرُونَ يَفْرَحُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ مِنْ اخْوَانِهِمُ الْمُؤْمِنِينَ وَيُبَدِّلُ مِنَ الَّذِينَ اِنْ اِى بَانَ الْاَخَوُفُّ عَلَيْهِمْ اِى الَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ مِنْ اخْوَانِهِمُ الْمُؤْمِنِينَ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٧٧﴾ فِي الْاٰخِرَةِ الْمَعْنَى يَفْرَحُونَ بِأَنَّهُمْ وَفَرِحَ بِهِمْ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ ثَوَابٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ زِيَادَةٍ عَلَيْهِ وَأَنَّ بِالْفَتْحِ غَطًّا عَلَى نِعْمَةٍ وَالْكَسْرِ اسْتِيفَانًا اللَّهُ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٨﴾ بَلْ يَأْخُزْنَهُ.

ترجمہ:

اے ایمان والو! تم ان کافروں منافقوں کی سی باتیں نہ کرو جو اپنے بھائیوں کے بارے میں جب کہ وہ سفر میں ہوتے ہیں اور انتقال کر جاتے ہیں یا کہیں جہاد میں جاتے ہیں اور مقتول ہو جاتے ہیں۔ عَزَّی، غازی کی جمع ہے۔ کہتے ہیں اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے یعنی ان کے جیسی بات مت کہو (یہ بات اس لیے ان کی زبان پر آئی تھی) تاکہ اللہ تعالیٰ اسے (یعنی) اس بات کو آخر کار ان کے دلوں میں سبب حسرت بنا دے۔ اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے۔ لہذا گھروں میں بیٹھ رہنا ان کو موت سے نہیں بچا سکتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا ہے تو اس کی وہ تم کو جزاء دے گا۔ تاء اور یاء کے ساتھ اگر تم اللہ کے راستہ یعنی جہاد میں مارے جاؤ یا مرجاؤ میم کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ (اول) مات یموت سے اور (دوسرا) مات یمات (س) سے ہے یعنی تم کو اس میں موت آجائے، تو تمہارے گناہوں کے لیے اللہ کی مغفرت اور اس پر اس کی رحمت کہیں بہتر ہے۔ اس دنیا سے جس کو تم جمع کر رہے ہو تاء اور یاء کے ساتھ، لام اور اس کا مدخول جواب قسم ہے، اور وہ مقام فعل میں مبتداء ہے اور اس کی خبر (خَيْرٌ مِّمَّا تَجْمَعُونَ) ہے اور اگر تم مرجاؤ یا جہاد وغیرہ میں مارے جاؤ (لَئِنْ) میں لام دونوں صورتوں میں قسمیہ ہے۔ تو تم ضرور اللہ ہی کی طرف نہ کہ کسی اور کی طرف آخرت میں جمع کیے جاؤ گے، سو وہ تم کو جزاء دے گا۔ سوائے محمد ﷺ اللہ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں۔ ما، زائدہ ہے اور اگر آپ بد زبان اور تند خوشک مزاج ہوتے اور ان پر سختی کرتے تو وہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے، لہذا آپ ان سے (یوم أحد) میں جو کچھ (کو تا ہی) ہوئی اس سے درگزر کیجئے۔ اور ان کے گناہوں کے لیے مغفرت طلب کیجئے۔ تاکہ میں ان کی مغفرت کروں اور جنگ وغیرہ کے معاملات میں ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے ان سے ان کی دل جوئی کے لیے مشورہ کیجئے اور اس لیے تاکہ آپ کی سنت قائم ہو جائے اور آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب سے بکثرت مشورہ فرمایا کرتے تھے، اور جب آپ مشورہ کے بعد کسی کام کے کرنے کا پختہ عزم کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ نہ کہ مشاورت پر۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور اگر اللہ دشمن کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے جیسی کہ یوم بدر میں کی۔ تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے یعنی تمہاری مدد ترک کر دے۔ جیسا کہ یوم أحد میں ہوا۔ تو پھر کون ہے جو اس کے علاوہ تمہاری مدد کرے یعنی اس کے چھوڑنے

کے بعد، یعنی تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے اور جب یوم بدر میں ایک ترخ چادر گم ہوگئی تو بعض نے کہا شاید نبی ﷺ نے لے لی ہوگی۔ اور نبی کی شان نہیں کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے لہذا آپ اس کے بارے میں ایسا گمان مت کرو اور ایک قراءت میں مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے، یعنی خیانت کی جانب نسبت کی جائے، اور جو کوئی خیانت کرے گا تو وہ خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا اور ہر خائن اور غیر خائن نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائے گا کیا جو شخص رضائے الہی کا تابع ہو کہ اس نے اطاعت کی اور خیانت نہیں کی۔ بھلا وہ اس جیسا ہو جائے گا جو معصیت اور خیانت کی وجہ سے اللہ کا غضب لے کر لوٹتا ہے؟ نہیں، اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے اور اللہ کے نزدیک دونوں قسم کے لوگوں میں بدر جہا فرق ہے۔ یعنی ان کے مختلف درجے ہوں گے۔ لہذا جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہوگا اس کے لیے ثواب ہوگا، اور جو اس کا غصہ لے کر لوٹے گا وہ مستحق عذاب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے عملوں کو دیکھتے ہیں، لہذا ان کے اعمال کا ان کو بدلہ دیں گے حقیقت میں اللہ نے مومنین پر (بڑا) احسان کیا کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا، یعنی ان کے جیسا عربی۔ تاکہ اس کی بات سمجھیں اور اس سے شرف حاصل کریں۔ نہ کہ فرشتہ اور غیر عربی۔ جو ان کو آیتیں قرآن پڑھ کر سناتا ہے، اور انہیں گناہوں سے پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب قرآن اور حکمت سنت کی تعلیم دیتا ہے اور یقیناً اس سے (یعنی) اس کی بعثت سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں تھے اور جب اُحد میں تمہیں ایسی تکلیف پہنچی کہ تمہارے ستر آدمی مقتول ہو گئے۔ جس کی دو چند تکلیف (فریق مقابل کو) بدر میں ستر کو قتل کر کے اور ستر کو قید کر کے پہنچا چکے تھے۔ تو تم تعجب سے کہنے لگے، یہ کہاں سے آگئی؟ حالانکہ اللہ کا رسول ہمارے اندر موجود ہے آپ کہہ دیجئے یہ خود تمہاری طرف سے ہے اس لیے کہ تم نے مرکز کو چھوڑ دیا جس کی وجہ سے تم شکست کھا گئے۔ آخری جملہ استفہام انکاری کے محل میں ہے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور مصیبت تم پر اس دن پڑی جس دن اُحد میں دو جماعتیں باہم مقابل ہوئیں سو وہ اللہ کی مشیت سے ہوئیں۔ اور اس لیے تاکہ اللہ مومنین کو علم ظہور کے طور پر جان لے اور تاکہ منافقین کو جان لے جن سے کہا گیا جب وہ قتال سے پھر گئے اور وہ عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھی تھے آؤ اللہ کی راہ میں اس کے دشمنوں سے لڑو یا اگر تم نہیں لڑ سکتے تو کافروں کو ہم سے اپنی تعداد بڑھا کر ہٹاؤ تو وہ بولے اگر ہم کوئی (ڈھنگ) کی جنگ دیکھتے تو ضرور ہم تمہارا ساتھ دیتے اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا یہ لوگ اس روز ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب ہو گئے اس سبب سے کہ انہوں نے مومنین کے لیے اپنی بزدلی ظاہر کر دی اور اس سے پہلے وہ بظاہر ایمان کے قریب تھے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں اور اگر انہیں قتال کا علم ہوتا تو تمہارے ساتھ نہ آتے اور جو نفاق یہ لوگ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے دینی بھائیوں سے کہا حال یہ کہ وہ خود بھی جہاد سے بیٹھے رہے اور اگر شہداء احدا ہمارے بھائی ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ آپ ان سے کہہ دیجئے اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ جنگ سے بیٹھ رہنا موت سے بچا سکتا ہے تو خود کو موت سے بچالو اور (آئندہ آیت) شہدائے اُحد

کے بارے میں نازل ہوئی، جو لوگ راہِ خدا میں دین کے لیے مارے گئے۔ تم ان کو ہرگز مردہ خیال مت کرو (قتلوا) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ان کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پوٹوں میں جہاں چاہتی ہیں جنت میں سیر کرتی ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، ان کو ان کے رب کے پاس رزق دیا جاتا ہے جنت کے پھل کھاتے ہیں۔ حال یہ کہ وہ ان (نعمتوں) سے خوش ہیں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطاء کی ہیں (فَرِحْنِ) یرزقون کی ضمیر سے حال ہے۔ اور ان کی بابت کہ ان کے مومن بھائیوں میں سے بعد والے جواب بھی تک ان سے نہیں ملے ہیں خوشی منار ہے ہیں اس پر کہ انہیں (یعنی) جواب بھی ان سے جا کر نہیں ملے ہیں۔ نہ کوئی خوف ہے اور نہ آخرت میں وہ غم زدہ ہوں گے اور اللذین سے اَنَّ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ بدل ہے۔ وہ ان کے امن اور ان کی مسرت سے خوش ہیں وہ لوگ اللہ کے انعام ثواب اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں۔ اور اس پر کہ اللہ مومنین کے اجر کو ضائع نہ کرے گا (اَنَّ) فتح کے ساتھ ہے نعمة پر عطف کرتے ہوئے اور کسرہ کے ساتھ استیناف ہے۔ بلکہ ان کو اجر عطا کرے گا۔

حَقِیْقِیْ وَتَرْکِیْبِیْ لِتَسْبِیْلِیْ تَفْسِیْرِیْ فَوَائِدُ

قَوْلًا: فی شانہم، اس میں اشارہ ہے کہ لام معنی فی ہے۔

قَوْلًا: فی عَاقِبَةِ اَمْرِہِمَا، اس میں اشارہ ہے کہ لِيَجْعَلَ، میں لام، لام عاقبت ہے۔

قَوْلًا: کَائِنَہُ، کائنۃ مقدر مان کر ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سُؤَالٌ: لَمَغْفِرَةٍ، اپنے معطوف وَرَحْمَةٍ سے مل کر مبتدا ہے حالانکہ اس کے نکرہ ہونے کی وجہ سے مبتدا بننا درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: نکرہ جب موصوف بالصفہ ہو تو اس کا مبتدا بننا درست ہوتا ہے یہاں پر مِنَ اللّٰہِ جار مجرور سے مل کر کائنۃ کے متعلق ہو کر مغفرت کی صفت ہے لہذا مَغْفِرَةٌ کا مبتدا بننا درست ہے۔ اور خَيْرٌ، اس کی خبر ہے اور لَمَغْفِرَةٍ اپنی خبر سے مل

جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے۔

قَوْلًا: وَهُوَ فِی مَوْضِعِ الْفِعْلِ هُوَ کا مرجع لَمَغْفِرَةٍ ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، وَاللّٰہُ لِنِّیْ قُتِلْتُمْ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ

لَغَفَرْتُ لَكُمْ وَرَحِمْتُكُمْ، جواب شرط محذوف ہے۔ اس لیے کہ مشہور قاعدہ ہے کہ قسم اور شرط جب جمع ہو جائیں تو مذکور، مقدم

کا جواب ہوتا ہے اور مؤخر کا جواب محذوف ہوتا ہے، اسی قاعدہ کی رو سے، لَمَغْفِرَةِ النِّحْ، جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف

ہے جس پر جواب قسم دلالت کر رہا ہے۔

ملحوظہ: مفسر علام کا وَهُوَ فِی مَوْضِعِ الْفِعْلِ، کہنا محل تامل ہے اس لیے کہ اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ جواب قسم

کے لیے فعل ہونا ضروری ہے حالانکہ اسم اور فعل دونوں جواب قسم واقع ہوتے ہیں فتا مل۔

قَوْلٌ: من الدنيا، یہ اشارہ ہے کہ بِمَا يَعْلَمُونَ، میں ما، موصولہ ہے اور يَعْلَمُونَ جملہ ہو کر صلہ ہے اور مِنْهُ، عائد محذوف ہے۔
قَوْلٌ: بوجهین یعنی مُتَّم، بالضممة والكسرة۔

قَوْلٌ: زائدة للتأكيد، مَا، کوزائدہ قرار دینے کی دو وجہ ہیں اول یہ کہ مَا، یہاں نہ موصولہ ہو سکتا ہے اور نہ شرطیہ اور نہ نافیہ اور نہ موصوفہ اور نہ مصدر یہ اس لیے کہ یہاں ان میں سے کوئی بھی معنی درست نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر مَا، کوزائدہ قرار نہ دیا جائے تو حرف کا حرف پر داخل ہونا لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہیں۔

قَوْلٌ: أَصْحَابُ الدَّرَجَاتِ، اصحاب، مقدر مانا ہے تاکہ حمل درست ہو سکے۔

قَوْلٌ: بَيِّنٌ، مُبَيِّنٌ کی تفسیر بَيِّن سے کر کے اشارہ کر دیا کہ متعدی بمعنی لازم ہے۔

قَوْلٌ: الجملة الاخيرة۔ اِی قُلْتُمْ اَنِّی لَنَا هَذَا۔

قَوْلٌ: وَقَدْ قَعَدُوا، قَعَدُوا، قالوا کی ضمیر سے حال ہے۔ اور ماضی بغیر قد کے حال نہیں ہو سکتا اس لیے مفسر علام نے قد مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ قَعَدُوا بتقدیر قد، حال ہے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الضرب فی الارض۔ اِی السَّفَر۔ ضَرَبُوا فِی الْاَرْضِ، اِی سافروا فیہا۔ غَزَى، خلاف قیاس غَاَزِ کی جمع ہے، اور قیاس غَزَاةٌ تھاروزن رُمَاةٌ۔

حکایة حال الماضیة۔ اِذَا ضَرَبُوا فِی الْاَرْضِ، ضربوا فعل ماضی ہے مناسب تھا کہ اِذَا کے بجائے اِذْ، لاتے اس لیے کہ اِذَا ماضی کے لیے آتا ہے۔ مگر حکایت حال صیغہ کے طور پر اِذَا لائے ہیں، تاکہ حال، ماضی کا ذہن میں استحضار ہو جائے۔
طباق: يُخِي وَيُمِيت۔ لام صَيْرُورَت۔ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ مِیْن لَام صِیْرُورَت کے لیے ہے جس کو لام عاقبت بھی کہتے ہیں۔ یہ لام انجام اور مالِ شئی پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے بعد اُن مقدر ہونے میں لام تعلیل کے مانند ہے۔ غُلٌّ کسی چیز کو خفیہ و خیانت لینا، غُلٌّ بالضم خیانت، بالکسر کینہ جو، یَقَالُ۔ يَدُ الْمُؤْمِنِينَ لَا يَغُلُّ وَقَلْبُ الْمُؤْمِنِ لَا يَغُلُّ بِالْكَسْرِ، یعنی مؤمن کا ہاتھ خیانت نہیں کرتا اور نہ مؤمن کا قلب حسد اور کینہ کرتا ہے۔

تشبیہ بلیغ: هُمْ دَرَجَاتٌ، درجات کو اصحاب درجات کا عین قرار دیا ہے، یہ عین تشبیہ بلیغ کے طور پر ہے، اس میں مبالغہ زیادہ ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا (الآية) اہل ایمان کو فسادِ عقیدہ سے روکا جا رہا ہے جس کے حامل کفار اور منافقین تھے کیوں کہ یہ عقیدہ ہزدلی کی بنیاد ہے اس کے برعکس جب یہ عقیدہ ہو کہ موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں ہے نیز یہ کہ

موت کا ایک وقت مقرر ہے تو اس سے انسان کے اندر عزم و حوصلہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
یعنی یہ باتیں جو کفار و منافقین کرتے ہیں حقیقت پر مبنی نہیں ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قضائے الہی کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔ مگر جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور سب کچھ اپنی تدبیروں پر ہی موقوف سمجھتے ہیں، ان کے لیے اس قسم کے قیاسات حسرت و اندوہ بن کر رہ جاتے ہیں اور کفِ افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں کاش یوں ہوتا تو یہ ہو جاتا، یہ نہ ہوتا تو وہ نہ ہوتا۔
وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (الآیۃ) موت تو بہر حال آئی ہی ہے لیکن اگر موت ایسی آئے کہ جس کے بعد انسان اللہ کی رحمت و مغفرت کا مستحق قرار پائے تو دنیا کے مال و اسباب سے بہتر ہے جس کے جمع کرنے میں انسان عمر کھپا دیتا ہے اس لیے اللہ کی راہ میں جہاد سے گریز نہیں بلکہ اس میں شوق و رغبت ہونا چاہئے کہ اس طرح اللہ کی رحمت و مغفرت یقینی ہو جاتی ہے، بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ (الآیۃ) نبی ﷺ خلق عظیم کے پیکر تھے، اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر ایک احسان عظیم فرما رہے ہیں کہ آپ کے اندر جو نرمی اور ملائمت ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی کا نتیجہ ہے اور یہ نرمی، دعوت و تبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے اگر آپ کے اندر یہ وصف نہ ہوتا بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ تند خو، سخت دل، تلخ خن ہوتے تو لوگ آپ کے قریب ہونے کے بجائے آپ ﷺ سے دور بھاگتے۔ اس لیے آپ غنودر گذر سے کام لیتے رہے۔
شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، یعنی مسلمانوں کی دل جوئی اور تطیب خاطر کے لیے ان سے مشورہ کر لیا کیجئے اس آیت سے مشورہ کی اہمیت و افادیت اور اس کی ضرورت و مشروعیت ثابت ہوتی ہے مشاورت کا یہ حکم وجوب کے لیے ہے اور بعض کے نزدیک استحباب کے لیے۔ (ابن کثیر)

حکمرانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علماء سے ایسے معاملات میں مشورہ کریں جن کا انہیں علم نہیں ہے یا ان کے بارے میں انہیں اشکال ہے۔ فوج کے سربراہ ہونے سے فوجی معاملات میں اور سربراہ لوگوں سے عوام کے مصالح کے بارے میں اور ماتحت حکام اور والیوں سے ان کے علاقوں کی ضروریات و ترجیحات کے بارے میں مشورہ کریں۔ ابن عطیہ کہتے ہیں کہ ایسے حکمرانوں کے عزل پر اختلاف نہیں ہے جو اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہیں کرتے، یہ مشورہ صرف ان معاملات تک محدود ہوگا جن کی بابت شریعت خاموش ہے یا جن کا تعلق انتظامی امور سے ہے۔

فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ۔ یعنی مشورہ کے بعد جس پر آپ ﷺ کی رائے پختہ ہو جائے، پھر اللہ پر بھروسہ کر کے اسے کر گزریئے۔ اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ مشورہ کے بعد بھی آخری فیصلہ حکمران ہی کا ہوگا نہ کہ ارباب مشاورت یا ان کی اکثریت کا جیسا کہ جمہوریت میں ہے دوسری یہ کہ پورا اعتماد تو کل اللہ کی ذات پر ہونہ کہ مشورہ دینے والوں کی عقل و فہم پر۔ اگلی آیت میں بھی توکل علی اللہ کی مزید تاکید ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ (الآیۃ) جنگ اُحد کے دوران جو لوگ مورچہ چھوڑ کر مالِ غنیمت سمیٹنے دوڑ پڑے تھے ان کا خیال تھا کہ اگر ہم نہ پہنچے تو سارا مالِ غنیمت دوسرے سمیٹ لے جائیں گے، اس پر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ آخر تم نے یہ تصور کیسے کر لیا کہ اس

مال میں تمہارا حصہ تم کو نہیں دیا جائے گا؟ کیا تمہیں اپنے قائد محمد ﷺ پر اطمینان نہیں؟ یاد رکھو ایک پیغمبر سے کسی قسم کی خیانت کا صدور ممکن نہیں ہے کیوں کہ خیانت نبوت کے منافی ہے، اگر نبی ہی خائن ہو تو اس کی نبوت پر کیوں کر یقین کیا جاسکتا ہے؟ خیانت بہت بڑا گناہ ہے۔ احادیث میں اس کی سخت مذمت آئی ہے۔

جن تیر اندازوں کو نبی ﷺ نے عقب کی حفاظت کے لیے مامور کیا تھا انہوں نے اس خیال سے کہ دشمن کا لشکر لوٹا جا رہا ہے کہیں ہم محروم نہ رہ جائیں؟ انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی تھی، جنگ ختم ہونے کے بعد جب نبی ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ان لوگوں کو بلا کر نافرمانی کی وجہ دریافت فرمائی انہوں نے کچھ اعذار پیش کیے جو کمزور ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں تھے اس پر آپ نے فرمایا ”بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنَّا نَغْلُ وَلَا نَقْسَمُ لَكُمْ“ اصل بات یہ ہے کہ تم کو ہمارے اوپر اطمینان نہیں تھا، تم نے یہ گمان کیا کہ ہم تمہارے ساتھ خیانت کریں گے اور تم کو تمہارا حصہ نہیں دیں گے، اس آیت میں اشارہ اسی معاملہ کی طرف ہے۔

ابوداؤد، ترمذی اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت ”وَمَا كَانَ لِذَبِي اَنْ يَغْلُ“ ایک سرخ چادر کے بارے میں جو کہ یوم بدر میں گم ہو گئی تھی نازل ہوئی۔ بعض لوگوں نے یہ بات کہی تھی کہ شاید رسول اللہ ﷺ نے لے لی ہوگی۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (الایہ) اس آیت میں نبی کے بشر اور انسان ہونے ہی کو اللہ ایک احسان کے طور پر بیان فرما رہے ہیں اور فی الواقع یہ احسان عظیم ہے کہ اس طرح ایک تو وہ اپنی قوم کی زبان میں ہی اللہ کا پیغام پہنچائے گا جسے سمجھنا ہر شخص کے لیے آسان ہوگا۔ دوسرے لوگ ہم جنس ہونے کی وجہ سے اس سے مانوس اور اس کے قریب ہوں گے، تیسرے، انسان کے لیے انسان کی پیروی تو ممکن ہے لیکن فرشتوں کی پیروی اس کے بس کی بات نہیں اور نہ فرشتہ انسان کے وجدان و شعور کی گہرائیوں اور باریکیوں کا ادراک کر سکتا ہے، اس لئے اگر پیغمبر فرشتوں میں سے ہوتے تو وہ ان ساری خوبیوں سے محروم ہوتے جو تبلیغ و دعوت کے لیے نہایت ضروری ہیں، اس لیے جتنے بھی انبیاء آئے ہیں سب کے سب بشر ہی تھے، قرآن نے ان کی بشریت کو خوب کھول کھول کر بیان کیا ہے۔

اَوَلَمَّْا اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ (الایہ) اکابر صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ تو حقیقت شناس تھے ہی کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو سکتے تھے مگر عام مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ جب اللہ کا رسول ہمارے اندر موجود ہے، اور اللہ کی تائید و نصرت ہمارے ساتھ ہے تو کسی حال میں کفار ہمارے اوپر فتح نہیں پاسکتے، اس لیے اُحد میں جب شکست ہوئی تو ان کی توقعات کو سخت صدمہ پہنچا تو انہوں نے حیران ہو کر پوچھنا شروع کر دیا کہ یہ کیا ہوا؟ ہم اللہ کے دین کی خاطر لڑنے گئے تھے اور شکست بھی ان سے جو اللہ کے دین کو مٹانے آئے تھے، یہ آیات اسی حیرانی کو دور کرنے کے لیے نازل کی گئی ہیں۔

جنگ اُحد میں مسلمانوں کے ستر آدمی شہید ہوئے اس کے برخلاف جنگ بدر میں کفار کے ستر آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور ستر گرفتار کیے گئے تھے۔

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ انْفُسِكُمْ، یعنی یہ سب کچھ تمہاری اس غلطی کی وجہ سے ہوا جو کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کے تاکیدِ حکم کے باوجود پہاڑی کا مورچہ چھوڑ کر کی تھی۔

وَلْيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا (الآیۃ) اور اس شکست کا دوسرا مقصد یہ بھی تھا کہ وہ مومنین اور منافقین کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دے۔

عبداللہ بن ابی جب تین سو منافقوں کو اپنے ساتھ لے کر راستہ سے واپس ہونے لگا تو بعض مسلمانوں نے جا کر اسے سمجھانے کی کوشش کی اور ساتھ چلنے کے لیے راضی کرنا چاہا، مگر اس نے جواب دیا کہ ہمیں یقین ہے کہ یہ کوئی جنگ نہیں ہے بلکہ ہلاکت اور خودکشی ہے اگر کوئی ڈھنگ کی لڑائی ہوتی تو ہم ضرور ساتھ چلتے ایسے غلط کام میں ہم آپ کا کیوں ساتھ دیں؟ عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات اس لیے کہی تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر لڑنے کی ان کی بات نہیں مانی گئی تھی عبداللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں نے یہ بات اس وقت کہی جب مقام شوط پر پہنچ کر واپس ہو رہے تھے۔ اور عبداللہ بن حرام انصاری انہیں سمجھا کر واپس لانے کی کوشش کر رہے تھے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (الآیۃ) اس آیت میں شہداء کے خاص فضائل کا بیان ہے اور احادیث صحیحہ میں اس کی بڑی تفصیل وارد ہوئی ہے، یہاں شہداء کی پہلی فضیلت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مردے نہیں بلکہ دائمی زندگی کے مالک ہو گئے ہیں، یہاں پر بظاہر ان کا مرنا اور قبر میں دفن ہونا تو مشاہدہ ہے پھر قرآن کی متعدد آیات میں ان کو مردہ کہنے اور مردہ سمجھنے سے جو منع کیا گیا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر کہا جائے کہ حیات برزخی مراد ہے، تو وہ ہر شخص مومن و کافر کو حاصل ہے مرنے کے بعد اس کی روح زندہ رہتی ہے اور قبر کے سوال و جواب کے بعد مومنین صالحین کے لیے مسکنانِ راحت اور کفار و فجار کے لیے قبر کا عذاب قرآن و سنت سے ثابت ہے تو یہ حیات برزخی جب سب کے لیے عام ہے تو شہداء کی کیا خصوصیت ہوئی؟

جواب: یہ ہے کہ قرآن کریم کی اس آیت نے یہ بتلایا ہے کہ شہداء کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا رزق ملتا ہے اور ایک خاص قسم کی زندگی مل جاتی ہے جو ہر عام مردوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ وہ امتیاز کیا اور وہ زندگی کیسی ہے؟ اس کی حقیقت سوائے خالق کائنات کے نہ کوئی جان سکتا ہے اور نہ جاننے کی ضرورت ہے البتہ بعض اوقات ان کی حیات خاص کا اثر اس دنیا میں بھی ان کے ابدان پر ظاہر ہوتا ہے کہ زمین ان کو نہیں کھاتی، جس کے بہت سے واقعات مشاہدہ کیے گئے ہیں۔

شان نزول:

اس آیت کا شان نزول جس کو ابو داؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا وہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ جب واقعہ اُحد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح و ہنر پرندوں کے جسم میں رکھ کر آزاد کر دیا وہ جنت کی نہروں اور باغات کے پھلوں سے اپنا رزق حاصل کرتے ہیں۔ پھر ناقذیلوں میں آجاتے ہیں جو ان کے لیے عرش کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں۔ جب ان لوگوں نے اپنی آرام و راحت کی یہ زندگی

دیکھی تو کہنے لگے کیا کوئی ہمارے حالات کی خبر ہمارے عزیزوں کو پہنچا سکتا ہے جو ہمارے شہید ہونے کی وجہ سے دنیا میں غمزدہ ہیں تاکہ وہ غم نہ کریں اور وہ بھی جہاد میں کوشش کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم تمہاری یہ خبر ان کو پہنچائے دیتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف، فرطی)

الَّذِينَ نُنْتَدُوا اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ دَعَاءُ دُ بِالْخُرُوجِ لِقِتَالٍ لَمَّا ارَادَ ابُوسُفْيَانٍ وَاَصْحَابُهُ الْعُودَ وَتَوَاعَدُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُوقَ بَذَرِ الْعَامِ الْمُتَقَبِّلِ مِنْ يَوْمٍ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَحْطُ بِأَحَدٍ وَحَبِيرِ الْمُنْتَدَا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ بِطَاعَتِهِ وَاتَّقُوا لَنُخَالِفَنَّهَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ بُو الْجَنَّةِ الَّذِينَ بَدَلُ مِنَ الَّذِينَ قَبْلَهُ أَوْ نَعَتْ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اي نَعِيمٍ بِنِ مَسْعُودِ الْأَشْجَعِيِّ إِنَّ النَّاسَ أَبَاسُفْيَانٍ وَأَصْحَابُهُ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ الْخُنُوعَ لِنِسْتَأْصِلُوكُم بِفَاخْشَوْهُمْ وَلَا تَأْتُوهُمْ فَرَادَهُمْ ذَلِكَ الْقَوْلُ إِيْمَانًا تَضَدِّيقًا بِاللَّهِ وَبَيْنَنَا وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ كَافِينَا أَمْرُهُمْ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ﴿٧٧﴾ الْمَسْعُودُ ابْنُ الْأَنْزَبِيِّ، وَخَرَجُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَافُوا سُوقَ بَذَرِ النَّبِيِّ وَالرَّغَبُ فِي قَلْبِ أَبِي سُفْيَانَ وَأَصْحَابِهِ فَلَمْ يَأْتُوا وَكَانَ مَعَهُمْ تَحَارَاتُ فَبَاغُوا أَوْ رِيحُوا قَاتِلَ تَعَالَى فَانْقَلَبُوا رَجْعًا مِنْ بَذَرِ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ بِسَلَامَةٍ وَرَبِحَ لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوءٌ مِنْ قَتْلِ أَوْ جَرْحٍ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ بِطَاعَتِهِ وَرُسُولِهِ فِي الْخُرُوجِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿٧٨﴾ عَلَى أَنَبِلِ طَاعَتِهِ إِنَّمَا ذَلِكُمْ الْقِتَالُ لَكُمْ أَنْ النَّاسَ الْخِ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ الْكُفَّارَ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونَ فِي تَرْكِ أَمْرِي إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٧٩﴾ حَتَّى وَلَا تَحْزَنَكَ بَعْضُ الْيَاءِ وَكُسْرُ الزَّايِ وَجَنْجَحُهَا وَضَمُّ الزَّايِ مِنْ حَزْنِهِ لُغَةً فِي الْحَزْنَةِ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ يَتَعَزَّوْنَ فِيهِ سَرِعًا يَنْضَرُّهُ وَبِهِ أَنَبِلُ مَكَّةَ أَوِ الْمُتَنَافِقُونَ اِي لَا تَنْهَيْتَهُ الْكُفْرَ بِهِ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يَنْفَعُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا نَسِيْبًا فِي الْآخِرَةِ اِي الْجَنَّةِ فَلِذَلِكَ خَذَلَهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٨٠﴾ فِي النَّارِ إِنْ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيْمَانِ اِي أَخَذُوهُ بَدَلَهُ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ بِكُفْرِهِمْ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٨١﴾ نُوْلُهُ وَلَا يَحْسَبَنَّ بِالْيَاءِ وَالشَّاءِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمَلِّ اِي أَمَلَاءُنَا، لَهُمْ بَتَقْوِيلِ الْأَعْمَارِ وَتَاخِيرِهِمْ خَيْرٌ لِنَفْسِهِمْ وَأَنْ وَمَعْنَاهُهَا سَدَّتْ مَسَدَ الْمُتَعَزِّينَ فِي قِرَاءَةِ التَّحْتَانِيَةِ وَمَسَدَ الثَّانِي فِي الْآخِرَةِ إِنَّمَا نُمَلِّ نَفْسَهُمْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوا ثِمًا بِكَثْرَةِ الْمَعَاصِي وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿٨٢﴾ ذُوَابَانَةٌ فِي الْآخِرَةِ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ يَنْتَرِكَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى مَا أَنْتُمْ أَتَيْنَا النَّاسَ عَلَيْهِ مِنْ إِيْتِلَاطِ الْمُخْلَصِ غَيْرِهِ حَتَّى يَمِيزَ بِالتَّخْفِيفِ وَالتَّشْدِيدِ يَفْصِلُ الْحَيْثُ الْمُنَافِقُ مِنَ الطَّيِّبِ الْمُؤْمِنِ بِالتَّكَالِيفِ الشَّاقَّةِ الْمُبِينَةِ بِذَلِكَ فَفَعَلَ ذَلِكَ يَوْمَ أَحَدٍ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ فَتَغْرِفُوا الْمُنَافِقَ مِنْ غَيْرِهِ قَبْلَ التَّسْوِيرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي يَخْتَارُ مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ فَيُطْلِعُهُ عَلَى غَيْبِهِ كَمَا أَطْلَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى

حَالِ الْمُنَافِقِينَ فَأَمْنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَإِنْ تُؤْمِنُوا وَتَتَّقُوا النَّفَاقَ فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ وَلَا يَحْسَبَنَّ بِالْيَاءِ وَالنَّاءِ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ أَيْ بَزْكَاتِهِ هُوَ أَيْ بُخْلُهُمْ خَيْرٌ لَّهُمْ مَفْعُولُ ثَانٍ وَالضَّمِيرُ لِلْفَضْلِ وَالْأَوَّلُ بُخْلُهُمْ مُقَدَّرًا قَبْلَ الْمَوْضُوعِ عَلَى الْفَوْقَانِيَّةِ وَقَبْلَ الضَّمِيرِ عَلَى التَّحْتَانِيَّةِ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ أَيْ بَزْكَاتِهِ بَيْنَ الْمَالِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ بَانَ يُجْعَلُ حَيْثُ فِي غُنْقِهِ تَنْهَشُهُ كَمَا وَرَدَ فِي الْحَدِيثِ وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَرِثُهُمَا بَعْدَ فَنَاءِ أَهْلِهِمَا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَالٍ وَالْيَاءِ خَيْرٌ ۝ فَيُجَازِيكُمْ بِهِ.

ترجمہ: جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے (دوبارہ) قتال کے لیے نکلنے کے حکم پر لبیک کہہ دیا باوجودیکہ وہ اُحد میں زخم خوردہ ہو چکے تھے۔ (اور یہ اس وقت ہوا) کہ جب ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں نے پلٹ کر آنے کا ارادہ کیا۔ اور نبی ﷺ سے یوم اُحد کے بعد آئندہ سال بازار بدر کے موقع پر (مقابلہ آرائی) کا چیلنج کیا۔ اَلَّذِينَ مَبْتَدِئًا هُمْ اور أَحْسَنُوا مِنْهُمْ، اس کی خبر ہے۔ ان میں سے جنہوں نے اس کی اطاعت کے ذریعہ نیکی اختیار کی اور اس کی مخالفت سے اجتناب کیا ان کے لیے اجر عظیم ہے اور وہ جنت ہے۔ اور یہ ایسے لوگ ہیں (الذین) سابق الذین سے بدل یا صفت ہے۔ کہ جب ان سے لوگوں یعنی نعیم بن مسعود اشجعی نے کہا کہ لوگوں (یعنی) ابوسفیان اور اس کے اصحاب نے تمہارے مقابلہ کے لیے ایک بڑی جماعت جمع کر لی ہے (تا کہ تم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں لہذا تم ان سے ڈرو، اور ان کے مقابلے کے لیے نہ نکلو۔ تو اس بات نے ان کے اللہ پر یقین اور تصدیق میں اضافہ کر دیا۔ اور ان لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ان کے معاملہ میں ان کے لیے کافی ہے۔ اور وہ بہترین کارساز ہے۔ معاملہ اسی کے حوالہ ہے۔ اور وہ نبی ﷺ کے ہمراہ نکلے اور بازار بدر میں فروکش ہوئے اور اللہ نے ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے دل میں رعب ڈال دیا جس کی وجہ سے انہوں نے آنے کی ہمت نہیں کی اور مسلمانوں کے ساتھ سامان تجارت (بھی) تھا جس کو فروخت کر کے خوب نفع کمایا۔ (نتیجہ یہ ہوا) کہ یہ لوگ مقام بدر سے اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ صحیح و سلامت اور نفع کے ساتھ واپس ہوئے اور ان کو قتل یا زخم، کسی قسم کی کوئی تکلیف پیش نہیں آئی۔ اور ان لوگوں نے نکلنے میں اطاعت کے ذریعہ اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ اپنے اطاعت گزاروں پر بڑے فضل والا ہے یقیناً (إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ) قَاتِلِ الشَّيْطَانِ ہي ہے جو اپنے دوستوں (یعنی) کافروں سے خوف زدہ کر رہا ہے۔ تم ان کافروں سے خوف زدہ نہ ہونا، اور میرے حکم کو ترک کرنے میں مجھ سے ہی ڈرنا اگر تم صحیح معنی میں مومن ہو اور وہ لوگ جو کفر میں جلدی کرتے ہیں یعنی کفر کی مدد کر کے اس میں جلدی واقع ہو جاتے ہیں اور وہ اہل مکہ ہیں یا منافقین ہیں، آپ کو تمکین نہ کریں (لَا يُحْزِنُكَ) یاء کے ضمہ اور زاء کے کسرہ کے ساتھ اور یاء کے فتح اور زاء کے ضمہ ساتھ، حَزْنُهُ سے أَحْزَنُهُ میں ایک لغت ہے۔ یقیناً یہ لوگ اپنی

حَرَكَتوں سے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہ تو اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اللہ کی یہی مشیت ہے کہ ان کے لیے آخرت یعنی جنت میں کچھ حصہ نہ رکھے۔ اور ان کے لیے جہنم میں بڑا عذاب ہے یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے عوض کفر خرید لیا ہے یعنی ایمان کے بجائے کفر اختیار کر لیا ہے وہ اپنے کفر کی وجہ سے اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے، اور کافر لوگ ہماری اس درازی عمر اور تاخیر (مواخذہ) کی دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں (تَحْسَبَنَّ) یا، اور تاء کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں۔ اور اَنْ کو مع اپنے معمول کے يَحْسَبَنَّ بالياء کی صورت میں قائم مقام دو مفعولوں کے قرار دیا ہے، اور تَحْسَبَنَّ، بالتاء کی صورت میں مفعول ثانی کا قائم مقام قرار دیا گیا ہے، ہم ان (کافروں) کو صرف اس لیے مہلت دے رہے ہیں تاکہ کثرت معاصی کے ذریعہ ان کے گناہ زیادہ ہو جائیں۔ اور آخرت میں ان کے لیے اہانت آمیز عذاب ہے۔ اے لوگو مخلص اور غیر مخلص کی اختلاط کی جس حالت پر تم ہو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو اس حال پر نہ چھوڑے گا تا آن کہ خبیث یعنی منافق کو طیب (یعنی) مومن سے اس کو ظاہر کرنے والی تکالیف شاقہ کے ذریعہ ممتاز نہ کر دے چنانچہ یوم اُحد میں ایسا کیا، اور نہ اللہ تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے کہ تم منافق کو غیر منافق سے شناخت کر سکو البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے تو اس کو غیب پر مطلع کر دیتا ہے۔ جیسا کہ نبی ﷺ کو منافقین کے حال پر مطلع کر دیا سو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اگر تم ایمان لے آئے اور نفاق سے اجتناب کیا تو تمہارے لیے اجر عظیم ہے اور جنہیں اللہ نے اپنے فضل و کرم سے کچھ دے رکھا ہے تو اس میں بخیلی کو بہتر نہ خیال کریں (يَحْسَبَنَّ) تاء اور یاء کے ساتھ دونوں قراءتیں ہیں، (خیراً) مفعول ثانی ہے اور بُھُوْ، ضمیر متصل کے لیے ہے اور مفعول اول (بُخْلَهُمْ) فوقانیہ کی صورت میں موصول سے پہلے مقدر ہے اور ضمیر سے پہلے تحانیہ کی صورت میں۔ بلکہ وہ ان کے لیے نہایت برا ہے غنقریب قیامت کے دن ان (بخیلی کرنے والوں کی گردنوں) میں اس مالِ زکوٰۃ کا جس میں انہوں نے بخیلی کی ہے طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ اس طور پر کہ اس مال کو سانپ بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا اور وہ اس کو ڈستار ہے گا۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اہل ارض و سماء کے فنا ہونے کے بعد اللہ ان کا وارث ہوگا۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یا، اور تاء کے ساتھ پس تمہیں اس کا بدلہ دے گا۔

تَحْقِيقُ شَرَكِيَّةِ تَسْبِيلِ تَفْسِيرِي فَوَائِدِ

قَوْلُهُ: اَلَّذِيْنَ. مبتدأ. یعنی اَلَّذِيْنَ اپنے صلہ سے مل کر مبتداء ہے۔ اور لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا مِنْهُمْ الْخَبْرُ مقدم ہے، اَجْرٌ عظیم مبتداء مؤخر ہے۔ مبتداء مؤخر اپنی خبر مقدم سے مل کر جملہ ہو کر خبر ہے اَلَّذِيْنَ اول کی۔

قَوْلُهُ: بَدَلُ مِنَ اَلَّذِيْنَ. اَوْنَعْتَ، مفسر علام نے اَلَّذِيْنَ ثانی کو اَلَّذِيْنَ اول سے بدل یا صفت قرار دیا ہے مگر اس میں اشکال ہے اس لیے کہ پہلے اَلَّذِيْنَ سے خاص وہ لوگ مراد ہیں جو غزوہ اُحد میں شریک ہوئے تھے اور ثانی اَلَّذِيْنَ سے عام

مسلمان مراد ہیں حالانکہ بدل اور نعت کے لیے دونوں میں اتحاد ضروری ہے، لہذا بہتر یہ ہے کہ الذین ثانی کو اَمْدُح فعل محذوف سے منصوب قرار دیا جائے۔ (اعراب القرآن)

قَوْلًا: هُوَ، یہ مخصوص بالمدح ہے۔

قَوْلًا: كُمْ، اس میں اشارہ ہے کہ، كُمْ، يُخَوِّفُ کا مفعول ثانی ہے اور مفعول اول محذوف ہے۔

قَوْلًا: فَتَحَ الْيَاءُ وَضَمَّ الزَّاءُ یعنی باب انصر ہے۔

قَوْلًا: يَقْعُونَ فِيهِ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: يُسَارِعُونَ متعدی بالی ہوتا ہے اور یہاں متعدی، بقی۔

جَوَابٌ: يُسَارِعُونَ، يَقْعُونَ کے معنی کو متضمن ہے۔

قَوْلًا: مَوْلِمُ الْيَمِّ کی تفسیر مؤلم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ لازم بمعنی متعدی ہے لہذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ عذاب صاحب الم خود (دردمند) نہیں ہوتا بلکہ اس میں داخل ہونے والا صاحب الم (دردمند) ہوتا ہے۔

قَوْلًا: اِیْ اِمْلَاءْ نَا اس میں اشارہ ہے کہ ما مصدر یہ ہے نہ کہ موصولہ جیسا کہ اِنَّ کو ما سے متصل لکھنے کی وجہ سے وہم ہوتا ہے مناسب یہ تھا اِنَّ مَا کو اِنَّمَا لکھا جاتا مگر چونکہ مصحف عثمانی میں اسی طرح مکتوب ہے اس لیے اس کی مخالفت نہیں کی گئی۔ اس لیے کہ ما موصولہ ہونے کی صورت میں ایک تو عائد کی ضرورت ہوگی جو کہ موجود نہیں ہے دوسرے یہ کہ معنی بھی درست نہیں ہیں۔

قَوْلًا: قَبْلَ الْمَوْصُولِ تقدیر عبارت یہ ہوگی ”وَلَا تَحْسَبَنَّ الْبُخْلَ الْذِّیْنَ“

قَوْلًا: قَبْلَ الضَّمِيرِ تقدیر عبارت یہ ہوگی ”وَلَا يَحْسَبَنَّ الْبُخْلَاءُ بُخْلَهُمْ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ“ مقدر کو ضمیر پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر فصل مبتدا اور خبر ہی کے درمیان واقع ہوئی ہے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

۱ اِنَّ الَّذِیْنَ اشْتَرَوْا الْکُفْرَ بِالْاِیْمَانِ.

استعارہ مکنیۃ فی اشتراء الکفر بالایمان، وقد تقدّم القول فی هذا.

۲ اِنَّمَا نُمَلِّیْ لَهُمْ لَیْزًا دَاوُوا اِثْمًا.

استعارہ تصریحیۃ فی الاملاء، فَقَدْ شَبَّهَ اِمْهَالَهُمْ، وَتَرَكَ الْحَبْلَ لَهُمْ عَلٰی غَوَارِ بِهِمْ، بِالْفَرَسِ الَّذِیْ

یُمَلِّیْ لَهُمُ الْحَبْلَ لِیَجْرِیْ عَلٰی سَجِیۃ.

ویرتقی کیف یشاء، فحذف المشبه وهو الامهال والترك، وابقى مشبه به وهو الاملاء.

الطباق: الطباق بین خیر وشرّ و بین السموات والارض.

تَفْسِیْرُ وَتَشْرِیْحِ

رَبطِ آیات اور شانِ نزول:

اوپر غزوہٴ اُحد کا ذکر تھا مذکورہ آیات میں اسی غزوہ سے متعلق ایک اور غزوہ کا ذکر ہے جو غزوہٴ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے، حمراء الاسد مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔

واقعہ کی تفصیل:

جنگ اُحد سے پلٹ کر جب مشرکین کئی منزل دور چلے گئے تو انہیں ہوش آیا اور آپس میں کہنے لگے ہم نے یہ کیا حرکت کی کہ محمد ﷺ کی طاقت توڑ دینے کا جو بیش قیمت موقع ملا تھا اسے کھو کر چلے آئے چنانچہ مشرکین مکہ نے ایک جگہ جمع ہو کر مشورہ کیا کہ مدینہ منورہ پر فوراً ہی دوسرا حملہ کر دیا جائے لیکن پھر ہمت نہ پڑی ان پر اللہ نے ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ سیدھے مکہ مکرّمہ کو ہولے۔ اور ایک شخص جس کا نام نعیم بن مسعود تھا جو مدینہ کی طرف آرہا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ عبد قیس کا ایک قافلہ ابوسفیان کے پاس سے گزرا تو ابوسفیان نے مسلمانوں کو کہلوا دیا کہ ابوسفیان نے ایک بڑا لشکر جمع کر رکھا ہے اس کا ارادہ ہے کہ مدینہ پر دوبارہ حملہ کر کے سب نیست و نابود کر دے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے یہ خبر رسول اللہ ﷺ کو حمراء الاسد کے مقام پر پہنچائی تو آپ نے اور مسلمانوں نے کہا حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ”الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ“ آیات نازل فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کی گفتگو معلوم ہو گئی تو آپ ان کے تعاقب میں حمراء الاسد تک نکلے۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اُحد کے دوسرے دن رسول اللہ ﷺ نے اپنے مجاہدین میں اعلان فرمایا کہ ہمیں مشرکین کا تعاقب کرنا ہے مگر اس میں صرف وہی لوگ جاسکتے ہیں جو کل کے معرکہ میں ہمارے ساتھ تھے، اس اعلان پر دو سو مجاہدین جمع ہو گئے۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ معبد خزاعی بنی خزاعہ کا ایک شخص مدینہ سے مکہ کی طرف جارہا تھا یہ شخص اگرچہ مسلمان نہ تھا مگر مسلمانوں کا خیر خواہ تھا اس کا قبیلہ رسول اللہ ﷺ کا حلیف تھا۔ راستہ میں جب ابوسفیان کو دیکھا کہ وہ اپنے لوٹنے پر پچھتارہے ہیں اور واپسی کی فکر میں ہے تو اس نے ابوسفیان کو بتایا کہ تم دھوکے میں ہو کہ مسلمان کمزور ہو گئے ہیں۔ میں ان کے بڑے لشکر کو حمراء الاسد کے مقام پر چھوڑ کر آیا ہوں جو پورے سامان کے ساتھ تمہارا تعاقب کر رہے ہیں۔ ابوسفیان اس خبر سے مرعوب ہو گیا اور واپس چلا گیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر صغریٰ کے موقع پر ابوسفیان نے بعض لوگوں کی خدمات مالی معاوضہ دے کر حاصل

الْكِتَابِ لِلنَّاسِ لِأَتَكْتُمُونَهُ بِالسَّاءِ وَالْيَاءِ فِي الْفِعْلَيْنِ فَتَبَدُّوهُ طَرَحُوا الْمِثْقَالَ وَرَأَى ظُهُورُهُمْ فِيهِ يَغْمَلُوا بِهِ وَاشْتَرَوْا بِهِ أَخَذُوا بِدَلَّةٍ ثَمَنًا قَلِيلًا مِنَ الدُّنْيَا مِنْ سَفَلَتِهِمْ بِرِيَاسَتِهِمْ فِي الْعِلْمِ فَكَتَمُوا خَوْفَ قُوَّتِهِ عَلَيْهِمْ فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ^(۱۸۷) شَرَّ أَوْبُنِهِ بِذَا لَا تَحْسَبَنَّ بِالسَّاءِ وَالْيَاءِ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا فَعَمِلُوا مِنْ إِضْلَالِ النَّاسِ وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا مِنَ التَّمَسُّكِ بِالْحَقِّ وَبِهِ عَلَى ضَلَالٍ فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ تَاكِيدَ بِمَفَازَةٍ بِمَكَانٍ يَنْجُونَ فِيهِ مِنَ الْعَذَابِ فِي الْآخِرَةِ بَلْ بُئْسَ فِي مَكَانٍ يُعَذَّبُونَ فِيهِ وَبِوَجْهِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ^(۱۸۸) مُؤْلَفَةٍ فِيهَا وَدَفَعُوا لَا يَحْسِبُ الْأُولَى دَلَّ عَلَيْهِمَا مَفْعُولًا الثَّانِيَةَ عَلَى قِرَاءَةِ التَّخْتَانِيَّةِ وَعَلَى الْفُوقَانِيَّةِ حَذَفَ الثَّانِي فَقَطَّ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَزَائِنُ الْمَطَرِ وَالرِّزْقِ وَالنَّبَاتِ وَغَيْرِهَا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ^(۱۸۹) وَبِهِ تَغَايِبُ الْكَافِرِينَ وَانْجَاءُ الْمُؤْمِنِينَ.

ترجمہ: یقیناً اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا اللہ محتاج ہے اور ہم مالدار ہیں اور یہ (کہنے والے) یہود ہیں یہ بات انہوں نے اس وقت کہی جب ”مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا“ آیت نازل ہوئی اور یہ (بھی) کہ اگر اللہ مالدار ہوتا تو ہم سے قرض نہ مانگتا، ہم ان کے قول کو ان کے اعمال ناموں میں لکھ رہے ہیں تاکہ اس کی ان کو جزا دی جائے۔ اور ایک قراءت میں (یکتُب) یاء کے ساتھ معروف کا صیغہ ہے۔ اور ہم ان کے انبیاء کے ناحق قتل کرنے کو بھی لکھ رہے ہیں (فَتَلَهُمْ) کے نصب اور رفع کے ساتھ، اور ہم کہیں گے آتش سوزاں کا عذاب چکھو۔ (يَقُولُ) نون اور یاء کے ساتھ، یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ بزبان ملائکہ کہے گا، اور جب ان کو جہنم میں ڈالا جائے گا تو ان سے کہا جائے گا یہ عذاب تمہارے ان کرتوتوں کی وجہ سے ہے جو تم نے کیے ہیں۔ انسان کی تعبیر ہاتھوں سے کی ہے اس لیے کہ اکثر اعمال ہاتھوں ہی سے کیے جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے کہ ان کو بے خطا سزا دے۔ یہ (قائلین) وہ لوگ ہیں الذین۔ ماقبل والے الذین کی صفت ہے جنہوں نے محمد ﷺ سے کہا کہ اللہ نے ہم کو توریت میں حکم دیا کہ ہم کسی نبی پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں (یعنی) اس کی تصدیق نہ کریں، جب تک وہ ایسی قربانی نہ لائے کہ اس کو آگ کھا جائے لہذا تم پر بھی اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک تم ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لاؤ گے، اور وہ قربانی وہ ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ کا تقرب حاصل کیا جائے جانور وغیرہ کے قبیل سے۔ اگر قربانی مقبول ہوتی تو آسمان سے ایک سفید آگ آتی اور اس کو جلا ڈالتی ورنہ اپنی جگہ پڑی رہتی۔ بنی اسرائیل کو مسیح علیہ السلام اور محمد ﷺ کے علاوہ کے لیے اس کا حکم دیا گیا تھا۔ قربانی کی مقبولیت کی علامت آسمانی آگ کا قربانی کے جانور کو جلا دینا مسیح علیہ السلام اور محمد ﷺ کے علاوہ کے لیے تھی۔ اسی طرح آسمانی آگ کا جلانا نبی کی صداقت کی دلیل مسیح علیہ السلام اور محمد ﷺ کے علاوہ نبی کے لیے تھی۔ آپ ان سے کہہ دیجئے مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول دیگر معجزوں کے ساتھ یہ معجزہ بھی لائے تھے جو تم کہہ رہے ہو تو تم نے ان کو کیوں قتل کر دیا؟ مثلاً زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کہ تم نے ان

کو قتل کر دیا۔ اور خطاب ان (یہود) سے ہے جو ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ میں تھے اگرچہ یہ فعل (قتل) ان کے باپ دادوں کا تھا۔ ان لوگوں کے اس فعل سے راضی ہونے کی وجہ سے۔ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ یہ معجزہ دیکھنے کے بعد ایمان لائیں گے۔ پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو معجزات اور صحیفے جیسا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام اور واضح کتابیں اور ایک قراءت میں دونوں میں (یعنی زُبر اور کتاب) میں بقاء کے اثبات کے ساتھ ہے (ای بالزبر وبالکتاب) لے کر آئے۔ وہ تورات اور انجیل ہیں۔ لہذا جس طرح انہوں نے صبر کیا آپ بھی صبر کیجئے۔ ہر جان موت کا مزد چکھنے والی ہے اور تم کو تمہارے اعمال کی پوری جزا تو قیامت کے دن دی جائے گی تو جو شخص آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا تو وہی کامیاب ہوا یعنی اس نے اپنا مکمل مطلوب پالیا۔ دنیا کی زندگی یعنی اس کا عیش تو محض باطل کا سودا ہے کہ چند دن اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے پھر فنا ہو جائے گا، یقیناً تم کو اس میں نون رفع مسلسل نونوں کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے اور واؤ ضمیر بھی اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ تمہارے مالوں میں ان کے فرائض اور آفات کے ذریعہ اور تمہاری جانوں میں عبادات اور مصائب کے ذریعہ آزمایا جائے گا۔ اور یقیناً تم ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے۔ (یعنی) یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سے بہت سی دل آزار باتیں مثلاً گالی گلوچ اور طعنہ زنی اور تمہاری عورتوں کے بارے میں عشقیہ اشعار سننے پر ہیں گے اگر تم اس پر صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ یہ بڑی ہمت کے کام ہیں یعنی ان مقاصد میں سے ہیں جن کا ان کے واجب ہونے کی وجہ سے قصد کیا جاتا ہے اور اس وقت کو یاد کرو جب اللہ نے اہل کتاب سے تورات میں عہد لیا کہ تم اس کتاب کو سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں دونوں فعلوں میں تاء اور یاء کے ساتھ۔ سو انہوں نے اس عہد کو اپنے پس پشت ڈال دیا کہ اس طوعاً پر اس پر عمل نہ کیا۔ اور اس کے عوض اپنے کمتر ادگوں سے اپنی علمی سربراہی کی وجہ سے دنیا کی حقیر قیمت لے لی اس ضمن قلیل کے فوت ہونے کے خوف سے اس عہد کو چھپا لیا۔ سو کیسی بری چیز ہے وہ جس کو وہ خرید رہے ہیں یعنی ان کا اس کو خریدنا کس قدر برا ہے! سو ایسے لوگوں کے بارے میں جو اپنے کر تو توں یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے پر خوش ہو رہے ہیں ہرگز خیال نہ کریں (کہ وہ عذاب سے محفوظ رہیں گے) اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کی مدح سرائی ایسے کارناموں پر بھی کی جائے جن کو انہوں نے انجام نہیں دیا ہے اور وہ حق کو تھا منا ہے۔ حالانکہ وہ گمراہی میں ہیں تو ایسے لوگوں کے بارے میں ہرگز آپ خیال نہ کریں کہ وہ آخرت میں عذاب سے محفوظ رہیں گے یعنی ایسی جگہ میں ہوں گے کہ وہ نجات پا جائیں، بلکہ وہ تو ایسی جگہ میں ہوں گے جس میں عذاب دیئے جائیں گے۔ اور وہ دوزخ ہے اور ان کے لیے اس میں دردناک (دردمند) عذاب ہوگا۔ اور پہلے یَحْسَبُ کے دونوں مفعول کہ جن پر یَحْسَبُ ثانی کے دونوں مفعول یا تَحْتَانِیہ کی قراءت کی صورت میں دلالت کر رہے ہیں اور فَوْقَانِیہ (قراءت) کی صورت میں فقط ثانی مفعول حذف کیا گیا ہے۔ اور آسمانوں اور زمین یعنی بارش اور رزق اور نباتات وغیرہ کے خزانوں پر اللہ ہی کی سلطنت ہے اور اللہ ہی ہر شے پر قادر ہے اور اسی میں سے کافروں کی تعذیب اور مومنوں کو نجات دینا ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلٌ: لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا. یہ کلام متانف ہے۔ اس کو یہود کی بیہودہ گوئی اور انو ابوں کا نمونہ بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ لَقَدْ میں لام تو طیبہ ہے قسم کے محذوف ہونے پر دلالت کرنے کے لیے ہے ای وَاللّٰهُ لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ الخ۔ قَدْ حرف تحقیق ہے اور لام جواب قسم پر داخل ہے۔

قَوْلٌ: نکتب۔ اس میں اشارہ ہے کہ قَتَلَهُمْ کا عطف ما پر ہے نہ کہ قالوا پر۔

قَوْلٌ: بالنصب والرفع۔ قَتَلَهُمْ، میں دونوں قراءتیں ہیں، اس لیے کہ قتلہم کا معطوف علیہ ماقالوا ہے۔ اور معطوف علیہ محل کے اعتبار سے منصوب اور مرفوع دونوں ہے اگر نکتب، نون کے ساتھ پڑھیں تو ماقالوا محلاً منصوب ہوگا اس لیے کہ نکتب کا مفعول ہوگا اور اگر یکتب یاء کے ساتھ پڑھیں تو معطوف علیہ مرفوع ہوگا اس لیے کہ یکتب، مجہول کا صیغہ ہوگا اور ماقالوا نائب فاعل۔

قَوْلٌ: ای بذی ظلم، اس میں اشارہ ہے کہ ظلام۔ مبالغہ کا صیغہ اسم فاعل کے معنی میں ہے قرآن کریم میں مبالغہ کا صیغہ اکثر اسم فاعل کے معنی میں مستعمل ہے۔

قَوْلٌ: جوائح، یہ جائحہ کی جمع ہے، آفت، پھلوں کا روگ۔

قَوْلٌ: التشبیب، غزل گوئی، عشق و محبت کی باتیں، تشبیب دراصل جوانی کی باتوں کے ذکر کو کہتے ہیں۔ بعد میں غزل کے شروع میں عشقیہ باتوں کے ذکر کو کہنے لگے۔

قَوْلٌ: مَعَزُومَاتِهَا، اس میں اشارہ ہے کہ عزم مصدر بمعنی اسم مفعول ہے۔ امور جمع، عزم کی اضافت امور جمع کی جانب کی وجہ سے ہے۔

قَوْلٌ: لَتُبَيِّنَنَّهٗ، تَبَيَّنَ سے جمع مذکر حاضر بانون ثقیلہ۔ تم ضرور بیان کرو گے اس میں لام قسمیہ ہے۔

قَوْلٌ: شَرَاءَ هَذَا، شَرَاءَ هَمْ، بئس کا فاعل ہے اور۔ هَذَا، مخصوص بالمدح ہے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

① استعارة مكنية: فی قوله تعالى: "ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ". استعارة مكنية، وقد

تقدمت الإشارة إليها.

② الطباق: الطباق بين فقير واغنياء.

③ المجاز المرسل: فی قوله تعالى "أَيِّدِيكُمْ" اذ المراد سيئاتكم، والعلامة هي

السببية، لأن اليد يعنى السبب فيما يقتطفه الانسان من اعمال، مَتَاعُ الغرور، المتاع كل ما استمتع به الانسان من مال وغيره.

والغرور: مصدر غرّاي خدع، والغرور، الباطل.

ما الحيوة الدنيا الامتاع الغرور. فى الآية تشبيه بليغ. فقد شبه الدنيا بالمتاع الذى يدلس به باعه علم طالبه حتى يتخدع ويشتره.

الاستعارة المكنية: فى قوله تعالى، واشتروا به ثمناً قليلاً، وقد تقدمت.

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا "مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا" کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تو یہودیوں نے کہا اے محمد (ﷺ) تیرا رب فقیر ہو گیا ہے کہ اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے؟ جس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔ (ابن کثیر)

ابو بکر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا فحش خاص کو مارنا:

ابن عباس سے ابن اسحق، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے روایت کیا ہے کہ ابو بکر بیت المدراس میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگ ایک یہودی جس کا نام فحش خاص تھا، کے پاس جمع تھے یہ شخص یہودی علماء میں سے تھا۔ تو ابو بکر صدیق رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے اس سے کہا۔ افسوس تیرے حال پر اے فحش خاص تو اللہ سے ڈر اور اسلام لے آ، واللہ تو بخوبی جانتا ہے کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور تم تو رات میں یہ بات لکھی ہوئی پاتے ہو، تو فحش خاص نے ابو بکر صدیق رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے کہا واللہ اے (ابو بکر) ہم اللہ کے محتاج نہیں ہیں اللہ ہمارا محتاج ہے اور اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے بقول تمہارے صاحب کے قرض طلب نہ کرتا۔ تمہارا خدا ہم کو سود سے منع کرتا ہے اور خود دو گنا چو گنا دینے کا وعدہ کرتا ہے ابو بکر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کو فحش خاص کی اس گستاخی پر غصہ آ گیا جس کی وجہ سے ایک طمانچہ رسید کر دیا، اور فرمایا واللہ اگر باہم معاہدہ نہ ہوتا تو اے دشمنِ خدا میں تیری گردن مار دیتا، فحش خاص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ابو بکر صدیق رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کی شکایت کرتے ہوئے کہا اے محمد (ﷺ) دیکھو تمہارے دوست نے میرے ساتھ کیا معاملہ کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ابو بکر صدیق رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ سے اس کی وجہ دریافت فرمائی تو ابو بکر رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس شخص نے خدا کی شان میں گستاخی کی جس کی وجہ سے مجھے غصہ آ گیا، فحش خاص اپنے اس قول سے مکر گیا مگر اللہ نے اپنے صدیق کی تصدیق فرماتے

ہوئے ”لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ“ نازل فرمائی۔ (فتح القدیر شوکانی)

إِنَّ اللَّهَ عِندَ إِلَيْنَا أَلَّا تُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ.

یہود کا طلب معجزہ قربان:

بنی اسرائیل کی شریعت میں چونکہ صدقہ اور مال غنیمت کھانا حلال نہیں تھا اس لیے قربانی کے جانور کو ذبح کر کے اور صدقہ کے مال کو جمع کر کے رکھ دیا جاتا تھا اگر آسمانی آگ آ کر اس کو جلا دیتی تو یہ اس کے مقبول ہونے کی علامت سمجھی جاتی تھی ورنہ وہ صدقہ مردود و نامقبول سمجھا جاتا تھا۔ اور یہود کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ ہم کو تورات میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے تو تم اس سے نذر و صدقات کے مال کو آسمانی آگ سے جلانے کا مطالبہ کرو اگر وہ معجزہ دکھا دے تو اس کی نبوت پر ایمان لاؤ ورنہ نہیں، اس معجزہ سے حضرت مسیح علیہ السلام اور محمد ﷺ مستثنیٰ تھے ان پر اس معجزہ کے بغیر ہی ایمان لانے کا حکم تھا۔

اگر آپ ﷺ چاہتے تو ان کو یہ جواب دے سکتے تھے کہ ہمارے اوپر ایمان لانے کے لیے یہ معجزہ دکھانا شرط نہیں ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس سوال کا جواب دوسرے طریقہ سے دیا، کہ اے رسول مقبول آپ ان سے کہیے کہ ہم سے پہلے جو پیغمبر آئے اور وہ یہ معجزہ بھی لائے پھر تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟ اگر اسی معجزہ پر تمہارے ایمان لانے کا دار و مدار تھا تو ان پر ایمان لاتے۔

بائبل میں متعدد مقامات پر یہ ذکر آیا ہے کہ خدا کے یہاں کسی کی قربانی کے مقبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ غیب سے ایک آگ نمودار ہو کر اسے جلا دیتی تھی، (قضاۃ ۶: ۲-۱۲) لیکن یہ کسی جگہ نہیں لکھا ہے کہ اس طرح کی قربانی نبوت کی کوئی ضروری شرط ہے یا جس نبی کو یہ معجزہ نہ دیا گیا ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ یہ محض ایک من گھڑت بہانہ تھا جو یہودیوں نے محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے کے لیے تصنیف کر لیا تھا لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان کی حق دشمنی کا ثبوت یہ تھا کہ خود انبیاء بنی اسرائیل میں سے بعض نبی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے قربانی کا مذکورہ معجزہ پیش کیا مگر پھر بھی جرائم پیشہ لوگ ان کے قتل سے باز نہ آئے۔ مثال کے طور پر بائبل میں حضرت الیاس (ایلیا) کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے ہبل کے پجاریوں کو چیلنج کیا کہ مجمع عام میں ایک ہبل کی قربانی تم کرو اور ایک کی قربانی میں کرتا ہوں جس کی قربانی کو غیبی آگ کھالے وہی حق پر ہے، چنانچہ ایک خلق کثیر کے سامنے یہ مقابلہ ہوا اور غیبی آگ نے حضرت الیاس کی قربانی کھالی، لیکن اس کا جو نتیجہ نکلا وہ یہ تھا کہ اسرائیل کے بادشاہ کی ہبل پرست ملکہ حضرت الیاس کی دشمن ہو گئی اور وہ زن پرست بادشاہ اپنی ملکہ کی خاطر ان کے قتل کے درپے ہوا اور ان کو مجبوراً ملک سے نکل کر جزیرہ نمائے سینا کے پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔ (۱- سلاطین، باب ۱۸/۱۹)

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رَسُولٌ مِّن قَبْلِكَ (الآیۃ) شرط ہے اس کا جواب شرط محذوف ہے جس کو مفسر علام نے فاصبر کہہ کر ظاہر کر دیا ہے، اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کی تکذیب سے آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں کیوں کہ یہ معاملہ تو سب ہی انبیاء کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ. اس آیت میں اس اہل حقیقت کا بیان ہے کہ موت سے کسی کو مفر نہیں۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں جس نے اچھایا برا جو کچھ کیا ہوگا اس کو اس کا پورا بدلہ دیا جائے گا، تیسرے کا میابی کا معیار بتلایا گیا ہے کہ ہر کامیاب انسان اصل میں وہ ہے کہ جس نے دنیا میں رہ کر اپنے رب کو راضی کر لیا جس کے نتیجے میں وہ جہنم سے محفوظ اور جنت میں داخل کر دیا گیا۔ چوتھا یہ کہ دنیا کی زندگی سامان فریب ہے جو اس سے دامن بچا کر نکل گیا وہ خوش نصیب اور جو اس کے فریب میں پھنس گیا وہ ناکام اور نامراد ہے۔

لَتَبْلُوَنَّ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ (الآیۃ) اے مسلمانو! تمہیں مال اور جان کی آزمائش پیش آ کر رہے گی اور اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے۔

اہل ایمان کی آزمائش:

اہل ایمان کو ان کے ایمان کے مطابق آزمایا جائے گا جیسا کہ سورہ بقرہ میں آیت ۱۵۵ میں گزر چکا ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین سے تکلیف پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کی طرف سے دین اسلام کی تحقیر پیغمبر اسلام کی توہین اور ان کی طعن و تشنیع اور ان کے الزامات اور ان کا بیہودہ طرز کلام سننا پڑے گا لہذا تم ان کے مقابلہ میں صبر و استقامت سے کام لینا۔ بے شک یہ بڑے دل گردے کا کام ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں ایک واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ رئیس المنافقین عبد اللہ بن ابی نے ابھی اسلام کا اظہار نہیں کیا تھا اور جنگ بدر بھی ابھی نہیں ہوئی تھی کہ نبی ﷺ حضرت سعد بن عبادہ کی عیادت کے لیے بنی حارث بن خزرج میں تشریف لے گئے، راستہ میں ایک مجلس میں مشرکین یہود اور عبد اللہ بن ابی وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے، آپ ﷺ کی سواری سے جو گرداڑی عبد اللہ بن ابی نے اس پر ناگواری کا اظہار کیا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو ٹھہر کر قبول اسلام کی دعوت بھی دی جس پر عبد اللہ بن ابی نے گستاخانہ کلمات بھی کہے، وہاں بعض مسلمان بھی تھے انہوں نے اس کے برعکس آپ ﷺ کی تحسین فرمائی قریب تھا کہ ان کے اندر جھگڑا ہو جائے آپ ﷺ نے ان سب کو خاموش کر دیا، پھر آپ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو انہیں بھی یہ واقعہ سنایا، جس پر انہوں نے فرمایا کہ عبد اللہ بن ابی یہ باتیں اس لیے کرتا ہے کہ آپ ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے یہاں کے باشندگان کو اس کی تاج پوشی کرنی تھی اب آپ کے آنے سے اس کی سرداری کا یہ حسین خواب ادھورا رہ گیا جس سے اسے سخت صدمہ ہے اور اس کی یہ باتیں اس کے اس بغض و عناد کا مظہر ہیں، اس لیے آپ درگزر ہی سے کام لیں۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر ملخصاً)

وَ اِذَا خَذَ اللّٰهُ مِثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ. ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات لوگوں میں پھیلائی ہوگی۔ انہیں پوشیدہ رکھنا نہیں ہوگا مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت

ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالا کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔ مذکورہ تین آیتوں میں علماء اہل کتاب کے دو جرم اور ان کی سزا کا بیان ہے۔ اور یہ کہ ان کو حکم یہ تھا کہ اللہ کی کتاب میں جو احکام آئے ہیں ان کو سب کے سامنے بے کم و کاست بیان کریں گے، اور کسی حکم کو چھپائیں گے نہیں۔ مگر انہوں نے اپنی دنیاوی اغراض اور طمع نفسانی کی خاطر اس مہم کی پرواہ نہ کی۔ بہت سے احکام کو لوگوں سے چھپالیا۔

دوسرے یہ کہ وہ نیک عمل کرتے تو ہیں نہیں اور چاہتے ہیں کہ بغیر عمل کے ان کی تعریف کی جائے۔

تورات کے حکم کو چھپانے کا واقعہ:

احکام تورات کو چھپانے کا واقعہ تو صحیح بخاری میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے ایک بات پوچھی کہ کیا یہ تورات میں ہے مگر ان لوگوں نے انکار کر دیا حالانکہ وہ حکم تورات میں موجود تھا۔ جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف ملخصاً)

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ لِيُذَيِّعُوا لِّلَّذِينَ نَعَتْنَا قَبْلَهُ أَوْ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ۖ مُضْطَجِعِينَ ۚ أَوْ فِي كُلِّ حَالٍ وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يُصَلُّونَ كَذَلِكَ حَسَبَ الطَّاقَةِ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ لِيَسْتَدِلُّوْا بِهِ عَلَىٰ قُدْرَةِ صَانِعِهِمَا يَقُولُونَ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا الْخَلْقَ الَّذِي نَرَاهُ بِإِطْلَافٍ حَالٍ عَبَثًا بَلْ دَلِيلًا عَلَىٰ كَمَالِ قُدْرَتِكَ سُبْحَانَكَ تَنْزِيهِهَا لَكَ عَنِ الْعَبَثِ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ لِتَدْخُلُوا فِيهَا فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ أَهْلَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنَ الْكَافِرِينَ فِيهِ وَضِعَ الظَّاهِرُ مَوْضِعَ الْمُضْمَرِ اشْعَارًا بِتَخْصِيصِ الْخِزْيِ بِهِمْ مِنْ زَائِدَةِ أَنْصَارٍ ۝ أَغْوَانُ يَمْنَعُهُمْ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي يَدْعُو النَّاسَ إِلَى الْإِيمَانِ أَيْ إِلَيْهِ وَبِوَسْطِهِ مُحَمَّدٌ أَوِ الْقُرْآنُ أَنْ أَيْ بَانَ أَمْوَابُ رَبِّكُمْ فَأَمَّا ۝ رَبَّنَا فَارْحَمْنَا لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ غَطِّ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا فَلَا تُظْهِرْهُمَا بِالْعِقَابِ عَلَيْهَا وَتَوَفَّنَا إِقْبِضْ أَرْوَاحَنَا مَعَ فِي جُمْلَةِ الْأَبْرَارِ ۝ الْأَنْبِيَاءُ وَالصَّالِحِينَ رَبَّنَا وَاتِنَا مَا وَعَدْتَنَا بِهِ عَلَى السَّبِيلِ مِنْ الرِّحْمَةِ وَالْفَضْلِ وَسُؤَالِهِمْ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ وَغَدَهُ تَعَالَى لَا يُخْلَفُ سَوَالُ أَنْ يَجْعَلَهُمْ مِنْ مُسْتَحَقِّهِ لِأَنَّهُمْ لَمْ يَتَّقُوا اسْتِحْقَاقَهُمْ لَهُ وَتَكَرَّرُ رَبَّنَا مُبَالِغَةً فِي التَّضَرُّعِ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ الْوَعْدُ بِالْبَعْثِ وَالْجَزَاءِ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ دُعَاءَ بِهِ أَيْ بَانِي لَا أَضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مَنْ ذَكَرَ وَأَنْشَأَ بَعْضُكُمْ كَائِنْ مِنْ بَعْضٍ أَيْ الذِّكْرُ مِنْ الْأُنَاثِ

وَبِالْعَكْسِ وَالْجُمْلَةِ مُؤَكَّدٌ لِمَا قَبْلَهَا اِی بِنِ سَوَاءٍ فِی الْمَجَازِۃِ بِالْاَعْمَالِ وَتَرَكَ تَضْمِیْنَهَا نَزَلَتْ لَمَّا قَالَتْ اُمُّ سَلَمَةَ یَا رَسُولَ اللّٰهِ لَا اَسْمَعُ اللّٰهَ ذَكَرَ النِّسَاءِ فِی الْمِهْجَرَةِ بِشَیْءٍ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوا مِنْ مَكَّةَ اِلَى الْمَدِیْنَةِ وَاُخْرِجُوا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوذُوا فِی سَبِیْلِ دِیْنِی وَقَتْلُوا الْكُفَّارَ وَقَتْلُوا بِالْتَخْفِیْفِ وَالتَّشْدِیْدِ وَفِی الْقِرَاءَةِ بِتَقْدِیْمِهِ لَا كُفْرَنَ عَنْهُمْ سَیِّئَاتِهِمْ اَسْتَرْبَا بِالْمَغْفِرَةِ وَلَا دَخَلَتْهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ ثَوَابًا مُصَدَّرٌ مِنْ مَعْنٰی لَا كُفْرَنَ مُؤَكَّدٌ لَهُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فِیهِ الْبَيِّنَاتُ عَنْ التَّكْلِیْمِ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (۹۵) الْجَزَاءُ وَنَزَلَ لَمَّا قَالَ الْمُسْلِمُونَ اَعْدَاءُ اللّٰهِ فِیْمَا نَرٰی مِنْ الْخَیْرِ وَنَحْنُ فِی الْجَهْدِ لَا یُغَرِّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوا تَحَرُّفُهُمْ فِی الْبِلَادِ (۹۶) بِالتَّجَارَةِ وَالْكَسْبِ بُوَ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ یَتَمَتَّعُونَ بِهِ فِی الدُّنْیَا یَسِیْرًا وَیَقْنٰی ثَمَّ مَا وَهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (۹۷) الْفِرَاشُ سِیِّئٌ لِّكِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خَلِیْدِیْنَ اِی مُتَقَدِّرِیْنَ الْخُلُودَ فِیْهَا نَزَلَ بِمَوْنًا یُعَدُّ لِلضَّیْفِ وَنَضْبُهُ عَلٰی الْحَالِ بَيْنَ جَنَّتٍ وَالْعَامِلِ فِیْمَا مَعْنٰی الْمُظَرَّفِ مَنْ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الثَّوَابِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (۹۸) مِنْ مَتَاعِ الدُّنْیَا وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ كَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ وَاَصْحَابِهِ وَالتَّجَاسِیِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ اِی الْقُرْآنَ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ اِی التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِیْلَ خَشِیْعِیْنَ حَالٌ مِنْ ضَمِیْرِ یُؤْمِنُ مِنْ مُرَاعٰی فِیهِ مَعْنٰی مَنْ اِی مُتَوَاضِعِیْنَ لِلّٰهِ لَا یَشْتَرُونَ بِاٰیَاتِ اللّٰهِ الَّتِیْ عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرَةِ وَالْاِنْجِیْلِ مِنْ نِعْمَتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَمَنًا قَلِیْلًا مِنْ الدُّنْیَا بَانَ یَكْتُمُوبًا خَوْفًا عَلٰی الرَّیَاسَةِ كَفَعَلَ غَیْرِهِمْ مِنَ الْیَهُودِ اُولَئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ ثَوَابُ اَعْمَالِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُؤْتَوْنَ مَرَّتَیْنِ كَمَا فِی الْقَصَصِ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (۹۹) یَحَاسِبُ الْخَلْقَ فِی قَدَرٍ یَضْبُ نَهَارٍ مِنْ اَیَّامِ الدُّنْیَا یَاٰیُهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوا عَلٰی الطَّاعَاتِ وَالْمَعْصِیِّ وَاصْبِرُوا الْكُفَّارَ فَلَا یَكُونُوا اَشَدَّ صَبْرًا مِنْكُمْ وَرَابِطُوا اَقِمْوْا عَلٰی الْجِهَادِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فِی جَمِیْعِ اَحْوَالِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ (۱۰۰) تَفُوزُوْنَ بِالْجَنَّةِ وَتَنْجُوْنَ مِنَ النَّارِ

تَرْجُمہ: آسمانوں اور زمین اور ان میں جو عجائبات ہیں ان کی تخلیق میں اور آمد و رفت اور زیادت و کمی شب و روز

کے بدلنے میں یقیناً عظمندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو لوگ (الذین) اپنے ماقبل کی صفت یا بدل ہے اللہ تعالیٰ کو کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے یعنی ہر حال میں یاد کرتے ہیں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ حسب طاقت مذکورہ ہیئتوں میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ زمین اور آسمان کے بنانے والے کی قدرت پر استدلال کریں۔ کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار! یہ مخلوق جس کو ہم دیکھ رہے ہیں تو نے بے فائدہ پیدا نہیں کی بلکہ تیرے کمال قدرت پر دلیل بنایا۔ تمام لایعنی کاموں سے تو پاک ہے سو ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔

اے ہمارے پروردگار! جس کو تو نے ہمیشہ کے لیے جہنم میں ڈال دیا تو تو نے اس کو رسوا کر دیا اور کافروں کے لیے کوئی مددگار نہ ہوگا کہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچا سکے، اس میں کافروں کے ساتھ رسوائی کی تخصیص کی طرف اشارہ کرنے کے لیے اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو لایا گیا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا کہ باواز بلند لوگوں کو ایمان کی طرف پکار رہا ہے۔ اور وہ محمد ﷺ یا قرآن ہے کہ اے لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم اس پر ایمان لائے اے الہی اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری خطاؤں کی پردہ پوشی فرما لہذا ان پر سزا دے کہ ان کو ظاہر نہ فرما اور ہماری وفات (یعنی حشر) انبیاء و صالحین کے زمرہ میں فرما، اے ہمارے رب! اپنی رحمت اور اپنے فضل سے (مذکورہ چیزوں کا ہم کو مستحق فرما) اور اپنے رسول کی زبانی تو نے جس کا ہم سے وعدہ فرمایا ہے عطا فرما۔ ان کا مذکورہ چیزوں کا سوال کرنا باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ میں تخلف نہیں ہوتا بایں معنی ہے کہ ہم کو اپنے وعدے کے مستحقین میں شامل فرما اس لیے کہ ان کو ان وعدوں کا مستحق ہونے کا یقین نہیں تھا۔ اور رَبَّنَا کی تکرار عاجزی میں مبالغہ کرنے کے لیے ہے اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کرنا بے شک تو بعث و جزاء کے وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔ سو ان کی دعاء کو ان کے پروردگار نے قبول کر لیا اس لیے کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو خواہ مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو یعنی مذکر مونث سے ہے اور اس کا عکس یہ جملہ (معرضہ) ماقبل کے لیے موکدہ ہے۔ یعنی وہ اعمال کی جزاء اور عدم اخلاعت میں برابر ہیں۔ (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ام سلمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے نہیں سنا کہ اللہ نے ہجرت کے معاملہ میں عورتوں کا بھی کچھ ذکر کیا ہو۔ اس لیے وہ اوگ جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کی۔ اور جن کو ان کے گھروں سے نکالا گیا اور میرے دین کے راستہ میں ایذا دیئے گئے اور جنہوں نے کفار سے جہاد کیا اور شہید کیے گئے۔ (قتلو) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے۔ اور ایک قراءت میں قَتِلُوا کی تقدیم کے ساتھ ہے۔ میں ضرور ان کی برائیاں دور کر دوں گا یعنی ان کو مغفرت میں چھپالوں گا۔ اور ضرور ان کو ایسی جنت میں داخل کروں گا کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (ثواباً) یہ اللہ کی طرف سے بطور ثواب ہے، لَا تُكْفِرَنَّ کے معنی سے مصدر برائے تاکید ہے۔ اس میں تکلم سے غیبت کی جانب التفات ہے۔ اور بہتر ثواب اللہ ہی کے پاس ہے۔ (اور آئندہ آیت اس وقت نازل ہوئی) جب مسلمانوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دشمنوں کو بہتر حالت (آسودگی) میں دیکھ رہے ہیں اور ہم مشقت میں ہیں۔ کافروں کا شہروں میں تجارت اور کسب معاش کے سلسلہ میں چلنا پھرنا آپ کو دھوکہ میں نہ ڈال دے یہ تو چند روزہ بہار ہے جس سے دنیا میں چند روز مزے اڑائیں گے اور ختم ہو جائیگی۔ پھر تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ یعنی برا بستر ہے۔ البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے ایسے باغات ہیں کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے بطور ضیافت ہوگی اور یہ ہمیشہ رہنا ان کے لیے مقدر کر دیا گیا ہے اور 'نُزُل' اس چیز کو کہتے ہیں جو مہمان کے لیے تیار کی جاتی ہے اور اس کا نصب جنة سے حال ہونے کی بناء پر ہے اور اس میں عامل معنی ظرف ہیں (ای ثَبَّتْ لَہُمْ) اور اللہ کے پاس جو ثواب ہے وہ صالحین کے لیے متاع دنیا سے بہتر ہے اور اہل کتاب میں یقیناً کچھ ایسے بھی ہیں

جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھی یا نجاشی، اور اس پر بھی جو تمہاری طرف اتارا گیا ہے یعنی قرآن اور جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔ یعنی تورات اور انجیل (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں۔ اور اللہ کی آیتوں کا جو تورات و انجیل میں ان کے پاس ہیں۔ اور وہ محمد ﷺ کی صفات ہیں قلیل قیمت میں سودا نہیں کرتے کہ زوال ریاست کے خوف سے ان کو چھپا دیں۔ جیسا کہ ان کے علاوہ دیگر یہود کرتے تھے۔ یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے ان کو دو گنا اجر دیا جائے گا جیسا کہ سورہ قصص میں ہے یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے مخلوق کا حساب دنیوی ایام کے حساب کے اعتبار سے نصف دن میں لے لیگا۔ اے ایمان والو! طاعات پر اور مصائب پر اور معاصی سے باز رہنے پر صبر کرو اور کفار کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو۔ کہ وہ تم سے زیادہ ثابت قدم نہ ہوں۔ اور جہاد کے لیے تیار رہو اور تمام حالات میں اللہ سے ڈرتے رہو، تاکہ تم جنت کے لینے میں کامیاب ہو جاؤ اور نار جہنم سے نجات پاؤ۔

تَحْقِيقُ شَرَكِيَّةِ تَسْبِيْحِ تَفْسِيْرِي فَوَائِدُ

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ (الآية) کلام مستأنف ہے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے وجود اور اس کے علم اور اس کی قدرت کو بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔

قَوْلُهُ: يَقُولُونَ، سابق میں باری تعالیٰ کا کلام تھا یہاں سے ”اولوالالباب“ کا کلام شروع ہے اس لیے یہاں یقولون مقدر مانا ہے۔

قَوْلُهُ: الْخَلْقُ الَّذِي نَرَاهُ. یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: ہذا کا مشاڑ الیہ السموات والارض ہے جو کہ مونث ہے اور ہذا اسم اشارہ مذکر ہے، اسم اشارہ اور مشاڑ الیہ میں مطابقت نہیں ہے؟

جَوَابٌ: ہذا کا مشاڑ الیہ خلق بمعنی مخلوق ہے۔ لہذا کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُهُ: بَاطِلًا. یہ ہذا سے حال ہے نہ کہ خلقت کا مفعول ثانی اس لیے کہ خلق متعدی بیک مفعول ہے۔

قَوْلُهُ: لِلْخَلْقِ دَفِيْهَا. یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: اللہ تعالیٰ کا قول ”يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ“ کا مقتضی ہے کہ تمام مومنین غیر محزونین ہوں۔ حالانکہ عصاة مومنین میں سے بعض جہنم میں داخل ہوں گے، یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ جو بھی جہنم میں داخل ہوا رسوا ہوا اگرچہ وہ مومن ہی کیوں نہ ہو؟

جَوَابٌ: دخول سے دائمی دخول مراد ہے جو صرف کافروں کے لیے ہوگا۔ اس سے معتزلہ کا جواب بھی ہو گیا کہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب مومن نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: وَضَعَ الظَّاهِرُ مَوْضِعَ الْمَضْمَرِ الْخِ يَهِ اِيك سَوَال مُتَدَرِّكِي جَوَابِ كِي طَرَفِ اِشَارَةِ هِي۔
سُؤَالُ: اَسْحَابُ الْخَزْيِ كَاذِكِرْ سَابِقِ مِي مَنْ تَدْخُلُ النَّارَ كِي ضَمْنِ مِي اُچْكَ هِي لِهَذَا اِسْ كِي لِيْهِ ضَمِيرُ لَا نَا كَافِي تَحَا اِعْنِي
 مَالِ الظَّالِمِينَ كِي بَجَائِ مَالُهُمْ كَافِي تَحَا؟

جَوَابُ: يِي هِي كِي خَزْيَانِ كِي تَخْصِيصِ كُو بَيَانِ كَرْنِي كِي لِيْهِ صِرَاحَتِ كِي سَا تَحْهُ لَفْظِ ظَالِمِينَ ذِكْرُ كِيَا كِيَا هِي۔
قَوْلُهُ: اِلَيْهِ. سَوَال مُتَدَرِّكِي جَوَابِ هِي۔

سُؤَالُ: نَدَاءُ اَوْرَدْنَا مُتَدَرِّكِي بِاللَامِ نَمِيں هُوْتِي حَالَانْكِ يِيهَاں مُتَدَرِّكِي بِاللَامِ هِي؟

جَوَابُ: لَامِ بِمَعْنَى اِلَى هِي۔ اِسي جَوَابِ كِي طَرَفِ مُفْسِرِ عَلَامِ نِي اِلَيْهِ كِي كَر اِشَارَةِ كِيَا هِي۔

قَوْلُهُ: ثَوَابًا، مُصَدَّرٌ مِّنْ مَّعْنَى لَا كُفْرًا مَوْ كَذْلَه اِسْ عِبَارَتِ سِي اِيك تُو يِي بَتَانَا هِي كِي ثَوَابًا جَنَّتِ سِي حَالِ نَمِيں هِي
 اِسْ لِيْهِ كِي يِيهَاں حَالِ كَاذِوَ الْحَالِ پَر حَمْلِ دَرَسْتِ نَمِيں هِي۔

قَوْلُهُ: لَا كُفْرًا، سِي اِيك سَوَال كَا جَوَابِ دِيْنَا مُقْصُودِ هِي۔

سُؤَالُ: ثَوَابًا، لَا كُفْرًا كَا مَفْعُولِ مُطْلَقِ نَمِيں هُو سَكْتَا دُونُوں كِي الْفَاظِ الْكُ هِي، حَالَانْكِ دُونُوں كَا اِيك مَادِدِ سِي
 هُو نَا ضَرُورِي هِي۔

جَوَابُ: ثَوَابًا اَوْر لَا كُفْرًا اِگر چِي دُونُوں كِي الْفَاظِ مُتَحَدِ نَمِيں هِي مَگر مَعْنَى كِي اِعْتِبَارِ سِي دُونُوں مُتَحَدِ هِي، اِسْ لِيْهِ كِي
 لَا كُفْرًا مَعْنَى مِي لَا تُثَبِّتُهُمْ كِي هِي۔ لِهَذَا اِسْ عِبَارَتِ اِسْ طَرَحِ هُو كِي "لَا تُثَبِّتُهُمْ ثَوَابًا" اَوْر يِي مَفْعُولِ مُطْلَقِ بَرَاءِ
 تَاكِيدِ هِي۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الطَّبَاقُ: الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَى جُنُوبِهِمْ. (مِيں صَنَعْتِ طَبَاقِ هِي)۔

الطَّبَاقُ الَّذِي جَمَعَ حَالَاتِ الْاِنْسَانِ الْثَلَاثَ فِي الصَّلَاةِ، وَهِيَ قِيَامٌ وَالْقُعُودُ وَالْاَضْطِجَاعُ عَلَى الْجَنْبِ
 كَمَا يَقُولُ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى اَوْ اسْتَلْقَاءَ لِاَنَّهُ اَخْفُ كَمَا يَقُولُ اَبُو حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى.

المَجَازُ الْمُرْسَلُ: الْمَجَازُ الْمُرْسَلُ بِعِلَاقَةِ الْمَحَلِّيَةِ فَقَدْ ذَكَرَ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَرَادُهُ مَا فِيهَا
 مِنْ اَجْرَامِ عَظِيمَةٍ بِدِيعَةِ الصَّنْعِ.

الايْجَازُ: اِيْجَازُ فِي قَوْلِهِ تَعَالَى "وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ" حَيْثُ انْطَوَى تَحْتَ
 هَذَا الْاِيْجَازِ كُلُّ مَا تَمَحَّضَ عَنْهُ الْعِلْمُ مِنْ رَوَائِعِ الْمَكْتَشَفَاتِ وَبَدَائِعِ الْمُسْتَنْبَطَاتِ وَفِي الْحَدِيثِ
 "لَا عِبَادَةَ كَالْتَفَكُّرِ".

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

شان نزول:

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَاختِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ (الآية) اس آیت کے شان نزول کے متعلق ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور محدث ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ عطا بن ابی رباح رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے پاس تشریف لے گئے۔ اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات میں جو سب سے زیادہ عجیب چیز آپ نے دیکھی ہو وہ مجھے بتلائیے۔ اس پر حضرت عائشہ رَضِيَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے فرمایا آپ کی کس شان کو پوچھتے ہو، ان کی ہر شان عجیب تھی، ہاں ایک عجیب واقعہ سناتی ہوں۔ وہ یہ کہ آپ ﷺ ایک رات میرے پاس تشریف لائے، اور لحاف میں میرے ساتھ داخل ہو گئے پھر فرمایا اجازت دو میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں، بستر سے اٹھے۔ وضو فرمایا، پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے، اور قیام میں اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے، پھر رکوع فرمایا اور اس میں بھی روئے، پھر سجدہ کیا اور سجدہ میں بھی اسی قدر روئے، پھر سر اٹھایا اور مسلسل روتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ حضرت بلال آئے اور آپ ﷺ کو نماز کی اطلاع دی۔ بلال فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ حضور اس قدر گریہ کیوں فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرمادیئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ اور شکر یہ میں گریہ وزاری کیوں نہ کروں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے آج کی رات مجھ پر یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ”اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ“ (الآية) اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: بڑی تباہی ہے اس شخص کے لیے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور ان میں غور نہیں کیا۔

(معارف)

خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ سے کیا مراد ہے؟

خلق، مصدر ہے جس کے معنی ایجاد و اختراع کے ہیں، مطلب یہ ہوا کہ زمین و آسمان کے پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نشانیاں ہیں۔ ان نشانیوں سے ہر شخص باسانی حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ بشرطیکہ وہ خدا سے غافل نہ ہو، اور آثار کائنات کو جانوروں کی طرح نہ دیکھے بلکہ غور و فکر کے ساتھ مشاہدہ کرے۔

جب وہ نظام کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں اور قدرت کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت ان پر کھل جاتی ہے کہ یہ سراسر ایک حکیمانہ نظام ہے تو وہ کہہ اٹھتے ہیں ”رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا“ اور وہ اس نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں کہ یہ بات سراسر حکمت کے خلاف ہے کہ جس مخلوق میں اللہ نے اخلاقی حس پیدا کی ہو، جسے تصرف کے اختیارات دیئے ہوں،

جسے عقل و تیز عطا کی ہو، اس سے اس کی حیات دنیا کے اعمال پر باز پرس نہ ہو اور اسے نیکی پر جزاء اور بدی پر سزا نہ دی جائے۔ اس طرح نظام کائنات پر غور کرنے سے انہیں آخرت کا یقین حاصل ہو جاتا ہے، اور خدا کی سزا سے پناہ مانگنے لگتے ہیں ”سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ“۔

اسی طرح یہی مشاہدہ ان کو اس بات پر مطمئن کر دیتا ہے کہ پیغمبر اس کائنات اور اس کے آغاز و انجام کے متعلق جو نقطہ نظر پیش کرتا ہے اور زندگی کا جو راستہ بتاتا ہے وہ سراسر حق ہے۔ اور زبان دل سے کہنے لگتے ہیں ”رَبَّنَا إِنَّكَ سَمِيعٌ مُنَادٍ ينادي للإيمان أن آمنوا بربكم فآمنوا الخ، رَبَّنَا وَآتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ“۔

انہیں اس امر میں تو شک نہیں ہے کہ اللہ اپنے وعدوں کو پورا کرے گا یا نہیں، البتہ تردد اس امر میں ہے کہ آیا ان وعدوں کے مصداق ہم بھی قرار پاتے ہیں یا نہیں۔ اس لیے وہ اللہ سے دعا مانگتے ہیں کہ ان وعدوں کا مصداق ہمیں بھی بنادے کہیں ایسا نہ ہو کہ دنیا میں تو ہم پیغمبروں پر ایمان لا کر کفار کی تفحیک اور طعن و تشنیع کا نشانہ بنے ہی رہے، قیامت میں بھی ان کافروں کے سامنے ہماری رسوائی ہو اور وہ ہم پر بھپتی کہیں کہ ایمان لا کر بھی ان کا بھلا نہ ہوا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ۔ ان لوگوں کی دعا اور درخواست کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کے عمل کو ضائع کرنے والا نہیں، خواہ مرد ہو یا عورت۔ مرد یا عورت کی وضاحت اس لیے فرمادی کہ اسلام نے بعض معاملات میں مرد اور عورت کے درمیان ان کے ایک دوسرے سے مختلف فطری اوصاف کی بنا پر جو فرق کیا ہے۔ مثلاً قوامیت اور حاکمیت میں، کس معاش کی ذمہ داری میں، جہاد میں حصہ لینے اور وراثت میں نصف حصہ ملنے میں، اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ نیک اعمال کی جزاء میں بھی شاید مرد و عورت کے درمیان کچھ فرق کیا جائے گا نہیں ایسا نہیں ہوگا، بلکہ ہر نیکی کا جو اجر ایک مرد کو ملے گا وہ نیکی اگر عورت کرے گی تو وہ اجر اس کو بھی ملے گا۔

”بَعْضُكُمْ مِنْ بَعْضٍ“ یہ جملہ معترضہ ہے اس کا مقصد پچھلے نکتہ کی وضاحت ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ام سلمہ رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهَا نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلہ میں عورتوں کا نام نہیں لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی، ابن کثیر)

لَا يَغُرُّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ۔ آیت میں خطاب اگرچہ نبی کو ہے لیکن مخاطب پوری امت ہے، شہروں میں چلت پھرت سے مراد تجارت اور کاروبار کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک جانا ہے۔ یہ تجارتی سفر، وسائل دنیا کی فراوانی اور کاروبار کی وسعت و فروغ پر دلیل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سب کچھ عارضی اور چند روزہ فائدہ ہے۔ اس سے اہل ایمان کو دھوکے میں مبتلا نہ ہونا چاہئے۔ اصل انجام پر نظر رکھنی چاہئے جو ایمان سے محرومی کی صورت میں جہنم کا دائمی عذاب ہے جس میں دولت دنیا سے مالال مال یہ کافر مبتلا ہوں گے۔

یعنی دنیا کے وسائل، آسائشیں اور سہولتیں بظاہر کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہوں درحقیقت متاع قلیل ہی ہیں کیوں کہ بالآخر ان

کے لیے فنا ہے اور انکے فنا ہونے سے پہلے وہ لوگ خود فنا ہو جائیں گے جو ان کے حصول کی خاطر خدا کو فراموش کیے ہوئے ہیں۔ اور ہر قسم کے اخلاقی ضابطوں اور اللہ کی حدود کو پامال کرتے ہیں۔

لَکِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ (الایۃ) ان کے برعکس جو لوگ تقویٰ اور خدا خونی کی زندگی گزار کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے، گودنیا میں ان کے پاس خدا فراموشوں کی طرح دولت کے انبار اور رزق کی فراوانی نہ رہی ہوگی، مگر وہ اللہ کے مہمان ہوں گے جو تمام کائنات کا خالق و مالک ہے، اور وہاں کا صلہ اس سے بہت بہتر ہوگا جو دنیا میں کافروں کو ملا ہے۔

وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْکِتَابِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ (الایۃ) اس آیت میں اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے جسے رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا شرف حاصل ہوا، ان کے ایمان اور ایمانی صفات کا تذکرہ فرما کر اللہ تعالیٰ نے انہیں دوسرے اہل کتاب سے ممتاز کر دیا۔ جن کا مشن ہی اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا آیات الہی میں تحریف و تلبیس کرنا، اور دنیا کے عارضی اور فانی مفادات کے لیے کتمان حق کرنا تھا۔ اللہ نے فرمایا یہ مومنین اہل کتاب ایسے نہیں ہیں، بلکہ یہ اللہ سے ڈرنے والے ہیں اللہ کی آیتوں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچنے والے نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو علماء و مشائخ دنیوی اغراض کے لیے آیات الہی میں تحریف یا اس کے مفہوم کے بیان میں دجل و تلبیس سے کام لیتے ہیں وہ ایمان اور تقویٰ سے محروم ہیں۔

حافظ ابن کثیر رَحِمَهُ اللہُ تَعَالٰی نے لکھا ہے کہ آیت میں جن مومنین اہل کتاب کا ذکر ہے، یہود میں سے ان کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچتی۔ البتہ عیسائی بڑی تعداد میں مسلمان ہوئے۔ (ابن کثیر)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا۔ صبر کرو۔ یعنی طاعات اختیار کرنے اور شہوات و لذات کے ترک کرنے میں اپنے نفس کو مضبوط اور ثابت قدم رکھو۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُورَةُ النَّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ وَسِيْعَةٌ سَبْعُونَ آيَةً وَارْبَعٌ وَعِشْرُونَ كُرْئًا

سُورَةُ النَّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ وَخَمْسٌ أَوْ سِتٌّ أَوْ سَبْعٌ أَوْ سَبْعُونَ آيَةً.

سورہ نساء مدنی ہے ۵۷ یا ۶۱ یا ۷۱، آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ يَا أَيُّهَا النَّاسُ ائْتُوا رَبَّكُمْ أَيَّ عِقَابِهِ بَانَ
تَطِيعُوهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ آدَمَ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا حَوَاءَ بِالْمَدِّ مِنْ ضِلَعٍ مِنْ أَضْلَاعِهِ
الْيُسْرَى وَبَتَّ فَرْقٌ وَنَشَرَ مِنْهُمَا مِنْ آدَمَ وَحَوَاءَ رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً كَثِيرَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ
فِيهِ إِدْغَامَ النَّاءِ فِي الْأَصِلِ فِي السِّتِينَ وَفِي قِرَاءَةِ الْخَفِيفِ بِحَذْفِهَا أَيَّ تَسَائَلُونَ بِهِ فِيمَا بَيْنَكُمْ حَيْثُ
يَقُولُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ أَسْأَلُكَ بِاللَّهِ وَأَنْشُدُكَ بِاللَّهِ وَاتَّقُوا الْإِرْحَامَ أَنْ تَقْطَعُوهُمَا وَفِي قِرَاءَةِ الْبَاجِرِ عَطْفًا
عَلَى الضَّمِيرِ فِي بِهِ وَكَانُوا يَتَنَاشَدُونَ بِالرَّحِمِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ① حَافِظًا لِأَعْمَالِكُمْ فَيُجَازِيكُمْ
بِهَا أَيَّ لَمْ يَزَلْ مُتَصِفًا بِذَلِكَ وَنَزَلَ فِي يَتِيمٍ طَلَبَ مِنْ وَلِيِّهِ مَالَهُ فَمَنْعَهُ وَاتُّوَالِيَتُمُ الصِّغَارِ الْأُنَى لَا أَبَ
لَهُمْ أَمْوَالُهُمْ أَذَابَلُغُوا وَلَا تَتَّبَدَّلُوا الْخَيْثَ الْحَرَامَ بِالطَّيِّبِ الْحَلَالِ أَيَّ تَأْخُذُوهُ بِدَلِّهِ كَمَا تَفْعَلُونَ مِنْ
أَخِذِ الْجَيْدِ مِنْ نَالِ الْيَتِيمِ وَجَعَلَ الرَّدَى مِنْ مَالِكِهِ مَكَانَهُ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ نَحْمُسُومَةً
إِلَى أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ أَيَّ أَكَلَهَا كَانَ حُوبًا ذَنْبًا كَبِيرًا ② عَظِيمًا وَلَمَّا نَزَلَتْ تَخَرَّجُوا مِنْ وَلَا يَتِيَتِي
وَكَانَ فِيهِمْ مَنْ تَخَتَّ الْعَشْرُ أَوِ الثَّمَانُ مِنَ الْأَزْوَاجِ فَلَا يَغْدِلُ بَيْنَهُنَّ فَنَزَلَتْ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا
تَغْدِلُوا فِي الْيَتَمَى فَتَخَرَّجْتُمْ مِنْ أُنْرَبِيمَ فَخَافُوا أَيْضًا أَلَّا تَغْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ إِذَا نَكَحْتُمُوهُنَّ فَإِنْ كُنَّ
تَزَوَّجُوا مَا بِمَعْنَى مَنْ طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مِثْلِي وَثَلَاثٌ وَارْبَعٌ أَيَّ اثْنَيْنِ اثْنَيْنِ وَثَلَاثًا ثَلَاثًا وَارْبَعًا أَرْبَعًا
وَلَا تَزِيدُوا عَلَى ذَلِكَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فِيمَنْ بَالِغَةِ النَّسَبِ فَوَاحِدَةً أَوْ ائْتَمِرُوا عَلَى
مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنَ الْإِمَاءِ إِذْ لَيْسَ لَهُنَّ مِنَ الْحَقِّ مَالٌ لَزُوجَاتٍ ذَلِكَ أَيَّ نِكَاحِ الْأَرْبَعَةِ فَقَطْ
أَوِ الْوَاحِدَةِ أَوِ التَّسْرِي أَدْنَى أَقْرَبُ إِلَى الْأَتَعُولُوا ③ تَجُوزُوا وَاتُّوَا أَعْطُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ جَمْعُ صَدَقَةٍ

مُهِوْرَبُنْ نِحْلَةً مَصْدَرٌ عَطِيَّةٌ عَنْ طَيْبِ نَفْسٍ فَإِنْ طَبَنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْسًا تَمِيْزُ مَحْوُلٌ عَنْ
 الْفَاعِلِ اِىْ اِنْ طَابَتْ اَنْفُسُهُنَّ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنَ الصِّدَاقِ فَوَيْبِنَهُ لَكُمْ فَكُلُوْهُ هَنِيْئًا طَيِّبًا مَّرِيْنًا ④
 مَحْمُوْدُ الْعَاقِبَةِ لَا ضَرَرَ فِيْهِ عَلَيْكُمْ فِى الْاٰخِرَةِ نَزَلَ رَدًّا عَلٰى مَنْ كَرِهَ ذَلِكَ وَلَا تُؤْتُوا اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ السُّفَهَاءُ
 الْمُبَذِّرِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ اَهُ الْكُمُ اِىْ اَسْوَالُهُمُ التِّىْ فِى اَيْدِيكُمْ اَلَّتِىْ جَعَلَ
 اللهُ لَكُمْ قِيَمًا مَصْدَرُ قِيَامٍ اِىْ تَقْوَمُ بِمَعَاشِكُمْ وَصَلَاحِ اَوْلَادِكُمْ فَيُضَيِّعُوْبَا فِى غَيْرِ وَجْهِهَا وَفِى قِرَاءَةِ قِيَمًا
 جَمْعُ قِيَمَةٍ مَا تَقْوَمُ بِهِ الْاَمْتِعَةُ وَارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا اَطْعَمُوْبِهِمْ مِنْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ⑤
 عِدُوْبُهُمْ عِدَّةٌ جَمِيْلَةٌ بِاِعْطَائِهِمْ اَسْوَالَهُمْ اِذَا رَشَدُوا وَابْتَلُوا اِخْتَبِرُوا اَلْيَسْمٰى قَبْلَ الْبُلُوْغِ فِى دِيْنِهِمْ
 وَتَضَرُّفِهِمْ فِى اَحْوَالِهِمْ حَتّٰى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ اِىْ صَارُوا اَبْلَا لَهٗ بِالْاِخْتِلَامِ اَوَالِيْسَيْنِ وَبِهِ اِسْتِكْمَالُ خَمْسِ
 عَشْرَةِ سَنَةٍ عِنْدَ الشَّافِعِىِّ فَإِنْ اَنْتَمُ اَبْصَرْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا اِضْلَاحًا فِى دِيْنِهِمْ وَمَالِهِمْ
 فَادْفَعُوا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَاْكُلُوْهَا اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ اِسْرَافًا بِغَيْرِ حَقِّ حَالٍ وَبِدَارًا اِىْ مُبَادِرِيْنَ اِلَى
 اِنْشَاقِهَا مَخَافَةَ اَنْ يَّكْبُرُوا وَرُشْدًا نِيْلُزْمُكُمْ تَسْلِيْمُهَا اِلَيْهِمْ وَمَنْ كَانَ مِنَ الْاَوْلِيَاءِ
 غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ اِىْ يَعْثُ عَنْ مَالِ الْيَتِيْمِ وَيَمْتَنِعُ مِنْ اَكْلِهِ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ مِنْهُ
 بِالْمَعْرُوفِ بِقَدْرِ اُجْرَةِ عَمَلِهِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اِىْ اِلَى الْيَتِيْمِ اَمْوَالَهُمْ فَاشْهَدُوْا عَلَيْهِمْ اَنَّهُمْ
 تَسَلَّمُوْبَا وَبَرِئْتُمْ لِبَلَا يَقَعَ اِخْتِلَافٌ فَتَرْجِعُوْا اِلَى الْبَيْتِ وَبِذَا اَمْرٌ اِزْشَادٌ وَكَفَى بِاللّٰهِ اَلْبَاءُ زَائِدَةٌ
 حَسِيْبًا ⑥ حَافِظًا لِاَعْمَالِ خَلْقِهِ وَمُحَاسِبُهُمْ وَنَزَلَ رَدًّا اِلْمَا اَنَّ عَلَيْهِ الْجَابِلِيَّةَ مِنْ عَدَمِ تُوْرِيْثِ
 النِّسَاءِ وَالصِّغَارِ لِلرِّجَالِ الْاَوْلَادِ وَالْاَقَارِبِ نَصِيْبٌ حَظٌّ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِيْنَ وَالْاَقْرَبُوْنَ الْمُتَوَفُّوْنَ
 وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِيْنَ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اِىْ الْمَالِ اَوْ كَثُرَ جَعَلَهُ اللهُ
 نَصِيْبًا مَّفْرُوضًا ⑦ مَنطُوْعًا بِتَسْلِيْمِهِ اِلَيْهِمْ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةُ لِلْمِيْرَاثِ اُولُوا الْقُرْبٰى ذُوُو الْقَرَابَةِ
 بِمَنْ لَا يَرِثُ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنُ فَاَرِزُّوْهُمْ مِنْهُ شَيْئًا قَبْلَ الْقِسْمَةِ وَقُولُوا اَيُّهَا الْاَوْلِيَاءُ لَهُمْ
 اِذَا كَانَ الْوَرَثَةُ صِغَارًا قَوْلًا مَعْرُوفًا ⑧ جَمِيْلًا بِاَنْ تَعْتَذِرُوْا اِلَيْهِمْ اِنْكُمْ لَا تَمْلِكُوْنَهُ وَاَنَّهُ لِلصِّغَارِ
 وَبِذَا قِيْلَ مَسْخُوْخٌ وَقِيْلَ لَا وَلٰكِنْ تَهَآوَنَ النَّاسُ فِى تَرْكِهِ وَعَلَيْهِ فَمُهْوٍ نَذَبٌ وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رَضِىَ
 اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ وَاجِبٌ وَلِيَخْشَ اِىْ لِيَخْشَ عَلَى الْيَتِيْمِ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكَوْا اِىْ قَارَبُوْا اَنْ يَّتْرُكُوْا
 مِنْ خَلْفِهِمْ اِىْ بَعْدَ مَوْتِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا اَوْلَادًا صِغَارًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ الْخِيَاَعُ فَلْيَتَّقُوا اللهَ فِى
 اَمْرِ الْيَتِيْمِ وَلْيَاْتُوْا اِلَيْهِمْ مَّا يُحِبُّوْنَ اَنْ يُفْعَلَ بِذُرِّيَّتِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِمْ وَلْيَقُولُوا لِلْيَتِيْمِ
 قَوْلًا سَدِيْدًا ⑨ صَوَابًا اِنْ يَأْمُرُوْهُ اَنْ يَتَصَدَّقَ بِدُوْنِ ثُلُثِهِ وَيَدْعَ الْبَقِيَّةَ لَوَرَثَتِهِ وَلَا يَتْرُكْهُمْ غَالَةً

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا بَغْيًا حَتَّىٰ إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِي مَلِئَهَا نَارًا ۖ لَآ تَنفَعُ يُولَٰئِهِمْ ۚ وَسَيَصْلَوْنَ بِالْبِنَاءِ لِلْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ يَدْخُلُونَ سَعِيرًا ۝ نَارًا شَدِيدَةً يَخْتَرِقُونَ فِيهَا.

تَرْجُمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اے لوگو، یعنی اے مکہ والو! تم اپنے

رب کے عذاب سے ڈرو اس طریقہ پر کہ اس کی اطاعت کرو۔ جس نے تم کو ایک جانِ آدم سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا حواء کو اسکی بائیں پسلیوں میں سے ایک پسلی سے پیدا کیا (حواء) مد کے ساتھ ہے، اور ان دونوں یعنی آدم و حواء سے بہت سے مرد اور عورت پھیلا دیئے اور اس اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو۔ اس طریقہ پر کہ ایک دوسرے سے کہتے ہو کہ میں تجھ سے اللہ کے واسطے سے سوال کرتا ہوں یا تجھ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں۔ اس میں تاء، اصل میں سین میں مدغم ہے اور ایک قرائے ت میں بہ حذف تاء تخفیف کے ساتھ ہے۔ اِی تَسَاء لُوْن، اور ذوی الارحام کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو یعنی قطع رحمی کرنے سے ڈرو، اور ایک قراءت میں (اَرْحَام) کے کسرہ کے ساتھ ہے بہ، کی ضمیر پر عطف کرتے ہوئے اور وہ آپس میں صلہ رحمی کا بھی واسطہ دیا کرتے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے یعنی تمہارے اعمال کو محفوظ رکھنے والا ہے تو وہ تم کو ان اعمال کی جزاء دیگا، یعنی وہ اس صفت نگہبانی کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اور (آئندہ آیت) ایک یتیم کے بارے میں نازل ہوئی کہ جس نے اپنے ولی سے اپنا مال طلب کیا مگر اس نے منع کر دیا۔ اور یتیموں کو یعنی وہ چھوٹے بچے کہ جن کا باپ موجود نہیں ہے جب وہ بالغ ہو جائیں تو ان کا مال دید و اور حرام کو حلال سے تبدیل نہ کرو یعنی حرام کو حلال کے عوض مت لو، جیسا کہ تم یتیم کے مال میں سے عمدہ مال لے کر اور اپنے مال میں سے خراب قسم کا مال اس کی جگہ رکھ کر کرتے ہو، اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں سے ملا کر (یعنی اس کی آڑ میں) مت کھاؤ بلاشبہ یہ کھانا گناہِ عظیم ہے، اور جب مذکورہ آیت نازل ہوئی تو لوگ یتیموں کی کفالت میں حرج محسوس کرنے لگے اور ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جن کی زوجیت میں دس دس یا آٹھ آٹھ یتیم بیویاں تھیں اور وہ ان کے درمیان عدل سے کام نہیں لیتے تھے تو آئندہ آیت نازل ہوئی۔ اگر تمہیں یتیموں کے بارے میں عدل نہ کرنے کا اندیشہ ہو اور تم ان کے معاملہ میں (گناہ) سے بچنا چاہتے ہو اور ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں بھی انصاف نہ کرنے کا اندیشہ کرو، تو (یتیم لڑکیوں کے علاوہ) سے نکاح کر لو جو تم کو پسند ہوں، مَا، بمعنی مَنْ، ہے دو دو سے تین تین سے چار چار سے اس سے آگے نہ بڑھو، لیکن اگر تمہیں ان کے درمیان (بھی) برابری نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو ایک ہی کافی ہے یا اپنی باندیوں پر اکتفاء کرو اسلئے کہ باندیوں کے وہ حقوق نہیں ہوتے جو بیویوں کے ہوتے ہیں، یہ چار سے نکاح یا ایک سے، یا باندی پر اکتفاء زیادتی نہ ہونے کی توقع میں زیادہ قریب ہے اور تم عورتوں کے مہر خوش دلی سے دید یا کرو صدقات، صَدَقَةٌ کی جمع ہے صَدَقَاتُہُنَّ ای مہورہُنَّ، نَحْلَةٌ مصدر ہے معنی خوش دلی سے عطیہ دینے کے ہے لیکن اگر وہ خوش دلی سے تمہارے لئے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں نَفْسًا، تمیز ہے جو فاعل سے منقول ہے اِی طَابَتْ اَنْفُسُہُنَّ لَكُمْ مِنْ شَیْءٍ مِنَ الصُّدَاقِ فَوَهَبْنٰہُ لَكُمْ، تو تم

اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ۔ کہ اس کے کھانے میں تمہارا آخرت میں کوئی نقصان نہیں۔ یہ آیت اس شخص پر رد کرنے کے بارے میں نازل ہوئی جو اس میں کراہت سمجھتا تھا۔ اور اے اولیاء! تم کم عتقوں کو جو فضول خرچ ہوں مرد ہوں یا عورت اور بچے وہ مال نہ دو جو تمہارے قبضہ میں ہے (اور) جس کو تمہارے گزران کے لئے مایہ زندگی بنایا ہے، قیامًا، قِصَامَ کا مصدر ہے یعنی جس کے ذریعہ تم اپنی معاش اور اپنی اولاد کی اصلاح قائم رکھتے ہو تو وہ اس مال کو بلا وجہ صرف کر دیں گے، اور ایک قرأت میں قِیَمًا، قِیَمَہ کی جمع ہے جس کی وجہ سے معاش زندگی قائم رہتی ہے اور اس مال میں سے انہیں کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے بھلائی کی بات کہتے رہو یعنی تم ان سے ان کے مال دینے کے بارے میں اچھے وعدے کرتے رہو کہ جب تم سمجھدار ہو جاؤ گے (تو تمہارا مال تم کو دے دیں گے) اور (ان کے) بالغ ہونے سے پہلے ان کے دین اور لین دین کے معاملات میں ان کی دیکھ بھال کرتے رہو یہاں تک کہ عمر نکاح کو پہنچ جائیں (بالغ ہو جائیں) یعنی نکاح کے اہل ہو جائیں احتلام کے ذریعہ یا عمر کے ذریعہ اور وہ (مدت) پندرہ سال کی تکمیل ہے امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک پس اگر تم ان میں سمجھداری یعنی ان کے دین اور مال کے معاملہ میں صلاح دیکھو تو ان کا مال ان کے حوالہ کر دو اور اے اولیاء! ان کے بڑے ہو جانے کے ذریعے ان کے نالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں ناجائز تباہ مت کرو (یعنی ان کے بڑے ہو کر سمجھدار ہونے کے خوف سے بعجلت ان کا مال نہ کھاؤ اس خیال سے کہ بڑے ہونے کے بعد ان کا مال ان کو سونپنا پڑے گا) اور اولیاء! میں سے جو مالدار ہوں ان کو چاہیے کہ ان کے یعنی یتیموں کے مال سے بچتے رہیں اور اس کے کھانے سے اجتناب کریں، البتہ جو نادار ہو تو وہ یتیم کے مال میں سے دستور کے مطابق اپنے عمل کی اجرت کے بقدر کھا سکتا ہے اور جب ان کے مال ان یتیموں کے حوالہ کرنے لگو تو ان پر گواہ بنالیا کرو کہ انہوں نے مال وصول کر لیا اور تم بری ہو گئے تاکہ اختلاف واقع نہ ہو۔ (اور اختلاف واقع ہونے کی صورت میں) تم گواہ کی جانب رجوع کر سکو، اور یہ امر اصلاحی ہے (یعنی گواہ بنانے کا حکم استحبابی ہے) اور اللہ حساب لینے والا کافی ہے یعنی اپنی مخلوق کے اعمال کا محافظ اور ان کا محاسب ہے۔ (آئندہ آیت) اس دستور کو رد کرنے کے لئے نازل ہوئی جو اہل جاہلیت میں رائج تھا اور وہ عورتوں اور بچوں کو میراث نہ دینے کا دستور تھا، وفات پانے والے ماں باپ کے ترکہ میں مردوں یعنی اولاد و اقارب کا حصہ بھی ہے اور والدین اور خویش و اقارب کے ترکہ میں عورتوں کا حصہ بھی ہے، مال خواہ قلیل ہو یا کثیر، اللہ نے اس میں حصہ متعین کیا ہے اور جب تقسیم میراث کے وقت ایسے رشتہ دار آجائیں جن کا میراث میں حصہ نہیں ہے اور یتیم و مسکین (آجائیں) تو تقسیم سے پہلے تھوڑا بہت ان کو بھی دیدو اور اے اولیاء! ان حاضر ہونے والوں سے خوش اخلاقی کی بات کہدو جبکہ ورثہ (میں) نابالغ بھی ہوں۔ اس طریقہ پر کہ ان سے معذرت کر دو کہ تم اس کے مالک نہیں ہو سکتے اس لئے کہ یہ نابالغ بچوں کا مال ہے اور کہا گیا ہے کہ (غیر ورثاء کو دینے کا حکم) منسوخ ہے اور کہا گیا ہے کہ منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ لوگ (اس حکم پر) ترک عمل ہی میں سہولت سمجھنے لگے ہیں، اور اس عدم نسخ کے قول کے مطابق امر استحباب کے لئے ہے، اور ابن عباس سے مروی ہے کہ یہ حکم وجوب کے لئے ہے اور یتیموں کے بارے میں ان لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر وہ اپنے پیچھے اپنی موت کے بعد چھوٹے ناتواں بچے چھوڑ

تے، یعنی قریب المرگ ہو نیکی وجہ سے چھوڑنے کے قریب ہوتے کہ جن کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا تو چاہئے کہ یتیموں کے معاملہ میں اللہ سے ڈریں اور ان کے ساتھ وہی سلوک کریں جو وہ پسند کریں کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی اولاد کے ساتھ کیا جائے اور مرنے والے یعنی (مریض) سے مناسب بات کہیں (مثلاً) یہ کہ اس سے کہیں کہ تہائی مال سے کم صدقہ کرو اور باقی ورثہ کے لئے چھوڑ دو اور محتاج بنا کر نہ چھوڑو۔ بے شک جو لوگ ناروا طریقہ سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کھاتے ہیں۔ یعنی پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ (ماکول) آگ میں تبدیل ہو جائے گا اور وہ لوگ غنقریب بھڑکتی ہوئی یعنی شدید آگ میں جائیں گے جس میں وہ جلتے رہیں گے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اٰی اهل مكة.

سُئِلَ: مشہور قاعدہ ہے کہ کئی آیتوں میں خطاب یا ایہا الناس سے اور مدنی آیتوں میں یا ایہا الذین آمنوا سے ہوتا ہے

حالانکہ سورہ نساء مدنی ہے مگر اس میں خطاب یا ایہا الناس سے ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: مذکورہ قاعدہ اکثری ہے کئی نہیں، اس کے علاوہ مخاطب یہاں بھی اہل مکہ ہی ہیں۔

قَوْلُهُ: اٰی عِقَابُهُ اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ ذات سے احتراز محال ہے مطلب یہ ہے کہ اس کی اطاعت کر کے اس

کے عذاب سے بچو۔

قَوْلُهُ: حَوَّاء. اِنَّمَا سَمِيتُ حَوَّاءَ لَانْهَآ خُلِقَتْ مِنْ الْحَيِّ.

قَوْلُهُ: تَسَاءَلُوْنَ، تَسَائِلُ سے مضارع ہے جمع مذکر حاضر، تم باہم سوال کرتے ہو، اصل میں تَتَسَاءَلُوْنَ تَحَا تَسَاءَلُوْنَ ثانیہ کو

حذف کر دیا گیا۔

قَوْلُهُ: وَالْاَرْحَامُ، یہ رحم کی جمع ہے بمعنی قرابت رشتہ داری۔

قَوْلُهُ: اَنْ يُقَطَّعُوْا اس میں اشارہ ہے کہ مضاف محذوف ہے لہذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ ارحام سے احتراز کے کوئی معنی

نہیں ہیں۔

قَوْلُهُ: كَانُوا يَتَنَاشَدُوْنَ اٰی يَتَقَا سَمَوْنَ.

قَوْلُهُ: الْاٰلِیٰ، یہ اسم موصول ہے جو کہ مذکر مؤنث یعنی الذی اور الّتی میں مشترک ہے۔ اس لئے کہ یتیم ہونا مذکر یا مؤنث کے

ساتھ خاص نہیں ہے اسی لئے ایسا اسم موصول لائے ہیں جو مذکر اور مؤنث دونوں میں مشترک ہے۔

فَاِیَّاهُ: انسانوں میں یتیم اس بچے کو کہتے ہیں جس کا باپ نہ ہو اور حیوانوں میں جس کی ماں نہ ہو الیتیم فی الاناسی مین

قَبْلُ الْاَبَاءِ وَفِی الْبِهَائِمِ مِنْ قَبْلِ الْاُمَّهَاتِ.

قَوْلًا: یتیمی کی جمع الجمع ہے۔ یتیم کی جمع یتیمیٰ اور یتیمی کی جمع یتیمی۔
قَوْلًا: مَضْمُونَةٌ، اَکْلٌ کا صلہ چونکہ اِلٰی نہیں آتا اسلئے مَضْمُونَةٌ مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ، اِلٰی مَضْمُونَةٌ کے متعلق ہے نہ کہ تَاکُلُوا کے۔

قَوْلًا: اِی اَکَلَهَا، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: اَنَّهُ کی ضمیر اموال کی طرف راجع ہے جو کہ جمع ہے لہذا ضمیر مفرد کا لانا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: تَاکُلُوْنَ سے جواکمل مفہوم ہے اس کی طرف راجع ہے۔

قَوْلًا: تَحَرَّجُوا مِنْ وِلَايَةِ الْيَتَمٰی، یعنی یتیموں کی ولایت سے بچنے اور باز رہنے کی کوشش کرنے لگے۔

قَوْلًا: فَخَافُوا۔

سُؤَال: فَخَافُوا، جزاء محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ جبکہ، فَاَنکَحُوا، جزاء موجود ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ خافوا، ماضی کا صیغہ نہیں ہے جیسا کہ بادی الرائے میں وہم ہوتا ہے بلکہ یہ امر جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تم کو یتیموں کے مال کے بارے میں نا انصافی کا اندیشہ ہے تو ان یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے کی صورت میں بھی نا انصافی کا اندیشہ کرو، مطلب یہ ہے کہ نا انصافی کے اندیشہ میں دونوں صورتیں شریک ہیں، اس اشتراک مفہوم پر مفسر علام کا لفظ ایضاً دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلًا: اِنکَحُوا۔

سُؤَال: جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے حالانکہ یہاں جزاء، فَوَا حِدَةً مفرد ہے۔

جَوَاب: مفسر علام نے انکحوا محذوف مان کر اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اِی اِنکَحُوا وَاحِدَةً اس تقدیر کے بعد جزاء جملہ ہو گئی ہے لہذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلًا: اِقْتَصِرُوا اَعْلٰی، یہ عبارت بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ اَوْ مَا مَلَکَتْ کَا عَطْفِ اِنکَحُوا وَاحِدَةً پر ہے جو کہ عطف مفرد علی الجملہ کے قبیل سے ہے حالانکہ یہ جائز نہیں ہے۔

جَوَاب: یہ ہے کہ مفسر علام نے اِقْتَصِرُوا اَعْلٰی محذوف مان کر اسی سوال کا جواب دیا ہے اِقْتَصِرُوا محذوف ماننے کے بعد عطف جملہ علی الجملہ ہو گیا لہذا کوئی اعتراض نہیں۔

سُؤَال: معطوف میں فعل محذوف کو کس مصلحت سے بدل دیا؟ جبکہ معطوف علیہ میں انکحوا فعل محذوف ہے اور معطوف میں اِقْتَصِرُوا۔

جَوَاب: اگر معطوف میں فعل کونہ بدلتے تو تقدیر عبارت یہ ہوتی اِنکَحُوا مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ، اور یہ درست نہیں ہے۔ اسلئے کہ باندی سے مالک کا نکاح درست نہیں ہے۔ (ترویج الادواح)

قَوْلًا: عَطِيَّةٌ عَنْ طَيْبِ نَفْسٍ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ نَحْلَةٌ مصدر (یعنی مفعول مطلق) کیسے ہو سکتا ہے جبکہ مفعول مطلق کے لئے مصدر کا فعل کے ہم معنی ہونا شرط ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ نَحْلَةٌ بمعنی عطیہ ہے لہذا اپنے فعل جو کہ آتوا النساء ہے کے ہم معنی ہے اسلئے کہ آتوا، اعطوا کے معنی میں ہے۔

قَوْلًا: هَنِئِدًا صِفَتٌ مِثْلُ (ف ن ض) هَنَاءٌ خَوْشِ مَزْهٍ، پَاکِزہ، فَعِيلٌ، کا وزن واحد جمع سب کے لئے آتا ہے اسلئے یہاں ضمیر واحد سے حال ہے۔

قَوْلًا: مَرِيئًا، صِفَتٌ مِثْلُ خَوْشِگَوَارٍ، مَرَاءَةٌ مصدر، خوشگوار ہونا (ک ف س)۔

قَوْلًا: بِغَيْرِ حَقِّ اس اضافہ سے اس شبہ کو دور کر دیا کہ اسراف کے بغیر قیموں کا مال کھا سکتے ہیں، بغیر حق کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ اسراف ہو یا نہ ہو۔

قَوْلًا: فَلْيَسْتَغْفِرْ (استفعال) واحد مذکر غائب، وہ بچتا رہے، احتراز کرے۔

قَوْلًا: لِئَلَّا يَقَعَ اخْتِلَافٌ فتر جعوا الى البَيِّنَةِ، اِیْ اِنْ وَقَعَ اخْتِلَافٌ فتر جعوا الى البَيِّنَةِ۔

قَوْلًا: هَذَا اَمْرٌ اِرْشَادٌ، اِیْ اَمْرٌ اِسْتِحْبَابٌ۔ یعنی امام اعظم کے نزدیک گواہ بنانا امر مستحب ہے، اسلئے کہ امام صاحب کے نزدیک اختلاف کی صورت میں ولی کا قول معتبر ہے۔

قَوْلًا: جَعَلَهُ اللّٰهُ، اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ نَصِيْبًا، جَعَلَ فعل محذوف کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

تَعَوَّلُوا، مضارع جمع مذکر حاضر (ن) مائل ہونا جھکنا، انصاف سے انحراف کرنا، يقال عَالَ الميزانُ إِذَا مَالَ، وَعَالَ الحاكمُ، فِي حَكْمِهِ: إِذَا جَارَ۔

فَانْكَحُوا مَا طَابَ لَكُمْ، وَلَمْ يَقُلْ "مَنْ" كَمَا هُوَ الْمَتْبَادُ فِي اسْتِعْمَالِ "مَنْ" كَمَا هُوَ لِلْعَاقِلِ، وَمَا، لَغَيْرِ الْعَاقِلِ تَغْلِيْبًا۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

رَبط آیت:

سورہ آل عمران کی آخری آیت تقویٰ پر ختم ہوئی ہے اور یہ سورت تقویٰ کے حکم سے شروع ہو رہی ہے لہذا مناسبت ظاہر ہے اس سورت کا نام سورۃ النساء ہے۔ اس سورت میں چونکہ عورتوں کے بہت سے احکام و مسائل کا ذکر ہے اسی مناسبت سے اس

کا نام سورۃ النساء رکھا گیا ہے۔ یَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ، يَأْتِيهَا النَّاسُ مِنْ خطاب پوری نوع انسانی سے ہے، خواہ کسی نسل، کسی رنگ، کسی قوم، کسی جنس، کسی ملک کا ہو، قرآن کا پیغام انسانیت تمام بنی آدم کے لئے ہے، بعض مفسرین نے جن میں مفسر غلام سیوطی بھی شامل ہیں اس کو اہل مکہ کے لئے خاص سمجھا ہے مگر ان کے پاس کوئی وزنی دلیل تخصیص نہیں ہے، خصوصاً جبکہ سورت مکی بھی نہیں بلکہ بالاتفاق مدنی ہے اور لفظ ناس ہے بھی نوع بشر کے لئے، اب رہا یہ ضابطہ کہ یَا أَيُّهَا النَّاسُ سے خطاب اہل مکہ کو ہوتا ہے تو یہ قاعدہ اکثری ہے نہ کہ کلی۔

يَخَاطَبُ عَامٌّ لَيْسَ خَاصًّا بِقَوْمٍ دُونَ قَوْمٍ فَلَا وَجْهَ تَخْصِيصِهَا بِأَهْلِ مَكَّةَ، لَفْظُ، النَّاسُ اسْمٌ لَجِنْسِ الْبَشَرِ. (الناس)

وحدت انسانی کی قرآن میں اہمیت، وحدت نوع انسانی کا یہ سبق اپنے عملی اور دور رس نتائج کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ انسانوں کے جد اعلیٰ ہر گورے اور ہر کالے، ہر وحشی اور ہر مہذب، ہر ہندی اور ہر چینی اور ہر فرنگی کے ایک ہی ہیں اور وہ آدم ہیں یہ نہیں کہ فلاں نسل کے مورث اعلیٰ کوئی اور تھے اور فلاں نسل کے کوئی اور، اور نہ یہ کہ برہمن ذات والے برہما جی کے منہ سے پیدا ہوئے اور چھتری نسل والے ان کے بازو اور سینے سے اور ویش ذات والے ان کے پیٹ سے، اور شودر ذات کے لوگ ان کے پیروں سے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان انسان سب ایک ہیں۔ انسان ہونے کے حیثیت سے نہ کوئی اونچا ہے اور نہ کوئی نیچا، اونچ نیچ اگر ہے تو وہ محض عمل اور کردار کے اعتبار سے ہے زیادہ سے زیادہ نوع انسانی اگر تقسیم ہو سکتی ہے تو وہ یہ کہ نوع انسانی کی دو قسمیں ہیں نیک اور بد۔ خدا ترس اور نا خدا ترس اس کے علاوہ نوع انسانی کی کوئی تیسری قسم نہیں ہے اور عقل اس کو باور بھی نہیں کرتی کہ ایک باپ کی اولاد کے کچھ افراد کسی دوسرے خطۂ ارض میں جا کر آباد ہو جائیں تو وہ ایک الگ نسل ہو جائیں یا ایک باپ کی اولاد میں بعض گورے اور بعض کالے ہو جائیں تو ان کی نسل بھی مختلف ہو جائے یا ایک باپ کی اولاد میں سے بعض ایک لب ولجہ میں اور دوسرے بعض دوسرے لب ولجہ میں بات کرنے لگیں تو ان کی نسل ہی بدل جائے۔

انسان کو پیدا کرنے کی مختلف صورتیں اور طریقے ہو سکتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک خاص صورت کو اختیار فرمایا، کہ سب انسانوں کو ایک ہی انسان یعنی حضرت آدم ﷺ سے پیدا فرما کر سب کو اخوت اور برادری کے مضبوط رشتہ میں باندھ دیا اس کا یہ تقاضہ ہے کہ باہمی ہمدردی اور خیر خواہی کے حقوق پورے ادا کئے جائیں اور ذات پات کی اونچ نیچ اور اونی و نسلی یا لسانی و علاقائی امتیازات کو شرافت و رذالت کا معیار نہ بنایا جائے ”إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ اتَّقَاكُمْ“ دادی حواء کی تخلیق کی تفصیلی کیفیت سے قرآن مجید یکسر خاموش ہے اور تقریباً یہی حال حدیث کا بھی ہے جس مشہور حدیث کی رو سے حضرت حواء کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا بیان کیا جاتا ہے اس میں ذکر نہ حضرت آدم ﷺ کا ہے اور نہ حضرت حواء کا، بلکہ محض عورت کی پیدائش اور اس کی کج سرشتی کا بیان ہے (ماجدی) آثار میں جو روایت ملتی ہے وہ روایت، تورات کی آواز کی بازگشت ہے اور تورات کا بیان حسب ذیل ہے۔

”خداوند نے آدم پر پیاری نیند بھیجی کہ وہ سو گیا اور اس نے اس کی پسلیوں میں سے ایک پسلی نکالی اور اس کے بدلے گوشت بھر دیا۔ اور خداوند خدا نے اس پسلی سے جو آدم سے نکالی تھی ایک صورت بنا کر آدم کے پاس بھیجی“

(پیدائش ۲: ۲۲، ۲۳)

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا، میں مِنْهَا کی ضمیر نفس کی طرف راجع ہے جس سے حضرت آدم عليه السلام مراد ہیں یعنی آدم سے ان کی بیوی حضرت حوا، پیدا کیا، حضرت آدم سے حوا، کس طرح پیدا ہوئیں اس کی قدرے تفصیل تورات کی عبارت سے اوپر گزر چکی ہے، اسی مضمون کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے، ”إِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلْعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلْعِ أَغْلَاذُهُ“ (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق) عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہے اگر تو اسے سیدھا کرنا چاہے تو توڑ بیٹھے گا اور اگر تو اس سے فائدہ اٹھانا چاہے تو کچی کے ساتھ ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مِنْهَا کی ضمیر ہا، عموماً نفس کی طرف لوٹائی گئی ہے لیکن ایک قول یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مِنْهَا یہاں من جنسہا کے مرادف ہے۔

القول الثانی: ما هو اختار ابو مسلم الا صفهائي ان المراد من قوله ”خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا“ ای من جنسها (کبیر) ويحتمل ان يكون المعنى من جنسها لا من نفسه حقيقة (نہر) اور یہی قول ابو مسلم کے علاوہ ابن بحر سے بھی منقول ہے اور نفس کو جنس کے معنی میں قرآن مجید میں بار بار لایا گیا ہے جیسا کہ صاحب منار نے تصریح کے ساتھ اپنے یہاں نقل کیا ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عورت کی پیدائش ٹیڑھی پسلی سے محض بہ طور تشبیہ کے ارشاد فرمائی گئی ہو اور مقصود محض اس کی کج روی کو بیان کرنا ہو جیسا کہ مذکورہ حدیث کا مضمون اس کی کھلی تائید کرتا ہے۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن میں انسان کی پیدائش کو ”خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ“ کہہ کر جلد بازی اور شتابی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ عَلَى جِهَةِ التَّمثِيلِ لِاضْطِرَابِ أَخْلَاقِهِمْ وَكَوْنِهِمْ لَا يَثْبُتْنَ عَلَى حَالَةٍ وَاحِدَةٍ كَمَا جَاءَ خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ. (بحر)

اس معنی کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حدیث میں ذکر جنس عورت کا ہے نہ کہ شخصاً حضرت حوا، کا اور بعض شارحین حدیث اسی طرف گئے ہیں، مثلاً کرمانی حدیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ یہ فطرت نسوانی کی کجی کی طرف صرف اشارہ ہے (مجمع البحار الانوار۔ جلد ۲) بخاری شریف کی ایک حدیث میں تو بالکل صاف ہے کہ عورت مثل پسلی کے ہے۔

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال الْمَرْأَةُ كَالضِّلْعِ إِنْ أَقْمَتَهَا كَسَرَتْهَا (بخاری کتاب النکاح) پسلی

بول کر گئی اور انحراف کی طرف اشارہ ہے۔

وَالْاِرْحَامَ، اس کا عطف، اللہ، پر ہے مطلب یہ ہے کہ اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو، اور رشتے نا طے توڑنے سے بھی بچو، اس سے محرم اور غیر محرم دونوں رشتے مراد ہیں رشتے نا طوں کو توڑنا سخت گناہ ہے جسے قطع رحمی کہتے ہیں حدیث میں قطع رحمی کرنے والے کیلئے سخت وعید وارد ہوئی ہے وَرَدَ فِی الْحَدِیْثِ الرَّحْمَ مَعْلُقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُولُ اَلَا مَنْ وَصَلْنِی وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعْنِی قَطَعَهُ اللّٰهُ، رحم عرش الہی سے معلق دعا کرتا رہتا ہے کہ مجھے جو جوڑے رکھے اللہ اسے جوڑے رکھے اور جو مجھے کاٹے اللہ اسے کاٹے۔ اور صلہ رحمی کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔

وَاتَّوُوا الْيَتَامٰی اَمْوَالَهُمْ یَتِیْمٌ جَبَّ بَالُغٌ اور با شعور ہو جائے تو ان کا مال ان کے سپرد کر دو۔ خبیث سے ردی اور طیب سے عمدہ چیز مراد ہے، یعنی ایسا نہ کرو کہ ان کے مال سے اچھی چیزیں لے لو اور محض گنتی پوری کرنے کے لئے گھٹیا چیزیں ان کے بدلے میں رکھ دو۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ (الایة) اس آیت کی تفسیر حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے اس طرح مروی ہے کہ صاحب حیثیت اور صاحب جمال یتیم لڑکی کسی ولی کی سرپرستی میں ہوتی تو وہ اس کے مال و جمال کی وجہ سے اس سے شادی تو کر لیتا، لیکن اس کا دوسری عورتوں کی طرح پورا حق مہر نہ دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے روکا ہے اگر تم گھر کی یتیم بچیوں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتے تو ان سے نکاح مت کرو۔ تمہارے لئے دوسری عورتوں سے نکاح کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ (بخاری شریف) بلکہ ایک کے بجائے چار تک نکاح کر سکتے ہو بشرطیکہ ان کے درمیان انصاف کے تقاضے پورے کر سکو، ایک سے زائد کرنے کی اجازت ہے، حکم نہیں، اور وہ بھی انصاف کی شرط کے ساتھ۔ ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ان کے شاگرد و مکرمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس آیت کی تفسیر یہ بیان کرتے ہیں کہ جاہلیت میں نکاح کی کوئی حد نہ تھی ایک شخص دس دس، بیس بیس بیویاں کر لیتا تھا، اور جب اس کثرت ازدواج سے مصارف بڑھ جاتے تھے تو مجبور ہو کر اپنے یتیم بھتیجیوں، بھانجیوں اور دوسرے بے بس عزیزوں کے حقوق پر دست درازی کرتا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے چار کی حد مقرر کر دی، ایک روایت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے چنانچہ روایت میں مذکور ہے کہ طائف کا رئیس غیلان ابن سلمہ ثقفی جب اسلام لایا تو اس کی دس بیویاں تھیں آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ چار بیویاں رکھ لے اور باقی کو چھوڑ دے اسی طرح ایک دوسرے شخص (نوفل بن معاویہ دیلمی) کی پانچ بیویاں تھیں آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو چھوڑ دے۔

تعداد ازدواج:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام نے تعداد ازدواج کا حکم نہیں دیا بلکہ نہایت سخت شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے اور شرائط نہ پوری کرنے کی صورت میں عند اللہ مواخذہ کی وعید فرمائی ہے اور حکومت، وقت کو بھی اختیار دیا ہے کہ وہ عدم انصاف اور ظلم و زیادتی کی صورت میں مداخلت کر سکتی ہے۔

بعض لوگ اپنی غلامانہ ذہنیت کے نیچے میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن کا اصل مقصد تعداد ازدواج کے طریقہ

کو ختم کرنا تھا مگر چونکہ یہ طریقہ بہت زیادہ رواج پا چکا تھا اس لئے اس کی حد بندی کر کے چھوڑ دیا مگر یہ اہل مغرب کی مسیحیت زدہ ذہنیت سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے، تعدد ازواج کا بذات خود برائی ہونا بجائے خود ناقابل تسلیم ہے کیونکہ بعض حالات میں یہ چیز ایک تمدنی اور اخلاقی ضرورت بن جاتی ہے اگر اس کی اجازت نہ دی جائے تو وہ لوگ جو ایک عورت پر قانع نہیں رہ سکتے وہ حصار نکاح سے باہر صنفی بد امنی پھیلانے لگتے ہیں جس کے نقصانات تمدن اور معاشرہ کے لئے اس سے بہت زیادہ ہیں جو تعدد ازواج سے پہنچ سکتے ہیں اسی لئے قرآن نے ان لوگوں کو اجازت دی ہے جو اس کی ضرورت محسوس کریں۔

تعدد ازواج اور اسلام سے پہلے اقوام عالم میں اس کا رواج:

ایک مرد کے لئے متعدد بیویاں رکھنا اسلام سے پہلے بھی تقریباً دنیا کے تمام مذاہب میں جائز سمجھا جاتا تھا عرب، ہندوستان، ایران، مصر، بابل وغیرہ ممالک کی ہر قوم میں کثرت ازواج کی رسم جاری تھی اور اس کی فطری ضرورتوں سے آج بھی کوئی انکار نہیں کر سکتا دور حاضر میں یورپ نے اپنے متقدمین کے خلاف تعدد ازواج کو ناجائز کرنے کی کوشش کی تو اس کا نتیجہ بے نکاحی داشتائوں کی صورت میں برآمد ہوا، بالآخر فطری قانون غالب آیا اور اب وہاں کے اہل بصیرت حکماء خود اس کو رواج دینے کے حق میں ہیں مسٹر ڈیون پورٹ جو ایک مشہور عیسائی فاضل ہے تعدد ازواج کی انجیل سے بہت سی آیتیں نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے۔

ان آیتوں میں یہ پایا جاتا ہے کہ تعدد ازواج صرف پسندیدہ ہی نہیں بلکہ خدا نے اس میں خاص برکت رکھی ہے۔ اسی طرح پادری نکسن اور جان ملٹن اور اپزک ٹیلر نے پُر زور الفاظ میں اس کی تائید کی ہے، اسی طرح ویدک تعلیم غیر محدود ازواج کو جائز رکھتی ہے، اور اس سے دس دس، تیرہ تیرہ، ستائیس ستائیس بیویوں کو ایک وقت میں جمع رکھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔

”کرشن“ جو ہندوؤں میں قابل تعظیم اوتار مانے جاتے ہیں ان کی سینکڑوں بیویاں تھیں، تعدد ازواج نہ صرف انسداد زنا کاری ہے بلکہ ایک سماجی ضرورت بھی ہے اور مردوں کی بہ نسبت عورتوں کی کثرت کا علاج بھی، مردوں کی نسبت عورتوں کی کثرت ایک مشاہداتی بات ہے۔ اول تو لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کی پیدائش زیادہ ہے جس سے کوئی بھی چشم بصیرت رکھنے والا انکار نہیں کر سکتا اور اگر بالفرض پیداوار میں برابری بھی تسلیم کر لی جائے تو حادثات اور جنگوں میں مردوں کی زیادہ تر ہلاکت سے کون انکار کر سکتا ہے؟

اگر تعدد ازواج کی اجازت نہ دی جائے تو داشتہ اور پیشہ ور کسی عورتوں کی افراط ہوگی یہی وجہ ہے کہ جن قوموں میں تعدد ازواج کی اجازت نہیں ان میں زنا کی کثرت ہے، یورپین اقوام کو دیکھ لیجئے۔ ان کے یہاں تعدد ازواج پر تو پابندی ہے مگر بطور داشتہ یا گرل فرینڈ کے بطور جتنی بھی عورتیں رکھنا چاہے رکھ سکتا ہے یہ کیا تماشہ ہے!!؟ نکاح ممنوع اور زنا جائز۔

رحمۃ اللعالمین اور تعدد ازواج:

نبی کی بعثت کا مقصد تبلیغ احکام اور تزکیہٴ نفوس ہوتا ہے، آپ ﷺ نے اسلام کی تعلیمات کو قولاً وفعلاً دنیا میں پھیلا دیا، انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ جس میں نبی کی رہبری کی ضرورت نہ ہو، کھانے، پینے، اٹھنے، بیٹھنے، سونے، جاگنے، طہارت و نجاست، عبادت و ریاضت غرض حکمرانی سے لیکر گلہ بانی تک وہ کونسا شعبہ ہے کہ جس میں آپ ﷺ کی قوی یا فعلی ہدایات موجود نہ ہوں، اندرون خانہ آپ ﷺ نے کیا عمل کیا؟ یا بیویوں سے کیسے تعلقات رکھے؟ گھر میں آکر مسائل پوچھنے والی خواتین کو آپ ﷺ نے کیا کیا جوابات دیئے؟ اس قسم کے سینکڑوں مسائل ہیں جن سے ازواج مطہرات کے ذریعہ ہی امت کو رہنمائی ملی ہے، کثرت ازواج میں آپ ﷺ کے یہی ضرورت پیش نظر تھی، صرف حضرت عائشہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے سیرت نبوی کے متعلق دو ہزار دو سو روایات مروی ہیں، حضرت ام سلمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کی مرویات کی تعداد ۳۷۸ تک پہنچتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے بلند مقاصد اور پورے عالم کی انفرادی اور اجتماعی، خانگی اور ملکی اصلاحات کی فکروں کو دنیا کے شہوت پرست انسان کیا جانیں؟ وہ تو سب کو اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں، اسی کے نتیجے میں کئی صدی سے یورپ کے ملحدین اور مستشرقین نے ہٹ دھرمی سے فخر عالم ﷺ کے تعدد ازواج کو ایک خالص جنسی اور نفسانی خواہش کی پیداوار قرار دیا ہے، اگر آپ ﷺ کی سیرت پاک پر ایک سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو ایک ہوشمند منصف مزاج کبھی بھی آپ کی کثرت ازواج کو اس پر محمول نہیں کر سکتا۔

آپ نے اپنی معصوم زندگی قریش مکہ کے سامنے اس طرح گزاری کہ پچیس سال کی عمر میں ایک سن رسیدہ بیوہ صاحب اولاد (جس کے دو شوہر فوت ہو چکے تھے) سے عقد کر کے عمر کے پچیس سال تک ان ہی کے ساتھ گزارہ کیا وہ بھی اس طرح کہ مہینہ مہینہ گھر چھوڑ کر غار حرا میں مشغول عبادت رہتے تھے دوسرے نکاح جتنے بھی ہوئے، پچاس سال عمر شریف ہونے کے بعد ہوئے، یہ پچاس سالہ زندگی اور غفوان شباب کا سارا وقت اہل مکہ کی نظروں کے سامنے تھا کبھی کسی دشمن کو بھی آنحضرت ﷺ کی طرف کوئی ایسی چیز منسوب کرنے کا موقع نہیں ملا جو تقویٰ و طہارت کو مشکوک کر سکے آپ کے دشمنوں نے آپ پر، ساحر، شاعر، مجنون، کذاب، مفتری جیسے الزامات لگانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن آپ کی معصوم زندگی پر کوئی ایسا حرف کہنے کی جرأت نہیں ہوئی جس کا تعلق جنسی اور نفسانی جذبات کی بے راہ روی سے ہو۔

ان حالات میں یہ بات غور طلب ہے کہ جوانی کے پچاس سال اس زہد و تقویٰ اور لُذائذ دنیا سے یکسوئی میں گزارنے کے بعد وہ کیا داعیہ تھا جس نے آخر عمر میں متعدد نکاحوں پر مجبور کیا، اگر دل میں ذرا سا بھی انصاف ہو تو ان متعدد نکاحوں کی وجہ اس کے سوا نہیں بتلائی جاسکتی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔

آپ ﷺ کے متعدد نکاحوں کی کیفیت و حقیقت:

پچیس سال کی عمر شریف سے لے کر پچاس سال کی عمر شریف ہونے تک تنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی زوجہ رہیں، ان کی وفات کے بعد حضرت سودہ اور حضرت عائشہ سے نکاح ہوا۔ حضرت سودہ تو آپ کے گھر تشریف لے آئیں اور حضرت عائشہ صغر کی وجہ سے اپنے والد کے گھر ہی رہیں پھر چند سال کے بعد ۲ھ میں مدینہ منورہ میں حضرت عائشہ کی رخصتی ہوئی اس وقت آپ ﷺ کی عمر بچوں (۵۴) سال ہو چکی تھی۔ اس عمر میں آکر دو بیویاں جمع ہوئیں یہاں سے تعدد ازواج کا معاملہ شروع ہوا اس کے ایک سال بعد حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔ پھر کچھ ماہ بعد حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔ اور انہوں نے صرف اٹھارہ ماہ آپ کے نکاح میں رہ کر وفات پائی۔ ایک قول کے مطابق آپ کے نکاح میں تین ماہ زندہ رہیں پھر ۲ھ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا پھر ۵ھ میں حضرت زینب بنت جحش سے نکاح ہوا، اس وقت آپ کی عمر شریف اٹھاون (۵۸) سال تھی اتنی بڑی عمر میں چار بیویاں بیک وقت جمع ہوئیں۔ حالانکہ جس وقت امت کو چار بیویوں کی اجازت مل چکی تھی اس وقت ہی آپ کم از کم چار نکاح کر سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اس کے بعد ۶ھ میں حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اور ۷ھ میں ام حبیبہ سے اور پھر ۸ھ ہی میں حضرت صفیہ سے اور پھر اسی سال حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح ہوا۔

وَابْتََلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (الآیہ) یعنی جب وہ سن بلوغ کے قریب پہنچ رہے ہوں تو خیال رکھو کہ ان کا عقلی نشوونما کیسا ہے؟

فَإِنْ أَنْسَلَمْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ (الآیہ) مال حوالہ کرنے کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک بلوغ اور دوسرے رشد یعنی مال کے صحیح استعمال کی اہلیت، پہلی شرط کے متعلق تو فقہاء امت کا اتفاق ہے۔ دوسری شرط کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ اگر سن بلوغ کو پہنچنے پر یتیم میں رشد نہ پایا جائے تو ولی یتیم کو سات سال اور انتظار کرنا چاہئے اس کے بعد خواہ رشد پایا جائے یا نہ پایا جائے اس کا مال اس کے حوالہ کر دینا چاہئے، اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ، امام محمد اور امام شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ مال حوالہ کئے جانے کے لئے بہر حال رشد کا پایا جانا ضروری ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ (الآیہ) اسلام سے قبل ایک یہ ظلم بھی روا رکھا جاتا تھا کہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا، صرف بڑے لڑکے جو لڑنے کے قابل ہوتے تھے تمام مال کے وارث قرار پاتے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مردوں کی طرح عورتیں اور بچے، بچیاں اپنے والدین اور اقارب کے مال میں حصہ دار ہوں گے، انہیں محروم نہیں کیا جائے گا یہ الگ بات ہے کہ لڑکی کا حصہ لڑکے کے حصہ سے نصف ہے، یہ عورت پر ظلم نہیں ہے نہ اس کا استخفاف ہے، بلکہ اسلام کا یہ قانون میراث، عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے کیونکہ عورت کو اسلام نے معاش کی ذمہ داری سے فارغ رکھا ہے اور مرد کو اس کا کفیل بنایا ہے علاوہ ازیں عورت کے پاس مہر کی صورت میں مال آتا ہے اس لحاظ سے عورت کے

مقابلہ میں مرد پر کئی گنا زیادہ مالی ذمہ داریاں ہیں اسلئے اگر عورت کا حصہ نصف کے بجائے مرد کے برابر ہوتا تو یہ مرد پر ظلم ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی ظلم نہیں کیا کیونکہ وہ عادل بھی ہے اور حکیم بھی۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ (الآیۃ) اس آیت کو بعض علماء نے آیت میراث سے منسوخ قرار دیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ امداد کے مستحق رشتہ داروں میں سے جو لوگ وراثت میں حصہ دار نہ ہوں انہیں بھی تقسیم کے وقت کچھ دے دو، نیز ان سے بات بھی پیار و محبت کے انداز میں کرو۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً (الآیۃ) بعض مفسرین کے نزدیک اس کے مخاطب اوصیاء ہیں (یعنی جن کو وصیت کی جاتی ہے) ان کو نصیحت کی جارہی ہے کہ ان کے زیر کفالت جو یتیم ہیں ان کے ساتھ وہ ایسا سلوک کریں جو وہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنے مرنے کے بعد کیا جانا پسند کرتے ہیں بعض کے نزدیک اس کے مخاطب عام لوگ ہیں کہ وہ یتیموں اور دیگر چھوٹے بچوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں قطع نظر اس سے کہ وہ ان کی زیر کفالت ہیں یا نہیں، بعض کے نزدیک اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جو قریب المرگ کے پاس بیٹھے ہوئے ہوں ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ مرنے والے کو اچھی باتیں سمجھائیں تاکہ وہ نہ حقوق اللہ میں کوتاہی کرے اور نہ حقوق العباد میں۔

حدیث میں آیا ہے کہ جنگ احد کے بعد سعد بن ربیع کی بیوی اپنی دو بچیوں کو لئے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ سعد کی بچیاں ہیں جو آپ کے ساتھ احد میں شہید ہوئے ہیں، ان کے چچانے پوری جائداد پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کے لئے ایک حبہ تک نہیں چھوڑا ہے اب بھلا ان بچیوں سے کون نکاح کرے گا؟ اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي شَأْنِ أَوْلَادِكُمْ بِمَا يُذَكِّرُ لِلذَّكَرِ مِنْهُمْ مِثْلُ حَظِّ النِّسَاءِ إِذَا اجْتَمَعَتَا مَعَهُ فَلَهُ نِصْفُ الْمَالِ وَلَهُمَا النِّصْفُ فَإِنْ كَانَ مَعَهُ وَاحِدَةٌ فَلَهَا الثُّلُثُ وَلَهُ الثُّلُثَانِ وَإِنْ انفَرَدَ حَازَ الْمَالُ فَإِنْ كُنَّ أَيْ الْأَوْلَادُ نِسَاءً فَقَطْ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ الْمَيِّتُ وَكَذَا الْاِثْنَتَانِ لِأَنَّهُ لَلْأُخْتَيْنِ بِقَوْلِهِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ بِمَا تَرَكَ فهُمَا أُولَى وَلَآنَ الْبِنْتُ تَسْتَحِقُّ الثُّلُثَ مَعَ الذَّكَرِ فَمَعَ الْأُنْثَى أُولَى وَفَوْقَ قِيلَ حِلَّةٌ وَقِيلَ لِدَفْعِ تَوْبِهِمْ زِيَادَةَ النِّصَابِ بِزِيَادَةِ الْعَدَدِ لِمَا فُهِمَ اسْتِحْقَاقُ الْاِثْنَتَيْنِ الثُّلُثَيْنِ مِنْ جَعْلِ الثُّلُثِ لِلْوَاحِدَةِ مَعَ الذَّكَرِ وَإِنْ كَانَتْ الْمُؤَلُّودَةُ وَاحِدَةً وَفِي قِرَاءَةٍ بِالرَّفْعِ فَكَانَ ثَامَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَالْأَبَوِيَّةُ أَيْ الْمَيِّتِ وَيُبَدَّلُ مِنْهُمَا لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ بِمَا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ذَكَرًا أَوْ أُنْثَى وَنَكْتَةُ الْبَدَلِ إِفَادَةُ أَنَّهُمَا لَا يَشْتَرِكَانِ فِيهِ وَالْحَقُّ بِالْوَلَدِ وَلِذَا لَازِمٌ بِالْأَبِ الْجَدُّ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتُهُ أَبَوَاهُ فَقَطَّ او مَعَ زَوْجٍ فَلِأُمِّهِ بَضْمَةُ الْهَمْزَةِ وَبِكَسْرٍ بِإِفْرَازٍ مِنَ الْاِنتِقَالِ مِنْ ضَمَّةٍ إِلَى كَسْرَةٍ لِثِقَلِهِ فِي الْمَوْضِعَيْنِ الثُّلُثُ أَيْ ثُلُثُ الْمَالِ أَوْ مَا يَبْقَى بَعْدَ الزَّوْجِ وَالْبَاقِي لِلْأَبِ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ أَيْ إِثْنَانِ فَصَاعِدًا ذُكُورًا أَوْ إِنَاثًا

فَلِأَمْرِ السُّدُسِ وَالْبَاقِي لِلآبِ وَلَا شَيْءَ لِلْإِخْوَةِ وَإِذَا مَن ذَكَرَ مَا ذَكَرَ مِنْ بَعْدِ تَنْفِيزِ وَصِيَّةِ يُوصِي
بِالْبِنَاءِ لِلنَّاعِلِ وَالْمَعْمُولِ بِهَا أَوْ قَضَاءِ دَيْنٍ عَلَيْهِ وَتَقْدِيمِ الْوَصِيَّةِ عَلَى الدَّيْنِ وَإِنْ كَانَتْ مُؤَخَّرَةً عَنْهُ
فِي الْوَفَاءِ لِلإِبْتِمَامِ بِهَا أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ مُبْتَدَأُ خَيْرُهُ لَاتَدْرُونَ أَيُّهُمَا أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
فَطَرَانِ أَنْ إِبْنَهُ أَنْفَعُ لَهُ فَيُعْطِيهِ الْمِيرَاثَ فَيَكُونُ الْآبُ أَنْفَعُ وَبِالْعَكْسِ وَإِنَّمَا الْعَالِمُ بِذَلِكَ اللَّهُ فَفَرَضَ لَكُمْ
الْمِيرَاثَ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا بِخَلْقِهِ ۝ حَكِيمًا ۝ فِيمَا دَبَّرَهُ لَهُمْ أَيْ لَمْ يَزَلْ مُتَعَمِّقًا بِذَلِكَ
وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ مِّنْكُمْ أَوْ مَن غَيْرِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ
بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۝ وَالْحَقُّ بِالْوَلَدِ فِي ذَلِكَ وَلَدُ الْإِبْنِ بِالْإِجْمَاعِ وَلَهُنَّ أَيْ الزَّوْجَاتُ تَعْدَدْنَ
أَوَّلَ الرُّبْعِ مِمَّا تَرَكَتُمْنَ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ مِّنْهُنَّ أَوْ مَن غَيْرِهِنَّ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكَتُمُوهُنَّ
بَعْدَ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۝ وَلَدُ الْإِبْنِ كَالْوَلَدِ فِي ذَلِكَ أَجْمَاعًا وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ صِفَةً وَالْخَيْرُ كُلَّهُ
أَيْ لَا وَالِدَ وَلَا وَلَدَ أَوْ امْرَأَةً تُوْرَثُ كُلُّهُ وَلَهُ أَيْ لِلْمُورَثِ الْكَلَالَةِ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ أَيْ مِّنْ أُمِّ وَقَرَابَةِ ابْنِ
مُسْعُودٍ وَغَيْرِهِ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ فَإِنْ كَانُوا أَيْ الْإِخْوَةُ وَالْأَخَوَاتُ مِّنَ الْأُمِّ أَكْثَرُ مِنْ ذَلِكَ أَيْ
مِنَ وَاحِدٍ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ يَنْسَبُونَ فِيهِ ذُكُورُهُمْ وَإِنَاثُهُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ غَيْرِ مُضَارٍّ
حَالٌ مِّنْ ضَمِيرِ يُوصِي أَيْ غَيْرَ مُدْخِلِ الضَّرْبِ عَلَى الْوَرَثَةِ بَأَن يُوصِي بِأَكْثَرِ مِنَ الثُّلُثِ وَصِيَّةٌ مُّخْتَصَرٌ
مُّؤَكَّدٌ لِيُوصِيَكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا دَبَّرَهُ لِخَلْقِهِ مِنَ الْفَرَائِضِ ۝ حَلِيمٌ ۝ بِتَاخِيرِ الْعُقُوبَةِ عَمَّنْ خَالَفَهُ
وَحُصَّتِ السُّنَّةُ تَوْرِيثُكَ مَن ذَكَرَ بَمَنْ لَيْسَ فِيهِ مَنَاعٌ مِّنْ قَتْلِ أَوْ اخْتِلَافِ دِينٍ أَوْ رِقٍّ تِلْكَ الْأَحْكَامُ
الْمَذْكُورَةُ مِّنْ أَمْرِ الْيَتَمَى وَمَا بَعْدَهُ حُدُودُ اللَّهِ شَرَائِعُهُ الَّتِي حَذَّبَا لِعِبَادِهِ لِيَعْمَلُوا بِهَا وَلَا يَعْتَدُوا بِهَا
وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَيَمَّا حَكَمَ بِهِ يُدْخِلْهُ بِالْيَأَى وَالنُّونِ الثَّقَاتَا جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَمَنْ يَعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ بِالْوَجْهَيْنِ نَارًا خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ فِيهَا
عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝ ذَوَابَّةُ رُزُوعِي فِي الضَّمَائِرِ فِي الْإِيتَيْنِ لَفْظٌ مِّنْ وَفَى خَلِيدَيْنِ مَغْنَابًا.

تَرْجُمَہ: اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں (آئندہ) مذکور کا حکم دیتا ہے اولاد میں سے ایک لڑکے کے لئے دو

لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے جبکہ دو لڑکیاں ایک لڑکے کے ساتھ ہوں، لڑکے کیلئے مال (متروکہ) کا نصف ہے اور دونوں
لڑکیوں کے لئے نصف (اور) اگر ایک لڑکے کے ساتھ ایک لڑکی ہو تو لڑکی کیلئے ایک ثلث اور لڑکے کیلئے دو ثلث اور اگر لڑکا تنہا ہو
تو پورا مال لے لیگا۔ اور اگر اولاد صرف لڑکیاں ہی ہوں، دو سے زیادہ تو ان کیلئے میت کے متروکہ مال کا دو ثلث ہے اور اسی
طرح جبکہ لڑکیاں صرف دو ہوں اسلئے کہ دو تہائی دو بہنوں کیلئے ہے اللہ تعالیٰ کے قول: فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ، کی وجہ سے،

لہذا دو لڑکیاں اس کی بطریق اولیٰ مستحق ہوگی۔ اور اس لئے کہ لڑکی لڑکے کے ساتھ ایک تہائی کی مستحق ہوتی ہے تو مؤنث کے ساتھ بطریق اولیٰ مستحق ہوگی اور لفظ فوق، کہا گیا ہے کہ صلہ یعنی (زائد) ہے اور کہا گیا ہے کہ لڑکیوں کی تعداد کے زیادہ ہونے کی صورت میں حصہ کے زیادہ ہونے کے وہم کو دفع کرنے کے لئے ہے کہ دو لڑکیوں کا دو ثلث کا مستحق ہونا لڑکے کے ساتھ ایک لڑکی ہونے کی صورت میں ایک ثلث سے سمجھا گیا، اور اگر اولاد میں فقط ایک لڑکی ہو تو لڑکی کو (ترکہ) کا نصف ہے، اور ایک قرأت میں (واحدة) رفع کے ساتھ ہے، تو اس صورت میں 'کَنَان' تامہ ہوگا اور میت کے والدین میں سے ہر ایک کے لئے متروکہ مال سے چھٹا حصہ ہے اگر میت کی اولاد ہو، خواہ لڑکا ہو یا لڑکی، اور (لِکُلِّ وَاحِدٍ) اَبَوْنِہ سے بدل ہے، اور بدل میں نکتہ یہ ہے کہ اس بات کا فائدہ ہو گیا کہ دونوں ایک سدس میں شریک نہ ہوں گے، (بلکہ ہر ایک کو سدس) ملے گا، اور ولد کے ساتھ ولد الابن اور اب کے ساتھ جد بھی شامل کر دیا گیا ہے اور اگر (میت) کے اولاد نہ ہو اور وارث فقط اس کے والدین ہی ہوں یا مرنے والے کا زوج بھی ہو (بیوی یا شوہر) تو (میت) کی والدہ کیلئے کل مال کا ایک تہائی ہے یا زوج کو دینے کے بعد مابقیہ کا ایک تہائی ہے، اور باقی والدہ کیلئے ہے۔ (فَلَا مَقَّہ) کا ہمزہ ضمہ کے ساتھ، اور کسرہ کے ساتھ بھی ہے، ضمہ سے کسرہ کی طرف انتقال سے بچنے کے لئے اس کے ثقیل ہونے کی وجہ سے دونوں جگہوں میں، اور اگر میت کے دو یا دو سے زیادہ بھائی یا بہن ہوں تو میت کی والدہ کے لئے ایک سدس ہے اور باقی والد کے لئے ہے، اور بھائی بہنوں کے لئے کچھ نہیں ہے اور مذکورین کے لئے مذکورہ حصے میت کی وصیت کو نافذ کرنے یا قرض ادا کرنے کے بعد ہیں (کَبُوَصْبِی) معروف و مجہول دونوں طریقہ پر ہے اور وصیت کی دین پر تقدیم اس کے اہتمام کی وجہ سے ہے اگر چہ اداء میں مؤخر ہے تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ دنیا و آخرت میں تم کو فائدہ پہنچانے میں تمہارے کون زیادہ قریب ہے؟ (اَبَاؤُكُمْ وَ اَبْنَاؤُكُمْ) مبتداء ہے اور لَا تَذَرُوْنَ، اس کی خبر ہے، یہ گمان کرنے والا کہ اس کا بیٹا اس کے لئے زیادہ مفید ہے تو اس کو میراث دیدیتا ہے حالانکہ اس کا باپ اس کیلئے زیادہ نافع ہوتا ہے اور اس کا عکس بھی ہو سکتا ہے اس کا جاننے والا تو درحقیقت اللہ ہی ہے جس وجہ سے اس نے تمہارے لئے میراث (کے حصے) مقرر کر دیئے، یہ حصے اللہ کی جانب سے مقرر کردہ ہیں اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر ہے اور اس میں با حکمت ہے، جو اس نے ان کے لئے مقرر کیا ہے یعنی وہ اس صفت کے ساتھ ہمیشہ متصف ہے اور تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اس کا تمہارے لئے نصف ہے اگر ان کے تم سے یا دوسرے شوہر سے اولاد نہ ہو اور اگر ان کی اولاد ہو تو متروکہ مال میں تمہارے لئے چوتھائی ہے ان کی وصیت کو نافذ کرنے یا ان کے قرض کو ادا کرنے کے بعد، اور اس حکم میں بیٹے کے ساتھ پوتا بالا جماع ملایا گیا ہے، اور بیویوں کیلئے متعدد ہوں یا نہ ہوں تمہارے متروکہ مال کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو خواہ ان سے ہو یا دوسری بیویوں سے، تو ان کے لئے تمہارے متروکہ مال میں سے آٹھواں حصہ ہے ان کی وصیت کو نافذ اور قرض کو ادا کرنے کے بعد، اور پوتا اس حکم میں بالا جماع بیٹے کی مانند ہے، اور مورث مرد ہو یا عورت گُلَّة ہو یعنی نہ اس کے بیٹا ہو اور نہ باپ (یورث) رجل کی صفت ہے اور گُلَّة، کَنَان کی خبر ہے اور اگر عورت، مورث گُلَّة ہو اور مورث گُلَّة

کے ماں شریک بھائی یا بہن ہو، اور یہ قرأت ابن مسعود وغیرہ کی ہے، تو متروکہ مال میں سے ان میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ ہے اور اگر ماں شریک بھائی اور بہن ایک سے زائد ہوں تو یہ سب کے سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے، اور مذکر اور مؤنث اس میں برابر ہوں گے، وصیت کے نافذ کرنے اور قرض کے ادا کرنے کے بعد، جبکہ دوسروں کا نقصان نہ ہو (غیر مضار) یوصی، کی ضمیر سے حال ہے یعنی ورثاء کو ضرر پہنچانے والا نہ ہو، اس طریقہ سے کہ ثلث سے زیادہ کی وصیت کرے یہ حکم اللہ کا مقرر کیا ہوا ہے وصیۃ، یوصیکم کی تاکید کیلئے ہے، اور اللہ تعالیٰ اس کی حکمت خوب جانتا ہے جو فرائض اس نے اپنی مخلوق کے لئے مقرر کئے ہیں اور ان احکام کی مخالفت کرنے والے سے سزا مؤخر کرنے میں بردبار ہے اور سنت رسول نے مذکورہ توریت اس وارث کے لئے خاص کی ہے جس میں (وراثت سے) کوئی مانع نہ ہو مثلاً قتال یا اختلاف دین یا رقیبت قیموں کا معاملہ اور اس کے بعد کے یہ احکام مذکورہ، اللہ کی حدود ہیں یعنی اس کے احکام ہیں جن کو اللہ نے اپنے بندوں کیلئے مقرر فرمایا ہے تاکہ اس پر عمل کریں اور ان سے تجاوز نہ کریں اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی مذکورہ احکام میں اطاعت کرے گا اسے اللہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا کہ جن میں نہریں جاری ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے (نُذْخِلْہ، یُذْخِلْہ) یاء اور نون کے ساتھ بطور التفات کے ہے، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرے تو وہ اس کو دوزخ میں داخل کرے گا (یُذْخِلْہ، نُذْخِلْہ) دونوں طریقوں سے ہے، جس میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیگا ایسوں کیلئے رسوا کن عذاب ہے یعنی اہانت آمیز اور دونوں آیتوں کی ضمیروں میں لفظ مَنْ، کی رعایت کی گئی ہے اور خلل دین، میں معنی کی۔

تَحْقِیْقِ تَرْکِیْبِ تَسْبِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: یُوصِی (ایصاء) مضارع، احد مذکر غائب معروف، وہ وصیت کرتا ہے وہ حکم دیتا ہے۔ وصیت کے اصل معنی ہیں انتقال کے وقت وصیت و نصیحت وغیرہ کرنا۔

قَوْلًا: یَأْمُرُكُمْ، وصیت کے حقیقی معنی چونکہ ذات باری تعالیٰ کے لئے محال ہیں اسلئے مفسر علام نے یوصی کی تفسیر یأمر سے کی ہے۔

قَوْلًا: شان. یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: اَوْلَاد، یَأْمُرُ، کا ظرف ہے حالانکہ اولاد کا ظرف بننا صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اولاد میں ظرف بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

جَوَاب: شان کی تقدیر صحت ظرفیت ہی کو بیان کرنے کے لئے ہے۔

قَوْلًا: مِنْهُمْ.

سُؤَال: مفسر علام نے 'مِنْهُمْ' کس فائدہ کے لئے محذوف مانا ہے۔

جَوَابُ: لِّلَّذِ كَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيْنِ، یہ وصیت کی تشریح ہے لہذا ضمیر عائد کا ہونا ضروری ہے جو اولاد کی طرف راجع ہو، مگر عائد اس کے ظہور پر اعتماد کرتے ہوئے حذف کر دیا گیا ہے، جیسا کہ ”السَّمْنُ مَنْوَانِ بِدَرْهَمٍ“ میں مِنْهُ کو ظاہر سے مفہوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

قَوْلُ: فَإِنْ كُنَّ أَى الْأَوْلَادِ.

سِوَال: كُنَّ، کی تفسیر مفسر علام نے، اَوْلَادُ سے کی ہے جو کہ مذکر ہے تو پھر كُنَّ، مؤنث کی ضمیر کیوں لائے ہیں؟

جَوَابُ: كُنَّ کی خبر نِسَاءً چونکہ مؤنث ہے لہذا خبر کی رعایت کرنے کی وجہ سے ضمیر کو مؤنث لائے ہیں۔

قَوْلُ: فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ، اِنْ حرف شرط كُنَّ فعل ناقص، شرط، اس کے اندر ضمیر هُنَّ وہ اس کا اسم نِسَاءً موصوف اور فَوْقَ اثْنَتَيْنِ صفت، موصوف صفت سے مل کر كُنَّ کی خبر كُنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر شرط، فَلَهُنَّ جواب شرط۔

قَوْلُ: وفوق صلة وقيل لدفع تو ہم زیادة النصیب بزیادة العدد اس عبارت کے اضافہ کا مقصد حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے تفرّد کا جواب دینا ہے۔ اس عبارت میں دو جوابوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا تفرّد یہ ہے کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ دو ثلث لڑکیوں کو اس وقت ملے گا کہ جب لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں حالانکہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ لڑکیاں اگر دو بھی ہوں تب بھی ان کو دو ثلث ملیں گے، اس تفرّد کے دو جواب دیئے ہیں، اول جواب کا حاصل یہ ہے کہ لفظ فوق زائد محض صلہ کے لئے ہے، جیسے فَا ضَرِبُوا فَوْقَ الْأَخْعَاقِ، میں لفظ فوق زائد محض صلہ ہے وقيل لدفع تو ہم الخ، یہ دوسرا جواب ہے اس کا مقصد اس وہم کو دفع کرنا ہے کہ لفظ فوق ہے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ لڑکیوں کے عدد کے بڑھنے سے ان کا حصہ بھی بڑھے گا، اسلئے کہ جب ایک لڑکی ایک لڑکے کے ساتھ ہو تو ایک تہائی حصہ ہے اور دو ہوں تو دو تہائی ہے اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کی تعداد جس قدر بڑھتی رہے گی ان کے حصوں میں بھی اضافہ ہوتا رہے گا، حالانکہ ایسا نہیں ہے اور یہ شبہ پیدا ہوا ہے لفظ فوق سے لہذا یہ کہہ کر کہ لفظ فوق زائد برائے صلہ ہے شبہ اس کو دفع کر دیا۔

قَوْلُ: وَيُبَدَّلُ مِنْهَا، یہ ایک شبہ کا جواب ہے شبہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ وَلَآبَوَيْهِ السُّدُسُ، السُّدُسُ مبتداء مؤخر اور لَابَوِيہ خبر مقدم فرماتے تو مختصر بھی ہوتا اور دال بر مقصود بھی مبتداء اور خبر کے درمیان لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا، کا فصل کس مصلحت سے فرمایا۔

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ عدم فصل کی صورت میں یہ شبہ ہوتا کہ ایک سدس میں اب اور ام دونوں شریک سمجھے جاتے حالانکہ ہر ایک سدس کا مستحق ہے۔

اسلئے لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا کو اَبَوِيہ سے بدل قرار دیا اور بدل مبدل منہ سے مل کر خبر مقدم اور السُّدُسُ مبتداء مؤخر، اس طرح شرکت کا شبہ ختم ہو گیا۔

قَوْلُ: فقط اومع زوج، زوج کا اطلاق زوج اور زوجہ دونوں پر ہوتا ہے۔

سُئِلَ: مفسر علام کے فقط اور مع زوج، کے اضافہ کا کیا مقصد ہے؟

جواب: اس کا مقصد ابوین کی میراث کے بارے میں جمہور اور حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مسلک کے درمیان فرق کو واضح کرنا ہے۔ جمہور کے نزدیک اگر میت لا ولد ہو اور اس کے وارث صرف اسکے والدین ہوں تو والدہ کو ثلث کل ملے گا اور ما بقیہ دو ثلث والد کو ملے گا، اور اگر مرنے والے کے والدین کے ساتھ ساتھ زوج یا زوجہ بھی ہو تو اس صورت میں زوج یا زوجہ کو اقل مخرج میں سے دینے کے بعد ما بقیہ کا ثلث ملے گا اور باقی دو ثلث والد کو ملیں گے۔ مگر حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے مسلک کے مطابق دونوں صورتوں میں ماں کو ثلث کل ہی ملے گا، مفسر علام نے فَقَطْ اَوْ مَعَ زَوْجِ کہہ کر جمہور کے مسلک کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلٌ: بضم الهمزة وبكسرهما فراراً من الانتقال من ضمة الى كسرة لِثْقَلِهِ، بضم الهمزة الخ سے فَلَا مِہ میں دو قراءتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اور فَلَا مِہ، کے ہمزہ کے کسرہ کی علت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، مشہور قراءت ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے یعنی فَلَا مِہ، اور دوسری قراءت میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ فَلَا مِہ، ہے مفسر علام نے اس قراءت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ فَلَا مِہ، کی صورت میں ضمہ سے کسرہ کی طرف انتقال لازم آتا ہے جو کہ ثقیل ہے اسلئے ہمزہ کو بھی کسرہ دیدیا۔

قَوْلٌ: وَارِثٌ مِّنْ ذِكْرٍ مَا ذُكِرَ لِعَنِي نَذْوَرِیْنِ کی وراثت، بیان کردہ اصول کے مطابق ہوگی۔

قَوْلٌ: مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ مَّاقَبْلٍ میں بیان کردہ تقسیم، میراث کے اصول سے ہے مطلب یہ ہے کہ سابق میں ترکہ کے تقسیم کے اصول کے مطابق تقسیم، وصیت کے نفاذ اور اداء قرض کے بعد ہوگی، اگر وصیت نے وصیت کی ہو، اور مقروض ہو تو وصیت اور دین میں سے دین کو مقدم کیا جائے گا۔

قَوْلٌ: فَفَرَضَ لَكُمْ الْمِيرَاثَ، یہ عبارت مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ فَرِیضَةُ فَعْلٍ محذوف کا مصدر (مفعول مطلق) ہے نہ کہ یُوصِيكُمُ اللّٰهُ کا مصدر۔

قَوْلٌ: يُوْرَثُ صِفَةً، یعنی یُوْرَثُ رجلٌ کی صفت ہے لِهَذَا رَجُلٌ کا مبتداء بننا درست ہے اور کَلَالَةٌ مبتداء کی خبر ہے۔

قَوْلٌ: الْمَوْرُوثُ، بروزن مفعول ثلاثی مجرد سے ای المیت۔

قَوْلٌ: وَرُوعِي فِي الضَّمَائِرِ فِي الْآيَتَيْنِ لَفْظُ مَنْ وَفِي خِلْدَيْنِ مَعْنَاهَا، دونوں جگہ يَدْخُلُهُ کی ضمیر کو مفرد مذکر مَنْ کے لفظ کی رعایت سے لایا گیا ہے اور خِلْدَيْنِ کو جمع مذکر مَنْ، کے معنی کی رعایت سے لایا گیا ہے۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِیْحُ

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ اَوَّلَا دِكُمْ (الآية) اگر ورثاء میں لڑکی اور لڑکے دونوں ہوں خواہ بالغ ہوں یا نابالغ حتی کہ اگر رحم مادر میں جنین کی صورت میں ہوں تب بھی لِلَّذِكْرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنثَيَيْنِ کے اصول کے مطابق میراث تقسیم ہوگی اور جنین کو لڑکا فرض کر کے اس کا حصہ رکھا جائیگا، لڑکی پیدا ہونے کی صورت میں زائد مال پھر ورثاء میں حصہ رسد تقسیم کر دیا جائیگا۔

فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثًا مِمَّا تَرَكَ، اور اگر لڑکا کوئی نہ ہو اور لڑکیاں دو یا دو سے زیادہ ہوں تو مال کا دو تہائی لڑکیوں کو دیا جائیگا، لفظ، فوق جمہور کے نزدیک محض صلہ کے طور پر ہے، حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا مسلک یہ ہے کہ دو سے زیادہ ہوں تو دو تہائی دیا جائیگا مگر جمہور کے نزدیک جو حکم دو سے زیادہ لڑکیوں کا ہے، دو کا بھی وہی حکم ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ سعد بن ربیع رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ احد میں شہید ہو گئے تھے ان کی دو لڑکیاں تھیں، سعد کے بھائی نے تمام مال پر قبضہ کر لیا لڑکیوں کی ماں نے آپ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے اس معاملہ کی شکایت کی تو آپ نے ان لڑکیوں کو دو تہائی مال دلوا دیا، واقعہ کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔ (ترمذی ابو داؤد، ابن ماجہ کتاب الفرائض)

علاوہ ازیں سورہ نساء کے آخر میں بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی مرنے والے کی وارث صرف دو بہنیں ہوں تو ان کے لئے بھی دو تہائی حصہ ہے لہذا جب دو بہنیں دو تہائی کی وارث ہوں گی تو دو بیٹیاں بطریق اولیٰ دو تہائی کی وارث ہوں گی جس طرح دو بہنوں سے زیادہ ہونے کی صورت میں انہیں دو سے زیادہ بیٹیوں کے حکم میں رکھا گیا ہے، اسی طرح یہاں بھی ہوگا۔

وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً (الآیة) ماں باپ کے حصوں کی تین صورتیں بیان کی گئی ہیں۔

۱ اگر مرنے والے کی اولاد بھی ہو خواہ لڑکی ہو یا لڑکا تو میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کو ایک ایک سدس ملے گا یعنی باقی چار سدس اولاد پر تقسیم ہوگا البتہ اگر میت کی اولاد میں صرف ایک لڑکی ہو تو اس میں سے چونکہ تین سدس یعنی نصف مال بیٹی کا ہوگا، اور ایک سدس ماں کو اور ایک سدس باپ کو دینے کے بعد ایک سدس باقی بچ جائیگا اس لئے بچا ہو وہ یہ سدس بطور عصبہ باپ کے حصہ میں جائیگا۔ اس طرح باپ کے حصہ میں دو سدس آئیں گے ایک ذوالفرض ہونے کی حیثیت سے اور ایک عصبہ ہونے کی حیثیت سے۔

۲ دوسری صورت یہ ہے کہ مرنے والے کی اولاد نہ ہو اور اولاد میں پوتے پوتیاں بھی شامل ہیں، اس صورت میں ماں کے لئے کل مال کا تیسرا حصہ ہے، باقی دو حصے باپ کو بطور عصبہ ملیں گے اور اگر ماں باپ کے ساتھ مرنے والے مرد کی بیوی یا مرنے والی عورت کا شوہر بھی زندہ ہے تو جمہور کے مذہب پر بیوی یا شوہر کا حصہ نکال کر باقی ماندہ مال سے ماں کے لئے ایک تہائی اور باقی باپ کے لئے ہوگا۔

۳ تیسری صورت یہ ہے کہ اگر ماں باپ کے ساتھ، مرنے والے کے بھائی بہن حیات ہیں وہ بھائی خواہ سکے ہوں یا اخیانی (ماں شریک) یا علاتی (باپ شریک) اگرچہ یہ بھائی بہن میت کے باپ کی موجودگی میں وراثت کے حق دار نہیں ہوں گے لیکن ماں کے لئے جب نقصان کا سبب بن جائیں گے، یعنی جب ایک بھائی سے زیادہ ہوں گے تو ماں کے ثلث یعنی تیسرے حصہ کو چھٹے حصہ میں تبدیل کر دیں گے باقی ماندہ مال، باپ کے حصہ میں جائیگا بشرطیکہ کوئی اور وارث نہ ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو اس صورت میں ماں میں مال کا حصہ ثلث برقرار رہے گا وہ سدس میں تبدیل نہ ہوگا۔

(تفسیر ابن کثیر)

آبَاءُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمُ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا، حصص

مقررہ بیان فرمانے کے بعد، متوجہ کیا گیا کہ تم اپنی سمجھ کے مطابق وراثت تقسیم مت کرو بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق تقسیم کرو، اسلئے ہو سکتا ہے کہ جس کو تم نافع سمجھ کر زیادہ حصہ دے رہے ہو وہ تمہارے لئے نافع نہ ہو اور جس کو تم غیر نافع سمجھ کر کم حصہ دے رہے ہو وہ تمہارے لئے نافع ہو اس حقیقت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے لہذا اس نے جس کا حصہ مقرر کیا ہے اس میں رد و بدل نہ کرو اور تمہیں پورے اطمینان قلبی کے ساتھ اس کو قبول کرنا چاہئے، تمہارے خالق و مالک کا یہ حکم بہترین حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ (الایۃ) سابقہ آیت میں نسبی رشتہ داروں کے حصوں کا بیان تھا۔ اس آیت میں دیگر مستحقین کا ذکر ہے جن کا میت سے نسبی تعلق نہیں ہے بلکہ زوجیت کا رشتہ ہے۔ اولاد کی عدم موجودگی میں بیٹے کی اولاد یعنی پوتے بھی اولاد کے حکم میں ہوتے ہیں اس پر امت کا اجماع ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ فوت ہونے والی عورت نے اگر اولاد نہ چھوڑی ہو تو شوہر کو بعد اداۓ دین اور انفاذ وصیت مرحومہ کے کل مال کا نصف ملے گا، اور باقی نصف میں دوسرے ورثاء مثلاً مرحومہ کے والدین، بھائی بہن، حسب قاعدہ حصہ پائیں گے، اور اگر مرحومہ نے اولاد چھوڑی ہو اس شوہر سے ہو یا پہلے شوہر سے ہو تو موجودہ شوہر کو مرحومہ کے مال سے اداء دین اور انفاذ وصیت اور کفن دفن کے اخراجات کے بعد مال کا چوتھائی حصہ ملے گا، بقیہ دیگر مستحقین کے درمیان حسب قاعدہ تقسیم ہوگا۔

اور اگر مرنے والا شوہر ہے اور اس نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی نہ اس بیوی سے اور نہ کسی دوسری بیوی سے تو بعد انفاذ وصیت اور اداء دین بیوی کو مرحوم کے مال سے چوتھائی حصہ ملے گا بیوی خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ، اور اگر مرنے والے شوہر نے اولاد بھی چھوڑی خواہ اسی بیوی سے ہو یا دوسری بیوی سے تو بعد اداء دین، اگر دین ہو اور بعد انفاذ وصیت، اگر وصیت کی ہو، بیوی کو آٹھواں حصہ ملے گا بیوی خواہ ایک ہو یا ایک سے زیادہ۔

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً، کلالہ کی متعدد تعریضیں کی گئی ہیں مشہور تعریف یہ ہے کہ جس کے اصول و فروع نہ ہوں وہ کلالہ ہے، یعنی جس کے نہ دادا پردادا ہوں اور نہ بیٹے پوتے۔

صاحب روح المعانی نے لکھا ہے کہ کلالہ اصل میں مصدر ہے جو کلال کے معنی میں ہے اور کلال کے معنی ہیں تھک جانا، جو ضعف پر دلالت کرتا ہے، کلالہ کا اطلاق اس مرنے والے پر بھی کیا گیا ہے جس نے نہ اولاد چھوڑی ہو اور نہ والد۔

حاصل کلام:

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مرد یا عورت وفات پا جائے اور اس کے نہ باپ ہو اور نہ دادا، اور نہ اولاد اور اس کے ایک بھائی یا بہن اخیاں (ماں شریک) ہو تو اس میں سے اگر بھائی ہے تو اس کو سدس (چھٹا) حصہ ملے گا اور اگر بہن ہو یا دو بھائی یا دو بہن ہوں تو یہ سب مرنے والے کے کل مال کے تہائی حصے میں شریک ہوں گے اور اس میں مذکر اور مؤنث سب برابر ہوں گے۔ علامہ قرطبی فرماتے ہیں، وَلَيْسَ فِي الْفَرَائِضِ مَوْضِعٌ يَكُونُ فِيهِ الذَّكَرُ وَالْأُنْثَى سَوَاءً، إِلَّا فِي مِيرَاثِ الْإِخْوَةِ لِأُمٍّ، یعنی فرائض میں سوائے ماں شریک بھائی بہنوں کے کوئی صورت ایسی نہیں کہ جس میں مذکر اور مؤنث برابر کے حصہ دار ہوں۔

وصیت کے مسائل:

اس آیت میں تین مرتبہ وصیت کا ذکر آیا ہے، میت کی تجبیز و تکفین کے بعد کل مال سے قرضہ ادا کرنے کے بعد جو بچے اس میں سے ایک تہائی مال میں وصیت نافذ ہوگی، اگر اس سے زیادہ وصیت ہو تو اس کا شرعاً اعتبار نہیں، ضابطہ کے مطابق ادائے دین وصیت پر مقدم ہے اور دین میں مہر بھی شامل ہے اگر ادا نہ کیا ہو۔
مَسْئَلَةٌ: وارث کے حق میں وصیت کرنا باطل ہے، اگر کسی نے اپنے وارث کے حق میں وصیت کی تو اس کا کوئی اعتبار نہیں وارث کے لئے میراث ہی کافی ہے۔

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، فَلَا وَصِيَّةَ لِرِثٍ.

اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دیدیا ہے پس کسی وارث کے حق میں کوئی وصیت معتبر نہیں۔

البتہ اگر دیگر ورثاء اجازت دیدیں تو وصیت نافذ ہوگی، باقی مال شرعی طریقہ پر تقسیم کیا جائیگا جس میں اس وارث کو بھی اپنے حصہ کی میراث ملے گی، بعض آیتوں میں إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْوَرِثَةُ، کا استثناء بھی مذکور ہے۔

(کما ذکرہ صاحب الہدایہ، معارف)

غیر مضار کی تفسیر:

مطلب یہ ہے کہ مرنے والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ وصیت یا دین کے ذریعہ ورثاء کو نقصان پہنچائے، وصیت یا دین کے ذریعہ ورثاء کو ضرر پہنچانے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں مثلاً یہ کہ قرض کا جھوٹا اقرار کر لے، یا اپنے ذاتی مال کے بارے میں امانت کا اقرار کرے کہ فلاں کی امانت ہے تاکہ اس میں میراث جاری نہ ہو، یا ایک تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرے، یا کسی شخص پر اس کا قرض ہو جو وصول نہ ہوا ہو لیکن یہ کہہ دے کہ وصول ہو گیا وغیرہ وغیرہ۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ (الآیۃ) یہ ایک بڑی خوفناک آیت ہے اس میں ان لوگوں کو ہمیشگی کے عذاب کی دھمکی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قانون وراثت کو تبدیل کریں یا ان دوسری قانونی حدود کو توڑیں جو خدا نے اپنی کتاب میں واضح طور پر مقرر کر دی ہیں، لیکن سخت افسوس ہے کہ اس قدر سخت وعید کے ہوتے ہوئے بھی مسلمانوں نے بالکل یہودیوں کی سی جسارت کے ساتھ خدا کے قانون کو بدلا اور اس کی حدود کو توڑا اس قسم کی جسارت خدا

الْمَمْنُ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍۖ بَفْتَحِ الْيَاءِ وَكَسْرِهَا أَيْ بُيِّنَتْ أَوْ بِسِي بَيِّنَةٍ زَنًا أَوْ تُشَوِّرَا فَلَكَمَ أَنْ تُضَارَّوْهُنَّ حَتَّى يَنْتَدِينَ مِنْكُمْ وَيَخْتَلِعْنَ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِۚ أَيْ بِالْإِجْمَالِ فِي الْقَوْلِ وَالنَّفَقَةِ وَالْمَنْبِتِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَاضْبِرُّوا فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ۝۹ وَلَعَلَّه يَجْعَلُ فِيهِنَّ ذَلِكَ بَابَ نِزْرَقِكُمْ مِنْهُنَّ وَلَذَا صَالِحًا وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ أَيْ أَخَذَ بِبَدَلِهَا بَابَ طَلَقْتُمُوهُنَّ قَدْ أَتَيْتُمْ أَحَدَهُنَّ أَيْ الزَّوْجَاتِ قِطَارًا مَالًا كَثِيرًا صِدَاقًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا مُلَمًا وَإِنَّمَا مُبَيِّنًا ۝۱۰ بَيِّنًا وَنَضْبُهُمَا عَلَى الْحَالِ وَالِاسْتِفْهَامِ لِلتَّوْبِيخِ وَلِلْإِنْكَارِ فِي قَوْلِهِ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ أَيْ بَابِي وَجِبِ وَقَدْ أَقْضَى وَصَلَ بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ بِالْجَمَاعِ الْمُتَقَرَّرِ لِلْمَنْبَرِ وَأَخَذَنْ مِنْكُمْ مِيثَاقًا عَهْدًا غَلِيظًا ۝۱۱ شَدِيدًا وَبِهِمَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ مِنْ أَنْسَابِكُمْ بَيِّنَ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِجَهُنَّ بِإِحْسَانٍ وَلَا تَنْكِحُوا مَا بَعْنَى مِنْ مَانِكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا لَكِنْ مَا قَدْ سَلَفَ مِنْ فِعْلِكُمْ فَإِنَّهُ مَغْفُورٌ عَنْهُ إِنَّهُ أَيْ نِكَاحُهُنَّ كَانَ فَاحِشَةً قَبِيحًا وَمَقْتًا سَبَبًا لِلْمَقْتِ مِنَ اللَّهِ وَبِهِ أَشَدُّ الْبَغْضِ وَسَاءَ بِئْسَ سَبِيلًا ۝۱۲ طَرِيقًا ذَلِيلًا.

ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی، زنا، کی مرتکب ہوں ان پر اپنوں (مسلمانوں) میں سے چار آدمی گواہ کرو، سوا گروہ ان پر بے حیائی کی شہادت دیدیں تو ان کو گھروں میں نظر بند کر دو اور ان کو لوگوں سے ملنے جلنے سے روک دو، یہاں تک کہ موت (ملائکہ) اس کا خاتمہ کر دے یا اللہ ان کے لئے کوئی (اور) راہ نکال دے یعنی اس سے نکلنے کی کوئی صورت نکال دے یہ حکم ابتداء اسلام میں دیا گیا تھا پھر ان کے لئے باکرہ کو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی صورت میں اور محضہ کو رجم کی صورت میں سبیل نکال دی، اور حدیث شریف میں ہے کہ جب اللہ نے حد بیان فرمائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھ سے لے لو مجھ سے حاصل کرو اللہ نے ان کیلئے سبیل نکال دی۔ (رواہ مسلم) اور تم میں سے یعنی مردوں میں سے جو دو (یعنی جوڑا) فحش کام کے مرتکب ہوں یعنی زنا یا لواطت کے، تو ان کو برا بھلا کہہ کر اور جوتے مار کر تکلیف پہنچاؤ، (وَالَّذَانِ) نون کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، پھر اگر دونوں فحش کام سے توبہ کر لیں اور عمل کی اصلاح کر لیں، تو ان کو نظر انداز کر دو اور ان کو اذیت نہ پہنچاؤ، بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کی بڑا توبہ قبول کرنے والا (اور) اس پر رحم کرنے والا ہے اور یہ حکم امام شافعی کے نزدیک حد کے ذریعہ منسوخ ہے، اگر اس سے زنا مراد ہو اور اسی طرح اگر لواطت مراد ہو، البتہ مفعول کو ان کے نزدیک رجم نہیں کیا جائیگا، اگرچہ محض ہی کیوں نہ ہو بلکہ کوڑے مارے جائیں گے اور جلاوطن کر دیا جائیگا، اور لواطت مراد لینا زیادہ ظاہر ہے، (الَّذَانِ) یا تینہا کی ضمیر تشنیہ کی دلیل کی وجہ سے، اور اول قول کا قائل وہ ہے جس نے (تشنیہ) سے زانی اور زانیہ کا ارادہ کیا ہے، اور اس کی تردید اس میں بیان سے ہوتی ہے جو کہ منکحہ، ضمیر مذکر کے ساتھ بیان کے لئے متصل ہے (اسی طرح) ان کا اذیت اور توبہ اور درگزر میں مشترک ہونا اور یہ مذکورہ تینوں چیزیں مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، اسلئے کہ عورتوں کا حکم نظر بند کرنا سابق میں گذر چکا ہے،

اور توبہ جس کا قبول کرنا اللہ کے ذمہ ہے یعنی توبہ کی قبولیت کو اللہ نے اپنے فضل سے اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے وہ تو بس ان ہی لوگوں کی توبہ ہے جو معصیت نادانی سے کر بیٹھتے ہیں (بِجَهَالَةٍ) حال ہے یعنی اپنے رب کی نافرمانی کرتے وقت نادانی کر بیٹھتے ہیں، اور پھر جلدی ہی حالت نزع پیش آنے سے پہلے ہی توبہ کر لیتے ہیں ایسے ہی لوگوں کی اللہ توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے واقف اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے میں با حکمت ہے اور ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ ان میں سے جب کسی کی موت آجائے اور حالت نزع شروع ہو جائے اور حالت نزع میں پیش آنے والی چیزوں کا مشاہدہ کر لے تو کبہدے میں اب توبہ کرتا ہوں تو اس کا یہ توبہ کرنا نہ اس کے لئے مفید ہوگا اور نہ مقبول، اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی جو حالت کفر ہی پر مر جائیں اور آخرت میں عذاب کے مشاہدہ کے وقت توبہ کر لیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، اے ایمان والو تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم عورتوں کی ذات کے جبراً مالک بن جاؤ، کُڑھا، فحش اور ضمیمہ کے ساتھ دو لغت ہیں، یعنی ان کو مجبور کر کے، یہ طریقہ (زمانہ) جاہلیت میں تھا کہ لوگ اپنے قرابتدار کی بیوی کے مالک ہو جاتے تھے، اگر چاہتے تو خود ہی ان سے بلا مہر نکاح کر لیتے یا ان کا نکاح کسی غیر سے کر دیتے اور اس کا مہر خود لے لیتے، یا ان کو روکے رکھتے حتیٰ کہ وہ اپنے مال کا فدیہ دیدے یا مر جائے تو اس کے مال کے وارث ہو جاتے تھے، تو ان کو اس حرکت سے منع کر دیا گیا، اور نہ تمہارے لئے یہ جائز ہے کہ تم ان کو دوسروں سے نکاح کرنے سے، نقصان پہنچانے کی غرض سے روکو حالانکہ تم کو ان سے کوئی رغبت نہیں ہے، تاکہ تم ان سے اپنے دیئے ہوئے مہر کا کچھ حصہ وصول کرو۔ بجز اس صورت کے کہ وہ صریح بدکاری کی مرتکب ہوں۔ یا عیال کے فحش اور کسرہ کے ساتھ یعنی جو بالکل عیاں ہے یا وہ ظاہر کرنے والی ہے، یعنی زانیہ یا فرملانی، تو تم کو حق ہے کہ ان کو تکلیف پہنچاؤ یہاں تک کہ وہ تم کو کچھ معاوضہ دیں اور خلع کریں۔ اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گذر بسر کرو یعنی گفتگو اور نفقہ اور شب باشی میں حسن معاشرت کا مظاہرہ کرو، اگر تم ان کو ناپسند کرو تو صبر کرو کیا عجب کہ تم ایک شئی کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں کوئی بڑی بھلائی رکھ دے، اور ہو سکتا ہے کہ اللہ ان میں خیر رکھ دے بایں طور کہ وہ تم کو ان سے ولد صالح عطا فرمائے، اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو یعنی ایک کو طلاق دیکر اس کی جگہ دوسری کرنا چاہو، اور تم ان بیویوں میں سے کسی کو مال کا ایک ڈھیر یعنی مال کی بھرپور دے چکے ہو تو تم اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو، کیا تم ظلم اور کھلا گناہ ہونے کے باوجود اس کو لے لو گے (مُبَیِّنًا) بمعنی، بیڈا اور اس کا نصب حال کی وجہ سے ہے اور استفہام تو بیخ کے لئے ہے، اور تم اسے کیسے لو گے؟ یعنی کس طرح لو گے، استفہام انکاری ہے حالانکہ تم جماع کے ذریعہ آپس میں مل چکے ہو جو کہ مہر کو ثابت کرنے والا ہے اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے اور وہ عہد وہ ہے جس کا تم کو اللہ نے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم ان کو دستور کے مطابق اپنے پاس رکھو یا حسن اخلاق کے ساتھ ان کو چھوڑ دو، اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے آباء نے نکاح کیا ہے، مَآء، بمعنی مَن، ہے مگر جو ہو چکا سو ہو چکا یعنی سابق میں تم سے ہو گیا وہ معاف ہے یہ یعنی ان سے نکاح کرنا بے حیائی اور ناراضگی کا سبب ہے یعنی اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور وہ شدید ترین بغض ہے اور یہ بڑی بُری راہ ہے۔

تحقیق و ترکیب تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: مِنْ رِجَالِ الْمُسْلِمِينَ.

سُئِلَ: فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةٌ مِنْكُمْ، مفسر علام نے منکم کی تفسیر میں رِجَالِ الْمُسْلِمِينَ سے کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں مخاطب نہیں ہیں حالانکہ قرآن میں عورتوں کو مردوں کے تابع قرار دے کر اکثر خطاب کیا گیا ہے مگر یہاں مرد ہی مخاطب ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اَرْبَعَةٌ، یہاں اس بات کا قرینہ ہے کہ مخاطب مرد ہی ہیں نہ کہ عورتیں اسلئے کہ نحو کا مشہور قاعدہ ہے کہ عدد اگر مؤنث ہو تو اس کا معدود مذکر ہوتا ہے یہاں اَرْبَعَةٌ مؤنث ہے لہذا اس سے معدود مذکر متعین ہے اور وہ رجال ہے نہ کہ نساء، اسی قرینہ کی وجہ سے علامہ سیوطی نے منکم کی تفسیر میں رجال المسلمین سے کی ہے۔

قَوْلُهُ: اِی الْمَلَائِكَةِ، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کلام حذف مضاف کے ساتھ ہے، اِی يَتَوَفَّيْهُنَّ مَلَائِكَةُ الْمَوْتِ.

سُئِلَ: حَذْفُ مضاف کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

جواب: اَلتَّوَفَّى هُوَ الْمَوْتُ، اب عبارت یہ ہوگی حَتَّى يُمَيَّنَ الْمَوْتُ، اور یہ درست نہیں ہے، اسلئے کہ اس میں اسناد الشئى الى نفسه لازم آتی ہے نیز اس میں موت کا فاعل بنا لازم آتا ہے حالانکہ موت میں فاعل بننے کی صلاحیت نہیں ہے، اسلئے مفسر علام نے الملائكة، محذوف مان کر بتا دیا کہ يَتَوَفَّيْهُنَّ کا فاعل موت نہیں ہے بلکہ مَلَائِكَةُ الْمَوْتِ ہے، نیز اس صورت میں اسناد الشئى الى نفسه کا اعتراض بھی ختم ہو گیا۔

قَوْلُهُ: اِلَى اَنَّ، اس سے اشارہ کر دیا کہ يَجْعَلُ كَاغْطَفِ يَتَوَفَّيْهُنَّ پر ہے اور اسی وجہ سے يَجْعَلُ منصوب ہے۔

قَوْلُهُ: يَا تِبَانَهَا.

قَوْلُهُ: مِنْ الرِّجَالِ دونوں جگہ مذکر کے صیغے استعمال کئے ہیں۔

قَوْلُهُ: اَوِ اللُّوَاطَةِ، لفظ لواطۃ، کا اضافہ امام شافعی کے مسلک کے مطابق ہے اسلئے کہ ان کے یہاں لواطت کی سزا وہی ہے جو زنا کی ہے احناف کے یہاں ایسا نہیں ہے بلکہ امیر کی رائے پر موقوف ہے وہ جو سزا مناسب سمجھے وہ دے سکتا ہے۔

تفسیر و تشریح

مذکورہ دونوں آیتوں میں زنا کی سزا بیان کی گئی ہے، پہلی آیت صرف زانیہ عورتوں کے متعلق ہے جس میں ان کی سزا یہ ارشاد ہوئی ہے کہ انہیں تا حکم ثانی قید رکھا جائے، دوسری آیت میں زانی مرد اور زانیہ عورت کی سزا بیان کی گئی ہے، یعنی

دونوں کو اذیت دی جائے، قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں زنا کے لئے کوئی متعین حد بیان نہیں کی گئی بلکہ صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ان کو اذیت دو اور زانیہ عورتوں کو گھروں میں بند کر دو۔

تکلیف پہنچانے کا کوئی خاص طریقہ بیان نہیں کیا گیا، حکام کے صواب دید پر چھوڑ دیا گیا ہے ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ فرماتے ہیں یہاں ”ایذاء“ کے معنی یہ ہیں کہ ان کو زبانی عار دلائی جائے اور شرمندہ کیا جائے اور عملی طور پر بھی جوتے وغیرہ سے ضرب تادیبی کی جائے، حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کا یہ قول بھی بطور تمثیل معلوم ہوتا ہے اصل بات وہی ہے کہ حکام کی رائے پر چھوڑ دیا جائے۔

نزول کے اعتبار سے ان دو آیتوں کی ترتیب یوں ہے کہ شروع میں تو ان کو ایذاء دینے کا حکم نازل ہوا اس کے بعد خاص طور سے عورتوں کے لئے یہ حکم بیان کیا گیا کہ ان کو گھروں میں محبوس رکھا جائے یہاں تک کہ وہ عورت مر جائے اگر اس کی زندگی ہی میں آئندہ آنے والا حکم آجائے گا تو اس کو نافذ کر دیا جائے گا چنانچہ بعد میں سورہ نور میں وہ سبیل بھی بیان کر دی گئی جس کا اللہ جل شانہ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا تھا۔

حضرت ابن عباس رَضِيَ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے سبیل کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے ”الرجم للثیب والجلد للبکر“ شادی شدہ کے حق میں سنگساری اور غیر شادی کیلئے کوڑے۔ (بخاری کتاب النفس)

پہلی آیت میں فرمایا جن عورتوں سے زنا کا صدور ہو جائے تو اس کے ثبوت کے لئے چار مرد گواہ طلب کئے جائیں، یعنی جن حکام کے پاس یہ معاملہ جائے تو ان کو چاہئے کہ چار مردوں کی گواہی طلب کریں جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں۔

زنا کے گواہوں میں شریعت نے دو طریقہ سے سختی کی ہے چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے، اس سے عزت اور غفت مجروح ہوتی ہے اور خاندان کے لئے ننگ و عار کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے اس لیے اولاً تو یہ شرط لگائی کہ گواہ صرف مرد ہوں گے، ثانیاً گواہ بھی چار مردوں کا ہونا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شرط نہایت سخت ہے، جس کا مہیا ہونا شاذ و نادر ہی ہو سکتا ہے، یہ سختی اسلئے کی گئی ہے کہ کہیں عورت کا شوہر یا اس کی والدہ یا بہن یا دوسری بیوی ذاتی پر خاش کی وجہ سے خواہ مخواہ الزام نہ لگائیں، یا دوسرے بدخواہ دشمنی کی وجہ سے الزام اور تہمت لگانے کی جرأت نہ کر سکیں، اسلئے کہ اگر چار یمنی شاہدوں سے کم شہادت دیں گے تو ان کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی بلکہ الٹا ان کو ہی حد قذف کا سامنا کرنا پڑے گا۔

چار گواہوں کی حکمت:

بعض اکابر نے چار گواہوں کی ضرورت و مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس معاملہ میں چونکہ دو افراد ملوث ہوتے ہیں دو سے کم میں یہ معاملہ وجود میں نہیں آ سکتا تو گویا یہ ایک معاملہ تقدیراً دو معاملوں کے حکم میں ہے، اور ہر معاملہ دو گواہوں کا تقاضہ کرتا ہے لہذا اس کے لئے چار گواہ ضروری ہیں۔

آیت کے آخر میں فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے تعرض مت کرو اس کا مطلب یہ ہے کہ سزا پانے کے بعد اگر انہوں نے توبہ کر لی اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی تو اب انہیں ملامت مت کرو اور مزید سزا مت دو۔ یہ مطلب نہیں کہ توبہ سے سزا بھی معاف ہو گئی اسلئے کہ یہ توبہ سزا کے بعد مذکور ہے جیسا کہ فاء کی تفریع سے ظاہر ہے، ہاں اگر توبہ نہ کی ہو تو سزا کے بعد ملامت کر سکتے ہیں۔

مفسر علام کو ان دونوں آیتوں کے ظاہری فرق سے غلط فہمی ہوئی ہے کہ پہلی آیت منکوحہ عورتوں کے بارے میں ہے اور دوسری آیت غیر شادی شدہ مرد و عورت کے بارے میں ہے مگر اس کی کوئی وزنی دلیل نہیں ہے یہ ایک کمزور تفسیر ہے، اور اس سے بھی زیادہ کمزور بات وہ ہے جو اصفہانی نے لکھی ہے کہ پہلی آیت عورت کے ناجائز تعلق کے بارے میں ہے اور دوسری آیت مرد اور مرد کے ناجائز تعلق کے بارے میں ہے، شاید اصفہانی کی نظر اس حقیقت کی طرف نہیں گئی کہ قرآن انسانی زندگی کے لئے قانون و اخلاق کی شاہ راہ بتاتا ہے اور ان ہی مسائل سے بحث کرتا ہے جو شاہ راہ پر پیش آتے ہیں رہی گلیوں اور پگڈنڈیوں کی بات تو قرآن ان کی طرف توجہ نہیں کرتا اور ان پر پیش آنے والے ضمنی مسائل سے بحث کرنا کلام شاہانہ کے لئے موزوں بھی نہیں ہے، ایسی چیزوں کو اجتہاد کے لئے چھوڑ دیا ہے یہی وجہ ہے کہ عہد نبوت کے بعد جب یہ سوال پیدا ہوا کہ مرد اور مرد کے ناجائز تعلق پر کیا سزا دی جائے تو صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی یہ نہ سمجھا کہ سورہ نساء کی اس آیت میں اس کا حکم موجود ہے۔

غیر فطری طریقہ سے قضاء شہوت کا حکم:

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک ”الَّذَانِ يَأْتِيَانِيهَا“ کا مصداق وہ لوگ ہیں جو غیر فطری طریقہ پر قضاء شہوت کرتے ہیں یعنی استلذ اذ بالمثل کے مرتکب ہوتے ہیں۔

قاضی صاحب کے علاوہ نے بھی اس قول کو لیا ہے قرآن مجید میں چونکہ لفظ ”الَّذَانِ يَأْتِيَانِيهَا“ موصول اور صلہ دونوں مذکر کے لحاظ سے ہیں اسلئے ان حضرات کا یہ قول بعید نہیں ہے، اور جن حضرات نے زانی اور زانیہ مراد لیا ہے انہوں نے بطور تغلیب مذکر کا صیغہ زانیہ کیلئے بھی شامل رکھا ہے تاہم موقع کی مناسبت سے استلذ اذ بالمثل کی حرمت و شدت اور اس کی تعزیر کا ذکر اس جگہ بے جا نہ ہوگا، اس نتیجہ فعل کے لئے کسی متعین حد کے مقرر کرنے میں تو فقہاء کا اختلاف ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے تاہم اس کیلئے شدید سے شدید سزائیں منقول ہیں مثلاً آگ میں جلا دینا، دیوار سے گرا کر مار دینا، سنگسار کر دینا، تلوار سے قتل کر دینا۔

احادیث و آثار سے اس سلسلہ میں جو کچھ ثابت ہے اس میں سے بطور نمونہ کچھ نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجی ہے اور ان سات میں سے ایک پر تین تین دفعہ لعنت بھیجی ہے اور باقی پر ایک دفعہ، فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے۔ (الترغیب والترہیب)

حضرت ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: جس کو تم قوم لوط کی طرح غیر فطری حرکت کرتا

ہوا دیکھ لو تو تم فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔

حافظ ذکی الدین نے ترغیب و ترہیب میں لکھا ہے کہ چار خلفاء ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ، حضرت عبداللہ بن زبیر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور ہشام بن عبدالملک رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے زمانوں میں غیر فطری حرکت والوں کو آگ میں جلا ڈالا۔ مندرجہ بالا روایت استلذاذ بالجنس سے متعلق تھی، روایات میں عورتوں کے ساتھ غیر فطری فعل کرنے پر بھی شدید ترین وعیدیں آئی ہیں۔

حضرت ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس مرد کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا جو مرد عورت کے ساتھ غیر فطری فعل کرے۔

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ملعون ہے جو غیر فطری طریقہ سے بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے۔

لفظ سُوءًا اور توبہ کی وضاحت:

کیا قصد کیا ہوا گناہ معاف نہیں ہوتا؟ سابقہ آیت سے طبائع غیر سلیم کے لئے ہر قسم کی بد عملی کی گنجائش نکل سکتی ہے، اور وہ اپنے دل میں یہ کہہ سکتے تھے کہ جب توبہ قبول ہوئی جائے گی تو پھر اطمینان سے ہم ہر قسم کے فسق و فجور میں پڑے رہ سکتے ہیں، جب مرنے لگیں گے توبہ کر لیں گے، اس خدشہ کو دور کرنے کے لئے ضرورت تھی کہ قبول توبہ کے قیود و شرائط کو صاف کر دیا جائے، سُوءًا ایک جامع لفظ ہے گناہ کبیرہ اور صغیرہ دونوں کو شامل ہے۔

شریعت میں توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ ماضی پر ندامت ہو اور مستقبل کے لئے ترک کا عزم ہو، اور یہاں توبہ سے مراد قبول توبہ ہے۔

توبہ کے معنی پلٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں گناہ کے بعد بندہ کا خدا سے توبہ کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ایک غلام جو اپنے آقا کا نافرمان بن کر اس سے منہ پھیر گیا تھا اب اپنے کئے پر پشیمان ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کی طرف پلٹ آیا ہے، اللہ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ میرے یہاں معافی صرف ان بندوں کے لئے ہے جو قصد انہیں بلکہ نادانی کی بنا پر قصور کرتے ہیں اور جب آنکھوں پر سے جہالت کا پردہ ہٹتا ہے تو شرمندہ ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لیتے ہیں ایسے بندے جب بھی اپنی غلطی پر نادم ہو کر اپنے آقا کی طرف پلٹیں گے اس کا دروازہ کھلا پائیں گے۔

آیت میں جہالت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس کو گناہ ہونے کی خبر نہ ہو یا گناہ کا قصد و ارادہ نہ ہو بلکہ مراد یہ ہے کہ اس گناہ کے انجام بد اور اخروی عذاب سے غفلت اس گناہ پر اقدام کا سبب ہو گئی، اگرچہ گناہ کو گناہ جانتا تھا اور قصد ارادہ بھی کیا۔

یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس جگہ جہالت کا لفظ حماقت اور بے وقوفی کے معنی میں ہے، اس کی نظیر سورہ یوسف میں ہے، حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا ”هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ“ اس میں

بھائیوں کو جاہل کہا گیا ہے، حالانکہ انہوں نے جو کام کیا وہ کسی خطا یا نسیان سے نہیں بلکہ قصد اُجان بوجھ کر کیا تھا مگر اس فعل کے انجام سے غفلت کے سبب ان کو جاہل کہا گیا ہے۔

ابوالعالیہ اور قتادہ نے نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام اس پر متفق تھے کہ ”كُلُّ ذَنْبٍ اَصَابَهُ عَبْدٌ فَهُوَ جَهَالَةٌ عَمْدًا كَانَ اَوْ غَيْرُهُ“ یعنی بندہ جو گناہ کرتا ہے خواہ بلا قصد ہو یا بالقصد بہر حال جہالت ہے۔

ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ، آیت مذکور میں ایک بات قابل غور یہ ہے کہ اس میں قبولِ توبہ کیلئے یہ شرط بتلائی کہ قریب زمانہ ہی میں توبہ کر لے، توبہ کرنے میں دیر نہ کرے اس میں قریب کا کیا مطلب ہے؟ اور کتنا زمانہ قریب میں داخل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تفسیر ایک حدیث میں خود اس طرح فرمائی ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغْرِغْهُ، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک اس پر موت اور نزعِ روح کا غرغره طاری نہ ہو جائے، قریب کی اس تفسیر سے جو خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پوری عمر کا زمانہ قریب ہی میں داخل ہے، موت سے پہلے پہلے جو توبہ کر لی جاوے قبول ہوگی، البتہ موت کے وقت کی توبہ قبول نہیں۔

اِس درگہ ما درگہ نومیدی نیست صدبار اگر توبہ شکستی باز آ

البتہ توبہ ان کے لئے نہیں ہے جو اپنے خدا سے بے خوف اور بے پروا ہو کر تمام عمر گناہ پر گناہ کئے چلے جائیں اور پھر عین اس وقت جبکہ موت کا فرشتہ سامنے آکھڑا ہو معافی مانگنے لگیں، اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اسی وقت تک قبول کرتا ہے کہ جب تک آثارِ موت شروع نہ ہوں کیونکہ امتحان کی مہلت جب پوری ہو گئی اور کتابِ زندگی ختم ہو چکی صحیفہٴ اعمال بند کر دیا گیا تو اب پلٹنے کا کونسا موقع ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص کفر کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جائے اور دوسری زندگی کی سرحد میں داخل ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ معاملہ اس کے برعکس ہے جو وہ دنیا میں سمجھتا رہا تو اس وقت معافی مانگنے کا کوئی موقع نہیں۔

امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا ہے کہ گناہوں پر اقدام کے تین درجے ہیں، ① یہ کہ کسی گناہ کا کبھی ارتکاب نہ ہو یہ تو فرشتوں کی خصوصیت ہے یا انبیاء علیہم السلام کی، ② یہ کہ گناہوں پر اقدام کرے اور پھر ان پر اصرار جاری رکھے نہ ان پر کبھی ندامت ہو اور نہ کبھی ترک کا خیال آئے، یہ درجہ شیطان کا ہے۔ ③ یہ ہے کہ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اس پر ندامت ہو اور آئندہ اس کے ترک کا پختہ عزم ہو، یہ درجہ انسان کا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ، عرب جاہلیت میں میت کی جائداد کی طرح اس کی بیوی بھی سوتیلے لڑکوں کے ورثہ میں آ جاتی تھی اور یہی دستور یونانی اور رومی تمدن کے بھی کسی دور میں رہ چکا ہے (ماجدی) عرب جاہلیت میں وارث اگر چاہتا تو ان سے جبراً خود نکاح کر لیتا یا دوسروں کے نکاح میں دیدیتا یا اگر چاہتا تو کسی سے بھی نکاح کی اجازت نہ دیتا اور ساری عمر یوں ہی گزارنے پر مجبور کر دیتا، اسلام نے ظلم کے ان تمام طریقوں سے منع کیا ہے، عرب جاہلیت میں ایک ظلم عورت پر یہ بھی کیا جاتا تھا کہ اگر شوہر کو وہ ناپسند ہوتی اور وہ اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا تو از خود اس کو طلاق نہ دیتا بلکہ اسے

تَرْجُمہ: اور تم پر تمہاری ماؤں سے نکاح کرنا حرام کر دیا گیا ہے اور اس حکم میں دادیاں اور نانیاں بھی شامل ہیں، اور تمہاری بیٹیاں اور اس میں پوتیاں بھی داخل ہیں اگرچہ نیچے تک ہوں، اور علاقائی اور اخائی بہنیں (اور حقیقی بہنیں) تمہارے لئے حرام کر دی گئی ہیں، اور تمہاری پھوپھیاں یعنی تمہارے باپ دادوں کی بہنیں اور تمہاری خالائیں یعنی تمہاری ماؤں اور دادیوں کی بہنیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور اس میں ان کی لڑکیاں بھی شامل ہیں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دو سال مکمل ہونے سے پہلے پانچ گھنٹہ دودھ پلایا ہو جیسا کہ حدیث نے اس کو بیان کیا ہے، اور تمہاری رضاعی بہنیں، اور ان کے ساتھ از روئے حدیث رضاعی بنیاں بھی لاحق کر دی گئی ہیں اور وہ ایسی لڑکیاں ہیں جن کو ان کی موطوءہ نے دودھ پلایا ہو، اور (رضاعی) پھوپھیاں اور خالائیں، اور (رضاعی) بھتیجیاں اور (رضاعی) بھانجیاں (اس قاعدہ کی رو سے) کہ جو نسب سے حرام ہو جاتی ہے وہ رضاعت سے بھی حرام ہو جاتی ہے، (رواہ البخاری و مسلم) اور تمہاری خوش دامیں، اور تمہاری ربیبائیں، رَبَائِبُ رَبِیْبَةٍ کی جمع ہے اور وہ اس کی بیوی کی لڑکی ہے دوسرے شوہر سے، کہ جو تمہاری پرورش میں ہوں یعنی جن کی تم پرورش کرتے ہو، (اُنی حُجُودِ کَم) صفت غالب کے اعتبار سے ہے، لہذا اس کے مفہوم مخالف کا اعتبار نہیں ہے، (یعنی اس قید کا کوئی اعتبار نہیں ہے) (اور) ان بیویوں سے ہوں کہ جن سے تم ہم بستر رہ چکے ہو یعنی ان سے جماع کر چکے ہو لہذا اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو ان کی بیٹیوں سے نکاح کرنے میں تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے، جبکہ تم بیویوں کو الگ کر دو، اور تمہارے حقیقی بیٹوں کی بیویاں بخلاف ان بیٹوں کی بیویوں کے کہ جن کو تم نے متبثی بنالیا ہے تمہارے لئے ان کی بیویوں سے نکاح جائز ہے۔ اور یہ کہ تم دو نسبی یا رضاعی بہنوں کو نکاح میں جمع کرو (حرام ہے) اور از روئے حدیث بیویوں اور ان کی پھوپھیوں اور ان کی خالائوں کو بیک وقت جمع کرنا حرام کر دیا گیا ہے۔ ہاں، ہر ایک سے الگ الگ نکاح درست ہے۔ اور ان کا مالک ہونا بھی درست ہے مگر وہی ان میں سے ایک ہی سے کرے۔ البتہ جو ہو چکا سو ہو چکا زمانہ جاہلیت میں مذکورہ میں سے بعض کے ساتھ نکاح سے، لہذا تمہارے لئے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے بے شک اللہ تعالیٰ اس کو معاف کرنے والا ہے جو ممانعت سے پہلے تم سے ہو چکا اس معاملہ میں تم پر رحم کرنے والا ہے۔

تَحْقِیْقِ شَرِکِیِّ لِتَسْمِیْلِ تَفْسِیْرِ فَوَائِدِ

قَوْلًا: اَنَّ تَنْكِحُوْهُنَّ اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: حُرْمَتُ عَلَیْکُمْ اُمَّهَتِکُمْ، میں حرمت کی نسبت امہات کی ذات کی طرف کی گئی ہے حالانکہ ذوات کی حرمت کوئی معنی نہیں ہیں اس لئے کہ حرمت وحلت افعال کی صفت ہیں۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ امہات کی حرمت سے ان سے نکاح کی حرمت مراد ہے چونکہ نکاح متبادر الی لفہم ہے اس لئے

حذف کر دیا گیا ہے، اسلئے کہ جو وصف اہم مقصود ہوا کرتا ہے وہ متبادر الی الفہم ہوا کرتا ہے، جیسا کہ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةُ ظاہر ہے کہ مراد اس کا کھانا ہے نہ کہ نفس میتہ اور مثلاً حُرِّمَتْ عَلَیْکُمُ الْخَمْرُ، مراد شرب خمر کی حرمت ہے نہ کہ ذات حرمت۔
قَوْلًا: مَوَ طُوْنَتْهُ اِی مَو طُوْءٌ ؕ الرَّجُلُ۔

قَوْلًا: حَلَالٌ۔ بیویاں حَلِیْلَۃ، کی جمع ہے اور یہ حَلّ سے مشتق ہے جس کے معنی گرہ کھولنے، اترنے اور حلال ہونے کے ہیں چونکہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے کا ازار کھولتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اترتے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے حلال ہیں اسلئے حلیل اور حلیلة کہلاتے ہیں۔

اللُّغَةُ وَالْبَلَاغَةُ

الرَّبَائِبُ: جمع رَبِیْبَة، وہی بنت الزوجة من غیرہ۔

الْحَجُور: جمع حَجْرٍ بفتح الحاء و کسرہا، گود، تربیت، پرورش، فی حَجُورِ کُم، تمہاری پرورش میں۔

الکناية فی قوله "دَخَلْتُمُ بَيْنَ" فِی کناية عن الجماع أو الخلوة۔

الأمهات، جمع أم فالهاء زائدة فی الجمع فرقا بین العقلاء و غیرہم یقال فی العقلاء أمهات و فی غیرہم أمات، أخت و بنت، أصلهما أَخَوٌ وَ بَنَوٌ، حذفت واؤهما و عوض عنها التاء۔

تَفْسِيرُ وَ تَشْرِیْحُ

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاءُكُمْ، زمانہ جاہلیت میں اس میں کوئی باک نہیں تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیتے تھے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بے شرمی اور بے حیائی کے کام سے منع فرمایا ہے اور اس کو اپنی ناراضگی کا سبب بتایا ہے ظاہر ہے کہ یہ کیسی اخلاق کی موت اور کردار کا دیوالیہ پن ہے کہ جس کو ایک عرصہ تک ماں کہتے رہے اس کو باپ کی موت کے بعد ہی بیوی بنالیا۔

مَسْئَلَةٌ: آیت شریفہ میں باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے، اس میں اس بات کی قید نہیں لگائی کہ باپ نے اس سے وطی بھی کی ہو، لہذا کسی عورت سے اگر باپ کا عقد بھی ہو جائے تو اس عورت سے بیٹے کیلئے نکاح کبھی حلال نہیں، اسی طرح بیٹے کی بیوی سے باپ کا کبھی نکاح کرنا درست نہیں، اگرچہ بیٹے کا صرف نکاح ہی ہوا ہو۔

قال الشامي، وتحرم زوجه الاصل والفرع بمجرد العقد دخل بها أولا۔

مَسْئَلَةٌ: اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کر لیا تو بھی بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔

لفظ اُمَّہَاتُکُمْ کے عموم میں دادیاں اور نانیاں سب داخل ہیں، اسی طرح بنتکم، میں اپنی صلبی لڑکیاں اور لڑکے کی لڑکی اور لڑکی کی لڑکی بھی حرام ہے۔

خلاصہ یہ کہ بیٹی، پوتی، پڑپوتی، نو اسی پڑنو اسی ان سب سے نکاح حرام ہے، اور سوتیلی لڑکی جو دوسرے شوہر کی ہو اور بیوی ساتھ لائی ہو اس سے نکاح کرنے نہ کرنے میں تفصیل ہے جو آگے آرہی ہے اور جو لڑکا لڑکی صلبی نہ ہو بلکہ گود لے کر پال لیا ہو ان سے اور ان کی اولاد سے نکاح جائز ہے بشرطیکہ کسی دوسرے طریقہ سے حرمت نہ آئی ہو، اسی طرح اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا تو اس نطفہ سے جو لڑکی پیدا ہو وہ بھی بیٹی کے حکم میں ہے، اس سے بھی نکاح درست نہیں۔
وَ اٰخَوَاتُکُمْ، اپنی حقیقی بہن سے نکاح حرام ہے، اور علاقائی اور اخیانی بہن سے بھی نکاح حرام ہے۔
وَعَمَّتُکُمْ، اپنے باپ کی حقیقی بہن نیز علاقائی یا اخیانی بہن ان تینوں سے نکاح حرام ہے غرضیکہ تینوں قسم کی پھوپھیوں سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

وَ خَلَّتُکُمْ، اپنی والدہ کی بہن (خالہ) خواہ حقیقی ہو یا علاقائی یا اخیانی کسی سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔
وَبَنَاتُ الْاُخْ، بھائی کی لڑکیوں یعنی بھتیجیوں سے بھی نکاح حرام ہے خواہ حقیقی ہوں یا علاقائی یا اخیانی۔
وَبَنَاتُ الْاُخْتِ، بہن کی لڑکیوں یعنی بھانجیوں سے بھی نکاح حرام ہے اور یہاں بھی وہی تعلیم ہے کہ خواہ حقیقی بھانجی ہو یا علاقائی یا اخیانی۔

وَ اُمَّہَاتُکُمُ الَّتِیْ اَرْضَعْنٰکُمْ، اور جن عورتوں کا دودھ تم نے پیا ہے اگرچہ وہ حقیقی مائیں نہ ہوں وہ بھی حرمت نکاح کے بارے میں والدہ کے حکم میں ہیں اور ان سے بھی نکاح حرام ہے تھوڑا دودھ پیا ہو یا زیادہ ایک مرتبہ یا متعدد بار، فقہاء کی اصطلاح میں اس کو حرمت رضاعت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حرمت رضاعت کی مدت:

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حرمت رضاعت اسی زمانہ میں دودھ پینے سے ثابت ہوتی ہے جو دودھ پینے کا زمانہ ہوتا ہے، حضور ﷺ کا ارشاد ہے ”اِنَّمَا الرِّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ“ یعنی رضاعت سے جو حرمت ثابت ہوگی وہ اسی زمانہ کے دودھ پینے سے ہوگی جس زمانہ میں دودھ پینے سے بچے کا نشوونما ہوتا ہے۔ (بخاری و مسلم)

اور یہ مدت امام ابوحنیفہ رَحِمَہُمُ اللہُ تَعَالٰی کے نزدیک بچے کی پیدائش سے لیکر ڈھائی سال تک ہے اور دیگر فقہاء کے نزدیک جس میں امام ابوحنیفہ کے مخصوص شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالٰی بھی ہیں اس بات کے قائل ہیں کہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی۔

وَ اٰخَوَاتُکُمْ مِنَ الرِّضَاعَةِ، یعنی رضاعت کے رشتہ سے جو بہن ہے اس سے بھی نکاح کرنا حرام ہے تفصیل اس کی یوں

ہے کہ جب کسی لڑکے یا لڑکی نے ایام رضاعت میں عورت کا دودھ پی لیا تو وہ عورت ان کی رضاعی ماں بن گئی، اور اس عورت کا شوہر ان کا رضاعی باپ بن گیا، اور اس عورت کی نسبی اولاد ان کے بہن بھائی بن گئے، اور اس عورت کی بہنیں ان کی خالائیں بن گئیں اور اس عورت کے جیٹھ دیوران بچوں کے رضاعی چچا بن گئے، اور اس عورت کے شوہر کی بہنیں ان بچوں کی پھوپھیاں بن گئیں، اور ان میں باہم حرمت رضاعت ثابت ہوگئی، نسب کے رشتہ سے جو نکاح آپس میں حرام ہے، رضاعت کے رشتہ سے بھی حرام ہو جاتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے ”اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الْحَضَانَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ۔ (مشکوٰۃ)

مَسْئَلَةٌ: جس طرح رضاعی بہن سے نکاح نہیں ہو سکتا رضاعی بھانجی سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔

مَسْئَلَةٌ: رضاعی بھائی یا رضاعی بہن کی نسبی ماں سے نکاح جائز ہے اور نسبی بہن کی رضاعی ماں سے بھی نکاح جائز ہے اور رضاعی بہن کی نسبی بہن اور نسبی بہن کی رضاعی بہن سے بھی نکاح جائز ہے۔

مَسْئَلَةٌ: منہ یا ناک کے ذریعہ ایام رضاعت میں دودھ اندر جانے سے حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اور اگر اور کسی راستہ سے دودھ پہنچا دیا جائے یا دودھ کا انجکشن لگا دیا جائے تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ (معارف القرآن)

مَسْئَلَةٌ: دودھ اگر دوا میں یا بکری یا گائے بھینس کے دودھ میں ملا ہوا ہو تو اس سے حرمت رضاعت اس وقت ثابت ہوگی جب عورت کا دودھ غالب یا برابر ہو لیکن اگر عورت کا دودھ کم ہے تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

مَسْئَلَةٌ: اگر مرد کے دودھ نکل آئے اور بچہ پی لے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

مَسْئَلَةٌ: اگر دودھ پینے کا شک ہو تو حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔ اگر بچے کے منہ میں پستان دیا لیکن دودھ جانے کا یقین نہ ہو تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

مَسْئَلَةٌ: اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا کسی دوسری عورت نے کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے تو اگر دونوں اس کی تصدیق کریں تو نکاح فاسد ہو نیک فیصلہ کر لیا جائیگا اور اگر یہ دونوں اس کی تکذیب کریں اور عورت دیندار خدا ترس ہو تو فساد نکاح کا فیصلہ نہ ہوگا، لیکن طلاق دے کر مفارقت کر لینا افضل ہے۔

مَسْئَلَةٌ: رضاعت کے ثبوت کے لئے دو دیندار مردوں کی گواہی ضروری ہے ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی سے رضاعت ثابت نہ ہوگی، مگر احتیاط افضل ہے۔

مَسْئَلَةٌ: جس طرح دو دیندار مردوں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح ایک مرد اور ایک دیندار عورت کی گواہی سے بھی حرمت رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔

وَأُمِّهَاتُ نِسَائِكُمْ، بیویوں کی مائیں (خوشدامن) شوہر پر حرام ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں بیویوں کی نانیاں، دادیاں، نسبی ہوں یا رضاعی سب داخل ہیں۔

مَسْئَلَةٌ: جس طرح بیویوں کی مائیں حرام ہیں اسی طرح اس عورت کی ماں بھی حرام ہے جس سے شبہ میں ہم بستری کی ہو، یا جس کے ساتھ زنا کیا ہو یا اس کو شہوت کے ساتھ چھوا ہو۔

مَسْکَلٌ: نفس نکاح ہی سے بیوی کی ماں حرام ہو جاتی ہے حرمت کے لئے دخول وغیرہ ضروری نہیں۔

وَرَبَّائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ (الآیۃ) جس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور نکاح کے بعد ہم بستری بھی کی تو اس عورت کی لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہے اسی طرح اس کی پوتی، نواسی، حرام ہو گئیں لیکن اگر ہم بستری نہیں کی، صرف نکاح ہوا تو مذکورہ قسم میں حرام نہ ہوں گی، لیکن نکاح کے بعد اگر اس کو شہوت کے ساتھ چھوا، یا اس کے اندام نہانی کی طرف شہوت کی نگاہ سے دیکھا تو یہ بھی ہم بستری کے حکم میں ہے اس سے بھی اس عورت کی لڑکی وغیرہ حرام ہو جاتی ہے۔

وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ، بیٹے کی بیوی حرام ہے اور بیٹے کے عموم میں پوتا اور نواسا بھی داخل ہے، لہذا ان کی بیویوں سے نکاح جائز نہیں۔

مَسْکَلٌ: متبنی کی بیوی سے نکاح حلال ہے، اور رضاعی بیٹا بھی حقیقی بیٹے کے حکم میں داخل ہے۔

وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ، دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، خواہ حقیقی بہنیں ہوں یا علاقائی یا خیالی، نسب کے اعتبار سے ہوں یا رضاعت کے اعتبار سے البتہ طلاق ہو جانے کے بعد دوسری بہن سے نکاح جائز ہے لیکن یہ جواز عدت گزرنے کے بعد ہے عدت کے دوران نکاح جائز نہیں۔

مَسْکَلٌ: جس طرح ایک ساتھ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے اسی طرح چھو بھی بہتھی، خالہ بھانجی کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

مَسْکَلٌ: فقہاء کرام نے بطور قاعدہ کلیہ یہ لکھا ہے کہ ہر ایسی دو عورتیں جن میں سے اگر کسی ایک کو مرد فرض کیا جائے تو شرعاً ان دونوں کے درمیان نکاح جائز نہ ہو اس طرح کی دو عورتیں ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یادداشت:

www.ahelana.org

یادداشت:

www.ahelana.org

یادداشت:

www.ahelamd.org

یادداشت:

www.arielahq.org

یادداشت:

www.ahelahnq.org